صلاح الدین ایوبی

کی زندگی پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب



فاتح و محافظ القدس

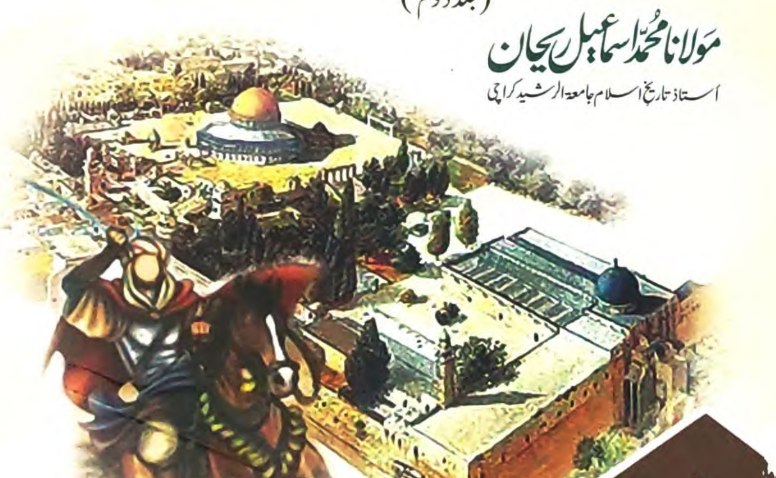
سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

(شخصیت و کارنامے)

(جلد دوم)

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاذ تاریخ اسلام جامعۃ الرشید کراچی



لا إله إلا الله محمد رسول الله

فاتح و محافظ القدس

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

— شخصیت و کارنامے —

صلاح الدین ایوبیؒ کی زندگی پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب

جلدِ دوم

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاذ تاریخِ اسلام جامعۃ الرشید کراچی

الناشر

المنهل

بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی

021-34612901 ; 0321-2000870

نام کتاب: سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

مؤلف: مولانا محمد اسماعیل ریحان

طبع جدید: ستمبر 2014ء

ناشر: المنهل بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی
021-34612901 | 0321-2000870

پاکستان بھر میں ملنے کے پتے

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین	05	قلعۂ کوکب کے نصرانیوں کا عفر بلا پر قبضہ	42
ابتدائیہ	15	عکا میں	43
باب: 1		فصل: 2	
شام سے نصرانی مورچوں کا خاتمہ	23	شمالی شام میں فتوحات کا ریلا	44
شخصیات	24	عکا کی تعمیر نو	45
فصل: 1		قلعۂ کوکب پر ناکام حملہ	46
صور کی جان گسل مہم	25	قاضی ابن شداد کی سلطان کے پاس آمد	46
سلطان صور کے سامنے	26	دمشق میں دس دن	47
ایک شب کی غفلت مسلمانوں کو بہت		جسے موت کا یقین ہو......	48
بھاری پڑی	27	نئی مہم شروع ہوتی ہے	49
صور کے خون ریز معرکے	28	یلغار کے نئے خطوط	50
دربارِ خلافت میں سلطان کی ساکھ کو		جبلہ کے قاضی منصور بن نبیل	51
زبردست دھچکا	30	انطرطوس تباہ کر دیا گیا	52
خلیفہ ناصر کی سلطان صلاح الدین ایوبی		موت کا پھندا	53
سے رنجش کی وجوہ	32	دشوار گزار راہیں	55
بغدادی سفیر کی آمد اور سلطان کا عمدہ برتاؤ	34	جبلہ اور نواحی قلعوں کی فتح	55
صور سے سلطان کی واپسی	36	لاذقیہ پر حملہ	56
صور کی مہم کی ناکامی کے اسباب	38	مارگریٹ کی دھمکی اور سلطان کا جواب	57
سلطان پر ایک اور اعتراض	40	پہاڑ کی چوٹی پر	58

جب منجنیقیں بے کار ثابت ہوئیں	60
الملک الظاہر "سرمینیہ" کے محاذ پر	62
قلعۂ برزیہ کی خوں ریز لڑائی	63
انطاکیہ میں سلطان کی عیسائی جاسوسہ	67
درب ساک کی فتح	68
قلعۂ بغراس بھی سرنگوں	69
قلعوں کے انہدام کا فیصلہ کیوں کیا گیا؟	70
لشکر اسلام انطاکیہ کے سامنے	71
فصل :3	
وسطی شام کی پر خطر مہمات	73
نا قابل تسخیر کرک مسخر ہو گیا	74
صفد کا محاصرہ	75
صور کے سورما پکڑے گئے	75
اسامہ بن مرشد کی وفات	76
اللہ کے راستے میں رات کی شب بیداری	77
طوفانی موسم اور قلعۂ کوکب کا محاذ	78
آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے	80
مسلم حکمران غفلت کی نیند سو رہے تھے	83
سلطان صلاح الدین مسجد اقصیٰ میں	85
سلطان کے بلند عزائم	86
فصل :4	
شقیف ارنوم	87
سفیر بغداد دربارِ سلطانی میں	88
قلعۂ شقیف ارنوم	88
فتح شوبک	91
مغرب سے اُٹھتے ہوئے شعلے	91
یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا نقارہ	92
تقدیر کا معاملہ جاری و ساری ہے	97
فریبی فریب دیتا رہا	98
گائی آف لوسگنان کی بدعہدی	99
گائی اور کونرڈ	101
فرنگیوں کی صیدا پر قبضے کی کوشش	102
بے فائدہ جوش و خروش اور اس کا نقصان	102
فرنگیوں کی صور کی طرف پسپائی اور سلطان کی معسکر کو واپسی	103
جنگل میں فرنگیوں سے مقابلہ	104
عرب مجاہدین اور ایبک الساقی	105
ریجی نالڈ گرفتار	107
قیصر روم کا دوستانہ مراسلہ	109
اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟	111
صور سے گائی کے لشکر کی روانگی	111
اَسباقِ تاریخ	113
باب :2	
عکا کا میدانِ کارزار	115
شخصیات	116
فصل :1	
محاصرۂ عکا	118
وادیٔ عکا کا نقشہ	119
شہر عکا کا نظارہ	120
عکا محاصرے میں	121
جب یورپی افواج ساحل پر اُترنے لگیں	122
فریقین کی طاقت کا موازنہ	126

صلیبی جنگ کا پہلا معرکہ	127
عکا کا راستہ کھل گیا	129
ایک سنگین غلطی	131
حملہ مزید موخر ہو گیا	132
فرنگیوں کا اچانک حملہ	132
اسلامی خیمہ گاہ تل العیاضیہ پر	133
بدوؤں کا چھاپہ	134
فصل :2	
معرکۂ کبریٰ	136
سلطان کے لشکر کی ترتیب	138
جنگ شروع ہوتی ہے	139
قلبِ لشکرِ اسلام درہم برہم	140
مسلمانوں کو شدید ترین ہزیمت	141
اسلامی میسرہ کی استقامت	141
مغرور سپاہیوں کی حالت	142
خیمہ گاہ بھی لٹ گئی	142
سلطان صلاح الدین ایوبی کی حوصلہ مندی	142
میدانِ جنگ کا منظر	143
صلیبیوں کی لوٹ مار	143
صلیبی کیوں واپس ہوئے	144
شکست کی کھائی سے فتح کی چوٹی تک	145
لڑائی کے بعد	146
غیبی مدد و نصرت	149
ایک نیا مسئلہ اور سلطان کا حسنِ انتظام	149
فرنگیوں کی لاشیں دریائے عکا میں	150
قاضی فاضل کا تہنیتی مکتوب	152
لشکرِ اسلام میدان سے کیوں ہٹا؟	153
سلطان کی تقریر	154
فصل :3	
طوفانی موسم	158
وادی عکا اور صلیبی کیمپ کی صورتحال	158
اُمید و بیم کے دن	161
فریڈرک باربروسا کی یلغار	162
سلطان کی مجلس مشاورت	162
قاضی ابن شداد سفارتی محاذ پر	163
اہل ایمان کی غیرت کہاں ہے؟	164
جب سیلاب پہاڑ سے ٹکراتا ہے	164
آپ بستروں پر کیوں مطمئن ہیں	165
شاہِ جرمنی ایشیائے کوچک میں	167
جرمنوں کا سیلاب بے اماں	170
مصری بری و بحری فوج کی آمد	171
بعض اکابر اور رفقاء کی وفات	173
سفارتی وفود سے معاملات	173
صلیبی دیوپیکر دبابے بنا رہے تھے	173
فصل :4	
ہولناک دبابے	175
وقعۃ الرمل (ریت کا معرکہ)	176
بہار کی شوخیاں	177
فرنگیوں کی کمک کی بحالی اور تازیانِ افرنگ کی آمد	177
فرنگی حسینائیں، سامانِ ہوس پرستی	178
مسلمانوں کیلئے دامِ فرنگ	179

کبوتروں کا کمال 179
پیراکوں کا کارنامہ 180
موصل کا امدادی سامانِ حرب 181
کفر پنجے پھیلائے ہوئے ہے 181
قلعۂ شقیف ارنوم سرنگوں 182
خلیفہ بغداد کا سفیر اور امدادی سامان 183
اسلامی افواج کی آمد 184
ہولناک دبابے عکا کے سامنے 184
شدید معرکوں کا ہفتہ 185
الملک الظاہر اور کوکبری کی آمد 187
علی بن عریف کا کارنامہ 188
یوم تکبیر 190
سنجار اور الجزیرہ کی امدادی فوجیں 193

فصل :5

جرمن ٹڈی دل، شام میں 194
تین محاذوں پر بیک وقت جنگ 194
مزید امدادی فوجیں 196
جرمنوں کی خبریں 196
غیر متوقع خوشخبری 198
شمالی سرحدوں پر افواج کی تشکیل 199
وبائی موسم اور امراض 200
نیا جرمن حکمران فریڈرک اور ارمن حکمران 200
جرمنوں میں پھوٹ پڑ گئی 201
یا لَلاِسلام 202
عبرت انگیز نظارے 205
خسارے کی جگہ نفع 205
خوشگوار لمحات 206
غیبی مدد و نصرت 206
جرمن انطاکیہ میں 206
ابھی قبروں سے نکلے ہیں 207
خوراک و رسد ختم 207
ایک دانہ بھی فروخت نہ کرنا 208
صلیبی صلح پر آمادہ 209

فصل :6

بحر و بر میں جہادِ مسلسل 210
ہنری آف شیمپین اور دیگر نوابوں کی کمک 211
لشکرِ اسلام کی عقب نشینی 212
نامعلوم نواب۔ اسیر عکا 213
مارکویس انطاکیہ میں 214
جرمنوں کا حشر نشر 214
شہید ہو کر بھی فرض ادا کیا 216
بیروت کے جانباز ملاح 216
بحری جہازوں کی جنگ 219
کاؤنٹ ہنری کی بڑی منجنیق 222
ایک اور کارنامہ 222
شعلہ زن تیر 223
برج الذباب پر حملہ اور اللہ کی نصرت 223

فصل :7

موسم خزاں کے معرکے 225
جرمنوں کا ناکام حملہ 226
صلیبیوں کے نئے ہتھیار، کبش اور سنور 227
شمالی افواج کی واپسی 229

برطانوی فوج کی آمد	229
برج الذباب کا دوسرا معرکہ	229
حاکم انطاکیہ کی ہزیمت	230
ماہِ رمضان کی بقیہ جھڑپیں	230
برسات اور اسلامی افواج کی عقب نشینی	231
سنجر شاہ کی ہٹ دھرمی	232
عمادالدین کی اُکتاہٹ	235
معرکہ مرج عکا	236
سلطان کی صف بندی	238
ہنگامہ خیز رات	241
نوبۃ النہر...... معرکہ دریائے عکا	242
اس کے ساتھ مجھے قتل کردو	244
جنگ کا آخری منظر	246
ایک کامیاب حملہ	247
فصل :8	
موسم سرما کی تباہ کاریاں	249
فاقہ کش صلیبیوں سے حسن سلوک	250
وفود کی آمد	251
عکا کی فوج تبدیل کرنے کا سلسلہ	251
ایک حسرت ناک حادثہ	253
عکا پر صلیبیوں کا حملہ	254
فصیل عکا میں شگاف	255
پناہ گزین نصرانیوں کا صلیبیوں پر حملہ	256
سمندری طوفان اور صلیبی کیمپ کا قحط	256
جرمن بادشاہ کی موت	257
بحری جھڑپیں	258
آؤ گلے ملیں	258
افواج کی تبدیلی کا کام	259
کیا دفاعی انتظامات ادھورے تھے؟	259
حالات بدلنے لگے	261
اسلامی افواج کی واپسی اور جھڑپوں کا آغاز	262
ابھی یہ فرق نہیں سمجھتے	263
شاہِ فرانس کی آمد	263
لاذقیہ کے نصرانیوں کی قبرص میں کارروائی	264
فصل :9	
رچرڈ کی آمد	266
صلیبی عکا پر حملے کے لئے تیار	268
ایک فرنگی ماں سے سلطان کا حسن سلوک	268
عکا کی جنگ نئی شدت سے شروع	270
معسکر کی تبدیلی	271
رچرڈ عکا کے ساحل پر	272
دو فرنگی غلام مشرف با اسلام	273
بیروت کا سفینہ انگریزوں کے نرغے میں	273
خوفناک دبابہ	275
عکا پر بڑا حملہ۔ سلطان کی جوابی کارروائی	276
رچرڈ۔ سلطان ایوبی سے ملاقات کا خواہشمند	278
رچرڈ کی طرف سے پرفریب گفت وشنید	278
رچرڈ کا پیغام اور تحائف کا تبادلہ	279
رچرڈ کی آمد کے بعد صلیبی افواج کی تعداد	280
خنجر کی نوک پر	281
دو معرکے	282
اسلامی شہروں سے کمک	282

تقی الدین عمر کہاں تھا؟ 282
کونرڈ کا فرار 283
عجیب وغریب محاصرانہ جنگ 284
نئے آلات۔ نئے حربے 284

فصل :10
سقوطِ عکا 287
برج قتال منہدم 288
چھ فرنگی نائٹوں کا قتل 289
عکا پر ہولناک حملہ 290
امیر مشطوب کا پیغام 291
8 جمادی الاخریٰ کا معرکہ 292
مشطوب کی شاہِ فرانس سے ملاقات 294
چند کم ہمت امراء کا عکا سے فرار 295
سلطان کا ایک منصوبہ جس پر عمل نہ ہوا 295
پھر صلح کا جھانسا 296
سلطان کا ایک اور منصوبہ جو ادھورا رہ گیا 296
ایک اور سفارت۔ انگریزوں کا اصل مقصد 298
سبز پوش لشکر 298
ہم نے موت پر بیعت کر لی ہے 300
اسلامی اور صلیبی کمک 300
مشطوب کا صلیبی قیادت سے معاہدہ 301
تقدیر کا لکھا 302
فرنگی عکا میں 303
نہ ہوا تقی الدین عمر 304
کاش کہ بحری امداد مل جاتی 304

فصل :11
اہل عکا کا قتل عام 307
فرنگیوں کی اہل عکا سے عہد شکنی 308
یروشلم کا بادشاہ کون؟ 308
فلپ اور کونرڈ کی واپسی 309
سلطان نے معاہدۂ عکا قبول کر لیا 310
لشکرِ اسلام کی عقب نشینی اور مذاکرات کا دور 310
ایک خون ریز جھڑپ 311
قسطوں میں شرائط کی تکمیل کی تجویز 311
صلیب الصلبوت، صلیبیوں کے سامنے 312
مذاکرات کا انجام 312
اہل عکا کا قتل عام 315
اسلامی ہراوّل اور فرنگیوں میں معرکہ 316
جاسوسی نظام کی کمزوری 317
رچرڈ کا دامن داغدار رہے گا 317
صلیب اور فرنگی قیدی دمشق روانہ 318
سلطان کا ایک دل سوز مراسلہ 319
دوسالہ محاذِ عکا کا ایک تجزیہ 319
شکست اور کامیابیاں 322
اسباقِ تاریخ 323

باب :3
عکا سے بیت المقدس تک 325
شخصیات 326

فصل :1
بحیرۂ روم کے ساحل پر 328
سلطان کی نئی حکمت عملی 329
لشکرِ اسلام کی تیاری 329

تعاقب کا پہلا دن (یکم شعبان، 23اگست) 330
تعاقب کا دوسرا دن (2شعبان، 24اگست) حیفا 332
تعاقب کا تیسرا دن (3شعبان، 25اگست) 333
تعاقب کا چوتھا دن (4شعبان، 26اگست) 333
تعاقب کا پانچواں دن (5شعبان، 27اگست) 334
تعاقب کا چھٹا دن (6 شعبان، 28 اگست)
قیساریہ 335
تعاقب کا ساتواں دن (7شعبان، 29اگست) 336
تعاقب کا آٹھواں دن (8شعبان، 30اگست) 336
قیساریہ کے باہر خون ریز جنگ 338
نواں دن (9شعبان، 31اگست) دوسرا معرکہ 339
غدار مسلمانوں کا انجام 341
دسواں دن (10شعبان، یکم ستمبر) ارسوف میں 342
گیارہواں دن (11شعبان، 2ستمبر) 342
بارہواں دن (12شعبان، 3ستمبر)
مذاکرات کا ڈول 342
ارسوف کا ہولناک معرکہ 343
معرکے کے بعد 347
فریقین کے نقصانات 348
ساحل کی آخری جھڑپ 349

فصل 2:

عسقلان 350
رملہ میں مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس 351
اس شہر کا ایک پتھر اُکھاڑنا بھی...... 353
عسقلان اور روزِ محشر 354
شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی 355
سلطان بستر علالت پر 356
عسقلان کی تباہی کا حاصل 357
عاشق القدس اپنے مرکزِ عشق میں 357
جب رچرڈ نرغے میں آیا 358
صلیبیوں کا ذہنی انتشار اور عیاشیاں 359
ایک اہم سوال 360

فصل 3:

مراسلے، ملاقاتیں اور صلح کے مذاکرات 361
رچرڈ کی پریشانیاں اور نئی مصروفیات 362
شیرکوہ کا قصہ 363
رچرڈ کا خط اور سلطان کا دوٹوک جواب 363
رچرڈ کا حیران کن مصالحتی فارمولا 366
رچرڈ کی کہہ مکرنیاں 367
جھڑپوں کا نیا سلسلہ...... دونوں فوجیں آمنے سامنے 368
اشکوں کی برسات 369
تقی الدین عمر کے آخری ایام 370
خلیفہ کا خط اور سلطان کا محتاط جواب 371
فرنگیوں سے ایک اور خونی جھڑپ 371
رچرڈ کا نیا مراسلہ 372
کونرڈ مارکوئیس کی سفارت 373
العادل اور رچرڈ کی ملاقات 373
رچرڈ سلطان سے ملنے کا مشتاق 374
رچرڈ القدس کے ایک ٹکڑے کا سوالی 374
اِسی جدوجہد میں موت آجائے...... 376
شوریٰ کا اجلاس، صلح رچرڈ سے یا کونرڈ سے 377

فصل :4
القدس پر رچرڈ کی پہلی یلغار 378
سلطان کی مزاحمت 379
صلیبیوں کی عبرتناک پسپائی 380
صلیبی عسقلان میں 381
سلطان القدس کے مزدوروں کے ساتھ 382
رچرڈ کی نئی مصالحانہ سازشیں 383
سلطان نے مذاکرات پر حامی کیوں بھری؟ 385
رچرڈ کی بدنیتی 386
سلطان کا کونرڈ مارکوئیس سے صلح کا فیصلہ 387
رچرڈ کونرڈ کی تاج پوشی پر آمادہ 388
کونرڈ کا انجام 389
نیا تاجدار یروشلم 390
آمد بہار اور جنگ کی تیاریاں 391
قیصر روم کا ایلچی 391
سیف الدین مشطوب کی رہائی 392
سلطان کیلئے ایک نئی پریشانی اور اسکا حل 393
افواج کی طلبی اور امدادی دستوں کی آمد 394
فصل :5
معرکۂ بیت المقدس 396
رچرڈ کی القدس کی طرف یلغار 397
مصر سے آنیوالے قافلے پر رچرڈ کا حملہ 399
سلطان کی جنگی حکمت عملی اور امراء کا اجلاس 404
سلطان کا امراء سے تاریخی خطاب 405
امراء کا اختلاف رائے 407
بھاری تھی شب مریض پر...... 408
سلطان کے آنسو، اقصیٰ کے مصلے پر 410
صلیبیوں میں اختلاف رائے 412
صلیبی ناکام لوٹ گئے 415
چھٹا باب: یافا کا معرکہ 417
عسقلان کا مسئلہ 419
لشکرِ سلطانی یافا کی طرف 421
نصرانی قلعے میں محصور 425
بدنظمی اور ہنگامہ آرائی 425
ایک پریشان کن اطلاع 426
بحری بیڑے کا پہنچ 427
رچرڈ کے کارنامے کی حقیقت 432
صلاح الدین عظیم ہے 433
میں جہاد ہمیشہ جاری رکھوں گا 434
فصل :2
آخری جھڑپ اور صلح نامہ رملہ 436
آخری جھڑپ 436
تازہ افواج اور المنصور کی آمد 440
رچرڈ کو برف اور پھلوں کے تحائف 441
سلطان کا نیا منصوبہ 441
رچرڈ کا چونکا دینے والا پیغام 442
سلطان صلح پر آمادہ کیوں ہوئے؟ 443
صلح نامہ طے ہوگیا 444
صلیبیوں نے کیا کھویا کیا پایا 446
معاہدۂ رملہ کے بعد 448
عسقلان کی فصیل کا انہدام 449
صلیبیوں کو زیارت القدس کی سہولت 450

سلطان کا شوق حج	451
اسباق تاریخ	454
باب: 4	
تیسری صلیبی جنگ کے بعد	456
شخصیات	557
فصل: 1	
بیت المقدس اور دمشق میں سلطان کے آخری ایام	458
بیٹے کو گراں مایہ نصائح	458
القدس میں ترقیاتی کام	459
صلیبی جنگ کے اختتام پر سلطان کا مقام	460
سلطان کی فتح کی اہم وجوہ	461
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	464
ارادۂ حج پر عمل کیوں نہ ہو سکا؟	466
باغبان کی گل گشت	468
سیف الدین مشطوب کی وفات	469
دمشق تک منزل بہ منزل	469
حاکم انطاکیہ کی اچانک آمد	470
سلطان اپنے وطن میں	471
دمشق کے پرلطف ایام	471
سیر وشکار اور العادل کی آمد	472
دمشق میں سلطان کی مصروفیات	472
پیام الوداع	473
قاضی ابن شداد سلطان کی خدمت میں	474
جب ننھا ابوبکر رو پڑا	474
حاجیوں کا استقبال	475
فصل: 2	
شمشیر اسلام زیر خاک	478
سلطان کی قوتِ برداشت	479
لوگوں کا قلق اور اضطراب	479
آخری سنبھالا	480
الملک الافضل نے حلف لیا	481
اُمیدیں دم توڑ گئیں	482
آخری لمحات	482
آج یوسف نے رہائی پالی	483
پورا شہر سوگوار	484
اِسی تلوار پر سہارا لے کر اُٹھیں گے	485
خوابوں میں بشارت	485
سلطان کی وصیت اور تدفین	485
فصل: 3	
سلطان صلاح الدین ایوبی کی سیرت پر ایک نظر	486
عدل وانصاف	486
زہد وقناعت	488
شجاعت	488
جہاد کا ولولہ	489
صبر وتحمل	491
عفو ودرگزر	492
سخاوت	495
مہمان نوازی	497
اخلاق، رہن سہن، علم کا ذوق اور مجلسی زندگی	499
عقیدہ ونظریہ	500

شریعت کی پابندی	501
نماز کی پابندی	502
روزے	503
قرآن مجید کا شوق	503
شوق حدیث	504
صدقہ و خیرات	504
بعض عادات	505
سلطان کا خاندان	505
اولاد	506
ازواج	507
فصل :4	
سلطان ایوبی کے جانشین اور صلیبی جنگیں	508
چوتھی صلیبی جنگ	509
پانچویں صلیبی جنگ	510
دمیاط کا معرکہ	511
وادئ نیل کا تاریخ ساز معرکہ	513
چھٹی صلیبی جنگ۔ القدس جرمنوں کے حوالے	515
سلطان بیبرس اور ساتویں صلیبی جنگ	516
آٹھویں صلیبی جنگ	517
اسباق تاریخ	519
اختتامیہ	
بیت المقدس اور یہود	521
یہود کا دیرینہ خواب	522
ٹیمپلرز اور فری میسنری	522
فلسطین میں یہود کی آباد کاری	524
تحریک جہاد اور وائٹ پیپر	525
اسرائیل کا قیام	525
سقوط بیت المقدس	526
یہود اور امریکا	526
ماخذ و مراجع	529

اِبتدائیہ

ملتِ نصاریٰ سے فدائیانِ اسلام کے معرکوں کا آغاز جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہو چکا تھا، سریہ موتہ اور غزوۂ تبوک میں روم کے نصاریٰ ہی مدمقابل تھے۔ حضور رحمت عالم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں تیار کیا جانے والا لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اسی مہم کے لیے روانہ کیا جارہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان معرکوں میں شدت آگئی اور شام کی حدود میں بڑی بڑی لڑائیں ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رومی افواج کی کمر ٹوٹ گئی، یرموک کے میدان میں ان کو زبردست شکست ہوئی، بیت المقدس فتح ہوگیا اور ارض مقدس کے علاوہ شام اور مصر بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے۔ بیت المقدس کا ہاتھ سے نکل جانا نصرانیوں کے لیے ایک ناقابل برداشت بات تھی، وہ ہر قیمت پر اسے واپس لینا چاہتے تھے مگر اسلام کے شمشیر بکف محافظ بیدار تھے، اس لیے صدیوں تک ان کو اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے کچھ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

مگر پانچویں صدی عیسوی میں خلافتِ اسلامیہ کی کمزوری اور مسلمانوں کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر نصرانیوں نے عالم اسلام پر قبضے کے خواب دیکھنے شروع کردیے۔ 492ھ میں یورپ کے صلیبی لشکر نے شام پر حملہ کر کے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ بیت المقدس میں عیسائی فاتحین نے مسلمانوں کا بہیمانہ قتل عام کر کے جس طرح اپنی درندہ صفتی کا ثبوت فراہم کیا تھا اس سے پورے عالم اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔ خود یورپی مؤرخین نے دہشت اور درندگی کے اس افسوسناک واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں مقتول مسلمانوں کا اتنا خون بہا جس میں صلیبیوں کے گھوڑے گھٹنوں تک ڈوب گئے تھے۔

ایک چوتھائی صدی بعد عمادالدین زنگی اور پھر ان کے حوصلہ مند فرزند سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ نے صلیبیوں سے جہاد کا علم سنبھال لیا اور اپنے مسلسل حملوں سے تمام دنیائے عیسائیت کو بدحواس کر دیا۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ نورالدین زنگی کی قیادت میں مسلمان جلد یا بدیر بیت المقدس کو بازیاب کرالیں

گے۔اس خطرے کو بھانپ کر جرمنی کے بادشاہ کونراڈ ثالث نے فرانس کے تاجدار لوئی ہفتم نے مشترکہ تیاری کے ساتھ ایک ٹڈی دل لشکر ترتیب دیا اور 542ھ (1147ء) میں عالم اسلام پر چڑھائی کردی۔ سلطان نورالدین نے مومنانہ شجاعت اور غیر معمولی استقامت کے ساتھ دو سال تک ان کا بھرپور مقابلہ کیا اور انہیں عبرتناک شکست دے کر واپس لوٹنے پر مجبور کردیا۔ عیسائی حملہ آوروں کی اس دوسری مشترکہ یلغار کو تاریخ میں دوسری صلیبی جنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چند سال بعد سلطان نورالدینؒ نے ایک زبردست معرکے میں دس ہزار صلیبی جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے ان کے اہم مرکز قلعۂ حارم پر قبضہ کرلیا، بعدازاں دنیائے عیسائیت کے مقابلے میں مضبوط مورچے تیار کرنے کے لیے انہوں نے دمشق کو بھی زیرنگیں کرلیا۔ مصر کے آخری فاطمی خلیفہ عاضد کو اندرونی باغیوں اور نصرانیوں کے خلاف کمک کی ضرورت پڑی تو نورالدین نے اپنے قابل سالاروں شیر
الدین ایوبی کو بھیج کر مصر کے عسکری امور بھی اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ؟ دمیاط اور اسکندریہ
پر تسلط کے بعد انہوں نے یورپ کے بحری راستے سے شام اور بیت المقدس کے نصرانیوں ۔
راستہ بن کردیا۔ سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ بیت المقدس کی آزادی کے لیے اپنی تیاریوں کو آخری
دے رہے تھے کہ ان کا وقت موعود آگیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے سالار صلاح الدین ایوبیؒ نے اس ادھوری مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔

.سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی شخصیت اسلامی تاریخ میں ایک ناقابل
ان کی زندگی کا ہر لمحہ جہد مسلسل سے عبارت تھا، انہوں نے دین مبین کی سربلندی،
المقدس کی بازیابی کے لیے انتھک جدوجہد کی اور اللہ بزرگ وبرتر نے انہیں ان
میں کامیاب کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا تعلق کرد قوم سے تھا جو شام، عراق اور ترکی کی جنوبی سر
میں پائی جاتی ہے، ان کے والد نجم الدین ایوب مشرقی آذربائیجان کے ایک گاؤں ''دوین'' کے رہـ
والے تھے، بعد میں وہ شام آکر عمادالدین زنگی کی فوج میں شامل ہوگئے۔ ان کے بھائی 'اسدالدین شیر کوہ' بھی ان کے ساتھ تھے، دونوں نے اپنی صلاحیتوں کی بناء پر نمایاں ترقی کی، نجم الدین ایوب کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی کے لیے بھی ترقی کے راستے کھل گئے۔ سلطان نورالدین زنگی نے ان کی قابلیت دیکھتے ہوئے مصر کی فتح کے لیے انہیں اسدالدین شیرکوہ کا دست راست بنا کر روانہ کیا تھا۔ مصر پر تسلط کے کچھ عرصے بعد جب شیرکوہ نے وفات پائی تو نورالدین زنگی کے نائب کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی نے وہاں کی حکومت سنبھال لی۔ 559ھ میں سلطان نورالدین زنگی

رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کے خود مختار حاکم بن گئے بعدازاں انہوں نے دمشق اور شام کی چند دیگر چھوٹی چھوٹی کمزور مسلم ریاستوں کو بھی اپنی تحویل میں لے کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی جو صلیبی حکمرانواں کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے اور انہیں اسلامی مقبوضات سے نکالنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔

اس سے قبل سلطان کی زندگی ایک عام سپاہی کی سی تھی مگر حکمران بنتے ہی ان کی طبیعت میں عجیب تبدیلی پیدا ہوئی۔ انہوں نے راحت وآرام سے منہ موڑ لیا اور محنت ومشقت کو خود پر لازم کرلیا۔ ان کے دل میں یہ خیال جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے جس کے ساتھ عیش وآرام کا کوئی جوڑ نہیں۔ وہ اسلام کی نصرت وحمایت اور جہاد فی سبیل اللہ کی لیے کمر بستہ ہوگئے، ارض مقدس کو صلیبی جنگجوؤں کے وجود سے پاک کرنا انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔

566ھ میں سلطان اور صلیبی حکمرانوں کے درمیان باقاعدہ معرکے شروع ہوگئے۔ اس سال سلطان نے شام کے ساحل پر واقع نصرانیوں کے اہم مرکز ایلہ میں فرنگیوں کے لشکر سے ٹکر لی۔ لیکن جب سلطان ان مہمات میں مصروف تھے تو مصر کے عبیدی گروہ نے فرنگیوں کو مصر پر حملے کی دعوت دے دی چنانچہ سسلی کے فرنگیوں نے دوسو بحری جہازوں کے ساتھ اسکندریہ کی بندگاہ پر دھاوا بول دیا۔ سلطان صلاح الدین کو اطلاع ہوئی تو برق وباد کی طرح کوچ کرتے ہوئے مصر پہنچے اور فرنگیوں کو ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ ان کی فوج نہایت ابتر حالت میں واپس بھاگنے پر مجبور ہوئی۔

مصر پر صلاح الدین ایوبی کی حکومت سے پہلے پونے تین صدیوں سے عبیدی شیعہ خاندان کی حکومت چلی آرہی تھی، سلطان نے یہاں اہلسنت والجماعت کا اقتدار قائم کیا، اس لیے اس فرقے کے کرتا دھرتا سلطان سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ شام میں بھی مسلم امراء اور عیسائی حکام سلطان ایوبی کے دشمن تھے۔ ان لوگوں کے اکسانے پر باطنی گروہ کے فدائیوں نے یکے بعد دیگرے سلطان پر کئی قاتلانہ حملے کیے مگر پروردگار عالم کو اسلام کی فتح اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے سلطان صلاح الدین کی زندگی منظور تھی، اس لیے وہ ہر بار محفوظ رہے۔

محرم 579ھ میں سلطان صلاح الدین نے آمد اور اس کے کچھ عرصے بعد حلب پر قبضہ کرلیا جس سے سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی اور دریائے نیل سے لے کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

فرنگی حکمرانوں میں کرک کا قلعہ دار ریجی نالڈ سب سے زیادہ فتنہ پرست، دغاباز اور اسلام کا دشمن تھا،

آنے جانے والے قافلوں کو لوٹنا اس کا معمول تھا، مسلمان تاجر اور حاجی اکثر اس کا نشانہ بن جاتے، اس کی گستاخیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ وہ برملا خانہ کعبہ اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کو مسمار کرنے کی خواہش ظاہر کیا کرتا تھا (نعوذ باللہ)۔ اس ناپاک مقصد کے لیے اس نے جدید تکنیک سے خصوصی بحری بیڑا تیار کرایا اور 579ھ میں بحیرۂ قلزم کے راستے حجاز مقدس پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی بحری فوج کے امیر البحر حسام الدین لؤلؤ نے یہ اطلاع پاتے ہی اس کا تعاقب کیا۔ ریجی نالڈ اور اس کے سپاہی خوفزدہ ہو کر خشکی پر اتر گئے۔ لؤلؤ نے مقامی بدوؤں کے ساتھ مل کر ان کی بڑی تعداد کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا، تاہم ریجی نالڈ بذات خود بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

کچھ عرصے بعد بدفطرت ریجی نالڈ نے ایک اور بہیمانہ کارروائی کی اور مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹ کر تمام افراد کو قید کر لیا، قافلے کے بے سروسامان مسلمانوں نے اس سے رحم کی التجا کی تو اس نے یہ گستاخانہ جواب دیا:

"تم محمد (ﷺ) پر ایمان لائے ہو، اب اس سے کہو کہ تمہیں چھڑا لے۔"

سلطان صلاح الدین کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اگر ریجی نالڈ ہاتھ لگ گیا تو اسے اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار کر گستاخی کی سزا دیں گے۔

583ھ میں طرابلس کے عیسائی حاکم ریمنڈ اور القدس کے مسیحی حکمران گائی نے اپنے سابق اختلافات بھلا کر سلطان کے مقابلے کے لیے صفوریہ میں پچاس ہزار سپاہیوں کا زبردست لشکر جمع کر لیا۔ صفوریہ نصرانیوں کے لیے ایک محفوظ اور مستحکم مقام تھا، اس لیے وہاں براہِ راست حملہ کرنے کی بجائے سلطان نے ان کے ایک اہم مرکز طبریہ پر اپنی فوجیں اتار دیں، یہ دیکھ کر عیسائی افواج تلملا اٹھیں اور طبریہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ مسلمانوں نے ان کے راستوں کے چشمے اور تالاب پہلے ہی ناقابل استعمال بنا دیے تھے، اس لیے جب عیسائی افواج مسلمانوں کی لشکر گاہ کے قریب پہنچیں تو پیاس سے ان کی بری حالت تھی۔

اگلے دن 25 ربیع الثانی 583ھ کو یہاں کوہ حطین کے قریب ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی خود بجلی کی طرح لشکر اسلام کے مختلف حصوں میں جا جا کر ان کو ہدایات دے رہے تھے۔ سلطان کے حکم سے تیر اندازوں نے عیسائی سواروں کو تاک تاک کر ایسے نشانے لگائے کہ وہ ایک طرف ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ ادھر سے سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خاص دستوں کو لے کر خود آ گئے اور ان کو تیروں کی بارش میں واپس دھکیل دیا، سلطان کی ہدایت پر عیسائی لشکر گاہ کے قریب واقع

جھاڑیوں میں آگ لگا دی گئی، ہوا کے رخ پر لپکتے ہوئے شعلوں نے نصرانیوں کو لپیٹ میں لے لیا، اس صورتحال سے عیسائی بددل ہو گئے۔ آخری کوشش کے طور پر انہوں نے کوہ حطین کے قریب جمع ہو کر بچ نکلنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے ہر طرف سے انہیں گھیرے میں لے رکھا تھا، مایوس ہو کر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے، یہ یادگار معرکہ فلسطین کی مسیحی ریاستوں کے مکمل خاتمے اور بیت المقدس کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

مغربی مؤرخ لین پول لکھتا ہے:

''مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جواں مرد قید کر لیے گئے، شاہ یروشلم گائی، اس کا بھائی، ریجی نالڈ اور بڑے بڑے عیسائی سردار قید کر لیے گئے...... مسیحی لشکر کے معمولی پیادے اور سوار سپاہیوں میں سے جو زندہ بچ رہے تھے مسلمانوں کے قیدی بن گئے، ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس نصرانیوں کو جنہیں اس نے خود گرفتار کیا تھا خیمے کی رسی میں باندھ کر لے جاتا تھا...... کٹے ہوئے سر خربوزوں کی فصل کی مانند ہر طرف بکھرے ہوئے تھے......''

فتح کے بعد سلطان صلاح الدین نے شاہ یروشلم گائی اور ریجی نالڈ کو خیمے کے اندر طلب کیا۔ سلطان نے ریجی نالڈ سے کہا:

''سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی دو مرتبہ قسم کھائی تھی، ایک مرتبہ اس وقت جب تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور دوسری مرتبہ اس وقت جب تو نے دھوکے بازی سے حاجیوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اب دیکھ میں محمد ﷺ کی طرف سے تجھ سے انتقام لیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تاہم اس سے قبل اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس طرح جاں بخشی کا ایک موقع فراہم کیا مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا، آخر سلطان نے تلوار کا وار کر کے اپنی قسم کے مطابق اپنے ہاتھ سے اس بدبخت کو واصل جہنم کر دیا، سابق بادشاہ گائی یہ دیکھ کر کانپ رہا تھا، مگر سلطان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہوں کو قتل کریں مگر اس شخص (ریجی نالڈ) کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئی تھیں۔''

حطین کی یادگار فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے لشکر کو آرام کے لیے صرف ایک دن کا آرام دیا اور پھر اسے ایک متلاطم سیلاب کی طرح فلسطین کی حدود میں پھیلا دیا۔ سلطان کے بھائی ملک

العادل اور ان کے بھتیجے تقی الدین الگ الگ سمتوں پر پیش قدمی کرتے ہوئے قلعوں پر قلعے فتح کرتے چلے گئے۔ طبریہ، عکا، یافا، صیدا، بیروت اور عسقلان یکے بعد دیگرے اسلامی فوجوں کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

عسقلان کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین کے لیے بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ بالکل صاف ہو چکا تھا، امت مسلمہ کی بے چین نگاہیں محاذ جنگ پر جمی تھیں۔ تقریباً ایک صدی کے بعد ارض مقدس میں سجدہ ریزی کے لیے لاکھوں پیشانیاں مضطرب تھیں۔ سلطان صلاح الدین کے لیے اس آخری معرکہ میں کامیابی کی دعائیں ہر لحہ آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ مصر اور شام کے سینکڑوں اکابر، مشائخ، علما اور بزرگانِ دین اس فتح کی سعادت میں شرکت کے لیے سلطان کی لشکر گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ 15 رجب 583ھ (ستمبر 1187ء) کو اسلامی لشکر بیت المقدس کی بلند فصیلوں کے سامنے جا پہنچا۔ بیت المقدس میں اس وقت گزشتہ کئی جنگوں کی شکست خوردہ عیسائی فوجیں جمع ہو چکی تھیں۔ کئی دن تک لڑائی جاری رہی، مسلمان منجنیقوں کے ذریعے فصیل کو شکستہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ فصیل پر موجود ہزاروں عیسائی سنگ باری اور تیر اندازی کے ذریعے اور باہر متعین عیسائی جنگجو دست بدست مقابلہ کر کے ان کو فصیل کے قریب آنے سے روک رہے تھے مگر زخموں اور شہادتوں کے باوجود غازیوں نے فصیل پر دھاوا جاری رکھا اور آخر کار فصیل کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ منجنیقیں نزدیک لائی گئیں اور کم فاصلے سے ان کی مسلسل سنگ باری نے فصیل کے پرخچے اڑا دیے۔ نصرانیوں کو شکست سامنے نظر آ رہی تھی، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا تھا، اس کے ردعمل کے تصور سے ان پر لرزہ طاری تھا۔ انہوں نے ایک وفد بھیج کر سلطان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ انہیں جان و مال کی امان دی جائے۔ سلطان نے جواب دیا:

"میں تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو 492ھ میں تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔"

اس جواب سے نہ صرف عیسائی پیشواؤں بلکہ ان کے ہر خاص و عام پر موت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ آخری کوشش کے طور پر نصرانیوں کا بڑا سردار "بالیان" خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت کے ساتھ سلطان کو اس کے سابقہ رحم و کرم کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ نصرانیوں کی جان بخشی کر دے۔ اس وقت سلطان صلاح الدین کو پوری قوت حاصل تھی کہ وہ وہاں نصرانیوں کے خون کے دریا بہا دیتے مگر انہوں نے اسلامی رواداری، مہربانی، فیاضی اور بخشش کی ایک یادگار مثال قائم کرتے ہوئے یہ درخواست قبول کر لی۔

جمعہ 27 رجب 583ھ کو نوے برس بعد قبلہ اوّل دوبارہ مسلمان کی تحویل میں آیا۔ قاضی ابن شداد

رحمہ اللہ جو سلطان کے خاص مصاحب تھے لکھتے ہیں:

"اس عظیم فتح کے موقع پر اہل علم، اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لیے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو مصر وشام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہ رہا۔ ہر طرف دعاء، تہلیل وتکبیر کا شور تھا۔ بیت المقدس میں (90 برس بعد) جمعہ کی نماز ادا کی گئی، گنبد صخرہ پر جو صلیب نصب تھی اتار دی گئی، ایک عجب منظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں سے نظر آرہی تھی۔"

سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بیت المقدس کے لیے ایک بیش قیمت منبر بڑے اہتمام سے تیار کرایا تھا تاکہ فتح کے بعد مسجد اقصیٰ میں نصب کیا جائے۔ سلطان زنگی رحمہ اللہ کی زندگی میں یہ موقع نہ آسکا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے ان کی آرزو کے مطابق حلب سے وہ منبر منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کرایا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے وعدے کے مطابق فتح کے بعد نصرانیوں کو ان کی توقع سے بھی بڑھ کر امن وامان فراہم کیا، اہل شہر پر فی کس نہایت معمولی زر فدیہ لاگو کیا اور جسے اس کی ادائیگی کی طاقت نہ ہوتی اس کے ساتھ نہایت فراخ دلی کا معاملہ کیا۔ سلطان کے بھائی ملک العادل نے ایسے ایک ہزار افراد کو جو زر فدیہ ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے غلام بنالیے گئے تھے اپنی طرف سے آزاد کردیا۔ سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ نے شہر میں منادی کرادی کہ جو بوڑھے فدیہ ادا کرنے سے عاجز ہیں انہیں آزاد کیا جاتا ہے، انہیں اختیار ہے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ شہر کے تمام گلی کوچوں اور بڑے دروازوں پر سلطان کے معتمد آدمی کھڑے تھے تاکہ کوئی فوجی کسی مقامی شخص پر زیادتی نہ کرنے پائے۔

سلطان کے اس بے مثال رحم وکرم سے متاثر ہوکر مغربی مؤرخ لین پول لکھتا ہے:

"ہم جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے موقع پر کی تھیں، جب گاڈ فرے اور ٹنکریڈ بیت المقدس کے بازار سے اس حال میں گزر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی لاشوں سے بھرا ہوا تھا اور جاں بلب زخمی وہاں تڑپ رہے تھے، جب صلیبی بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر قتل کرتے تھے، زندہ آدمیوں کو جلا رہے تھے اور القدس کی چھت پر پناہ لینے والے مسلمانوں کو تیروں سے چھلنی کرکے نیچے گرا رہے تھے...... بے رحم نصرانیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم وکرم ہو رہا تھا۔"

قارئین! یہ تھا جلد اوّل میں پیش کی گئی سلطان ایوبی کی جہادی روداد کا خلاصہ جسے آپ وہاں پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اب ان اوراق میں آپ فتح القدس کے بعد چھڑنے والی تیسری صلیبی جنگ کے احوال پڑھیں گے جو صلیبی جنگوں کے سلسلے کی سب سے بڑی لڑائی تھی جس کا ہر موڑ سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانثار ساتھیوں کی جرأتِ ایمانی، اولوالعزمی، جاں سپاری اور بے لوثی کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نیک ہستیوں کو ساری امت کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مومنانہ ومجاہدانہ کردار کو نمونہ حیات بنانے کی ہمت وتوفیق دے۔

آخر میں ایک اہم بات...... جلد اوّل پر کام کے دوران الکامل فی التاریخ کا پرانا نسخہ زیرِ استعمال تھا جو دارالتراث العربی نے سات جلدوں میں شایع کیا تھا۔ جلد دوئم پر کام کے وقت پوری کوشش کے باوجود وہ نسخہ ہاتھ نہ آسکا۔ اس کی جگہ دارالکتب العلمیہ کے نسخے سے استفادہ کرنا پڑا جو دس جلدوں میں ہے۔ قارئین آئندہ بھی خیال رکھیں کہ جہاں الکامل جلد 10 کا حوالہ ہو، وہاں دارالکتب العلمیہ کا نسخہ مراد ہوگا۔

اسی طرح جلد اوّل کی تیاری میں البدایہ والنہایہ مطبوعہ ''مکتبہ حقانیہ پشاور'' زیرِ استعمال تھی جو سات جلدوں میں ہے۔ جلد ثانی کی تیاری میں وہ بھی دستیاب نہ ہو سکی، مجبوراً البدایہ والنہایہ مطبوعہ مکتبہ المعارف (بیروت) کو سامنے رکھا۔ اسی طرح بہت سی جگہوں پر کتاب الروضتین کے قدیم نسخے کی جگہ وہ نسخہ استعمال کیا گیا جو دارالکتب العلمیہ بیروت کا شایع کردہ ہے۔ النوادر السلطانیہ میرے سامنے اب بھی 1964ء کا نسخہ ہے جو مکتبۃ الخانجی قاہرہ کا شایع کردہ ہے۔ بہر حال کمپیوٹر کی تیز رفتار کتابت کی وجہ سے مارکیٹ میں کتب کے نئے نئے ایڈیشن نئی تبدیلیوں کے ساتھ آرہے ہیں اور پرانے نسخے متاعِ گم گشتہ بنتے جارہے ہیں۔ ممکن ہے دو چار سال بعد قارئین جن نسخوں میں حوالے تلاش کریں وہ بالکل الگ ہوں۔ ایسے میں آسان طریقہ یہی ہوگا کہ ان کتب میں واقعات کی فہرست دیکھ کر سن ہجری کے اعتبار سے مطلوبہ واقعے کو تلاش کر لیا جائے۔ نسخوں کے تنوع کے پیشِ نظر اب بہتر صورت یہی ہے۔

محمد اسماعیل ریحان
خادم ادارہ علوم القرآن خالقداد
تحصیل حسن ابدال
13 رجب 1434ھ
24 مئی 2013ء

باب:1

شام سے نصرانی مورچوں کا خاتمہ

25 شعبان 583ھ (29 اکتوبر 1187ء)

......تا......

12 رجب 585ھ (27 اگست 1189ء)

شخصیات

الملک العادل	....	سلطان کا بھائی اور دست راست
الملک العزیز	....	سلطان کا بیٹا مصر میں نائب
الملک الظاہر	....	سلطان کا بیٹا
قاضی فاضل	....	سلطان کے وزیر
تقی الدین عمر	....	سلطان کا بھتیجا، حاکم حماۃ
عبدالسلام مغربی	....	سلطان کا امیر البحر
سیف الدین مشطوب	....	سلطان کا کمانڈر
عماد کاتب	....	سلطان کے سکیرٹری
ابن شداد	....	سلطان کے مشیر
صارم الدین قائماز نجمی	....	سلطان کا کمانڈر۔قلعہ کوکب کا نگران
شمس الدین ابن مقدم	....	سلطان کا عمر رسیدہ درباری، امیر حج
قاضی منصور بن نبیل	....	جبلہ کے قاضی
رشید بوشنجی	....	سلطان کا درباری
خلیفہ ناصر	....	خلیفہ بغداد
بوہیمنڈ	....	انطاکیہ کا حاکم
ریجی نالڈ	....	صیدا کا سابق حاکم،شقیف ارنوم کا قلعہ دار، گستاخ ریجی نالڈ کا ہم نام
مارگریٹ	....	سسلی کا بحری کمانڈر
کونرڈ مارکوئیس	....	صور کا عیسائی حاکم
گائی	....	شام کے نصرانیوں کا بادشاہ
ازابیل	....	گائی کی ملکہ

فصل:1

صور کی جان گسل مہم

فتح القدس کے بعد سلطان کا لشکر مزید ایک ماہ تک شہر کے سامنے پڑاؤ ڈالے رہا۔ اس دوران سلطان کو صور کی جانب سے تشویش ناک خبریں ملنے لگی تھیں۔ سلطان کا معتمد امیر سیف الدین مشطوب جو صیدا اور بیروت میں ان کی نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا، انہیں خبردار کر رہا تھا کہ "صور" کے قضیے کو ملتوی رکھا گیا تو ایک عظیم فتنہ برپا ہو سکتا ہے۔ واقعی صور میں کونرڈ مارکوئیس نصرانیوں کے دفاع کا آخری عنوان بن گیا تھا۔ اس گنجان ساحلی شہر کو اس کے جنگی تجربے نے ایک ناقابل تسخیر مورچہ بنا دیا تھا۔ گزشتہ دو ماہ سے وہ اسے مضبوط سے مضبوط تر کیے جا رہا تھا۔ اس نے بحیرۂ روم کی عیسائی ریاستوں اور یورپی حکمرانوں سے خط و کتابت کر کے مدد بھی طلب کی تھی اور اسے حوصلہ افزا جوابات ملے تھے۔ یورپی حکمرانوں نے کہا تھا کہ وہ صور کی کچھ عرصے حفاظت کرے، اتنی مدت میں یورپی لشکر تیار ہو کر آجائیں گے اور صور ان کی چھاؤنی ثابت ہوگا۔

مارکوئیس نے صور میں جمع ہونے اور روز بروز بڑھنے والی پرجوش افرادی قوت سے کام لے کر تھوڑی سی مدت میں شہر کے گرد ایک نئی فصیل بھی تعمیر کر لی تھی۔ اس جزیرہ نما شہر کی تین سمتیں سمندر کی وجہ سے پہلے ہی بڑی حملے سے محفوظ تھیں۔ صرف ایک سمت سے زمین کی ایک سڑک نما پٹی اسے خشکی سے ملاتی تھی جسے عبور کیے بغیر کوئی فوج خشکی سے شہر پر حملہ نہیں کر سکتی تھی۔ مارکوئیس نے فصیل سے خاصا آگے اسی پٹی پر ایک بہت گہری اور چوڑی خندق کھدوا کر اسے دونوں طرف سے سمندر سے ملا دیا تھا، جس کے باعث اس نہر نما خندق میں سے کشتیاں ہی نہیں بحری جہاز بھی گزر سکتے تھے۔ چنانچہ صور اب ایک ایسا جزیرہ بن گیا تھا جس کے ہر طرف جنگی جہاز پہرہ دے رہے تھے۔

ان خبروں کے پیش نظر آخر کار سلطان صلاح الدین نے جمعہ 25 شعبان 583ھ (29 اکتوبر 1187ء) کو القدس سے ساحل کی طرف کوچ کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے منجھلے لڑکے الملک العزیز

عثمان کو مصر واپس بھیج دیا جبکہ الملک الافضل اور تقی الدین عمر صور کی مہم میں شرکت کے لیے تیز رفتار دستوں کے ساتھ پہلے ہی عکا کی طرف جا چکے تھے جسے صور پر حملے کے لیے چھاؤنی کے طور پر استعمال کرنا طے ہوا تھا۔

سلطان بقیہ فوج اور اپنے بھائی الملک العادل کے ساتھ جب عکا پہنچے تو رمضان المبارک کا چاند طلوع ہو چکا تھا۔ ان دنوں خراسان سے لے کر آرمینیا تک پھیلی ہوئی اسلامی ریاستوں کے سفیر یکے بعد دیگرے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے اور فتح القدس پر مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ عجم کے حکمران اتابک مظفر الدین قزل ارسلان کا سفیر عکا ہی میں خدمت سلطانی میں باریاب ہوا اور اپنے آقا کی طرف سے ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔

سلطان صلاح الدین کی عادت تھی کہ وہ رمضان کے مہینے میں ہر قسم کے سیاسی و عسکری مسائل سے یکسو ہو کر یہ مقدس لمحات اپنے دارالحکومت میں گزارتے تھے اور ذکر و تلاوت، تراویح اور دیگر عبادات کا پورا اہتمام کرتے تھے، یہی رخصت وہ اپنے سپاہیوں کے لیے بھی پسند کرتے تھے جن کی جنگی مہمات عموماً سال بھر جاری رہتی تھیں۔ مگر اس بار حالات ایسے تھے کہ سلطان کو رمضان میں بھی جہاد کے لیے نکلنا پڑا کیونکہ اگر صور میں فرنگیوں کے قدم کچھ عرصے کے لیے جم جاتے تو پھر یہی جگہ یورپی طاقتوں کی مشترکہ جنگی چھاؤنی بن سکتی تھی اور القدس کو مسلمانوں سے دوبارہ چھیننے کی کوشش بھرپور انداز میں شروع ہو سکتی تھی۔ [1]

سلطان صور کے سامنے ❁ سلطان نے عکا سے بھی بہت جلد کوچ کیا اور 9 رمضان 583ھ (12 نومبر) کو صور کے سامنے پہنچ گئے۔ نہر نما خندق کے باعث سلطان کی فوج کا خشکی کی پٹی عبور کرنا اور شہر کے قریب اترنا ناممکن تھا۔ اس لیے خاصے فاصلے پر کیمپ لگا دیا گیا۔ سلطان چند دن تک بھاری اسلحے اور امدادی افواج کا انتظار کرتے رہے۔ اس سے قبل سلطان نے مصری بحریہ کے دس بحری جہازوں کو بھی صور طلب کر لیا تھا کیونکہ صور میں فیصلہ کن جنگ بحری فوج کے ذریعے ہی ہو سکتی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی بلند ٹیلے سے شہر کا محل وقوع بغور دیکھ رہے تھے۔ جزیرۂ نما صور تک جانے والی خشکی کی واحد پٹی کسی انسانی بازو جیسی اور شہر کی آبادی ایک بند مٹھی کی مانند نظر آتی تھی۔ صور نیلے سمندر میں کٹے کی طرح ابھرا دکھائی دے رہا تھا۔ اہل شہر دروازے کھول کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار تھے، ان کے مسلح گروہ شہر کو ساحل سے ملانے والی پٹی سے ہوتے ہوئے نہر نما خندق کی طرف آ رہے تھے۔ خندق کے دونوں طرف ان کے بحری جہازوں پر بھی فوجی چوکس کھڑے تھے،

[1] النوادر السلطانیۃ: 137، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/411_416، الکامل فی التاریخ: 10/159، تاریخ ابن خلدون: 5/307، البدایۃ والنہایۃ: حوادث 583ھ

جہازوں پر منجنیقیں، تیر چرخ، آتشیں تیر اور کھولتا ہوا تیل پھینکنے والے آلات نصب تھے۔ مسلمانوں کے لیے خشکی کی طرف سے حملے کا پہلا قدم خندق عبور کرنا تھا جبکہ نصرانیوں کی تیاریاں ظاہر کر رہی تھیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ اقدام بے حد کٹھن ہوگا۔ لڑنے کے لیے خشک پٹی کسی بھی طرح موزوں نہ تھی۔ یہ نہایت تنگ مقام تھا، جس میں مسلمان اپنی بھاری تعداد استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اس تنگ جگہ میں وہ ٹولیوں کی شکل ہی میں آگے بڑھ سکتے تھے جبکہ عیسائی کم افراد استعمال کر کے انہیں روک سکتے تھے۔ خندق میں اترنے کی کوشش کرنے والا ہر مسلمان ان کے نشانے پر تھا۔ یہی نہیں بلکہ خندق کی دونوں سمتوں میں نصرانیوں کے بحری جہاز بھی کھڑے تھے اور ان کی طرف سے حملہ آوروں کو بھاری اسلحے سے نشانہ بنانے کا پورا پورا انتظام کر لیا گیا تھا۔

تیرہ دن بعد 22 رمضان (25 نومبر) کو بھاری سامان جنگ، منجنیقیں، تیر چرخ، آتشی تیر، دبابے، دیگر فصیل شکن آلات اور دور مار اسلحہ پہنچ گیا۔ حلب سے سلطان کا چھوٹا بیٹا الملک الظاہر بھی کمک کے ساتھ آ گیا اور سلطان نے اسی دن جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ شہر کے قریب ایک بلند ٹیلے پر منتقل ہو گئے جہاں سے شہر پناہ کے گرد جنگ کا منظر صاف نظر آ سکتا تھا۔ سلطان نے میدان جنگ کی ان دشواریوں کے پیش نظر فوج کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر کے باری باری طوفانی حملوں کی حکمت عملی اپنائی۔ طے یہ ہوا کہ الملک الافضل، الملک العادل، الملک الظاہر، تقی الدین عمر اور دیگر امراء اپنے خاص جانبازوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے خندق پر حملے کریں گے۔ ہر گروہ ایک دو گھنٹے لڑ کر واپس آ جائے گا اور دوسرا گروہ فوراً اس کی جگہ لے لے گا۔ نصرانیوں کو لڑ لڑ کر تھکا دیا جائے گا اور ان کی افرادی قوت کو آہستہ آہستہ ضائع کیا جاتا رہے گا۔

آخر حملے کا آغاز ہوا، مجاہدین خشکی سے خندق کی طرف بڑھے اور یہاں سے ان نصرانیوں پر تیر اندازی شروع کی جو خندق کے پار اس کی حفاظت کے لیے کھڑے تھے۔ نصرانیوں کی جانب سے جوابی تیر اندازی شروع ہوئی، اس کے ساتھ ساتھ خندق کے دائیں بائیں سے ان کے بحری جہازوں نے بھی مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان تین طرف سے حملے کی زد میں آ کر زیادہ دیر نہ جم سکے اور ان کا پہلا گروہ زخمیوں اور شہیدوں کو سنبھالتے ہوئے لوٹ گیا۔ اس کے بعد مزید چند پے در پے حملے کیے گئے مگر ہر بار اسی طرح نقصان اٹھانے کے بعد سلطان کو اندازہ ہو گیا کہ یہ کوشش بے سود ہوگی۔ [5]

ایک شب کی غفلت مسلمانوں کو بہت بھاری پڑی ☆ آخر کار سلطان نے بحری فوج کو استعمال

[5] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/412، 413 والکامل فی التاریخ: 10/159

کرنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان کے پیغام پر مصری بحری فوج کا کمانڈر عبدالسلام المغربی اپنے جنگی جہاز صور کے بحری جہازوں کے مقابلے پر لے آیا۔ اگلے دنوں کی جنگوں میں اہل صور خشکی سے حملہ آور مسلمانوں کے خلاف اپنے بحری جہازوں کو بھر پور انداز میں استعمال نہ کر سکے۔ نصرانیوں کے بحری جہاز جوں ہی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے حرکت میں آتے، عبدالسلام مغربی اپنے جہازوں کو آگے لا کر انہیں آزادانہ نقل و حرکت سے روک دیتا تھا۔ بحری جہازوں کی مدد سے محروم ہو جانے کے باعث صور کی فوج کی مدافعت کمزور پڑ گئی۔ مسلمان اب اس قابل تھے کہ صور پر براہِ راست حملہ کر سکیں۔ خشکی سے ان کی مسلسل سنگ باری، سخت ترین محاصرے اور پے در پے دھاووں نے صور کی ناقابل تسخیر فصیل کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ سمندر کی جانب سے بھی صور محاصرے میں تھا، مسلمانوں کے سامنے صرف ان کے بحری جہازوں کی دیوار تھی جسے عبدالسلام مغربی کے مسلسل حملے شکستہ کیے دے رہے تھے۔ لگتا تھا کہ صور اب چند دن کا مہمان ہے۔ مگر اب جبکہ فتح و نصرت چند گام پر تھی ایک معمولی سی غلطی نے نہ صرف اس جنگ کی کایا پلٹ دی بلکہ اس کا خمیازہ مسلمانوں کی کئی نسلوں کو بھگتنا پڑا۔ صور جو سرنگوں ہونے جا رہا تھا اگر فتح ہو جاتا تو یورپی افواج کے اترنے کے لیے ساحل شام پر کوئی محفوظ مرکز باقی نہ رہتا اور ساحل سے عیسائی مقبوضات کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر اس غلطی کے باعث صور فتح ہونے سے رہ گیا اور پھر تقریباً 90 برس تک عیسائی ساحلِ شام سے مکمل طور پر بے دخل نہ کیے جا سکے۔

اس رات حسبِ معمول عبدالسلام مغربی اپنے جانبازوں کے ساتھ صور کی بندرگاہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، پہرے دار جہازوں پر باری باری پہرہ دے رہے تھے، آخری ٹولی جسے صبح صادق تک پہرہ دینا تھا، غیر معمولی تکان محسوس کرتے ہوئے ذرا دم لینے لگی۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ پہرہ داروں کو پتا ہی نہ چلا کہ کب ان کی آنکھ لگ گئی۔ وہ پہرے کی دوسری ٹولی کو اٹھا بھی نہ سکے۔ فرنگی جہاز ران اسلامی بحریہ کی ہر نقل و حرکت کو بڑے غور سے دیکھتے رہتے تھے۔ انہیں کچھ ہی دیر میں یہ محسوس ہو گیا کہ مسلمان عالم غفلت میں ہیں۔ وہ بڑی خاموشی سے کشتیوں کے ذریعے مسلمانوں کے جہازوں تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو اس وقت ہوش آیا جب فرنگی ان کے پانچ جہازوں پر چڑھ چکے تھے۔ انہیں اسلحہ سنبھالنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ہر جہاز مکمل طور پر دشمن کی گرفت میں آ گیا تھا۔ بہت سے مصری سپاہیوں نے مزاحمت بے سود سمجھ کر گرفتاری سے بچنے کے لیے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ ان میں سے کئی ڈوب گئے اور بہت سے تیر کر ساحل تک پہنچ گئے۔ فرنگیوں نے باقی ماندہ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا، وہ انہیں باندھتے اور زد و کوب کرتے ہوئے کشتیوں کے ذریعے صور کی بندرگاہ پر لے گئے۔ سلطان صلاح الدین

ایوبی اور ان کے رفقاء خشکی پر کھڑے یہ صدمہ انگیز منظر دیکھ رہے تھے مگر وہ کچھ کرنے سے قاصر تھے۔ زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ گرفتار شدگان میں کمانڈر عبدالسلام مغربی، بیڑے کے انتظامی امور کا مسؤل بدران الفارس اور پانچوں جہازوں کے اعلیٰ افسران بھی شامل تھے۔ یہ حادثہ پیش آتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی سمجھ گئے کہ فرنگی جہاز راں اب ان کے باقی ماندہ پانچ جہازوں کو تر نوالہ سمجھ کر ان سے دوبدو جنگ کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے جس کا نتیجہ مصری بیڑے کی مکمل تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ سلطان نے فوراً بیڑے کے قائم مقام کمانڈر کو حکم بھیجا کہ وہ بقیہ جہازوں کو لے کر جلد از جلد بیروت کی بندرگاہ کی طرف نکل جائے۔ سلطان کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ مصری بحری بیڑے نے لنگر اٹھایا ہی تھا کہ فرنگی جہازوں نے بھی بادبان کھول دیے، مسلمانوں نے پوری کوشش کی کہ اپنے جہازوں کو نکال کر لے جائیں مگر فرنگی تعاقب کرتے ہوئے ان کے قریب آتے گئے۔ صورتحال ایسی تھی کہ صرف ایک جہاز جو جبیل کے رئیس کا تھا بچ کر نکل سکتا تھا، باقی چار کسی بھی وقت فرنگیوں کے قبضے میں آسکتے تھے اور ایسی صورتحال میں مصری سپاہیوں کی گرفتاری بھی یقینی تھی۔ آخر کار مصری سپاہیوں نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے ان جہازوں کا رخ ساحل کی طرف کر دیا۔ جہاز ساحل کے اتھلے پانی میں پہنچ کر ریت میں دھنس گئے۔ مصریوں کا پانچواں جہاز جو خطرے کی زد سے دور تھا، بچ کر بیروت کی طرف نکل گیا تھا۔ ساحل پر دھنسنے والے چاروں جہازوں کے سپاہی خشکی پر اتر کر خطرے کی زد سے دور نکل گئے۔ انہیں اطمینان تھا کہ فرنگی ان کے جہازوں کو فوری طور پر ریت سے نہیں نکال سکیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے بلا تاخیر ان جہازوں کو ناکارہ کروا دیا تاکہ فرنگی ان پر قبضہ نہ کر سکیں۔ ❶

صور کے خون ریز معرکے ﷺ اب صور کی جنگ میں مسلمانوں کی جلد کامیابی کے امکانات کم ہو گئے تھے تاہم سلطان نے خشکی کی جانب سے حملے جاری رکھے مگر ابھی تک مسلمان خندق عبور نہیں کر سکے تھے، فرنگی اب بھی بھرپور مزاحمت کر رہے تھے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ بعض دنوں میں دن بھر جھڑپیں جاری رہتی تھیں۔ مسلمانوں کو کچھ جزوی کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں مثلاً وہ محصور فرنگیوں کی خاصی تعداد کو ہلاک اور زخمی کر چکے تھے نیز سلطانی افواج انہی دنوں ہونین کا قلعہ فتح کرنے میں بھی کامیاب ہوئیں جس کا تھمین کی فتح کے بعد گزشتہ تین ماہ سے محاصرہ جاری تھا۔ صور کے محاصرے کے دوران جب سلطان کو اس کی اطلاع ملی کہ ہونین سرنگوں ہونے پر آمادہ ہے بشرطیکہ محصورین کو امن دیا جائے تو سلطان نے مثبت جواب دے کر ہونین فتح کر لیا۔

❶ النوادر السلطانیہ: 137۔138، الکامل فی التاریخ: 160/10

انہی دنوں ایک شب کے معرکے میں فرنگیوں کا ایک اہم کمانڈر بھی گرفتار ہو گیا تھا جس کے بارے میں یہ بات پھیل گئی کہ وہ کونرڈ مارکوئیس ہے۔ مجاہدین بے حد خوش ہوئے مگر یہ افواہ تھی۔ اس قیدی کو سلطان نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کے حوالے کر دیا تھا جس نے اسی شب اپنی صوابدید پر اسے قتل کرا دیا تھا۔ بہر حال مارکوئیس زندہ اور سینہ سپر تھا۔ اس کی مزاحمت جاری تھی، اس نے شہر میں کئی ماہ کا راشن اور سامان رسد جمع کر رکھا تھا۔ محاصرانہ جنگ اگلے ماہ میں داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ موسم سرما بھی شروع ہو گیا۔ [1]

دربارِ خلافت میں سلطان کی ساکھ کو زبردست دھچکا: صور کے سامنے سمندر کی یخ بستہ ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت کرنا اور کھلے میدان میں کڑکڑاتی سردیاں حالتِ جنگ میں گزارنا یقیناً ایک دشوار کام تھا جس میں عام سپاہیوں سے لے کر سلطان ایوبی تک سب شریک تھے مگر سلطان کو ان دنوں ایک ایسا شدید ذہنی صدمہ پہنچا جس نے ان ایام کی دیگر سختیوں کو بے معنی بنا دیا۔

القدس کی فتح کے باعث اب تک عالم اسلام میں جوش و مسرت کا سماں تھا۔ ہر طرف سے علماء و مشائخ اور حکومتوں کے اعیان و نمائندے قبلہ اوّل کی زیارت اور سلطان سے اظہارِ تہنیت کے لیے آ رہے تھے۔ شاید ہی کوئی مسلمان حکمران ہو جس نے سلطان کو مبارکباد کا پیغام نہ بھیجا ہو۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ عالم اسلام کے مرکزِ وحدت بغداد سے اب تک سلطان کو کوئی حوصلہ افزا پیغام نہیں ملا تھا۔ سلطان کے اس عظیم کارنامے پر جس کی مشرق تا مغرب دھوم مچ رہی تھی، بغداد کا ردِ عمل بڑا غیر متوقع اور سفاکانہ تھا۔ تاریخ کا طالب علم اس موڑ پر پہنچ کر خلافتِ عباسیہ کی خود پسندی اور خود غرض ذہنیت پر حیران رہ جاتا ہے۔ جس وقت فتح بیت المقدس کی خوشخبری سے عالم اسلام کے ہر گلی کوچے میں خوشیوں کا دور دورہ تھا، دربار خلافت کی فضا میں نفرت کے انگارے دہک رہے تھے۔ جب اس بے مثال نعمت کے شکریہ میں ہر مسلمان کا چہرہ تشکر کے آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا، خلیفۂ بغداد الناصر لدین اللہ کے ہاں کہرام مچا ہوا تھا۔

القدس کی فتح کے فوراً بعد سلطان صلاح الدین نے اس عنایتِ خداوندی کی بشارت کے درجنوں خطوط عالم اسلام کے طول و عرض کی حکومتوں کو روانہ کر دیے تھے۔ چونکہ سلطان چاہتے تھے کہ خلیفۂ بغداد کے نام تحریر کردہ بشارت نامہ جلد از جلد اپنی منزل تک جا پہنچے اس لیے انہوں نے بغداد کے لیے کسی تیز رفتار قاصد کی ضرورت محسوس کی۔ سلطان کے کاتب عماد اصفہانی جنہوں نے بشارت نامے کا مضمون تحریر کیا تھا، سلطان کی منشا سے آگاہ ہوئے تو یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں عام قاصد کے ہاتھوں پیغام وصول کرنے کو دربار خلافت اپنی توہین تصور نہ کر بیٹھے۔ اس لیے انہوں نے سلطان سے عرض کیا:

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/413_414 (فتح ہوئین) الکامل فی التاریخ: 10/161 (دخشتہ فتح ہوئین)

''خلیفہ کو اس عظیم نعمت خداوندی کی بشارت اپنے بزرگ ترین علماء اور بلند پایہ سفیروں کے ذریعے پہنچانی چاہیے۔''

سلطان نے جواباً کہا:

''فی الحال فتح کی فوری خوشخبری دینے کی جلدی ہے، اس لیے قاصد بھیج رہے ہیں۔ بعد میں دربار خلافت کے اعزاز کے لیے آپ کے کہنے کے مطابق سفیر بھی روانہ کردیں گے۔''

ان دنوں سلطان کے درباریوں میں رشید بوشجی نامی ایک بغدادی نوجوان بھی تھا۔ وہ تلاشِ روزگار کے لیے بغداد سے شام آیا تھا، چونکہ بہترین شاعر اور ادیب تھا اس لیے جلد سلطان کی نگاہوں میں آ گیا اور دربار میں جگہ پالی۔ وہ بہادر سپاہی بھی تھا اور سلطان کے پرچم تلے لڑتا رہا تھا۔ اس نے سلطان سے درخواست کی کہ اگر بغداد میں القدس کی فتح کی بشارت لے جانے کی سعادت اسے بخشی جائے تو وہ یہ کام پوری ذمہ داری اور تیز رفتاری سے انجام دے گا۔ یہ درخواست ایسی مخلصانہ تھی کہ سلطان کے کئی امراء بھی متاثر ہو کر اس کی سفارش کرنے لگے۔ آخر سلطان نے یہ بشارت نامہ اس کے حوالہ کر کے اسے بغداد روانہ کردیا۔

قسمت کی بات کہ سلطان کو بشارت نامے اور خطوط ارسال کرنے کے بعد اتنا موقع ہی نہ ملا کہ وہ دربار خلافت اور دیگر بڑے ممالک کے سلاطین کے ہاں اپنے معزز مصاحبین اور سفیروں کو بھیجنے کا اہتمام کرتے۔ ایسے تکلفات امن کے دور میں کیے جاتے ہیں جبکہ سلطان مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ القدس کے فوراً بعد وہ صور کی جانب نکل آئے تھے، اس لیے دربار خلافت میں باقاعدہ سفارت بھیجنے کا ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

ادھر کاتب عماد اصفہانی کا خدشہ درست ثابت ہوا، جب رشید بوشجی سلطان کا مکتوب لے کر دربار خلافت میں پہنچا تو وہاں القدس کی فتح پر اللہ کی حمد وثنا اور سلطان کی تعریف وتوصیف کی بجائے، نفرت انگیز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ [1]

خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو یہ خیال نہ آیا کہ قاصد کتنی بڑی بشارت لے کر آیا ہے۔ وہ صرف یہ دیکھ کر تیوری چڑھا رہے تھے کہ ہماری بڑی بارگاہ میں ایک غیر معروف سپاہی کو بھیجنے کی گستاخی کیوں کی گئی۔ بلاشبہ یہ منظر اسلام کے دور زوال کی عبرتناک تصویر تھا۔ ہم اسلام کے دور عروج میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کے باہر قادسیہ کے قاصد کا تنِ تنہا انتظار کرتا دیکھتے ہیں اور پھر ہم اس بے مثل حکمران کو ایلچی کے اونٹ کے ساتھ پیدل دوڑتے ہوئے بڑی بے تابی کے ساتھ جنگ کے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 417/3

احوال دریافت کرتا پاتے ہیں۔مگر اسلام کے دورِ زوال میں خلیفۂ القدس کی فتح جیسی بے مثال بشارت کا استقبال بھی اس بے رخی سے کرتا ہے جیسے اسے مسلمانوں کی اس بے پایاں مسرت میں سے کوئی ذرہ تک نصیب نہ ہوا ہو۔خلیفہ نے فتح القدس کے قاصد کو اس طرح ذلیل ورسوا کر کے لوٹایا جسے مہذب قومیں دشمن کے ایلچی کے لیے بھی روا نہیں سمجھتیں۔سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس ناقابل فراموش کارنامے کو، جس کی وجہ سے امت کے کاندھوں سے اکانوے برس کا قرض اترا تھا، مسلمانوں کا سیاسی وروحانی پیشوا صرف اس لیے قابل توجہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ پیغام بھیجنے میں دربارِ خلافت کے خودساختہ عجمی رسم ورواج کی پابندی کیوں نہیں کی گئی؟ ہڈیوں کا گودا پانی کرنے والی سالہا سال کی جدوجہد اور اعصاب کو شکستہ کردینے والے کٹھن ترین جہاد کے بعد القدس کو بازیاب کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی نے امت پر ایک ایسا احسان کیا تھا جس کا بوجھ ہر مسلمان (بشرطیکہ اس کے دل میں واقعی ایمان ہو) اپنی گردن پر محسوس کرسکتا ہے مگر امت کی فلاح کے سب سے بڑے ذمہ دار اور اس کے مفادات کے سب سے بلند مرتبہ نگران کو یہ احسان شاید ایک سنگین جرم محسوس ہورہا تھا...... تب ہی سلطان کے ساتھ ایک مجرم کا سا سلوک کیا گیا۔

خلیفہ ناصر کی سلطان صلاح الدین ایوبی سے رنجش کی وجوہ ❁ اگر اس دور کے مؤرخین کی تحریروں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خلیفۂ بغداد ناصر نے سلطان صلاح الدین سے اتنا برا سلوک کیوں کیا؟ یہ چھٹی صدی ہجری کا اختتامی دور تھا، بغداد اپنی کھوکھلی شان وشوکت کو بچانے کی تگ ودو کررہا تھا۔عجم کی تمام خامیاں اور کمزوریاں جو پہلے ہی امرائے بغداد پر مسلط تھیں، خلافت کو صحیح نصب العین سے محروم کرچکی تھیں۔پھر خلیفہ ناصر جو اپنے سے پہلے اور بعد کے خلفاء کے برخلاف شیعہ عقائد کی طرف مائل ہوتا جارہا تھا، ایک سخت گیر اور تنگ نظر انسان تھا۔اس کی طبیعت میں بخل وتکبر اور خاندانی گھمنڈ حد سے متجاوز تھا۔وہ ایک خودغرض اور پست فکر حکمران تھا جسے صرف بغداد کے مفادات اور خلافت کی ظاہری نام ونمود سے سروکار تھا۔عالم اسلام کی سیاست میں اس کا کوئی اثر نہ تھا۔البتہ وہ سازشوں کا ماہر تھا اور اپنے زیرعتاب حکمرانوں کے خلاف مکروہ چالیں چلتا رہتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اگرچہ اب تک دربارِ خلافت کے منظورِ نظر حکمرانوں میں شمار ہوتے رہے تھے مگر اس کے پس پردہ خلافت بغداد کے اپنے مفادات تھے، سلطان ہی کی بدولت مصر میں تین صدیوں کے بعد خلیفۂ بغداد کا خطبہ شروع ہوا تھا۔پھر فرنگیوں کے خلاف سلطان کی ہر فتح خلیفہ کے نام موسوم ہورہی تھی اور ہر مفتوحہ علاقے کے محراب ومنبر سے خلافِ عباسیہ کے لیے دعائیں بلند ہورہی تھیں۔اس مفت کی نیک نامی کو خلیفہ ہاتھ سے کیوں جانے دیتا۔تاہم سلطان کی فتوحات کے تازہ رپے

نے خلیفہ کو کچھ انجانے خدشات میں مبتلا کر دیا تھا۔ دراصل بغداد کے آس پاس کسی بھی حکمران کی طاقت کا حد سے بڑھ جانا عباسی خلفاء کے لیے ایک عرصے سے ناقابل برداشت تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عالم اسلام کے حکمرانوں کے کمزور اور منتشر رہنے میں بغداد کی بقا ہے جبکہ مسلمانوں کا کسی ایک حکمران کے جھنڈے تلے جمع ہونا بغداد کی سیاسی موت ہے۔ سلطان کی فتوحات کو سراہنے کے باوجود خلافتِ بغداد اس شکی ذہن سے چھٹکارا نہیں پا سکی تھی۔ پھر ان دنوں خلیفہ ناصر کے حاشیہ طراز اسے یہ کہہ کر سلطان کے خلاف بھڑکا رہے تھے کہ سلطان نے دربارِ خلافت کی ہم سری کرنے کے لیے اپنا لقب ''الملک الناصر'' رکھا ہے جو ایک سازش اور ایک گستاخانہ جرأت ہے۔ حالاں کہ واقع میں ایسا نہ تھا۔ خلیفہ ناصر کے مسند نشین ہونے اور الناصر کا لقب اختیار کرنے سے برسوں پہلے سلطان صلاح الدین کو الملک الناصر کا لقب مل چکا تھا۔ اہل بغداد کو یہ بات بھی ناگوار تھی کہ عراق سے جلاوطن کیے جانے والے اور دربارِ خلافت سے دھتکارے جانے والے کئی جوہرِ قابل سلطان صلاح الدین کے ہاں جمع ہو گئے تھے۔ جسے اہل بغداد اپنی توہین محسوس کرتے تھے۔ [۵]

مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ ان دنوں ایک تازہ واقعہ خلافتِ بغداد اور ایوبی سلطنت کے درمیان کشیدگی کا باعث بنا تھا۔ ہوا یہ کہ دمشق کے سب سے عمر رسیدہ اور تجربہ کار امیر شمس الدین ابن مقدم نے القدس کی فتح کے بعد سلطان سے اجازت مانگی کہ وہ القدس سے احرام باندھ کر حج بیت اللہ کے لیے جانا چاہتا ہے۔ سلطان نے اجازت دے دی۔ ابن مقدم ایمانی ولولے اور مخلصانہ و مؤمنانہ جذبات کے ساتھ شام سے روانہ ہوا، اس کے ساتھ شام کے ہزاروں افراد اسی طرح القدس سے احرام باندھ کر کشاں کشاں چلے۔ یہ اتنا بڑا قافلہ تھا کہ 9 ذی الحجہ کو عرفات میں جمع ہونے والے تمام قافلوں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ وقوفِ عرفات کے بعد جب شام کو قافلوں کے مزدلفہ روانہ ہونے کا وقت آیا تو ابن مقدم کے ہمراہیوں نے اپنے خیمے اکھاڑے اور نقارے بجا کر تمام اہل قافلہ کو کوچ کے لیے ہوشیار کرنا شروع کیا۔ ذرا فاصلے پر عراقی حاجیوں کا قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ان میں بغداد کے حاجی بھی تھے۔ اس قافلے کے امیر طشت گین کو بغدادی نسبت پر بڑا ناز تھا۔ اس لیے اس سے یہ برداشت نہ ہوا کہ کوئی روانگی میں اس سے پہل کر جائے۔ اس نے ابن مقدم کو کہلوایا کہ وہ اس سے پہلے عرفات سے نہ نکلے۔ ابن مقدم نے جواباً کہا کہ میرا تم سے کوئی تعلق ہے نہ جھگڑا۔ تم عراقی حاجیوں کے امیر ہو اور میں شامی حاجیوں کا۔ ہم دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے، وہ جب چاہے جا سکتا ہے۔

۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/419، 421

طشت گین نے یہ دیکھ کر اپنے افراد کو جوش دلایا اور میدان عرفات ہی میں یہ لوگ شامی حجاج پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ زیادہ حملے عراقی حاجی کر رہے تھے، شامی صرف خود کو بچا رہے تھے۔ شمس الدین ابن مقدم چاہتا تو جوابی حملہ کرسکتا تھا مگر اس نے اس عظیم دن اور مقدس جگہ کی حرمت کو پامال ہونے سے بچانے کے لیے اپنے ساتھیوں کو لڑائی سے باز رکھا۔ ایک مقدس ترین دن میں، ایک مقدس ترین جگہ پر، ایک اسلامی فریضے کی ادائیگی کے دوران یہ صورتحال انتہائی افسوسناک تھی جس سے اس دور کے مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس بلوے کے نتیجے میں شمس الدین ابن مقدم شدید زخمی ہوگیا اور اگلے دن منیٰ پہنچ کر اس کی روح پرواز کرگئی۔

شام کے اس عظیم مدبر و تجربہ کار سیاست دان کی یہ مظلومانہ موت مسلمانوں کے لیے حد درجہ باعثِ ندامت اور سلطان صلاح الدین کے لیے بڑی صدمہ انگیز تھی۔ مگر سلطان نے کمالِ شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے اہلِ بغداد پر کوئی الزام نہ لگایا بلکہ اپنے حجاج کرام ہی کی بداحتیاطی پر افسوس کیا، انہوں نے ابن مقدم کے بیٹے عزالدین ابراہیم کو اس کی جگہ مقرر کرکے مرحوم سے اظہارِ محبت کیا اور اپنی زبان کو کسی کے خلاف بدگمانی سے روکے رکھا۔ بہر صورت اگر دیکھا جائے تو اس معاملے میں ابن مقدم اور شامی حجاج کا دامن بالکل پاک تھا۔[1] پھر سلطان صلاح الدین کا تو اس سانحے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا مگر حج سے واپسی پر عراقی حاجیوں کے نمائندوں نے سارا الزام شامی حاجیوں اور ابن مقدم پر دھرا اور بالواسطہ اسے سلطان صلاح الدین کی "بےادب و گستاخ تربیت" کا نتیجہ قرار دیا گیا۔ خلیفہ کو یہ بھی باور کرایا گیا کہ سلطان صلاح الدین نے اہلِ شام کو اتنا بگاڑ دیا ہے کہ وہ حرمتِ عرفہ اور حرمتِ حج کو بھی فراموش کرکے دربارِ خلافت کی رعایا پر دست اندازی کرتے ہیں۔ ایسی باتوں سے خلیفہ ناصر سلطان سے مزید کبیدہ خاطر ہوگیا۔

بغدادی سفیر کی آمد اور سلطان کا عمدہ برتاؤ: بہر کیف خلیفہ ناصر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے قاصد کو لوٹانے کے کچھ دنوں بعد، عماد کاتب اصفہانی کے بھائی ابوبکر حامد کو جو دربارِ خلافت کے ایک اہم رکن تھے، ایک عتاب آمیز خط دے کر سلطان کی طرف روانہ کردیا۔ ماہِ شوال میں جبکہ صور کا محاصرہ جاری تھا، خلیفہ کا یہ قاصد دمشق سے ہوتا ہوا صور پہنچا۔ اس سے قبل سلطان کا درباری رشید بوشنجی واپس آچکا تھا اور دربارِ خلافت کی بے مہری اور برہم مزاجی کا تذکرہ کرکے امرائے فوج کو مشتعل کر رہا تھا۔ وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ عن قریب بغداد کا ایلچی خلیفہ کا غیظ و غضب سے بھرپور مکتوب لے کر آرہا ہے جس میں

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/424_426، الکامل فی التاریخ: 10/163

سلطان کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے اور شدید ملامت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔عماد اصفہانی نے بمشکل رشید کو چپ کرایا تا کہ امراء میں بددلی نہ پھیلے مگر رشید نے جو کہا تھا سچ تھا۔عماد کاتب نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے سلطان سے عرض کی:

''دربار خلافت سے جو بھی پیغام آئے آپ کو بسرو چشم قبول کرنا چاہئے۔خلیفہ کا آپ سے اپنی ناراضی کا اظہار کرنا بھی انتہائی کرم نوازی ہے۔''

سلطان نے عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

''واقعی آپ نے اچھی بات کہی ہے۔''

بغدادی قاصد کے آنے سے پہلے ہی سلطان نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ بہر صورت عالم اسلام کے مرکزِ وحدت کا احترام برقرار رکھیں گے۔خلیفہ کا قاصد صور پہنچا تو سلطان نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ آگے بڑھ کر شاندار استقبال کیا اور پھر اسے خلوت گاہ میں ساتھ لے گئے۔یہاں سلطان کے ساتھ صرف کاتب عماد اصفہانی تھے۔ابوبکر حامد نے آمد کا مقصد بیان کرنے کے بعد خلیفہ کا مکتوب پیش کیا۔عماد اصفہانی نے مکتوب پڑھ کر سنانا شروع کیا۔اس خط کا ہر لفظ ایک تندو تیز نشتر تھا، ہر جملہ ایک زہر آلود تیر تھا، سلطان کو سفارتی آداب کا لحاظ رکھے بغیر بے نقط سنائی گئی تھیں۔درحقیقت یہ خط پڑھے یا سنے جانے کے قابل ہی نہیں تھا۔اگر سلطان کا حکم نہ ہوتا تو عماد اصفہانی اسے ہرگز نہ پڑھتے اور دربارِ خلافت کا احترام ملحوظ نہ ہوتا تو سلطان بھی شاید اسے سننا گوارا نہ کرتے مگر...... ہمت و حوصلے کا یہ پہاڑ......خلیفہ کے ان الفاظ کو بڑے صبر و تحمل سے سہتا رہا۔

خلیفہ نے جو کچھ تحریر کیا تھا، اس کے گواہ صرف عماد اصفہانی تھے مگر انہوں نے بھی سلطان کی سوانح میں اس خط کے متن کو ذکر کرنے سے احتراز کیا ہے اور صرف ایک جملہ ضمنی طور پر نقل کیا ہے جس میں خلیفہ سلطان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

''کیا تیرے درباریوں میں اس شخص سے زیادہ سمجھدار اور کوئی نہ تھا کہ تُو نے اسے دربار خلافت میں بھیجا ہے۔''

خط کی بقیہ تمام باتوں پر پردہ ڈالتے ہوئے عماد اصفہانی صرف اتنا بتاتے ہیں کہ اس میں بڑی سخت اور کڑی زبان استعمال کی گئی تھی۔وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سلطان کے بھائیوں ابوبکر عادل اور تقی الدین عمر کو جب خط کے مندرجات کا علم ہوا تو وہ بھڑک اٹھے اور کوشش کی کہ سلطان کو خلیفہ کے خلاف جوش دلائیں مگر سلطان نے نہایت تحمل اور انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دربار خلافت کی تمام کڑوی کسیلی باتوں کو

کشادہ دلی سے برداشت کیا۔ یہ ناقابل سماعت مکتوب سننے کے بعد سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:
"خلیفہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایسے سخت الفاظ اور درشت کلام کا حکم دیں۔ ان باتوں کو نسبتاً بہتر، نرم اور مہذب انداز میں بھی کہا جا سکتا تھا۔ میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ (خلیفہ سے بدگمانی کرنے کی وجہ سے) میرے عمل ضائع ہو جائیں اور میری امید خاک میں مل جائے۔"
سلطان نے مکتوب کے لب و لہجے سے قطع نظر کرتے ہوئے بغداد کے قاصد کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ شائستہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا:
"رہیں وہ باتیں جن کا میرے مخالفین چرچا کر رہے ہیں اور جنہیں سازشی لوگ پھیلا رہے ہیں تو ان کے جواب میں میری جانب سے صرف دربار خلافت کے احسانات کا اعتراف ہی دکھائی دے گا۔"
سلطان نے بغداد کے قاصد کو یاد دلایا کہ کس طرح انہوں نے مصر میں تین صدیوں سے معطل عباسی خلافت کا از سر نو احیاء کیا اور یمن میں بھی خلفائے عباسیہ کا خطبہ جاری کرایا، کس طرح انہوں نے خلافت کے دشمنوں کو پامال کیا اور کس جذبے سے بیت المقدس کی فتح کے لیے سرگرداں رہے اور آخر اسے بازیاب کرا کے مسلمانوں کا وقار بلند کیا۔
پھر سلطان نے اپنے لقب "الملک الناصر" کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:
"جہاں تک میرے لقب کا مسئلہ ہے تو یہ سابق خلیفہ المستضی کے زمانے سے چلا آ رہا ہے لیکن اگر خلافت مآب اسے ناپسند کرتے ہیں تو وہ مجھے جو بھی لقب عنایت کریں گے، میں اس کو اپنا لوں گا اور اسے اپنے لیے عزت و شرف سمجھوں گا۔ میرا مقصد اور عزم صرف امیر المومنین کی فتوحات کی تکمیل کرنا اور منافقین و مشرکین کی جڑیں کاٹنا ہے۔"
اس کے بعد سلطان نے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بغدادی قاصد کو اپنے خواص کے ہمراہ القدس کی زیارت کے لیے روانہ کر دیا۔ سلطان کے اس بے مثال صبر و تحمل، لچکدار رویے اور نرمی وانکساری کا نتیجہ یہ نکلا کہ بغداد سے تعلقات کی کشیدگی ختم ہو گئی اور دو طرفہ روابط معمول پر آ گئے۔ [1]
صور سے سلطان کی واپسی ❁ صور کا محاصرہ جاری تھا، مگر سلطان کے امراء اب محاصرے کی طوالت سے اکتا گئے تھے۔ وہ دس ماہ سے مسلسل ایک میدان جنگ سے دوسرے میدان جنگ میں منتقل ہو رہے تھے۔ ان کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ سپاہی بھی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ مالی حالت یہ تھی کہ جنگی مصارف کے لیے لایا گیا سارا روپیہ خرچ ہو چکا تھا، سپاہیوں کے لیے خوراک اور جانوروں کے چارے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/419_420

کے ذخائر تک ختم ہونے والے تھے۔ ادھر جاڑا شروع ہو چکا تھا اور یخ بستہ ہوائیں غضب ڈھا رہی تھیں، اس کے ساتھ شدید بارشیں بھی ہو رہی تھیں۔ سلطان نے فوج کا مزاج برہم دیکھ کر مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس وقت سلطان کے کئی صاحب ثروت امراء کو یہ خدشہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ سلطان مالی دشواریوں کے حل کے لیے ان سے قرض نہ مانگ لیں جبکہ دیگر مصائب بھی کم نہ تھے چنانچہ انہوں نے کہا:

"بہت سے سپاہی شہید اور زخمی ہو چکے ہیں، باقی ماندہ تھکے ہوئے ہیں، خرچہ ختم ہو چکا ہے اور جاڑا آن پہنچا ہے، ہم اس سرد موسم میں آرام کر کے بہار میں دوبارہ حملے کے لیے جمع ہوں تو بہتر ہوگا۔ اب واپس جانا چاہیے، ورنہ فوج تباہ اور سامان حرب ضائع ہو جائے گا۔"

خود سلطان کا مزاج طویل محاصروں کا ساتھ نہیں دیتا تھا مگر ان کی نظر اٹھی بار محاصرہ اٹھا دینے کے خوفناک عواقب کو دیکھ رہی تھی۔ یہ عواقب فرنگیوں کی منتشر قوتوں کے جمع ہونے اور مسلمانوں کو غیر متوقع آزمائشوں کا سامنا کرنے کی صورت میں بھگتنا پڑ سکتے تھے۔ سلطان کے خاص مصاحبین فقیہ عیسیٰ الھکاری، حسام الدین طمان اور عزالدین جوردیک کا بھی یہی خیال تھا کہ اب تک دی گئی قربانیوں اور خطیر اخراجات کو کسی نتیجے تک پہنچانے کے لیے یہیں جمے رہنا چاہیے۔ وہ کہہ رہے تھے:

"فرنگیوں کا یہی ایک بڑا مرکزی قلعہ باقی رہ گیا ہے، اس کی فتح کے بعد ان کے باقی تمام قلعے فتح کرنا کوئی مسئلہ نہ رہے گا۔ اور فرنگیوں کو سمندر سے پار کمک ملنے کی بھی کوئی امید نہیں رہے گی۔"

یہ بات بھی ظاہر تھی کہ جمے رہنے کی صورت میں دشمنوں کا غذائی ذخیرہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتا، تب وہ ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی راہ نہ پاتے۔ طویل بحث کے بعد سلطان نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

"ہم عن قریب فصیل منہدم کرنے والے ہیں، فیصلہ کن مراحل نزدیک آ گئے ہیں۔ آپ صبر سے کام لیں تاکہ کامیاب ہوں، مقابلے میں جمے رہیں تاکہ فتح یاب ہوں، جلد بازی نہ کریں۔"

سلطان کے فیصلے کے سامنے کسی کو چوں چرا کرنے کی مجال نہ تھی مگر اکثر افسران اور سپاہیوں نے دل سے اسے تسلیم نہیں کیا۔ زخمیوں کی کثرت اور جانوروں کے لیے چارے کی کمی جیسے مسائل انہیں جہاد سے باز رکھنے کے لیے کافی ثابت ہو رہے تھے۔ گزشتہ دس ماہ سے وہ مسلسل فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ بہت سے قلعے اور شہر ان کے پہنچتے ہی فتح ہو گئے تھے۔ عسقلان اور القدس جیسے مضبوط ترین شہر بھی ان کے آگے ہفتے بھر سے زیادہ مزاحمت نہیں کر پائے تھے۔ فتوحات کی عادی اس فوج کے لیے صور میں خلاف توقع حالات سے نبرد آزمائی ناقابل برداشت ہو چلی تھی۔ ان وجوہ سے امرائے فوج نے سلطان کے فیصلے کے باوجود آئندہ دنوں میں جنگ روک دی اور چپ چاپ محاصرہ کیے پڑے

رہے۔ سلطان کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ سپاہی زخمی ہیں۔ ساتھ ہی عذر پیش کیا کہ اخراجات کے لیے رقم ختم ہوگئی ہے، مزید رقم منگوانے کے لیے اہلکار روانہ کر دیے گئے ہیں، ان کے واپس آنے پر جنگی کارروائیاں شروع کر دی جائیں گی۔ سلطان ایوبی کی جہاندیدہ نگاہوں نے فوج کے جوش وخروش میں کمی، احکام کی بجا آوری میں سستی اور رسمی کارکردگی کو بھانپ لیا تھا۔ وہ افسران کے بہانوں، معذرت خواہیوں اور طفل تسلیوں سے بہل نہیں سکتے تھے۔ ان کے لیے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ فوجی افسران کے مزاج کو تبدیل کر دیں یا بادلِ نخواستہ لڑنے والی سپاہ کو جبراً مزید مہمات میں جھونکتے رہیں۔ ویسے بھی اگر حالات غیر معمولی نہ ہوتے تو سپاہ کو ایک طویل وقفہ ملنا ہی چاہیے تھا۔ اب فوج کی کم ہمتی دیکھ کر سلطان سمجھ گئے کہ صور میں مزید ٹھہرنا بے سود ہے چنانچہ انہوں نے واپسی کا اعلان کر دیا۔

کوچ کا نقارہ بجتے ہی ان کا سالار تقی الدین عمر دیار بکر، موصل، الجزیرہ، سنجار، ماردین اور مشرقی صوبوں کی تمام فوجوں کو لے کر ہونین کی راہ سے دمشق روانہ ہوگیا۔ سلطان نے خود 30 شوال 583ھ (یکم جنوری 1188ء) کو سمندر کے ساتھ ساتھ "الناقورۃ" کے غیر معروف، دشوار گزار اور مختصر راستے سے عکا کی طرف کوچ کیا اور تین دن میں عکا پہنچ گئے۔ بقیہ ساز وسامان ایک ہفتے میں منتقل ہوا۔ صور کی مہم کے لیے بہت بڑے پیمانے پر بھاری اسلحہ اور خوراک ورسد کا ذخیرہ منگوایا گیا تھا۔ اب واپسی کے موقع پر یہ خطرہ تھا کہ دشمن جری ہو کر چھاپہ مار حملوں کے ذریعے اسے لوٹنے کی کوشش کرے گا۔ سلطان نے صور سے کوچ کرنے سے پہلے وہاں چند افسران متعین کر دیے تھے جو سامان کی اپنے ٹھکانوں پر منتقلی کا اطمینان ہونے تک وہیں رکے رہے۔ اس سامان کا زیادہ حصہ سلطان کے حکم کے مطابق صیدا اور بیروت منتقل کروایا گیا تھا اور جو سامان جلد منتقل کرنا ممکن نہ تھا اسے مسلمانوں نے جلا ڈالا کہ وہ فرنگیوں کے ہاتھ نہ لگ جائے کیوں کہ فوج کے بڑے حصے کے چلے جانے کے بعد فرنگی شہر کے سامنے موجود اس ذخیرے کو کسی بھی وقت لوٹ سکتے تھے اور نگرانی کرنے والے چند افسران اور باقی ماندہ سپاہی اسے بچا نہیں سکتے تھے۔ [1]

صور کی مہم کی ناکامی کے اسباب: صور کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر صلاح الدین ایوبی کی واپسی خونریز جنگوں کے ایک نئے سلسلے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یہ سلطان کی زندگی کا اہم موڑ تھا۔ اگر صور فتح ہو جاتا تو بیت المقدس کی بازیابی سے حاصل شدہ کامیابیوں کی تکمیل ہو جاتی اور سلطان صلاح الدین کو جہاں داری اور تعمیری کاموں میں گزارنے کا کھلا موقع مل سکتا تھا۔ مگر صور کی مہم کے ادھورے پن کی وجہ سے مغرب کی جانب سے عالم اسلام کی سرحدوں میں مداخلت کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

[1] النوادر السلطانیۃ: 138، الکامل فی التاریخ: 160/10

سلطان صلاح الدین اپنی تمام تر طاقت، ذہانت، تدبر، شجاعت اور عالی ہمتی کے باوجود صور کو فتح کیوں نہ کر سکے۔ ہم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں، ان کی روشنی میں اس کے اسباب مندرجہ ذیل نظر آتے ہیں:

1- صور قدرتی طور پر تین طرف سے بالکل محفوظ تھا اس لیے اس پر حملہ کرنا بے حد مشکل تھا۔

2- سلطان کی فوج دس ماہ سے لڑتی آ رہی تھی اس لیے صور کی مہم سے قبل بری طرح تھک چکی تھی اور کسی طویل محاصرے کے لیے تیار نہ تھی۔

3- سلطان کا بحری بیڑا جس کی اس جنگ میں کلیدی حیثیت تھی، بحری فوج کی اپنی غفلت کے سبب تباہ ہو گیا تھا اور متبادل بیڑے کی تیاری جلد ممکن نہ تھی۔

4- جنگوں نے سلطان کو معاشی طور پر مضبوط نہیں چھوڑا تھا۔ جمع شدہ تمام رقم صور کی جنگ میں خرچ ہو گئی تھی اور مالی اخراجات پورے کرنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔

5- مسلم فوج فتوحات کی عادی بن چکی تھی اس لیے ایک سخت اور طویل جنگ اس کیلئے پریشان کن تھی۔

6- بارش اور موسم سرما کی شدت سپاہیوں اور افسران کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

بہرکیف سلطان کی واپسی کے اسباب جو بھی رہے ہوں علامہ ابن اثیر اور لین پول کی رائے یہ ہے کہ صور کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر جانا سلطان کی ایک سنگین غلطی کی تھی جس کا خمیازہ تیسری صلیبی جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ لین پول تو برملا کہتا ہے کہ اگر صور فتح ہو جاتا تو تیسری صلیبی جنگ کی نوبت ہی نہ آتی۔

مگر راقم کے خیال میں یہ نقطۂ نظر قابلِ بحث ہے۔ میری رائے میں صور کے فتح ہو جانے سے تیسری صلیبی جنگ کا امکان ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس دور کے زمینی حقائق اور شام کے جغرافیے پر غور کیا جائے تو یہ امکان واضح نظر آتا ہے کہ اگر صلیبیوں کے پاس صور نہ ہوتا تو بھی یورپ ایک نئی جنگ شروع کر سکتا تھا۔

درحقیقت اس دور کی یورپی طاقتیں بحری جنگ میں اتنی ماہر ہو چکی تھیں کہ وہ کسی ساحلی مقام پر دسترس نہ رکھنے کے باوجود حریف کے ساحلی قلعوں اور شہروں کے خلاف بھرپور جنگ چھیڑ سکتی تھیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ 492ھ کی پہلی صلیبی جنگ میں یورپ کے پاس عالم اسلام کا کوئی ساحلی قلعہ نہ تھا مگر جب ان کی ٹڈی دل افواج ساحلوں پر نمودار ہوئیں تو قلعے پر قلعے فتح کرتی ہوئی القدس تک جا پہنچیں۔ اگرچہ اب صورتحال اس لحاظ سے مختلف تھی کہ صلاح الدین ایوبی کی شکل میں شمشیر اسلام بے نیام تھی اور کئی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کی جگہ ایک بڑی حکومت مقابلے پر تھی مگر اس کا یہ مطلب نکالنا بھی درست نہ ہوگا کہ اگر صلاح الدین ایوبی صور سمیت پوری ساحلی پٹی پر قبضہ کر لیتے تو یورپی طاقتیں جنگ کا خطرہ مول لینے کی جرأت ہی نہ کرتیں۔

لین پول کا نقطۂ نظر اس لحاظ سے بھی کمزور ہے کہ صور کے علاوہ شام میں انطاکیہ اور طرابلس جیسے اہم شہر بہر حال نصرانیوں ہی کے پاس تھے۔ اگر سلطان صور فتح کر لیتے تو بھی یورپی طاقتیں اپنی افواج انطاکیہ یا طرابلس میں اتار سکتی تھیں۔ اگرچہ اس طرح انہیں القدس کی طرف بڑھنے میں خاصی دشواری ہوتی مگر وہ القدس پر قبضے کے لیے یہ ہمت کر سکتے تھے۔ بالفرض اگر یورپی طاقتوں کے پاس ساحل پر قدم جمانے کے لیے کوئی مقام نہ رہ جاتا تب بھی وہ بحیرۂ روم کے ان جزائر کو کام میں لا سکتے تھے جہاں ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ پھر اپنی مشترکہ بحری طاقت کو بھرپور انداز میں استعمال کر کے وہ ساحل کے کسی بھی شہر پر حملہ کر سکتے تھے اور عین ممکن تھا کہ اس پر قابض بھی ہو جاتے۔

سلطان پر ایک اور اعتراض: علامہ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ سلطان کی اپنی غلطی کی وجہ سے صور کو غیر معمولی استحکام ملا اور وہاں حریف کی بے پناہ مادی و افرادی قوت مجتمع ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ سلطان نے عکا، عسقلان اور القدس جیسے شہروں کے شکست خوردہ سپاہیوں کو مال و اسباب سمیت صور پہنچانے کا خود انتظام کیا تھا۔ اس غیر محتاط فراخدلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرنگیوں کے بہترین سپاہی اور تاجر اپنے مال و دولت اور طاقت کے ساتھ صور میں جمع ہو گئے اور اسے ناقابلِ تسخیر بنا ڈالا۔ وہ اس موقع پر نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ حکمران اگرچہ بلند اقبالی کے دور سے گزر رہا ہو تب بھی اسے احتیاط ترک نہیں کرنی چاہیے۔ احتیاط کرتے ہوئے کسی مہم میں ناکام رہنا، بے احتیاطی کے ساتھ کسی مہم میں کامیابی سے بہتر ہے۔[1]

علامہ ابن اثیر کی یہ بات تو درست ہے کہ سلطان کا دستِ کرم حد سے زیادہ کشادہ تھا، ان کی فراخدلی مسلمانوں ہی کو نہیں غیر مسلموں کو بھی مالا مال کرتی تھی۔ خود سلطان کے کاتب عماد اصفہانی القدس کا زرِ فدیہ سرکاری خزانے میں جمع نہ ہونے پر حسرت کا اظہار کرتے رہے کہ یہ رقم آئندہ بڑی بڑی مہمات میں کام آسکتی تھی۔ علامہ ابن اثیر کی یہ بات بھی واقعہ کے مطابق ہے کہ سلطان کی فراخدلی سے فائدہ اٹھا کر صور میں مسلمانوں کے خلاف زبردست افرادی و اقتصادی طاقت جمع ہو گئی تھی۔ مگر صور سے پہلے سلطان کی ہر مہم اور فتح پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ سلطان کی جود و سخا اور نرمی ہر جگہ برمحل اور مصلحتِ وقت کے مطابق تھی۔ اگر وہ ہر جگہ صرف مرنے مارنے پر تلے رہتے تو عیسائی ان پر اعتماد کر کے درجنوں شہروں کو آناً فاناً ان کے حوالے کیسے کرتے؟ عکا، عسقلان اور القدس جیسے شہر اسی نرم رویے کی بناء پر مہینوں کی جگہ دنوں میں فتح ہو گئے تھے۔ اگر سلطان کا رویہ نرم نہ ہوتا تو ان میں سے ہر شہر کے لوگ آخر دم تک لڑتے، ہر مہم مہینوں پر پھیل جاتی اور نامعلوم القدس فتح ہو بھی سکتا یا اس سے پہلے ہی یورپ

[1] الکامل فی التاریخ: 161/10

سے امدادی افواج ساحل پر اترنا شروع ہو جاتیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب سلطان نے صلح وصفائی اور آسان شرائط کے ساتھ یہ علاقے فتح کیے تو کیا اس کے بعد مستقبل کے کسی خطرے کے پیش نظر انہیں وعدہ خلافی کرنا زیب دیتا تھا؟ کیا وہ اپنے عہد و پیمان کو خلاف احتیاط تصور کر کے پس پشت ڈال دیتے؟ ظاہر ہے کوئی حکمران ساری دنیا بھی فتح کر لے مگر اس کا دامن بدعہدیوں سے داغدار ہو تو اسے کامیاب حکمران نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ خلقِ خدا اس کی بدعہدی، فریب کاری اور مطلب پرستی پر ہزار لعنت بھیجتی رہے گی اور اس کا یہ کردار تاریخ میں ایک دھبے کی مانند ثبت رہے گا۔

یہ درست ہے کہ ایسے فراخدلانہ رویوں کے سبب سلطان کی حکومت کو بعض اوقات اقتصادی کمزوری لاحق ہو جاتی تھی اور صور میں عیسائیوں کے پاس بے پناہ مالی و افرادی وسائل کے اجتماع کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان نے انہیں القدس سے بہت کچھ ساتھ لے جانے دیا تھا مگر بغور دیکھا جائے تو صور کی مہم میں ناکامی کا تعلق ان باتوں سے نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت معمولی سا۔ صور میں ناکامی کی اصل وجہ بحری فوج کی غفلت اور اس کی تباہی تھی ورنہ فتح تو چند گام کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ بعد میں خشکی کا محاصرہ بھی کامیابی کے قریب پہنچ گیا تھا مگر جنگوں سے تھکے ماندے امرائے فوج کی بے ہمتی نے راہ ماردی۔ صور کی مہم کو ادھورا چھوڑنے کا فیصلہ انہی امراء کا تھا ورنہ سلطان اپنا فیصلہ سنا چکے تھے کہ محاصرہ جاری رہے گا۔

ہم نے جو تفصیلات جمع کی ہیں ان کی روشنی میں مؤرخین کا صور سے واپسی کو سلطان کی غلطی شمار کرنا معقول نظر نہیں آتا۔ یہ درست ہے کہ سلطان بشر تھے جو غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتا مگر صور سے واپسی سلطان کی غلطی نہیں مجبوری تھی۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجبوری میں اٹھایا گیا ایک ایسا قدم تھا جس کے عواقب کا شاید سلطان کو پورا علم نہ تھا۔ اگر انہیں مستقبل کے نتائج کا علم ہوتا تو وہ کبھی اس مہم کو ترک نہ کرتے مگر ظاہر ہے کہ سلطان اپنے تمام تر تجربے اور عسکری مہارت کے باوجود عالم الغیب یا مستقبل بین تو نہ تھے۔ فوج کی بددلی کے بعد ان کا صور کی مہم کو چند ماہ کے لیے مؤخر کر دینے اور بہار میں دوبارہ جمع ہونے کا فیصلہ کوئی ایسا غیر معقول نہ تھا۔ ہاں اگر سلطان سے کوئی بڑی غلطی ہوئی تو وہ یہ کہ انہوں نے موسم بہار میں دوبارہ صور پر فوج کشی نہیں کی اور اس مہم میں تاخیر در تاخیر ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ ابن اثیر اور لین پول کی آراء میں جو مشترکہ نقطہ نظر کسی شک وشبے کے بغیر قبول کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان صور کو فتح کر لیتے تو یورپی طاقتوں کا ممکنہ حملہ اتنا خطرناک نہ رہتا اور سلطان کو کئی سالہ جنگ کی وہ مشقت برداشت نہ کرنا پڑتی جو یکدم صور سے نصرانیوں کی بے پناہ طاقت کے نمودار ہونے کے بعد جھیلنا پڑی۔ بالفاظ دیگر صور فتح ہو جاتا تو ممکن تھا کہ تیسری صلیبی جنگ اتنی طویل اور خوں ریز نہ

ہوتی۔تاہم یہ مان لینا چاہئے کہ تیسری صلیبی جنگ تو بہر حال ہونا تھی۔صور پر سلطان کے قابض ہونے یا نہ ہونے سے اس جنگ کے چھڑنے یا نہ چھڑنے کا کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ شام کے نصرانیوں اور یورپی طاقتوں کے لیے ''القدس'' کا مسلمانوں کے پاس واپس چلے جانا بہر صورت نا قابل برداشت تھا، وہ اس واقعے کے بعد انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا قرنا پھونکنے کے لیے بس یہی ایک وجہ کافی تھی اور اسی بنیاد پر اہلِ یورپ کو تیسری بار بھڑکا کر شام کے ساحلی علاقوں پر ہنکایا گیا۔

قلعۂ کوکب کے نصرانیوں کا عفر بلا پر قبضہ ✵ صور سے لوٹ کر سلطان اپنے خاص ساتھیوں کے ساتھ عکا کے باہر ایک ٹیلے پر فروکش ہو گئے۔وہ عساکر کو بہار میں دوبارہ جمع ہونے کی ہدایت کے ساتھ رخصت دے چکے تھے۔افواج کا غالب حصہ اپنے گھروں یا چھاؤنیوں کو جا چکا تھا۔شہزادہ ملک الظاہر اپنی فوج کے ساتھ حلب اور الملک العادل مصر لوٹ گئے تھے۔بظاہر حالات پرسکون تھے۔

مختلف علاقوں میں نصرانیوں کے کچھ قلعے جو ایک مدت سے سلطانی افواج کی دارو گیر کی زد میں تھے ابھی تک سر اٹھائے کھڑے تھے۔اردن کی سرحد کے قریب قلعۂ کوکب ہاسپٹلرز کے جنگجوؤں کا مرکز تھا طبریہ کے پاس قلعۂ صفد ٹیمپلرز کا گڑھ تھا۔یہ دونوں حطین سے زیادہ دور نہ تھے اس لیے معرکہ حطین سے بچ نکلنے والے سینکڑوں ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز جنگجو ان قلعوں میں چھپ گئے تھے۔سلطان نے حطین میں ظفر یابی کے کچھ دنوں بعد عسقلان کی جانب پیش قدمی کے موقع پر اپنی کچھ فوج کو ان دونوں قلعوں کے محاصرے کا حکم دیا تھا۔سلطان کے حکم کے مطابق امیر مسعود صلتی گزشتہ چار ماہ سے ایک دستے کے ساتھ صفد کا محاصرہ کیے ہوئے تھا جبکہ امیر سیف الدین محمود نے کوکب کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ وہ ان قلعوں کی خوراک ورسد کے راستوں پر قابض تھے۔

سیف الدین محمود بڑا دلیر اور نیک وصالح انسان تھا،نماز تہجد کا پابند اور ذکر و تلاوت کا شائق تھا۔[11] سلطان کے مایہ ناز مصاحب امیر جاولی الاسدی کا بھائی تھا۔اور ''اخی جاولی'' کا لفظ اس کے نام کے ساتھ لقب کی طرح جڑ گیا تھا۔کوکب پر نظر رکھنے کے لیے وہ عفر بلا کے قلعے کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھا۔[11] کوکب سے کچھ فاصلے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن رہتا تھا۔جاڑا آیا اور سردی عروج کو پہنچی تو ان قلعوں کی کڑی نگرانی ممکن نہ رہی۔ایسے میں ایک طوفانی رات میں جبکہ زوروں کا مینہ برس رہا تھا سیف الدین محمود کے وہ آدمی جو پہرے پر تھے،اونگھنے لگے۔قلعۂ کوکب کے عیسائی جو اس اندھیری رات میں کارروائی کا منصوبہ بنا چکے تھے،اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ان کے خیموں پر حملہ آور ہو گئے۔سیف الدین محمود اور اس کے ساتھی اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے۔وہ دلیری سے لڑتے لڑتے شہید

ہو گئے۔ اس کے بعد نصرانیوں نے ان کے مرکز عفر بلا پر قبضہ کر لیا۔ اب سرحدِ اردن سے وادی حطین اور طبریہ کے نواح تک تین اہم قلعے نصرانیوں کے پاس آ گئے تھے اور یوں اردن کا راستہ محفوظ نہ رہا۔

یہ حادثہ عین اسی دن پیش آیا جب سلطان نے صور سے کوچ کیا تھا۔ راستے ہی میں انہیں اس کی اطلاع مل گئی تھی۔ صور میں بے شمار انسانی ومالی وسائل کے ضیاع اپنے بحری بیڑے کی تباہی اور مہم کی ناکامی کے بعد یہ خبر ان کے لیے مزید پریشانی کا باعث تھی۔ چونکہ ابھی حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ کوئی موثر جوابی کاروائی کرتے اس لیے انہوں نے کوکب کا گھیرا برقرار رکھنے کے لئے امیر قائماز نجمی کو روانہ کر دیا۔ [1]

عکا میں ❁ سلطان نے موسم سرما اطمینان وسکون سے ملکی انتظامی امور کی دیکھ بھال میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کچھ دنوں عکا کے باہر ٹھہرے رہنے کے بعد شہر کے قلعے میں مقیم ہو گئے۔ ان دنوں انہوں نے عکا کی تعمیر وترقی کے لیے بطور خاص کئی اقدامات کیے۔ یہاں اسبتاریہ (ہاسپٹلرز) کے مرکز کی عمارت دو حصوں میں تقسیم کر کے فقہاء اور صوفیاء کو سونپ دی۔ بڑے پادری کی خالی حویلی کو ہسپتال بنا دیا۔ وہ اپنے قدیم رفیق عز الدین جوردیک کو اس اہم ساحلی شہر کا حاکم بنا چکے تھے اور وہ اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہا تھا۔ [2]

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/413، 414_4/6؛ الکامل فی التاریخ: 10/162
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/414، 415؛ الکامل فی التاریخ: 10/163
اس باب کی اکثر تفاصیل الکامل فی التاریخ تحت 583ھ، 10/159_163 اور کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/411_421 سے لی گئی ہیں۔

فصل:2

شمالی شام میں فتوحات کا ریلا

نئے ہجری سال کے پہلے مہینے محرام الحرام 584ھ کے ساتھ ہی بہار کا آغاز ہوا، سر
دور ہوگئیں اور فوج کشی کے لیے مناسب دن آ گئے۔ سلطان نے جس خیا
کیا تھا، اس کی تکمیل کا وقت آ گیا تھا۔ مگر حالات پر مزید غور و فکر کے نتیجے
شمالی شام کے کوہستانی سلسلے میں واقع فرنگی قلعوں اور ان سے بھی زیادہ انطا لیہ
کی ضرورت محسوس کی۔ اگرچہ سلطان کو صور کے محاذ کی نزاکت کا احساس ضرور تھا
اندازہ تھا کہ شام کے ساحل پر یورپ کی امدادی افواج ضرورا ان کا یہ
میں کم از کم ایک برس لگ جائے اور اس دوران وہ شمالی شام۔
جیسے قدیم نصرانی شہروں کے علاوہ وسطِ مملکت میں خنجر کی طرح
کر سکیں گے۔ سلطان نے ان قلعوں اور شہروں پر قبضے کو صور کی مہم پر ر
کا ایک اہم سوال ہے..... غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے اس ی

1- قلعۂ کوکب کے سامنے ان کے معتمد امیر سیف الدین کی شہادت اور فرنگیوں کے قبضے نے سلطان کو چونکا دیا تھا اور وہ سلطنت کے وسطی و مشرقی علاقو بالکل پاک کرنے کی ضرورت کو زیادہ شدت سے محسوس کرنے لگے تھے۔ فرنگیوں کے پار چار قلعے کوکب، صفد، کرک اور شوبک شاہراہوں پر واقع تھے، ان کی وجہ سے کمک و رسد راستے غیر محفوظ ہو رہے تھے جن سے آگے چل کر سخت خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

2- سلطان صور پر حملے سے پہلے مارکوئیس اور اس کے ساتھیوں کی ہمتیں پست کرنا چاہتے تھے ا کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ اردن اور شام کے بچے کچے فرنگیوں کی طاقت بھی ختم کر دی جائے ا اہلِ صور کو بالکل تنہا کر دیا جائے۔

3- ممکنہ یورپی یلغار کو روکنے اور صور پر بھر پور حملے کے لیے افواج کی اجتماعیت کی ضرورت تھی جس کا تقاضا یہ تھا کہ مختلف قلعوں کے محاصروں میں مشغول اپنی چھوٹی چھوٹی فوجوں کو صور کی مہم میں شامل کیا جائے۔ اگر ان کو شامل کیے بغیر صور پر حملہ کیا جاتا تو حسب سابق اس کے ناکامی سے دوچار ہونے کے امکانات موجود تھے۔

4- اگر نصرانیوں کے ان قلعوں کو فتح کیے بغیر وہاں تعینات افواج کو ہٹالیا جاتا اور اسے صور پر حملے یا یورپی خطرے سے مدافعت کی مہم میں جھونک دیا جاتا تو پس پشت شورشوں اور شرانگیزیوں کا خطرہ تھا۔ یہ کسی بڑی مہم میں مصروف مجاہدین کے لیے شدید نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

لہٰذا سلطان نے طے کرلیا کہ پہلے ایک بار خود یلغار کر کے ان قلعوں کو فتح کرلیا جائے۔ سلطان کو یہ بھی یقین تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی مہمات میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور وہ بہت جلد پوری طاقت کے ساتھ صور پر لشکر کشی کرسکیں گے اور اسے فتح کرنے کے بعد اس فوج کو ساحل پر ہی تعینات رکھیں گے۔ اس دوران اگر یورپ سے حملے شروع ہوگئے تو وہ پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ اپنا دفاع کرسکیں گے۔ لہٰذا صور کی مہم کو مزید مؤخر کردیا گیا اور سلطان نے موسم بہار آتے ہی "عکا" سے اپنی نئی مہم کے لئے کوچ کی تیاری کی۔ [1]

عکا کی تعمیر نو: عکا سے روانگی سے پہلے سلطان یا ان کے ہمراہیوں میں سے کوئی یہ خطرہ محسوس نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شہر عن قریب فرنگیوں کے قبضے میں جانے والا ہے۔ اس شہر کی جدید تعمیر اور دفاعی انتظامات کے بعد بلاشبہ کسی بھی دشمن کا اس پر قبضہ نہایت دشوار تھا۔ گزشتہ سال سلطان نے حطین میں فرنگیوں کو شکست دینے کے بعد جب عکا پر قبضہ کیا تھا تو اس وقت سلطان کے بعض جہاندیدہ مشیروں نے یہ رائے دی تھی کہ اس شہر کی فصیل اور قلعے کو مسمار کردیا جائے اور ساحل پر صرف گشتی سپاہ کو چھوڑ دیا جائے تاکہ مستقبل میں یہاں فرنگیوں کے دوبارہ حملے اور قبضے کا کوئی امکان نہ رہے۔ سلطان نے اس مشورے کا وزن محسوس کیا تھا اور اس پر عمل کے لیے تیار ہوگئے تھے مگر دیگر امراء نے شدت سے مخالفت کی اور سلطان کو اس شہر کی وسعت، گنجان آبادی اور خوبصورتی کا احساس دلا کر ان کی رائے بدل دی تب سلطان نے قاہرہ سے تعمیری وترقیاتی کاموں کے نگران امیر بہاؤالدین قراقوش کو طلب کر کے اسے عکا کی تعمیر نو کا کام سونپ دیا تھا۔ قاہرہ اور فسطاط مصر کو ایک فصیل میں گھیر کر ایک شہر بنانے کا کارنامہ انجام دینے والا یہ مدبّر امیر اب دل وجان سے عکا کو ایک بہترین شہر بنانے میں مصروف تھا۔ عکا اس غیر معمولی استحکام اور دفاعی انتظامات کی وجہ سے کسی بڑی سے بڑی فوج کو ناکوں چنے چبوا ڈالنے کے قابل تھا۔ [2]

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 6/4   ❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/4

قلعۂ کوکب پر ناکام حملہ ✽ اندرونی فتوحات کے نئے سلسلے کا پہلا ہدف قلعۂ کوکب تھا۔ سلطان محرم 584ھ (مارچ 1188ء) میں محض ان تھوڑے سپاہیوں کے ساتھ جو ہمیشہ ان کے ہمرکاب رہتے تھے یہ قلعہ فتح کرنے نکل پڑے اور قلعے کا محاصرہ کرلیا مگر صفر کے اختتام تک قلعے کی فلک بوس دیواریں غازیانِ اسلام کی دسترس سے دور رہیں۔

کوکب کے اس محاصرے کے دوران آمد کے حکمران قطب الدین سکمان اور ایشیائے کوچک کے فرمانروا قلیج ارسلان کے سفیروں نے سلطان کی خدمت میں حاضری دے کر تازہ فتوحات کی مبارکباد دی اور سلطان سے سابقہ معاہدوں کی توثیق کی۔ دراصل ان حکام کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ سلطان ان کو سپرد کردہ علاقے واپس نہ لے لیں۔

قاضی ابن شداد کی سلطان کے پاس آمد ✽ کوکب کے محاصرے کے دوران موصل کی حکومت کے ممتاز رکن قاضی بہاؤ الدین ابن شداد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پینتالیس سالہ باوقار انسان تھے۔ اصل نام یوسف بن رافع تھا۔ ولادت 539ھ (1144ء) میں موصل میں ہوئی تھی جہاں اس وقت عماد الدین زنگی کا طوطی بول رہا تھا۔ یوسف بن رافع بچپن میں یتیم ہوگئے تھے، انہیں ان کے ماموؤں نے پالا پوسا تھا جو بنو شداد کہلاتے تھے، اسی مناسبت سے یوسف بن رافع کو بھی ابن شداد پکارا جانے لگا، وہ قرآن مجید کے حافظ اور قرآتِ سبعہ کے قاری تھے۔ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء سے حدیث اور فقہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔

شادی کے بعد بغداد چلے گئے اور مدرسہ نظامیہ میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ 569ھ (1173ء) میں تیس سال کی عمر میں وہ اپنے وطن موصل واپس آئے اور قاضی کمال الدین کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ موصل کے شاہی دربار میں ان کی خاصی وقعت تھی اور انہیں سفارت کے لیے بھی بعض مہمات پر بھیجا جاتا تھا۔ وہ 579ھ (1183ء) میں موصل کے سفیر کی حیثیت سے صلح کی بات چیت کے لیے سلطان ایوبی کی خدمت میں حاضری دے چکے تھے۔ حالیہ ملاقات کچھ اس طرح ہوئی تھی کہ قاضی ابن شداد ان دنوں فریضۂ حج ادا کرنے حجازِ مقدس گئے تھے۔ وہاں انہیں القدس کی فتح کی خبر ملی تو قبلہ اوّل کی زیارت کے لیے نکل پڑے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ فاتح القدس اب حصن کوکب کے محاذ پر ہیں۔ چنانچہ قاضی ابن شداد سلطان سے ملاقات کے لیے وہاں آ گئے۔ سلطان نے ان کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا۔ قاضی صاحب کا خیال تھا کہ سلطان ان سے حج کے دنوں میں شام کے امیر ابن مقدم کے قتل کے پس پردہ حقائق کے بارے میں دریافت کریں گے مگر

سلطان نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا البتہ حدیث پاک سنانے کی فرمائش کی۔ قاضی ابن شداد نے امام بخاری کے اذکار کا ایک نوشتہ تیار کیا تھا، وہ سنایا۔ سلطان نے انہیں بڑی محبت سے القدس کی زیارت کے لیے رخصت کیا۔

قاضی صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ القدس کی زیارت سے فارغ ہو کر سیدھے اپنے وطن موصل چلے جائیں گے مگر جب وہ سلطان کے ہاں سے نکل رہے تھے، عماد کاتب اصفہانی ان کے پاس آئے اور گویا ہوئے:

”سلطان فرماتے ہیں جب آپ القدس کی زیارت سے فارغ ہو کر وطن واپسی کا ارادہ کریں تو آگاہ کردیں۔ سلطان کو آپ سے کوئی اہم کام ہے۔“

قاضی ابن شداد نے دوبارہ حاضری کا وعدہ کیا اور القدس روانہ ہو گئے۔ یہ یکم ربیع الاول 584ھ (30 اپریل) کا واقعہ ہے۔ اسی دن سلطان نے بھی کوکب سے دمشق کی طرف کوچ کر دیا۔ دراصل انہیں دارالحکومت سے نکلے ہوئے سولہ ماہ بیت چکے تھے۔ القدس کی فتح کے لیے وہ گزشتہ سال دارالحکومت سے نکلے تھے تو پھر واپس نہیں گئے تھے۔ سلطان نے وہاں جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ دارالحکومت میں کچھ دن گزار کر وہ منتشر افواج کو جمع کر کے دوبارہ کوکب کی مہم پر نکلیں گے۔ انہوں نے امیر قایماز نجمی کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ کوکب کے محاصرے پر چھوڑا اور خود دمشق روانہ ہو گئے۔ [1]

دمشق میں دس دن ❊ 6 ربیع الاول 584ھ (5/مئی) کو دمشق پہنچنے پر سلطان کا زبردست استقبال ہوا۔ عوام اپنے اس حکمران کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے جس نے القدس فتح کر کے پورے عالم اسلام سے خراج عقیدت وصول کیا تھا اور انبیاء کی میراث اہلِ اسلام کو لوٹا کر ان کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔ دمشق کا ہر مسلمان اس دن اپنے سلطان پر ناز کر رہا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں اپنے محبوب اور عادل حکمران کی بلائیں لے رہی تھیں جس نے ساری دنیا کے سامنے ان کا سر اونچا کر دیا تھا۔ ہر شہری جو اس دن سلطان کا دیدار کر سکا اپنے آپ کو خوش قسمت محسوس کر رہا تھا۔ [2]

کچھ دنوں بعد قاضی ابن شداد بھی القدس کی زیارت سے فارغ ہو کر سیدھے دمشق پہنچ گئے۔ قاضی صاحب کا خیال تھا کہ سلطان ان کے ذریعے حکومت موصل کو کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں مگر سلطان کا ارادہ انہیں مستقل طور پر اپنے ہاں رکھنے کا تھا، یہ ارادہ بعد میں اس وقت ظاہر ہوا جب سلطان اگلی مہم پر روانہ ہوئے۔

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 27؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 5، 6؛ الکامل فی التاریخ: 10/ 166 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 10

انہی ایام میں ابن شداد نے سلطان کے ذوقِ جہاد کی تسکین کے لیے جہاد کے آداب واحکام سے متعلق تیس اوراق کا ایک کتابچہ تصنیف کیا۔ سلطان نے اسے بے حد پسند کیا۔ وہ ابن شداد کی صلاحیتوں کے پہلے سے معترف تھے، اب ان کی نگاہ میں ان کی قدر ومنزلت اور بڑھ گئی۔ [1]

جسے موت کا یقین ہو......٭ دمشق میں سلطنت کے ایک اہم عہدے دار صفی بن القابض نے سلطان کی عدم موجودگی میں ان کے لیے ایک خوبصورت حویلی تعمیر کرادی تھی جس کے بالاخانوں اور جھروکوں سے قلعے کے دونوں جانب کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ صفی بن القابض کا خیال تھا کہ سلطان اس کی تعریف کریں گے اور اس کے عہدے میں اضافہ کردیں گے۔ مگر جب سلطان کو معلوم ہوا تو سخت برہمی کا اظہار کیا اور کہا:

''جسے موت کا یقین ہو وہ حویلی کا کیا کرے گا۔''

پھر انہوں نے صفی کو سمجھاتے ہوئے کہا:

''ہماری تخلیق کا مقصد دمشق یا کسی اور شہر میں رہنا بسنا نہیں۔ ہم صرف اللہ عزوجل کی عبادت، اس کی راہ میں جہاد اور اخروی سعادت کی کوشش کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ہمارے دمشق آنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم یہاں قیام کیے رہیں گے۔ ہم نے کبھی اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دی کہ ہمیں یہاں سے کوچ نہیں کرنا۔ یہ جو تم نے تعمیر کیا ہے، نفس کو اس کے اصل مقصدِ تخلیق سے روکتا اور انسان کو ناکارہ بنادیتا ہے۔''

سلطان نے صفی الدین کی تعمیر کردہ حویلی کو نگاہ بھر کے بھی نہ دیکھا بلکہ اس حرکت سے صفی الدین سلطان کی نظر میں اتنا گر گیا کہ آخر میں ملازمت سے ہی خارج کردیا گیا۔ [2]

سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل ایک مدت سے بیمار تھے، اس لیے فتح القدس میں شرکت کے لیے حاضر نہیں ہوسکے تھے۔ ایک صبح سلطان ان کی عیادت کے لیے چلے گئے اور ظہر تک ان کے پاس بیٹھے رہے۔ ان سے دیر تک مشورے جاری رہے۔ دمشق میں قیام کے ان گنے چنے دنوں میں سلطان پابندی سے دارالعدل میں عوام کی شکایات سننے بیٹھتے رہے۔ قاضی حضرات اور علماء کرام ان کے ساتھ ہوتے اور فیصلوں میں ان کی مدد کرتے۔ شہر کا انتظام ان دنوں سلطان کے نائب بدرالدین مودود کے ہاتھ میں تھا۔ [3]

سلطان فریضۂ جہاد سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ تھے۔ انہوں نے مملکت کے وسط اور کنارا کے باقی ماندہ عیسائی قلعہ داروں کی گوشمالی کی تیاری شروع کردی تھی۔ تمام صوبوں کی افواج کو لشکرگ

[1] النوادر السلطانیہ: 141
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 12/4
[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 12،11/4 و الکامل فی التاریخ: 166/10

کے لیے جمع ہونے کے احکام روانہ کر دیے گئے تھے۔ سلطان کا یہ عزم تھا کہ اسلامی افواج کا سیلاب اس بار اس انداز سے آگے بڑھے گا کہ اردن سے شمالی شام تک اور جنوبی کردستان سے معر تک کوئی قلعہ فرنگیوں کے قبضے میں نہیں رہنے دیا جائے گا اور اس کے بعد غازیان اسلام صور کی مہم کے لیے بالکل یکسو ہوں گے۔

سلطان کو دمشق پہنچنے کے پانچویں دن خبر ملی کہ فرنگی ''جبیل'' پر چھاپے مارنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ سلطان نے محسوس کیا کہ اب کوچ میں مزید تاخیر مناسب نہیں۔ دمشق میں صرف دس دن قیام کر کے اسلام کا یہ محافظ ایک بار پھر راہِ جہاد میں نکل پڑا۔ 15/ربیع الاول 584ھ (14 اپریل 1188ء) کو دمشق سے نکلتے ہوئے وہ ایک بار پھر قاضی فاضل کی عیادت کے لیے گئے اور ان سے مفید مشورے اور دعائیں لیں۔ [1]

نئی مہم شروع ہوتی ہے ❊ طے یہ ہوا تھا کہ سلطنت کی افواج اب صوبہ حمص میں جمع ہوں گی۔ سلطان نے دمشق سے شمال کی طرف کوچ کیا۔ وہ کوہ یبوس، چشمۂ جز اور الدلبیہ سے گزر کر بعلبک پہنچے۔ پھر مرج عدوسہ، اللبوہ اور اللو رابتہ سے ہوتے ہوئے بحیرۂ قدس کا رخ کیا۔ اس دوران انھیں خبر مل چکی تھی کہ عماد الدین سنجار سے امدادی لشکر لے وہاں پہنچ چکا ہے۔ یہ مقام دریائے عاصی کے قریب اور حمص کے مغرب میں تھا۔ سلطان نے یہاں بحیرہ قدس کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ انھیں عماد الدین کے بروقت پہنچ جانے کی بے حد مسرت تھی۔ اب وہ مزید افواج کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دنوں بعد موصل اور الجزیرہ سے بھی تازہ دم افواج پہنچ گئیں۔ [2]

دریائے عاصی کے کنارے سلطان کی افواج کے اجتماع کا یہ منظر نہایت پرشکوہ تھا۔ عماد الدین پہلی بار بھرپور تیاری کے ساتھ سلطان کے پرچم تلے فرنگیوں سے لڑنے آیا تھا۔ سلطان اور وہ ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور دیر تک طویل مشورے کرتے رہتے۔ اس سے پہلے سلطان کی فرنگیوں کے خلاف یلغار کا رخ مغربی ساحل اور جنوبی علاقوں کی طرف رہا کرتا تھا مگر اب سلطان شمال کی جانب بڑھنا چاہتے تھے جہاں انطاکیہ اور طرابلس جیسے نصرانیوں کے بڑے بڑے شہر تھے۔ سلطان صلاح الدین اس رخ پر پہلی بار جہاد کا آغاز کر رہے تھے تاکہ شام اور اس کے متصلہ ممالک نصرانیوں کی دسترس سے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں۔ سلطان اور عماد الدین نے یہ طے کر لیا کہ پہلے کن قلعوں اور شہروں پر حملہ کیا جائے تاکہ انطاکیہ اور طرابلس پر قبضہ آسان تر ہو جائے۔

اس وقت سلطان کے نزدیک انطاکیہ کی اہمیت سب سے زیادہ تھی جس کا حاکم بوہیمنڈ شام کے عیسائی

---

[1] الکامل فی التاریخ: 10/166

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/13، الکامل فی التاریخ: 10/166

حکمرانوں میں بہت عالی مرتبہ شمار کیا جاتا تھا۔ تجربے اور عمر میں بھی وہ سب سے بڑا تھا۔ ریمنڈ کی موت اور گائی کی گرفتاری کے بعد وہی نصرانیوں کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ چونکہ ریمنڈ کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا اس کا شہر طرابلس اور اس کے تمام اضلاع بھی بوہیمنڈ کی عملداری میں دے دیے گئے تھے۔ یوں انطاکیہ کی طاقت دوگنی ہوگئی تھی۔ بوہیمنڈ خود انطاکیہ میں مورچہ زن تھا جبکہ طرابلس میں اس نے اپنے بڑے بیٹے کو نائب مقرر کر دیا تھا۔ ❶

عیسائی حکومتوں کے ان بقیہ آثار میں اپنی مدافعت کا جذبہ اس طرح کی نئی تشکیلات اور ترجیحات کو جنم دے رہا تھا جسے سلطان تشویش کی نظروں سے دیکھنے پر مجبور تھے۔

<u>یلغار کے نئے خطوط</u>❊ مہینے کے آخر تک عرب قبائل بھی معسکر میں پہنچ گئے تھے، ان افواج کو مرتب کر کے یکم ربیع الآخر 584ھ (29 مئی) کو سلطان نے کوچ کیا اور نصرانیوں کے ایک مضبوط قلعے کی مشرقی فصیل کے سامنے پڑاؤ ڈالا جسے حصن اکراد کہا جاتا تھا کیونکہ کسی زمانے میں یہاں کردوں کی چھاؤنی تھی۔ عیسائی اسے کرک ڈی شولیئر کہتے تھے (مگر یہ کرک وہ نہیں جو جنوب میں ریجی نالڈ کا مرکز تھا) پہاڑ کی چوٹی پر قائم اس پتھریلے قلعے سے دمشق، بعلبک اور ساحل تک کی آبادیاں نظر آتی تھیں۔ اس کے گرد دور دور تک باغوں، جنگلوں، اور نہروں کا سلسلہ تھا مگر سلطان اسے فتح کرنے نہیں آئے تھے، ان کی منزل بہت دور تھی۔ حصن اکراد کے سامنے دو دن گزار کے سلطان اپنے منتخب سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ سرحدیں عبور کر کے فرنگیوں کے علاقے میں داخل ہوگئے اور صافیتا، عریمہ اور یحمور جیسی بستیوں پر چھاپے مارتے ہوئے طرابلس کے قریب پہنچ گئے۔ چند دن کی اس مہم میں سلطان نے نصرانیوں کے شمالی علاقوں پر یلغار کے لیے پہاڑوں اور وادیوں کے راستوں کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا اور پھر اپنے معسکر واپس پہنچ گئے۔ ربیع الآخر کے اختتام تک سلطان حصن اکراد کے سامنے ٹھہرے رہے۔ ان کے سپاہیوں نے اردگرد سے خوراک و رسد کے بے شمار ذخائر اور بڑی تعداد میں مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔ ❷

اس دوران سلطان اپنی سرحدوں کے کمزور پہلوؤں کی حفاظت سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے الملک الظاہر اور الملک المظفر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوجوں کے ساتھ مشترکہ طور پر انطاکیہ کے سامنے "تیزین" کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیں اور سرحدوں کی حفاظت کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کو بھی اپنے ہاں طلب کر لیا۔ وہ ابھی تک دمشق میں تھے اور موصل واپس جانے کی تیاری کر چکے تھے مگر سلطان کا حکم ماننا ضروری تھا، اس لیے حاضر ہوگئے، سلطان نے ان کا بے

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 14/4، الکامل فی التاریخ: 175/10 ❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 14/4، الکامل فی التاریخ: 167/10

حد اعزاز و اکرام کیا۔ کچھ دنوں بعد قاضی ابن شداد کو سلطان کے معتمد ارکان کی زبانی معلوم ہوا کہ سلطان انھیں مستقل طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ قاضی بہاؤ الدین شداد اس موقع پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب سے میں نے سلطان کو اور جہاد سے ان کی محبت کو دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ان کی محبت بٹھادی تھی۔ پس میں نے سلطان کی پیش کش کو قبول کرلیا۔ اور یکم جمادی الاولیٰ (584ھ) سے جو بالائی ساحلوں پر سلطان کی یلغار کا دن ہے، ان کی ملازمت اختیار کرلی۔"[1]

مدینہ منورہ کے نیک سیرت بزرگ حاکم امیر قاسم ابن المہنا الحسینی بھی اس مہم میں سلطان صلاح الدین کے ہمراہ تھے، سلطان ان کی رائے پر پورا اعتماد کرتے تھے اور جہادی مہمات میں ان کی ہمراہی کو اپنے لیے نہایت بابرکت تصور کرتے تھے۔[2] ...... یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشہور مورخ علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ جنھوں نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ 'الکامل فی التاریخ' میں سلطان کی فتوحات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، حصن اکراد کے معسکر میں آکر سلطان کی فوج میں بھرتی ہوگئے تھے اور کئی ماہ تک محاذ پر رہے۔ اس وقت ان کی عمر 29 سال تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان کی فوج میں کیسے کیسے علماء و صلحاء شامل تھے۔[3]

<u>جبلہ کے قاضی منصور بن نبیل</u> ﷺ: بوہیمنڈ نہ صرف نصرانیوں کے اہم ساحلی شہروں انطاکیہ اور طرابلس کا حاکم تھا بلکہ حلب اور لاذقیہ کا قریبی شہر "جبلہ" بھی اسی کے زیر نگین تھا۔ اس کی رعایا میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد تھی جن کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے اس نے ایک جید عالم دین قاضی منصور بن نبیل کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ قاضی منصور کی قابلیت کے باعث بوہیمنڈ نے انھیں دربار میں اعلیٰ عہدہ دے رکھا تھا۔ جبلہ اور اس کے مضافات عملی طور پر قاضی منصور ہی کے زیر انتظام تھے۔ جب انھیں سلطان صلاح الدین کی لشکرکشی کی اطلاع ملی تو دینی حمیت کے تحت سلطان کا ساتھ دینے میں پس و پیش نہ کی۔ سیدھے سلطان کے معسکر قلعۂ اکراد پہنچے اور سلطان کو انطاکیہ اور طرابلس سے پہلے جبلہ پر قبضے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا:

"طرابلس کے محاصرے میں ایک طویل مدت گزر جائے گی جبکہ جبلہ کے مسلمان از خود شہر حوالے کرنے پر آمادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی بدبختی آپ کے طفیل خوش بختی میں بدل جائے۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص:141
[2] الکامل فی التاریخ:10/175
[3] الکامل فی التاریخ تحت 584ھ

سلطان نے اس مشورے کو پسند کیا کیوں کہ قاضی منصور پوری ذمہ داری کے ساتھ یقین دلا رہے تھے کہ وہ جبلہ اور لاذقیہ پر مسلمانوں کا قبضہ کرادیں گے۔ [1]

انطر طوس تباہ کردیا گیا: جمعہ 4 جمادی الاولیٰ 584ھ (یکم جولائی) کو سلطان قاضی منصور کے ہمراہ اس سمت روانہ ہوئے، گھنے جنگلات، سرسبز وادیوں اور بلند ٹیلوں کو عبور کر کے وہ ساحلِ سمندر تک پہنچ گئے، یہاں سے سلطان کے لشکر نے سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے جواب باضابطہ طور پر سلطان کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اسی تاریخ سے سلطان کی مہمات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ شروع کیا ہے۔ اس سے قبل سلطان کی باون سالہ زندگی کے حالات کو انہوں نے چند صفحات میں سمیٹ کر یہاں سے اپنی چشم دید روداد جہاد بیان کرنا شرع کی ہے اور اس میں ایک ایک چیز کی تفصیل لکھی، ان کا یہ روزنامچہ سلطان کی وفات تک جاری رہا۔

وہ بتاتے ہیں کہ سلطان کی اس مہم میں دایاں بازو عمادالدین کی قیادت میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ قلب کے سپاہی اور مال ومتاع کے ذخائر درمیان میں جبکہ آخر میں مظفرالدین کوکبری بائیں بازو کے سپاہیوں کو لیے چلا آرہا تھا۔ یہ لشکر فرنگی علاقوں میں گھس کر عربیہ سے کوئی تعرض کیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

دو دن بعد سلطان شہر انطر طوس کے پاس سے گزرے۔ یہ ایک دس میل لمبی خلیج کے سرے پر واقع قدیم ساحلی شہر تھا۔ اسے "طرطوس" بھی کہا جاتا تھا۔ اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ مگر اب برسوں سے یہاں غیر ملکی قابض تھے۔ جب سلطان صلاح الدین یہاں پہنچے تو دیکھا، فرنگی سپاہی شہر خالی کر کے کچھ فاصلے پر دو قلعہ نما برجوں میں مورچہ زن ہو چکے ہیں۔ سلطان نے ان کی مرمت ضروری سمجھی۔ اس وقت دائیں بازو کی فوج آگے نکل چکی تھی۔ سلطان نے ہرکارے دوڑا کر اسے واپس بلوالیا۔ خود سمندر کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ دائیں اور بائیں بازو کی افواج کو دوسری سمتوں میں پڑاؤ کا حکم دیا۔ سلطان کی خدمت میں ناشتہ پیش کیا گیا تو وہ بولے:

"ان شاء اللہ ناشتہ انطر طوس میں کریں گے۔"

ایسا ہی ہوا، مسلمان سپاہی شہر کی فصیل پھلانگ گئے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ جب وہ باہر نکلے تو بہت سے قیدی ان کے ساتھ تھے۔ اتنی دیر میں خیمے نصب کر دیے گئے تھے، سلطان خوش وخرم اپنے خیمے میں آئے۔ دسترخوان بچھا دیے گئے تھے، سلطان نے خواص کے ساتھ کھانا نوش کیا۔ اس کے بعد مسلمان سپاہیوں نے شہر پر قبضہ کر کے اس کی فصیل ڈھائی اور اہم عمارتوں کو ناکارہ بنادیا۔ اب سلطان

[1] الاعلاق الخطیرہ: 10/167

کے حکم سے دونوں برجوں کو گھیر لیا گیا۔ ایک برج میں ٹیمپلرز (داویہ) گروہ کا ایک سردار اور اس کے ساتھ نصرانیوں کا مقامی حاکم چھپے ہوئے تھے، اس حاکم کو حطین کے معرکہ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ القدس کی فتح کے موقع پر سلطان نے دیگر بہت سے قیدیوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی رہا کر دیا تھا، اس نے سلطان کے حسن سلوک کا یہ بدلہ دیا کہ بلا تاخیر افراد جمع کر کے یہاں سلطان کے خلاف شمشیر بکف ہو گیا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے اس برج کو گھیرے رکھا مگر اسے فتح نہ کر سکے۔

البتہ دوسرے برج کو جسے مظفر الدین کوکبری نے نرغے میں لیا ہوا تھا، زیر کرنا مشکل ثابت نہ ہوا۔ اس میں محصور عیسائی جان کی امان کی شرط پر برج سے نکل آئے۔ مسلمانوں نے اس برج کی بنیادوں کو کھود کر اسے منہدم کر دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کی چنائی میں استعمال ہونے والے پتھر سمندر میں پھینک دیے گئے کہ کہیں عیسائی یہاں دوبارہ کوئی برج تعمیر نہ کر لیں۔ ❶

چوں کہ سلطان کو جلد از جلد جبلہ پہنچنا تھا اس لیے انہوں نے دوسرے برج کی فتح کو موخر کر دیا جس میں عیسائی حاکم محصور تھا۔ انطرطوس سے روانگی سے قبل سلطان کے حکم سے شہر کا شاندار چرچ تباہ کر دیا گیا، اس چرچ کی شہرت کی وجہ سے عیسائی جوق در جوق یہاں آتے تھے۔ سلطان کے حکم سے شہر کے خالی مکانات کو آگ لگا دی گئی تاکہ یہاں عیسائی دوبارہ جمع نہ ہونے پائیں۔ اس وقت مجاہدین تکبیر و تہلیل کے نعرے لگا رہے تھے جن کی صدا ساحلی ہوا کے دوش پر دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔ ❷

موت کا پھندا ❁ 14 جمادی الاولیٰ 584ھ (11 جولائی) کو سلطان نے انطرطوس کو ملبے کا ڈھیر بنانے کے بعد جبلہ کا رخ کیا جہاں ان کا بیٹا الملک الظاہر حماۃ کے راستے سے ہوتا ہوا ان سے آن ملا۔ اس کے ساتھ منجنیق چلانے کے ماہرین کے علاوہ آہن گری اور نجاری کے بہترین کاریگر بھی تھے جو محاصرانہ لڑائیوں میں اپنا فن آزماتے تھے۔ جبلہ کے راستے میں مرقیہ شہر پہلا پڑاؤ تھا جسے فرنگی مسلمانوں کے خوف سے خالی کر چکے تھے۔ سلطان نے یہاں ایک دن قیام کے بعد آگے کوچ کیا۔ اب راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ بلند اور دشوار گزار پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ یہاں ایک اونچے ٹیلے پر ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) کا ایک مضبوط قلعہ تھا جسے مرقب کہا جاتا تھا۔ جبلہ جانے والی سڑک اس ٹیلے کے بالکل پاس سے گزرتی تھی۔ سڑک کی ایک جانب یہ ٹیلہ تھا اور دوسری جانب سمندر کی سرکش لہریں ٹھاٹھیں مارتی تھیں۔ یہاں سڑک اتنی تنگ تھی کہ ایک وقت میں صرف ایک سوار گزر سکتا تھا۔ جب

---

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 16/4، الکامل فی التاریخ: 167/10

❷ النوادر السلطانیہ: 143، 144۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 16/4، 16۔ الکامل فی التاریخ: 167/10

سلطان کی فوج یہاں پہنچی تو اسے بڑی خطرناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ دائیں طرف ٹیلے کی بلندی پر عیسائی مورچہ زن تھے اور بائیں طرف سرکش سمندر۔ کترا کر گزرنے یا متبادل راستہ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ٹیلے کے سامنے سے گزرنے والے ہر سوار کا عیسائی نشانہ بازوں کی زد میں آنا یقینی تھا۔

مگر مصیبت صرف یہی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی قوت ایمانی اور حکمت وتدبیر کا ایک اور امتحان بھی سامنے تھا۔ چند ماہ قبل سسلی (صقلیہ) کے عیسائی حکمران نے ساحل شام پر آباد نصرانیوں کی مدد کے لیے ساٹھ جنگی کشتیوں کی بھاری کمک روانہ کردی تھی جو مارگریٹ نامی ایک کمانڈر کی قیادت میں تھیں۔ ان میں سے ہر کشتی ایک قلعے یا ایک شہر کی حفاظت کے لیے کافی تھی۔ یہ کل دس ہزار سپاہی تھے جو پہلے صور پہنچے تھے مگر پھر طرابلس کو زیادہ خطرے کی زد میں محسوس کر کے وہاں چلے گئے تھے۔ پھر جب سلطان کی اس طرف آمد کا غلغلہ سنا تو یہ بیڑا سمندر کے اس حصے کی جانب چلا آیا جہاں سے سلطان کی فوج کا گزر متوقع تھا۔ اب یہ بحری فوج قلعۂ مرقب کے سامنے ساحل سمندر پر چوکس کھڑی تھی۔ سلطان کو آگے بڑھنے کے لیے اپنے ہر سپاہی کو نصرانیوں کے بری مورچے اور بحری فوج کے سامنے سے گزارنا تھا۔ چوں کہ سلطان کے پاس اس وقت بحری فوج نہ تھی اس لیے اس بحری بیڑے سے لڑنا ممکن نہ تھا۔ دوسری طرف مرقب کا قلعہ اتنا ہیبت ناک اور مضبوط تھا کہ اس پر قبضہ کرنا مہینوں کا کام تھا۔ مگر سلطان کو تو جلد از جلد جبلہ پہنچنا تھا تاکہ قاضی منصور کی مدد سے اس پر قبضہ کیا جائے۔ راستے میں رکنا اور الجھنا ان کے لیے نقصان دہ تھا۔ اس لیے موت کی اسی گھاٹی سے گزرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا؟ مگر فوج کو بچا کر یہ کام کیسے کیا جاتا؟ قوت سے زیادہ عقل وتدبیر اور حکمت وبصیرت کی جنگ کا موقع تھا۔ آخرکار سلطان اور ان کے رفقاء نے خاصی سوچ بچار کے بعد اس مشکل کا ایک نہایت حیرت انگیز حل نکال لیا اور اس کے مطابق نہایت تیزی سے اس تنگ راستے کو محفوظ بنانے کا کام شروع کرادیا۔ زیادہ خطرہ بائیں جانب سے تھا جو سمندر کے ساتھ لگتی تھی۔ سلطان نے یہاں لکڑی کے بڑے بڑے تختوں سے ایک قدآدم دیوار چنادی۔ یہ تختے طاریقات کہلاتے تھے اور ضرورت پڑنے پر انہیں نہایت تیزی کے ساتھ کھڑا کر کے حفاظتی دیوار بنائی جاسکتی تھی۔ طاریقات کے علاوہ 'جندیات' بھی استعمال کی گئیں۔ یہ بڑی بڑی بھاری ڈھالیں تھیں جو پورے انسان کو چھپالیتی تھیں۔ ڈھالوں اور تختوں کی ایک محفوظ عارضی دیوار بنانے کے بعد اس کے پیچھے تیرانداز بٹھادیے گئے جو سسلی کی کشتیوں کو ساحل کے قریب آنے سے روکتے رہے۔ جب راستہ شروع سے آخر تک محفوظ ہوگیا تو سلطان کے سپاہی اس پائپ نما حفاظتی دیوار کے اندر اندر سے تیزی سے دوسری طرف منتقل ہونے لگے۔ مال ومتاع اور مویشی بھی بحفاظت پار پہنچ

گئے۔ دیوار کی اوٹ سے سلطان کے تیر انداز اس وقت تک فرنگی بحریہ پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہے جب تک کہ آخری سپاہی بھی صحیح سلامت نہ نکل گیا۔ یہ سلطان کی عجیب وغریب تدبیر تھی کہ سارا لشکر موت کے پھندے سے گزر گیا اور کسی کا بال تک نہ بیکا ہوا۔

دشوار گزار راہیں: اب بلدیا اس نامی شہر سلطان کے سامنے تھا، عیسائی اسے بھی خالی کر چکے تھے۔ لشکر اسلام نے رات یہاں گزاری اور سویرے سویرے کوچ کیا۔ کچھ فاصلے طے کرنے کے بعد ایک کشادہ اور گہری ندی نے ان کا راستہ روک لیا جو پہاڑوں سے نکلتے ہوئے سمندر سے ہم آغوش ہو رہی تھی۔ ندی عبور کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا پل تھا۔ سلطان نے راستہ جلد طے کرنے کے لیے تمام مال ومتاع اور بھاری آلاتِ حرب پل کے راستے لے جانے کا حکم دیا، کچھ سپاہیوں کو پل کے دونوں کناروں پر تعینات کر دیا تا کہ ساز وسامان بحفاظت دوسری سمت پہنچ جائے۔ سلطان خود باقی لشکر کے ساتھ ندی کے کنارے چلتے چلتے اس چشمے تک پہنچے جس سے ندی کا پانی ابل رہا تھا اور اس کا چکر کاٹ کر ندی کے پار آ گئے۔ یہاں بلیدہ نامی شہر آباد تھا۔ یہ قدرتی طور پر نہایت محفوظ تھا۔ ندی کے پاٹ اور ساحل سمندر نے اس کی مغربی سمت کو گھیر رکھا تھا جبکہ باقی دو سمتوں میں ایک گہری خندق تھی جس میں ندی اور سمندر کا پانی بھرا رہتا تھا۔ عربی میں "بلید" کا مطلب ہے احمق۔ کاتب عماد کے بقول بلید شہر اسم بامسمّٰی تھا کیونکہ قدرتی طور پر اتنے محفوظ شہر کو اہل شہر از خود خالی کر گئے تھے، اگر وہ نہ جاتے تو سلطان کے لیے اس پر قبضہ کرنے کے لیے رکنے کی زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ سلطان کے لشکر نے رات یہاں قیام کیا۔ ندی کے پل سے سامان اتارنے والا عملہ رات بھر نقل وحمل میں معروف رہا۔ [5]

جبلہ اور نواحی قلعوں کی فتح: جمعہ 18 جمادی الاولیٰ 584ھ کو سلطان صلاح الدین جبلہ پہنچ گئے۔ مسلمان جو یہاں اکثریت میں تھے، شدت سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان کے پہنچتے ہی شہر کے دروازے کھول دیے گئے، لشکرِ اسلام کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور دولتِ ایوبیہ کے پرچم شہر کے برجوں پر لہرا دیے گئے۔ شہر کی نگرانی کرنے والی مختصر سی نصرانی فوج مقابلے سے عاجز ہو کر شہر کے دو قلعوں میں مورچہ بند ہو گئی تھی تاہم قاضی منصور نے سمجھا بجھا کر انہیں بعض شرائط پر قلعے خالی کر دینے پر آمادہ کر لیا۔ جبلہ کے ساتھ دشوار گزار پہاڑ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے جن میں نصرانیوں کے کئی قلعے اور بستیاں تھیں۔ ان سب نے کسی تاخیر کے بغیر سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان میں بکسرائیل کا اہم قلعہ بھی تھا جو شمالی شام کے اہم شہر حماۃ کے راستے پر واقع تھا۔ اس پر قبضے سے

---

[5] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/18، 19۔ الکامل فی التاریخ: 10/167، 168

مسلمانوں کو شمالی شام کے اسلامی شہروں تک رسائی اور وہاں سے کمک ورسد وصول کرنے کے لیے ایک دشوار گزار مگر مختصر راہ میسر آ گئی جسے اسی وقت کھول دیا گیا۔ جس طویل ترین راستے سلطانی لشکر آیا تھا درحقیقت وہ کوئی معروف راستہ نہیں تھا بلکہ لشکر مختلف جانبوں سے گھومتا، قلعے فتح کرتا اور رکاوٹیں دور کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ شمالی شام کے ان علاقوں تک رسائی کے لیے اہل فلسطین اور وسطی شام کے باشندے جو شاہراہ استعمال کیا کرتے تھے، وہ کئی عشروں سے اسماعیلیوں کے فدائی گروہ اور فرنگیوں کے قبضے میں ہونے کے باعث مستقل طور پر بند چلی آ رہی تھی۔ [1]

سلطان نے جبلہ کا انتظام شیزر کے والی سابق الدین عثمان کے حوالے کیا جبکہ قاضی منصور کو بجل نامی دیہات سمیت چند جاگیریں عطا کر کے ان علاقوں کے انتظامی اور عدالتی امور انہی کے حوالے کر دیے۔ [2]

لاذقیہ پر حملہ: اب سلطان لاذقیہ کی طرف بڑھے جس کی بندرگاہ کا دور دور تک چرچا تھا۔ شہر کے گرد کوئی فصیل نہ تھی البتہ ایک ٹیلے پر واقع دو جڑواں قلعے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ بدھ 23 جمادی الاولیٰ 584ھ (20 جولائی) کو لشکر اسلام لاذقیہ کے سامنے آ کر رکا۔ رات بھر آرام کے بعد اگلے دن سلطان نے شہر پر دھاوا بولا جبکہ ان کے سپاہی دونوں قلعوں کا گھیراؤ کر رہے تھے۔ شہر پر قبضہ تو مشکل ثابت نہ ہوا البتہ قلعوں پر زبردست جنگ چھڑ گئی۔ دن بھر عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے اور مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے۔ رات کا اندھیرا چھا جانے پر لڑائی رک گئی۔

صبح دم ایک بار پھر حملہ شروع ہوا، سلطان کے حکم سے شمالی فصیل میں نقب لگانے کا کام شروع ہوا۔ تیس فٹ لمبی اور چھ فٹ چوڑی سرنگ فصیل کے ساتھ ساتھ کھودی جا رہی تھی جس سے فصیل کی بنیادیں لحظہ لحظہ کمزور ہو رہی تھیں۔ ادھر جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور شور وغوغا سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بہت سے سپاہی ٹیلے کی خطرناک پہاڑی چٹانوں پر چڑھ کر فصیلِ قلعہ کے قریب تر ہو گئے۔ اب فریقین اتنے نزدیک آ گئے تھے کہ ہاتھوں سے ایک دوسرے کو پتھروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ مسلمان بزور شمشیر دونوں قلعوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوتے، نصرانیوں نے ہمت ہار دی اور قلعے حوالے کرنے کی شرائط طے کرنے کے لیے قاضی منصور کو طلب کیا۔ قاضی صاحب قلعے میں داخل ہوئے اور نرم دلی کا ثبوت دیتے ہوئے فراخدلانہ شرائط پر معاہدہ کر کے واپس آ گئے۔ معاہدہ یہ ہوا تھا کہ عیسائی اپنے بال بچوں اور مال ودولت سمیت آزادانہ طور پر جہاں چاہیں جا سکتے

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 19/4

[2] النوادر السلطانیہ: 28، کتاب الروضتین: 20/4، الکامل فی التاریخ: 10/168، تاریخ ابن خلدون: 5/308، 309، البدایہ والنہایہ: تحت 584ھ

ہیں۔ انہیں قتل کیا جائے گا نہ قیدی بنایا جائے گا، محفوظ مقام تک پہنچنے کے لیے سواریاں مہیا کی جائیں گی۔ شہر کے غلے کے گودام اور اسلحے کے ذخائر مسلمانوں کے حوالے کر دیے جائیں گے۔

ہفتے کے دن یہ معاہدہ طے ہوا اور شہر پر اسلامی جھنڈے لہرا دیے گئے۔ مقامی لوگوں کی بہت بڑی تعداد جو نصرانیوں اور ارمنیوں پر مشتمل تھی، وطن کی محبت اور سلطان سے حسن سلوک کی توقع کی بنا پر وہیں رک گئی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں یہ خطرہ بھی تھا کہ سسلی کا بحری بیڑہ جو سمندر میں گشت کر رہا تھا، انہیں تنگ کرے گا، دراصل سسلی کا کمانڈر اس بات پر نہایت غضبناک تھا کہ مقامی عیسائی اتنی آسانی سے کیوں ہتھیار ڈال رہے ہیں۔

لاذقیہ کی عمارتیں نہایت خوبصورت تھیں، انہیں رنگ وروغن اور استرکاری کے ذریعے سجانے کے علاوہ مختلف قسموں کے سنگ مرمر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں کہ یہاں ہر گھر میں ایک باغیچہ تھا، گلیاں بھی سنگ مرمر سے بنائی گئی تھیں۔ مکانات فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ تھے، چھتیں بلند وبالا تھیں مگر سلطان کے لشکر نے (شہر پر قبضے کے بعد) عمارتوں کو اجاڑ دیا اور شہر کی رونق کو ختم کر ڈالا۔ بہت سے امراء نے عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر پتھر نکال لیے، ان کا بہت سا ذخیرہ فروخت کر دیا اور بہت سا اپنے گھروں کو بھیج دیا۔ کاتب عماد اصفہانی اس پر افسوس کرتے رہے کہ اتنے خوبصورت شہر کی عمارت کو اس طرح خراب کرنا مناسب نہ تھا۔ اگر شہر کو اس حال پر رہنے دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ شہر کے عالی شان گرجے کا بھی یہی حشر ہوا، تاہم اس توڑ پھوڑ کے بعد گرجا مقامی پادریوں کے حوالے کر دیا گیا۔

سلطان صلاح الدین کوچ سے قبل شہر میں داخل ہوئے اور شہر کے نئے منتظمین کو تاکید کی کہ باشندوں کو امن وسکون سے بحال رکھنے کی کوشش کریں۔ کچھ دیر سمندر کی لہروں اور ان پر چلتی کشتیوں کا نظارہ کرتے ہوئے انہوں نے اس فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے مشکل ترین مہمات کو ان کے لیے آسان کر دیا تھا۔[1]

مارگریٹ کی دھمکی اور سلطان کا جواب: اسی دن سلطان کی ملاقات مارگریٹ سے ہوئی جو سسلی کے بحری بیڑے کا کمانڈر اور نہایت تند مزاج انسان تھا۔ یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ مسلمان یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے جائیں۔ سلطان کے لاذقیہ پر حملے کے دوران وہ اپنا بیڑہ لے کر لاذقیہ کے قریب آ گیا تھا مگر شہر اتنی جلد فتح ہو گیا کہ وہ کچھ نہ کر سکا۔ اسے لاذقیہ والوں پر بے حد غصہ آیا اور اس نے طے کر لیا کہ اب لاذقیہ کے جو لوگ سمندری راستے سے نقل مکانی کریں گے انہیں

[1] النوادر السلطانیہ: 28، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 22، 23، 24، الکامل فی التاریخ: 10/ 168، تاریخ ابن خلدون: 5/ 309

بزدلی کے جرم میں گرفتار کرلے گا۔ تاہم لاذقیہ میں اس بات کی بھنک پھیل گئی اور اکثر شہری ذمی بننے پر آمادہ ہو کر اپنے گھروں ہی میں رہے۔ مارگریٹ ایک دو دن تک انتظار کرتا رہا، پھر اس کا غصہ اتر گیا اور اس نے سلطان صلاح الدین سے ملاقات کی کوشش کی۔ اس کا مقصد یہ تھا سلطان کو اس پر آمادہ کرلیا جائے کہ نصرانیوں کے شہر سابقہ حکمرانوں کو واپس کردیے جائیں۔ اس نے سلطان سے جان کی امان کے ساتھ باریابی کی اجازت طلب کی اور حاضر ہو کر سلطان کو مقبوضہ عیسائی علاقوں کے بارے میں پالیسی تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا:

"آپ بہت بڑے بادشاہ ہیں، رحم دل حکمران ہیں، آپ کے عدل و احسان کے چرچے ہر طرف ہیں۔ آپ نے نصرانیوں کی جو گت بنائی سو بنائی۔ اب وہ مجبور و بے بس ہو چکے ہیں۔ کیا خوب ہوگا کہ ساحل شام کے عیسائی حکمرانوں کو اپنی سرپرستی میں رکھتے ہوئے، احسان و انعام کے ساتھ ان کے شہر واپس کردیں۔ اس طرح وہ آپ کے فرماں بردار غلام بن جائیں گے۔ آپ دور ہوں یا نزدیک وہ آپ کے تابع دار رہیں گے۔"

سلطان نے اس تجویز کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا تو مارگریٹ نے سنگین نتائج سے خبردار کرتے ہوئے کہا:

"اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو سمندر پار کے تمام ملکوں کے لشکر قطار در قطار آپ پر چڑھ دوڑیں گے اور موج در موج ساحل پر چھا جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں کے مقامی عیسائی حکمرانوں کا پیچھا چھوڑ دیں اور ان سے درگزر کریں۔"

سلطان نے اس دھمکی سے خائف ہوئے بغیر یہ ایمان افروز جواب دیا:

"ہمیں اللہ تعالیٰ نے زمین کو مسخر کرنے کا حکم دیا ہے، ہم اس کی اطاعت کے پابند ہیں اور اسے فرض سمجھتے ہیں، جہاد میں سرگرمی ہم پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہمیں شہروں کی فتح کی توفیق دی ہے۔ اگر زمین کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ساری مخلوق بھی ہمارے خلاف جمع ہو جائے تب بھی ہم مقابلے میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمیں دشمنوں کی تعداد کی کوئی پروا نہیں۔"

مارگریٹ یہ صاف جواب سننے کے بعد چپ چاپ واپس لوٹ گیا۔ [1]

پہاڑ کی چوٹی پر: اسی دن اتوار 27 جمادی الاولیٰ (24 جولائی) کو سلطان نے لاذقیہ سے صیہون کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں کہ راستہ انتہائی دشوار گزار تھا، سلطان کو وادیوں اور گھاٹیوں سے گزرنا پڑا جن میں گہری کھائیاں اور خوفناک غار تھے۔ یہ راستہ دو دن میں طے ہوا اور آخر

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 25/4

پیر اور منگل کی درمیانی شب 29 جمادی الاولیٰ 584ھ (26 جولائی 1188ء) کو لشکرِ اسلام صہیون پہنچا۔

صہیون کا قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا جس پر نصرانیوں کا بڑا پرچم لہراتا نظر آتا تھا۔ قلعے کے دونوں جانب دو ایسی گہری اور تنگ وادیاں تھیں جن میں کسی بڑی فوج کو اتارنا ممکن نہ تھا۔ قلعے کی حفاظت کے لیے پانچ فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں اور ہر فصیل کے باہر گہری کھائیاں تھیں جو خندق کا کام دیتی تھیں۔ صرف ایک جانب جہاں ہموار زمین تھی مصنوعی خندق کھودی گئی تھی جو 90 فٹ طویل تھی اور اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا اس لیے مشکل تھا کہ اس کی تہہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس قدرتی محل وقوع نے قلعے کو نہایت محفوظ بنا دیا تھا۔ منگل کی صبح سلطان نے اپنی فوج کو قلعے سے متصل پہاڑ کی ایک مناسب جگہ پر رکنے کا حکم دیا اور اپنا خیمہ بھی پہاڑ کے قریب لگوا کر مختلف زاویوں پر چھ منجنیقیں نصب کرا دیں۔ ان کے بیٹے الملک الظاہر کو منجنیق کے استعمال میں مہارت حاصل تھی، اس کے ساتھ حلب کے جانباز مجاہدین تھے جن کی بہادری کا دور دور تک شہرہ تھا۔ سلطان کی ہدایت پر الملک الظاہر نے فصیل کے عین سامنے وادی کے ایک تنگ گوشے میں دو منجنیقیں نصب کر کے قلعے پر سنگ باری شروع کی اور آخر کار فصیل کو خستہ کر دیا، اس کا کچھ بالائی حصہ منہدم بھی ہو گیا جس سے فصیل کو پھلانگ کر عبور کرنا مشکل نہ رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ تیر انداز بھی مسلسل تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ قلعے کے عیسائی بڑی ہمت سے اپنا دفاع کرتے رہے مگر سنگ باری اور تیروں کی بارش نے انہیں نڈھال کر دیا۔ ان کے بہت سے افراد زخمی ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے۔

محصورین کی مزاحمت میں کمزوری محسوس کر کے جمعہ 2 جمادی الاخریٰ (28 جولائی) کو سلطان نے عام حملے کا حکم دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کی طرف بڑھے۔ سپاہی بھی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے فصیل کی طرف دوڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے بیرونی فصیل پر چڑھ گئے، یہاں انہیں محصورین کی زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ دیر تک یہ گھمسان کی جنگ جاری رہی، لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ سپاہیوں کو کھانے کا وقفہ بھی نہ مل سکا۔

قاضی بہاؤالدین شداد کہتے ہیں، میں دیکھ رہا تھا، لوگ جنگ کے دوران ہی کھانے سے بھری ہانڈیاں لیتے تھے، کھاتے بھی جاتے تھے اور جنگ بھی لڑتے تھے۔ اس دوران سلطان کے سپاہیوں کا ایک گروہ اسی پہاڑ کی ایک اور چوٹی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، فرنگی اس چوٹی کی حفاظت سے بے پروا تھے۔ یہاں قبضہ کرنے کے بعد مسلمان چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے پہلی فصیل پر چڑھ گئے اور فرنگیوں کو پیچھے دھکیل دیا، اس کے بعد انہوں نے دوسری اور تیسری فصیل پر بھی قبضہ کر لیا۔ فرنگی پہاڑ کی

چوٹی کی جانب پسپا ہو گئے جہاں ان کا قلعہ تھا۔ فصیل کے اندرونی حصے سے گایوں اور دیگر مال مویشی کے بہت سے ریوڑ اور اناج کے گودام ہاتھ لگے۔

اسلامی فوج اب چوٹی کی طرف بڑھی اور قلعے کو گھیر لیا۔ محصورین شکست کا یقین کر کے امان طلب کرنے لگے مگر سلطان نے ان کی درخواست مسترد کر دی۔ یہ دیکھ کر محصورین نے از خود پیش کش کی کہ وہ فی مرد دس دینار اور فی عورت پانچ دینار ادا کرنے کو تیار ہیں جیسا کہ بیت المقدس کے معاملے میں مسلمانوں نے بھی زر فدیہ طے کیا تھا۔ سلطان نے اسے قبول کر لیا۔ اہل قلعہ اپنے بقیہ مال و دولت سمیت بحفاظت قلعے سے نکل گئے۔ سلطان نے قلعہ ابی قبیس کے والی ناصر الدین منکورس کو یہاں کا قلعہ دار مقرر کر دیا جس نے کچھ ہی عرصے میں اس قلعے کو پہلے سے بھی زیادہ مستحکم بنا دیا۔ جمعے کے دن یہ مشکل مہم سر ہوئی۔ سلطان ہفتے، اتوار اور پیر کو بھی یہیں مقیم رہے کیوں کہ گرد و نواح میں چند اور قلعے تھے جنہیں نظر انداز کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ہفتے کو سلطان کی فوج نے قلعہ ''العیذ و'' اتوار کو ''الجماہرین'' اور پیر کو ''بلاطنس'' پر بھی قبضہ کر لیا۔ عماد کاتب کے بقول صہیون کی فتح سے لاذقیہ محفوظ و مامون ہو گیا اور انطاکیہ کی فتح کی امید قوی ہو گئی کیوں کہ صہیون انطاکیہ کے دروازے کا آہنی قفل تھا۔ [1]

جب منجنیقیں بے کار ثابت ہوئیں ※ 3 جمادی الاخریٰ کو سلطان صہیون سے روانہ ہوئے اور تین دن بعد منگل 6 جمادی الاخریٰ کو قلعہ بکاس پہنچے جو دریائے عاصی کے کنارے ایک پہاڑ پر تھا، دریا کی ایک نہر سے اسے پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ سلطان نے فوج کو دریا کے کنارے ٹھہرا کر خود منتخب سپاہیوں کے ساتھ قلعے کو گھیرا اور منجنیقوں سے زبردست سنگ باری کی۔ تین دن تک زوردار جھڑپیں ہوتی رہیں، محصورین کے بہت سے افراد لڑائی میں مارے گئے، آخر کار جمعہ 9 جمادی الاخریٰ کو اہل قلعہ نے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیے جنہیں قیدی بنا لیا گیا۔ [2]

قلعہ بکاس کو قوت فراہم کرنے کے لیے اس کے ساتھ والے پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جسے حصن الشغر کہا جاتا تھا۔ اس چوٹی تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ قلعہ بکاس اور 'الشغر' کے درمیان آمد و رفت کے لیے ایک پل استعمال کیا جاتا تھا، جسے اس وقت ہٹا لیا گیا تھا۔

'الشغر' کو سرنگوں کیے بغیر 'بکاس' کی فتح ادھوری تھی اس لیے سلطان صلاح الدین نے اسے بھی گھیرے میں لے لیا مگر محاصرہ بے سود ہی تھا۔ 'الشغر' جس بلند چوٹی پر تھا، اس تک سپاہیوں کی رسائی

---

1. النوادر السلطانیۃ: 147،146۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 28،27،26۔ الکامل فی التاریخ: 10/ 169۔ ابن خلدون: 5/ 169۔ البدایۃ والنہایۃ: حوادث 584ھ
2. النوادر السلطانیۃ: 147۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 29

ناممکن تھی۔ مسلمان اپنی منجنیقیں جہاں تک لے جاسکتے تھے، لے گئے تھے مگر آگے چڑھائی اتنی دشوار تھی کہ منجنیقیں مزید اوپر پہنچانا ناممکن تھا۔ انہیں وہیں نصب کر کے قلعے کو ہدف بنایا گیا مگر منجنیقوں سے برسائے جانے والے پتھر چوٹی تک نہ پہنچ سکے۔ ان میں سے ایک آدھ پتھر قلعے کی دیوار سے ٹکرا بھی جاتا تو وہاں پہنچتے پہنچتے اس کی قوت دم توڑ چکی ہوتی تھی۔ اس صورتحال میں قلعے کو سر کرنا ناممکن تھا۔ 'الشغر' کے محصورین لڑائی سے بے فکر تھے۔ مسلمانوں کی سنگ باری سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے مشیروں اور سالاروں کے ساتھ اس ناقابل تسخیر چوٹی تک پہنچنے کے لیے مشورے کرتے مگر کوئی قابل عمل حل سمجھ نہ آتا۔ چند دن اسی طرح گزر گئے۔

ایک دن مجلس مشاورت میں اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک سالار کہنے لگا:

"سلطان معظم! اس قلعے کی مثال تو ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کی سد سکندری کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

"پس نہ وہ اس کو پھلانگ سکتے ہیں، نہ اس میں نقب لگا سکتے ہیں۔"

چونکہ یہ بات مایوس کن تھی اس لیے سلطان نے یہ سن کر ہمت افزا پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ہاں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خاص اپنی جانب سے مدد اور فتح بھیج دے۔"

ابھی قائد اور مجاہدوں کی دلچسپ گفتگو جاری تھی کہ دربان نے بتایا، اس علاقے کا ایک فرنگی باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ سلطان نے اجازت دے دی۔ فرنگی حاضر ہو کر عرض کرنے لگا:

"ہمارا سفیر جان کی امان کی شرط پر شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

سلطان نے مثبت جواب دیا تو کچھ دیر بعد قلعے کی طرف سے ایک سفیر حاضر ہوا اور درخواست کی:

"اہل قلعہ امان طلب کرتے ہیں اور ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ تاہم آپ انہیں تین دن کی مہلت دیں تاکہ وہ انطاکیہ کے حاکم بوہیمنڈ کو اعتماد میں لے لیں۔ کیوں کہ یہ قلعہ اس کی ولایت میں داخل ہے۔"

سلطان نے تین دن انتظار کا وعدہ کر لیا۔ یہ واقعہ منگل 13 جمادی الاخریٰ (8 / اگست) کا ہے۔ مسلمان اس غیر متوقع پیش کش سے بے حد خوش تھے۔ ہوا یہ تھا کہ اہل قلعہ نے محاصرے کے دوران حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ کو پیغام بھیجا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ فوراً کمک بھیجے ورنہ وہ ہتھیار

ڈالنے پر مجبور ہوں گے۔ اب انہیں اس کے جواب کا انتظار تھا۔ وہ یہ طے کر چکے تھے کہ اگر حاکم کی جانب سے بروقت کمک نہ ملی تو وہ قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے کیوں کہ ان کے دلوں پر سلطانی افواج کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ علامہ ابن اثیر کہتے ہیں:

''یہ محض اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا کرشمہ تھا ورنہ اگر وہ طویل زمانے تک قلعے میں جمے رہتے تب بھی ان تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا اور مسلمان ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے۔''[1]

بہر حال اہل قلعہ کو حاکم انطاکیہ کی جانب سے کوئی مدد نہ پہنچ سکی اور معاہدے کے مطابق تین دن بعد جمعہ 16 جمادی الثانیہ 584ھ (11/اگست) کو قلعہ الشغر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ قلعے سے خوراک کے بڑے ذخائر بہت سے مویشی اور سواری کے جانور ہاتھ لگے۔ سلطان اس تھکا دینے والی مہم کے اختتام پر اپنے پڑاؤ کی جانب لوٹ آئے اور اگلے دن اپنے لڑکے الملک الظاہر کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ قریبی شہر سرمینیہ کی جانب روانہ کر دیا۔

قلعۂ بکاس، الشغر اور گرد و نواح کا علاقہ غرس الدین قلیج کے حوالے کر دیا گیا جو کچھ مدت پہلے قلعہ کفر جیسے مضبوط عسکری مرکز کو ارمنی قوم سے چھڑوانے میں غیر معمولی جد و جہد کے ساتھ کامیاب ہوا تھا۔[2]

الملک الظاہر ''سرمینیہ'' کے محاذ پر: سرمینہ حلب کے مغرب میں واقع ایک زرعی علاقہ تھا، شہر اردگرد دور دور تک زیتون کے خوشنما باغات تھے۔ الملک الظاہر نے چند دن کے محاصرے کے بعد 23 جمادی الثانیہ (18/اگست) کو قلعہ فتح کر لیا۔ معاہدے کے مطابق اہل سرمینیہ جان و مال کے بدلے مسلمانوں کو ایک بڑی رقم کی ادائیگی کے پابند قرار پائے۔ فتح کے بعد الملک الظاہر نے قلعے تباہ کرا کے زمین کے برابر کر دیا۔ سرمینیہ کے قلعوں سے مسلمان قیدیوں کی بہت بڑی تعداد بازیاب کرائی گئی جنہیں الملک الظاہر نے لباس اور زادِ راہ دے کر ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ شمالی شام کی ان فتوحات کے بارے میں علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جبلہ سے لے کر سرمینیہ تک یہ تمام شہر اور قلعے (جبلہ، لاذقیہ، صہیون، بکاس، الشغر اور سرمینیہ) اپنی کثرت کے باوجود صرف چھ ہفتوں میں فتح ہوئے، حالانکہ یہ دلیر ترین سپاہیوں اور مسلمانوں کے خلاف عداوت سے بھرپور لوگوں کے تسلط میں تھے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جب کسی دشوار کام کو آسان کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اسے کر گزرتی ہے۔''[3]

---

[1] الکامل فی التاریخ: 170/10
[2] النوادر السلطانیہ ص 29، کتاب الروضتین 4/30، 31، 32، الکامل فی التاریخ 170/10
[3] الکامل فی التاریخ: 171/10

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ جبلہ سے سرمینیہ تک ہر قلعہ اور شہر جمعہ کے دن ہی فتح ہوا، قاضی بہاؤالدین شداد اس بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ مسلمانوں کے خطیبوں کی دعاؤں کی قبولیت کی علامت ہے (جمعہ کے خطبے میں خطیب حکمرانوں کے لیے فتح وکامرانی کی دعائیں کیا کرتے تھے) اور یہ سلطان کی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن میں فتوحات عطا کیں جس میں نیکیوں کا اجر دوگنا ہو جاتا ہے۔"

قاضی ابن شداد یہ بھی فرماتے تھے کہ مسلسل جمعوں میں اس طرح فتوحات حاصل کرنا عجائب روزگار میں سے ہے کہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔"[1]

کاتب عماد اصفہانی ان فتوحات پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جبلہ اور لاذقیہ کے صوبے انطاکیہ کی آنکھوں کی حیثیت رکھتے تھے جو پھوٹ چکی ہیں۔ یہ اس کی شہ رگ تھے جو کٹ چکی ہے۔ انطاکیہ کے کنارے نیست و نابود ہو گئے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں کٹ چکے ہیں۔"[2]

قلعۂ برزیہ کی خوں ریز لڑائی ❊ انطاکیہ کی سلطنت کے اکثر شہر فتح ہو چکے تھے، اب صرف قصیر، بغراس اور درب ساک باقی رہ گئے تھے۔ مگر سلطان نے انہیں فتح کرنے سے پہلے قلعۂ برزیہ کو سرنگوں کرنا ضروری سمجھا جس کے لٹیرے سپاہیوں نے ایک مدت سے مسلمانوں کو دق کر رکھا تھا۔ یہ کوہستان افامیہ کی جھیلوں کے قریب خیط پہاڑ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ مستطیل شکل کے اس چھوٹے سے قلعے تک پہنچنے کے لیے انتہائی دشوار گزار چڑھائیاں طے کرنی پڑتی تھیں۔ قاضی ابن شداد کے بیان کے مطابق اس پہاڑ کی چوٹی 570 ہاتھ (850) فٹ سے زیادہ بلند تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر افامیہ کا مشہور قلعہ تھا جو مسلمانوں کا سرحدی مورچہ تھا۔ مرحوم شمس الدین ابن مقدم کا بیٹا عزالدین ابراہیم جو حصن افامیہ کا قلعہ دار تھا، قلعہ برزیہ پر کڑی نگاہ رکھا کرتا تھا۔ دونوں قلعوں کے درمیان ایک بڑی جھیل تھی جس میں دریائے عاصی کے علاوہ بے شمار پہاڑی چشموں کا پانی آ کر گرتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے 24 جمادی الثانیہ 584ھ کو اس خوبصورت علاقے میں پڑاؤ ڈالا اور اگلے دن علی الصبح گھوڑے پر سوار ہو کر چند خواص کے ساتھ قلعے کے گرد وپیش کا جائزہ لیا تاکہ اس پر پیچ جگہ میں لڑائی کے لیے کوئی مناسب مقام منتخب کریں۔ یہ سخت گرمی کے دن تھے، سورج ہر طرف آگ دھکا رہا تھا، سلطان نے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا کہ قلعے کی شمالی اور جنوبی سمت سے حملہ ممکن نہیں

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 148

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/32

ہے،اس لیے کہ دونوں سمتوں سے پہاڑ کی چڑھائی تقریباً عمودی تھی لہٰذا قلعے تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔مشرقی سمت بھی بہت خطرناک تھی تاہم یہاں سے اکا دکا آدمی اوپر چڑھ سکتے تھے۔مگر فوج کے حملے کے لیے یہ رخ بھی مناسب نہ تھا۔

آخر سلطان نے مغرب کی جانب کا جائزہ لیا اور انہیں محسوس ہوا کہ حملے کے لیے کوئی مقام موزوں ہے تو یہی ہے۔اس جانب بہت بلندی پر ایک ہموار سطح کسی میدانی وادی کی طرح پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلی جارہی تھی اور اس سطح سے قلعہ بہت زیادہ اونچائی پر نہیں رہ گیا تھا،گویا امید کی جاسکتی تھی کہ یہاں سے قلعے پر کامیاب حملہ کیا جاسکے۔ تاہم یہ جگہ بہت محدود تھی۔ فوج کا چنیدہ حصہ ہی یہاں بلایا جاسکتا تھا۔سلطان نے اسی دن یہاں اپنے لیے ایک چھوٹا سا خیمہ لگوالیا اور آزمودہ کار سپاہیوں کے چند دستوں کو پڑاؤ سے بلوا کر جنگ کی ترتیب طے کرنے لگے۔

مسلمانوں کا پہلا حملہ منجنیقوں کے ذریعے تھا۔چند منجنیقیں اس چھوٹے سے ہموار قطعے میں نصب کردی گئیں اور قلعے پر سنگ باری کا سلسلہ شروع ہوا تاہم قلعے والوں نے زبردست مزاحمت شروع کردی۔ان کے مرد تو مرد عورتیں بھی لڑائی میں شریک تھیں۔ان کے پاس منجنیق بھی تھی جس سے وہ جوابی پتھروں کی بوچھاڑ کررہے تھے،مسلمانوں کی منجنیقیں نشیب میں ہونے کی وجہ سے صحیح نشانہ نہیں لگا پارہی تھیں جبکہ فرنگیوں کی منجنیق کامیاب کارروائی کررہی تھی۔پھر اس نے براہ راست مسلمانوں کی منجنیقوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔آخر لشکر اسلام کی ایک منجنیق پتھروں کی زد میں آکر خراب ہوگئی۔علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ جو اس مہم کے دوران سلطانی لشکر میں شامل تھے،جنگ کا نظارہ کرنے کے لیے کچھ دور ایک بلند چوٹی پر چڑھ گئے،یہاں سے جھانک کر وہ "قلعہ برزیہ" میں ہونے والی سرگرمیاں صاف طور پر دیکھ رہے تھے۔وہ فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا ایک عورت قلعہ سے منجنیق چلارہی تھی۔اسی عورت نے مسلمانوں کی منجنیق کو تباہ کیا تھا۔"

اپنی منجنیقوں کے بے کار ثابت ہونے کے بعد سلطان نے دھاوا بولنے کا فیصلہ کیا مگر اہل قلعہ کی پامردی اور قلعے کی کٹھن چڑھائی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ حملہ متواتر ہوتا رہے۔اس کے لیے فوج کو تین دستوں میں تقسیم کرکے حکم دیا گیا کہ ایک دستہ حملہ کرے،دوسرا تیار حالت میں رہے اور تیسرا آرام کرے،جب پہلا دستہ لڑلڑ کر تھک جائے تو واپس آکر آرام کرے،دوسرا دستہ اس کی جگہ لے کر لڑنا شروع کردے اور تیسرا دستہ جو آرام کررہا ہو،تیار حالت میں چوکنا ہوجائے۔اس حکمت عملی کے مطابق منگل 27 جمادی الثانیہ کو دھاوے کا آغاز ہوا۔عمادالدین پہلے دستے کی قیادت کرتے ہوئے قلعے

کی طرف لپکا۔ ادھر فرنگی بھی قلعے کے دروازے سے باہر نکلے اور اگلی فصیل پر چڑھ کر مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ عمادالدین کے سپاہیوں نے اوپر چڑھتے ہوئے ڈھالوں کی آڑ لے لی اور تیروں سے بچتے بچاتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی۔ تاہم قلعے کے قریب پہنچ کر انہیں رکنا پڑا، کیوں کہ یہاں چڑھائی عمودی تھی، اوپر قلعے کی فصیل تھی جس سے فرنگی مسلسل سنگ باری اور تیراندازی کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دشوار گزار چڑھائی سے بڑے بڑے دیوہیکل پتھر لڑھکا رہے تھے، اگر کوئی ان کی زد میں آتا تو پس کر رہ جاتا جبکہ پتھر سینکڑوں فٹ نیچے پہاڑ کے دامن تک لڑھکتا ہوا چلا جاتا تھا۔

اس دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سلطان نے تھوڑے سپاہی قلعے کی ہر سمت میں تعینات کیے ہوئے تھے جو پہاڑ کے دامن میں دم سادھے بیٹھے تھے۔ اچانک قلعے کی شمال کی جانب تعینات سپاہیوں میں سے ایک کو کسی ضرورت سے جنوبی سمت کے سپاہیوں کے پاس جانا پڑا۔ وہ پہاڑ کی خطرناک ڈھلوان پر قلعے کے گرد چکر لگاتا ہوا جنوب کی طرف بڑھنے لگا۔ چکر لگاتے ہوئے جب وہ مغرب کی سمت میں سے گزرا جہاں بلندی پر مسلمان اور عیسائی لڑ رہے تھے، تب ایک عیسائی نے اسے دیکھ لیا اور ایک بھاری چٹان اس کی جانب لڑھکا دی۔ وہ مسلمان سپاہی اس آفت سے بے خبر اپنی دھن میں مگن سیدھا چلا جا رہا تھا، چند مجاہدین نے بلندی سے یہ دیکھ لیا کہ چٹان اس کی جانب لڑھکتی جا رہی ہے، انہوں نے چلا چلا کر اسے خبردار کیا۔ وہ یہ آوازیں سن کر پلٹا تاکہ دیکھے، کیا معاملہ ہے؟

مگر جوں ہی اس نے منہ پھیرا اس کا پاؤں پھسل گیا، اور وہ لڑھکتی ہوئی چٹان کی عین سیدھ میں اوندھے منہ گر گیا، چٹان اب سے چند گز دور رہ گئی تھی اور تیزی سے اس کی طرف لڑھکتی آ رہی تھی۔ جو مسلمان یہ ہیبت ناک منظر دیکھ رہے تھے، اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگے تھے۔ سب کو اس کی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ مگر تب ایک عجیب بات ہوئی، چٹان گھڑگھڑاتی ہوئی جوں ہی اس کے پاس پہنچی، زمین میں گڑے ایک سخت پتھر سے ٹکرا گئی اور فٹ بال کی طرح ہوا میں اچھل کر مسلمان سپاہی سے چند انچ آگے جا گری اور پھر اسی طرح لڑھکتی ہوئی گہری کھائیوں میں گم ہو گئی۔ سپاہی نے سر اٹھا کر دیکھا تو اسے ایک خراش تک نہیں آئی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ یہ چشم دید واقعہ تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"بزدلوں کی ماں ہلاک ہو (کہ موت کا وقت جب متعین ہے تو پھر) جہاد کے لیے کیوں نہیں نکلتے۔"

اس دن عمادالدین کے سپاہی دوپہر تک آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی کوشش رائیگاں گئی۔ ادھر چلچلاتی دھوپ نے سب کے حلق خشک کر دیے تھے۔ سلطان صلاح الدین اسلحہ زیب تن کیے

حق و باطل کے سپاہیوں کا معرکہ پوری دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں میں کمزوری کے آثار بھانپتے ہی انہوں نے دوسرے دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جو پہلے ہی ہتھیار اٹھائے تیار کھڑا تھا۔ عمادالدین اپنے تھکے ماندے سپاہیوں کے ساتھ واپس ہونے لگا جبکہ تازہ دم سپاہیوں نے ان کی جگہ فوراً سنبھال لی۔ یہ سپاہی سلطان صلاح الدین ایوبی کی خاصہ فوج کے جوانمرد تھے۔ سلطان صلاح الدین اوران کے چچازاد تقی الدین عمر خود ان کی کمان کررہے تھے۔ معرکہ ایک بار پھر پوری شدت سے لڑا جانے لگا۔ سلطان کے بہادر سپاہیوں نے عمودی چڑھائی چڑھ کر فصیل تک پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ سلطان عقب سے ان کا ہمت بندھا رہے تھے اورانہیں مزید آگے بڑھنے پر برانگیختہ کررہے تھے۔ خواص سپاہیوں نے حتی الامکان کوشش کی مگر بے سود۔ فرنگی چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے مزاحمت کررہے تھے اوران کے تیر دلا اور پتھروں سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ ظہر تک دھوپ کی شدت نا قابل برداشت ہوگئی ادھر مجاہدین لڑلڑ کر بری طرح تھک گئے اوران میں سے کئی ہمت ہار کر واپس آنے لگے۔

سلطان یہ دیکھتے ہی ایک لاٹھی اٹھا کر تیزی سے آگے بڑھے، انہیں روکا اور لاٹھی کے اشارے سے واپس لوٹانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے تیسرے دستے کو بلند آواز سے پکارا جو تیار حالت میں حکم ملنے کا منتظر تھا۔ سلطان کی پکار سنتے ہی یہ سپاہی لپکے اور سلطان کے خاصہ دستے کے ساتھ دھاوے میں شامل ہوگئے۔ اتنی دیر میں عمادالدین کے ساتھی بھی آرام کرچکے تھے، وہ بھی کھڑے ہوئے اور حملے میں شامل ہوگئے۔ فصیل کے قریب اسلامی لشکر کے اس اژدھام سے فرنگیوں پر غیر معمولی دباؤ پڑ گیا۔ ویسے بھی وہ صبح سے لڑتے لڑتے بری طرح تھک چکے تھے اوران کا بھاری اسلحہ دھوپ کی شدت کے سبب انہیں مزید ہلکان کیے دے رہا تھا۔ چنانچہ فصیل سے ان کی مزاحمت کمزور پڑنے لگی۔ مسلمانوں کو اس وقت کا انتظار تھا، وہ تیزی سے فصیل پر چڑھے اور فرنگیوں سے گتھم گتھا ہوگئے۔ چند لمحوں کی دست بدست لڑائی کے بعد فرنگی فصیل چھوڑ کر قلعے کی طرف پسپا ہونے لگے۔ مگر مسلمان ان کے پیچھے لگے رہے اور جب فرنگی افراتفری کے عالم میں قلعے کے دروازے سے اندر داخل ہورہے تھے، کئی مسلمان سپاہی بھی اس بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر ان کے ساتھ اندر گھس گئے۔ اس دوران مشرق کی جانب سے بھی سلطان کے کچھ سپاہی قلعے کی دیوار پھلانگ چکے تھے۔ دراصل سلطانی فوج کے کچھ خیمے مشرق کی طرف بھی تھے مگر اس جانب سے حملے کا کوئی خطرہ نہ دیکھ کر تمام فرنگی مغربی محاذ کی طرف متوجہ تھے اور اپنی پوری قوت اس طرف جھونک چکے تھے۔ مشرقی سمت کے مسلمانوں نے موقعے سے فائدہ اٹھالیا اور دشوار گزار چٹان پر چڑھ کر پہلے قلعے کی مشرقی اور پھر دیگر سمتوں سے بھی اندر داخل ہونے

لگے۔ اتنی دیر میں مغربی دروازے سے فرنگیوں کے تعاقب میں آنے والے مسلمان سپاہی بھی اندر گھس چکے تھے۔ ان سب نے مل کر دونوں طرف سے فرنگیوں کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ فرنگی ہر طرف سے سمٹ کر آخری کوشش کے طور پر پہاڑ کی چوٹی پر بنے ایک برج میں خیمہ زن ہو گئے۔

اس چوٹی کے ایک گوشے میں بہت سے مسلمان قید تھے جنہیں بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ قیدیوں نے اردگرد سے مسلمانوں کی تکبیریں سن کر جواب میں پوری آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اتنے قریب سے نعرے کی گونج سن کر چوٹی کے برج میں مورچہ زن فرنگیوں کو غلط فہمی ہوگئی کہ سلطان کے سپاہی چوٹی تک آچکے ہیں اور یہ تکبیریں وہ بلند کر رہے ہیں۔ اس سے فرنگیوں کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ سلطان کے سپاہیوں نے ان سب کو قیدی بنا لیا۔ ان میں قلعۂ برزیہ کا حاکم، اس کے بیوی بچے اور داماد بھی شامل تھے۔ مسلمان سپاہیوں نے قیدیوں کی تقسیم کے دوران انہیں بھی باہم بانٹ لیا تھا۔ سلطان کو اس کا علم ہوا تو فوراً انہیں تلاش کروایا اور ان کے مالک سپاہیوں اور امراء کو خطیر رقمیں دے کر انہیں، ان سے خرید لیا، یہ کل سترہ افراد تھے۔ [1]

<u>انطاکیہ میں سلطان کی عیسائی جاسوسہ</u>: سلطان نے انہیں کچھ دنوں تک اپنے ساتھ رکھا اور ان سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اگلے مہینے جب سلطان انطاکیہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے تو فصیل انطاکیہ کے قریب پہنچ کر ان سب کو آزاد کر دیا۔ یہ سب بوہیمنڈ (حاکم انطاکیہ) کے پاس چلے گئے۔ یاد رہے کہ حاکم برزیہ اور حاکم انطاکیہ کی بیویاں آپس میں بہنیں تھیں، اس لیے ان دونوں حاکموں میں رشتے داری بھی تھی۔ ویسے تو دشمنوں خصوصاً حریف حکمرانوں اور ان کے خاندانوں کے ساتھ کرم نوازی سلطان کی مشہور عادت تھی اسے ہم سلطان کے معروف اخلاق عالیہ میں شمار کر سکتے ہیں مگر یہاں اس لطف و مہربانی کی ایک خاص وجہ بھی تھی جسے کاتب عماد اصفہانی نے ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ کی بیوی سلطان سے بہتر تعلقات کے لیے کوشاں رہتی تھی اور خفیہ طور پر سلطان کو نصرانیوں کے منصوبوں کی اطلاعات پہنچاتی رہتی تھی۔ کاتب عماد کے الفاظ یہ ہیں:

عینا له علی العدو، تهادیه وتناصحه وتطلعه علی اسرارهم والسلطان یکرمها لذلك ویهدی لها انفس الهدایا

"یہ خاتون دشمنوں کے خلاف سلطان کی جاسوسہ تھی، سلطان کو تحائف بھیجا کرتی تھی، ان کی

---

[1] النوادر السلطانیہ: 149، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 33 تا 34 تا 35، الکامل فی التاریخ: 10/ 172 تا 173، ابن خلدون: 5/ 310 تا 311، المنہاج الواضح: تحت 584ھ

خیر خواہی کیا کرتی تھی، اور انہیں نصرانیوں کے رازوں سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔ سلطان اسی لیے اس کا احترام کرتے تھے اور اسے گراں قدر تحائف ارسال کرتے رہتے تھے۔"

چونکہ برزیہ کے حکمران خاندان کا تعلق اسی عیسائی ملکہ سے نکل آیا تھا جو مسلمانوں کی خیر خواہ تھی، اس لیے سلطان احسان کے بدلے میں احسان کا مظاہرہ کررہے تھے۔ [1]

دربِ ساک کی فتح حصن برزیہ کے بعد سلطان صلاح الدین نے انطاکیہ کی سمت پیش قدمی شروع کردی جس کا حاکم بوہیمنڈ شام کے عیسائی حکام میں سب سے اہم حیثیت اختیار کر کے سلطان کا اہم حریف بن چکا تھا۔ سلطان نے اپنی سرحدی چوکی "شقیف درکوش" کے نزدیک سے دریائے عاصی عبور کیا، اس پر بنے ہوئے لوہے کے مضبوط پل جسر الحدید سے فوج کو گزارتے ہوئے وہ اس وقت تک یہاں ٹھہرے رہے، جب تک کہ پیچھے رہ جانے والے دستے ان سے نہ آملے۔ چند دن یہاں ٹھہر کر افواج مرتب کرنے کے بعد وہ آگے بڑھے۔ 8 رجب 584ھ (2 ستمبر 1188ء) کو وہ انطاکیہ سے کچھ فاصلے پر قلعۂ دربِ ساک کا محاصرہ کر چکے تھے جو ٹیمپلرز کا اہم مورچہ تھا۔ چند دنوں تک منجنیقوں سے قلعے کے در و دیوار کو شکستہ کیا گیا۔ فصیل کا کچھ حصہ منہدم بھی ہوگیا مگر ٹیمپلرز مقابلے پر ڈٹے رہے۔ آخر عام حملے کا حکم ہوا اور سلطان کے سپاہی فصیل کی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے تند و تیز حملوں کے ذریعے فصیل کو سر کرنے اور محافظوں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی مگر ٹیمپلرز فصیل چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ جوں ہی ان میں سے کوئی ایک قتل ہوتا یا زخم کھا کر گرتا دوسرا فوراً اس کی جگہ سنبھال لیتا۔ فصیل کا جو حصہ منہدم ہوگیا تھا اسے بھی انہوں نے گھیر رکھا تھا اور ملبے کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکا ہوا تھا۔ اس دوران سلطان کے نقب زن سپاہی ایک برج کی بنیادیں کھوکھلی کر چکے تھے۔ کچھ دیر کی کوشش کے بعد یہ برج مسمار کر دیا گیا۔ سلطان کی سپاہ کو اب قلعے میں داخل ہونے کے لیے راستہ مل گیا مگر ٹیمپلرز یہاں بھی ڈٹ گئے اور مسلمانوں کو اندر داخل نہ ہونے دیا۔

اس دن جنگ یہیں روک دی گئی۔ مسلمان واپس لوٹ آئے اور اگلے دن پھر اسی طرح حملہ کیا گیا۔ اس دوران محصورین حاکم انطاکیہ کو حالات سے آگاہ کر کے کمک طلب کر چکے تھے اور اس کے جواب کے منتظر تھے مگر چند دن کے انتظار کے بعد انہیں انطاکیہ سے مدد ملنے کی کوئی امید نہ رہی۔ آخر وہ قلعہ جان کی امان پر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

سلطان نے انہیں اس شرط پر امان دی کہ محصورین اپنے جسم کے کپڑوں کے سوا کوئی چیز ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ جمعہ 22 رجب 584ھ کو دربِ ساک فتح ہوگیا۔ عیسائی سر جھکائے ہوئے قطار

[1] النوادر السلطانیۃ: 149، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 35/4، الکامل فی التاریخ: 173/10

در قتار نکلے۔ وہ نہتے اور خالی ہاتھ تھے۔ سلطان نے انہیں انطاکیہ روانہ کر دیا۔ [1]

سلطان ایوبی نے شہر اور قلعہ اپنے دوست امیر سلیمان بن جندر کے سپرد کر کے اگلے روز یہاں سے کوچ کیا۔ [2]

قلعۂ بغراس بھی سرنگوں ﷺ- انطاکیہ کا تاریخی شہر اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا مگر سلطان اس پر براہ راست حملے سے قبل اردگرد کے ہر مضبوط قلعے کو مسخر کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ایسے قلعوں میں سے اب صرف بغراس باقی رہ گیا تھا۔ سلطان نے اس پر حملے سے قبل اپنے مشیروں اور افسران کی مجلس مشاورت بلائی اور یہ سوال پیش کیا کہ آیا پہلے بغراس پر حملہ کیا جائے یا انطاکیہ پر؟ بعض افسران نے پہلے بغراس پر حملے کو بہتر قرار دیا مگر کچھ تجربہ کار سالاروں کی رائے میں انطاکیہ کی مہم کو مزید ملتوی کرنا درست نہیں تھا۔ اس بارے میں دلائل دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

"انطاکیہ اور بغراس بہت قریب اور استحکام و طاقت اور دفاعی انتظامات میں تقریباً برابر ہیں بغراس اور انطاکیہ میں سے جس پر بھی حملہ کیا جائے بات ایک ہی ہوگی۔ تاہم بغراس محاصرے میں انطاکیہ کی جانب سے حملے کا خطرہ درپیش ہوگا اور ہمارے لشکر کے اکثر حصے کو عقب میں رہنا پڑے گا تاکہ انطاکیہ کے سپاہیوں کے متوقعہ حملوں کو روکا جا سکے۔ اس صورتحال میں بغراس پر حملے کے لیے تھوڑی فوج ہی استعمال کی جا سکے گی اور مقصد کا حصول مشکل ہو جائے گا۔"

سلطان نے ان کے دلائل کو بغور سنا مگر پھر غور و فکر اور استخارے کے بعد فیصلہ کیا کہ پہلے بغراس کا قضیہ نمٹا دیا جائے۔

انطاکیہ اور بغراس کے درمیان ایک نہر تھی۔ سلطان ایوبی نے فوج کے اکثر سپاہیوں کو نہر کے پار انطاکیہ کے اردگرد تعینات کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سرحدی بستیوں اور دیہاتوں پر چھاپے مار کر دشمن پر خوف طاری رکھیں تاکہ وہ عقب سے حملہ نہ کر سکے۔ سلطان نے خود اپنے چیدہ سپاہیوں کے ساتھ قلعۂ بغراس کا نہایت سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ بھی ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ منجنیقوں کی سنگ باری سے اس کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ چند دن تک فتح کے کوئی آثار دکھائی نہ دیے جس سے سپاہیوں میں بددلی پھیلنے لگی۔ پہاڑ پر پانی کا کوئی چشمہ نہ تھا، محاصرے میں مصروف سپاہ کو پانی کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سلطان نے اس مسئلے کے حل کے لیے پہاڑ کے قریب بڑے بڑے حوض تیار کرا کے خادموں کی ایک جماعت کے ذمے لگایا کہ وہ پہاڑی راستے سے پانی اوپر پہنچا کر حوضوں کو ہر وقت لبالب پُر رکھیں۔ دشوار

---

[1] الکامل فی التاریخ: 10/174

[2] النوادر السلطانیہ: ص 29، الکامل فی التاریخ: 10/174، تاریخ ابن خلدون: 6/311

گزار چڑھائی سے پانی اوپر لے جانا کوئی آسان کام نہ تھا تاہم اس تدبیر سے سپاہیوں کی پریشانی دور ہوگئی۔ قلعہ 'الشغر' کی طرح 'بغراس' میں بھی کچھ دنوں بعد نصرتِ خداوندی کا نزول ہوا اور اہل بغراس نے خود مرعوب ہوکر قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ان کے ایک نمائندے نے آکر اہل قلعہ کی جانب سے یہ پیغام پہنچایا کہ وہ سب ہتھیار ڈالنے اور اہل درب ساک کی طرح سب کچھ یہیں چھوڑ جانے کے لیے تیار ہیں بس انہیں جان کا تحفظ فراہم کیا جائے۔ سلطان نے اسے بخوشی منظور کرلیا اور اسی نمائندے کو اسلامی پرچم دے کر اس تاکید کے ساتھ واپس بھیجا کہ اسے قلعے کے سب سے بلند مقام پر نصب کردیا جائے۔ 2 شعبان 584ھ کو اسلامی پرچم قلعے کے اونچے برج پر لہرا رہا تھا اور قلعے کی چابیاں مسلمانوں کے حوالے کی جارہی تھیں۔[1]

بغراس سے بے اندازہ مال غنیمت حاصل ہوا۔ کاتب اصفہانی کے مطابق "غلے کی بوریاں بارہ ہزار تھیں۔" مال غنیمت جمع کرنے کے بعد سلطان کے حکم سے اس مضبوط قلعے اور فصیل کو زمین بوس کردیا گیا۔[2]

<u>قلعوں کے انہدام کا فیصلہ کیوں کیا گیا؟</u>۞ یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ ابن اثیر سلطان کے اس فعل پر تنقید کرتے ہوئے اسے سلطان کے حق میں نقصان دہ شمار کرتے ہیں، علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

> "قلعے کا انہدام مسلمانوں کے حق میں شدید ضرر رساں ثابت ہوا، کیوں کہ ارمنوں کے حکمران ابن لیون نے جو کہ اس علاقے کے پڑوس میں آباد تھا بعد میں یہاں آکر اس قلعے کو دوبارہ تعمیر کرلیا اور اسے مستحکم کردیا، یہاں اپنی فوج کا ایک حصہ متعین کردیا جو نواحی شہروں پر غارتگری کرتا رہتا ہے۔ اس سے حلب کے نواحی علاقے متاثر ہوتے ہیں۔ اور آج تک یہ قلعہ انہی کے پاس ہے۔"[3]

علامہ موصوف کی بات اپنی جگہ بجا سہی...... مگر ہمیں سلطان کی ان دشواریوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اس مہم میں انہیں درپیش رہیں۔ شام کے شمال میں آباد نصرانیوں کے خلاف سلطان کی یہ پہلی بھرپور مہم تھی جو ایک سال تک جاری رہی تھی۔ یہ پہاڑی علاقہ سخت دشوار گزار تھا اور اس کی کوہستانی بھول بھلیوں میں جگہ جگہ چوٹیوں پر نصرانیوں کے درجنوں مستحکم قلعے تھے۔ انہیں فتح کرنا ایک دو برس کی بات نہیں برسوں کا بکھیڑا تھا۔ جبکہ سلطان ایوبی یہاں سے فارغ ہوکر اگلے مرحلے میں دوبارہ ساحل شام کا رخ کرنا اور صور کا قضیہ نمٹانا چاہتے تھے جہاں اہل یورپ کی مشترکہ افواج کے اترنے کا شدید خطرہ تھا۔

ان حالات میں سلطان کے پاس حالیہ مہم میں وقت اور افرادی قوت کو بچا کر رکھنا سب سے زیادہ اہم <u>تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم انطاکیہ کی جانب یلغار کرتے ہوئے</u> سلطان کی ہر مہم کو طوفانی انداز میں شروع

[1] النوادر السلطانیہ: 150۔151، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/39۔40، الکامل فی التاریخ: 10/174، ابن خلدون: 5/311
[2] کتاب الروضتین: 4/42
[3] الکامل فی التاریخ: 10/174

اور ختم ہوتا دیکھتے آئے ہیں۔ سلطان یہاں جلد از جلد ایک شہر یا قلعے کو فتح کر کے فوراً دوسرے شہر کا محاصرہ شروع کرتے رہے۔

پھر ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ عام معمول کے خلاف سلطان اور ان کے نائبین اس سفر میں جگہ جگہ مضبوط قلعوں کو ڈھاتے اور فوجی تعمیرات زمین بوس کرتے رہے۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ سلطان کم از کم آئندہ دو تین سالوں کے لیے اس علاقے کے جھنجھٹ سے فراغت حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان قریبی سالوں میں انہیں یورپ کی طرف سے یلغار کا خطرہ تھا۔ اگر یورپ سے جنگ چھڑ جاتی تو شمال کے ان دشوار گزار علاقوں میں دوبارہ کسی مہم جوئی کا موقع مشکل ہی مل پاتا۔ سلطان کا فی الحال مقصد صرف یہ تھا کہ وہ یورپی یلغار سے پہلے پہلے شمال کے ان تمام قلعوں اور شہروں کو نصرانیوں سے چھین لیں یا ناکارہ بنا دیں تاکہ یورپی بادشاہ آئندہ کی خوفناک جنگ کے دوران یہاں کوئی کیمپ نہ بنا سکیں اور نہ ہی یہاں سے انہیں امداد و کمک میسر آسکے۔ وقت کی کمی کے پیشِ نظر سلطان نہ تو یہاں ہر مفتوحہ علاقے کے راستوں پر چوکیاں بنا سکتے تھے، نہ ہر قلعے میں فوج چھوڑ سکتے تھے اور نہ ہی ان مقامات کو مسلمانوں کا مدافعتی مرکز بنانے پر توجہ دے سکتے تھے۔ یہ کام فرصت کے دنوں کے تھے جو سلطان کے پاس دور دور تک نہیں تھی۔

اگر ان کے پاس بہت بڑی فوج ہوتی تو شاید وہ نصرانیوں کے ان درجنوں مفتوحہ قلعوں اور ان تک پہنچنے والے پیچیدہ پہاڑی راستوں کی حفاظت کے لیے جگہ جگہ بقدرِ ضرورت نفری چھوڑ دیتے مگر اتنے وسیع علاقے میں یہ بقدرِ ضرورت نفری بھی ہزاروں سپاہیوں تک جا پہنچتی۔ ظاہر ہے کہ سلطان کے پاس اس مقدار میں زائد سپاہی نہ تھے بلکہ اب سلطان آئندہ کے خطرات کے مقابلے کے لیے زیادہ سے زیادہ قوت ساحلوں پر جمع کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ ان مفتوحہ علاقوں کی حفاظت پر توجہ دینے سے یہ مقصد متاثر ہو سکتا تھا۔ مذکورہ پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوچا جائے تو 'بغراس' یا اس جیسے بعض قلعوں کو سلطان کے حکم سے مدافعتی مرکز بنانے کی بجائے تباہ کر ڈالنا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں بلکہ یہ اقدام سلطان کے ترجیحی مقاصد کی روشنی میں ضروری نظر آتا ہے۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ سلطان نے سارے ہی قلعے زمین بوس کر ڈالے ہوں بلکہ جس قلعے کو انہوں نے اسلامی سرحدوں کی مدافعت کے لیے استعمال کرنا سودمند سمجھا، اسے اپنے کسی معتمد امیر کے حوالے کر دیا۔ جیسا کہ ''دربساک'' سلیمان بن جندر اور ''برزیہ'' عزالدین ابراہیم کو سونپا گیا۔

لشکرِ اسلام انطاکیہ کے سامنے: بغراس کی تسخیر کے بعد انطاکیہ کا انجام سامنے تھا۔ حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ شدید بیمار تھا اور اس مشکل گھڑی میں کسی مہم کی قیادت سے عاجز تھا۔ اس نے بغراس کے سرنگوں ہونے کی خبر

سنتے ہی اپنے سالے کو صلح کا سفیر بنا کر سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔اس نے اپنے پیغام میں سلطان کو پیش کش کی کہ وہ صلح کی صورت میں ان مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے گا جو بڑی تعداد میں اس کے پاس ہیں۔

ادھر سلطان 2 شعبان کو بغراس پر قبضہ کر کے،فوج کے پڑاؤ میں لوٹ آئے تھے جو انطاکیہ کی فصیلوں سے کچھ دور تھا۔انطاکیہ کے برج اور قدیم عمارتوں کے گنبد یہاں سے صاف دکھائی دیتے تھے۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد اور لشکر میں شامل اہل علم وفضل اس قدیم تاریخی شہر میں داخلے اور حضرت حبیب نجار شہید کی قبر کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔حضرت حبیب نجار رحمہ اللہ وہ بزرگ تھے جو انطاکیہ میں توحید کا درس دینے والے پیغمبروں پر سب سے پہلے ایمان لائے اور اس حق گوئی کے بدلے میں شہید کر دیے گئے۔سورۂ یاسین شریف کے دوسرے رکوع میں ان کا قصہ مذکور ہے جو اسلام کے لیے مر مٹنے کا پیغام دیتا اور شہیدان راہ وفا کے لیے اللہ کے ہاں دائمی مغفرت کا مژدہ سناتا ہے۔

انطاکیہ میں داخلے کے ان ولولوں کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی طبعی شرافت کی بناء پر نصرانیوں کی جانب سے صلح کے پیغام کو مسترد نہ کیا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلسل جنگوں سے فوج کی حالت خستہ ہو چکی تھی۔افسران اور سپاہی واپسی کے لیے بے چین تھے۔اگر انطاکیہ کا محاصرہ طول پکڑ جاتا تو وہ بے زار ہو جاتے چنانچہ جب سلطان نے امراء سے مشورہ کیا تو اکثریت نے واپس چلنے کی رائے دی جن میں حاکم سنجار عمادالدین پیش پیش تھا،چوں کہ فوج میں ایک بڑا حصہ اسی کی فوج کا تھا اس لیے سلطان اس کے اصرار کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔انطاکیہ کے قریب ابھی طرابلس کی نصرانی ریاست کی فتح بھی باقی تھی مگر انہی وجوہ سے اس مہم کو بھی ملتوی کر دیا گیا۔

سلطان نے حاکم انطاکیہ سے صرف آٹھ ماہ کی جنگ بندی کا عارضی معاہدہ کیا۔معاہدے میں طے ہوا کہ اگر آٹھ ماہ کے دوران اہل انطاکیہ کمک حاصل کر کے اپنے دفاع کے قابل ہو گئے تو اپنے امور کے مختار ہوں گے ورنہ انہیں مدت گزرتے ہی انطاکیہ مسلمانوں کے حوالے کرنا ہوگا۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عام قسم کا معاہدۂ صلح نہیں تھا بلکہ اپنی فوج کو آرام پہنچاتے ہوئے بغیر کسی جنگ کے میدان مارنے کی ایک مدبرانہ دستاویز تھی۔

مایوس اور لاچار بوہیمنڈ کے لیے اتنا بھی غنیمت تھا۔اس نے فوراً معاہدہ کر لیا اور حسب وعدہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کے انتظامات شروع کر دیے۔سلطان کی جانب سے ان قیدیوں کے معاملات شمس الدولہ ابن منقذ کے سپرد کر دیے گئے۔[1]

[1] النوادر السلطانیہ:151؛کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین:4/42_43_44؛الکامل فی التاریخ:10/175؛ابن خلدون:5/312؛البدایۃ والنہایۃ:تحت 584ھ

فصل:3

وسطی شام کی پرخطر مہمات

انطاکیہ سے واپسی اختیار کر کے سلطان ایوبی 3 شعبان 584ھ (26 ستمبر 1188ء) کو حلب پہنچے جہاں شہریوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ تین دن بعد انہوں نے دمشق کا رخ کیا، راستے میں دیگر شہروں کے لشکروں کو رخصت کرنے سے پہلے سلطان نے افسران اور بہادروں کو بیش قیمت تحائف سے نوازا۔ عمادالدین زنگی سنجار چلا گیا، موصل کا لشکر جس میں علامہ ابن اثیر الجزری بھی شامل تھے، واپس ہو گیا۔ تاہم سلطان کی اپنی افواج ان کے ساتھ ساتھ تھیں۔

سلطان نے اب معرّہ کا راستہ اختیار کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مرقد پر حاضری دی، یہاں ایک صاحبِ کرامات بزرگ حضرت ابوزکریا المغربی رہا کرتے تھے، سلطان کچھ دیر ان کی خدمت میں بیٹھے۔ اس کے بعد سلطان حماۃ کے قریب سے گزرے، یہ تقی الدین عمر کا شہر تھا جو اس پوری مہم میں ساتھ ساتھ رہا تھا۔ وہ سلطان کو قلعے میں لے گیا، یہ قلعہ پہلے بلند نہ تھا مگر تقی الدین نے بڑا سرمایہ خرچ کر کے اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ سلطان ایوبی یہ تبدیلی دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ سلطان نے یہاں صرف رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی حمص سے کتراتے ہوئے الزراعہ اللبوۃ اور بعلبک کی راہ سے رمضان کا چاند طلوع ہونے سے ذرا پہلے دمشق پہنچ گئے۔ ❶

ان کی خواہش تھی کہ ماہِ مبارک ذکر و عبادات میں مشغول رہ کر گزاریں مگر حالات کچھ اور تھے۔ انہیں بحیرۂ روم کے افق پر صلیبی طوفان کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں پوری طرح اندازہ تھا کہ چند مہینوں بعد مسلمان اپنی پوری قوت ساحل پر جمع کر کے ایک طویل اعصاب شکن جنگ لڑنے پر مجبور ہوں گے لہٰذا اس سے پہلے پہلے انہیں ان تمام دشمنوں سے نجات حاصل کر لینی چاہیے جو مملکت کے اہم راستوں اور بعض اندرونی حصوں میں خطرات پیدا کرنے کا باعث ہیں۔ دمشق پہنچنے کے بعد سلطان کو

❶ الروضتین: 4/44، 45، الکامل فی التاریخ: 10/176

مشورہ دیا گیا کہ اب سپاہیوں کو رخصت دی جائے مگر سلطان کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ بولے:

''زندگی مختصر ہے، موت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب بھی ٹیمپلرز کے ہاتھوں میں کوکب، صفد، کرک اور کچھ دوسرے قلعے باقی ہیں۔ ان کو نمٹانا ضروری ہے کیوں کہ یہ اسلامی شہروں کے بیچ میں ہیں۔ اہل اسلام ان کے شر سے کبھی بے خوف نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے ان سے بے فکری اختیار کی تو بعد میں پچھتانا پڑے گا۔ ہم جہاد کے لیے نکلیں گے اور موسم سرما محاذ پر گزاریں گے۔''[1]

ناقابل تسخیر کرک مسخر ہو گیا: ادھر سلطان کوکب اور صفد پر حملے کی تیاری کر رہے تھے، ادھر کرک کے محاذ سے قاصد ایک بڑی خوشخبری لے کر دمشق کی منزلیں ناپ رہا تھا۔ سلطان نے شمالی شام کی جانب یلغار سے پہلے فوج کا ایک حصہ کرک کے محاصرے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ کرک پر سلطان کے کئی حملے ناکام ہو چکے تھے۔ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ واحد قلعہ تھا جس کی فلک بوس فصیلوں نے بارہا سلطان کی دلیر فوج کے حوصلے پست کر ڈالے تھے مگر اس بار سلطان نے یہاں خود وقت ضائع کرنے کی بجائے فوج کے ایک حصے کو سخت محاصرے پر تعینات کر دیا تھا۔ سلطان خود شمالی شام چلے جانے کے باعث کرک سے بہت دور ہو گئے تھے اس لیے کرک کے محاصرے میں مصروف ان کی فوج اہم معاملات میں الملک العادل کی طرف رجوع کرتی تھی جسے سلطان نے مصر سے طلب کر کے جنوبی شام اور شام و مصر کے درمیان اہم محاذوں کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ الملک العادل نے تبنین کو مرکز بنا کر ان محاذوں کو سنبھال لیا تھا۔ کرک کا محاصرہ تقریباً آٹھ ماہ جاری رہا تھا۔ قلعے کی فصیلیں تو ناقابل تسخیر تھیں مگر محصورین کی حالت نازک ہو گئی۔ انہوں نے محاصرے پر متعین امراء سے قلعہ سپرد کر دینے کے لیے گفت و شنید شروع کر دی۔ ان کی شرائط یہ تھیں کہ ان کے قلعہ دار ہمفری کو جو ملعون ریجی نالڈ کا بیٹا تھا اور معرکہ حطین میں گرفتار ہوا تھا، رہا کر دیا جائے اور ان سب کو جان کی امان دی جائے۔ امراء نے معاملے کی اہمیت کے پیش نظر الملک العادل سے رجوع کیا۔ آخر کار مذکورہ شرائط پر یہ عظیم الشان قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ محصور عیسائی جنہیں فاقوں نے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا تھا جان سلامت لے کر نکل گئے، ریجی نالڈ کے بیٹے کو بھی رہا کر دیا گیا۔ کرک کے بعد شوبک اور چند دیگر نواحی قلعے وعر، ہرمز اور سلع بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔[2]

سلطان کو ریجی نالڈ کے آہنی مورچے کی فتح کی خبر رمضان کی مبارک ساعتوں میں ملی جس سے وہ بے حد مسرور ہوئے اور اس فتح کی خوشخبری کے مراسلے مختلف حکمرانوں کو روانہ کر دیے گئے۔ کاتب عماد

[1] الروضتین: 4/45، الکامل فی التاریخ: 10/175
[2] النوادر السلطانیہ: 152، کتاب الروضتین: 4/47

اصفہانی کے تحریر کردہ ایک خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

”قلعۂ کرک سرنگوں ہو گیا، یہ وہ قلعہ ہے جس کا سرغنہ حجاز مقدس پر قابض ہونے کا عزم کیے ہوئے تھا۔ ہم نے گزشتہ سال اس بدبخت کو موت کا جام پلایا اور اس سال اس کے قلعے پر قابض ہو گئے جس میں وہ پناہ لیا کرتا تھا۔ کفر اسلام میں داخلے پر مجبور ہو گیا اور اس مقام کی فتح سے مسجد الحرام کے راستے مامون ہو گئے۔“[1]

صفد کا محاصرہ: کرک کی فتح کے بعد سلطان اور ان کی سپاہ کی ہمتیں مزید بلند ہو گئیں، چنانچہ وہ اگلی مہم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ قاضی بہاؤ الدین اس جذبے اور ولولے پر اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”سلطان صفد کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے گھر والوں، بچوں اور وطن کی جدائی کا ذرہ بھر خیال نہ کیا، حالاں کہ اس ماہ میں انسان جہاں کہیں بھی ہو، اپنے وطن کی طرف روانہ ہو جاتا ہے تا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ گزار سکے۔“[2]

اس جہاد میں سلطان کے وزیر قاضی فاضل رحمہ اللہ بھی ہمراہ تھے۔ سلطان مرج برغوث اور مخاضۃ الاحزان سے ہوتے ہوئے ماہ مبارک کے عشرۂ مغفرت کے اواخر میں صفد پہنچے جس کا مشہور قلعہ جھیل طبریہ کے شمال مغرب میں ایک کوہستانی سلسلے کی دیوار دکھائی دیتا تھا۔ اس کے اردگرد نشیبی وادیاں اور گہری کھائیاں تھیں۔ یہ سخت جاڑے کے دن تھے۔ برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں، اس کے ساتھ ساتھ طوفانی بارشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین اور ان کے سپاہی موسم کی شدت کی کوئی پرواہ کیے بغیر روزے بھی رکھ رہے تھے اور مصروف پیکار بھی تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اہل قلعہ کی ہمت جلد جواب دے جائے گی کیوں اسلامی فوج نے ایک برس سے صفد کے گرد و نواح کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور قلعے میں خوراک کے ذخائر یقیناً زیادہ مدت تک محصورین کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔[3]

صور کے سورما پکڑے گئے: سلطان کے صفد پہنچنے سے قبل قلعۂ کوکب کے نواح میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آ چکا تھا۔ قلعۂ کوکب، صفد سے زیادہ دور نہ تھا۔ کوکب پر سلطان نے گزشتہ سال خود حملہ کیا تھا مگر ناکامی ہوئی تھی اور سلطان اپنے امیر صارم الدین قایماز نجمی کو کچھ سپاہیوں کے ساتھ اس کی نگرانی پر چھوڑ آئے تھے جو تب سے کوکب کی مسلسل ناکہ بندی کیے ہوئے تھا۔

① کتاب الروضتین: 48/4
② النوادر السلطانیہ: 162
③ النوادر السلطانیہ: 162

ادھر صفد اور کوکب پر سلطان کی یلغار کی اطلاعات صور پہنچ چکی تھیں جہاں کونرڈ مارکوئیس نہایت جوش وخروش سے سلطان کے مقابلے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ صفد اور کوکب اسلامی شہروں کے درمیان ان کے آخری مورچے ہیں اور ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد دوبارہ شام کے اسلامی شہروں کی آہنی زنجیر کو کاٹنا ازحد دشوار ہوگا۔ اس لیے اس نے ہر قیمت پر ان قلعوں کو بچانے کی تگ ودو شروع کر دی۔ اس مہم کی پہلی کارروائی کے طور پر صور سے دوسو (200) چیدہ اور نامور سوماؤں پر مشتمل کمک صفد کی جانب روانہ کر دی گئی۔ یہ سورما جنگلوں، وادیوں، برساتی نالوں اور کھائیوں میں چھپتے چھپاتے ہوئے، مسلمانوں کی نظروں سے بچ بچا کر آگے بڑھتے رہے۔

ایک دن جبکہ ان کی اکثریت کسی خفیہ جگہ چھپی ہوئی تھی ان کا ایک آدمی کسی ضرورت سے جنگل کی طرف نکل گیا۔ ممکن ہے وہ آگے راستہ دیکھنے بھالنے جا رہا ہو۔ یہ علاقہ قلعۂ کوکب سے قریب تر تھا۔ خوش قسمتی سے کوکب کے محاصرے میں شامل ایک مسلمان سپاہی نے جو اس جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، اس عیسائی کو دیکھ لیا اور اسے پکڑ کر پوچھ گچھ شروع کر دی۔ کچھ مار پیٹ کے بعد عیسائی نے سب کچا چٹھا کھول دیا۔ سپاہی اسے اپنے امیر قایماز نجمی کے پاس لے گیا جس نے حقیقت سے آگاہ ہوتے ہی مجاہدین کا ایک دستہ عیسائیوں کے خفیہ پڑاؤ پر بھیج دیا۔ وہاں واقعی دوسو فرنگی چھپے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں بے خبری میں جالیا۔ انہوں نے بھاگ کر گھاٹیوں اور غاروں میں چھپنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے انہیں ہر گوشے سے ڈھونڈ نکالا اور ایک بھی بچ کر نہ نکل سکا۔ ان گرفتار شدگان میں ہاسپٹلرز (اسجاریہ) کے دو سردار بھی تھے۔ انہیں سلطان صلاح الدین کی خدمت میں بھیج دیا گیا جو صفد کا محاصرہ شروع کر چکے تھے۔ ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز کی اسلام دشمنی اور ہٹ دھرمی کے باعث سلطان انہیں زندہ چھوڑنے کے قائل نہ تھے۔ ان دونوں سرداروں کو بھی سلطان کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جانے کے لیے بھیجا گیا تھا مگر سلطان کی خدمت میں پہنچتے ہی ان کافروں نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کی:

”آپ کا جلوہ اور دمکتا چہرہ دیکھنے کے بعد ہمیں خدشہ نہیں کہ اب ہمیں کوئی گزند پہنچے گی۔“

سلطان پر اس جملے کا ایسا اثر ہوا کہ ان کی سزا کا معاملہ ملتوی کر دیا اور حکم دیا کہ انہیں پوچھ گچھ کے لیے حراست میں رکھا جائے۔ ①

اسامہ بن مرشد کی وفات: اس دوران جبکہ صفد کا محاصرہ جاری تھا سلطان کو ایک حزن انگیز خبر موصول ہوئی۔ شام کے رکن رکین، کن رسیدہ امیر، ممتاز ادیب وشاعر اسامہ بن مرشد نے داعی اجل کو

① الکامل فی التاریخ: 177/10

لبیک کہہ دیا تھا۔ اسامہ بن مرشد 488ھ (1095ء) میں علی بن منقذ نامی سردار کے گھر شام کے سرحدی علاقے شیزر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد قلعے کے حاکم تھے۔ اسامہ نہایت زندہ دل انسان تھا۔ اس نے جوانی کے ایام شام کی سرحدوں کو فرنگیوں کے حملوں سے بچانے، جنگلوں میں شکار کھیلنے اور مختلف حکمرانوں کی باہمی لڑائیوں میں ایک سرگرم سپاہی کا کردار ادا کرتے ہوئے گزارے تھے۔ اس نے ایک مدت مصر کے عبیدی حکمرانوں کے ماتحت بھی گزاری۔ عمر کے آخری دور میں جبکہ اس کے بال سفید ہو چکے تھے وہ دمشق آ گیا تھا۔ یہاں اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کی مصاحبت کا موقع ملا۔ یہ 570ھ کی بات ہے۔ وہ تلوار کا دھنی ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کے میدان کا شہ سوار بھی تھا۔ سلطان ایوبی کو اس کے اشعار بہت بھاتے تھے۔ دمشق میں اس کا مکان العزیزیہ اہل علم و ادب کا شبستان تھا۔ اس نے 96 برس طویل عمر پائی اور 23 رمضان 584ھ (14 نومبر 1188ء) کو دار فانی سے رخصت ہوا۔ سلطان کے لیے یہ ایک ناگہانی صدمہ تھا۔ اسامہ نے سلطان کی تعریف میں کہا تھا:

حَمِدْتُ عَلٰی طُوْلِ عُمْرِی الْمَشِیْبَا	وَاِنْ کُنْتُ اُکْثِرُفِیهِ الذُّنُوبَا
میں اپنی طویل زندگی میں بڑھاپے کی مدح کرتا رہا	اگرچہ میں نے اس دوران بکثرت گناہ بھی کیے
لِاَنِّی حُیِیْتُ اِلٰی اَنْ لَقِیْتُ	بَعْدَالْعَدُوِّ صَدِیْقًا حَبِیْبَا
کیونکہ مجھے دشمن سے (لڑائی بھڑائی) کے بعد	ایک پیارے دوست سے ملنے تک زندہ رہتا تھا [1]

اللہ کے راستے میں رات کی شب بیداری ✻ صفد کی وادی میں سپاہ اتارتے ہی سلطان نے محاصرے کو سخت تر کرتے ہوئے منجنیقیں نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ چوں کہ بارش کا موسم تھا اور وادی میں ہر طرف کیچڑ تھا، اس لیے منجنیقیں نصب کرنے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی۔ سلطان خود اس عمل کی نگرانی کر رہے تھے تاکہ منجنیقیں صحیح زاویوں پر لگائی جائیں اور نشانے درست بیٹھیں۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد جو سلطان کے مشیر کی حیثیت سے ہمراہ تھے، اس شب کی روداد یوں بیان کرتے ہیں:

"میں اس رات سلطان کی خدمت میں تھا۔ یہ سال کی طویل ترین اور انتہائی سرد رات تھی۔ سلطان نے منجنیقوں کے لیے پانچ مقامات طے کر دیے تھے کہ انہیں وہاں نصب کر دیا جائے۔ سلطان نے کہا:

'آج رات جب تک ہم یہ پانچوں منجنیقیں نصب نہ کر لیں، ہم نہیں سوئیں گے۔'"

پھر سلطان نے ہر منجنیق کو ایک ٹولی کے سپرد کر دیا۔ خبر رساں سلطان کو مسلسل اطلاعات دے رہے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/69، البدایہ والنہایہ 331/12

تھے اور انہیں آگاہ کر رہے تھے کہ فلاں فلاں منجنیق کی تنصیب کا کام اس حد تک ہو گیا ہے۔ پوری رات یہ سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اس دوران منجنیقوں کی تنصیب کا کام مکمل ہو چکا تھا، صرف ان کی شست باندھنا رہ گیا تھا۔ تب سلطان کی خدمت میں وہ مشہور حدیث سنائی گئی کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، دو آنکھوں کو آگ نہ چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات بھر جاگتی رہی اور وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی۔"①

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے جذبے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذوق و شوق کے ساتھ قلعے کا محاصرہ اسی طرح جاری رہا۔ سلطان کی دینداری اور عالی ہمتی کا یہ عالم تھا کہ اس دوران وہ روزے بھی برابر رکھ رہے تھے۔ اکثر امراء اور بہت سے سپاہی بھی روزے دار تھے۔ آخر کار صفد کے نصرانیوں کو یقین ہو گیا کہ سلطان قلعہ فتح کیے بغیر جانے والے نہیں اور اگر انہوں نے ابھی ہتھیار نہ ڈالے تو کل خوراک بالکل ختم ہو جانے پر انہیں بہر حال سرنگوں ہونا پڑے گا مگر تب جان کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہو گی۔ چناں چہ اہل صفد نے سلطان سے امان کی شرط پر قلعے کے دروازے کھول دیے۔ یہ آٹھ شوال 584ھ (29 نومبر 1188ء) کا واقعہ ہے۔ بقول عماد کاتب:

"اس دن ہم رمضان کے بعد کے چھ روزے رکھ کر فارغ ہو چکے تھے اور فضیلت صوم و جہاد کو جمع کر چکے تھے۔"

سلطان نے صفد کے نصرانیوں کو صور چلے جانے کی اجازت دے دی جہاں پہلے ہی مختلف مفتوحہ شہروں سے نکالے گئے عیسائی بہت بڑی تعداد میں جمع ہو چکے تھے۔ قلعہ صفد شجاع الدین طغرل جاندار کے سپرد کر دیا گیا۔②

طوفانی موسم اور قلعۂ کوکب کا محاذ: اب سلطان نے کوکب کے قریبی پہاڑ پر معسکر بنایا اور خود اس کو گھیر کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے قاصد کے ذریعے اہل کوکب کو ڈرایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر منجنیقوں سے سنگ باری شروع کی گئی اور درمیان میں وقفے وقفے سے قلعے پر حملے بھی کیے جانے لگے مگر طوفانی ہوا اور تیز بارش کی وجہ سے نہ تو سنگ باری بھرپور انداز میں کی جا سکتی تھی نہ سپاہی زوردار حملوں کے قابل تھے۔ سپاہ کی ہمت بڑھانے اور ان کی براہ راست نگرانی کے لیے سلطان نے اپنا خیمہ معسکر سے ہٹا کر قلعے کے قریب منتقل کرا لیا۔ باقی خیمے بھاری ساز و سامان سمیت وادی میں نصب کرا دیے گئے۔ بقول کاتب عماد:

① النوادر السلطانیہ:152
② النوادر السلطانیہ:152، کتاب الروضتین:4/51، الکامل فی التاریخ:10/176، تاریخ ابن خلدون:5/321

"حالت یہ تھی کہ سیلابی پانی کی کثرت تھی اور ہر طرف تہہ در تہہ کیچڑ تھا۔ بارش مسلسل اشک نشانی میں معروف تھی۔ خیمے کیچڑ میں ڈوب گئے تھے۔ مگر ہم کھونٹے اکھاڑنے، قدم جمانے، رسوں کے کمزور پڑنے اور خیموں کے گرنے سے زیادہ اہم مسئلے میں معروف تھے۔"

قاضی بہاؤالدین ابن شداد بتاتے ہیں کہ سلطان نے قلعے کا اتنا تنگ گھیراؤ کر رکھا تھا کہ ان کا خیمہ دشمن کے تیروں کی زد میں تھا۔ خیمے کو محفوظ بنانے کے لیے اس کے گرد گارے اور پتھروں کی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی، حال یہ تھا کہ سلطان کے خیمے کے سامنے صرف وہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا جو زرہ بکتر میں چھپا ہوا ہو۔

دن گزرتے گئے۔ موسم کی شدت میں کمی آئی نہ فرنگیوں کے دم خم میں فرق آیا۔ محاصرہ طول پکڑ گیا۔ حملوں میں مسلمان شہید بھی ہو رہے تھے اور زخمی بھی کیوں کہ فرنگیوں کو بلندی پر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر کاری وار کرنے کا موقع میسر تھا اس لیے ہر حملے میں مسلمان نقصان بھی اٹھا رہے تھے۔ ادھر بارش کی وجہ سے وہ وادی جہاں سے سلطان کی سپاہ قلعے پر حملہ کرتی تھیں ایک دلدلی میدان بن گئی تھی جس میں پیدل چلنا بھی مشکل تھا اور سوار ہو کر بھی۔ سلطان کے وزیر قاضی فاضل سلطان کے بھائی سیف الدین کو ایک مکتوب میں میدان جنگ کا حال یوں بتاتے ہیں:

"ہم جب قلعۂ کوکب کے سامنے اترے تو سردی نقطۂ عروج پر تھی، پہاڑوں پر برف باری ہو رہی تھی اور ندی نالے پانی سے بھر کر بہہ پڑے تھے۔ سیلاب کی سرکشی زمین کو پھاڑ رہی تھی اور بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ رہی تھی، کیچڑ نے راستوں کو اس طرح بند کر دیا تھا کہ آزاد آدمی بھی بیڑیاں پہنے قیدی کی طرح چلنے پر مجبور تھا، ہم اور سپاہی سخت مشقت میں تھے، دشمن اور موسم دونوں ہمارے مقابلے پر تھے۔"[1]

ان تمام مشکلات کے باوجود سلطان کا حوصلہ بلند رہا اور آخر کار ایک دن انہوں نے فوج کو ہمت دلا کر قلعے پر پے در پے حملے کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان پورے جوش و خروش سے بیرونی فصیل پر حملہ آور ہوئے۔ تیر کمان اور تیر چرخ خوفناک سنسناہٹ کے ساتھ چل رہے تھے، کسی وقفے کے بغیر سلطانی سپاہ کا دھاوا اس طرح جاری تھا کہ قلعے کی بیرونی فصیل پر کھڑے فرنگیوں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس ہنگامے کا فائدہ اٹھا کر سلطان کے نقب زن فصیل تک پہنچ گئے اور بنیادوں میں سرنگ کھودنے لگے۔ آخر بیرونی فصیل کا ایک حصہ خوفناک دھماکے کے ساتھ منہدم ہو گیا۔ فرنگی قلعے کی طرف پسپا ہو گئے اور سلطان کے سپاہی منظم انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بالائی فصیل پر قابض ہو گئے جو

[1] کتاب الروضتین 4/55

بیرونی فصیل کے بعد اندر مزید بلندی پر تھی۔ اب فرنگیوں کو اپنی شکست سامنے نظر آرہی تھی لہٰذا انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ وسط ذوالقعدہ 584ھ (3 جنوری 1189ء) کا واقعہ ہے۔ سلطان اس مہم کی انجام دہی کے بعد قدرے استراحت کے لیے اپنے معسکر میں آگئے۔ ''کوکب'' اتنے دشوار گزار مقام پر واقع تھا کہ فتح کے بعد کوئی امیر اس کی قلعہ داری کا منصب لینے پر تیار نہ تھا۔ آخر کار صارم الدین قایماز نجمی نے بادلِ نخواستہ یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ [1]

قلعۂ کوکب کی فتح کے ساتھ شام کے وسطی اضلاع میں فرنگیوں کے خلاف سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاد کا سلسلہ مکمل ہوگیا۔ اس مہم کی تکمیل پر شام کے مسلمانوں نے مدتوں بعد سکھ کا سانس لیا۔ اب مصر سے حجاز اور شام سے عراق تک کی شاہراہوں پر نصرانیوں کا کوئی قلعہ باقی نہیں رہ گیا تھا جو مسلمانوں کے لیے باعث تکلیف ہوتا۔ قاضی فاضل رحمہ اللہ اس فتح یابی پر اظہارِ مسرت کر کے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے کلمۂ کفر کو لپیٹ دیا۔ کلمۂ اسلام کو پھیلا دیا، پس آج شام کے اضلاع میں کہیں بھی بے ہودہ اور گناہوں پر مبنی صدائیں نہیں سنائی دے رہیں بلکہ ہر طرف سلام ہی سلام کی پکار ہے۔'' [2]

آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے ❊ فتوحات کی ان مسرتوں کے بعد سلطان کو ایک عجیب اطلاع ملی جو تشویش اور اطمینان دونوں پہلو لیے ہوئے تھی۔ ہوا یہ کہ مصر سے سلطان کی غیر حاضری کے باعث عبیدیوں کے حامی اسماعیلی شیعوں کے ایک گروہ کو یہ خوش فہمی ہوگئی کہ وہاں سلطان کی حکومت گرائی جاسکتی ہے۔ ان احمقوں کو غلط طور پر عوام سے یہ توقع تھی کہ وہ عبیدی حکومت کے قیام میں بھرپور ساتھ دیں گے چنانچہ یہ سازشی عناصر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مرحلے میں وہ عوام کی شیعیت میں دلچسپی اور حکومت مخالف سوچ کی پختگی کا اندازہ لگانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کے بارہ کارندے تلواریں سونت کر مصر کی گلیوں اور بازاروں میں ''ہائے اولادِ علی! ہائے اولادِ علی'' کے نعرے لگاتے ہوئے گھومنے لگے مگر اس وقت انہیں نہایت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے بلکہ ان کی حرکات کو ہر جگہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ نامراد ہوکر منتشر ہوگئے۔ اس دوران سرکاری اہلکاران کی نگرانی شروع کرچکے تھے۔ چنانچہ ان کو گرفتار کرلیا گیا۔ سلطان کو اس خبر پر مشتمل خط صفد کے محاصرے کے دوران موصول ہوا۔ سلطان جو اس وقت عالم اسلام کے دفاع کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر جہاد کررہے تھے، اس اطلاع کے باعث الجھ سے گئے۔ انہیں محسوس ہوا

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 53/4، ابن خلدون: 312/5
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 64/4

کہ مصر میں ابھی سازشی عناصر بڑی تعداد میں زیر زمین موجود ہیں جو آئندہ کسی بھی وقت شدید خطرہ بن سکتے ہیں خاص طور پر یورپ سے متوقع جنگ کے دوران ان کی فتنہ پروری بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اپنی ذمہ داریوں میں مصر کی دیکھ بھال کا اضافی بوجھ محسوس کر کے سلطان اعصابی تناؤ کا شکار ہو گئے اور انہیں مختلف اندیشوں نے گھیر لیا۔ یہ ذہنی تناؤ یہاں تک بڑھا کہ وہ مصر سے آئے ہوئے وفود کو ملاقات کا وقت دیتے ہوئے ناگواری محسوس کرنے لگے۔ اہلِ مصر کی گزشتہ بغاوتیں یاد کر کے ان کے منہ سے نکلا:

''ہم کب تک ان کی کارستانیاں برداشت کریں گے جبکہ وہ بہر صورت ہماری اطاعت کا حلقہ اتار پھینکنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

مصر سے آئے ہوئے جو وفود سلطان سے ملاقات کے منتظر تھے ان میں وہاں کے چند وزراء کے لڑکے، کچھ امراء اور بعض نیک و صالح معزز اشخاص شامل تھے۔ سلطان کی طبعی گرانی کے سبب یہ لوگ بھی پریشان تھے۔ خوش قسمتی سے اس دوران سلطان کے معتمد وزیر قاضی فاضل رحمہ اللہ تشریف لے آئے۔ سلطان کے ہاں ان کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہ تھی، وہ حاضر ہوئے تو سلطان کی طبیعت میں غیر معمولی تغیر صاف نظر آرہا تھا۔ قاضی صاحب نے پریشانی کی وجہ دریافت کی تو سلطان نے یہ صورتحال تفصیل سے ان کے سامنے رکھ دی اور اپنی تشویش سے انہیں آگاہ کیا۔

جہاندیدہ بزرگ نے سلطان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

''آپ کو اس نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ پریشان نہیں خوش ہونا چاہیے۔ اس واقعے سے آپ کو از خود اپنی رعایا کی اندرونی کیفیت کا علم ہو گیا ہے کہ عوام آپ کے تابعدار اور آپ کے ارادوں کے ہم آہنگ ہیں۔ وہ آپ کے خیر خواہ اور آپ کے دشمنوں سے کنارہ کش ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی دشمنوں کی پکار پر لبیک کہا؟ اور کسی نے ان سازشیوں کی پشت پناہی کی؟ اگر آپ خود اپنے بارے میں عوام کی دلی رائے جاننے کے لیے ایک جماعت مقرر کرتے جو اس طرح آپ کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے لوگوں کے تاثرات کا اندازہ کرتی تو آپ کو اس کام پر ٹھیک ٹھاک سرمایہ خرچ کرنا پڑتا تب بھی اتنا فائدہ نہ ہوتا جو آپ کو حالیہ حقائق جان کر ہوا۔ آپ تسلی رکھیے اور اللہ کے ہاں مرتبہ پانے کے لیے اس کی بارگاہ سے لو لگائیے۔''

قاضی صاحب کا یہ دانشمندانہ جواب سن کر سلطان کی بے چینی میں قدرے کمی ہوئی مگر ابھی طبیعت کی گھٹن باقی تھی، سلطان نے دل کی جلن زبان پر لاتے ہوئے کہا:

''گزشتہ حکمران عوام کو ڈرا کر رکھتے تھے، رعایا ان سے دور بھاگتی تھی کہ ان سے خطرات اور

مصائب کا اندیشہ تھا مگر اب یہی لوگ ہر وقت ہم سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، ان لوگوں نے ہمیں تنگ کر دیا ہے، تھکا مارا ہے، سفر ہو یا حضر، یہ دنیا بھر کی باتیں لے کر ہمارے پاس چلے آتے ہیں۔‘‘

قاضی صاحب نے بشاشت کے ساتھ عرض کیا:

’’حضرت آپ اس سعادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ آپ کے زیر کفالت لوگ کہاں کہاں آباد ہیں۔ دیکھئے مصر میں آپ کے کتنے نائبین ہیں، ان کے کتنے حشم وخدم ہیں، کتنے امراء اور ماتحت اہلکار ہیں، کتنے خواص ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے انعام واکرام کے چمن میں مخلوقِ خدا کی خدمت کر رہا ہے۔ پھر شام کے ہر شہر میں بھی آپ کی جانب سے ایک والی متعین ہے، ہر جگہ ایک ذمہ دار کا تقرر ہے، ان میں سے ہر ایک اپنی رعیت کو نوازنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر دوسری ریاستوں میں کتنے حکام آپ کے ماتحت ہیں۔ یہ سب بکھرے ہوئے لوگ آپ ہی کے آستانے سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لیے وفد بنا کر آپ ہی کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ کا وجود اور آپ کی جود وسخا ہی ان سب کا آخری سہارا ہے۔ پس آپ کو ان وفود کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ ہی کرتے رہنا چاہیے۔‘‘ [1]

قاضی فاضل رحمہ اللہ کی اس حکیمانہ گفتگو نے سلطان کی تشویش کو یکسر دور کر دیا، ان کا دل تشکر کے احساس سے لبریز ہوگیا۔ آنسو بہہ بہہ کر رخساروں کو تر کرنے لگے۔ انہیں اپنی چند لمحوں پہلے کی سوچ پر ندامت ہوئی اور انہوں نے قسم کھا کر کہا:

’’جب تک زندگی باقی ہے، کبھی کسی ملاقاتی کو واپس نہیں لوٹاؤں گا، نہ کسی آنے والے کو روکوں گا۔‘‘

سلطان نے اسی وقت باز یابی کے منتظر وفود سے ملاقات کی اور ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفت وشنید کر کے اپنے طرز عمل کی فوری تلافی کی۔ [2] ...... بغداد کے شاعر ابوالفتح سبط ابن التعاویذی نے اس واقعے کے پس منظر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو چند اشعار لکھ کر بھیجے اور ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

فَلا يُضْجِرَنَّكَ ازْدِحامُ الوُفود عَلَيْكَ وَكَثْرَةُ مَاتُبْذِلُ

’’آپ ملاقاتیوں کے رش اور اخراجات کی کثرت سے پریشان مت ہوں‘‘

فَاِنَّكَ فی زَمَانٍ لَيْسَ فيه جَوَادٌ سِواكَ ولا مُفْضِلُ

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 61، 62

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 62، الکامل فی التاریخ: 10/ 178

"کیونکہ اس زمانے میں آپ کے سوا نہ کوئی سخی ہے نہ کوئی فضل وکرم کرنے والا۔"[1]

عماد کاتب کی روایت کے مطابق اس واقعے کے بعد سلطان نے مصر میں اپنے عمال کی معاونت کے لیے قاضی فاضل کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ قاضی صاحب نے سفر کی تیاری کر لی۔[2]

مسلم حکمران غفلت کی نیند سو رہے تھے ❁ اس سے پہلے کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے آخری اور سب سے پرخطر مرحلے میں داخل ہوں ذرا ایک نظر عالم اسلام پر ڈالتے ہیں کہ ان دنوں وہاں کیا ہو رہا تھا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاد فی سبیل اللہ سے دیگر خطوں کے مسلم حکمران کیا سبق حاصل کر رہے تھے؟ آیا انہیں اس آتشیں آندھی کا کچھ اندازہ تھا جو مغربی افق سے امنڈ کر عالم اسلام کے ساحلوں کو بھسم کرنے والی تھی؟ کیا وہ ان بجلیوں کی کڑک سن رہے تھے جو بلادِ اسلامیہ کے قلب وجگر کو خاکستر کر کے اس کی بڑی بڑی مملکتوں کی دھجیاں اڑا دینے کے لیے تیار تھیں؟؟ کیا والیانِ عالم اسلام نے ان خطرات کے مقابلے کے لیے کوئی منصوبہ بندی یا کوئی حکمت عملی طے کی تھی؟ اور کیا یورپی اتحاد کے بالمقابل کسی اسلامی اتحاد کے وجود میں آنے کے امکانات روشن تھے؟؟

ان دنوں ہر مسلمان کے لیے یہ تمام سوالات نہایت اہم تھے مگر...... ان کے جوابات یقیناً بے حد مایوس کن تھے۔ صرف دو مثالوں سے اس ناخوشگوار صورتحال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

① سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہم عصر حکومتوں میں سے سلطنت خوارزم اہم حیثیت رکھتی تھی۔ ماوراء النہر کے مردم خیز خطے کی اس اسلامی سلطنت میں دو عشروں سے اقتدار کی خوں ریز جنگ جاری تھی۔ دو بھائی سلطان شاہ اور علاؤ الدین تکش خوارزم کے دارالحکومت "اورگنج" پر اپنا اپنا حق جتا رہے تھے اور ان کے درمیان کشت وخوں کا سلسلہ ان گنت مسلمانوں کی جانوں کے ضیاع کا سبب بن رہا تھا۔

② خوارزم تو پھر خاصا دور تھا مگر سلطان کی عراقی سرحدوں کے قریب عالم اسلام کا مرکز بغداد تھا، اس مرکز ہی سے طرح طرح کے فتنے پھوٹ رہے تھے۔ خلیفہ بغداد الناصر لدین اللہ سلاجقہ عراق کے آخری حکمران طغرل سے دشمنی رکھتا تھا۔ طغرل اور قزل باہم اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف تھے جبکہ خلیفہ ایک کی پیٹھ تھپکنے اور دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف تھا۔ جن دنوں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ لاذقیہ اور جبلہ کے میدانوں میں نصرانیوں سے جہاد کر رہے تھے، خلافت بغداد سلطان طغرل کے خلاف لشکر کی تیاری میں مصروف تھی۔ 3 صفر 584ھ (2 اپریل 1188ء) کو خلیفہ نے اپنے وزیر عبید اللہ بن یونس کو فوج کا قائد بنا کر محاذ کی طرف روانہ کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو یہ ناخوشگوار

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 62/4 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 62/4

اطلاع اس وقت ملی جبکہ وہ نصرانیوں کے خلاف محاذ پر جا رہے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی انہوں نے کہا:

''بس یوں سمجھو کہ تمہیں اہل بغداد کی شکست کی اطلاع پہنچ چکی۔''

''آپ نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟'' حاضرین نے حیرت سے سوال کیا۔

''میں یہ اندازہ اس طرح لگا سکتا ہوں کہ میرے ساتھی خلیفہ کے وزیر کی بہ نسبت بہت جنگ آزمودہ ہیں، میری فوج بغدادی فوج کی بہ نسبت نظم وضبط کی زیادہ پابند ہے مگر اس کے باوجود جب میں اپنے کسی ساتھی کو لشکر کا امیر بنا کر جنگ کے لیے بھیجتا ہوں تو مجھے اس کی فکر لگی رہتی ہے۔ادھر یہ بغدادی وزیر خود بھی جنگی معاملات سے ناواقف ہے اور اس کے افسران بھی نظم وضبط سے عاری ہیں مگر خلیفہ نے بڑی بے فکری سے اسے سلطان طغرل کے مقابلے میں روانہ کر دیا ہے جو نہ صرف خود دلیر اور تلوار کا دھنی ہے بلکہ اس کے سپاہی بھی اس کے تابعدار ہیں۔''

سلطان کی یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ 8 ربیع الاوّل (7 مئی 1188ء) کو ہمدان کے قریب خلیفہ اور سلطان طغرل کی افواج کا ٹکراؤ ہوا۔ کچھ دیر کی خوں ریز جنگ کے بعد بغداد کے راحت پسند افسران اور سالار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور سپاہیوں نے ان کی تقلید کی۔ صرف وزیر جسے سپہ سالار کی حیثیت دی گئی تھی میدان میں ڈٹا رہا۔ وہ ایک ہاتھ میں قرآن مجید اٹھائے ہوئے تھا اور دوسرے میں شمشیر۔ طغرل کی سپاہ نے اسی حالت میں اسے گرفتار کر لیا۔ بغدادی لشکر کا چھوڑا ہوا مال غنیمت بے حساب تھا جس میں خزانہ، اسلحہ خانہ، سواری کے جانور اور اَن گنت مویشی تھے۔ یہ سب کچھ سلطان طغرل نے سمیٹ لیا۔ دو بڑے مسلمان حکمرانوں کی اس جنگ سے ایک طرف تو عالم اسلام کا ہر دردمند شخص دلگیر ہوا اور دوسری طرف اس کے بڑے ذمہ داروں یعنی خلیفہ اور اس کے ارکانِ دولت کی سخت سبکی ہوئی۔ [1]

اس موقع پر بغداد کے ایک شاعر احمد بن واثق کے یہ طنزیہ اشعار دور دور تک مشہور ہو گئے:

بَ رَ کاتُہُ وزیرنا لَ شَ ذَ ا   فَ لِ ھُ لمنا احُدُ سنا تَ قیمَ ۃ

وزیر صاحب کی برکتیں ہمارے شامل حال ہیں تب ہی تو ہمارے تمام معاملات ٹھیک ٹھاک ہیں

خَ رَجُجتْ تُدُ رِنلخُجِ لمُر اسان   جَ ہِ یُ بِعَاُ بْ ھاۃِ طیمۃ

ہمارا لشکر سارے خراسان کو فتح کرنے کا عزم کر کے عظیم الشان ساز وسامان کے ساتھ روانہ ہوا

بِخُ یُوَ لِرِعُ لُ وَ تِھِ لِ ید   وَ سُ یبوفِی رَّ بلقدیمۃ

اس کے ساتھ گھوڑے، مال ومتاع، بکثرت سپاہی اور مدتوں سے آزمائی ہوئی تلواریں تھیں

[1] الکامل فی التاریخ: 10/178

وَوَزِيرٍ وَطَاقٍ طَنَبٍ وَنَقْشٍ وَخُيُولٍ مُعَدَّةٍ لِلْهَزِيمَةِ
وزیر صاحب خیمے، ڈیرے، سامان اور ایسے گھڑسوار ساتھ لے جا رہے تھے جنہیں فرار کی تربیت دی گئی تھی
هُمْ رَأَوْا غُرَّةَ الْعَدُوِّ وَقَدْ أَقْبَلَ وَلَّوْا وَانْحَلَّ عَقْدُ الْعَزِيمَةِ
جب انہوں نے اچانک آدھمکنے والے دشمن کی چال دیکھی تو پشت پھیر کر بھاگ نکلے اور ان کے عزائم کی گرہ کھل گئی

سلطان صلاح الدین مسجد اقصیٰ میں ﷺ اسلامی دنیا کے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی محاذ آرائی اور انتشار در انتشار کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے مورچے پر ڈٹے ہوئے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ اب صرف اور صرف عالم اسلام کے دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہو کر رہ گیا تھا۔ صفد اور حصن کوکب کی شاندار فتوحات کے بعد فتوحات کا ایک کٹھن مرحلہ مکمل ہو چکا تھا اس لیے سلطان نے اکثر سپاہیوں کو رخصت دے دی۔ ان کی بڑی تعداد گھروں کو روانہ ہو گئی۔ سلطان کوہستانی سلسلے سے مڑ کر نشیبی علاقوں کی طرف آ گئے۔ قاضی فاضل رحمہ اللہ یہاں سلطان سے رخصت لے کر مصر روانہ ہو گئے اور سلطان انہیں الوداع کہنے گھوڑے پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ دور تک گئے۔ سلطان نے مصری افواج کو بھی واپسی کی اجازت دے دی جو الملک العادل کی کمان میں تھیں۔

اب سلطان صلاح الدین ایوبی اگلی متواتر مہمات سے پہلے ایک بار مسجد اقصیٰ میں نماز عید ادا کرنے کی زبردست خواہش محسوس کر رہے تھے۔ وہ صحرائے بیسان کی طرف آئے اور جمعہ کے دن ذی الحجہ کا چاند نظر آنے پر کوچ کیا۔ اس موقع پر کاتب عماد اصفہانی بیماری کے باعث سلطان سے اجازت لے کر دمشق روانہ ہو گئے جبکہ سلطان اپنے بھائی الملک العادل کے ہمراہ "الغور" کے راستے سے بیت المقدس کی طرف خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ القدس کا ہر ذرہ ان کے دل کی دھڑکنوں کو کھینچ رہا تھا۔

جمعہ 8 ذی الحجہ 584ھ (27 جنوری 1189ء) کو وہ ارض مقدس پہنچ کر مسجد اقصیٰ میں گنبد صخرہ کے سائے تلے نماز جمعہ ادا کر رہے تھے۔ القدس کے در و دیوار اس مجاہد اسلام کو اپنے درمیان پا کر مسرت سے جگمگاتے محسوس ہوتے تھے۔ اتوار کے دن یہیں نماز عید الاضحیٰ ادا کر کے اس مرد خدا نے قبلہ اول کو الوداع کہا کیوں کہ ابھی اسے القدس کی حفاظت کے لیے ان تھک جدوجہد کرنا تھی، بے شمار لڑائیاں لڑنا تھیں۔ قبلہ اول کو دوبارہ کفار کے چنگل میں جانے سے بچانے کے لیے سلطان کو ابھی امتحانات کے کئی سمندر عبور کرنا تھے اس لیے آرام سے بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

بقر عید کے دوسرے دن سلطان شام اور مصر کے درمیان واقع ساحلی شہر عسقلان کے معاینے کے

الکامل فی التاریخ: 10/179

لیے روانہ ہوئے۔ وہاں کے دفاعی انتظامات کے جائزے اور مناسب ہدایات دینے کے بعد انہوں نے اپنے بازوئے شمشیرزن الملک العادل کو عسقلان کی ذمہ داری سے سبک دوش کر کے کرک کی ولایت سونپی اور ساتھ ہی تاکید کی کہ وہ فوراً مصر واپس جا کر وہاں کے انتظامات میں الملک العزیز کی مدد کرے۔
سلطان کے بلند عزائم ﷺ اس کے بعد سلطان نے اپنی فوج کو عسقلان میں چھوڑ کر تھوڑے سے سپاہیوں کے ہمراہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ شمال کا رخ کیا تاکہ عکا تک تمام ساحلی قلعوں اور شہروں کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے کر انہیں بہتر بنایا جاسکے۔ سلطان کے امراء نے انہیں منع بھی کیا کہ وہ اس طرح مختصر سی فوج کے ساتھ ساحلی شاہراہ پر سفر نہ کریں کیونکہ فرنگیوں کی بہت بڑی تعداد صور میں جمع تھی جو زیادہ دور نہیں تھا مگر سلطان کسی اندیشے کو خاطر میں نہ لائے اور ساحلی شہروں کے معاینے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

ساحلی شاہراہ پر اس سفر میں قاضی ابن شداد بھی سلطان کے ساتھ تھے۔ سردی اور طوفانی ہوا کی وجہ سے سمندر میں زبردست تلاطم تھا جسے دیکھ کر قاضی صاحب پر ایک ہیبت طاری ہوگئی۔ وہ سوچنے لگے کہ وہ لوگ کتنے کم عقل ہیں جو چند دیناروں اور درہموں کے لیے سمندر میں سفر کرتے ہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ سلطان نے کہا:

''میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ جب میں ساحل کے باقی شہر بھی فرنگیوں سے واپس لے لوں تو پھر تمام مفتوحہ علاقے اپنے نائبین میں تقسیم کردوں، وصیت لکھوا کر انہیں الوداع کہہ دوں۔ پھر خود سمندر میں نکل جاؤں اور اس کے جزیروں کو فتح کرتا چلا جاؤں یہاں تک کہ اسی مہم میں مجھے موت آجائے یا دنیا میں کہیں بھی کفر باقی نہ رہے۔''

قاضی صاحب فرماتے ہیں یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ سلطان سے بڑا بہادر اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے بے تاب شخص روئے زمین پر موجود نہیں۔

النوادر السلطانیہ: 153، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/59، البدایہ والنہایہ: 12/331
النوادر السلطانیہ: 54۔55

فصل:4

شقیف ارنوم

نئے ہجری سال کا آغاز ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی عکا میں مقیم تھے۔اب محرم 585ھ (فروری 1189ء) برس میں وہ 53 برس کے ہو چکے تھے۔ان کے بالوں کی سیاہی پر سفیدی غالب آ رہی تھی۔ان کے چہرے پر ابھرنے والی تفکرات کی لکیریں اب ہلکی ہلکی جھریوں کی شکل اختیار کرنے لگی تھیں۔جسم وجان کی وہ توانائیاں جس کے ساتھ وہ عمرِ عزیز کا ہر لحہ جہاد کی پر مشقت زندگی میں گزار رہے تھے دھیرے دھیرے کمزور پڑتی جارہی تھیں۔اب یقیناً ان کو آرام کی ضرورت تھی......ایک طویل آرام کی۔مگر حقیقت یہ تھی کہ ابھی ان کی جہادی زندگی کا سب سے شدید اور جاں گسل مرحلہ باقی تھا۔سو اب آرام کی مہلت کہاں تھی۔وہ خطرناک اور مہیب دن ابھی پردۂ غیب میں تھے جن کی صعوبتیں ہڈیوں کا گودا پگھلانے کے لیے کافی تھیں البتہ ان حالات کی تمہید بننے والے واقعات مرحلہ وار تیزی سے سامنے آ رہے تھے۔

عکا میں سلطان نے مصر سے اپنے معتمد امراء بہاؤالدین قراقوش اور حسام الدین بشارہ کو طلب کر کے انہیں عکا کی فصیل، قلعے اور دیگر دفاعی انتظامات کو نا قابلِ شکست بنانے کا کام سونپ دیا تھا کیونکہ ان کی چھٹی حس انہیں خبردار کر رہی تھی کہ عکا اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے مستقبل قریب میں دشمن کے سخت ترین وار کا نشانہ بن سکتا ہے۔سلطان محرم کے اواخر تک عکا میں ٹھہرے رہے۔اپنی موجودگی میں تعمیراتی کام شروع کرا کے مہینے کے آخر میں انہوں نے کوچ کیا۔

یکم صفر (21 مارچ 1189ء) کو سلطان نے دمشق پہنچ کر ملک کے اہم داخلی معاملات پر توجہ دی۔اپنے غلام فارس الدین کو شہروز کا پروانہ حکومت عطا کیا اور دمشق میں اپنے نائب بدرالدین مودود کے منصب کی تجدید کی۔سلطان کچھ دنوں کے لیے طبریہ بھی گئے اور وہاں چند اہم معاملات طے کرنے کے بعد جلد ہی دمشق لوٹ آئے۔

سلطان نے ماہ صفر کے ایام دمشق میں گزارے جہاں ان کا معمول تھا کہ دارالعدل میں بیٹھ کر عوام کی

شکایات اور مقدمے سماعت کرتے تھے۔[1]

سفیرِ بغداد دربارِ سلطانی میں: ایک دن دمشق میں غیر معمولی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ اس دن خلیفۂ بغداد الناصر کے سفیر یہ پیغام لے کر دمشق پہنچے تھے کہ خلیفہ نے اپنے بیٹے ابونصر محمد کو ولی عہد مقرر کر دیا ہے لہٰذا آئندہ جمعہ کے خطبہ میں خلیفہ کے ساتھ ولی عہد کا نام بھی لیا جائے۔[2]

سلطان نے اس حکم پر عمل درآمد یقینی بنایا۔ سفیروں کی آمد کے تیسرے دن جمعہ 13 صفر 585ھ (کم اپریل 1189ء) کو جامع اموی دمشق کے خطیب نے خطبہ دیا تو خلیفہ کے ساتھ ولی عہد کے لیے بھی دعا کی۔

دربارِ خلافت کے سفیروں کی واپسی کا جلوس بھی قابلِ دید تھا۔ سلطان نے شیخ قاسم بن یحییٰ الشہرزوری کو نمائندہ بنا کر خلیفہ کے لیے نادر و نایاب تحائف روانہ کیے تھے۔ ان میں دو چیزیں سب سے عجیب تھیں۔ ایک تو کچھ فرنگی قیدی تھے جنہیں اسی وضع قطع کے ساتھ روانہ کیا گیا جس میں وہ گرفتار کیے گئے تھے۔ وہ اپنی وردیاں اور زرہیں پہنے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر ذلت و خواری چھائی ہوئی تھی۔ دوسرا عجیب تحفہ پیتل کی وہ صلیب تھی جو گنبد صخرہ کی چوٹی پر نصب تھی جس پر سونے کا کام کیا گیا تھا۔ بغداد میں ان تحائف کو حیرت اور دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔[3]

قلعۂ شقیف ارنوم: اب وہ وقت آ گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو صور پر فیصلہ کن حملہ کر دینا چاہیے تھا۔ سلطان خود اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ان کا لشکر از سرِ نو تیار ہو رہا تھا۔ مگر دوسری طرف دشمن نے سلطان کو الجھانے اور ان کا وقت ضائع کرنے کی منصوبہ بندی کر لی تھی اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ساحل پر یورپی افواج اتارنے کی تیاریاں کر لی گئی تھیں۔

اگرچہ بظاہر سلطان صلاح الدین ایوبی کسی طرح وقت ضائع کرتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ پوری طرح متحرک تھے۔ وہ دمشق میں زیادہ دن نہیں رکے۔ 3 ربیع الاول 585ھ (21 اپریل 1189ء) کو نمازِ جمعہ ادا کرتے ہی وہ مغربی ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ''مرج فلوس'' سے ہو کر دوسرے دن ''مرج برغوث'' پہنچے جہاں 11 ربیع الاوّل تک ان کا لشکر جمع ہوتا رہا۔ سلطان نے کوچ کیا تو پہلے ''بانیاس'' اور پھر ''مرج عیون'' پر منزل کی۔

بانیاس سے ذرا دور صور کے راستے میں نصرانیوں کا ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جسے دو سال پہلے ہی تعمیر

---

[1] النوادر السلطانیہ: 154، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/63، الکامل فی التاریخ: 10/180

[2] دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ولی عہد کے اقتدار کی باری آتے آتے 37 سال گزر گئے۔ اس دوران دیگر ملکوں میں کئی کئی حکمران آ کر گزر گئے۔ اس کی ولی عہدی کا اعلان 585ھ میں ہوا اور اس کو خلافت 623ھ میں ملی اور وہ "الظاہر" کے لقب سے خلیفہ بنا مگر جب تک خود اس کے بال سفید ہونے لگے تھے۔ وہ کہتا تھا: "ہم نے دکان اس وقت کھولی جب شام ہو چکی ہے۔" 37 سال کے انتظار کے بعد ملنے والی مسندِ خلافت پر اسے صرف نو ماہ تک بیٹھنا نصیب ہوا کیونکہ اس کی مدتِ حیات اتنی ہی تھی۔

[3] النوادر السلطانیہ: 154، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/65،66

کرایا گیا تھا۔ مسلمان اسے شقیف ارنوم یا حصن ارنون اور عیسائی بالفورٹ کہتے تھے۔ یہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا جس کے دامن میں معیطہ ندی بہتی تھی۔ قلعے کا ایک حصہ پہاڑ کی چٹانیں کاٹ کر اور دوسرا اینٹوں اور پتھروں سے چن کر بنایا گیا تھا۔ نصرانیوں نے اسے تعمیر کرنے میں فن تعمیر کی انتہا کر دی تھی۔ اس قلعے کی بنیادیں ایک مستطیل سطح مرتفع پر رکھی گئی تھیں اور دیواریں گہری گھاٹیوں کے کناروں سے بالکل سیدھی اوپر اٹھائی گئی تھیں۔ ایک جانب سے پانی کے گہرے تالاب اور سطح مرتفع کی طرف سے گہری گھاٹی نے اسے بے حد محفوظ بنا دیا تھا۔ گھاٹی کو مزید خطرناک بنانے کے لیے اس کے دونوں سرے بند کر کے اس میں پانی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس ہیبت ناک قلعے کے سپاہی کسی بھی حملہ آور فوج کو خطرناک ڈھلوانوں سے نیچے دھکیل کر آسانی سے تباہ کر سکتے تھے۔ کوئی فوج اس کے پہرے داروں سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

گھاٹی کے پرے ایک دشوار گزار چوٹی پر 23 فٹ بلند دیوار کا احاطہ تھا جس کے کونوں پر بنائے گئے برجوں سے لبنان، کوہ ہرمون اور ساحل سمندر تک کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ دو سال سے مسلمانوں نے اس نو تعمیر قلعے پر توجہ نہیں دی تھی۔ یہ غفلت خطرناک تھی۔ اس کا قلعہ دار صیدا کا سابق حاکم ریجی نالڈ تھا۔ کرک کے واصل جہنم ہونے والے ریجی نالڈ کا یہ ہم نام شخص حطین کے معرکے سے زندہ بچ نکلنے والے چند اہم عیسائی رہنماؤں میں سے ایک تھا۔

گزشتہ سال اپنے ساحلی شہر صیدا پر سلطان کے حملے کے موقع پر بھی یہ جان بچا کر بھاگ نکلا تھا اور شقیف ارنوم (بالفورٹ) میں مورچہ زن ہو گیا تھا۔ تجربے اور مکر و فریب میں وہ کرک کے ریجی نالڈ سے کم نہ تھا۔ اہلِ عرب کرک کے ''ریجی نالڈ'' کی طرح اسے بھی ''ارناط'' کہتے تھے، شام کے عیسائی امراء میں وہ نہایت ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور ایک دنیا اس کے علم و فہم اور تجربے کی قائل تھی۔ اس کی مکاری کا یہ عالم تھا کہ سلطان صلاح الدین جیسا عبقری انسان بھی اس کے بچھائے ہوئے دام میں آ گیا۔

مرج عیون میں سلطان کو کچھ دنوں تک بہر حال رکنا تھا تا کہ دور دراز کے صوبوں کی افواج یہاں جمع ہو جائیں۔ اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے قدرتی طور پر ہر مسلمان سپاہی یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اس دوران شقیف ارنوم کو فتح اور ریجی نالڈ جیسے خطرناک دشمن کو سرنگوں کر لیا جائے۔ یہی سوچ کر سلطان کے کئی امراء اور سپاہی روزانہ شقیف ارنوم کی طرف جاتے اور اس کے ارد گرد چکر لگا کر لوٹ آتے۔ اس قلعے کو فتح کرنا اس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ یہاں سے صور جانے والے اسلامی قافلوں پر حملے کیے جا سکتے تھے۔ اگر مسلمان اسے چھوڑ کر چلے جاتے تو ان کی خوراک و رسد قلعے کے نصرانیوں کے حملوں کی زد میں رہتی اور ان کی کمک کا نظام بھی متاثر ہوتا۔

ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر قلعے کا محاصرہ کرلیا گیا۔ ریجی نالڈ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان اس کے قلعے کو فتح کیے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے تو اس نے نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے سلطان کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش شروع کردی۔ وہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیمے کے پردے کے سامنے کھڑے ہوکر باریابی کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اسے اندر بلوالیا۔ ریجی نالڈ بہت اچھی عربی جانتا تھا۔ عربی ادب کا مطالعہ کرتا تھا، تفسیر، احادیث اور اسلامی تاریخ سے بھی واقف تھا۔ مشہور تھا کہ اس نے اسلامی تعلیمات سیکھنے کے لیے عالم اور قاری حضرات کو اپنے ہاں رکھا ہوا ہے۔ اسی پس منظر میں سلطان نے اسے بڑی عزت دی اور قریب بٹھا کر خلعت سے نوازا۔ کھانے کی مجلس میں بھی وہ سلطان کے ساتھ شریک رہا۔ مجلس طعام کے بعد ریجی نالڈ نے سلطان سے تنہائی میں کچھ رازدارانہ باتیں کہنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اس نے بڑے عمدہ پیرائے میں سلطان سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”مجھے آپ سے بے حد محبت ہے، آپ کے احسانات کا میں ہمیشہ معترف رہا ہوں۔ میں آپ کا بے دام غلام ہوں۔“

پھر اس نے سلطان کو اطمینان دلایا کہ وہ قلعہ ان کے حوالے کردے گا۔ صرف ایک شرط ہے کہ اسے دمشق میں رہائش کے لیے ایک مکان اور گزراوقات کے لیے کوئی جاگیر دے دی جائے کیوں کہ اتنا بڑا قلعہ مسلمانوں کے سپرد کرنے کے بعد فرنگیوں پر اس کی اسلام دوستی عیاں ہوجائے گی اور وہ اس کے دشمن بن جائیں گے۔ لہٰذا وہ عیسائی معاشرے میں رہنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اتنے اہم قلعے کے بدلے دمشق میں مکان اور کوئی جاگیر دینا کوئی مہنگا سودا نہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے بخوشی اس کی شرط کو مان لیا مگر جب دوران گفتگو قلعہ حوالے کرنے کی تاریخ کا معاملہ سامنے آیا تو اس نے نہایت مسکین صورت بنا کر اپنی مجبوریوں کی فرضی داستان سنائی اور کہا:

”میں تو یہ قلعہ کسی پس و پیش اور تکلیف کے بغیر ہی آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں مگر بات دراصل یہ ہے کہ میرے بیوی، بچے، رشتہ دار اور کچھ قریبی متعلقین ابھی صور میں کونرڈ مارکوئیس کے پاس ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے ابھی سے قلعہ آپ کے حوالے کردیا تو کونرڈ کو میری اور آپ کی خفیہ دوستی کا علم ہوجائے گا اور وہ میرے اہل و عیال اور متعلقین کو عذاب میں ڈال دے گا۔“

پھر اس نے سلطان کی نرم خوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا:

”میری گزارش یہ ہے کہ آپ مجھے اتنی مہلت دے دیں کہ میں اپنے اہل و عیال کو کونرڈ کے چنگل سے چھڑالوں۔ پھر میں اور میرے بیوی بچے سب آپ کے سایۂ عاطفت میں آجائیں گے اور

قلعہ آپ کے حوالے کر دیں گے۔ آپ ہمارے گزارے کے لیے جو جاگیر دیں گے ہم اسی پر قناعت کریں گے۔"

سلطان اس فریبی کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے اسے مہلت دینا منظور کر لیا مگر ساتھ ہی معاملے کی وضاحت کے لیے یہ پوچھ لیا کہ اسے اپنے بیوی بچوں کو صور سے بلوانے میں زیادہ سے زیادہ کتنے دن لگیں گے؟ اس نے تین ماہ کی مدت بتائی۔ معاہدے کے مزید وثوق کے لیے اس نے یہ بھی یقین دلایا کہ وہ آج سے لے کر تین ماہ کی مدت تک روزانہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے گا۔ اس طرح کی بات چیت سے اس نے سلطان کو اپنے مخلص ہونے کا یقین دلا دیا۔ اس کی درخواست پر سلطان نے اسے اس سال اپنے علاقے کی پیداوار وصول کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ یہ سارا معاہدہ وسط ربیع الاول میں طے پایا تھا اس لحاظ سے 18 جمادی الثانیہ کو اس کی مدت ختم ہو رہی تھی۔ ⓐ

فتح شوبک حسن شقیف کے محاصرے کے دوران سلطان کو قلعہ شوبک کی فتح کی خبر ملی۔ یہ عظیم قلعہ کرک کے جنوب میں واقع تھا، سلطان کے سپاہیوں نے ایک سال سے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ کرک کے سرنگوں ہونے کے بعد اس کی تسخیر سے شام سے مصر جانے والی شاہراہ مکمل طور پر محفوظ ہو گئی۔ ⓑ

مغرب سے اُٹھتے ہوئے شعلے وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ سورج روز مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں چھپ رہا تھا۔ چاند کی گردش کسی توقف کے بغیر جاری تھی۔ موسم بہار کے خوشگوار دن ہو رہے تھے اور موسم گرما بادِ سموم کے لشکر لیے چلا آ رہا تھا۔ سلطان شقیف ارنوم کے سامنے یوں رک گئے تھے جیسے ان کے طوفانی دھاووں کا سیلاب کسی غیر مرئی حصار سے ٹکرا کر آگے بڑھنے کے قابل نہ رہا ہو۔

جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے سلطان کا اطمینان بے چینی میں بدل رہا تھا۔ ساحلِ شام کے تشویش ناک حالات سلطان کے سامنے تھے مگر یورپ سے عیسائیت کی مشترکہ یلغار کا خطرہ ان تمام پریشان کن تصورات سے کہیں بڑھ کر تھا۔ یہ وہ بھیانک خواب تھا جو اب حقیقت بننے کو تھا۔ مغرب سے اٹھتے ہوئے جنگ کے شعلوں کی تپش ساحلِ شام تک محسوس ہونے لگی تھی۔ یورپ کسی تنور کی مانند تپ رہا تھا جس کے دھانے سے بلند ہوتے سیاہ دھوئیں کے مرغولے عالمِ اسلام میں دیکھے جا سکتے تھے۔ مغرب سے چلنے والی تند ہوا کا ہر جھونکا آتشیں بگولوں کی مانند گرم تھا۔ بحیرۂ روم کی لہروں میں تلاطم پیدا کرتی ہوئی یہ ہوائیں جب دہشت ناک سرسراہٹ کے ساتھ ارضِ شام کے کوہساروں سے ٹکراتیں تو ان کے دوش پر بپھرے ہوئے صلیبیوں کی وہ بے ہنگم چیخ و پکار بھی اہلِ ہوش کے گوش تک پہنچ جاتی جو یورپ کے طول و عرض سے بلند ہو رہی تھی۔

ⓐ کتاب الروضتین: 4/57، النوادر السلطانیہ، ص: 203، البدایہ والنہایہ 12/335

ⓑ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 82

مہیب طوفان آئے کو تھا...... مگر عالم اسلام کے حکمران پیکرِ مدہوشی اور سراپا خود فراموشی بن کر ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف تھے۔ وسطِ ایشیا میں علاؤالدین تکش اور سلطان شاہ کی محاذ آرائیاں جاری تھیں۔ خلیفہ بغداد نے سلطان طغرل سلجوقی کو ایران کے میدان میں شکست دے دی تھی اور یوں سال گزشتہ سال کی خفت کے داغ دھوتے ہوئے جشنِ فتح منا رہا تھا۔ نصرانیوں سے اسلام کی مدافعت کے لیے، سلطان صلاح الدین ایوبی تنہا سر بکف تھے۔ اگر اس دور میں کوئی ان کی طرح اسلام کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کوشاں تھا تو وہ غوری خاندان کے سپوت غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری تھے جن کے گھوڑے سرزمین ہند میں سرپٹ دوڑتے نظر آتے تھے۔ مگر یہ مجاہد ارضِ فلسطین سے اتنی دور تھے کہ ان کا یورپی سیلاب کی مدافعت کے لیے سلطان کی مدد کے لیے پہنچنا بعید از قیاس تھا۔

<u>**یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا نقارہ**</u>❁ 584ھ (1188ء) کے دوران جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی مملکت کے دفاع کو مضبوط، القدس کی شاہراہوں کو محفوظ اور شام کے ساحلوں کو یورپی فوجوں کے مقابلے میں ناقابلِ تسخیر بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھے، یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا بگل بجا دیا گیا تھا۔ بیت المقدس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے قبضے کی خبروں نے سارے یورپ میں بے چینی کی ایک زبردست لہر دوڑا دی تھی۔ القدس کا لاٹ پادری ولیم صوری راہبوں، مذہبی پیشواؤں اور امراء کے ایک وفد کے ہمراہ سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس، روم پہنچ چکا تھا اور اب پاپائے اعظم کی سرپرستی میں پورے یورپ کا دورہ کر رہا تھا۔ وہ القدس پر سلطان صلاح الدین کے قبضے کی ایسی دردناک منظر کشی کر رہا تھا کہ مجمعے میں شامل سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی آنسو ضبط نہ کر پاتا۔ مسلمانوں کے مظالم کے فرضی افسانوں کے ذریعے یخ بستہ یورپ کو ایک دہکتے آتش فشاں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

یورپ کے مفاد پرست پادریوں اور جنونی راہبوں نے بھی اس اضطراب اور ہل چل کا رخ ایک نئی مذہبی جنگ کی تیاریوں کی طرف موڑنے میں دیر نہ کی۔ تب یورپ کے ہر بادشاہ، شہزادے، نواب، اور کاؤنٹ نے ایک بار پھر اپنے مردہ دلوں میں تسخیر کائنات کے ولولے محسوس کیے۔ سمندر پار کر کے عالم اسلام کو تہ و بالا کر دینے کے ان جذبات نے انہیں ایک ہدف پر جمع کر دیا۔ سرحدی تنازعے اور مملکتوں کے پرانے اختلافات پس پشت ڈال دیے گئے۔ جگہ جگہ پادری جوشیلی تقریریں کرتے نظر آتے تھے۔ نہ صرف شاعر اور گویے دردناک نغموں کے ذریعے عوام کے جذبات کو بھڑکا رہے تھے بلکہ مصور بھی اپنے فن کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اندھی نفرت پھیلانے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ تصاویر بنوا کر یورپ میں اشتعال پیدا کرنے میں صور کا عیار کونرڈ مارکوئیس پیش پیش تھا۔ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ

دنیائے نصرانیت کے لیے القدس کا کلیسائے قمامہ (چرچ سینیٹ جان) عقیدتوں کا مرکز تھا، اسی چرچ میں ایک فرضی قبر ہے جسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر تصور کرتے ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کے بعد یہیں دفن کیا گیا تھا۔(نعوذ باللہ من ذلک) وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر سال خاص تہواروں کے موقع پر یہاں آسمان سے انوارات کا نزول ہوتا ہے۔یہ مزار ان کے نزدیک ایسا محترم ہے جیسے مسلمانوں کے ہاں کعبۃ اللہ۔سونے چاندی کی تختیوں سے آراستہ وپیراستہ اس فرضی مزار کی زیارت کے لیے دنیا بھر کے عیسائی جمع ہوا کرتے تھے۔مسلمانوں نے القدس فتح کرنے کے بعد نصرانیوں کے اس مقدس مقام کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔سلطان ایوبی نے کلیسا کو منہدم کرنے کا سوچا ضرور تھا مگر پھر امراء کے مشورے کے بعد ایسا کوئی قدم اٹھانے سے باز رہے تھے۔کلیسا کا اگر کوئی نقصان ہوا تھا تو اس کا مرتکب خود القدس کا لاٹ پادری تھا جو جاتے ہوئے فرضی مرقدِ مسیح سے سونے کی تختیاں، چاندی کی جالیاں اور کلیسا میں بچھے ہوئے قیمتی قالین تک لپیٹ کر ساتھ لے گیا تھا۔

مگر کونرڈ نے یورپ کے سادہ لوح عوام کو مشتعل کرنے کے لیے یہ مشہور کر دیا کہ مسلمان مزار مسیح کی بدترین توہین کر رہے ہیں۔اس نے ایک بہت بڑی تصویر بنوائی جس میں ایک مسلم گھڑسوار کو قبر مسیح گھوڑوں کے سموں سے پامال کرتے اور گھوڑے کو قبر پر پیشاب کرتے دکھایا گیا تھا۔یہ دیوہیکل تصویر یورپ کے کونے کونے میں گھمائی گئی اور بڑے بڑے جلسوں میں دکھائی گئی۔پادری مصوروں سے ایسی تصاویر بھی بنواتے تھے جن میں ایک عربی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑتے دکھایا جاتا تھا، بعض تصاویر میں یہ منظر پیش کیا جاتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عربی شخص کے ہاتھوں پٹ کر زمین پر گر چکے ہیں اور ان کے بدن سے خون جاری ہے۔لوگ یہ دہشت ناک تصاویر دیکھ کر پادریوں سے پوچھتے:

"یہ کون ہے جو یسوع مسیح کو مار رہا ہے؟"

پادری جواب دیتے:

"یہ عرب کا نبی ہے، جو یسوع مسیح کو مار رہا ہے، دیکھو انہیں کتنے زخم لگا چکا ہے۔اور یہ دیکھو! مسیح اس کے ہاتھوں مر گیا ہے۔"

یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے اور ان کا خون کھولنے لگتا۔[1]

یہ حربے تمثیل پرست نصرانیوں پر ہزاروں جوشیلی تقریروں سے زیادہ اثر کر رہے تھے اور یہ فرضی مناظر ان لوگوں کو رُلانے اور شعلۂ جوالا بنانے کے لیے کافی تھے جو پیدائشی گناہ اور کفارے جیسے گمراہ

[1] الکامل فی التاریخ: 10/183، 184۔ البدایہ والنہایہ: 12/335۔ صلاح الدین ایوبی از باسلامہ ہارییہ: ص 208

کن عقائد کے جال میں پھنس کر نجانے کب سے ضمیر پر جرائم کا بوجھ برداشت کر رہے تھے اور اس سے چھٹکارے کے لیے کلیسا کی کوئی بڑی خدمت کرنا چاہتے تھے......وہ کلیسا جس کے ہاں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت ہی کا دوسرا نام مذہب تھا۔ کلیسائے روم کے پاپائے اعظم نے صلیبیوں کی ہمتیں بلند کرنے کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ مقدس جنگ میں شرکت کرنے والے لوگوں کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس میں حصہ نہ لینے والوں کا نکاح کرنا اور رکھانا، حرام ہوگا۔

نئی صلیبی جنگ کا سب سے زیادہ جوش انگلستان میں تھا۔ کنٹربری کے بڑے پادری بالڈون کی شعلہ نوائی نے وہاں ہلچل مچادی تھی۔ خود انگلستان کا بادشاہ ہنری دوم صلیب کے لیے کٹ مرنے کو تیار تھا۔ فرانس اور انگلستان میں مدتوں سے سخت رقابت چلی آ رہی تھی مگر اس موقع پر بالڈون جیسے مذہبی پیشواؤں کی کوششوں سے ان کے حکمرانوں نے صلیبی جنگ میں ایک دوسرے کا دست و بازو بننے کا عہد کیا اور سارے اختلافات فراموش کر دیے۔

جنگ کے اخراجات کے لیے بہت بڑے پیمانے پر کام ہو رہا تھا، کوئی حکومت تنہا لاکھوں سپاہیوں کے ساتھ سمندر پار کی اس طویل ترین مہم کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتی تھی چنانچہ اخراجات پورے کرنے کے لیے "صلاح الدین عشر" (Saladin Tenth) کے نام سے یورپ میں ایک نیا ٹیکس عائد کر دیا گیا جس کے مطابق ہر شخص کو اپنی دولت کا دسواں حصہ صلیبی جنگ کے لیے دینا لازم تھا۔ اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں تھا حتیٰ کہ یورپ میں آباد یہودیوں سے بھی یہ ٹیکس جبراً وصول کیا جا رہا تھا۔ ٹیکس کی وصولی کے لیے نہ صرف سرکاری سطح پر مہم جاری تھی بلکہ پادریوں نے اس کی ادائیگی کو نہایت مبالغے کے ساتھ لازم قرار دے دیا تھا۔ پادری برملا کہہ رہے تھے کہ جو شخص اس ٹیکس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا وہ دین مسیح سے خارج مانا جائے گا۔ پادری جو خود اس جنگ کی آگ بھڑکا رہے تھے، اپنے مال سے ٹیکس کی ادائیگی میں کچھ پس و پیش کرتے رہے اور کہتے رہے کہ ان کی طرف سے دعائیں ہی کافی ہیں مگر آخر کار انہیں بھی اس ٹیکس میں حصہ ڈالنا ہی پڑا۔

ابھی جنگ کی تیاریاں جاری تھیں کہ فرانس اور برطانیہ پھر دست و گریباں ہو گئے اور صلاح الدین ٹیکس کا کچھ حصہ اس کی نذر ہو گیا۔ پھر اسی جھگڑے میں خود شاہ برطانیہ ہنری دوم اور اس کے نوجوان بیٹے شہزادہ رچرڈ میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی، پھر وقت کی نزاکت کا لحاظ کر کے دونوں نے لڑائی ترک کر دی تا کہ صلیبی جنگ کی تیاری کر سکیں۔ مگر ہنری دوئم خود صلیبی جنگ میں شرکت نہ کر سکا اور کچھ دنوں بعد فوت ہو گیا۔

جب اس کے لڑکے رچرڈ نے تخت سنبھالا تو جنگ کی آگ میں کودنے کے لیے سب سے زیادہ سرگرمی

کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے صلیب اٹھا کر یروشلم کی بازیابی اور مسیحیت کے غلبے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کیا۔ پھر فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس، جرمنی کا حکمران فریڈرک بار بروسا اور سسلی کا فرمانروا ولیم بھی اسی جوش و جذبے کے ساتھ عالمِ اسلام پر چڑھائی کے لیے تیار ہو گئے۔

جنگ کے اخراجات برداشت کرنے میں یورپی بادشاہ، شہزادے اور امراء بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصے لے رہے تھے۔ سب سے نمایاں کردار رچرڈ کا تھا، اس کے جذبے اور ولولے کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنی بڑی بڑی جائیدادیں بیچ ڈالیں، انگلستان کے رئیسوں کو بھاری معاوضے پر ان کے پسندیدہ عہدے فروخت کر ڈالے اور یہ ساری رقم صلیبی جنگ کے لیے وقف کر دی۔ وہ یہاں تک کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی شخص دار السلطنت لندن خریدنے کی استطاعت رکھتا ہو تو میں اسے فروخت کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا اور اس کی قیمت یروشلم کی مہم میں جھونک دوں گا۔[1]

شام اور فلسطین کے نصرانیوں کو یورپ سے جو چندہ مل رہا تھا وہ الگ تھا۔ ابن اثیر الجزری بتاتے ہیں کہ شام کے کچھ عیسائی چار بڑی کشتیوں میں سوار ہو کر بحیرۂ روم کے یورپی جزیروں اور روم سے امداد طلب کرنے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو چاروں کشتیاں چاندی سے بھری ہوئی تھیں۔[2]

تیسری صلیبی جنگ کا آوازہ در حقیقت غیظ و غضب کا ایک طوفان تھا جس نے پورے یورپ کو آن کی آن میں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ نہ صرف شرفاء بلکہ رذیل، بدمعاش، بدکار اور اوباش لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنسی بے راہ روی کے شکار اور شراب و شباب کے رسیا مرد و زن بھی جو یورپ میں شریف و مہذب شمار ہوتے تھے، صلیب اٹھا رہے تھے۔ لچے لفنگے آوارہ اور بھک منگے قسم کے لوگ بھی خود کو "مجاہد" تصور کر رہے تھے۔ عورتیں اس جنگ میں شرکت کے لیے بری طرح بے تاب تھیں چنانچہ اَن گنت عورتیں بذاتِ خود لشکر میں شامل ہوئیں۔ لاکھوں ماؤں نے اپنی اولاد کو اس مذہبی فریضے کی نذر کر دیا۔ جو لوگ جسمانی معذوری یا کسی اور سبب سے اس جنگ میں شرکت نہیں کر سکتے تھے انہوں نے اپنی جگہ دوسرے افراد کو تیار کر کے بھیجا۔ بہت سے لوگوں نے لڑنے والوں کو سرمایہ اور اسلحہ فراہم کر کے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کی۔

ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ نے ایک یورپی سپاہی سے بذاتِ خود سنا کہ وہ اپنی غریب ماں کا اکلوتا لڑکا ہے۔ ان کا کل اثاثہ ایک گھر تھا۔ ماں نے گھر فروخت کر کے اسلحہ اور سامانِ سفر تیار کیا اور اسے جنگ کے لیے بھیج دیا۔

---

[1] ہارالڈ لیمب، ص 442؛ الحیاۃ صلاح الدین، ص 149 [2] الکامل فی التاریخ: 10/184

صلیبی جنگ کی یہ تیاریاں القدس پر سلطان ایوبی کے قبضے کے چند ماہ بعد شروع ہوگئی تھیں مگر افواج کی باقاعدہ روانگی کا عمل تاخیر کا شکار ہوتا گیا۔ آخر کار ربیع الثانی 585ھ (مئی 1189ء) میں جب سلطان کو شقیف ارنوم کا محاصرہ کیے ہوئے ایک ماہ گزر چکا تھا، جرمنی کے بادشاہ فریڈرک باربروسا نے اڑھائی لاکھ سپاہیوں کے لشکرِ جرار کے ساتھ سب سے پہلے کوچ کر دیا۔ اس نے ہنگری اور بلغاریہ سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ اور پھر وہاں سے آبنائے عبور کر کے ایشیائے کوچک کے راستے سے شام پر حملہ کرنے کا منصوبہ طے کیا تھا۔ [1]

فریڈرک باربروسا کروسیڈ کے مشہور واعظ ولیم آف ٹائر (ولیم صوری) کی ان جوشیلی تقاریر سے بڑا متاثر ہوا تھا جو اس نے جرمنی میں کی تھیں۔ باربروسا خود مشہور جنگجو تھا، وہ دوسری صلیبی جنگ سمیت چالیس بڑی جنگوں میں شرکت کر چکا تھا، اس نے ایک مجلس میں جرمنی کے امراء اور نوابوں کو جمع کر کے ولیم آف ٹائر کے ہاتھ سے صلیب لی۔ اسی طرح اس کے بیٹے ڈیوک اوف سوابیا، لیوپولڈ آف آسٹریا، برتھولڈ ڈیوک آف مریویا، ہرین مارکوئیس ڈیوک آف بیڈن، کاؤنٹ آف نسو اور دوسرے کئی جاگیرداروں اور سرداروں نے صلیبیں لیں اور مزارِ مسیح کو آزاد کرانے کی قسمیں کھائیں۔ جرمنی میں جنگ کے جوش کی وجہ سے اس قدر لوگ مہم جوئی کے لیے تیار ہوئے کہ انہیں روکنے کے لیے بادشاہ کو خود رکاوٹیں کھڑی کرنا پڑیں، اس نے اعلان کیا کہ صرف وہی شخص مہم پر جا سکے گا جو تین مارک (چاندی کے سکے) ساتھ لے جا سکے۔ اس پابندی کی وجہ سے فوج میں مفلسوں اور آوارہ گردوں کی شمولیت کی روک تھام ہوگئی اور صرف منتخب لوگ جانے کے اہل رہ گئے۔ دراصل باربروسا کو پہلی صلیبی جنگ کی تاریخ یاد تھی اور دوسری صلیبی جنگ کے راستے میں پیش آنے والے مصائب وہ خود جھیل چکا تھا اس لیے جانتا تھا کہ بہت بڑی بھیڑ ساتھ لے جانا بے حد مضر ہے۔ اس کے باوجود اس کی فوج اڑھائی لاکھ افراد تک پہنچ گئی تھی۔

مغربی مؤرخین کے بیانات سے پتا چلتا ہے کہ باربروسا نے روانگی سے قبل سلطان ایوبی کو ایک دھمکی آمیز خط بھی لکھا تھا جس میں نہایت غرور و تکبر کے ساتھ کہا گیا تھا:

> ”پتا چلا ہے کہ آپ نے ارضِ مقدس کو ناپاک کر دیا ہے اور ایک مجرمانہ دلیری کی جسارت کی ہے، ہم شہنشاہِ دائمی اور محافظِ فلسطین کی حیثیت واختیارات کے ساتھ آپ کو بارہ ماہ کی مہلت دیتے ہیں کہ آپ سرزمینِ مقدس کو خالی کر کے نصرانیوں کو مطمئن کر دیں ورنہ ہم جنگ کے لیے آرہے ہیں۔“

اس خط میں اس نے اپنے بارے میں بے سروپا شیخیاں بھگارنے کے بعد اپنے معاون نوابوں

---

[1] الاصل فی التاریخ: 10/183، 184۔ البدایہ والنہایہ: 12/335۔ صلاح الدین لین پول: 161

اور حکام کی فہرست دے کر سلطان کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو ان باتوں سے کہاں دبایا جاسکتا تھا۔ انہوں نے، اس خط کا دوٹوک جواب دیا اور مسلمانوں کی طاقت کا اظہار کرنے اور اپنے معاونین کے نام شمار کرانے کے بعد کھلے لفظوں میں لکھا:

''عیسائی اگر اپنی خیریت چاہتے ہیں تو جو شہر ان کے پاس باقی رہ گئے ہیں انہیں چھوڑ کر واپس چلے جائیں ورنہ وہ شہر بھی ہم اسی طرح بزور قوت فتح کر کے دکھائیں گے۔''[5]

تقدیر کا معاملہ جاری وساری ہے ❊ سلطان اور ان کے امراء یورپ میں مچنے والی ہل چل سے واقف تھے مگر شقیف ارنوم کے محاصرے تک وہ حالات کی باگ ڈور اپنی دسترس میں سمجھ رہے تھے اور انہیں اپنی حکمتِ عملی اور قوتِ مدافعت پر بھی بھروسہ تھا۔ وہ صور کو حریف کا مضبوط مورچہ سمجھنے کے باوجود زیادہ تشویش کی نگاہ سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ قاضی فاضل کا یہ خط جو انہوں نے سالِ گزشتہ کے اواخر میں حصن کوکب کی فتح کے موقع سلطان کے بھائی سیف الدین کو لکھا تھا، اس کا ثبوت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آپ جانتے ہیں کہ اہل یورپ ہماری فتوحات برداشت نہیں کر سکتے اور ہمارے لگائے ہوئے زخموں پر صبر نہیں کر سکتے۔ وہ ان گنت اقوام ہیں اور بے انتہا لشکروں کے مالک ہیں۔ بہر حال اللہ کا دستِ حمایت اہلِ ایمان کے سروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تنگی کو کشادگی سے بدل دے گا۔

مغربی سرحدوں کے ذمہ داروں نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ دشمن نے اپنے معاملات طے کر لیے ہیں، وہ بدی پر اتر آیا ہے۔ فرنگی طیش میں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید طیش میں جلا رکھے۔ انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے، اللہ تعالیٰ انہی کو اس کا ایندھن بنا دے۔ انہوں نے سرکشی کی شمشیر سونت لی ہے مگر کوئی بعید نہیں کہ وہ خود اس کی میان بن جائیں (اور یہ تلواریں انہی کے جسموں میں اتر جائیں) ان کی گمراہ کنندہ جماعتوں نے باہم معاہدے کر لیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے عہد و پیمان کو پورا نہ ہونے دے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اللہ کے بھروسے پر ہی جنگ لڑ رہے ہیں چاہے اس کی ہم میں سکت ہے یا نہیں۔''

صور کے محاذ کے بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اب اس خطے میں صرف 'صور' باقی رہ گیا ہے۔ اگر سمندر اس کا محافظ اور بحری بیڑہ اس کا نگہبان نہ ہوتا تو اسے قابو کرنا آسان تھا اور اس کی سرکشی کا زور ٹوٹ چکا ہوتا۔ بہر حال الحمد للہ وہ لوگ اب کسی قلعے میں نہیں جو ان کا محافظ ہو بلکہ وہ ایک جیل میں ہیں جو انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ وہ

[5] نوادر حیات صلاح الدین ص 150

آزاد ہوتے ہوئے بھی قیدی اور زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہیں۔"

پھر یورپی خطرات کے مقابلے میں وہ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت پر کامل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ سب کچھ اپنی جگہ...... بہر حال تقدیر کا معاملہ جاری وساری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سرگرم ہے۔ وہ چاہے تو ہمیں کئی گنا بڑے لشکروں پر فتح دے دے کیوں کہ ہمیں اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حالیہ فتوحات اس لیے عنایت نہیں کیں کہ ان کا دروازہ بند کر دے اور اس نے امت کو ہمارے ساتھ (جہاد فی سبیل اللہ میں) اس لیے جمع نہیں کیا کہ پھر اسے منتشر کر دے۔"[1]

قاضی فاضل کے طویل مکتوب کے یہ اقتباسات ظاہر کرتے ہیں کہ سال 584ھ (1188ء) کے اختتام اور 585ھ (1189ء) کے آغاز تک مسلمانوں کو ساحلوں پر اپنی گرفت کی مضبوطی کا یقین تھا۔ عمالِ حکومت یورپی یلغار کے خطرات کے احساس اور مدافعانہ تیاریوں میں سرگرمی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور اعتماد کی دولت سے مالا مال تھے اور صور کا محاذ بھی ایسا نہیں تھا جسے مسلمان اپنی دسترس سے باہر تصور کر رہے ہوں مگر شقیف ارنوم کے محاصرے میں جو طویل وقت ضائع ہوا، اس نے حالات پر مسلمانوں کی گرفت مضبوط نہ رہنے دی۔ انہیں ریجی نالڈ کے مکروفریب کا اندازہ دیر سے ہوا۔ اور جب ہوا تو نہ صرف صور پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا بلکہ عکا کی حفاظت بھی مشکل ہو گئی تھی۔

فرنگی فریب دیتا رہا: دن تیزی سے گزرتے گئے، مگر لشکر اسلام شقیفِ ارنوم سے کچھ فاصلے پر بے حس وحرکت پڑا تھا۔ غالباً جنگوں کے ایک طویل سلسلے کے اختتام اور خوں ریز معرکوں کے ایک نئے باب کے آغاز سے پہلے قدرے راحت کے ان دنوں کو ہر شخص غنیمت سمجھ رہا تھا۔ ریجی نالڈ کو سلطان کی جانب سے دی جانے والی مراعات میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ محاصرہ بھی درحقیقت برائے نام ہی تھا۔ کیوں کہ شقیف ارنوم کے بند دروازے روزانہ کھول دیے جاتے تھے۔ مسلمان سپاہی تو معاہدے کی پاسداری کے تحت شہر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر عیسائی اپنی ضروریات کی اشیاء خریدنے اور قابلِ فروخت سامان بیچنے کے لیے بلا تکلف سلطان کی لشکرگاہ اور اس سے ملحقہ بازار میں آ جاتے تھے۔ اس بازار میں ہر وقت ان کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ سلطان کی جانب سے دی گئی اس غیر معمولی سہولت کی وجہ سے شقیف ارنوم کے باسیوں کو خوراک ورسد کی کوئی کمی نہیں رہی تھی بلکہ قلعے کے غذائی گودام پہلے سے بھی زیادہ بھر چکے تھے۔ ریجی نالڈ قلعے، فصیل اور دیگر دفاعی انتظامات کو چپکے چپکے مضبوط تر بنا رہا تھا اور مزید اسلحہ بھی خرید خرید کر جمع کر رہا تھا۔

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/54 تا 55

گزرتے دنوں کے ساتھ سلطان کے بعض امراء کو ریجی نالڈ پر شک ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ مکروہ فریب سے مسلمانوں کا وقت ضائع نہ کر رہا ہو۔ انہوں نے سلطان کو بھی اس طرف توجہ دلائی اور کہا:

"شاید ریجی نالڈ ہمیں یہاں ٹھہرا کر صور میں یورپی افواج کی آمد کا راستہ کھلا رکھنا چاہتا ہے۔"

مگر سلطان کے خیال میں اب تک ریجی نالڈ سے حسن ظن کی گنجائش موجود تھی اس لیے انہوں نے شروع میں احتیاط پسند امراء کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ دراصل ریجی نالڈ نہایت عیاری کے ساتھ یہ ظاہر کرنے لگا تھا کہ وہ مشرف با اسلام ہونے کے لیے تیار ہے۔ وہ بکثرت سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ سلطان کے مقرب علماء کی مجلسوں میں بیٹھتا اور ان سے اسلام کے بارے میں سوالات پوچھتا، مذہبی بحثیں کرتا۔ دربار سلطانی کے اہل علم وفضل اسے اسلام کی حقانیت، توحید کے اثبات اور تثلیث کے بطلان پر دلائل دیتے۔ وہ ان دلائل پر غور کرتا اور مزید سوالات پوچھتا۔ اس طرح وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ مشرف با اسلام ہونے کی منزل کے قریب آتا جا رہا ہے۔[1]

گائی آف لوسگنان کی بدعہدی ❁ اس دوران ایک معاہدے کی پاسداری مسلمانوں کے لیے نئے مسائل کا باعث بن کر سامنے آ گئی۔ سلطان صلاح الدین نے ڈیڑھ سال پہلے حطین کے تاریخی معرکے میں شاہ یروشلم گائی کو گرفتار کیا تھا۔ بعد میں القدس کی فتح سے قبل عسقلان کے محاصرے کے دوران سلطان نے اسے ترغیب دی کہ وہ اہل شہر کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر لے۔ سلطان کے کہنے پر اس نے عسقلان مسلمانوں کے حوالے کرا دیا تھا اور سلطان نے بدلے میں وعدہ کیا تھا کہ اسے اگلے سال رہا کر دیا جائے گا۔

584ھ (1188ء) کے موسم گرما میں جبکہ سلطان شمالی شام کے ساحلوں کو فتح کر رہے تھے گائی کی بیوی ازابیلا نے سلطان کو یہ وعدہ یاد دلایا۔ ازابیلا القدس کی فتح کے موقع پر گرفتار ہوئی تھی، سلطان نے اسے آزاد کر دیا تھا مگر وہ خود اپنی خوشی سے اپنے شوہر کے پاس دمشق کے قید خانے میں منتقل ہو گئی تھی۔ اس نے وقت آنے پر سلطان کو وعدہ یاد دلایا تو سلطان نے ذرا بھی تاخیر نہ کی۔ گائی کو اس کے دس ساتھیوں سمیت طرطوس طلب کیا اور اس وعدے کے ساتھ آزاد کر دیا کہ وہ آئندہ مسلمانوں سے نہیں لڑے گا۔

مگر گائی نے رہائی کے بعد سلطان کے حسنِ سلوک اور فراخدلی کا یہ بدلہ دیا کہ فوراً مسلمانوں سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ جہاں جاتا، نصرانیوں کو سلطان سے مقابلے کے لیے ابھارتا، اس طرح اس نے شکست خوردہ اور بکھرے ہوئے عیسائی سپاہیوں اور رضاکاروں کی بہت بڑی جمعیت کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا۔ پھر اس نے سلطان صلاح الدین کے خلاف ایک بھرپور جنگ شروع کرنے کے لیے صور

[1] النوادر السلطانیہ: 155؛ الکامل فی التاریخ: 10/180، 181؛ تاریخ ابن خلدون: 5/313

جا کر کونرڈ مارکویس سے اتحاد کا فیصلہ کیا اور ساتھ ساتھ اپنی فریاد یورپی حکمرانوں تک پہنچا کر ان سے بھی فوری مدد طلب کی۔ گائی اور ازابیلا کی یہ وعدہ خلافی سلطان کے لیے حد درجے اذیت ناک تھی، خصوصاً ان کا صور میں کونرڈ سے اتحاد کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نہایت ضرر رساں ثابت ہو سکتا تھا۔

شقیفِ ارنوم کے سامنے ڈیرے ڈالے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ ہو گیا کہ گائی کی طرح ریجی نالڈ بھی مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کر رہا ہے مگر سلطان اصولوں کے پابند انسان تھے۔ اگر ریجی نالڈ سے معاہدہ نہ ہو چکا ہوتا تو وہ شقیف ارنوم کو بزورِ شمشیر فتح کی سر توڑ کوشش کر ڈالتے مگر ایک مسلمان حکمران کی حیثیت سے وہ اسلامی تاریخ کو بد عہدی کے دھبوں سے بدنما نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ سلطان قلعے کو اس حال پر چھوڑ کر صور کی طرف کوچ کر دیتے جہاں گائی اپنی فوج کے ساتھ کونرڈ کی مدد کے لیے پہنچ چکا تھا اور دونوں کے مل جانے سے نصرانیوں کی ایک بڑی قوت وجود میں آ چکی تھی مگر شقیف ارنوم کو اس حالت پر چھوڑ کر آگے جانے سے دمشق اور دیگر شہروں سے سلطان کی کمک و رسد کا راستہ جو بانیاس کے بعد شقیف ارنوم کے قریب سے گزرتا تھا بند ہو سکتا تھا۔ ریجی نالڈ سلطان کے جانے کے بعد اس راستے کو مسدود کر کے سلطانی افواج تک کمک کی رسائی مشکل بنا سکتا تھا۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے یہاں سے کوچ کر جانے کے بعد ریجی نالڈ کو انطاکیہ اور طرابلس سے مدد ملنے لگے۔ اس کے علاوہ یورپی افواج بھی انطاکیہ یا طرابلس کی بندرگاہوں پر اتر کے شمالی شام سے ہوتے ہوئے شقیف ارنوم پہنچ سکتی تھیں۔ حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ کی جانب سے بھی خطرات لاحق تھے جس سے سلطان کا ہشت ماہی معاہدہ عن قریب ربیع الثانی 585ھ میں ختم ہو رہا تھا اس لیے سلطان کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ انطاکیہ کی جانب سے اسلامی شہروں پر حملے شروع نہ ہو جائیں۔ دوسری طرف جرمنی کے حکمران فریڈرک باربروسا کی یورپ سے عالم اسلام کی جانب روانگی کی خبر بھی مشہور ہو چکی تھی۔ اِدھر ریجی نالڈ بھی پاؤں کی زنجیر بن چکا تھا۔ اس الجھی ہوئی صورتحال میں سلطان ایوبی اور ان کے امراء کوئی فوری فیصلہ نہ کر سکے۔[1]

خاصی سوچ بچار کے بعد سلطان نے سب سے پہلے انطاکیہ کی طرف توجہ دی اور فقیہ عیسیٰ الہکاری کو حماۃ بھیج کر تقی الدین عمر کو پیغام دیا کہ وہ اپنی اور مشرقی صوبوں کی افواج کو لے کر انطاکیہ کے سامنے اس طرح ناکہ بندی کر لے کہ عیسائی اس جانب سے شام کی طرف نہ بڑھ سکیں۔ انطاکیہ سے معاہدہ ختم

[1] النوادر السلطانیۃ: 156، صلاح الدین لین پول 172، صلیبی جنگیں ہیرلڈ لیمب 144

تاریخوں کے مطابق ہوا تھا جس کی میعاد یکم اکتوبر 1188ء سے 31 مئی 1189ء تک (8 شعبان 584ھ سے 13 ربیع الثانی 585ھ) تھی۔ تقی الدین عمر نے مدت معاہدہ ختم ہونے سے پہلے پہلے انطاکیہ کے قریب اسلامی سرحدوں پر فوج کی دیوار کھڑی کردی اور یوں کم از کم ایک جانب سے سلطان کی تشویش دور ہوگئی۔ یہ مدافعتی دیوار کھڑی کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ جرمن فوج کی آمد کا متوقعہ راستہ یہی تھا۔ اگر یہاں مضبوط دفاعی انتظامات نہ ہوتے تو چند ماہ کے اندر کسی بھی وقت فریڈرک باربروسا اڑھائی لاکھ سپاہ کے ساتھ دمشق تک پہنچ سکتا تھا۔ اب سلطان کے ساتھ شقیف ارنوم میں صرف ان کی شامی افواج رہ گئی تھیں چنانچہ انہوں نے تقویت کے لیے آمد کے گورنر قطب الدین سکمان کو طلب کرلیا۔ وہ سلطان کا حکم ملتے ہی اپنی فوج اور سامان حرب کے ساتھ شقیف ارنوم پہنچ گیا۔ ❶

گائی اور کونرڈ: حسن شقیف کے محاصرے میں سلطان کی طویل مشغولیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شام کے ساحلوں پر نصرانیوں کی قوت منظم ہوچکی تھی۔ کونرڈ نے صور کے اندر مورچہ بندی کرلی تھی جبکہ گائی شام کے منتشر صلیبیوں کو جمع کرکے صور کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ کونرڈ اور گائی دونوں سلطان کے خلاف لڑنے کے نکتے پر متفق تھے، دونوں کا مقصد ایک تھا مگر کونرڈ مارکویس کو گائی کا دوبارہ شاہِ یروشلم بننا گوارا نہیں تھا۔ اس لیے اس نے احتیاطاً گائی کے لیے صور کے دروازے نہ کھولے اور اس کی فوج کو باہر ہی ڈیرے ڈالے پڑے رہنے دیا۔ اگرچہ گائی نے کونرڈ کو پے درپے پیغامات بھیجے کہ وہ اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے مگر کونرڈ نہایت چالاک انسان تھا۔ اس نے جواب میں صاف کہہ دیا:

> ''میں یورپی ہوں، یورپ کے بادشاہوں کا تابع دار ہوں، انہوں نے اب تک مجھے اجازت نہیں دی کہ میں یہ شہر آپ کے حوالے کردوں۔''

دونوں میں مذاکرات کے کئی دور چلے۔ آخر طے ہوا کہ گائی کو صور میں داخل کرنے کی بجائے مارکویس اپنی فوج کو صور سے باہر لے آئے گا اور دونوں فوجیں جمع ہوکر صور سے صیدا کی طرف بڑھتی چلی جائیں گی اور مسلمانوں کے ساحلی شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے القدس کا رخ کیا جائے گا۔ جمادی الاولیٰ 585ھ (جون 1189ء) کے آغاز میں فرنگی صور سے نکل کر صیدا کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے صور اور صیدا کے درمیان رابطہ برقرار رکھنے والے پل پر قبضہ کرلیا اور یوں صیدا کے محاصرے میں آنے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ سرحدی سپاہیوں نے یہ دیکھ کر فوراً سلطان کو اطلاع روانہ کردی۔ ❷

---

❶ النوادر السلطانیہ: 156، کتاب الروضتین 4/ 69، صلاح الدین لین پول 173۔ لیمی جنگیں، ہیرلڈلیمب 148
❷ النوادر السلطانیہ: 156، کتاب الروضتین: 4/ 76،75، الکامل فی التاریخ: 10/ 181

فرنگیوں کی صیدا پر قبضے کی کوشش ٭ مخبر پیر 17 جمادی الاولیٰ 585ھ کو سلطان کے پاس پہنچا۔ سلطان نے یہ تشویش ناک خبر سنتے ہی فوج کے ایک حصے کو ہمراہ لیا اور اسی دن عقب اور اطراف کے تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے صیدا کی محافظ گشتی فوج کی امداد کے لیے لپکے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مجاہدین اسلام فرنگیوں کے ہراول سے زوردار ٹکر لے چکے ہیں۔ تفصیلات میں انہیں بتایا گیا کہ فرنگیوں کا ایک دستہ پل عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، سلطان کے گشتی سپاہیوں نے بروقت مدافعت کی تیاری کر لی اور پل کے آگے پہاڑی علاقے کی ایک تنگ گھاٹی میں انہیں روک لیا اور خوں ریز لڑائی شروع ہو گئی۔

سلطان کے غلام ایبک الاخرش نے گھمسان کی جنگ کے دوران بہادری کے حیرت انگیز کارنامے دکھائے۔ لڑتے لڑتے وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر فوراً ایک چٹان پر چڑھ گیا اور کمان سے دشمن پر تیر برساتا رہا، جب تیر ختم ہو گئے تو وہ تلوار لے کر فرنگیوں کے جتھے پر ٹوٹ پڑا اور ان کی ایک بڑی تعداد کا جر مولی کی طرح کاٹ دیا، یہ دیکھ کر فرنگیوں نے ہر طرف سے اسے گھیر لیا اور یوں یہ مرد مجاہد لڑتے لڑتے مقام شہادت کو پہنچا۔ مسلمانوں کی بہادری اور بے جگری کے سامنے فرنگیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بے شمار لاشیں چھوڑ کر واپس بھاگ گئے، بہت سے گرفتار کر لیے گئے جبکہ بہتوں نے جان بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگا دی مگر ان کی اکثریت غرق ہو گئی۔ اس معرکے میں الاخرش کے سوا مسلمانوں کا کوئی فرد شہید نہیں ہوا۔ سلطان کو اخرش کی شہادت کا گہرا صدمہ تھا، تاہم انہیں یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ مجاہدین کے حوصلے بلند ہیں اور صیدا پر دشمن کا قبضہ نہیں ہو سکا۔ [1]

بے فائدہ جوش و خروش اور اس کا نقصان ٭ بدھ 19 جمادی الاولیٰ (جولائی 1189ء) کو سلطان چند خواص کے ساتھ دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے نکلے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ پل کی طرف جا رہے تھے کہ عرب اور خراسانی مجاہدین کا ایک بڑا گروہ ہمراہی کا شرف حاصل کرنے کے شوق میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ سب کے سب پیدل تھے اور دور دراز کے علاقوں سے سلطان کے پرچم تلے رضاکارانہ طور پر لڑنے یہاں آئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں لڑنا وہ اپنی سب سے بڑی خوش نصیبی تصور کرتے تھے۔ اس وقت سلطان کو محاذ کی طرف جاتا دیکھ کر انہیں غلط فہمی ہو گئی تھی کہ سلطان کسی معرکے میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ حالاں کہ ایسا ہوتا تو سلطان کی رکاب میں فوج ضرور ہوتی۔ سلطان نے انہیں ساتھ چلتے دیکھا تو چاہا کہ انہیں واپس کر دیں کیوں کہ اس کٹھن پہاڑی راستے پر پیدل جانا دشوار تھا اور پھر اتنے آدمیوں کا خواہ مخواہ ساتھ چل پڑنا بالکل فضول تھا مگر اتنی دیر

[1] النوادر السلطانیہ: 157، الکامل فی التاریخ: 10/181

میں یہ مجاہدین تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ وہ جوش سے لبریز تھے اور ان فرنگیوں کو مزہ چکھا دینا چاہتے تھے جنہوں نے پل عبور کر کے ادھر گھسنے کی ہمت کی تھی۔ امیر کی اجازت کے بغیر ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ لوگ اندھا دھند آگے بڑھتے ہوئے پل کی طرف چلے گئے۔

سلطان نے یہ دیکھ کر خطرہ محسوس کیا اور چند امراء کو ان کی طرف دوڑایا کہ وہ انہیں واپس بلا لائیں مگر مجاہدین نے جوش کے عالم میں کسی بات پر کان نہ دھرا اور آگے ہی آگے نکلتے چلے گئے۔

پل کی دوسری جانب خیمہ زن فرنگی دور سے مجاہدین کو پیش قدمی کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہیں صرف یہ خدشہ تھا کہ کہیں آنے والے مسلمانوں کے پیچھے مزید فوج نہ ہو۔ مگر جب چند لمحوں بعد مخبروں نے آ کر بتایا کہ ان کی پشت پر دور دور تک مسلمان سپاہی موجود نہیں ہیں تو فرنگی بے خطر ہو کر مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ادھر سے یہ مجاہدین بھی پل تک پہنچ چکے تھے، اس جگہ زوردار معرکہ شروع ہو گیا۔ بہت سے مجاہدین پل پار کر کے دشمن کی صفوں میں گھس گئے تھے مگر چوں کہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور دشمن پوری طرح چوکس تھا اس لیے جلد ہی یہ ہر طرف سے گھر گئے۔

سلطان ابھی معرکۂ کارزار سے خاصی دور تھے، انہیں اس خطرناک صورتحال کا فوراً علم نہ ہو سکا۔ البتہ وہ امراء اور سپاہی جنہیں سلطان نے مجاہدین کو واپس بلانے کے لیے بھیجا تھا، کچھ دیر بعد میدان جنگ تک پہنچ گئے۔ وہاں مجاہدین کو گھرا ہوا دیکھ کر وہ کف افسوس ملنے لگے۔ کیوں کہ دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان چند افراد کی شرکت سے مجاہدین کو کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ کچھ دیر کے شدید کشت و خون کے بعد اکثر مجاہدین گرفتار ہو گئے جبکہ 180 مجاہدین لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان میں سے بہت سے نامی گرامی مجاہدین بھی تھے جن کے جہادی کارنامے شام کے عوام و خواص میں مشہور تھے۔ ان میں امیر غازی بن سعد نامی ایک خوبصورت نوجوان بھی تھا جسے اس کے والد نے جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جوان بیٹے کی شہادت پر اس بلند ہمت باپ نے ایک آنسو بھی نہ ٹپکایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ ان بہادر جوانوں نے شہید ہوتے ہوتے فرنگیوں کا خاصا نقصان کیا تھا، ان کے حملے سے کئی فرنگی دریا میں ڈوب گئے اور درجنوں قتل ہوئے جن میں المانیا (جرمنی) کا ایک نامور سالار فوج بھی شامل تھا۔ ①

فرنگیوں کی صور کی طرف پسپائی اور سلطان کی معسکر کو واپسی ☆ 180 مجاہدین کی شہادت کا زخم ایسا نہ تھا کہ سلطان اسے آسانی سے نظر انداز کر دیتے۔ انہوں نے اس سانحے کے بعد مجلس مشاورت طلب کی اور فرنگیوں کے خلاف جوابی کارروائی کے لیے تجاویز پر بحث کی۔ طے یہ ہوا کہ اب مسلمان

① اعلام سلاطین: 167، [illegible] 182/10

آگے بڑھیں اور صیدا اور صور کا درمیانی پل عبور کر کے فرنگیوں کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیں۔
لیکن ابھی مسلمان اس حملے کی تیاریاں مکمل نہیں کر پائے تھے کہ فرنگیوں کو خطرے کا احساس ہو گیا، انہوں نے پل کے قریب سے خیمے اکھاڑ لیے اور تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے صور کی فصیلوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ پل سے صور شہر کا فاصلہ تین چار میل کے لگ بھگ تھا، اس لیے فرنگیوں کو صور تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ اب وہ مضبوط فصیلوں کی اوٹ میں سلطان کے فوری حملے سے محفوظ ہو چکے تھے۔ یہ دیکھ کر سلطان نے جنوب کا رخ کیا اور تبنین سے ہوتے ہوئے تیزی سے عکا پہنچ گئے۔ عکا میں چند روزہ قیام کے دوران سلطان نے شہر پناہ کی مرمت اور نئے دفاعی و تعمیراتی کاموں کی رفتار کا جائزہ لیا۔ سلطان کو خدشہ تھا کہ دشمن کا آئندہ خطرناک ترین وار اسی شہر پر ہو گا لہٰذا وہ اس بارے میں بہت سنجیدہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ صور میں محصور دشمن پر ضرب کاری لگانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے مگر چوں کہ معسکر سے زیادہ دنوں تک دور رہنا مناسب نہ تھا اس لیے سرِ دست سلطان مرج عیون لوٹ آئے جہاں حسن شقیف کا محاصرہ کرنے والی فوج کا پڑاؤ تھا۔ [1]

<u>جنگل میں فرنگیوں سے مقابلہ</u> ہفتہ 6 جمادی الثانیہ 585ھ (22 جولائی) کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ صور کے فرنگی خطرہ ٹلتے دیکھ کر شہر پناہ سے باہر نکلنے لگے ہیں اور ان کا ایک بڑا گروہ ایندھن کے لیے لکڑیاں کاٹنے اور چارہ جمع کرنے کے لیے تبنین کے جنگلات میں پھر رہا ہے۔ سلطان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی پشت پر گھڑ سوار سپاہیوں کی خاصی تعداد بھی موجود ہے۔ یہ خبر پاتے ہی سلطان صلاح الدین نے دشمنوں کو شدید نقصان پہنچانے کا منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔ وہ خود فوج کے ایک حصے کے ساتھ تبنین روانہ ہو گئے اور ساتھ ہی تیز رفتار قاصد عکا کی طرف روانہ کر کے وہاں کی فوج کو حملے کے منصوبے سے آگاہ کیا۔ منصوبے پر عملدر آمد کے لیے پیر 8 جمادی الثانیہ کا دن طے ہوا۔ اس دن سلطان اپنی اور تبنین کی فوج کے ہمراہ تبنین سے آگے پہاڑی سلسلے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے سپاہیوں کو آٹھ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے سے بیس بیس بہترین شہ سوار چن لیے، اس طرح یہ ایک سو ساٹھ سپاہیوں کا دستہ بن گیا۔ بقیہ لشکر کو پہاڑی راستے میں ارد گرد خفیہ مقامات پر مورچہ زن ہونے کا حکم دیا جبکہ ان ایک سو ساٹھ گھڑ سواروں کو تاکید کی کہ وہ آگے بڑھتے چلے جائیں، جب ان کا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو وہ اسے اپنے تعاقب میں لگا کر ان پہاڑی مورچوں کے درمیان میں لے آئیں۔
گھڑ سوار مجاہدین منصوبے کے مطابق آگے روانہ ہو گئے۔ اس دوران سلطان کے حکم کے مطابق عکا

[1] النوادر السلطانیہ:158

کی سپاہ بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ سلطان نے انہیں ہدایت دی تھی کہ وہ حملے کے دوران دشمن کی خیمہ گاہ کے عقب میں پھیل جائیں اور اگر خیمہ گاہ سے کوئی فوج اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے روانہ ہونے لگے تو یہ فوراً خیموں کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیں اور اس فوج کو وہیں الجھالیں۔ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا، سلطان نے ہر گوشے کو ملحوظ رکھ کر اسے ترتیب دیا تھا مگر عین وقت پر خاصی غیر متوقع صورتحال پیدا ہو گئی۔ ہوا یہ کہ سلطان کے گھڑ سوار سرسبز و شاداب جنگل کے اندر گھستے ہوئے دشمن کے قریب پہنچ گئے۔ حریف کے سپاہیوں نے گنتی کے چند مسلمانوں کو سامنے دیکھا تو حملہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد جب جنگ میں شدت پیدا ہونے لگی تو مسلم شہسواروں نے منصوبے کے مطابق اس وادی سے نکل کر ان مورچوں کی جانب پسپا ہونے کی کوشش کی جہاں لشکر کا بڑا حصہ چھپا ہوا تھا۔

عرب کے قبیلہ ربیعہ بنی طے کے چار نامور امراء اس وقت مسلمانوں کے آگے آگے تھے مگر وہ اس پہاڑی علاقے سے ناواقف تھے، وادی سے نکلنے کی کوشش میں انہوں نے نشیبی راستے پر گھوڑے دوڑا دیے، ان کی دیکھا دیکھی سپاہیوں کی اکثریت نے بھی اسی طرف کا رخ کیا حالاں کہ واپسی کا راستہ وادی کی بلندی کی طرف تھا۔ فرنگیوں نے مسلمانوں کو نشیبی راستے کی جانب جاتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ جری ہو کر ان کے پیچھے لپکے اور انہیں وادی کے ایک تنگ گوشے میں گھیر لیا جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر مسلمان بھی وہیں مقابلے پر ڈٹ گئے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ ادھر نصرانیوں کی پشت پر موجود فوج بھی ان کی مدد کو پہنچ گئی جن کی قیادت خود گائی کر رہا تھا۔ اب مٹھی بھر سرفروشوں کے لیے بڑی خطرناک صورتحال پیدا ہو گئی تاہم وہ شوقِ شہادت سے سرشار ہو کر لڑتے رہے۔ دشمن اپنی عددی برتری کی بنا پر آہستہ آہستہ ان کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث مٹھی بھر مسلمان کئی حصوں میں تقسیم ہو گئے، اور ہر ٹولی اپنی اپنی جگہ شمعِ اسلام پر نچھاور ہونے کے لیے پروانہ وار لڑنے لگی، اس دوران کچھ مجاہدین یہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح گھیرا توڑ کر ادھر ادھر نکل جائیں۔ ان میں سے کئی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئے مگر ان کی اکثریت غروبِ آفتاب تک دشمن کے نرغے میں تھی۔ [1]

جان توڑ مقابلہ کرنے والوں میں عرب مجاہدین سب سے نمایاں تھے، ان میں ربیعہ بنو طے کے چاروں معزز امراء بھی شامل تھے۔ انہوں نے آخری سانس تک مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

عرب مجاہدین اور ایبک الساقی ﷫ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک ماہر نشانہ باز غلام ایبک الساقی

[1] النوادر السلطانیہ: 159، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/76، الکامل فی التاریخ: 10/162

بھی امرائے بنو ربیعہ کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا۔ جب امراء شہید ہو گئے تو ایک الساقی نے گھوڑے کو بلندی کی طرف دوڑایا اور وہاں گھوڑے سے اتر کر ایک بلند چٹان پر چڑھ گیا۔ پھر اس نے کمان سنبھالی اور تاک تاک دشمن پر تیر برسانے لگا۔ اس کا ہر تیر کسی نہ کسی دشمن کو خاک وخون میں لوٹا دیتا، اب بہت سے عیسائی اس چٹان کے گرد جمع ہو گئے۔ سب نے مل کر بڑی بڑی کمانوں سے جنہیں "زنبورک" کہا جاتا تھا، اس تنہا مجاہد کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ایک نے شدید زخمی ہوجانے کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے۔ اس کے تیروں سے بہت سے عیسائی گھائل ہو چکے تھے۔ آخر اس نے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی نصرانیوں کی کمانوں سے نکلے ہوئے کئی تیر اس کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ خون میں نہایا ہوا ایک ایک کٹے ہوئے تنے کی طرح گر پڑا۔ نصرانیوں نے قریب آ کر اس کا معاینہ کیا، اس کا سارا جسم چھلنی ہو چکا تھا اور نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ عیسائی اسے چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ امیر زال نامی ایک خوبصورت اور جری عرب نوجوان بطور خاص بڑھ چڑھ کر دشمن پر وار کر رہا تھا، وہ مانا ہوا شہ سوار تھا، جس طرف گھوڑے کا رخ پھیرتا، نصرانیوں میں تہلکہ مچا دیتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے چند عرب رشتہ دار دیوار بن کر دشمن کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔

اس دوران سلطان صلاح الدین ایوبی نہایت بے چینی سے اپنے ساتھیوں کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ سورج ڈھل چکا تھا اور منصوبے پر عملدرآمد میں غیر معمولی تاخیر ان کے لیے حد درجہ تشویش کا سبب بن رہی تھی۔ شام کے وقت مخبر نے سلطان کو صحیح صورتحال سے آگاہ کیا۔ سلطان نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر کمک روانہ کر دی۔ جب یہ سپاہی محاذ پر پہنچے تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس وقت جنگ میں مصروف مجاہدین دشمن کے آخری اور بھرپور حملوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ موت کو سامنے دیکھ کر امیر زال کا گھوڑا بدک رہا تھا، اس کے چچا زاد بھائی نے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا گھوڑا اسے پیش کر دیا مگر امیر زال جوں ہی اس گھوڑے پر سوار ہوا، یہ بھی بدکنے لگا۔ اس دوران دشمن کو ان عرب مجاہدوں پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا چنانچہ انہوں نے امیر زال اور اس کے تین عرب رشتہ داروں کو وہیں جکڑ لیا مگر اسی لمحے سلطان کی جانب سے کمک کے لیے بھیجے گئے شہ سواروں کی آمد کا شور وغل سنائی دیا جسے سن کر نصرانیوں نے امیر زال اور اس کے بندھے ہوئے تینوں رشتہ داروں کو وہیں شہید کر ڈالا۔ ادھر سلطان کے تازہ دم سپاہی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ حریف کچھ دیر تک قدم جما کر لڑنے کے بعد میدان سے نکل بھاگا۔

مسلمانوں نے تعاقب مناسب نہ سمجھا کیوں کہ اس وقت اپنے ساتھیوں پر توجہ دینے کی زیادہ

ضرورت تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنی شدید اور طویل لڑائی کے باوجود فریقین کا جانی نقصان بہت کم ہوا تھا۔ نصرانیوں کے دس افراد ہلاک اور مسلمانوں کے صرف آٹھ سپاہی شہید ہوئے تھے تاہم زخمیوں کی تعداد بہت تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے سپاہی رات کے ہنگامے میں بھٹک کر ادھر ادھر نکل گئے تھے۔ ان کی فوری تلاش ضروری تھی۔ ان لاپتا افراد میں ایک الساقی بھی شامل تھا جس کے بارے میں سلطان ایوبی بذاتِ خود خاصے فکرمند تھے۔ انہوں نے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے کا چپہ چپہ چھان ماریں اور ہر قیمت پر اس کا سراغ لگائیں۔ یہ سپاہی رات بھر وادی میں گھوم پھر کر شہیدوں اور زخمیوں کو تلاش کرتے رہے۔ جو شہداء مل گئے ان کی تدفین کردی گئی اور زخمیوں کو علاج کے لیے خیمہ گاہ بھیج دیا گیا۔ صبح کے وقت سپاہی وادی کے اس گوشے سے گزرے جہاں چار شہداء اور کئی مردہ نصرانیوں کے درمیان ایک کا وجود کسی مسخ شدہ لاش کی طرح نظر آرہا تھا۔ سپاہیوں نے قریب آ کر دیکھا۔ اس کی سانس بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ حالت اتنی دگرگوں تھی کہ اسے پہچاننا مشکل تھا، سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ اس کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ انہوں نے اسے شہادت کا شرف حاصل ہونے پر مبارک باد دی اور کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ پھر اسے ایک چادر میں اچھی طرح لپیٹ کر دوسرے زخمیوں کی تلاش میں آگے چل دیے۔

اپنی مہم انجام دے کر جب وہ اس جگہ دوبارہ گزرے جہاں انہوں نے ایک کو چھوڑا تھا تو ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کا سانس اب قدرے بحال ہو چکا تھا اور نبض باقاعدہ چل رہی تھی۔ انہوں نے فوراً اسے ایک شربت پلایا جس سے اس کی حالت مزید بہتر ہونے لگی۔ اسے اٹھا کر سلطان کی خیمہ گاہ میں لایا گیا، سلطان کو اس کے زندہ بچ جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ ایک کا علاج جاری رہا اور بہت جلد مکمل طور پر تندرست ہو گیا۔ علامہ ابن اثیر کے بقول:

"اس کے بعد بھی ایک ہر معرکے میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتا رہا۔" ❶

<u>ریجی نالڈ گرفتار</u>:- اگلے دن سلطان مرج عیون کے معسکر میں لوٹ آئے کیونکہ 18 جمادی الثانیہ کو ریجی نالڈ کو دی گئی تین ماہ کی مدت ختم ہو رہی تھی اور تب وہ وعدے کے مطابق قلعہ شقیف مسلمانوں کے حوالے کرنے کا پابند تھا۔ ❷

سلطان اب اپنا معسکر تبدیل کر کے پہاڑی ڈھلوان پر قلعے کے نزدیک پڑاؤ ڈالنے کی تیاری کرنے لگے تاکہ اگر ریجی نالڈ معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو قلعے کا محاصرہ فوری طور پر تنگ کردیا جائے اور

---

❶ النوادر السلطانیہ: 160؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 76، 77؛ الکامل فی التاریخ: 10/ 183
❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 76

وہاں اشیاءِ خورد ونوش کی ترسیل ناممکن بنادی جائے مگر چونکہ ریجی نالڈ کو معسکر کی تبدیلی کے انتظامات سے تشویش ہوسکتی تھی اور وہ اس دوران ہوشیار ہو کر کوئی اور چال چل سکتا تھا اس لیے سلطان نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ وہ فوج کو گرمی کی شدت سے بچانے کے لیے پہاڑ کی بلندی پر لے جانا چاہتے ہیں۔ [1]

آخر کار معاہدے کے اختتام کا وقت آن پہنچا۔ معینہ تاریخ سے تین دن قبل سلطان نے ریجی نالڈ کو بلوالیا اور قلعہ حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس مکار نے ایک بار پھر دھوکہ دینے کی کوشش کی اور نہایت عاجزی کے ساتھ کہا:

"میرے متعلقین اب تک صور سے نکل کر یہاں نہیں پہنچ سکے۔ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے تو اس کی تکمیل بھی فرما دیجیے۔"

اس نے سلطان کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ مارکیس اس کے بیوی بچوں اور ساتھیوں کو صور سے نکلنے کا موقع نہیں دے رہا، ان کی آمد کا کوئی بندوبست ہونے میں مزید وقت لگ جائے گا۔ اس سے پہلے قلعہ مسلمانوں کے حوالے کیا جانا خلافِ مصلحت ہے۔ بہتر ہوگا کہ سلطان مہلت کی مدت ایک سال تک بڑھا دیں۔

مگر اب اس کی چالبازی مخفی نہیں رہی تھی۔ اس لیے سلطان نے اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ تاہم انہوں نے بداعتمادی کا اظہار نہ ہونے دیا اور اسے گول مول جواب دیتے ہوئے نرمی کے ساتھ کہا:

"ہم اس معاملے میں غور وفکر کریں گے اور اپنے امراء کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیں گے۔"

اس کے بعد سلطان نے خیمہ گاہ کو قلعے کے قریب منتقل کرنے کا حکم دیا اور ریجی نالڈ کو اپنے امراء کے سپرد کر دیا گویا اب وہ مسلمانوں کی غیر اعلانیہ حراست میں تھا۔ مسلمانوں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر ریجی نالڈ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ جب اس نے گھبراہٹ کا اظہار کیا تو سلطان کے افسران نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"قلعے کی سپردگی میں دو ہی دن رہ گئے ہیں، اب آپ ہماری حفاظت میں رہیں کیوں کہ قلعہ بھی ہمارے حوالے ہونے والا ہے۔"

ریجی نالڈ کو حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا۔ اپنا انجام سامنے دیکھ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔ کچھ دیر بعد خود پر قابو پایا تو کہنے لگا:

"ہمارا کام سننا اور حکم بجالانا ہے۔"

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 161_162؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 68/4

خیمہ گاہ قلعے کی فصیل کے پاس منتقل ہوئی تو ریجی نالڈ کو بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ بظاہر وہ آزاد تھا مگر خفیہ کارندے ہر آن اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

18 جمادی الثانیہ (3 اگست 1189ء) کو سلطان نے اسے بلوا کر آگاہ کیا کہ مزید مہلت ملنا ممکن نہیں، لہٰذا حسبِ وعدہ قلعہ سپرد کر دیا جائے۔ شاید ریجی نالڈ کو سلطان کے عفو و درگزر پر بہت زیادہ بھروسہ تھا اس لیے اس حالت میں بھی وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے سے باز نہیں آیا جبکہ خود اس کے بچ نکلنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ اس نے سلطان کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ قلعے سے اس کے معتمد پادری کو بلوا لیا جائے، وہ اس کے ہاتھ اپنا رقعہ اندر بھیج دے گا اور اندر محصور لوگ ہتھیار ڈال دیں گے۔ سلطان کے افسران نے پادری کو قلعے سے بلوا کر ریجی نالڈ سے ملوایا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر ریجی نالڈ نے پادری سے کانا پھوسی کی اور اسے یہ تاکید کر دی کہ وہ قلعہ کسی قیمت پر مسلمانوں کے حوالہ نہ ہونے دے۔ چنانچہ پادری کے قلعے میں جانے کے بعد اہلِ قلعہ آمادۂ پیکار نظر آنے لگے۔

اب ریجی نالڈ کا مکر و فریب ثابت ہو چکا تھا۔ سلطان کو اس دغاباز انسان پر سخت غصہ آیا جس کی مکاری اور دروغ گوئی کے باعث مسلمانوں کے تین مہینے ضائع ہو گئے۔ یہ اتنا بڑا نقصان تھا جس کی تلافی اب ممکن نہیں تھی۔ ریجی نالڈ کو اس بدترین جرم کی پاداش میں وہیں قتل کر دیا جاتا تو غلط نہ تھا مگر سلطان نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اسے قید خانے میں ڈال دینے کا حکم دیا، لہٰذا اسے پہلے بانیاس اور پھر 6 رجب 585ھ کو دمشق کے جیل خانے بھیج دیا گیا۔ سلطان نے حصن شقیف کو چند معتمد امراء کے حوالے کر کے انہیں نہایت سخت محاصرے کی تاکید کی اور خود باقی لشکر کے ساتھ سخت ترین معرکوں کا سامنا کرنے کے لیے ساحل شام کی طرف روانگی کی تیاری شروع کر دی جہاں تیسری صلیبی جنگ پوری شدت سے چھڑنے کو تھی۔ [1]

قیصر روم کا دوستانہ مراسلہ: جنگ کے ان ہنگاموں میں بھی سلطان کے ہاں بیرونی وفود سے گفت و شنید اور مراسلہ نگاری کے معمولات جاری تھے۔ اسی سلسلے کا ایک اہم واقعہ قیصرِ روم کے سفیر کی حاضری تھا۔ ان دنوں جب کہ شام سے لے کر یورپ تک کی عیسائی طاقتیں اسلام کے خلاف متحد ہو رہی تھیں روم کی قدیم بازنطینی سلطنت مسلمانوں سے دوستانہ مراسم کی داغ بیل ڈال رہی تھی۔ قسطنطنیہ کا قیصر آئزک (اسحاق فرشتہ صفت) اس روبہ تنزل سلطنت کی بقا کے لیے ضروری سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی یلغار سے مامون رہے۔ اسے اپنے یورپی ہمسایوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بھی ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا۔

[1] الحروب الصلیبیہ: 162، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 70،69، الکامل فی التاریخ: 10/ 181

ممکن ہے یورپ میں صلیبی جنگ کا اعلان ہونے کے بعد اسے یہ خدشہ بھی لاحق ہو گیا ہو کہ صلیبی جم قسطنطنیہ سے گزرتے ہوئے کہیں اس کا تاج وتخت نہ چھین لیں، کیونکہ پہلی صلیبی جنگ میں بھی قسطنطنیہ راستہ بنانے والی صلیبی افواج کا رویہ قسطنطنیہ کے لیے سخت پریشان کا باعث بنا رہا تھا۔ چنانچہ قیصر محسوس ہوا کہ ابھی سے مسلمانوں سے تعلقات بہتر بنا کر وہ اپنی پشت مضبوط کر سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیصر کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہو کہ صلیبی جنگ میں یورپی شکست کھا جائیں گے اور اس کے بعد صلاح الدین کا لشکر صلیبیوں کی مدد کی پاداش میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ قیصر کو ضرور معلوم تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق قسطنطنیہ کے جہاد میں حصہ لینے والوں کے لیے جنت واجب ہے، اسی بناء پر خلفائے اسلام قسطنطنیہ کی فتح کے لیے کئی بار لشکر کشی کر چکے تھے مگر گزشتہ ساڑھے پانچ صدیوں میں ایسی کوئی مہم بوجوہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی، تاہم اب بازنطینی سلطنت انحطاط کی اس انتہا پر تھی کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی بڑا حملہ برداشت نہ کر پاتی۔ اس صورتحال میں قیصر روم نے ان مسلمانوں سے بہتر تعلقات استوار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے اس نے تاریخ میں پہلی بار قسطنطنیہ میں مساجد کی تعمیر کی حوصلہ افزائی کی اور ساتھ ہی مسلم دنیا سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ قیصر کے سفیر رجب 585ھ کے ابتدائی ایام میں مرج عیون کے معسکر میں حاضر ہوئے اور قیصر کا مراسلہ پیش کیا۔ اس میں بنیادی طور پر دو باتیں اہم تھیں:

1- سلطان سے دوستانہ معاہدے کی التماس کی گئی تھی۔

2- اطلاع دی گئی تھی کہ قسطنطنیہ میں مسلمان باشندوں اور تاجروں کے لیے مساجد تعمیر کی جارہی ہیں جن میں علماء، اور قراء کی ضرورت ہے۔

سلطان نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے دوستانہ معاہدے کی پیش کش کا مثبت جواب دینے میں تامل کیا۔ تاہم مساجد کی تعمیر کے ارادے پر بے حد مسرت کا اظہار کیا اور قیصر کے سفیر کے ساتھ ایک عالم دین خطیب، کئی قراء اور مؤذن قسطنطنیہ روانہ کر دیئے۔ نیز ایک خوبصورت منبر بھی بھجوا دیا تاکہ اسے قسطنطنیہ کی جامع مسجد میں نصب کیا جائے۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

''ان لوگوں کے قسطنطنیہ میں داخل ہونے کا دن تاریخ اسلام کا ایک یادگار دن تھا، (مسلم) تاجروں کے ایک جم غفیر نے اسے بچشم خود دیکھا۔ خطیب صاحب منبر پر تشریف فرما ہوئے، مقامی مسلمان باشندے اور تاجر وہاں جمع ہو گئے۔''[1]

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص 202

اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے زیرک اور جہاں دیدہ جرنیل کو شقیف ارنوم سے روانگی میں تاخیر پر تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ریجی نالڈ کا فریب ثابت ہونے اور اس کی گرفتاری کے بعد بھی سلطان نے فوراً کوچ کا اعلان نہیں کیا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ موجودہ معسکر بھی جنگ کے ممکنہ محاذوں یعنی عکا یا صور سے بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ سلطان یہاں سے کسی بھی وقت سوار فوج لے کر صور کے فرنگیوں پر دھاوا بول سکتے تھے۔ اسی لیے کئی ماہ سے اسی معسکر میں رہتے ہوئے وہ چھوٹی موٹی جھڑپوں اور جنگوں کی کمان کرتے آرہے تھے اور مزید کچھ عرصے تک یہ ترتیب جاری رہ سکتی تھی۔

تاہم اس تاخیر کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ان دنوں غالباً سلطان کا محکمہ خبر رسانی مستعد نہیں تھا۔ وہ بعض اہم خبریں بھی معمولی انداز میں پہنچا رہا تھا جس سے سلطان صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے تھے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ فرنگی جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کرتے رہتے ہوں جن سے اصل حقائق مشتبہ ہو جائیں اور سلطان بروقت کوئی صحیح فیصلہ نہ کرسکیں۔ یہ بات بھی طے ہے کہ فرنگیوں کی پوری کوشش سلطان کو دیر تک ساحل سے دور رکھنے کی تھی اور شقیف ارنوم کے عیار قلعہ دار کے ذریعے وہ اس مقصد میں پورے پورے کامیاب رہے تھے۔ مگر اس کے بعد بھی وہ مزید کچھ دنوں تک سلطان کو الجھن میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے۔

ریجی نالڈ کی گرفتاری کے بعد بھی سلطان نے فوری طور پر کوچ کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ وہ اب بھی اس انداز سے سوچ رہے تھے کہ کسی طرح زوردار حملوں کے ذریعے پہلے اس قلعے کو سر کرلیا جائے اور اس دوران جب تک عکا یا صور کے محاذوں پر انتہائی ضرورت نہ پڑ جائے خواہ مخواہ اس محفوظ معسکر کو نہ چھوڑا جائے۔

صور سے گائی کے لشکر کی روانگی اس شش و پنج کے دوران سلطان کو اطلاع ملی کہ صور سے گائی کا لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ سات ہزار فرنگی اس کی قیادت میں "نواقیر" سے ہوتے ہوئے "عکا" کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گائی یہ خوش فہمی نہیں پال سکتا تھا کہ وہ ان سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ عکا کو فتح کرلے گا۔ درحقیقت اس کا منصوبہ یہ تھا کہ یورپ سے آنے والی افواج اور امدادی لشکر اسی مقام پر جمع ہو کر اس کا ساتھ دیں گے اور وہ ان کی مدد سے القدس کی بادشاہت دوبارہ حاصل کرلے گا۔ ابن اثیر کے بقول فرنگیوں کی یہ پیش قدمی 8 رجب کو شروع ہوئی تھی۔

سلطان کے لیے یہ خبر نہایت پریشان کن تھی۔ تاہم یہ اطلاع جس ادھورے انداز سے وصول ہوئی تھی اس سے سلطان کو شبہ ہوا کہ کہیں فرنگی عکا کی طرف محض نمائشی پیش قدمی کرکے انہیں شقیف ارنوم

سے کوچ کرنے پر مجبور نہ کرنا چاہتے ہوں۔ سلطان اس امکان کو اس لیے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں اسکندرونہ میں صلیبیوں اور اپنے پیادہ سپاہیوں میں جھڑپ کی اطلاع بھی مل چکی تھی۔ اگرچہ فرنگیوں کا یہ حملہ ناکام ہو گیا تھا اور ان کے کئی افراد قتل ہوئے تھے مگر یہ خبر ظاہر کرتی تھی کہ دشمن سلطان کی توجہ کو اہم معاملے سے ہٹانے کے لیے ادھر ادھر حملے کر رہا ہے۔ چنانچہ چند دنوں تک سلطان نے مرج عیون کا معسکر نہ چھوڑا۔ تاہم وہ برابر جاسوسوں سے اطلاعات لیتے رہے۔

اتوار 12 رجب (26 اگست) کو انہیں خبر ملی کہ گائی اپنے لشکر کے ساتھ عکا کی جانب نکل چکا ہے، اس کا اصل لشکر 'بصہ' کے چشمے کے پاس خیمہ زن ہے جب کہ اس کے ہراول دستے "زیب" نامی مقام تک پہنچ چکے ہیں۔ [1]

خاصی دیر سے ملنے والی یہ پختہ اطلاع یقین دلا رہی تھی کہ فرنگی بہت جلد عکا پہنچنے والے ہیں اور یہ کہ اب مجاہدینِ اسلام کی وہاں فوری روانگی ناگزیر ہے۔ سلطان نے اسی دن کوچ کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ فوج کے اس حصے کے سوا، جو شقیف ارنوم کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، تمام ساز و سامان اور بھاری آلاتِ حرب بار برداری کے جانوروں اور چھکڑوں پر لاد دیے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مملکت کے تمام صوبے داراں ماتحت حکام کو تاکیدی فرمان روانہ کر دیا گیا کہ وہ امدادی افواج فی الفور روانہ کر دیں۔

ادھر گائی کی فوج بڑے نظم و ضبط کے ساتھ سمندر کے کنارے کنارے صور سے عکا کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان کا بحری بیڑہ جس میں اسلحے کے ذخائر اور خوراک و رسد کا سامان تھا سمندر میں ان کے دائیں ہاتھ پر ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ یہ ساحلی شاہراہ صور اور عکا کے درمیان کئی جگہوں پر نہایت دشوار گزار ڈھلوانوں اور تنگ پہاڑی چڑھائیوں سے گزرتی تھی مگر فرنگی اس سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہوئے، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ اگر راستے میں سلطان کی فوجیں حملہ آور ہو گئیں تو وہ اپنے بحری بیڑے سے مدد لے سکیں گے یا کم از کم اس پر سوار ہو کر صور لوٹ جائیں گے اور مسلمانوں سے محفوظ رہیں گے۔ سمندر سے دور سفر کر کے وہ بحری بیڑے کی مدد نہیں لے سکتے تھے۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 163

[2] النوادر السلطانیہ: 163، الکامل فی التاریخ: 10/184

اَسباقِ تاریخ

- میدانِ جنگ میں ایک ایک لحہ قیمتی ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک گھڑی کی غفلت ایک صدی کا نقصان کر دیتی ہے۔ صور میں اسلامی بحریہ کی ایک شب کی غفلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر اگلی صدی میں جا کر یہ شہر فتح ہوا۔
- جن کو بڑا مانا ہے ان کی کڑوی کسیلی برداشت کرنی چاہیے۔ قوم، ملک وملت اور اداروں کا اتحاد اسی پر منحصر ہے۔ خلیفہ ناصر عمر تجربے اور قابلیت میں سلطان سے کم تھا مگر منصب میں بلند تھا سلطان نے اس کی کڑوی باتیں بھی شکر سمجھیں۔ تب ہی امت کا اتحاد برقرار رہا۔ ورنہ اک نئی خانہ جنگی شروع ہونے میں دیر نہ تھی۔
- جب کوئی بڑا کام ختم ہونے کے قریب ہو تو تھکان کو نظر انداز کر کے اسے مکمل کر لینا چاہیے۔ ورنہ بعض اوقات اسے ازسرِ نو شروع کرنا پڑتا ہے۔ صور کا تجربہ سامنے ہے۔
- جوہر قابل کو تاڑنا اور اس سے کام لینا بہت بڑا ہنر ہے۔ سلطان نے ابن شداد کو پہچانا تو پھر جانے نہ دیا۔
- چھوٹوں سے برائے تحقیق احوال یا برسبیل تذکرہ بھی کوئی ایسی بات چھیڑنا مناسب نہیں جس میں آگے چل کر بڑوں کی برائی کا پہلو سامنے آتا ہو۔ سلطان نے ابن شداد سے بھول کر بھی حج کے قضیے کا کوئی سوال نہ کیا۔ اس میں خلیفہ کی عیب جوئی اور غیبت کا احتمال تھا جو ایک کارِ عبث تھا اور بے ادبی بھی۔
- دشمنوں کے افراد سے کام لینا اعلیٰ درجے کی سیاست ہے۔ ایسے لوگوں پر دل کھول کر خرچ کرنا پڑتا ہے مگر فائدے کے لحاظ سے دوگنا وصول ہو جاتا ہے۔ انطاکیہ میں عیسائی خاتون سلطان کے لیے کام کر رہی تھی۔
- ہمیشہ منصوبے کے مطابق کام نہیں ہوتا۔ ناگہانی حالات پیش آ کر منصوبے کو ملتوی کر دیتے ہیں۔ کوکب کا محاصرہ ناکام جانا اور انطاکیہ اور طرابلس کو فتح کیے بغیر واپس آجانا ناگہانی حالات ہی کی وجہ سے تھا۔

- ماتحتوں کی ذہنی حالت اور بشاشت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ وہ کام بس دکھانے یا رسم نبھانے کے لیے کرنے پر اتر آئیں۔ایسے حال میں کام کروانا وقت اور سرمایے کے ضیاع کے مترادف ہے۔
- رمضان گھر میں یکسوئی سے عبادات کا موسم ہے۔مگر جہاد کا تقاضا ہو تو رمضان کی اعلیٰ ترین عبادت جہاد ہے۔سلطان اس معاملے میں بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے قدم بقدم پیروکار تھے۔
- بشری کمزوریوں سے کوئی خالی نہیں۔رنج وغم، وقتی مایوسی، اعصابی و ذہنی تناؤ جیسے عوارض بڑے بڑوں کو لاحق ہوتے رہتے ہیں۔مخالفین کی سازشوں، سوالیوں کی کثرت اور لوگوں کی ہٹ دھرمی سے سلطان بھی کبھی تنگ آجاتے تھے۔ایسے میں اللہ کا ذکر، اس کے سابقہ احسانات کی یاد، ہمدرد دستوں سے گفتگو اور اللہ والوں کی صحبت طبیعت کو اعتدال پر لانے کے بہترین ذرائع ہیں۔
- تجربہ کار انسان حالات دیکھ کر اندازے لگاتا ہے جو بہت مرتبہ دو اور دو چار کی طرح درست نکلتے ہیں۔خلیفہ اور طغرل کی کشمکش دیکھ کر سلطان نے جو کچھ کہا وہ حرف بحرف ویسے ہی ہوا۔
- دانش مند کبھی عیاروں سے مات کھا جاتا ہے، جھوٹ کو سچ سمجھ لیتا ہے۔ریجی نالڈ کے مسئلے میں سلطان ایسے ہی دھوکے کا شکار ہوئے۔مگر مستقل کامیابی دانش مند کو نصیب ہوتی ہے مکار کی نہیں۔

باب:2

عکا کا میدانِ کارزار

13رجب585ھ(27اگست1189ء)

......تا......

29رجب587ھ(21اگست1191ء)

شخصیات

الملک العادل	....	سلطان کا بھائی اور دست راست
الملک الظاہر	....	سلطان کا بیٹا
الملک الافضل	....	سلطان کا بیٹا
الملک المظافر	....	سلطان کا بیٹا، حاکم بصریٰ
تقی الدین عمر	....	سلطان کا بھتیجا، حاکم حماۃ
سیف الدین مشطوب	....	سلطان کا امیر
ابوالہیجاء السمین	....	سلطان کا امیر
بہاؤالدین قراقوش	....	عکا کا حاکم
فقیہ عیسیٰ	....	سلطان کے مشیر اور سالار
صارم الدین قائماز نجمی	....	سلطان کا کمانڈر۔قلعہ کوکب کا نگران
حسام الدین لؤلو	....	بحریہ کا کمانڈر
سیف الدین یازکوچ	....	سلطان کا سالار
علاؤالدین مسعود	....	حاکم موصل
علی بن عریف	....	نوجوان کیمیادان
عمادالدین	....	حاکم سنجار
سلیمان بن جندر	....	سلطان کا دوست
عزالدین جاولی الاسدی	....	سلطان کا کمانڈر
عزالدین جردیک	....	سلطان کا کمانڈر
حسام الدین لاجین	....	سلطان کا بھانجا، سالار
بدرالدین دلدرم	....	سلطان کا کمانڈر
سنجر شاہ	....	سیف الدین غازی کا بیٹا، ایک دستے کا سالار

عزالدین اسامہ	....	حاکم بیروت
قلج ارسلان	....	سلطانِ ایشیائے کوچک
ابن لاؤن	....	آرمینیا کا عیسائی حکمران
آئزک دی اینجل	....	قیصر قسطنطنیہ
کونرڈ مارکویس	....	صور کا عیسائی حاکم
گائی	....	شام کے نصرانیوں کا بادشاہ
فریڈرک باربروسا	....	جرمنی کا بادشاہ
فریڈرک ڈیوک آف سوابیا	....	باربروسا کا جانشین
ہنری کاؤنٹ اوف شیمپین	....	شاہِ فرانس کا بھتیجا، یورپی نواب
فلپ آگسٹس	....	فرانس کا بادشاہ
رچرڈ	....	برطانیہ کا بادشاہ

فصل:1

محاصرۂ عکا

پیر 13 رجب 585ھ (27 اگست 1189ء) کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے شقیف ارنوم کو محاصرے کی حالت میں چھوڑ کر عکا کا رخ کیا۔ سلطان کے اکثر امراء عکا پہنچنے کے لیے طبریہ کے راستے سے جانے کو ترجیح دے رہے تھے۔ بڑی فوج اور بھاری سامان حرب کے ساتھ سفر کے لیے یہ طویل مگر کشادہ راستہ بہتر تھا مگر سلطان تبنین کی دشوار گزار وادیوں کا مختصر راستہ اختیار کر کے جلد از جلد دشمن کے قریب پہنچنا چاہتے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ دشمن کو راستے میں روک کر اس پر مسلسل چھاپہ مار حملے کیے جائیں اور اس کی پیش قدمی روک دی جائے۔ مگر سلطان ہر معاملے میں اپنے امراء کی رائے ضرور لیتے تھے۔ اس لیے دریافت کیا:

"کیا ہم فرنگیوں کو راستے میں ہی جالیں اور ان کی پیش قدمی کے دوران متوازی چلتے ہوئے ان پر حملے کرتے رہیں یا انہیں ان کے راستے پر چھوڑ کر خود کسی اور راستے سے بسہولت عکا پہنچ جائیں۔"

امرائے فوج نے جواب دیا:

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ فرنگیوں کے متوازی چلنے کی مشقت برداشت کریں کیوں کہ وہ راستہ بڑا پیچیدہ اور تنگ ہے جس پر چلتے ہوئے ہم دشمن کو حسب منشا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ کشادہ راستے سے سفر کیا جائے۔ عکا پہنچ کر ہم ان کے خلاف کارروائی شروع کریں گے اور انہیں فوراً تتر بتر کر دیں گے۔"

سلطان نے کہا:

"فرنگی عکا پہنچ کر زمین سے چپک جائیں گے۔ جب وہ پیادوں کو اپنی دیوار بنا لیں گے اور خندقیں کھود لیں گے تو ہم ان تک رسائی سے عاجز ہو جائیں گے اور شہر خطرے میں پڑ جائے گا۔ پھر ہم نہ تو ان کے قدم اکھاڑ سکیں گے نہ ان کو حسب مراد نقصان پہنچا سکیں گے۔"

تاہم امرائے فوج مصر رہے کہ فی الحال کشادہ سڑک سے آرام دہ سفر اختیار کیا جائے، عکا کا معاملہ بعد میں جا کے دیکھا جائے گا۔ آنے والے وقت نے بتادیا کہ سلطان کی دوراندیش نگاہیں درست دیکھ رہی تھیں۔ وہی ہوا جو سلطان نے کہا تھا۔ فرنگیوں نے عکا کے محاذ پر ایسے قدم جمائے کہ انہیں ہٹانا مشکل ہوگیا۔

بہر حال امراء کے اصرار پر سلطان نے اپنی رائے کے خلاف طبریہ کی شاہراہ پر سفر شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک برق رفتار دستہ تبنین کے مختصر راستے سے آگے روانہ کردیا تا کہ وہ دشمن کے قریب پہنچ کر اس کی نقل وحرکت کی خبریں روانہ کرتا رہے۔

سفر کے پہلے دن دوپہر کے وقت حولہ میں پڑاؤ کیا گیا اور اس کے بعد سلطان نے رات گئے تک مسلسل سفر جاری رکھا۔ منگل 14 رجب کی صبح وہ "منیۃ" نامی قصبے میں پہنچے تو مخبر نے بتایا فرنگی عکا کے سامنے پہنچ چکے ہیں۔

سلطان نے یہاں خوراک ورسد اور بھاری سامان حرب لادنے والے سپاہیوں کو تاکید کی کہ وہ مرج صفوریہ تک پہنچ کر رک جائیں اور تمام سامان اور بھاری آلات وہیں اتار دیں۔ اس کے بعد سلطان تیزی سے آگے بڑھتے گئے۔ مرج صفوریہ میں انہیں اپنی وہ فوج مل گئی جسے انہوں نے تبنین کے راستے روانہ کیا تھا، یہ سپاہی ایک دن پہلے فرنگیوں کے قریب پہنچ گئے تھے اور سرحدی محافظ ٹولیوں کے ساتھ مل کر فرنگیوں کی رفتار کو سست کرنے کے لیے ان پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے تھے۔ مگر دشمن ان کے جھانسے میں نہ آیا اور ان کی پروا کیے بغیر اسی رفتار سے چلتا رہا۔ یہ سپاہی سلطان کی تاکید کے مطابق اب یہاں رک کر دشمن کی نقل وحرکت کا معاینہ اور سلطان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان منگل کی شام "کفرکفا" میں اور فرنگیوں کے عکا پہنچنے کے اگلے دن یعنی بدھ کے روز کو وہ خروبہ پہنچ گئے جہاں سے فرنگیوں کا لشکر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ افق پر عکا کی فصیل تھی اور فصیل کے پیچھے قلعے کے برج پوری وقار سے ایستادہ تھے۔ شہر کے پیچھے نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ [1]

وادئ عکا کا نقشہ: اس سے پہلے کہ ہم عکا کے محاذ پر پیش آنے والے ان خون ریز تاریخی معرکوں کا ذکر شروع کریں جن کا سلسلہ کم وبیش اڑھائی سال تک جاری رہا، مناسب ہوگا کہ اس میدان، ساحل اور شہر کے جغرافیے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ کیوں کہ مطالعے کے اس سفر میں اب ہم خاصی دیر تک اس ماحول میں محصور رہیں گے۔

یہ چھٹی صدی ہجری ہے۔ عکا شام کے ساحل پر کچھ اس طرح واقع ہے کہ اس کے شمال میں تقریباً دو

---

[1] النوادر السلطانیہ: 163، 164

دن کی پیدل مسافت پر صور اور جنوب میں تقریباً دو دن کی مسافت پر حیفا ہے۔ عکا سے صور جانے کے لیے ساحل کے ساتھ ساتھ کا راستہ اختیار کیا جائے تو پہاڑیوں کے دشوار گزار سلسلے کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ سلسلہ کسی زینے کی طرح بتدریج بلند ہوتا جاتا ہے، اس لیے اسے "صور کا زینہ" کہا جاتا ہے۔

صور سے آنے والے قافلے جب ساحل تک پھیلے ہوئے اس پہاڑی سلسلے سے نیچے اترتے ہیں تو انہیں سامنے وادئ عکا دکھائی دیتی ہے جبکہ عکا سے صور جانے والوں کو پہاڑیوں پر چڑھتے ہی دور بلند وبالا پہاڑوں کے پیچھے شمال میں کوہ حرمون کی چٹیل چوٹی نظر آنے لگتی ہے۔ وادئ عکا یا عکا کا میدان ساحل پر لمبائی میں اکیس میل تک شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں یہ صور کی پہاڑیوں اور جنوب میں جبل کارمل کے دامن سے جا لگتا ہے۔ اس کی چوڑائی سات میل سے کم نہیں، جو عکا کی فصیلوں سے شروع ہو کر خروبہ کی پہاڑیوں پر ختم ہوتی ہے۔ اس علاقے میں عموماً موسم معتدل رہتا ہے مگر اگست میں شدید گرمی اور دسمبر سے جنوری تک شدید سردی پڑتی ہے۔

اس وادی میں ہر طرف سبزے کی چادر بچھی رہتی ہے۔ میدان مکمل طور پر ہموار نہیں بلکہ اس میں جگہ جگہ ٹیلے بھی ہیں جیسے تل العجول، تل الکیسان اور تل العیاضہ۔ میدان کے بعض گوشوں میں کھجور، زیتون اور انگور کے باغات ہیں۔ سایہ دار درختوں کی کثرت ہے۔ عکا کی فصیل پر چڑھ کر پوری وادی کا بخوبی نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے میں وادی کے کناروں پر جگہ جگہ کھجور کے درختوں کا سبز حاشیہ بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اس وادی کے جنوبی حصے میں میٹھے پانی کی ایک رو بہتی ہے۔ یہ دریائے عکا ہے۔ عرب اسے "النھر الحلو" کہتے ہیں۔ یہ وادی سے گزرتا ہوا سمندر کی طرف چلا جاتا ہے اور آگے پانچ چھ شاخوں میں تقسیم ہو کر اپنا آبِ شیریں ان دلدلوں کی نذر کر دیتا ہے جو سمندر تک چلی گئی ہیں اور جن میں جگہ جگہ سبز سرکنڈوں کے جھنڈ چوکس سپاہیوں کی مانند کھڑے نظر آتے ہیں۔ میدان کے جنوبی حصے کا ساحل ریتیلا ہے۔ یہاں سمندر کا پانی ساحل کو کاٹ کر ایک کمان کی مانند مڑتا ہوا خشکی میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ کمان دار خلیج کوہِ کارمل کے دامن تک پہنچ گئی ہے۔ [1]

شہر عکا کا نظارہ: ساحل پر عکا کا تاریخی شہر ہے۔ پہاڑ کی مانند پر ہیبت اور کسی چٹان کی طرح ٹھوس یہ ساحلی شہر خشکی کی ایک لمبی اور پتلی پٹی پر آباد ہے جو زمین سے الگ ہو کر سمندر کے اندر دور تک چلی گئی ہے۔ یہ پٹی چاروں طرف سے بلند فصیل میں گھری ہوئی ہے۔ ساحل کی جانب سے یہ پٹی خاصی تنگ ہے مگر جوں جوں یہ سمندر میں گھستی جاتی ہے اس کا عرض بڑھتا جاتا ہے۔ اس کا آخری سرا کٹے پھٹے نیم

[1] صلیبی جنگیں، ہیرالڈ لیمب: 154_155

دائرے میں پھیلا ہوا ہے۔ بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے عقابوں کو یقیناً یہ جگہ ایک انسانی ہاتھ کی مانند نظر آتی ہوگی گویا زمین سمندر سے مصافحہ کر رہی ہو یا کوئی من چلا لڑکا سمندری لہروں سے چلو بھر رہا ہو۔

عکا کی فصیل دوہری ہے۔ ساحل کی طرف بیرونی فصیل جو شمالاً جنوباً ہے، ایک نہایت بلند پہاڑ نما برج پر ختم ہو جاتی ہے۔ عیسائی اسے ''منحوس برج'' کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ اس بیرونی فصیل کے پیچھے گھوڑوں کے اصطبل، شہر کے بازار اور فوجیوں کی چھاؤنی ہے۔ کچھ آگے چل کر زمین بلند ہو کر سطح مرتفع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مدافعت کے سب سے مضبوط مورچے یہیں ہیں۔ اس بلند جگہ پر ہر قسم کے حفاظتی آلات نصب ہیں۔ فصیل کی حفاظت کے لیے گہری اور چوڑی خندق بھی موجود ہے جسے عام حالات میں عبور کرنا ممکن نہیں۔ اندرونی فصیل اتنی چوڑی ہے کہ چار گھڑسوار بیک وقت آسانی سے چل سکتے ہیں۔ اس میں جا بجا مضبوط برج، آہنی دروازے اور کھڑکیاں ہیں۔ کوئی محاصرہ کرنے والا لشکر اس فصیل کو آسانی سے سر نہیں کر سکتا۔ عکا کی شمالی اور جنوبی فصیلیں بھی جو خشک پٹی پر سمندر کے ساتھ ساتھ تعمیر کی گئی تھیں خاصی محفوظ ہیں۔

شہر کی بندرگاہ کی حفاظت کے ہر ممکن اقدامات کیے گئے ہیں۔ بندرگاہ شہر کے جنوب میں شرقاً غرباً ہے۔ جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے لیے شہر کی بحری فصیل کا کچھ حصہ کھلا رکھا گیا ہے مگر ساتھ ہی حفاظت کے لیے عجیب و غریب انتظامات کیے گئے ہیں۔ یہاں ساحل پر ایک بلند و بالا برج کھڑا ہے جس سے ایک الگ تھلگ فصیل کھینچی گئی ہے جو کسی پہاڑی سلسلے کی طرح سمندر میں داخل ہو رہی ہے۔ یوں اس کے اور بندرگاہ کے درمیان پانی کی ایک گلی سی بن گئی ہے۔ اس گلی کے آخری سرے پر دو اور حفاظتی برج ہیں۔ ایک فصیل کے کونے پر ہے اور دوسرا گلی کے درمیان گہرے پانی میں تعمیر کیا گیا ہے جسے ''برج الذباب'' کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برج بندرگاہ کے چوکی دار ہیں۔ یہ کسی بھی اجنبی جہاز کو بندرگاہ تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں کیونکہ یہاں سمندر کے اندر زیر آب ایک دیو پیکر زنجیر آر پار پھیلا دی گئی ہے۔ اس کا ایک سرا دیوار سے اور دوسرا ''برج الذباب'' سے منسلک ہے۔ یہیں سے اسے حرکت دی جاتی ہے۔ جب کوئی جہاز آتا دکھائی دیتا ہے تو برج الذباب کے پہرے دار ایک ''کَل'' کو حرکت دیتے ہیں اور زنجیر نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ یوں جہاز گزر جاتا ہے۔ کسی اجنبی جہاز کو روکنے کے لیے یہی زنجیر اٹھا دی جاتی ہے اور یوں جہاز کا پیندا زنجیر سے ٹکرا جاتا ہے اور اس کو رکنا پڑتا ہے۔ [1]

عکا محاصرے میں: اتنے زبردست دفاعی انتظامات کے باوجود اب عکا خشکی اور سمندر دونوں طرف

[1] سلیمی منتخب: 155، 109

سے شدید خطرے کی زد میں تھا۔ عرب مؤرخین بتاتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین جب عکا کے محاذ پہنچے تو صورتحال یہ تھی کہ شہر کے سامنے دور دور تک عیسائی گھڑ سواروں اور پیادوں کی قطاریں نظر آتی تھیں۔ گائی نے شہر کے دونوں اطراف سے محاصرے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ شہر کے شمال سے جنوب تک عیسائی سپاہ کا کمان کی مانند حصار قائم ہو رہا تھا یعنی فرنگی نیم دائرے میں پھیل رہے تھے۔[1]

سلطان نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فوری طور پر بہت سے سپاہی عکا کی فوج کی تقویت کے لیے شہر کی طرف روانہ کر دیے۔ یہ سپاہی دشمن کا محاصرہ مکمل ہونے سے پہلے پہلے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان نے بقیہ لشکر کے پہنچنے کے بعد عکا کے مزید قریب جا کر ایک ٹیلے تل کیسان پر اپنا خیمہ نصب کروایا اور پھر افواج کی صف بندی شروع کی مگر اس وقت تک فرنگیوں نے شہر کو مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا۔ ان کی ناکہ بندی شہر کے جنوبی کونے پر متلاطم سمندر سے شروع ہوتی تھی اور شمال میں جا کر ساحل ہی پر ختم ہوتی تھی۔ اس طرح اب شہر میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ بچا تھا۔ چند دن یوں ہی گزرے۔ ہر روز فرنگیوں کی کشتیوں اور جہازوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی کیوں کہ عیسائیوں کی چھوٹی چھوٹی امدادی افواج سیدھا یہیں آ رہی تھیں جبکہ خشکی کی جانب سے مسلمانوں کو بھی کمک پہنچ رہی تھی۔[2]

جب یورپی افواج ساحل پر اُترنے لگیں ❊ مغربی مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ گائی کے لشکر کی اصل منزل یروشلم تھی، اتفاق سے عکا پہلا شہر تھا جو راستے میں آیا چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مگر غور کیا جائے تو عکا کا محاصرہ کوئی اتفاقی واقعہ معلوم نہیں ہوتا۔ گائی جانتا تھا کہ وہ تنہا سلطان کی افواج کو روندتا ہوا بیت المقدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسے یقیناً یورپی افواج کا انتظار تھا۔ ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے صور کے بعد عکا کی بندرگاہ ہی بہترین انتخاب ثابت ہو سکتی تھی اس لیے گائی کے لشکر کا یہاں پڑاؤ ایک معقول منصوبہ بندی کا حصہ تھا۔

گائی بذاتِ خود اتنا ہوشیار نہ تھا مگر اس کے ساتھ کئی جنگ آزمودہ امراء تھے جو منصوبہ بندی کے ماہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عکا پہنچ کر فصیل کے سامنے خیمے گاڑنے اور وادی کے باغات میں قیام کرنے کی بجائے شہر کے جنوب میں ساحل سمندر سے نصف میل دور ٹیلوں کے ایک سلسلے پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ خیمہ گاہ کے اردگرد خندق کھودنے لگے تھے۔ گائی کے سات ہزار سپاہیوں نے رات بھر کام کیا اور صبح تک خندق مکمل کر لی۔ پھر انہوں نے دریائے عکا کی ایک شاخ کا رخ موڑ کر اس کا پانی خندق میں چھوڑ دیا۔ مزید حفاظت کے لیے خیموں کے سامنے مٹی کی پشتہ نما دیوار کھڑی کر دی۔

[1] النوادر السلطانیۃ: 164، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/83_84
[2] النوادر السلطانیۃ: 164، الکامل فی التاریخ: 10/185

یوں عکا کے قریب باقاعدہ ایک چھاؤنی تیار ہوگئی جسے صلیبیوں نے "توردن" کا نام دیا۔

یورپی سپاہیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ سب سے پہلے ہالینڈ کا ایک نواب جیمز اوف ایونیز چودہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ صلیبی جنگ کے اخراجات کے لیے اپنی تمام جائیداد اور سامان فروخت کر کے آیا ہے۔ ڈنمارک، فریزلینڈ (بلجیم) اور اٹلی کی ریاست پیزا (پیسا) کی بحری فوجیں بھی آگئیں۔ وہ پہلے طرابلس کے راستے صور پہنچی تھیں۔ جب وہاں انہیں گائی کے عکا چلے جانے کی خبر ملی تو وہ فوراً ادھر آگئیں۔ فرانس اور برطانیہ کی ایک فوج جو رچرڈ اور فلپ آگسٹس کی باقاعدہ فوجوں سے پہلے چل پڑی تھی، ایک کپتان جیمنویس کی قیادت میں پہنچ گئی تھی۔ ادھر جینوا اور اٹلی کے دیگر صوبہ جات کی افواج بھی آتی چلی گئیں۔ [1]

صلیبیوں کا یہ جوش و خروش اور یورپ سے کمک کا تسلسل دیکھ کر صور کا گرگ باراں دیدہ کونرڈ مارکوئیس بھی حرکت میں آگیا اور کئی جہازوں میں سپاہی لاد کر اتحادیوں کے لشکر میں شرکت کے لیے آن پہنچا۔ سمندری راستے سے یورپی ملکوں اور جزیروں کے اتنے کاؤنٹ اور شہزادے فوجیں لے کر آئے کہ توردن کی موجودہ چھاؤنی ناکافی ہوگئی۔ اب اس چھاؤنی کو وسعت دینے کا کام شروع ہوا۔ عکا کے جنوب سے شمال کی طرف صلیبیوں کے خیمے گڑتے چلے گئے۔ ساتھ ساتھ کچی دیواروں والے مکانات بھی تعمیر ہونے لگے۔ یہ خیمہ گاہ ایک نیم دائرے کی شکل میں عکا کے سامنے آن پہنچی۔ اس کے گرد باقاعدہ گہری خندق کھودی جاتی رہی جس کے آگے مٹی کا بلند پشتہ بنایا جاتا رہا۔

ادھر صلیبیوں کے بحری جہازوں نے سمندر میں عکا کا گھیراؤ کر لیا تھا جس کی وجہ سے عکا کی بندرگاہ تک مسلمانوں کی رسائی ناممکن ہوگئی تھی۔ صلیبی امراء کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ کاؤنٹ اوف برین اپنے بھائی اینڈرو کی معیت میں تازہ دم جوان لے کر آیا۔ پھر جرمنی کا ایک شہزادہ بہترین قسم کے اسپینی گھوڑوں کے ساتھ ساحل پر اترا، ہالینڈ کا ایک رئیس بیس سے زائد سرداروں اور بولیس کا لاٹ پادری اپنے جنگجو بھائی کاؤنٹ رابرٹ کے ساتھ محاذ پر پہنچا، کاؤنٹ اوف بار اور درجنوں عیسائی سردار یکے بعد دیگرے اپنی فوجوں کے ساتھ آتے گئے۔ [2]

حقیقت یہ ہے کہ یورپی حکام کی اس قدر بڑی نمائندگی نے تیسری صلیبی جنگ کو تمام صلیبی جنگوں سے زیادہ ہمہ گیر بنا دیا تھا۔ اس سے پہلے اور بعد میں جتنی بھی صلیبی جنگیں ہوئیں ان میں کسی میں اتنے بڑے بڑے بادشاہ شامل نہ تھے۔ پہلی اور دوسری صلیبی جنگ میں عام لوگ اور دوسرے درجے کے حکام تھے۔

[1] حیات صلاح الدین: 163

[2] صلیبی جنگیں: 157-160

کوئی ایک خود مختار بادشاہ بھی بذات خود شریک نہیں ہوا تھا۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اگر چہ بعض بادشاہوں نے شرکت کی تھی مگر ایک جنگ میں ایک ہی بادشاہ آگے بڑھتا رہا اور دوسرے درجے کے نواب وجاگیردار اس کی پیروی کرتے رہے۔ تیسری صلیبی جنگ وہ واحد مہم تھی جس میں جرمنی، فرانس اور برطانیہ جیسے بڑے یورپی ممالک کے بادشاہ خود شریک ہونے آرہے تھے اور ان سے پہلے پورے یورپ سے بیسیوں نواب اور امرائے سلطنت محاذ جنگ پر پہنچ کر مسلمانوں سے جنگ چھیڑنے کے لیے تیار تھے۔ اس لحاظ سے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تیسری صلیبی جنگ میں صلاح الدین ایوبی نے یورپ کی جس مشترکہ اور ہمہ گیر یورش کا مقابلہ کیا تاریخ یورپ وایشیا میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

مسلمان سپاہی جو سلطان کی جمعیت میں پہنچ رہے تھے، نصرانیت کے اس سیلاب کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ سب سے زیادہ فکر سلطان صلاح الدین کو لاحق تھی۔ بہاؤ الدین ابن شداد کے بقول ان دنوں ان کی کیفیت اس ماں کی طرح تھی جس کا بچہ گم ہو گیا ہو۔ [1]

عکا کو دشمن کے محاصرے میں دیکھ کر ان کا سکون کافور ہو گیا تھا اور وہ ہر قیمت پر اس اہم ساحلی شہر کو دشمن کے چنگل سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے غور و خوض کے بعد ایک بالکل نئی حکمت عملی اختیار کی۔

اس وقت تک موصل، سنجار، دیار بکر اور الجزیرہ سے امدادی افواج پہنچ چکی تھیں اور سلطان اس قوت کے ساتھ خاصے وسیع علاقے کی ناکہ بندی کر سکتے تھے۔ سلطان نے نئی حکمت عملی کے مطابق اپنے دائیں بازو کو شمال میں عیاضیہ کے ٹیلے تک اور بائیں کو جنوب میں دریائے عکا تک پھیلا دیا۔ اب صورتحال ایسی ہو گئی کہ عیسائی عکا کے سامنے فصیل سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر نیم دائرے کی شکل میں خیمہ زن تھے اور سلطان کی فوج نے تقریباً پانچ میل کے فاصلے سے ان کے گرد حلقہ بنایا ہوا تھا۔ کاتب عماد اصفہانی کے بقول:

''ہم محاصرین کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، وہ شہر کو گھیرے ہوئے تھے اور ہم ان کو نرغے میں لے چکے تھے۔'' [2]

کئی دنوں تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ مسلمان سمندر کی جانب سے دشمن کا محاصرہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں اس کا مکمل تسلط تھا اور اسی سمت سے اسے مسلسل امداد مل رہی تھی۔ عکا دہرے محاصرے میں تھا اور بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ بالکل منقطع تھا۔ اگر چہ شہر میں خوراک کے ذخائر بھی بہت

[1] النوادر السلطانیہ: 167 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/84

تھے اور سپاہی بھی مگر محاصرہ طویل ہونے کی صورت میں ان وسائل کا ختم ہو جانا یقینی تھا۔ صلیبی اس دوران اپنے محاصرے کو مضبوط کر رہے تھے۔ مورچے بنائے جا رہے تھے، خندقیں کھودی جا رہی تھیں۔ چھاؤنی وسیع ہو جانے کے بعد گائی نے اپنا خیمہ شہر کے مرکزی دروازے کے سامنے تل المصلبین پر نصب کرالیا تھا۔ یہاں سے مغرب میں عکا کی فصیل اور مشرق میں مسلمانوں کے پڑاؤ کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ گائی اور صلیبی امراء دونوں جانب نگاہ رکھتے اور مشوروں میں معروف رہتے۔ نائٹ اور گشتی سپاہی دن رات حرکت میں رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کی جانب سے کسی بھی غیر متوقع حملے کا مقابلہ کیا جا سکے۔

مسلمان بھی ہمہ وقت چوکس رہتے تھے، پہرے داروں کی ٹولیاں شب و روز جاگتی تھیں۔ مسلمان تیرانداز ہر وقت کمانوں پر تیر چڑھائے رکھتے، دشمن کا جو سپاہی ان کی زد میں آجاتا وہ گھائل ہوئے بغیر نہ رہتا۔ بعض اوقات دونوں طرف کے سپاہی ایک دوسرے پر حملے بھی شروع کر دیتے اور خون ریز جھڑپیں شروع ہو جاتیں تاہم سلطان صلاح الدین ابھی باقاعدہ جنگ چھیڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کو مزید افواج کا انتظار تھا اس لیے وہ امراء اور سپاہ کو صبر و تحمل کی تلقین کر رہے تھے۔ [1]

ادھر مصلبین کے ٹیلے پر خیمہ زن گائی اب خاصا مطمئن تھا۔ وہ سات ہزار سپاہی لے کر صور سے چلا تھا مگر اب اس کی قیادت میں 32 ہزار سپاہی تھے جن میں سے دو ہزار گھوڑ سوار اور باقی پیادے تھے۔ پھر سمندر کی جانب مزید نفری مل رہی تھی۔ وہ اس وقت ایک ہیرو کی حیثیت حاصل کر چکا تھا جس کے اشارے پر ہزاروں گردنیں کٹنے کو تیار تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ گائی نے اپنے گم شدہ تاج و تخت کی بازیابی کے لیے آخری بازی کھیلنے کا فیصلہ کر کے تاریخ میں اپنی جگہ بنالی تھی مگر یہ فیصلہ افسوس ناک اور شرمناک بھی تھا اس لیے کہ وہ سلطان کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کی ضمانت پر رہا ہوا تھا مگر اس نے وعدہ خلافی میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ تلوار نہ اٹھانے کی قسم پوری کرنے کے لیے اس نے ایک حیلہ اختیار کر لیا تھا۔ اب میدانِ جنگ میں اس کی تلوار کمر بند کے ساتھ منسلک نہیں ہوتی تھی بلکہ گھوڑے کی زین میں اڑسی ہوتی تھی۔ یہ اس فرنگی بادشاہ کا ایفائے عہد تھا جسے القدس جیسے مقدس مقام کی وراثت کا دعویٰ تھا۔ عہد شکنی کی اس شرمناک حرکت میں وہ پادری بھی شریک تھے جنھوں نے گائی کی رہائی کے بعد اسے یقین دلایا تھا کہ کلیسا کے قوانین اور دینِ مسیح کے نقطۂ نظر سے ایسے قول و قرار پر عمل گناہ اور ایسے وعدے کو توڑ ڈالنا ضروری ہے۔ ان پادریوں کے بہکاوے میں آکر اور کچھ اپنی ہوسِ اقتدار سے مجبور ہو کر گائی پھر قسمت آزمائی کے لیے نکلا تھا۔ [2] اس نے سلطان صلاح الدین سے ٹکر لینے

[1] النوادر السلطانیہ: 164
[2] صلیبی جنگیں: 152

کا فیصلہ اس اطمینان کے بعد کیا تھا کہ اسے ساحل سے صور کے بحری بیڑے کی مدد حاصل رہے گی اور یورپی بادشاہ بھی اس کی مدد کیلئے پہنچ جائیں گے۔اس کے علاوہ اسے یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ جرمنی کا حکمران فریڈرک باربروسا اڑھائی لاکھ سپاہیوں کے لشکر جرار کے ساتھ چند ماہ میں قسطنطنیہ اور ایشیائے کوچک سے ہوتا ہوا شام پہنچ جائے گا۔شام اور یورپ کے صلیبیوں کی اتنی بڑی تعداد کے ساتھ گائی بڑی سے بڑی جنگ لڑ سکتا تھا۔

فریقین کی طاقت کا موازنہ ❁ صلیبیوں کے اس سیلاب کے مقابلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی کسی میدان میں پچاس ساٹھ ہزار سے زائد سپاہی جمع نہیں کر سکتے تھے۔گائی کا سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ صور سے عکا تک چند میل یلغار کرنا اور شہر کا محاصرہ کر لینا ایک جسارت کہنے کے لائق تو ہے مگر یہ دلیری کا کوئی ایسا حیرت انگیز کارنامہ نہ تھا جس پر کوئی فخر کر سکے۔اس کے باوجود صلیبی اس کارنامے پر ناز کرتے رہے۔امریکی مستشرق ہیرلڈ لیمب نے تو اپنی تالیف ''کروسیڈ'' (صلیبی جنگیں) میں بعض گمنام تذکرہ نویسوں کا نام نہاد حوالہ دیتے ہوئے یہ لاف زنی بھی کی ہے کہ گائی دشمن کی پچیس گنا یا اس سے زیادہ بڑی تعداد کے مقابلے پر آیا تھا۔[1] حالانکہ اس گپ کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ ابتداء ہی سے گائی کے ساتھ کم از کم فوج سات ہزار تھی،اس کی پچیس گنا تعداد ایک لاکھ 75 ہزار بنے گی مطلب یہ نکلے گا کہ گائی 7 ہزار سپاہی لے کر سلطان کی پونے دو لاکھ سپاہ سے مقابلے کے لیے نکلا تھا۔یہ بات بالکل بے حقیقت اور لغو ہے۔ہیرلڈ لیمب اس کا کوئی حوالہ بھی نہیں دے سکا۔دنیا کے کسی مورخ نے صلیبی جنگوں کے کسی مرحلے کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس میں اتنے مسلمان جمع ہو سکے ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب گائی سات ہزار افراد کے ساتھ عکا پہنچا تو اس وقت سلطان بھی تھوڑی فوج کے ساتھ ہی وہاں پہنچ سکے تھے۔بعد میں دونوں فریقوں کو کمک ملتی گئی۔مستند روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عکا کے محاصرے کے شروع میں بھی عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے تین چار گنا تھی۔یہی وجہ تھی کہ سلطان اپنی آنکھوں کے سامنے شہر کا محاصرہ ہوتے دیکھتے رہے مگر حملہ نہ کر سکے۔بعد میں جب دوسرے صوبوں سے امدادی فوجیں پہنچیں تب سلطان نے باقاعدہ جنگ کا آغاز کیا مگر اس کے باوجود عکا کے ''معرکہ کبریٰ'' تک سلطان کو خاطر خواہ کمک نہیں ملی تھی۔وجہ یہ تھی کہ ان کی افواج کئی محاذوں پر معروف تھیں۔علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ واضح طور پر فرماتے ہیں:

وكان كثير من عسكر صلاح الدين غائبا عنه[2]

---

[1] صلیبی جنگیں:152
[2] الکامل فی التاریخ:10/166

یعنی سلطان کی فوج کا ایک بڑا حصہ ان کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ ان کے کچھ دستے انطاکیہ کے حاکم بوہیمنڈ کی جانب سے حلب پر ممکنہ حملے کی مدافعت کے لیے تعینات تھے۔ کچھ طرابلس کی سرحد پر کھڑے تھے اور کچھ صور کے سامنے چوکس تھے۔ ابھی تک سلطان کو مصر سے الملک العادل کی کمک بھی نہیں پہنچی تھی۔ ایسے میں سلطان کی فوج کو نصرانیوں سے 25 گنا زائد بتانا نری گپ کے سوا کچھ نہیں۔ [1] قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

''دشمن کے گھڑسوار دو ہزار اور پیادے تیس ہزار تھے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تعداد اس سے کم نہ تھی البتہ میں نے بعض لوگوں کو اس سے زیادہ تعداد شمار کرتے ہوئے پایا ہے۔'' [2]

یہ وہ تعداد ہے جو 'معرکہ کبریٰ' سے پہلے تھی۔ جبکہ معرکہ کبریٰ میں خود ٹیمپلرز کے گرینڈ ماسٹر کے بیان کے مطابق صلیبی ایک لاکھ بیس ہزار تک تھے [3] اور پھر جب برطانیہ اور فرانس کی فوجیں آئیں تو یہ تعداد کئی گنا بڑھ گئی جسے خود ایک صلیبی سردار بالیان نے چھ لاکھ تک بیان کیا تھا۔ [4]

محاصرے کے دوران 27 رجب کو سلطان کے معتمد امیر حسام الدین سنقر خلاطی کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک بہادر اور دیندار انسان تھا۔ مسلمانوں کو اس کی وفات کا بڑا دکھ ہوا۔ [5]

صلیبی جنگ کا پہلا معرکہ ❁ آخر حماۃ سے سلطان کا مایہ ناز بھتیجا تقی الدین عمر اور حران سے جہاں دیدہ امیر مظفر الدین کوکبری مزید سپاہیوں کے ساتھ پہنچے تو سلطان نے کھلے میدان میں لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ رجب 585ھ کی آخری تاریخیں تھیں جب سلطان نے حملے کی ترتیب پر مشورہ شروع کر دیا اور سپاہ میں ایک نیا جوش نظر آنے لگا۔ عکا پہنچنے کے دو ہفتے بعد جمعہ یکم شعبان 585ھ (14 ستمبر 1189ء) کو صبح سے حملے کی تیاری ہونے لگی۔ مشورے میں طے یہ ہوا کہ سورج ڈھلنے کے بعد نماز جمعہ کے وقت دھاوا بول دیا جائے گا کیوں کہ اس وقت نمازِ جمعہ کے اجتماعات میں ہونے والی دعائیں شامل حال ہوں گی۔

کتب تاریخ سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں ہم اگر اس وقت میدان جنگ کو چشم تصور سے دیکھیں تو کچھ ایسا منظر دکھائی دے گا:

''ساحل سمندر کے ساتھ اکیس میل لمبا اور سات میل چوڑا ایک میدان ہے۔ اس کے مغربی کنارے پر سمندر کے کنارے عکا شہر ہے اور مشرقی کنارے پر پہاڑی سلسلہ ہے۔ عکا کی

[1] یاد رہے ہمارے قلم نے ایسی ہی گپ بازی خوارزم اور چنگیز خان کی افواج میں تناسب بتاتے ہوئے کی ہے اور خوارزم کی افواج کو دس لاکھ جبکہ چنگیز خان کے لشکر کو ڈیڑھ لاکھ بتایا ہے جو حقائق کے بالکل برعکس ہے۔

[2] النوادر السلطانیۃ: 164

[3] النوادر السلطانیۃ: 51، 60 طبع دار الفکر

[4] کتاب الروضتین: 4/79

[5] کتاب الروضتین: 4/96

فصیلوں سے تقریباً ایک میل ہٹ کر صلیبیوں کا پڑاؤ ہے جو شہر کے گرد کمان کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ شہر کا صرف شمالی کونا اس پڑاؤ کی زد سے باہر ہے۔ ادھر مشرقی پہاڑوں سے آگے ٹیلوں پر اسلامی لشکر کی خیمہ گاہ ہے۔ دونوں فوجوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان تقریباً پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ یہی جنگ کا اصل میدان ہے جہاں اگلے کئی دنوں تک معرکے جاری رہیں گے۔''

سورج ڈھلتے ہی مسلمان نمازِ جمعہ کے لیے صف بستہ ہو گئے۔ وہ ہتھیار باندھے ہوئے اپنے رب کے حضور جھک گئے۔ ان کا رُواں رُواں فتح و نصرت کی بے تابانہ دعائیں کر رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ جنگ کی صف بندی کر چکے تھے۔ خوش الحان قاری سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ نقاروں پر چوٹ پڑی۔ تکبیر کے نعرے بلند ہوئے، لا الہ الا اللہ کی صدائیں گونجیں اور لشکرِ اسلام کے دائیں اور بائیں بازو نے زعفرانی پرچموں کے سائے میں ایک وسیع نیم دائرہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اُدھر صلیبی بھی پوری طرح چوکنا تھے۔ انہوں نے دائیں بائیں پھیل کر میدان کے کناروں پر واقع اونچے ٹیلے اپنے قبضے میں لے لیے تھے۔ اب ان کا دایاں بازو ساحلِ سمندر کے ساتھ اس مقام کو چھو رہا تھا جہاں دریائے عکا سمندر میں گم ہو رہا تھا۔ بایاں بازو عکا کے قلعے کے سامنے صف آراء تھا۔ ان کی صفیں ایک آہنی دیوار کی مانند دکھائی دیتی تھیں، بکتر بند نائٹوں اور نیزہ بردار پیادوں نے عکا کے شمال سے جنوب تک ایک پر ہیبت فصیل کھڑی کر دی تھی جس کی چنائی اینٹوں کی جگہ گوشت پوست کے جسموں سے ہوئی تھی۔ ان کی تہہ در تہہ صفوں میں کہیں ذرہ برابر رخنہ نہیں تھا۔ انہیں کچل یا چیر کر فصیل تک پہنچنا کوئی آسان بات نہ تھی مگر مسلمانوں کو ہر قیمت پر یہ کر کے دکھانا تھا۔ مجاہدین اسلام کو آگے بڑھتا دیکھ کر بھی فرنگی اپنی جگہوں پر جمے رہے۔ ان کی حکمت عملی دفاعی تھی جبکہ سلطان صلاح الدین یہ چاہتے تھے کہ دشمن آگے بڑھے تا کہ اس کے مضبوط دفاعی نظم و ضبط میں خلل پیدا ہو جائے جس سے فائدہ اٹھا کر مسلمان عکا کی فصیل تک راستہ بنا لیں۔ مگر حریف نہایت کایاں تھا وہ سلطان کی چال کو سمجھ کر اپنی جگہ جما رہا۔ آخر کار مسلمانوں نے حملہ کیا، اللہ اکبر کے زوردار نعروں کے ساتھ گرد و غبار کے بادل اڑنے لگے، تلواروں کی جھنکار، زخمیوں کی آہ و بکا اور تیروں کی سنسناہٹ نے جنگ کے شور و غل کو مزید ہولناک بنا دیا، اندھیرا پھیلنے تک یہ معرکہ جاری رہا۔ مسلمان فرنگیوں کو ذرا بھی نہ ہلا سکے، نائٹوں کی بکتر بند دیوار میں کوئی شگاف پیدا ہوا نہ نیزہ بازوں کے منہ پھیرے جا سکے۔

اس رات دونوں فوجوں کے سپاہیوں نے اسلحہ نہ اتارا۔ مشعلوں کی روشنیاں تاریکی میں جگنوؤں کی طرح حرکت کر رہی تھیں۔ یہ پہرے دار تھے جو کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے چوکس تھے۔

گھوڑوں کی ٹاپیں رات بھر سنائی دیتی رہیں۔ سپاہی ذرا آنکھیں جھپکتے اور پھر یہ خیال ان کی نیند اڑا دیتا کہ علی الصبح معرکہ شروع ہونے والا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایک بے چین روح کی طرح اِدھر سے اُدھر پھر رہے تھے۔ پہرے پر نظر، میدان جنگ کا جائزہ، زخمیوں کی پرسان حالی، شہداء کی تدفین، سپاہیوں کے خورد ونوش اور آرام کا خیال اور سب سے بڑھ کر کل کی جنگ کی منصوبہ بندی۔ یہ سب کچھ ان کی بیدار مغزی اور حرکت مسلسل پر موقوف تھا۔ وہ کھانے اور نیند کو بالکل بھول چکے تھے۔ کل کے معرکے کے سوا ہر شے ان سے اوجھل ہو چکی تھی۔

عکا کا راستہ کھل گیا:۔ اگلے دن صبح سویرے مسلمان ایک بار پھر حملے کے لیے صفیں درست کرتے نظر آئے۔ سلطان نے آج بہر صورت فصیل تک راستہ بنانے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ میدان جنگ اور دشمن کی صف بندی کے نقشے کو بغور دیکھنے کے بعد انہوں نے تقی الدین عمر کو جو دائیں بازو کا سالار تھا تاکید کی کہ وہ دورانِ جنگ بہترین شہ سواروں کو لے کر شمالی جانب سے عکا کی فصیل تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ شہر کا صرف یہی ایک گوشہ تھا جس کے سامنے صلیبیوں کے خیمے نہیں تھے۔ اس لئے اس جانب سے کامیابی کا امکان موجود تھا۔

صبح کی روشنی پھیلتے ہی ایک بار پھر تکبیر کے نعرے گونجے، تلاوت قرآن کی پُرسوز صدائیں مجاہدین کے جوش وجذبے کو ابھارنے لگیں۔ سلطان ایوبی حسب معمول قلب لشکر میں تھے جبکہ دائیں بازو پر تقی الدین عمر تعینات تھا۔ دشمن کی صف بندی بھی نہایت منظم تھی۔ بائیں طرف ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کی سرخ پوش صفیں تھیں۔ کاؤنٹ اوف برین جرمن شہزادے اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ قلب میں تھا، ایک ویران مسجد اور قبرستان اسکے عقب کو محفوظ بنا رہے تھے۔ شاہ گائی دائیں بازو میں اطالوی سپاہیوں کے ساتھ اپنی چھاؤنی ''تورون'' کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

آخر کار اللہ اکبر کے بلند آہنگ نعروں اور رجز کی پر جوش صداؤں کے ساتھ لشکر اسلام نے حملے کا آغاز کر دیا۔ ادھر سے صلیب کے پرستار زرنگار پرچم اڑاتے ہوئے تثلیث کے نعروں کے ساتھ جھپٹے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ ساحلِ عکا کی ریت شراروں کی طرح اڑنے لگی، نیزوں کے پھل سینوں سے پار ہو کر زمین کو لہو کا خراج دینے لگے۔ اگرچہ دشمن کی خیمہ گاہ کا سلسلہ جنوب سے شروع ہو کر شہر کے وسط پر ختم ہو جاتا تھا مگر جنگ کے دوران اس کی صفوں کے دونوں بازو اتنے پھیلے ہوئے تھے کہ بایاں بازو شہر کے شمال تک پہنچ رہا تھا جہاں ہاسپٹلروں اور ٹمپلروں کے دستے تھے جو جنگوں میں عموماً حملے کا آغاز کرتے تھے۔ اس دن بھی یہ نہایت سرگرمی سے لڑے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے

بہترین سپاہی تقی الدین عمر کی قیادت میں صف آراء تھے۔ دیر تک لشکروں کے تینوں حصے ایک دوسرے سے گتھم گتھا رہے۔ فضا میں لہو کے چھینٹے اڑتے رہے اور تیر سنسناتے ہوئے موت کا پیغام بنتے رہے۔ صبح سے دوپہر تک نہایت شدت کی جنگ جاری رہی۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

''فریقین نے ایسی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا کہ لگتا تھا آج دونوں فوجیں ایک ہی جگہ لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں گی مگر ان میں سے کوئی دوسرے کو اپنی جگہ سے سرکانے میں کامیاب نہ ہوگا۔''

آخر زوالِ آفتاب کے وقت تقی الدین عمر نے دشمن کے میسرہ پر ایک غیر متوقع اور شدید ترین حملہ کیا۔ اس دباؤ نے کچھ ہی دیر میں حریف کی صفیں الٹ دیں۔ عیسائی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور منتشر حالت میں پسپا ہونے لگے۔ ان کا رخ عقب میں جنوب کی طرف اپنی چھاؤنی کی جانب تھا۔ مسلمان ان کے تعاقب میں تھے۔ اس بھگدڑ میں بہت سے عیسائی مارے گئے جبکہ باقی ماندہ اپنے لشکر کے محفوظ حصوں سے جا ملے۔ اس کے ساتھ ہی نصرانیوں نے منظم انداز میں پیچھے ہٹ کر مصلبہ کے بلند ٹیلے کے پاس دفاعی ہیئت اختیار کر لی۔ انہوں نے فولادی ڈھالوں، چوبی تختوں اور لوہے کی چادروں کے پیچھے ایک دیوار کی طرح جم کر مزاحمت شروع کر دی۔ چھاؤنی کے پشتوں پر تیر چرخ چڑھا دیے گئے اور مسلمانوں پر بڑے بڑے آہنی تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اس کے باوجود مسلمان چھاؤنی تک ان کے تعاقب میں آ گئے اور اسے نرغے میں لے لیا مگر دشمن کے دفاعی انتظامات خاصے مضبوط تھے۔ پھر مسلمانوں کو فتح کی خوشی نے کچھ بے فکر سا کر دیا تھا۔ انہوں نے مزید تکلیف اٹھانا ضروری نہ سمجھا اور یہ سوچ کر اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ گئے کہ تازہ دم ہو کر کچھ دیر بعد حریف کی خبر لیں گے۔ اس دن کی جنگ کے نتیجے میں عکا کا شمالی نصف حصہ دشمن کی گرفت سے مکمل طور پر آزاد ہو چکا تھا۔ سلطان نے سب سے پہلے شہر کے راستے پر محافظ دستے مقرر کر دیے جنہوں نے دشمن کے پڑاؤ اور عکا کے اس راستے کے درمیان ایک انسانی حصار قائم کر دیا۔ راستے کا تحفظ یقینی بنانے کے بعد عکا کے شاہی قلعے ''قلعہ الملک'' کے بڑے دروازے کے سامنے کھلنے والا فصیل کا پھاٹک ''باب قراقوش'' آمد و رفت کے لیے کھول دیا گیا جو سلطان کے نائب بہاؤ الدین قراقوش نے کچھ مدت پہلے ہی تعمیر کیا تھا۔

عکا میں اچھی خاصی چہل پہل ہو گئی۔ شہریوں نے جو دو ہفتے سے محاصرے میں تھے بہت بڑے خطرے کی زد سے نکل کر سکون کا سانس لیا اور اپنے معمولاتِ زندگی انجام دینے لگے۔ سلطان کے حکم سے خوراک و رسد سے لدے ہوئے قافلے عکا پہنچنے لگے۔ تاجروں کی آمد و رفت سے عکا کے بازاروں میں عید کا سماں ہو گیا۔ سلطان کا فراہم کردہ راستہ اتنا محفوظ تھا کہ تنہا افراد حتیٰ کہ خواتین بھی اپنی ضروریات کے لیے شہر

سے نکل رہی تھیں۔ اسی دن سلطان صلاح الدین اپنے معتمد جرنیل تقی الدین عمر کے ساتھ عکا میں داخل ہوئے۔ سپاہی اور شہری انہیں اپنے درمیان پا کر بڑے خوش ہوئے۔ سلطان عکا کی فصیل پر چڑھ گئے اور بغور دشمن کے پڑاؤ کا جائزہ لینے لگے۔ وہ اس ابتدائی کامیابی پر کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے اور جانتے تھے کہ ابھی منزل دور ہے۔ اس لیے وہ عکا کے دفاعی انتظامات بہتر بنانے کے بارے میں اہم ہدایات دیتے رہے کیونکہ دشمن دوبارہ کسی بھی وقت محاصرہ کر سکتا تھا۔ قاضی بہاؤالدین بتاتے ہیں کہ شدتِ فکر کے باعث سلطان نے جمعہ سے اتوار تک چند لقموں کے سوا کچھ نہیں کھایا تھا۔ امت مسلمہ کے دفاع کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ انہیں بے چین کیے ہوئے تھا اور وہ ایک لمحہ بھی غفلت کی نذر نہیں کر سکتے تھے۔ اہل شہر کی کمر مضبوط کرنے اور ہمت بندھانے کے لیے انہوں نے اپنی فوج کے بہت سے سپاہی اور کئی معتمد امراء عکا میں تعینات کر دیے جن میں ''اربل'' کا مشہور کرد امیر ابوالھیجاء بھی تھا جو اپنے مٹاپے کی وجہ سے السمین کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ عسکری امور کا بڑا ماہر تھا۔ غیر معمولی حد تک موٹا ہونے کے باوجود وہ میدان جنگ میں کمال مہارت سے لڑتا تھا۔ اس دن کی لڑائی میں بھی اس نے بہت سے نصرانیوں کو واصل جہنم کیا تھا۔ [1]

ایک سنگین غلطی ❁ اس دن عیسائی مکمل طور پر ''توروں'' میں دبکے رہے، ادھر سلطان کے سپاہی جو دشمن کو پسپا کرنے کے بعد یہ سوچ کر لڑائی سے رک گئے تھے کہ کچھ دیر استراحت کر کے دوبارہ حملہ کریں گے مزید سستی کا شکار ہو گئے۔ صبح سے زوال تک چھ سات گھنٹے کی مسلسل لڑائی کے باعث انہیں خاصی تھکن ہو گئی تھی۔ سہ پہر کو انہوں نے ڈٹ کر آرام کیا اور عصر کے وقت اپنے جانوروں کو پانی پلانے اور چارہ کھلانے میں معروف رہے۔ اس طرح شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ اب لڑائی کا کوئی وقت نہیں بچا تھا۔ اس لیے امرائے فوج نے طے کیا کہ کل اتوار کا سورج نکلتے ہی فیصلہ کن جنگ کے لیے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا جائے گا اور حطین کے میدان کی طرح لاشوں کے ڈھیر لگا کر اس جنگ کا قضیہ ختم کر دیا جائے گا۔ علامہ ابن اثیر اس فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''اگر مسلمان رات تک جنگ جاری رکھتے تو اپنی مراد پا لیتے۔ کیوں کہ مصیبت کا فوری اثر دہشت ناک ہوتا ہے مگر جب مسلمانوں نے اس قدر کامیابی حاصل کر لی تو آرام کی طرف مائل ہو گئے اور جنگ بند کر دی۔''

عماد کاتب اصفہانی نے بھی اس قسم کا تبصرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ''اس کے نتیجے میں دشمن کو حواس بحال کرنے کا موقع مل گیا۔'' [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 160، الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/84_85، الکامل فی التاریخ: 10/185_186 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/85

حملہ مزید مؤخر ہو گیا٭ اتوار تین شعبان (16 ستمبر) کو علی الصبح مسلمانوں نے حملے کی تیاری شروع کر دی، سلطان کی مجلس مشاورت میں طے ہوا تھا کہ اکثر سپاہی صلیبی چھاؤنی پر پاپیادہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ صبح ہی کرد، ترکمان، ترک اور عرب مجاہد اپنی کمانیں، لچکدار نیزے، ہلالی شمشیریں اور فولادی خنجر تیز کر چکے تھے، اب صرف طبلِ جنگ پر چوٹ پڑنے کی دیر تھی مگر اس دوران امرائے فوج میں ایک نئے پہلو پر بحث شروع ہو گئی۔ چند امراء کا یہ کہنا تھا کہ ہماری یہ پیدل فوج جو دشمن پر سامنے سے حملہ کرنے پر تلی ہے، اگر عکا چلی جائے اور وہاں کی مقامی سپاہ کو ساتھ ملا کر دشمن پر عقب سے حملہ آور ہو تو وار زیادہ کارگر ثابت ہوگا، ادھر میدان میں موجود گھڑسوار سپاہی سامنے سے دھاوا بول دیں گے اور یوں دشمن دوطرفہ حملہ سے زیادہ نقصان اٹھائے گا۔

آخر ان امراء کی بات مان لی گئی اور دوطرفہ بھرپور حملے کی تیاری کے خیال سے، اس دن لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا گیا پھر اسی حیص بیص میں چار دنوں تک مسلمانوں کو دوبارہ حملے کا موقع نہ سکا۔ مگر اس دوران حریف کے زخم بھر چکے تھے اور اس میں جارحانہ حملے کی جرأت پیدا ہو گئی تھی۔[1]

فرنگیوں کا اچانک حملہ٭ جمعہ 8 شعبان (21 ستمبر) کو فرنگی منظم انداز میں اپنی چھاؤنی سے باہر نکلے۔ انہوں نے اطمینان سے صف بندی کی اور دیوار کی طرح قدم سے قدم ملا کر مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے آگے آگے پیادوں کے دستے تھے جو مستطیل ڈھالوں کی اوٹ میں لمبے نیزے تانے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ پیچھے سرخ صلیبی وردیوں اور زرہ بکتروں میں ملبوس گھڑسوار رکاب سے رکاب ملائے چلے آرہے تھے۔ ان کی صفیں مشینی انداز میں پھیلنے لگیں اور دائیں بائیں کے ٹیلے صلیبی پرچموں سے بھر گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک خاص نظم کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کی ان چوکیوں تک پہنچ گئے جو وادی کے بیچ میں قائم تھیں۔ یہ دیکھ کر سلطان کی خیمہ گاہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہل چل مچ گئی۔ سلطان صلاح الدین نے سپاہ کو ہنگامی بنیادوں پر مدافعت کا حکم دیا۔ اس وقت ان کے ہونٹوں پر ایک ہی پکار تھی:

یَا لَلْاِسْلَام یَا لَلْاِسْلَام

''ہوشیار...... اسلام خطرے میں...... اسلام کی حفاظت کے لیے تیار......''

یہ دردناک صدا لشکر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گونجتی چلی گئی جسے سن کر محافظینِ اسلام چند لمحوں کے اندر اندر صف بستہ ہو گئے۔ انہوں نے دشمن پر یک بارگی اس شدت سے جوابی حملہ کیا کہ

[1] النوادر السلطانیہ: 167_168

اس کے قدم اکھڑ گئے۔اس کے بعد کئی دنوں تک عمومی جنگ کی نوبت نہ آئی۔صلیبی ایک بار پھر چھاؤنی میں محصور ہو گئے تھے۔سلطانی لشکر اور عکا کے درمیان راستہ بدستور کھلا تھا۔سلطان کے امراء اور سپاہی آزادی سے وہاں آتے جاتے تھے۔فریقین کے محافظ سپاہیوں میں چھوٹی موٹی جھڑپیں چلتی رہتی تھیں۔عکا کے سپاہی بھی فصیل سے دشمن کی پناہ گاہ پر نشانہ آزمائی کرتے رہتے تھے۔ [1]

<u>اسلامی خیمہ گاہ تل العیاضیہ پر</u>:صلیبیوں نے اپنی خیمہ گاہ کو چھاؤنی کی شکل میں نہایت محفوظ بنا رکھا تھا۔دفاعی اور خندقی جنگ کا تجربہ رکھنے والے ماہر یورپیوں نے اس کے لیے بہترین حفاظتی انتظامات کئے تھے۔یہی وجہ تھی کہ مسلمان چھاؤنی پر براہ راست کوئی بھرپور حملہ نہیں کر سکتے تھے۔معرکے میں زک اٹھا کر فرنگی فوراً چھاؤنی میں محصور ہو جاتے تھے اور خود کو زیادہ نقصان سے بچا لیتے تھے۔

سلطان صلاح الدین کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح فرنگی ایک بار پھر کھلے میدان میں آئیں مگر کئی دن گزرنے کے باوجود وہ باہر نہ نکلے۔سلطان ایوبی یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ دونوں فوجوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان پانچ میل چوڑا میدان اب اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لانے کے لئے کافی نہیں رہا۔پھر فرنگی یہاں اپنی چھاؤنی کی قربت سے فائدہ اٹھا کر ہزیمت کا شکار ہوتے ہی خود کو محفوظ کر لیتے تھے۔ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان نے 11 شعبان 585ھ (24 ستمبر 1189ء) کو اپنی خیمہ گاہ عقب میں العیاضیہ کے ٹیلوں پر منتقل کر دی۔یہ ٹیلے مصلبین کے ٹیلوں کی سیدھ میں تھے جہاں عیسائیوں کی قیادت کے خیمے تھے۔اس بلندی سے عکا کی خاکستری فصیل سامنے نظر آتی تھی۔

اب تک شمال کی جانب عکا کا راستہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا اور شہر میں ان کی آمد و رفت جاری تھی۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد خود بھی عکا کی سیر کر آئے تھے۔وہاں فصیل پر چڑھ کر انہوں نے فرنگیوں کی خیمہ گاہ پر تیر بھی برسائے تھے اور یوں جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کا اجر حاصل کیا تھا۔ادھر موسم سرما کی آمد آمد تھی،عکا کی ساحلی ہوائیں دن بدن سرد تر ہوتی جا رہی تھیں۔ایک رات سلطان کی خیمہ گاہ میں گہری اداسی طاری تھی۔سلطان کا تجربہ کار مصاحب اور عسکری ماہر حسام الدین طمان فوت ہو گیا تھا۔قاضی ابن شداد بتاتے ہیں کہ وہ ایک بہادر سالار تھا۔کاتب عماد اصفہانی لکھتے ہیں کہ موت کے وقت اس مردِ مجاہد کو بستر پر جان دینے کا سخت صدمہ تھا۔حالتِ نزع میں وہ گھوڑا منگوا رہا تھا تا کہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہوئے اپنے خالق سے جا ملے۔رات گئے اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور العیاضیہ کے ٹیلے پر ہی اسے دفن کر دیا گیا۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ:168

[2] النوادر السلطانیہ:169،کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین:4/108

میدان جنگ میں اب وہ ہنگامہ نہ تھا مگر فریقین موقع پا کر ایک دوسرے پر چوٹ لگانے سے باز نہیں رہتے تھے۔ روزانہ مسلمانوں کی کچھ ٹولیاں میدان میں نکل جاتیں، ادھر سے دشمن کے سپاہی بھی منڈلاتے نظر آتے۔ کبھی وہ دور ہی سے ایک دوسرے کو گھورتے اور کبھی نعرے لگا کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں طرف موڑ خوشگوار ہوتا اور لڑائی کی بجائے سے زبانی فقرے کسے جاتے، ایک دوسرے کی بھد اڑائی جاتی، کسی موقع پر بہادروں کو جوش آجاتا تو وہ دعوتِ مبارزت دے ڈالتے اور ایکا ایکی لڑائیاں ہوتیں۔ تب سینکڑوں لوگ ان دلچسپ مگر خونی مقابلوں کو دیکھنے جمع ہو جاتے۔

مسلمانوں کی خیمہ گاہ کے پیچھے ایک بہت بڑا بازار لگ گیا تھا۔ ہزاروں سپاہیوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے سینکڑوں دکانیں آراستہ ہو گئی تھیں۔ حبشی، عرب بدو، کرد اور ترک تاجر یہاں ضرورت کی ہر شے کے ساتھ موجود تھے۔ ان میں سے بہت سے مسلح تھے کیوں کہ جنگ کا دائرہ بازار تک بھی پھیل سکتا تھا۔

سلطان کی فوج میں رضا کارانہ طور پر جہاد میں حصہ لینے والے بہت سے بدو اور کسان بھی تھے۔ ان سے بعض مواقع پر بہترین کام لیا جاتا تھا۔ وہ فرنگیوں کا سامان لوٹتے اور انہیں گھائل کرتے رہتے تھے۔ اگر کبھی ناواقف یورپی سپاہی ٹولیوں کی شکل میں اِدھر اُدھر لوٹ مار کرنے نکل جاتے تو قبائلی بدو انہیں جی بھر کے نشانہ بناتے۔ عموماً فرنگی ایسا خطرہ کم ہی مول لیتے تھے۔ سمندر کی جانب سے فرنگیوں جو کمک پہنچ رہی تھی بعض اوقات مسلمان اس میں سے بھی اپنا حصہ وصول کر لیتے تھے۔ ایک دن کوئی یورپی جہاز چھاؤنی کے لیے اعلیٰ نسل کے گھوڑے لے کر آیا۔ ان میں سے ایک گھوڑا بدک کر سمندر میں کود گیا اور بڑی مہارت سے تیرنے لگا۔ فرنگی اس کے پیچھے لگے رہے مگر وہ ہاتھ نہ آیا اور تیرتا ہوا عکا کی بندرگاہ تک پہنچ گیا جہاں مسلمان یہ عجیب تماشا دیکھ رہے تھے۔ گھوڑا سیدھا مسلمانوں کے پاس آ گیا۔ ❶

<u>بدوؤں کا چھاپہ</u> ﷺ 16 شعبان کو صلیبیوں کا ایک گروہ چھاؤنی سے نکل کر دریائے عکا کی طرف چلا جا رہا تھا تاکہ وہاں سے گھاس جمع کر کے مویشیوں کے لیے چارے کا بندوبست کرے۔ سلطان کے جاسوسوں نے بروقت یہ اطلاع دے دی اور سلطان کے حکم سے چھریرے چاق اور چوبند بدو اپنے قبائلی بھیس میں وہاں منڈلانے لگے۔ اس حلیے میں کوئی ان پر سلطان کے سپاہی ہونے کا شک نہیں کر سکتا تھا۔ جوں ہی فرنگی وہاں پہنچے عرب مجاہد ان پر جھپٹ پڑے اور ان کو واصلِ جہنم کر کے ان کے کٹے ہوئے سر سلطان کی خدمت میں پیش کر دیے۔ سلطان نے انہیں خلعتیں عطا کیں اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ❷

---

❶ النوادر السلطانیہ: 169_170، الکامل فی التاریخ 186/10

❷ النوادر السلطانیہ: 170

اسی دن سورج ڈھلتے وقت عکا کی فصیل پر زبردست جنگ چھڑ گئی۔ ویسے تو روزانہ ہی تیروں اور پتھروں کا ہلکا پھلکا تبادلہ ہوتا رہتا تھا مگر فرنگیوں کا یہ حملہ بڑا بھرپور تھا، تاہم عکا کے محافظین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کی ایک نہ چلنے دی۔ اندھیرا پھیلنے تک عکا کی فصیل کی جانب سے مار دھاڑ کا شور سنائی دیتا رہا پھر یکدم خاموشی طاری ہوگئی۔ فرنگی اپنی چھاؤنی میں واپس چلے گئے تھے۔ [1]

مسلمان فیصلہ کن جنگ کے منتظر تھے مگر فرنگیوں کو محفوظ پناہ گاہ مل گئی تھی لہٰذا انہیں زبردستی میدان میں گھسیٹنا ممکن نہ تھا۔ فرنگی بھرپور لڑائی کے دن کا فیصلہ اپنی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر کرنا چاہتے تھے۔ صورتحال غیر یقینی تھی اور کسی بھی دن ان کی جانب سے بڑا حملہ ہوسکتا تھا اس لیے سلطان ایوبی نے اپنی خیمہ گاہ کو جنگی صف بندی کے انداز میں مرتب کرلیا۔ میمنہ، میسرہ اور قلب کے سپاہیوں کو ان کی جگہوں کے مطابق خیمہ گاہ کے دائیں، بائیں یا وسطی حصے میں خیمے دیے گئے تھے۔ ان کے گھوڑے ان کے خیموں کے قریب ہمہ وقت تیار رہتے تھے تاکہ جوں ہی طبلِ جنگ پر چوٹ پڑے، یہ خیموں سے نکل کر طے شدہ ترتیب کے مطابق فوراً صفیں بنالیں۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 170

[2] النوادر السلطانیہ: 170

فصل:2

معرکۂ کبریٰ

طول پکڑتی اس جنگ کا فیصلہ جتنی جلد ہوتا، مسلمانوں کے لیے بہتر تھا کیونکہ یورپ سے مزید بڑی افواج کی آمد متوقع تھی اور تب مسلمانوں کے لیے اس سیلاب کا رخ پھیرنا زیادہ مشکل ہوجاتا اس لیے سلطان صلاح الدین دشمن کو اس کی موجودہ پوری طاقت میدان میں لانے کا موقع دے رہے تھے۔ اپنی خیمہ گاہ دور لے جا کر انہوں نے دشمنوں کو کھلا میدان فراہم کردیا تھا۔ اب وہ ان کے ردعمل کے منتظر تھے۔ کچھ دنوں تک فرنگی اسے سلطان کی خطرناک چال سمجھ کر میدان میں نکلنے سے گریز کرتے رہے۔ یہ سلطان کی طرف سے دعوتِ مبارزت تھی جسے سوچ سمجھ کر قبول کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ کچھ انتظار کر لیتے اور جرمنی، برطانیہ اور فرانس کی افواج کے آنے پر میدان میں نکلتے تو کامیابی کے امکانات زیادہ تھے۔ مگر وہ فوجیں کب آئیں گی؟ ان کے آنے تک حالات کچھ اور رخ اختیار نہ کرلیں؟ یہ وہ زاویے تھے جن پر فرنگی رہنما غور کر رہے تھے۔ ان کے جوشیلے ناشوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

یورپ سے آئے ہوئے جنونی صلیبیوں کو اپنی کثرت کے باوجود گائی کا تذبذب قطعاً نہیں بھا رہا تھا۔ وہ سراپا سوال تھے کہ آخر ہم اپنی موجودہ طاقت کے ساتھ سلطان کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اب تک سلطان کی تمام افواج اس محاذ پر جمع نہیں ہوسکیں بلکہ وہ طرابلس، صور اور انطاکیہ کی سرحدوں پر بکھری ہوئی ہیں، دمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر پہرہ دے رہی ہیں، شمالی شام کے شہروں حلب اور حماۃ میں ان کی ایک بڑی تعداد تعینات ہے کیونکہ شاہِ جرمنی فریڈرک باربروسا کی پیش قدمی جاری ہے اور وہ کسی بھی وقت ایشیائے کوچک سے شام کی شمالی سرحدوں پر نمودار ہوسکتا ہے۔ ادھر مصر سے الملک العادل کی بحری فوج اور حسام الدین لؤلؤ کا بحری بیڑہ بھی اب تک نہیں پہنچا تھا۔ اگر جنگ میں تاخیر کی صورت میں وہ سلطان سے آملے تو کیا مسلمانوں کو شکست دینا مشکل نہ ہوجائے گا؟ ان پہلوؤں پر سوچنے کے بعد بڑے حملے کا دن طے کرلیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ حملہ اچانک کیا جائے گا۔

بدھ 21 شعبان 585ھ (4 اکتوبر 1189ء) کو علی الصبح فرنگی خیمہ گاہ میں ناقوس بج اٹھے۔ سپاہی قطار در قطار کچے پشتے کی اوٹ سے نکل کر خندق کا چوبی پل عبور کر رہے تھے۔ صبح کی روشنی پھیلنے تک ان کی صف بندی مکمل ہو چکی تھی۔ لشکر میمنہ، میسرہ اور قلب کے تین روایتی حصوں میں تقسیم تھا۔ گائی قلب میں شاہانہ طمطراق سے کھڑا تھا۔ نیزہ بردار محافظ اس کے دائیں بائیں چوکس تھے۔ بائبل کا ایک بڑا نسخہ ریشمی کپڑے میں لپٹا اس کے سامنے تھا جسے چار خادموں نے چاروں کونوں سے تھاما ہوا تھا۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنی چھاؤنی سے میدان کے وسط کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لشکر کے دائیں اور بائیں بازو پھیل کر ٹیلوں کی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ دایاں بازو دریائے عکا اور بایاں بازو عکا شہر کے شمال میں ساحلِ سمندر کو چھو رہا تھا۔ اٹلی، جرمنی، ہالینڈ اور ڈنمارک کے سپاہی اپنے اپنے خاص نشانوں کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ ان کے سروں پر سینکڑوں صلیبیں بلند تھیں اور ہزاروں چھوٹے بڑے پرچم ان کے ہاتھوں میں لہرا رہے تھے۔ دو میل تک پھیلی ہوئی ان صفوں میں سب سے آگے تیر انداز تھے۔ ان کے بعد پیادوں کی صفیں تھیں جو دُہری قدِ آدم ڈھالوں کی دیوار بنائے چلے آ رہے تھے۔ پھر نائٹوں اور گھڑ سواروں کے دستے تھے جو چمکدار بھاری زرہوں میں ملبوس نیزے لہراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ کاتب عماد کے بیان کے مطابق اس حملے میں نصرانیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ یہ تعداد جنگ میں گرفتار ہونے والے ٹمپلروں کے گرینڈ ماسٹر نے خود بتائی تھی۔

نصرانیوں کا یہ حملہ مسلمانوں کے لیے غیر متوقع تھا۔ اس دن صبح مسلمان حسبِ معمول بیدار ہوئے تھے۔ اطمینان سے نمازِ فجر ادا کی تھی۔ پھر کچھ سپاہی تیغ آزمائی کا شوق پورا کرنے میدان میں نکل گئے تھے جب کہ اکثر اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھے۔ کوئی اپنے خیمے میں تھا، کوئی کسی دوست سے ملنے لشکر کے کسی دوسرے حصے میں پھر رہا تھا۔ کچھ اپنے گھوڑوں کو دانا کھلا رہے تھے، کچھ بازار میں گھوم کر ضرورت کا سودا خرید رہے تھے۔ ایسے میں سرپٹ سواروں نے آکر آواز لگائی۔

يَا لَلإِسْلَام يَا لَلإِسْلَام يَا عَسَاكِرَ مُوَحِّدِيْن يَا خَيلَ اللهِ ارْكَبِي [5]

ساتھ ہی طبلِ جنگ پر چوٹ پڑنے لگی۔ مسلمان تیزی سے اٹھے اور سلطان صلاح الدین کی پکار پر جمع ہونے لگے۔ صف بندی کے مطابق خیمے لگنے کی وجہ سے مسلمانوں کو سہولت رہی اور صفیں بننے میں دیر نہ لگی۔ اگر پہلے سے یہ انتظام نہ ہوتا تو مسلمان یقیناً شدید نقصان سے دوچار ہوتے اور صف بندی سے پہلے ہی دشمن کی زد میں آ جاتے۔ سلطان نے لشکرِ اسلام کی صف بندی شروع کی اور بڑی سرعت

۵ اسلام کو خطرہ!! اسلام کو خطرہ!! توحید کے سپاہیو! اللہ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ

سے صفوں کو حریف لشکر کے دونوں کناروں تک پھیلا دیا۔ نظم و نسق بہتر بنانے کے لیے انہوں نے لشکرِ اسلام کے تینوں حصوں یعنی میمنہ، میسرہ اور قلب کو مزید چار چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا یعنی ان میں سے ہر ایک کو دائیں، بائیں، وسط اور ہراول میں بانٹ دیا تھا تاکہ جنگ کا دائرہ پھیلنے کے بعد بھی نظم و ضبط برقرار رہے۔ ❶

سلطان کے لشکر کی ترتیب ❀ سلطان صلاح الدین خود قلب لشکر کے وسط میں تھے۔ قلب کے دائیں بازو کی قیادت شہزادہ الملک الافضل کر رہا تھا۔ ذیلی سالاروں میں بڑے بڑے نامور افسران شامل تھے۔ انہی میں شہزادہ الملک الظافر کا دستہ تھا۔ برابر میں موصل کے سپاہی زہیر الدین بلنکری کی کمان میں تھے۔ دیار بکر کی فوج نوجوان قلعہ دار قطب الدین سقمان کی سرکردگی میں صف آرا تھی۔ قلب لشکر کا ہراول فقیہ عیسیٰ الہکاری کی کمان میں تھا۔

میمنہ کی کمان جنگ آزمودہ سالار تقی الدین عمر کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دائیں بازو کے آخری کونے پر عکا کے شمال میں بحیرۂ روم کی پرسکون موجوں کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی بائیں جانب دیگر دستے تھے جن کی قیادت سلطان کا بھانجا حاکم نابلس حسام الدین بن لاجین اور جانباز امیر قایماز نجمی کر رہے تھے۔

میسرہ کے قائد کہنہ سال کردستانی سیف الدین مشطوب کے سپاہیوں کی صفیں قلب لشکر سے متصل تھیں، مہرانی اور ہکاری قبائل اس کی سرکردگی میں تھے۔ معرکہ آزما امیر مجاہد الدین یرنقش بھی سنجار کے بہادروں اور مملوک سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔ حران کا امیر مظفر الدین کوکبری بھی میسرہ میں تھا۔ میسرہ کے آخری سرے پر دریائے عکا کے کنارے مملوک اسدیوں کے سرکردہ امراء سیف الدین یازکوج اور ارسلان بغا مقرر تھے۔

قلب، میمنہ اور میسرہ کے یہ تمام دستے وادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک کمان کی شکل میں کھڑے تھے۔ ہر دستے کا سالار اپنے سپاہیوں سے چند قدم آگے تھا۔ ان میں سے ہر ایک اسلام کے دفاع کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار تھا۔ ایک فرانسیسی مؤرخ سلطان کی صف بندی کی داد دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''سلطان نے فوج اس طرح ترتیب دی تھی کہ نصرانیوں کو دریا اور سمندر کے درمیان گھیر لیا تھا کہ اگر نصرانیوں کو شکست ہو جائے تو ان کی واپسی کی کوئی صورت نہ رہے۔'' ❷

❶ النوادر السلطانیۃ: 171، الکامل فی التاریخ: 10/188، ابن خلدون: 5/315۔
نوٹ: یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ لشکر کے دائیں بازو کو "میمنہ"، بائیں بازو کو "میسرہ"، وسطی حصے کو "قلب"، آخری حصے کو "ساقہ" اور سب سے اگلے حصے کو "ہراول" یا "مقدمۃ الجیش" کہا جاتا ہے۔
❷ حیات صلاح الدین، ص 155

مسلمانوں کی مجموعی تعداد کسی مورخ نے بیان نہیں کی مگر اندازہ ہے کہ وہ 20 سے 30 ہزار کے لگ بھگ تھے۔ اس سے زیادہ کی امید اس لیے نہیں کی جاسکتی کہ معرکہ حطین میں سلطان ایوبی اپنے زیر انتظام تمام صوبوں کی افواج جمع کر کے بھی 12 ہزار سے زائد سپاہی جمع نہیں کر سکے تھے، اس کے بعد سلطان کی فوج میں کسی بڑے اضافے کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا موجودہ مہم میں سلطان کے پاس پیشہ ور سپاہی بارہ تیرہ ہزار ہی ہوسکتے ہیں۔ پھر اگر ان میں رضا کاروں کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ مقدار دوگنی سمجھی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم کل سپاہ کو 20 سے 30 ہزار کے درمیان شمار کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ حطین کے معرکے سے لے کر اب تک سلطان کو کسی اسلامی ملک سے افواج میسر نہیں آئی تھیں حالانکہ مقابلے پر اب کئی یورپی ممالک کی افواج تھیں۔ مستشرقین صلیبیوں کی شرمناک شکستوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ان کی تعداد کم اور سلطان ایوبی کی افواج کو کئی گنا زائد بتاتے رہے ہیں جو ایک سنگین خیانت ہے۔

<u>جنگ شروع ہوتی ہے</u> ❁ سلطان صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ہو کر دستوں کے درمیان گشت کر رہے تھے اور انہیں اسلام کی خاطر کٹ مرنے پر ابھار رہے تھے۔ وہ پورے یقین سے کہہ رہے تھے:

''اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہے۔''

وہ فوج کو برابر حوصلہ دلا رہے تھے اور صفوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ بار بار سپاہ کو ثابت قدمی کی تاکید کر رہے تھے اور جنت کی ابدی مسرتوں سے ہمکنار ہونے کا مژدہ سنا رہے تھے۔ سورج بلندی پر جا رہا تھا اور صبح کی خنکی پر اس کی تمازت غالب آگئی تھی۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے آچکے تھے مگر حملے میں پہل کرنے میں متذبذب تھے۔ ۞

چار گھنٹے یوں ہی گزر گئے۔ آخر کار صلیبیوں کے بائیں بازو نے ہولناک شور شرابے کے ساتھ لشکرِ اسلام کے دائیں بازو کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ نصرانیوں کو اپنی کثرت پر اس قدر غرور تھا کہ ایک سورمانے چلا کر کہا:

''خدا کو اس وقت خاموش رہنا چاہیے، فتح ہماری ہے۔'' ۞

قلبِ لشکر میں کھڑے سلطان صلاح الدین نے شمال کی طرف گرد وغبار اڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک میل دور ساحلِ سمندر کے سامنے معرکہ شروع ہونے کو تھا۔ سلطان کی نگاہیں اسی طرف جمی ہوئی تھیں۔ انہیں تقی الدین کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا جو ان کی فوج کا سب سے ماہر سالار تھا مگر جنگ میں کسی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

۞ الحروب الصلیبیۃ، ص:171، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/96 ۞ حیات صلاح الدین، ص 156

ادھر تقی الدین عمر صلیبی میسرہ سے نبرد آزمائی کے بالکل تیار تھا۔ اس نے تیر انداز جالیشیہ دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ صلیبی نائٹ گھوڑوں کو ایڑ لگا کر مسلمانوں کے قریب پہنچ چکے تھے، ان کے پیچھے پیادہ دستے ڈھالوں کی اوٹ میں نیزے تانے چلے آرہے تھے۔ تقی الدین کے اشارے پر جالیشہ دستے دم دم تیر برسانے لگے، فرنگیوں میں سے بہت سے زخمی ہو کر گر پڑے مگر ان کی تنظیم بہت عمدہ تھی لہٰذا صف میں کوئی رخنہ نہیں آیا۔ آخر مسلمان اور عیسائی باہم گتھ گئے اور ایک خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ کئی بار مسلمانوں نے عیسائیوں کو پیچھے دھکیلا اور کئی بار عیسائی انہیں پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہوگئے۔ دشمن کا یہ دم اور اس کی صف بندی کی پختگی دیکھ کر تقی الدین عمر کو یقین ہوگیا کہ جھانسا دیے بغیر اس کا توڑ ممکن نہیں، اس نے فرنگیوں کے برسرِ پیکار سپاہیوں کو میدانِ جنگ سے دور لے جا کر باقی لشکر سے الگ کر دینے کی ضرورت محسوس کی کہ شاید اس طرح صلیبیوں کے مختلف پہلوؤں پر حملہ کرنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی سپاہ کو پسپائی کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے گھوڑوں کے رخ پھیر دیے اور مشرقی پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگے۔ دشمن یہ دیکھ کر جری ہوگیا اور ایک ریلے کی طرح ان کے پیچھے آیا۔

قلب لشکر میں سلطان ایوبی یہ منظر دیکھ کر پریشان ہوگئے کیونکہ تقی الدین نے کسی طے شدہ منصوبے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ یہ پسپائی اس کا ذاتی فیصلہ تھا۔ سلطان یہ سمجھے کہ مسلمان کمزوری کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ چونکہ اب تک دونوں لشکروں کے قلب میدانِ کارزار میں نہیں اترے تھے اور سلطان کے زیرِ کمان قلب کے سپاہی محفوظ دستوں کے طور پر کھڑے تھے چنانچہ سلطان نے فوری طور پر ان کا ایک حصہ تقی الدین کی امداد کے لیے روانہ کر دیا۔ [1]

قلبِ لشکرِ اسلام درہم برہم ❋ اُدھر عیسائیوں کے قلب سے گائی اور اس کے افسران یہ منظر بغور دیکھ رہے تھے۔ انہیں سلطان پر حملے کے لیے ایسے ہی کسی وقت کا انتظار تھا۔ جوں ہی لشکرِ اسلام کے قلب میں سپاہی کم ہوئے صلیبی مسیح اور مریم کے نعرے بلند کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔

یہ لمحات نہایت نازک تھے۔ مسلمانوں کی تعداد نصرانیوں سے بہت کم تھی۔ ہر مسلمان کے مقابلے میں کم از کم چار عیسائی تھے۔ پھر نصرانیوں کے لشکر کا سب سے بڑا حصہ ان کا قلب تھا جبکہ مسلمانوں کے قلب میں اب فوج مزید کم ہوگئی تھی۔ نصرانیوں نے مزید موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے زیادہ زور مسلم قلب کے دائیں پہلو پر دیا جہاں دیار بکر کی سپاہ قطب الدین سقمان کی سرکردگی میں تھی قطب الدین ایک بہادر نوجوان تھا مگر اسے بڑی جنگوں کا کوئی تجربہ نہ تھا چنانچہ اس اچانک حملے سے اس کے قدم اکھڑ

[1] النوادر السلطانیہ: ص172، الکامل فی التاریخ: 10/186

گئے جس سے پورے قلب کی صف بندی میں دراڑیں پڑ گئیں، عیسائی گھڑسواروں نے مسلمانوں کی صفوں کو دھکیلتے ہوئے دائیں بائیں الٹ دیا۔ قاضی بہاء الدین ابن شداد کہتے ہیں:

"فرنگیوں کے پیادوں اور گھڑسواروں نے قلب کے دائیں پہلو پر دھاوا بول دیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ان کے پیادے بھی گھڑسواروں کی طرح مانند تیزی سے دوڑتے جا رہے تھے۔"[5]

مسلمانوں کو شدید ترین ہزیمت ❊ سلطان صلاح الدین کی زندگی میں شاید اس سے زیادہ حوصلہ شکن لمحہ پہلے کبھی نہ آیا ہوگا۔ عین فیصلہ کن مرحلے میں ان کی حکمت عملی ناکام ہوگئی تھی۔ کوئی کام طے شدہ منصوبے کے مطابق نہیں ہوسکا تھا۔ بساط جنگ کی چالیں دشمن اپنے حساب سے چل رہا تھا اور مسلمان پٹے جا رہے تھے۔ اگرچہ ابھی مسلمانوں کا جانی نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا مگر میدان جنگ اب صلیبیوں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ہر طرف چھائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ قلب کے سپاہی تقی الدین کی پسپائی دیکھ کر پہلے ہی بددل ہو چکے تھے اور اب خود اپنی صفوں میں زبردست توڑ پھوڑ نے ایک لمحے کے لئے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ وہ فیصلہ کن معرکہ ہار چکے ہیں اور اب دمشق سے پہلے ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں رہی۔ چنانچہ اسلامی قلب کے اکثر سپاہی گھوڑوں کے منہ پھیر کر دمشق کی طرف فرار ہونے لگے۔ پیادوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ قلب کی صفیں خالی ہوتی گئیں۔ مسلمانوں کی اس مرعوبیت نے نصرانیوں کو مزید حوصلہ بخشا۔ ان کی بڑی تعداد اپنی صفوں کو چھوڑ کر فرار ہونے والوں کی تعاقب میں دوڑ پڑی۔[6]

سلطان صرف پانچ سپاہیوں کے ساتھ اپنی جگہ جمے رہے۔ عیسائی ایک ریلے کی طرح آئے اور ان سے کنی کترا کر اندھا دھند آگے بڑھتے چلے گئے۔ غالباً انہوں نے سادہ وضع سلطان کو پہچانا نہیں ہوگا اور چند ثابت قدم مسلمانوں کو دیکھ کر انہوں نے سوچا ہوگا کہ ان کا کہیں بچ کر نکلنا ممکن نہیں لہٰذا پہلے بھاگنے والی بڑی ٹولیوں کو ٹھکانے لگایا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ اَن گنت افراد مشرق کی جانب گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہوگئے۔ مفرور مسلمان دوڑتے دوڑتے العیاضیہ کے ٹیلوں پر واقع اپنی خیمہ گاہ سے بھی آگے نکل گئے اور ادھر ادھر پھیل گئے۔ فرنگی بھی ان کے پیچھے پیچھے خیمہ گاہ تک جا پہنچے۔

اسلامی میسرہ کی استقامت ❊ اب میدان جنگ کے شمالی اور وسطی حصے خالی ہوگئے تھے اور ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا تھا۔ ہاں ایک ٹیلے کے پیچھے سلطان اور ان کے چند جانثار سپاہیوں کی موجودگی یہ ثابت کر رہی تھی کہ ابھی جنگ کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دریائے عکا کے کنارے لشکر اسلام کا میسرہ (بایاں بازو) ابھی تک صلیبیوں کے میمنہ (دائیں بازو) کے مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا۔ اگر میسرہ

---

[5] النوادر السلطانیہ: ص 173، الکامل فی التاریخ: 187/10 [6] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 95/4

کے سپاہی بھی کم ہمتی کا مظاہرہ کرتے تو مسلمانوں کو شکست فاش ہونے میں چند لمحے بھی نہ لگتے اور صلیبی میمنہ انہیں کچلنے کے بعد بلا تامل سلطان کے بقیہ سپاہیوں پر حملہ آور ہو جاتا مگر میسرہ کے عمر رسیدہ قائد سیف الدین مشطوب نے بڑے بڑے معرکے دیکھے تھے۔ وہ سنگین ترین حالات میں بھی مایوس نہیں ہوتا تھا۔ اس کے حوصلے کے باعث اس کی زیر قیادت سپاہ اپنی جگہ جمی رہی۔[1]

مفرور سپاہیوں کی حالت ❁ اس دن قلب لشکر کے مسلمانوں کو کتنی بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کا اندازہ کاتب عماد کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

"اس دن میں اہل علم و فضل کی ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ ہم سوار ہو کر ایک ٹیلے پر جا پہنچے۔ یہاں سے ہم معرکے کا نظارہ کر رہے تھے۔ ہم نہتے تھے اور خچروں پر سوار تھے۔ اچانک ہم نے اپنے لشکر کو پشت پھیر کر فرار ہوتے دیکھا۔ وہ اپنی خیمہ گاہ کو بھی خالی چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے سو ہم (بھی جان بچا کر) طبریہ پہنچ گئے مگر دیکھا (فرنگیوں کے خوف سے) لوگ اسے بھی خالی کر گئے ہیں۔ پس ہم نے (دریائے اردن کا) پل صنبرہ عبور کیا اور اس کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئے۔ مفرورین میں سے بہت سے فیق کی گھاٹی تک چلے گئے تھے بلکہ بعض تو سیدھے دمشق پہنچ گئے تھے۔"[2]

خیمہ گاہ بھی لٹ گئی ❁ مسلمانوں کی خیمہ گاہ اس وقت بالکل خالی رہ گئی تھی کیونکہ لڑنے کے قابل تمام مرد یا تو معرکۂ کارزار میں تھے یا فرار ہو گئے تھے۔ پڑاؤ کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ لشکر کے من چلے خدام، مزدور اور لالچی غلام خیمہ گاہ میں گھس گئے۔ انہوں نے سوچا فرنگیوں کے خیمہ گاہ لوٹنے اور تباہ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم ہی اسے لوٹ لیں۔ چنانچہ وہ بے دریغ اندر گھس گئے اور بے شمار مال و اسباب کو سواریوں پر لاد کر محفوظ مقامات کی طرف بھاگ گئے۔[3]

سلطان صلاح الدین ایوبی کی حوصلہ مندی ❁ اس نازک ترین صورتحال میں ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کا ردعمل دیکھتے ہیں تو شدید حیرت ہوتی ہے وہ اب بھی مایوسی کی بجائے امید کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے اور جان کی بازی لگا کر میدان جنگ میں ثابت قدم تھے۔ یقیناً اس وقت انہیں وہ غائبانہ تائید آسمانی میسر تھی جو دلوں کو فولاد سے زیادہ مضبوط بنا دیتی ہے۔ ان پر اس سکینہ کا نزول ہو رہا تھا جو اضطراب کے لمحات میں بھی سکون و اطمینان کا سرچشمہ ثابت ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے ہونے والی خطرناک غلطی پر افسوس میں وقت ضائع کرنے کی بجائے وہ نصرانیوں کی ایک حماقت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 96/4
2. النوادر السلطانیۃ: 173_174
3. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 95/4

مفرور مسلمانوں کا تعاقب کرنے والے اکثر یورپی سپاہی تھے جو علاقے کے نشیب و فراز سے ناواقف تھے، وہ تعاقب میں دور تک جا کر راستے سے بھٹک سکتے تھے اس کی بجائے اگر وہ مسلمانوں کو پسپا کر کے خود میدان جنگ میں موجود رہتے اور باقی ماندہ لشکرِ اسلام پر پورا دباؤ ڈال دیتے تو میسرہ اور قلب کے باقی ماندہ چند ہزار سپاہی ایک لاکھ صلیبیوں کے سیلاب میں پس کر رہ جاتے۔ فرار ہونے والے مسلمان تو اب دشمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ صلیبی سمجھداری سے کام لیتے تو ان کا تعاقب بعد میں کر لیتے۔ مگر صلیبیوں سے یہاں چال چلنے میں غلطی ہو گئی تھی اور اسی سے فائدہ اٹھا کر سلطان اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ [1]

میدانِ جنگ کا منظر: اس وقت صلیبی مسلمانوں کا تعاقب دو حصوں میں بٹ کر کر رہے تھے، ان کا قلب، لشکرِ اسلام کے قلب کے تعاقب میں تھا اور بایاں بازو مسلمانوں کے دائیں بازو کے پیچھے۔ لشکرِ اسلام کا قلب تو بری طرح پسپا ہوا تھا اور فرنگی ان کے تعاقب میں دریائے اُردن کے پل تک بڑھتے چلے گئے تھے۔ [2]

مگر ان کا بایاں بازو تقی الدین عمر کو زیادہ دور نہ دھکیل سکا، اس لئے کہ تقی الدین کی پسپائی منصوبہ بندی کے تحت منظم انداز میں تھی۔ پھر قلب کے وہ سپاہی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جو سلطان کی جانب سے جنگ کے آغاز میں کمک کے طور پر اس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ تقی الدین اب اچھی طرح لڑنے کے قابل تھا۔ جلد ہی ایک مناسب مقام پر پہنچ کر اس نے پسپائی ختم کر دی۔ یہ دیکھ کر تعاقب کرنے والے بائیں بازو کے ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں نے بھی سمندر کے قریب ایک بلند ٹیلے پر ازسرِ نو منظم ہونا شروع کر دیا۔ [3]

صلیبیوں کی لوٹ مار: اُدھر صلیبیوں کے قلب کے سپاہی جو اسلامی قلب کے سپاہیوں کا تعاقب کر رہے تھے مسلمانوں کو مشرقی پہاڑوں کی بلندیوں میں غائب ہوتا دیکھ کر واپس آنا شروع ہو گئے تھے۔ [4] وہ اپنی فتح کو کامل تصور کر کے بے فکر تھے اس لیے اب انہیں لوٹ مار کی سوجھی۔ راستے میں انہیں چند مسلمان غلام، سائیس اور مزدور نظر آئے جو بار برداری کے خچروں پر سوار ہو کر فرار ہو رہے تھے۔ فرنگیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان میں سے تین افراد کو قتل کر دیا۔ باقی اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ فرنگیوں کی ایک ٹولی خیمہ گاہ کے پیچھے آباد بڑے بازار میں گھس گئی اور نہ صرف لوٹ مار کی بلکہ بہت سے

---

1. النوادر السلطانیہ: 173۔174، الکامل فی التاریخ: 10/188
2. النوادر السلطانیہ: 173۔174
3. النوادر السلطانیہ: 173۔174
4. النوادر السلطانیہ: 173۔174، ابن خلدون 5/315

لوگوں کو قتل بھی کر دیا مگر بازار میں کئی شمشیر زن اور خنجر زن موجود تھے۔ انہوں نے مل کر لٹیرے فرنگیوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور ان میں سے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فرنگی جس تیزی سے بازار میں گھسے تھے، اسی تیزی سے باہر نکل گئے۔ [1] ...... اب ان کا ارادہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ کو لوٹنے کا تھا، چنانچہ وہ ٹولیوں میں بٹ کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ ان کی ایک ٹولی سلطان ایوبی کی خصوصی خیمہ گاہ میں گھس گئی اور خیموں کو لوٹنے لگی۔ یہاں انہیں جو شخص بھی نظر آیا وہ اسے تہ تیغ کرتے گئے۔ کچھ لوگ سلطان کے خیمے کے قریب شہید ہوئے جن میں ایک عالم شیخ علی ابن رواحہ اور سلطان صلاح الدین کا طشت دار بھی شامل تھے۔ اب صلیبیوں کے سامنے سلطان کا اونچا خیمہ تھا جس پر لہراتا ہوا پرچم اور نشانِ خاص دور سے دکھائی دیتا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ سلطان کے خیمے کو لوٹتے انہیں میدانِ جنگ سے ایک پریشان کن خبر ملی اور وہ واپس دوڑ پڑے۔ [2]

صلیبی کیوں واپس ہوئے ❊ انہیں اطلاع ملی تھی کہ مسلمانوں کا میسرہ سیف الدین مشطوب کی قیادت میں ان کے میمنہ کو دھکیلتا ہوا تورون چھاؤنی کی خندق تک لے گیا ہے اور محفوظ صلیبی دستے اب مسلمانوں کے تعاقب میں نکلنے کی بجائے میدان جنگ میں اپنے میمنہ کی مدد کے لئے جا رہے ہیں۔ ابھی صلیبی اس جھٹکے سے سنبھلنے نہیں پائے تھے کہ پتا چلا میدانِ جنگ کی شمالی سمت میں بھی صورتحال تبدیل ہوگئی ہے اور وہاں تقی الدین عمر نے دائیں بازو کے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر ایک بار پھر میدان میں قدم جمالئے ہیں۔ اس صورتحال سے قلب کے یہ صلیبی جو خیمہ گاہ میں لوٹ مار کر رہے تھے، حواس باختہ ہوگئے، انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ ذرا دیر بھی یہاں رکے تو اپنے لشکر سے کٹ کر رہ جائیں گے، کیوں کہ اگر مسلمانوں کا میمنہ یا میسرہ غالب آ گیا تو فارغ ہو کر وہ سب سے پہلے انہی کا راستہ روکنے کی کوشش کرے گا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ لشکر کے محفوظ دستوں کی کمک آنا بند ہوگئی ہے لہٰذا یہاں ٹھہرنا خطرناک تھا جبکہ میدان جنگ میں ان کی زیادہ ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ اسلامی خیمہ گاہ کو مزید نقصان پہنچانے کے بجائے تیزی سے وادی کی طرف دوڑ پڑے۔ [3] ...... وہ ایسے ہیبت زدہ ہو کر بھاگے کہ جاتے جاتے سلطان کے خیمے اور پرچم کو بھی گرانا بھول گئے۔ علامہ ابن اثیر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر خاص کرم ہوا کہ انہوں نے سلطان کے خیمے کو نہیں گرایا۔ اگر وہ اس کو گرا دیتے تو سب مسلمانوں کو پتا چل جاتا کہ فرنگی ہماری خیمہ گاہ تک پہنچ گئے ہیں اور لشکر اسلام

---

1. النوادر السلطانیہ: 174
2. النوادر السلطانیہ: 174
3. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/95، الکامل فی التاریخ: 10/187

شکست کھا کر پسپا ہو گیا ہے، یہ دیکھ کر (میسرہ اور میمنہ کے) باقی سب مسلمان بھی (جواب تک لڑ رہے تھے) پسپا ہو جاتے۔"[1]

شکست کی کھائی سے فتح کی چوٹی تک لشکرِ اسلام کے قلب اور دائیں بازو کے میدان چھوڑنے کے بعد سلطان ایوبی اپنے گرد ثابت قدم پانچ افراد کے ساتھ ایک ٹیلے پر آ گئے تھے۔ اب بھی وہ اس شکست کو فتح میں بدلنے کے متعلق پر امید تھے۔ انہوں نے فتح کے نشے میں چور دشمن کی فولادی صف بندی کو مسلمانوں کے اندھا دھند تعاقب کی وجہ سے ٹوٹتا اور انہیں بکھرتا دیکھ کر دو طرفہ حملے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ وہ "یا للاسلام یا للاسلام" پکار پکار کر منتشر سپاہیوں کو جمع کرنے لگے۔ جہاں جہاں کسی بھولے بھٹکے سپاہی نے یہ صدا سنی وہ لبیک کہتا ہوا دوڑا چلا آیا۔ جب کچھ لوگ جمع ہو گئے تو سلطان نے میدانِ جنگ کے اطراف میں گشت شروع کیا اور قلب کے بکھرے ہوئے سپاہیوں کو جمع کرنے کی کوشش کی اگرچہ اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی کیوں کہ اکثر سپاہی بہت دور نکل گئے تھے مگر پھر بھی دن ڈھلنے تک ایک ہزار کے لگ بھگ جوان جمع ہو گئے۔ اس دوران سلطان کو مشرقی افق پر گرد و غبار کے بادل ایک بار پھر نظر آنے لگے جس کا مطلب یہ تھا کہ فرنگیوں کا قلب مسلمانوں کا تعاقب کر کے واپس آ رہا ہے۔ سلطان نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ان کا بایاں بازو دشمن کے مقابلے میں دیر تک قدم جمائے رکھے گا اور ضرورت پڑنے پر ان کے ساتھ شامل ہو سکے گا۔ ساتھ میں انہوں نے عکا کے فصیل بند سپاہیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کا اشارہ ملتے ہی دشمن پر عقب سے حملہ کر دیں۔

اب سلطان نے ان ایک ہزار سپاہیوں کو مرتب کیا اور میدان کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر فرنگیوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ گروہ در گروہ ٹیلوں سے اترتے نظر آئے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ تیزی سے آگے بڑھیں اور ان پر سامنے سے حملہ کریں مگر سلطان نے انہیں منع کر دیا کیونکہ ان کی حکمت عملی کچھ اور تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے صلیبوں کے گروہ ٹیلوں سے اتر کر میدانِ جنگ میں اپنے محفوظ دستوں کی طرف نکل گئے۔ اُن کے پیچھے دور تک مزید صلیبی آتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے تعاقب میں زیادہ دور نکل جانے والے صلیبیوں کو واپس آنے میں ابھی دیر لگے گی۔ سلطان نے اب کسی پس و پیش کے بغیر واپس جانے والے صلیبیوں پر پشت سے حملہ کر دیا۔ سلطان کے بائیں بازو نے بھی اسی وقت جنوب کی سمت سے حریف پر دھاوا بول دیا۔ فتح کے نشے میں دُھت فرنگی ایسے گھبرائے کہ انہیں کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ وہ مسلمانوں کے آگے آگے بھاگنے لگے۔

[1] الکامل فی التاریخ: 187/10

میدان کے دوسری جانب فرنگیوں کا باقی لشکر یہ منظر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب انہوں نے تعاقب سے واپس آنے والی ٹولیوں کو مسلمانوں کی چمکدار تلواروں کے سائے میں بھاگتے دیکھا تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمانوں نے ہمارے قلب اور میمنہ کو میدان جنگ سے دور لے جا کر روند ڈالا ہے اور اب ان میں سے صرف یہ تھوڑے سے سپاہی جان بچا کر واپس آ رہے ہیں۔ چنانچہ ان پر بھی مایوسی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ تعاقب سے واپس آنے والوں کے ساتھ مل کر لڑنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی فکر میں پڑ گئے۔ ان کی ادھیڑ بن سے فائدہ اٹھا کر تقی الدین عمر نے شمال کی طرف سے زوردار حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے منظم حملوں کے سامنے نصرانیوں کی اکثریت کچھ کام نہ آ سکی۔ انہوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی مگر اتنے طویل اور بے سود تعاقب کے باعث ان کے گھوڑے اور گھڑسوار دونوں تھک چکے تھے۔ پھر بساطِ جنگ کی اچانک تبدیلی اور مسلمانوں کے سہ طرفہ دباؤ نے انہیں پست ہمت کر دیا تھا چنانچہ وہ تینوں اطراف سے سمٹ کر پسپا ہوتے گئے۔ سلطان کے سپاہی ان کو چھاؤنی تک مارتے کاٹتے چلے گئے، یہاں کونرڈ مارکوئیس بھی مسلمانوں کے نرغے میں آ گیا، شاہ گائی فوراً چنیدہ نائٹوں کے ساتھ اس کی مدد کے لئے پہنچا اور مارکوئیس بچ کر نکل گیا۔ اسی اثناء میں سلطان کے منصوبے کے مطابق عکا کی گھڑسوار فوج شہر پناہ کے دروازے کھول کر باہر نکل آئی اور اس نے صلیبیوں کے منتشر لشکر پر عقب سے ایسا شدید حملہ کیا کہ انہیں میدان جنگ سے فوراً ہٹنا پڑا۔ وہ تیزی سے اپنی چھاؤنی میں پناہ لینے لگے۔ [1]

صلیبی جنگوں کا مشہور شاعر ''ایمبروز'' اس واقعے کو بیان کرکے کہتا ہے:

> ''عکا کی فوج نے شہر کے دروازوں سے ہم پر اتنا شدید حملہ کیا کہ اگر ہم اپنے مورچوں میں نہ گھس جاتے تو وہ ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتے۔'' [2]

<u>لڑائی کے بعد</u>۞ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور سورج مغرب کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ عیسائی اپنی چھاؤنی میں جا چکے تھے۔ مسلمان بھی ان کے ساتھ ساتھ چھاؤنی میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ اس دوران انہیں اطلاع ملی کہ خیمہ گاہ سے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا ہے، اس خبر نے ان کو پریشان کر دیا۔ اس دوران فرنگیوں کی چھاؤنی سے تازہ دم سپاہ کی ایک بڑی تعداد مدافعت کے لئے باہر نکل آئی تھی جنہیں کسی ایسے ہی ہنگامی موقعے کے لیے پیچھے رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں کے لئے یہاں ایک نیا معرکہ شروع کرنا آسان نہ رہا کیوں کہ دن بھر کی شدید لڑائی کے بعد وہ غیر معمولی نقاہت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی تلواریں نیاموں میں ڈال کر واپس ہونے لگے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 174_175، الکامل فی التاریخ: 10/187 [2] صلیبی جنگیں: 164

میدان میں جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ہزاروں ٹوٹے ہوئے نیزے، مڑے ہوئے خنجر، پھٹی ہوئی ڈھالیں، کند تلواریں، کٹے ہوئے خود اور چری ہوئی زرہیں کوڑے کرکٹ کی طرح قدموں میں روندی جا رہی تھیں، زخمیوں کی کراہیں بلند ہو رہی تھیں، شہیدوں کے خون سے زمین لالہ زار تھی، سلطان نے ان کی تدفین کا حکم دے دیا تھا، ان کے خون کی مہک الگ تھی جس کے باعث مسلمان اپنے شہداء کو آسانی سے ڈھونڈ سکتے تھے، جبکہ عیسائیوں کی لاشیں فوراً گلنے سڑنے لگی تھیں۔ ان کی بدبو نے ماحول کو حد درجے متعفن بنا دیا تھا۔

اس دوران سلطان کے تیز رفتار سوار دور دور تک گھوم پھر کر اپنے منتشر ساتھیوں کو جمع کر رہے تھے۔ مفرورین کی خاصی تعداد پہاڑی گھاٹی 'عقبہ فیق' سے گزر کر رک گئی تھی کیونکہ یہ محفوظ جگہ تھی اور یہاں چند آدمی پورے لشکر کو روک سکتے تھے۔ سلطان کے فرستادوں نے جب یہاں پہنچ کر 'سب ٹھیک ہے' کی اطلاع دی تو یہ مفرور سپاہی بے خوف ہو کر واپس چل دیے۔ اُدھر سلطان ایوبی اور ان کے رفقاء نمازوں سے فارغ ہو کر اس دن کی جنگ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ فوری طور پر جو لوگ لاپتا محسوس کیے جا رہے تھے ان کا ذکر ہو رہا تھا۔ شام تک اکادکا مفرورین کی واپسی ہونے لگی تھی اور رات گئے تک سلطان کے سینکڑوں سپاہی واپس آ چکے تھے۔ تاہم ایک بہت بڑی تعداد نے فرار ہونے کے بعد پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

"صرف وہ سپاہی جو جانے پہچانے تھے اور انہیں اپنی عدم موجودگی پر مواخذے کا خوف تھا واپس آئے جبکہ دوسرے مفرورین نے لوٹنے کی زحمت نہ کی۔"[1]

یہ ایک افسوسناک اور پریشان کن بات تھی کیونکہ ابھی معرکوں کا ایک طویل سلسلہ باقی تھا اور زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کی شدید ضرورت تھی۔ بہر حال سلطان ایوبی کے دم خم اور حوصلے میں کوئی فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔ زخمیوں کو فوری طور پر طبی امداد مہیا کی جا رہی تھی جبکہ شہداء کی تجہیز و تکفین کا کام جاری تھا۔ شہداء کی تعداد پندرہ سو کے لگ بھگ تھی، ان میں کئی نامی گرامی لوگ بھی شامل تھے جن میں معروف فقیہ اور ادیب جمال الدین ابوعلی بن رواحہ، الامیر مجلی ابن مروان، الحاجب خلیل الہکاری، مشہور صوفی اسماعیل قابس الاموی اور فقیہ عیسیٰ الہکاری کے بھائی حاکم القدس ظہیر الدین الہکاری قابل ذکر ہیں، لوگ فقیہ عیسیٰ کے پاس تعزیت کے لیے جمع ہوئے تو اس رجل رشید نے ہنستے ہوئے کہا:

هذا يوم للهناء لا يوم العزاء

"یہ مبارکباد کا دن ہے، نہ کہ تعزیت کا۔"[2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 176 [2] النوادر السلطانیہ: 175

فرانسیسی مؤرخ مجاڈ اس جنگ کی روداد سناتے ہوئے سلطان ایوبی کی مہارت وشجاعت کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے:

''صلاح الدین میدان میں تنہارہ گیا تھا اور کئی بار سخت خطرے میں تھا۔اپنے چند وفادار مملوکوں کے ساتھ اس نے اپنی منتشر فوج کو جمع کرنے کی کوشش کی اور آخر کار ان کا حوصلہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔جوں ہی اس کو سہارے کے اسباب ملے وہ اپنی مشہور اور ممتاز دلیری کے ساتھ لڑائی کے لیے واپس آیا اور نصرانیوں پر ٹوٹ پڑا۔مسلمانوں کے رسالے (گھڑسوار دستے) نے اپنی باری میں حملہ کیا اور فرنگیوں کے رسالے کو منتشر کر دیا،عیسائی فوج کے مختلف دستے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور بھاگتے ہوئے سنبھلنے اور جمع ہونے کی بے سود کوشش کرتے رہے۔اس وقت ٹمپلرز کا گرینڈ ماسٹر ریز رو فوج (محفوظ دستوں) کو لے کر آگے بڑھا تاکہ مفرورین کو سنبھالے مگر مسلمانوں کے گھڑسوار دستے سے اس کا تصادم اس حال میں ہوا کہ مسلمان ہر چیز کو پیٹتے اور فنا کرتے آرہے تھے۔پہلے ہی ہلّے میں یہ ریز رو فوج ٹوٹ گئی اور کئی دفعہ دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آئی مگر ہر بار مسلمان سواروں کے ناقابلِ شکست حملوں کے سامنے نہ ٹک سکی۔تمام اطراف سے فتح صلیبیوں کے ہاتھ سے نکلی جارہی تھی اور تمام اطراف میں پریشانی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔دائیں اور بائیں بازو کی افواج بھی بھاگ نکلیں،عقبی فوج کا دستہ مسلمانوں کو روکنے کی بے فائدہ کوشش کررہا تھا۔صلیبیوں کے دائیں بازو اور قلب پر حلب،موصل اور سنجار کے شہزادوں نے تقی الدین عمر سمیت حملہ کر دیا اور ادھر عکا کے محصورین بھی صفیں باندھ کر شہر سے نکل آئے اور نصرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ان کے ہیبت ناک کشت وخون سے عیسائی ہر سمت سے بھاگ نکلے۔اگر ان کا کیمپ مسلمانوں کے قبضے میں آجاتا تو کچھ بھی نہ بچتا مگر فتح مند مسلمان جب کیمپ پر حملے کے لیے بڑھے تو خندق کی گہرائی اور جینفری اور جیفولیس کی بہادری نے ان کے گھڑسواروں سے کیمپ کو بچالیا۔جنگ کے وقت صلاح الدین ایک ہی وقت میں ہر جگہ نظر آتا تھا،وہ میمنہ میں جنگ کو تازہ کر کے قلب میں واپس آیا اور پھر میسرہ کو نکل گیا۔دس بار اس نے عیسائی فوج کی صفوں کو عبور کیا۔گھڑسواروں کے ہر حملے کی ہدایات وہ خود دے رہا تھا۔''[1]

ابن اثیر الجزری معرکے کے نتیجے پر عمومی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اگر اس جنگ میں مسلمان بکھر نہ جاتے تو فرنگیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے اور ان کے استیصال

[1] مجاڈ،ص 459_460،بحوالہ حیاتِ صلاح الدین،ص 157

میں کامیاب ہو جاتے۔ پسپائی کے باوجود معرکے میں ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں نے انتہائی کوشش کو ڈالی اور جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔"[1]

غیبی مدد و نصرت: وادی عکا کی یہ لڑائی صلیبی جنگوں کے تمام معرکوں میں سب سے شدید شمار کی جاتی ہے جس میں دونوں فریقوں نے اپنی تمام دستیاب طاقت جھونک ڈالی تھی۔ عرب مورخین اسے الوقعۃ الکبریٰ اور المصاف الاعظم جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا آغاز مسلمانوں کے لیے تباہی کا پیغام لایا تھا مگر انجام کار انہیں دشمن پر غلبہ حاصل رہا۔ اپنی تتر بتر فوج کو مکمل شکست کے ہلاکت خیز مرحلے سے نکال کر تھوڑی ہی دیر میں حریف کو پسپائی پر مجبور کر دینا سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے خدا رسیدہ مجاہد ہی کا کارنامہ ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں نے اس لڑائی میں اللہ کی مدد و نصرت اور فرشتوں کے نزول کے عجیب و غریب واقعات بچشم خود دیکھے اور مدتوں انہیں یاد کرتے رہے۔ ایک مجاہد نے اپنا واقعہ یوں سنایا:

"میں میدان سے فرار ہو رہا تھا، ایک برق رفتار عیسائی گھڑ سوار میرے پیچھے لگا ہوا تھا، مجھے موت چند قدم کے فاصلے پر دکھائی دے رہی تھی اس نے اپنے نیزے کو میری طرف جھکا دیا تھا، میں زندگی سے مایوس ہو کر نیزے کی ضرب کا منتظر تھا مگر کچھ نہ ہوا۔ میں نے پلٹ کے دیکھا تو وہ اپنے گھوڑے سمیت اوندھے منہ ڈھیر ہو چکا تھا حالانکہ آس پاس کوئی نہ تھا۔ میں نے جان لیا کہ یہ اللہ کی مدد و نصرت کے سوا کچھ نہیں۔"[2]

کاتب عماد اصفہانی لکھتے ہیں:

"عجیب بات ہے کہ ہمارے ثابت قدم رہنے والے سپاہی ایک ہزار سے بھی کم تھے مگر انہوں نے ایک لاکھ کو مار بھگایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی۔ ہمارا ایک ایک سپاہی کہتا تھا کہ میں نے تثلیث کے پیروکاروں کے تیس تیس چالیس چالیس آدمی قتل کیے ہیں۔"[3]

ایک نیا مسئلہ اور سلطان کا حسنِ انتظام: اس خون ریز معرکے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی خیمہ گاہ میں اپنے رفقاء سے محو گفتگو تھے۔ وہ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ کل صبح تھکے ہارے دشمن پر کس طرح بھرپور حملہ کر کے اسے فیصلہ کن شکست دی جا سکتی ہے۔ آخر حکمت عملی طے کر لی گئی اور امراء اپنے خیموں کی طرف چلے گئے۔

مگر اگلی صبح جب سپاہ کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ اکثر سپاہی اپنے گم شدہ سامان کی

1. الکامل فی التاریخ: 10/188
2. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/96
3. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/97 ملخصاً اور سلطانیہ: 36 ملخصاً الکامل فی التاریخ: 10/188

تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہیں، کسی کی رقم غائب ہے اور کسی کے کپڑے۔ اس صورتحال میں سپاہیوں کو جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ ہوا یہ تھا کہ گزشتہ روز لڑائی کے دوران اکثر سپاہی معرکے میں شریک ہونے چلے گئے تھے اور خیمہ گاہ کی حفاظت کے لیے پیچھے رہ جانے والے محافظ بھی نصرانیوں کی گشتی ٹولیوں کو مرعوب کرنے کیلئے خیمہ گاہ کے باہر گشت کر رہے تھے۔ اس دوران جب مسلمانوں کو پسپائی ہونے لگی تو لشکر کے غلام، خدام، مزدور، قلی اور ان کے ساتھ قبائلی لٹیرے اور ڈاکو بھی خیمہ گاہ میں گھس گئے۔ انہوں نے تمام خیموں کی تلاشی لے ڈالی اور سوچا کہ مسلمانوں کو شکست ہوگئی ہے تو یہ مال واسباب فرنگیوں سے پہلے ہم ہی کیوں نہ لوٹ لیں۔ انہوں نے روپے پیسے کے علاوہ ہتھیاروں، قیمتی کپڑوں، مویشیوں اور سواری کے جانوروں سے لے کر جوتوں اور برتنوں تک کو کھنگال ڈالا، ہر وہ شے جو قیمتی تھی اور آسانی سے اٹھائی جاسکتی تھی وہ لادکر لے گئے تھے اور فالتو سامان خیموں کے باہر پھینک گئے تھے۔

اب صبح کی روشنی میں خیمہ گاہ کسی سبزی فروش کے الٹے ہوئے ٹوکرے کا منظر پیش کر رہی تھی۔ تھکے ہارے سپاہی سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ قاضی بہاء الدین فرماتے ہیں:

''یہ مصیبت معرکے میں شکست سے بھی زیادہ بڑی تھی۔''

سلطان صلاح الدین جو بٹے ہوئے دشمن پر بھرپور حملہ کرنے کے لیے بے چین تھے، اب مجبوراً اس بکھیڑے سے نمٹنے میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے اس پریشان کن صورتحال میں اعصاب پر قابو رکھا، اللہ تعالیٰ سے عافیت و استقامت کی دعا کی اور گھبرائے ہوئے مجاہدین کو تسلی دینے کے بعد غلاموں کو لوٹا ہوا سامان جمع کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کے منادی ہر طرف پھیل گئے۔ لوٹا ہوا سامان واپس کرنے کی صورت میں معافی دینے کا وعدہ کیا گیا۔ بصورت دیگر سنگین نتائج کی دھمکی دی گئی۔ اس تدبیر کے نتیجے میں اگلے دن لوٹا ہوا بہت سا مال واپس آ گیا۔ زیادہ سامان خود لشکر کے غلاموں اور خدام نے لوٹا تھا، پکڑے جانے کے خوف کی وجہ سے اگلے دن شام تک انہوں نے اکثر سامان واپس کردیا جسے ایک ترتیب سے سلطان کے خیمے کے آگے جمع کیا جانے لگا۔ اشرفیاں، جواہرات، کپڑے، جوتے، قیمتی برتن، ہتھیار اور دیگر چیزیں ایک دائرے میں رکھ دی گئیں جن کا انبار اتنا بڑا تھا کہ بیٹھا ہوا آدمی اس کے آر پار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لشکر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ جس کی کوئی شے گم ہوئی ہے وہ سلطان کی مجلس عدل میں حاضر ہو کر نشانی بتائے اور اطمینان دلانے کے بعد وصول کر لے۔ اگلے دن جمعہ 23 شعبان (16 اکتوبر) کو یہاں سب کو جمع کیا گیا۔ لوگ اپنی گم شدہ چیزوں کی علامتیں بتاتے جسے

تلاش کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ سلطان لوٹے ہوئے مال اور بکھرے ہوئے سامان کی واپسی کا یہ اکتادینے والا کام بذات خود اس لیے انجام دے رہے تھے کہ سپاہیوں کی ہمتیں برقرار ہیں اور وہ مصیبت کے ان پے در پے جھٹکوں کے دوران اپنے قائد کو خود سے دور محسوس نہ کریں۔ [1]

ابن شداد سلطان کے اس برتاؤ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"سلطان مضبوط دل، مسکراتے چہرے، درست اٹل رائے، اللہ سے ثواب کی امید اور اللہ کے دین کی مدد و نصرت کے عزائم کے ساتھ ان حالات کا سامنا کر رہے تھے۔" [2]

فرنگیوں کی لاشیں دریائے عکا میں: اگلے دن سلطان نے عکا سے بیل گاڑیاں منگوائیں اور عیسائی مقتولین کی لاشیں جو ناقابل برداشت حد تک متعفن ہو چکی تھیں، لدوا کر دریائے عکا میں پھینکوا دیں۔ ایک افسر نے جو فرنگی لشکر کے دائیں بازو کی لاشیں اٹھانے پر مامور تھا، قاضی ابن شداد کو بتایا کہ اس نے چار ہزار لاشوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اس میں نصرانیوں کے قلب اور میسرہ کے ہلاک شدگان کو شمار نہیں کیا گیا تھا۔ صلیبی شاعر ایمبر وز انہیں پانچ ہزار شمار کرتا ہے۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں کہ صلیبیوں کے پانچ ہزار کے لگ بھگ صرف گھڑ سوار مار گرائے گئے تھے۔ ابن اثیر الجزری نے بیان کیا ہے کہ ساحل کی جانب کے مقتولین کو چھوڑ کر تقریباً دس ہزار لاشیں شمار کی گئی تھیں۔ [3]

بہر حال ان بیانات سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ عیسائیوں کے تمام مقتولین بارہ تیرہ ہزار کے لگ بھگ ضرور تھے۔ ان میں ان کے بڑے بڑے سورما شامل تھے جن میں یورپی نواب اینڈ روآف برین سب سے نمایاں تھا۔ مقتولین میں اکثریت گھڑ سواروں کی تھی کیوں کہ مسلمانوں کے تعاقب میں یہی نکلے تھے جبکہ پیادے پیچھے میدان میں رہ گئے تھے، تعاقب میں نکلنے والے یہ گھڑ سوار بعد میں سلطان کے جال میں پھنس گئے اور شدید نقصانات سے دو چار ہوئے۔ بہت سے عیسائی گرفتار بھی ہوئے تھے جن میں ٹمپلرز کا گرینڈ ماسٹر ڈی رڈ فورڈ بھی شامل تھا جو جنگ کے آخری مرحلے میں مسلمانوں کے گھیرے میں آ گیا تھا، اس سے نصرانیوں کی کل تعداد دریافت کی گئی تو اس نے بتایا "ایک لاکھ بیس ہزار" اس کے بعد اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔ [4]

سلطان ایوبی نے اسے رعایت کا حق دار اس لیے نہیں سمجھا کہ وہ معرکہ حطین میں گرفتاری کے بعد شاہ گائی کے ہمراہ اس شرط پر رہا کیا گیا تھا کہ آیندہ مسلمانوں کے خلاف شمشیر بکف نہ ہوگا مگر اس نے

---

[1] النوادر السلطانیہ: 175، 176، 177، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 98_99، الکامل فی التاریخ: 10/ 188

[2] النوادر السلطانیہ: 176

[3] الکامل فی التاریخ: 10/ 187

[4] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 96

وعدے کا قطعاً لحاظ نہ کیا اور خود کو عبرت ناک سزا کا مستحق ثابت کر دیا۔

دریائے عکا میں گرائی جانی والی صلیبیوں کی لاشیں جو پانی کے بہاؤ پر تیرتے ہوئے تُوردن چھاؤنی کے پاس جمع ہو گئیں اپنے ہم قوموں کے لئے عذاب ثابت ہوئیں۔ ایمبروز کہتا ہے:

"یہ نہایت کراہت انگیز صورتحال تھی، لاشوں کے انبار جمع ہو گئے تھے اور چاروں طرف دماغ سوز تعفن پھیل رہا تھا، بدبو اس قدر نا قابل برداشت تھا کہ ہم بہت دور تک ہٹ جانے پر مجبور ہو گئے، لاشیں دفن کرادی گئیں مگر اس کے بعد بھی فضا میں کتنے دنوں تک بدبو محسوس ہوتی رہی۔"[1]

اس معرکے میں فرنگی عورتیں بھی اسلحہ پہن کر ناٹوں کے شانہ بشانہ لڑتی رہی تھیں۔ اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب تین گھڑسوار قیدیوں کے خود اور زرہ بکتر اتارے گئے، مسلمان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان فولادی خولوں میں نازک اندام یورپی خواتین چھپی ہوئی تھیں۔[2]

صلیب کی بالادستی کی خاطر ان عیسائی عورتوں کا میدان جنگ میں اتر جانا ان بے حمیت مسلمانوں کو بھی عار دلا رہا تھا جو عیسائیت کے سیلاب کو امنڈتا دیکھ کر بھی قبلۂ اوّل کی حفاظت کے لیے نہیں نکلے تھے اور آج یہ منظر ہمارے لیے بھی باعث شرم ہے جو مدت دراز سے قبلۂ اوّل کو کفار کے قبضے میں دیکھتے آرہے ہیں مگر کچھ نہیں کر پاتے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی کے بقول فرنگی عورتیں جنگ میں شرکت کے علاوہ اپنی قوم کے سپاہیوں کی خدمت کرنے، ان سے نکاح کرنے، انہیں جنسی آسودگی فراہم کرنے، وطن سے دوری محسوس نہ ہونے دینے اور جنگ کی کلفتیں برداشت کرنے پر ثابت قدم رکھنے کے لیے آئی تھیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ افسوس ناک انکشاف بھی کیا ہے کہ ان عورتوں کے خیرہ کن حسن و جمال کی وجہ سے بہت سے فاسق مسلمان ان پر فریفتہ ہو کر نصرانیوں سے جا ملے تھے۔[3]

قاضی فاضل کا تہنیتی مکتوب: عکا کے اس عظیم معرکے میں فتح کی خوشخبری پر مشتمل خطوط دیگر صوبوں کو روانہ کر دیے گئے تھے، ان کے جواب میں مصر سے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کے دو مراسلے آئے، ایک سلطان کے نام تھا اور دوسرا کاتب عماد اصفہانی کے۔ انہوں نے سلطان کے نام مراسلے میں عکا کے محاذ کی بابت اہلِ مصر کی بے چینی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا تھا:

"جناب کا والا نامہ اس حال میں پہنچا کہ ہنوز جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ لوگ تازہ حالات جاننے کے لیے الملک العادل اور الملک العزیز کی مجلسوں میں بڑے بے تابی سے لبیک لبیک کہتے

---

[1] صلیبی جنگیں: 165
[2] الکامل فی التاریخ: 10/187
[3] البدایہ والنہایہ: سن 585ھ کے حالات

ہوئے شریک ہوئے۔ وہ ان کے چہروں سے روشنی حاصل کر رہے تھے، ان سے اہلِ جنت یعنی مسلمانوں اور اہلِ دوزخ یعنی صلیبیوں کے انجام کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور اپنے مذہب، اپنے قلوب و اجسام اور اپنے سلطان کی سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ اپنے سلطان کی سلامتی ان کے نزدیک کیا چیز ہے۔"۵

کاتب عماد اصفہانی کے نام مراسلے میں لکھا:

"جنگ کا ماجرا جان کر میں اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگا کیونکہ بے شک اس کمزوری کے باوجود ہمارے آقا کا صحیح و سلامت رہ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ ہے کیونکہ مقابلہ بہت گھمبیر ہو چکا تھا تاہم بچانے والی ذات عظیم تر ہے۔ بہت دفعہ سلطان کی سلامتی بعید از قیاس ہوتی ہے مگر ہم ایسے واقعات دیکھ کر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہی نے سلامت رکھا۔ اللہ تعالیٰ سلطان کی عزت افزائی فرمائے، اگر وہ سلامت ہیں تو سمجھیں سب لوگ صحیح سلامت ہیں اور جب سلطان موجود ہیں تو چاہے باقی سب لوگ نہ رہیں مگر ان کو موجود سمجھا جائے گا غائب نہیں، کیونکہ سلطان در حقیقت جوہر ہیں اور باقی سب ان کی بہ نسبت عرض کی حیثیت رکھتے ہیں۔"۵

لشکر اسلام میدان سے کیوں ہٹا؟ معرکۃ الکبریٰ کے بعد صلیبیوں پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا منصوبہ مؤخر ہوتا چلا گیا تاہم فرنگیوں کی چھاؤنی پر مسلمانوں کے ہلکے پھلکے حملے روزانہ ہوتے رہے۔ فرنگیوں نے اس دن کی شکست کے بعد خود کو چھاؤنی میں محصور کر لیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی کسی کارروائی کا جواب نہیں دے رہے تھے۔ مسلمان کبھی دن میں ان پر تیر برساتے، کبھی رات کو موقع پا کر ان کے گھوڑے ہنکا کر لے جاتے۔ اس دوران عیسائیوں کی مسلسل کوشش صرف یہ تھی کہ وہ اپنی چھاؤنی کو محفوظ تر بنا لیں۔ چنانچہ وہ چھاؤنی کے گرد ایک اور گہری اور بہت چوڑی خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے ناکارہ کشتیوں کے شہتیروں، پھٹی ہوئی ڈھالوں اور چوبی تختوں کو جوڑ کر خندق کے گرد ایک آڑ بھی بنالی تاکہ مسلمان خندق کھودنے والوں پر حملے نہ کر سکیں۔ ادھر مسلمانوں کے محافظ دستے بدستور میدانِ جنگ میں تعینات تھے اور ان کے خیمے بھی وہیں گڑے ہوئے تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ جنگ عارضی طور پر رکی ہے اور عنقریب پورے زور شور سے دوبارہ چھڑنے کو ہے۔۵

۵ الروضتین لابی شامہ ج ۲/۹۹

۵ الروضتین لابی شامہ ج ۲/100

۵ سیرت گلر 165

سلطان کی تقریر سلطان درد قولنج میں مبتلا تھے اور آرام کا شدید تقاضا محسوس کر رہے تھے، اس کے باوجود وہ میدان سے ہٹنے کو تیار نہ تھے اور جلد از جلد فیصلہ کن جنگ چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شدید سردی کے ان مہینوں میں یورپ کے سمندر جہاز رانی کے قابل نہیں رہے اس لئے کم از کم تین چار ماہ تک صلیبیوں کو مزید کمک نہیں پہنچ سکتی۔ مگر اس کے بعد موسم بہار میں سمندری راستے کھلتے ہی جرمنی، فرانس اور برطانیہ کی بڑی فوجوں کی آمد یقینی تھی لہٰذا اس سے قبل عکا کو دشمن سے واگزار کرانا ضروری تھا۔ چونکہ افسران اور سپاہی جنگ سے تھک چکے تھے اس لیے سلطان ان سے اتفاق رائے چاہتے تھے۔ وقعۃ الکبریٰ کے نویں دن یعنی جمعرات 29 شعبان 585 (12 اکتوبر 1189ء) کو سلطان ایوبی نے اپنے خیمے میں امرائے عسکر اور مشیروں کو جمع کیا اور انہیں تاکید کی کہ ان کی باتوں کو غور سے سنا جائے، پھر یوں گویا ہوئے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ، والصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ

امرائے لشکر و حاضرین کرام! آپ جانتے ہیں کہ خدا کے دشمنوں اور ہمارے حریفوں نے ہمارے ملک پر چڑھائی کی ہے، اور سرزمینِ اسلام کو روند ڈالا ہے۔ اللہ نے چاہا تو دشمن کے خلاف نصرتِ خداوندی کی علامات ظاہر ہونے کو ہیں، فرنگیوں کے مجمعے سے اب تھوڑے لوگ باقی رہ گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم ان کے قدم اکھاڑ دینے کی بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جہاد ہم پر فرض کیا ہے۔ حضرات! آپ جانتے ہیں کہ ہمارا لشکر بس یہی ہے۔ ہماری پشت پر الملک العادل کے سوا کوئی کمک نہیں جس کے ہم منتظر ہوں۔ الملک العادل عن قریب پہنچنے والے ہیں۔ اگر یہ دشمن زیادہ مدت تک یہاں جما رہا اور سمندری راستے کھل گئے تو انہیں بے پناہ کمک مل جائے گی۔ میری حتمی رائے یہی ہے کہ ان سے جنگ جاری رکھی جائے۔ اب آپ حضرات مجھے اپنی اپنی آراء سے آگاہ کریں۔"

یہاں ایک بار پھر امرائے لشکر نے سلطان کی بصیرت کی بجائے اپنے فہم پر اعتماد کیا اور سلطان کی رائے کو مختلف حوالوں سے نامناسب قرار دیا۔ یہ امراء دلیر، تجربہ کار اور وفادار ہونے کے باوجود فوری اور وقتی تقاضوں کو دیکھ کر چلنے کے عادی تھے اس لیے سلطان کی دوررس نگاہ کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ وہ اس لیے بھی جنگ روکنا چاہتے تھے کہ ان کی سالانہ تعطیلات کے دن آ چکے تھے۔ معمول تھا کہ دور دراز کے سپاہیوں اور قبائلی مجاہدوں کو موسم سرما میں رخصت دے دی جاتی تھی۔ وہ چار پانچ ماہ اپنے علاقوں میں زمین داری کرتے ہوئے گزارتے تھے اور موسم بہار میں واپس آ جاتے۔ پھر کئی سالوں سے ماہِ رمضان بھی موسم سرما میں آ رہا تھا۔ رخصت پر جانے والے سپاہیوں کو اپنے شہروں اور دیہاتوں میں

رہ کر سکون سے روزے رکھنے، عبادت کرنے اور عید منانے کا موقع مل جاتا تھا۔ ان تمام وجوہ سے امرائے لشکر نے مسلسل تکان اور سرد طوفانی موسم میں جنگ جاری رکھنے کو نقصان دہ قرار دیا۔

ان میں سے بعض نے عرض کیا:

"سلطان عالی وقار! سپاہیوں کو کچھ دنوں تک آرام کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلحے کے بوجھ سے آرام پائیں اور ان کے اکھڑے ہوئے سانس بحال ہو جائیں۔ اس وقت وہ بری طرح تھک چکے ہیں، مشقت نے انہیں دبا لیا ہے، انہیں کسی ایسے کام پر مجبور کرنا جسے ان کے اعضاء و اعصاب برداشت نہ کر سکیں ایک خطرناک اقدام ہوگا جس کے نقصانات سے ہم محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔"

کچھ افسران نے کہا:

"حضور! سپاہیوں کو اسلحہ پہنے اور گھوڑوں کی پشتوں پر سواری کرتے ہوئے مسلسل پچاس دن گزر گئے ہیں، گھوڑے بھی لگاموں کی مسلسل رگڑ سے اذیت میں ہیں۔ کچھ دنوں تک آرام کرنے سے ان کی طاقت بحال ہو جائے گی۔"

بعض امراء نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

"جی ہاں تب تک الملک العادل بھی تشریف لے آئیں گے اور مشورے اور عمل میں □ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں گے نیز اس وقت تک ہم مفرور سپاہیوں کو بھی دوبارہ بلا چکے ہوں گے اور دشمن کی پیادہ صفوں کے مقابلے میں پیادہ دستے مرتب کر لیں گے۔ لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ لشکر کو کوہستان خروبہ پر منتقل کر دیا جائے تاکہ وہ کچھ دن آرام کر لیں۔"

چند امراء نے فرنگیوں کا محاصرہ اٹھانے میں کسی نقصان کے خطرے کو مسترد کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے دشمن کا اتنا سخت محاصرہ کیا ہوا ہے کہ اگر وہ یورپ واپس جانا چاہے تب بھی نہیں جا سکتا۔ مناسب ہوگا کہ ہم محاصرہ اٹھا کر اتنا پیچھے چلے جائیں کہ دشمن واپس چلے جانے یا ٹھہرے رہنے میں سے دونوں صورتوں پر قدرت رکھے۔ اب اگر وہ لوٹ جاتا ہے تو ہم خود بخود اس کے شر سے بچ جائیں گے اور اگر وہ ہیں جما رہتا ہے تو ہم اس پر دوبارہ حملہ کر دیں گے اور یہی جنگ دوبارہ چھڑ جائے گی۔"

بعض ہمدرد مشیروں نے سلطان کی بیماری پر بھی تشویش کا اظہار کیا اور کہا:

"آپ کی طبیعت بھی ناساز ہے، آپ شدید تکلیف میں ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو سب لوگ مارے جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اس جگہ سے دور چلے جائیں۔"

ان مشیروں کی بات اس لحاظ سے درست تھی کہ میدان جنگ میں اب تک لاشوں کی سڑاند پھیلی ہوئی

تھی، جس کا اثر مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچ رہا تھا اور لوگ اذیت محسوس کر رہے تھے۔ کئی سپاہی بیمار ہو چکے تھے۔ خود طبیبوں نے سلطان کی بیماری کی وجہ یہی بتائی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے رفقاء کی آراء کا بہت لحاظ کرتے تھے اور ان پر کوئی فیصلہ جبراً مسلط کرنا نقصان دہ تصور کرتے تھے، اس لئے انہوں نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ لگانے کے باوجود ایک بار پھر امراء کی تجویز کو منظور کر لیا۔ دیگر صوبوں کے سپاہی اور رضا کاروں کو موسم سرما کی چھٹیاں دے دی گئیں۔ [1] اب اسلامی لشکر کے صرف محافظ دستوں کو میدانِ جنگ میں ٹھہرنا تھا اور باقی پیشہ ور فوج کو خیمہ گاہ خالی کر کے پیچھے ہٹنا تھا۔

قاضی بہاؤالدین ابن شداد سلطان کے اس فیصلے پر مجبور ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

''دل پر طرح طرح کے صدمات جھیلنے، مسلسل اسلحے کا بوجھ اٹھانے اور ان دنوں غیر معمولی تفکر ات میں مبتلا رہنے کی وجہ سے سلطان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ پس انہوں نے امراء کی رائے کو نافذ ہونے دیا اور اسی میں مصلحت سمجھی۔'' [2]

محاصرہ اٹھانے سے قبل سلطان نے عکا میں موجود فوج کو اپنی مجبوریوں کے باعث پیچھے ہٹنے کے فیصلے سے آگاہ کر دیا اور انہیں تاکید کی کہ وہ شہر کے دروازے بالکل بند رکھ کر پوری احتیاط اور مستقلا کے ساتھ شہر کی حفاظت کرتے رہیں۔ 3 رمضان 585ھ (16 اکتوبر) کو سلطان کے پیشہ ور سپاہی محاصرہ اٹھا کر تقریباً تین میل پیچھے کوہ خروبہ کی بلندی پر منتقل ہو رہے تھے۔ یہاں از سر نو خیمے گاڑے جارہے تھے اور تھکے ماندے سپاہی اسلحہ اتار کر موسم سرما کی ہلکی دھوپ کا مزہ لے رہے تھے۔ اس بلندی پر ہوا صاف اور خوشگوار تھی۔ العیاضیہ کے ٹیلوں سے پرے میدان جنگ فرنگی چھاؤنی، عکا کی خاکستری فصیلیں اور نیلا پرسکون سمندر اس بلند مقام سے واضح نظر آتے تھے العیاضیہ کے ٹیلوں پر مسلمانوں کی سابقہ خیمہ گاہ اب ویران تھی۔ میدانِ جنگ اب سونا پڑا تھا۔

جاڑا شروع ہوا تو کچھ دنوں کے لئے فریقین نے جنگ کی تلخیاں بھول کر بالکل الگ مصروفیات اپنا لیں۔ مدتوں سے نیند کو ترسے ہوئے سپاہی ان سرد راتوں میں اپنے اپنے خیموں میں کمبل لپیٹ کر سکون کی نیند سوتے رہتے تھے...... مگر سلطان صلاح الدین کی آنکھیں جاگ رہی تھی...... وہ آنکھیں اہل اسلام مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہمیشہ بیدار رہنے کی عادی تھیں۔ [3]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 177۔178، الکامل فی التاریخ: 10/188
[2] النوادر السلطانیۃ: 178
[3] النوادر السلطانیۃ: 177۔178

فصل:3

طوفانی موسم

رمضان کا مہینہ تھا اور اکتوبر کی ابتدائی سردی۔ خزاں کی بارشیں شروع ہونے والی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سخت بیماری کی حالت میں اپنے خیمے میں پڑے تھے۔ گھڑسوار مخبر روزانہ فرنگیوں کے پڑاؤ کا جائزہ لے کر آتے اور انہیں تازہ ترین صورتحال سے باخبر رکھتے۔

اطلاعات یہ تھیں کہ فرنگیوں نے عکا کے گرد اپنی چھاؤنی کو ایک کمان کی شکل میں پھیلانا شروع کر دیا ہے۔ وہ دن رات ایک غیر معمولی طور پر گہری اور چوڑی خندق کھودنے میں مصروف ہیں جو لمبائی میں عکا کے جنوب سے شروع ہو کر شمال میں ساحلِ سمندر کی طرف بڑھ رہی ہے۔ خندق سے نکلنے والی مٹی سے چھاؤنی کے گرد ایک اونچی فصیل تعمیر کی جا رہی ہے جس میں بڑے بڑے دروازے اور تیر اندازی کے لیے سوراخ رکھے گئے ہیں۔ اگرچہ سلطان کے چھاپہ مار سوار خندق کی کھدائی اور فصیل کی تعمیر میں مشغول فرنگیوں پر دن رات حملے کرتے تھے مگر ان کی سرگرمیاں رکنے میں نہ آتی تھی۔

3 رمضان کو یعنی جس دن سلطان کے سپاہی کوہ خروبہ پر منتقل ہو رہے تھے عکا کے بہادر مسلمانوں نے ایک عجیب کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ انہوں نے صور کی جانب جانے والا فرنگیوں کا ساز وسامان سے لدا ہوا ایک جہاز لوٹ لیا جس میں تیس مرد اور ایک عورت سوار تھے۔ عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبی لشکر کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے چھاؤنی سے نکل کر عکا پر غضبناک انداز میں دھاوا بول دیا۔ چند دن تک وہ روزانہ صبح وشام حملے کرتے رہے مگر ہر حملے میں انہیں کئی کئی لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ فی الحال چھاؤنی کے حصار میں رہنا ہی بہتر ہے چنانچہ وہ یکسوئی سے چھاؤنی کے تعمیراتی کام میں جت گئے۔

سلطان کے محافظ دستے کے سپاہی موقع ملتے ہی ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے تھے۔ دست بدست مقابلے کی نوبت بھی آ جاتی تھی مگر فرنگیوں نے شاید قسم کھالی تھی کہ وہ خندق اور فصیل کا کام مکمل کر کے ہی

دم لیں گے۔ ان کی لاشیں گرتیں، مزدور زخمی ہوتے، مگر وہ ایک بار بھی کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نہ نکلے۔ ان اطلاعات سے سلطان کی گرانی میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ بات ظاہر تھی کہ خندق اور فصیل بنا لینے کے بعد فرنگی گویا ایک قلعے میں محفوظ ہو جائیں گے جسے ساحل سے ہر قسم کی اعانت میسر ہوگی جبکہ عکا کے مسلمانوں کی جان پر بن جائے گی اور سلطان سے ان کا رابطہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ ایسے میں بھلا وہ کب تک اپنی مدافعت کر سکیں گے۔ [۴]

عکا کے بارے میں سلطان کی یہ تشویش دیکھ کر امراء ایک بار پھر میدان جنگ میں نکلنے پر آمادہ ہونے لگے مگر سلطان اتنے شدید بیمار تھے کہ بستر سے اٹھنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ ایسے میں بعض مشیروں نے کہا:

''آپ لشکر کو مرتب کر کے میدان میں بھیج دیں، خود یہیں آرام کیجیے۔''

مگر سلطان کو خوب اندازہ تھا کہ یہ فوج جو گزشتہ تین برس سے کسی بڑے وقفے کے بغیر مسلسل محاذ پر ہے، ان کے بغیر لڑنے کے قابل نہیں۔ اتنی شدید اور طویل جنگوں نے مجاہدین کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ ان میں سے بہت سوں کو اب مستقل آرام کی ضرورت تھی۔ یہ سلطان ایوبی کا سوزِ جگر تھا جس نے اب تک پوری فوج کو متحرک کر رکھا تھا۔ یہ ان کی ایمانی حرارت تھی جس سے ان نیم جان بدنوں میں حرارت دوڑ دوڑ جاتی تھی اور وہ ہر بار سلطان کے منہ سے ''یاللاسلام'' کا نعرہ سنتے ہی پروانوں کی طرح آتشِ جنگ میں کود جاتے تھے۔ انہوں نے جواب میں کہا:

''اگر میں ان کے ساتھ معرکے میں نہ ہوا تو یہ لوگ کچھ بھی نہیں کر پائیں گے۔''

پھر مشیروں کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

''بعض اوقات کسی پریشانی کا نتیجہ ہماری توقعات سے بھی بڑھ کر خیر کی شکل میں سامنے آتا ہے۔''[۵]

اس گفت وشنید کے دوران یہ طے ہو گیا کہ اب سلطان کی مکمل صحت یابی کے بعد ہی کوئی حتمی قدم اٹھایا جائے گا۔ دراصل سلطان کے سامنے اس وقت حالات کے وہ پہلو بھی تھے جن سے دیگر لوگ بے خبر تھے۔ امرائے لشکر صلیبی جنگ کو عکا تک محدود دیکھ رہے تھے مگر سلطان کو اب عکا سے بھی زیادہ فکر شمال سے امنڈنے والے اس طوفان کی تھی جو شاہ جرمن کی قیادت میں بڑھا چلا آ رہا تھا۔

وادی عکا اور صلیبی کیمپ کی صورتحال ❁ طوفانی بارشوں میں رمضان کا بابرکت مہینہ ڈیرے

---

۴ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/101_102، الکامل فی التاریخ: 10/188_189، البدایہ: 12/333

۵ الکامل فی التاریخ: 10/189

دھیرے گزرتا جا رہا تھا، مسلمان سپاہی روزے رکھ رہے تھے، تلاوت اور دعاؤں کا خاص اہتمام ہو رہا تھا۔ بارش اتنی شدید تھی کہ خیموں سے باہر ٹھہرنا مشکل تھا، وادیٔ عکا ان دنوں کیچڑ سے بھر گئی تھی، جگہ جگہ سے زمین دلدل بن گئی تھی، سپاہیوں کے لیے نقل وحرکت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ سلطان کے وہ سپاہی جو خروبہ کی نئی خیمہ گاہ میں قیام پذیر تھے اور وہ جو عکا میں محصور تھے دونوں اپنی اپنی جگہ ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کے جبڑوں تلے کچلے جا رہے تھے مگر یہ محض ایک جنگ نہ تھی یہ عالم اسلام کی فنا وبقا کا معرکہ تھا، یہ نہایت اعلیٰ درجے کا جہاد تھا جس کے ہر ہر قدم پر جنت کے سودے ہو رہے تھے۔ عیسائی بھی موسم کی شدت سے اتنے ہی متاثر تھے۔ مذہبی جوش وجذبے کی ان میں بھی کمی نہ تھی۔ اگرچہ اس وقت بحیرۂ روم طوفانی موسم کی وجہ سے جہاز رانی کے لیے ناسازگار تھا اور انہیں یورپ سے مزید کمک نہیں مل سکتی تھی مگر بہار آتے ہی ساحل پر بادبانی جہازوں کا لنگر انداز ہونا اور خون ریز معرکوں کا نیا سلسلہ شروع ہو جانا یقینی تھا۔ صلیبی اس وقت کے منتظر تھے اور فرصت سے فائدہ اٹھا کر چھاؤنی کو محفوظ تر بنا رہے تھے۔

آخرکار صلیبیوں نے چھاؤنی کا تعمیراتی کام مکمل کر لیا، عکا کی وادی میں ایک نیا فصیل بند شہر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے عکا کا مکمل محاصرہ کر لیا۔ یوں عکا کے بیرونی دنیا سے تمام رابطے ختم ہو گئے۔ عکا کا شمالی راستہ جو مسلمانوں نے آزاد کرا لیا تھا دوبارہ فرنگیوں کے قبضے میں آ گیا۔ اب شہر تک مزید کمک اور خوراک ورسد پہنچانا ممکن نہ رہا۔ شہر میں اس وقت تقریباً بیس ہزار افراد تھے۔ ان میں سے نو ہزار سپاہی اور گیارہ ہزار شہری تھے۔ ان کی ہمت وپامردی کی وجہ سے صلیبی اتنے سخت محاصرے کے باوجود عکا پر قبضہ کرنے سے عاجز تھے۔ شہر کے سامنے بہت بڑی خندق تھی جسے عبور کرنا دشوار تھا۔ خندق کے ساتھ بلند عمودی فصیل تھی جس پر مجاہدین چوکس کھڑے رہتے تھے۔ فرنگی روزانہ فصیل سر کرنے کے لیے حملے کرتے رہے مگر عکا کے جانباز سرتوڑ مقابلہ کر کے انہیں پسپا کر دیتے تھے۔ سلطانی افواج سے رابطہ ختم ہونا ان کے لیے تشویش ناک تھا مگر ان کے حوصلے بلند تھے، وہ دن رات فصیل پر موت کے فرشتوں کی طرح پہرہ دیتے اور ہر حملہ آور صلیبی کو خندق کے پار ہی تیروں کا نشانہ بنا دیتے۔ فارغ وقت میں وہ حیرت اور بے چینی کے ملے جلے جذبات سے اس عظیم ومہیب چھاؤنی کو گھورتے رہتے جو عکا کے سامنے کھجوروں کے باغات کو بھی اپنے اندر سمو چکی تھی۔ کچی اینٹوں، گارے اور مٹی سے بنا ہوا یہ صلیبی شہر عکا کے گرد نیم دائرے میں پھیل گیا تھا۔ میدان کی جانب بلند دیوار اور چوڑی خندق نے اسے سلطان کے حملوں سے محفوظ بنا دیا تھا۔ تاہم صلیبیوں کے لیے چھاؤنی نما شہر سے باہر جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ جو من چلے فرنگی سیر سپاٹے کے شوق میں دور نکل جاتے تھے، عرب بدو انہیں لوٹ کر ان کے سر قلم کر دیتے تھے۔

فرنگیوں کے پڑاؤ میں گرجے بھی تھے جہاں پادری مذہبی تقاریر کر کے تھکے ماندے صلیبیوں کو حوصلہ دلاتے۔ یہاں بازار بھی تھے جن میں یورپی تاجر بحری راستے سے آنے والا اناج، گوشت اور دیگر اشیائے ضرورت فروخت کیا کرتے تھے۔ شام کے دیہاتی بھی سبزیاں اور پھل لے کر ان بازاروں میں پہنچ جاتے، جب وہ مال فروخت کر کے واپس آتے تو بہت سی اہم خبریں حاصل کر چکے ہوتے تھے جو مسلم افسران فوراً ان سے وصول کر لیتے۔ عکا کے فصیل بند مسلمان اور فرنگی ایک دوسرے کو دیکھنے کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ ان میں شناسائی پیدا ہونے لگی تھی۔ جب جنگ نہ ہوتی تو وہ ایک دوسرے پر فقرے کستے، طنزیہ جملوں کا تبادلہ کرتے اور لطیفے سناتے۔[1]

فریقین اتنے بے تکلف ہو گئے تھے کہ اگر فصیل پر کوئی مجاہد ترنگ میں آ کر جہادی نغمے چھیڑ دیتا تو نیچے صلیبی اس کا مطلب جانے بغیر جھومنے لگتے اور کبھی باقاعدہ رقص شروع کر دیتے مگر یہ صورتحال زیادہ دیر برقرار نہیں رہتی تھی دیکھتے ہی دیکھتے کوئی نعرہ بلند ہوتا اور دونوں طرف سے تیر اندازی اور سنگ باری شروع ہو جاتی۔

قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اہل عکا اور فرنگیوں کی اس زندہ دلی کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک دن دونوں طرف کے سپاہی لڑتے لڑتے اکتا گئے۔ تو آپس میں کہنے لگے: بڑوں کی لڑائی کب تک چلے گی۔ کیا بچوں کو موقع نہیں ملنا چاہیے، کیوں نہ ہم اپنے بچے میدان میں لائیں ان کی کشتی کرائیں۔ چنانچہ دو مسلمان بچے شہر سے نکلے، ادھر سے دو فرنگی لڑکے مقابلے پر آئے۔ ایک مسلمان بچے نے اپنے مقابل فرنگی بچے کو داؤ لگا کر جکڑا اور اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر اسے قیدی بنا کر ساتھ لے جانے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک فرنگی نے اسے دو دینار پیش کیے اور کہا: مانا کہ یہ تمہارا قیدی ہے (مگر تاوان لے کر اسے چھوڑ دو) لڑکے نے دینار لے لیے اور قیدی کو چھوڑ دیا۔''[2]

شہر عکا کی طرف تو یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی مگر کھلے میدان کی طرف بارشوں نے زمین کو اس قدر دلدلی بنا دیا تھا کہ وہاں کسی جنگ کا امکان نہ رہا تھا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان صلاح الدین نے اپنے باقی لشکر کو بھی عمومی رخصت دے دی تا کہ موسم سرما کے اختتام تک وہ آرام کر کے اپنی قوتوں کو بحال کر لیں۔

کچھ دنوں پہلے تک سلطان نے عکا میں خوراک و رسد اور سپاہیوں کی کمک پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا تھا مگر اب فرنگیوں کے سخت محاصرے نے اسے ناممکن بنا دیا تھا چنانچہ سلطان نے سمندری راستے کو

[1] النوادر السلطانیہ: 177، 178، صلیبی جنگیں: 162، 170

[2] النوادر السلطانیہ: 170

استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کی جو اس وقت سمندر میں طغیانی کی وجہ سے صلیبیوں کے لیے ناموافق ہو چکا تھا۔ سلطان نے مصر کے نائبین کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک بڑا بحری بیڑہ تیار کر کے عکا پہنچا دیں تا کہ سمندر میں بھی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ [1]

امید و بیم کے دن ❊ برسات میں بھیگا ہوا موسم سرما مسلمانوں کی بہ نسبت فرنگیوں پر زیادہ بھاری گزر رہا تھا۔ وہ ایسی سردی کے قطعاً عادی نہ تھے۔ بند کمروں اور قلعوں کے برجوں میں آگ تاپنے والے سپاہی وادئ عکا میں دندناتی سمندری ہواؤں کے تھپیڑوں سے ادھ موئے ہوئے جا رہے تھے۔ عکا کی فصیلیں شکستہ کرنے کے لیے ان کے پاس قلعہ شکن بھاری آلات بہت کم تھے اور جو تھے وہ اس بارش میں بالکل غیر مؤثر تھے۔ طوفانی موسم نے سمندر کو ناموافق بنا کر ان کی کمک کا راستہ بھی بند کر دیا تھا۔ مزید پریشانی یہ آپڑی تھی کہ ان کی اکثر افواج جن جہازوں میں آئی تھیں وہ غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ اب تک یہ سفینے کھلے سمندر میں لنگر انداز تھے کیونکہ عکا کی بندرگاہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں تھی اس لیے صلیبی جہازوں کو کھلے ساحل کے سامنے سمندر میں رکنا پڑتا تھا اور فرنگی کشتیوں میں بیٹھ کر ساحل تک آتے تھے۔ موسم سرما میں بحیرۂ روم کی لہریں نہایت شدت سے ساحل سے ٹکراتی تھیں اس لیے جہاز زیادہ دنوں تک طوفانی ہواؤں کے سامنے سمندر میں لنگر انداز نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ ان میں سے کئی تو شکستہ ہو گئے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے انہیں بچانے کے لیے کسی اور بندرگاہ پر لے جانا ضروری تھا۔ آخر صلیبیوں کو یہی کرنا پڑا۔ تمام جہاز طرابلس، صور، انطاکیہ اور دیگر شامی ساحلی شہروں کی طرف بھیج دیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سمندر کی جانب سے عکا کا محاصرہ ختم ہو گیا۔ اب اگر مسلمانوں کا بحری بیڑا پہنچ جاتا تو عکا کا دیگر اسلامی شہروں سے رابطہ بحال ہو جاتا۔

دوسری طرف اپنے جہازوں سے محروم ہونے کے بعد فرنگیوں کے لیے راہِ فرار مسدود ہو گئی تھی۔ وہ اس فکر میں غلطاں تھے کہ اگر اس دوران مسلمانوں کو مصر سے بحری کمک پہنچ گئی اور اس حالت میں ہمیں شکست ہو گئی تو انجام کیا ہوگا۔ بہر صورت وہ خود کو امیدوں سے مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ پادری جگہ جگہ وعظ کی مجلسیں منعقد کر کے انہیں مقدس جنگ میں شرکت پر خوشخبریاں دیتے اور ابدی نجات پانے کا مژدہ سناتے تھے۔ رات کی تاریکی میں یہی پادری مشعل بردار جلوس نکالتے اور چھاؤنی روشنیوں سے جگمگا اٹھتی۔ وہ کسی نہ کسی طرح یہ اکتا دینے والے دن گزارنا چاہتے تھے۔ ان کے ساتھ ان گنت عورتیں تھیں۔ بیگمات، باندیاں اور خادمائیں۔ بیگمات صبح زنانہ سواری کے خاص گھوڑوں پر کھجور کے باغوں میں سیر کرنے نکل جاتیں اور باندیاں اپنے نغمات سے سورماؤں کا دل بہلاتیں۔ یورپی جہاز

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/101۔102 قدرم للملک العادل

راں اپنے ساتھ شراب کا بہت بڑا ذخیرہ لائے تھے۔ صلیبی سپاہی عکا کے محصورین پر حملوں سے تھک ہار جب باہم مل بیٹھتے تو بوتلوں کے منہ کھل جاتے اور بداخلاقی اور بے راہروی کا ایک طوفان مچ جاتا۔

ان دنوں چھاؤنی میں صلیبیوں کو کچھ خوش کن اطلاعات بھی مل رہی تھیں۔ فرانس کا بادشاہ فلپ اور انگلستان کا رچرڈ ان کی مدد کے لیے بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ روانہ ہونے والے تھے۔ ان دونوں سے پہلے جرمنی کا ستر سالہ سرخ ریش بوڑھا فریڈرک بار بروسا قسطنطنیہ پہنچنے کو تھا۔ چھاؤنی کے ماہرینِ حرب اور جہاندیدہ لوگوں کو یقین تھا کہ موسم سرما ختم ہوتے ہی وہ ایشیائے کوچک میں ہوگا اور گرما میں عکا پہنچ جائے گا۔[1]

فریڈرک بار بروسا کی یلغار: بار بروسا کی یلغار کی اطلاع سلطان کو رمضان 585ھ کے آغاز ہی میں مل گئی تھی۔ حلب سے ان کے لڑکے الملک الظاہر کا خط آچکا تھا جس میں تصدیق کی گئی تھی کہ شاہِ جرمنی ایک لشکر جرار کے ساتھ قسطنطنیہ کی جانب بڑھ رہا ہے۔ خط میں بتایا گیا تھا کہ یہ لشکر دو لاکھ یا دو لاکھ ساٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے اور عالم اسلام پر چڑھائی کے لیے آرہا ہے۔

یہ خبر نہایت دہشت انگیز تھی۔ شاہِ جرمنی موسم گرما کے آغاز ہی میں اپنے وطن سے روانہ ہو گیا تھا۔ اسے اپنی طاقت پر اتنا ناز تھا کہ اس نے کسی صلیبی حکمران کو ساتھ ملانا تک گوارا نہیں کیا تھا۔ اس نے راستہ بھی سب سے الگ اختیار کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک عالم اسلام کی سرحدوں سے دور تھا لیکن قسطنطنیہ پہنچنے کے بعد وہ چند ماہ میں شام کی سرحدوں پر دستک دے سکتا تھا۔ اس موقع پر سلطان کو عالم اسلام کی حمایت کی سخت ضرورت تھی۔ اب تک وہ تنہا امت کے دفاع کا فرض کفایہ ادا کررہے تھے مگر اب تھکی ہاری، کئی محاذوں پر بکھری چالیس پچاس ہزار فوج کے ساتھ وہ بھلا کس کس حریف کا مقابلہ کرتے!! عالم اسلام سے امداد کی فریاد کرنا اب ناگزیر تھا۔[2] ......اس کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرنا تھا کہ بدلتی ہوئی صورتحال میں عسکری حکمت عملی کیا ہونی چاہیے۔

سلطان کی مجلس مشاورت: سلطان نے بیماری کی حالت ہی میں شوریٰ کا اجلاس طلب کیا (سلطان کے سوانح نگاروں نے اس اجلاس کی تاریخ بیان نہیں کی مگر اندازہ ہے کہ یہ مجلسِ مشاورت ماہ رمضان کے پہلے عشرے میں منعقد کی گئی تھی) امرائے فوج کی اکثریت نے سلطان کو مشورہ دیا کہ ہمیں شمال کی طرف کوچ کر دینا چاہیے تا کہ جرمن فوج کو عکا کے صلیبیوں سے آن ملنے کا موقع نہ ملے اور ہم پہلے ہی اسے شام کے شمال میں روک لیں۔

بظاہر یہ رائے وقت کے تقاضے کے عین مطابق تھی مگر سلطان کو پورا اندازہ تھا کہ اس طرح عکا دشمن

[1] صلیبی جنگیں:173 [2] النوادر السلطانیہ:178

کے لیے تر نوالہ بن جائے گا۔ نیز اگر عساکرِ اسلام ایک بار شمال کی طرف نکل گئے تو پھر ان کے عکا واپس آنے کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور اس دوران اگر عکا کے باہر موجود نصرانیوں نے یورپ سے آنے والی بحری فوجوں کے ساتھ مل کر القدس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تو انہیں روکنے والی کوئی طاقت سامنے نہیں ہوگی۔ اس صورت میں مسجدِ اقصیٰ کی آزادی کے لیے کی گئی سالہا سال کی جد و جہد اور اس کی خاطر دی گئی اَن گنت قربانیاں رائگاں چلی جائیں گی۔

چنانچہ محافظِ القدس نے نقاہت کے عالم میں بھی چٹانوں کی طرح ٹھوس لہجے میں کہا:

''نہیں ...... ہم یہیں رکیں گے۔ جرمنوں کو یہاں تک آنے دیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عکا سرنگوں ہو جائے۔''

امراء نے غور کیا تو سلطان کی بات میں وزن محسوس ہوا۔ مزید بات چیت کے بعد یہ طے پایا کہ جب جرمن فوج شام کے شمال میں نمودار ہو تو حلب، جبلہ، لاذقیہ اور شیزر جیسے شمالی شہروں کے سپاہی حلب کی شمالی سرحدوں پر جمع ہو کر جرمنوں کا راستہ روکنے کی کوشش کریں۔ [1]

قاضی ابن شداد سفارتی محاذ پر: عالمِ اسلام کے مختلف ممالک سے امدادی افواج منگوانے کے لیے سفارتی وفد بھیجنا ناگزیر تھا۔ اس اہم اور نازک کام کے لیے سلطان نے قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کو چنا۔ انہیں موصل، الجزیرہ، اربل اور بغداد کی حکومتوں کو سلطان کی مدد پر آمادہ کرنے کی مہم سونپی گئی۔ انہیں دیے گئے مراسلوں میں سلطان نے سلاطینِ اسلام اور خلیفۂ بغداد سے درخواست کی تھی کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ اور امتِ مسلمہ کے دفاع کے لیے اپنی اپنی افواج بلا تاخیر شام کی سرحدوں کی طرف روانہ کر دیں۔ حکام سے یہ اپیل بھی کی گئی تھی کہ وہ افواج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بنفسِ نفیس تشریف لائیں اور اس عظیم جہاد میں شریک ہوں۔

10 رمضان 585ھ (22 اکتوبر 1189ء) کو قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اس مہم پر نکلے اور تقریباً 5 ماہ تک اس سلسلے میں سرگرداں رہے۔ انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور 5 ربیع الاوّل 586ھ (12 اپریل 1190ء) کو وہ دربار میں واپس لوٹے۔

اہلِ ایمان کی غیرت کہاں ہے؟: سلطان کی جانب سے دیگر اسلامی ممالک اور صوبوں کے حکام و عمائد کے نام نہایت روح پرور اور ایمان افروز مکاتیب تحریر کیے گئے تھے جن میں ان کی اسلامی غیرت دحمیت کو جھنجھوڑا گیا تھا اور انہیں اس عظیم جہاد میں شرکت پر برانگیختہ کیا جا رہا تھا۔ سلطان نے مسلم سلاطین

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 10/195

کے نام اپنے مراسلے میں کہا:

''مسلمانوں کی حمیت، دینداروں کی آن اور اہل ایمان کی غیرت کہاں ہے؟ ہم کب تک مشرکوں کی فتوحات اور مسلمانوں کے جمود پر ورطۂ حیرت میں رہیں گے۔ ان میں سے کوئی نہیں جو داعیٔ جہاد کی پکار پر لبیک کہے۔ ذرا فرنگیوں کو دیکھو۔ وہ کتنی دور دراز کی منزل پر آ کر ٹھہرے ہیں اور کتنے بڑے لشکر لے کر آئے ہیں، وہ کونسی گم شدہ متاع ڈھونڈنے نکلے ہیں اور کیسی بھرپور کمک لے کے آ رہے ہیں۔ وہ کس قدر سرمایہ خرچ کر رہے ہیں اور کتنا سامان جمع اور باہم تقسیم کر چکے ہیں۔ ان کا کوئی ملک، کوئی شہر اور کوئی جزیرہ نہیں بچا اور نہ ان کا کوئی بڑا قائد اور رہنما ایسا رہ گیا ہے جو صلیبیوں کو کمک پہنچانے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لے رہا ہو۔ اپنی ملت کی حفاظت کے لیے وہ جسم و جان کی اتنی قربانیاں بھی کم تصور کر رہے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کو ہر قسم کا اسلحہ فراہم کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اور جتنا کچھ خرچ کر رہے ہیں محض اپنی عبادت گاہ کی بازیابی کے جوش میں اور اپنے عقیدے کے گھمنڈ میں۔ ان فرنگیوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ سمجھتا ہو کہ ساحل پر قبضے اور رکاوٹوں کے دور ہونے کے بعد وہ یہاں کا مالک ہو جائے گا۔

مگر مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس ہے۔ وہ پست ہمت ہو چکے ہیں، گھبرا گئے ہیں، غفلت میں پڑے ہیں اور ان پر سستی طاری ہے۔ انہوں نے حیرت کو عادت بنا لیا ہے اور غیرت سے بے گانہ ہو گئے۔

اگر نعوذ باللہ میں بھی اسلام کی حفاظت سے باگ موڑ لوں تو مشرق سے مغرب تک اور افق کے اس کونے سے اس کونے تک کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو اللہ کے دین کے لیے غیرت کا مظاہرہ کرے اور باطل کے خلاف حق کی نصرت کے لیے تیار ہو۔ یہ وقت ہے کہ کاہلی ترک کر دی جائے اور قوم کے اہلِ حمیت فرزندوں کو دنیا کے کونے کونے سے محاذ کے نزدیک لایا جائے۔ بہر صورت ہمیں اللہ تعالیٰ سے نصرت کی امید ہے۔ ہم اخلاص کی گہرائی کے ساتھ اس سے مناجات میں مصروف ہیں۔ مشرک اللہ کے حکم سے ہلاک ہوں گے اور اہل ایمان ہی امن اور نجات کے حق دار بنیں گے۔''[1]

جب سیلاب پہاڑ سے ٹکراتا ہے ❊ سلطان کے ایک اور مراسلے کا مضمون یہ تھا:

''ہمیں روم کی جانب سے آنے والے منحوس (جرمن) دشمن کی اطلاع مل چکی ہے۔ یہ وقت ہے کہ غیرت مند حرکت میں آ جائیں، عالی ہمت اہل عزائم والے لوگ اٹھ کھڑے ہوں کیوں کہ

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 101/4

بلاشبہ کفار بکثرت ہیں جو گمراہی کی راہ پر چل رہے ہیں مگر جب سیلاب مضبوط پہاڑ سے ٹکراتا ہے تو تھم جاتا ہے اور رات جب صبح تک پہنچتی ہے تو چھٹ جاتی ہے۔ ہاں تو کہاں ہیں جہاد کا وہ فریضہ ادا کرنے والے جو ہم پر لازم ہے۔ کہاں ہیں ہدایت کے اس راستے پر چلنے والے جو بہت واضح ہے؟ اور کہاں ہیں مسلمان...... خدا نہ کرے کہ وہ اسلام کو (اغیار کے) حوالے کرنے والے ہوں؟ کہاں ہیں دین میں سبقت لے جانے والے لوگ؟...... اللہ کی پناہ کہ وہ دین کی نصرت میں موت کی طرف پیش قدمی سے گریز کرنے والے ہوں۔

اگر اس محاصرہ کرنے والے دشمن کا شکنجہ نہ ہوتا تو میں یلغار کی لگا میں آنے والے (جرمن) دشمن کی طرف اُٹھا دیتا۔ عکا کے محاصرین سے تصادم اور ان ملعونوں کو نگاہیں بھر کے موت کا چہرہ دکھانے سے پہلے پہلے اس (جرمن) دشمن سے ٹکراؤ ناگزیر ہے۔"[۵]

آپ بستروں پر کیوں مطمئن ہیں؟ ☆ قاضی فاضل کے قلم سے عباسی خلیفہ کے نام اپنے خط میں سلطان نے اپنے دل و جگر کی حرارت نچوڑ کے رکھ دی۔ انہوں نے جو تحریر کیا اس کا حرف حرف آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے۔ ذرا دل تھام کے پڑھیے۔

"فرنگیوں کی خبر یہ ہے کہ وہ ابھی تک عکا کے باہر ہیں۔ سمندر کی لہروں کی تعداد سے زیادہ بحری جہاز ان کی مدد کو آرہے ہیں۔ کفار بادشاہوں نے طے کر لیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی افواج میں سے ایک فوج وہاں بھیجے گا اور اسلحہ فراہم کر کے ان کی شان و شوکت بڑھائے گا۔

جب مسلمان ان کا ایک آدمی قتل کرتے ہیں تو سمندر سے اس کے بدلے مزید ہزار پہنچ جاتے ہیں۔ جتنی فصل کٹتی ہے اس سے زیادہ اُگ آتی ہے۔ جتنے پھل توڑے جارہے ہیں ان سے زیادہ لگتے جارہے ہیں۔ اس مدمقابل دشمن نے...... اللہ اسے غارت کرے...... خندقوں کے ذریعے مضبوط زرہ پہن لی ہے اور تختوں کے ذریعے قلعہ بند ہو گیا ہے۔ پس وہ کھلے میدان میں بھی محفوظ ہے۔ برہنہ ہوتے ہوئے بھی زرہ بکتر میں ہے۔ سامنے ہوتے ہوئے بھی غائب ہے۔ بہرکیف ان کے جم غفیر کو بکثرت قتل کیا گیا ہے، ان کی موٹی گردنوں کو نیزوں کے پھلوں نے کاٹ ڈالا ہے۔ طویل مدت کے محاصرے اور گران بار تکالیف نے ہماری افواج کی صلاحیتوں کو تو متاثر کیا ہے مگر فرمانبرداری کو نہیں۔ ان کے کارکردگی پر تو اثر ڈالا ہے مگر ان کی دلیری پر نہیں۔ جو بھی انہیں جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح فریاد کر سکتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر

---

۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 140/4

میں کی تھی کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو تا قیامت تیرا نام لیوا کوئی نہ ہوگا۔ وہ ان کے لیے مخلصانہ دعا کرے گا اور ہمارے آقا امیر المومنین (خلیفہ) کے طفیل قبولیت کی امید رکھے گا۔
صلیبیوں کے پاپائے اعظم نے...... اس پر اور اس کے حامیوں پر خدا کی لعنت ہو...... ان لوگوں پر ہر قسم کی جائز شے کو حرام کر دیا ہے اور ان کے ہر ذخیرے سے مال وصول کیا ہے۔ اس نے گرجوں کو تالے لگوا دیے ہیں۔ خود بھی آہنی لباس پہن لیا ہے اور ان کو بھی یہی لباس پہنوا دیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ جب تک مزار مسیح اور یروشلم کا گرجا آزاد نہ کرا لیں یہی زرہیں پہنے رہیں۔
پس اے خانوادۂ محمد (ﷺ) آپ حضور اکرم ﷺ کی امت کی خلافت سے سرفراز ہیں؟ پھر آپ اپنے بستروں پر کیوں مطمئن ہیں! حق تعالیٰ نے آپ کو ہمارے درمیان کمال عطا کیا ہم اور سارے مسلمان آپ کے پاس امانت ہیں۔
اس گفتگو میں خادم کی حالت ایسی ہے کہ گویا وہ آپ کی چوکھٹ پر کھڑا گڑگڑا رہا ہے! آپ کی خاک آستانہ کو چوم رہا ہے اور آپ سے سرگوشی میں دوٹوک باتیں کہہ رہا ہے۔
اگر اس ناچیز کو مجبوریاں درپیش نہ ہوتیں تو (ملاقات کے لیے) وطن چھوڑ دیتا۔ آپ جیسا معالج اسلام بلکہ مسیحا (میرے رنج وغم کے اس) روگ کو دور کر دیتا جو مجھ پر چھا چکا ہے۔ اگر ناچیز کو اطمینان ہوتا کہ دشمنانِ اسلام مختلف رخ اختیار کر لیں گے (اپنے عزائم سے باز آجائیں گے) تو آپ کے ہاں حاضر ہونے کے لیے کوچ کر دیتا۔ اگر واضح طور پر سب کچھ بتا دینے میں مخالفین (کے طنز) کی نشتر زنی کا اندیشہ نہ ہوتا تو خادم وہ کچھ عرض کرتا جو آنکھوں کو رُلا دے اور دلوں کو زخمی کر دے۔ لیکن بندہ صبر کا دامن تھامے اللہ سے ثواب کی آس لگائے ہوئے ہے...... ٹکٹکی باندھ کر اس کی مدد کا منتظر ہے۔ جو کچھ ناچیز پر فرض ہے اسے اپنی ذات کی حد تک ادا کرنے کے لیے کوشاں ہے اور کہہ رہا ہے "اے میرے رب! میرے بس میں فقط میری جان ہے، تیری راہ میں یہ قربان ہے اور (میرے ساتھ) میرا بھائی (الملک العادل) تیری نذر ہے جو کہ تیری خاطر ہجرت کر کے آیا ہے جس کی قبولیت کی وہ امید رکھتا ہے اور یہ میری اولاد بھی حاضر ہے جس نے تیرے دشمن کے مقابلے میں اپنے روشن چہروں کو نچھاور کر دیا ہے، ہاں مگر تیرے محبوب ﷺ کی خاطر ان ناگواریوں کو جھیلنا معمولی بات ہے جو مجھے اور انہیں پیش آرہی ہیں۔ ہم اس حد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر شے سے پہلے اور ہر شے کے بعد، ہر معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔"[1]

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/141،142

شاہِ جرمنی ایشیائے کوچک میں ❁ سلطان اس دوران قاصدوں کی معرفت شمال کی اسلامی مملکت سلاجقۂ روم سے برابر رابطے میں رہے۔ اس مملکت کا فرمانروا سن رسیدہ قلیج ارسلان تھا جس کا پایۂ تخت قونیہ تھا۔ مملکت کا حدودِ اربعہ تقریباً وہی تھا جو موجودہ 'ترکی' کا ہے۔ اس دور میں یہ سارا علاقہ 'روم' یا 'ایشیائے کوچک' کہلاتا تھا۔ یورپ سے اگر براستہ استنبول ایشیا میں آنا ہو تو سب سے پہلے یہی خطہ راستے میں آتا ہے۔ شاہِ جرمن بھی اسی راستے سے آرہا تھا لہٰذا اس کا قلیج ارسلان کی مملکت سے گزرنا لازمی تھا۔ قلیج ارسلان بذاتِ خود ایک دلیر حکمران تھا، اس کے آباؤ اجداد بھی نامور فاتح تھے جنہوں نے پہلی صلیبی جنگ میں ان لاکھوں سورماؤں کو جو بیت المقدس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر کے یورپ سے نکلے تھے ساحل پر ہی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا مگر اب اس خاندان کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ قلیج ارسلان ملک کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اپنے بیٹوں کے نام کر چکا تھا اور خود امورِ جہانبانی سے کنارہ کش تھا۔ بہر کیف اسے جرمن فوج کی آمد اور عالمِ اسلام کو لاحق خطرات کا اندازہ تھا۔ پھر اس کے سلطان صلاح الدین ایوبی سے حلیفانہ تعلقات بھی تھے چنانچہ وہ سلطان صلاح الدین کو خط و کتابت کے ذریعے جرمنوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات دے کر یقین دلا رہا تھا کہ جرمنوں کو وہ اپنی سرحد پر روک کر کسی طرح شام میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ قلیج ارسلان کے وعدے سلطان کے لیے بڑے حوصلہ افزا تھے مگر انہیں یہ دھڑکا ضرور تھا کہ اگر جرمنوں کو ایشیائے کوچک میں نہ روکا گیا تو پھر شام اور فلسطین کا کیا ہوگا۔

تندخو اور متکبر جرمن بادشاہ فریڈرک باربروسا جب صلیب اٹھا کے القدس کو دوبارہ 'یروشلم' بنانے کے ارادے سے نکلا تھا تو اسے دوسری صلیبی جنگ کے مناظر یاد آرہے تھے۔ 43 سال قبل (542ھ 1148ء میں) جب وہ 23 سال کا بھرپور جوان تھا، اپنے چچا کانرڈ کے ساتھ اسی جوش و جذبے سے شام کو فتح کرنے نکلا تھا، اس کے ساتھ فرانسیسی افواج بھی تھیں۔ اس وقت بیت المقدس صلیبیوں ہی کے قبضے میں تھا اور یورپی حکمران سلطنت یروشلم کو دمشق تک وسیع کر دینا چاہتے تھے مگر تب نور الدین زنگی نے ان کی کوشش ناکام بنادی تھی۔

اب بڑھاپے میں باربروسا کا مقابلہ سلطان صلاح الدین سے تھا جو 'یروشلم' کو دو برس قبل 'بیت المقدس' بنا چکا تھا، پس بوڑھا جرمن اس بار مزارِ مسیح کی بازیابی کے لیے نکلا تھا۔ اس کی کمان میں 42 ہزار گھڑسوار تھے جبکہ باقی دو لاکھ کے لگ بھگ فوج پیادہ تھی۔ جرمن سپاہی نہایت جفاکش، سرتاپا بھاری اسلحے سے لدے اور فولادی لباس میں ڈھلے ہوئے تھے۔ پوری فوج زرہ پوش تھی جس نے یروشلم اور مزارِ مسیح کے غم میں خود پر عمدہ لباس اور جائز لذات کو بھی حرام کر لیا تھا۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جب

تک ہم یروشلم واپس نہیں لے لیتے، زر ہیں اتارنے اور اسلحہ کھولنے کا نام تک نہیں لیں گے۔ اس فوج میں انتہائی درجے کا نظم وضبط تھا کیونکہ بار بروسا معمولی جرائم پر بھی سنگین سزائیں دینے کا عادی تھا۔ نظم و ضبط کی ذراسی خلاف ورزی پر سپاہیوں کو بے دریغ ذبح کرادیتا تھا۔ اس کے ہاں کسی کی سفارش بھی کارگر نہیں ہوتی تھی اس لیے سپاہی اور افسران اس سے بے حد خوف زدہ رہتے تھے۔ ایسے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے بار بروسا عالم اسلام کو تباہ و برباد کردینے کے لیے ایک زلزلے کی مانند بڑھتا چلا آرہا تھا۔

اس جرمن شہ سوار کا سفر کئی ماہ تک جاری رہا۔ ہنگری اور بلغاریہ سے ہوتا ہوا وہ بازنطینی رومی سلطنت کے قدیم پایہ تخت قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ وہ راستے کے تمام ممالک کو ڈراتا دھمکاتا لوٹتا اور اپنا باج گزار بناتا ہوا آیا تھا اس لیے قیصر روم کو اس کے عزائم پر شک تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ بوڑھا جرمن صلیب کی حمایت کے لیے نہیں، اپنی سیاست چمکانے کے لیے نکلا ہے۔ جب جرمن فوج قسطنطنیہ پہنچی تو قیصر نے اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اس نے اپنے ملک کے لوگوں پر پابندی لگادی کہ وہ خوراک و رسد تو کجا کسی بھی طریقے سے اس فوج کی مدد نہ کریں۔

قیصر روم کی جانب سے اس پابندی کے باعث جرمن فوج کو خاصی مشکلات پیش آئیں اور آخر کار بار بروسا نے مشتعل ہو کر قیصر کے علاقوں کو بھی لوٹنا شروع کردیا۔ تب قیصر کو جھکنا پڑا اور بار بروسا نے امان دینے کے عوض اس سے نہ صرف سونے چاندی اور عمدہ کپڑوں کے بھاری ذخیرے وصول کیے بلکہ اس کے بیٹے، بھائی اور چالیس امراء کو یرغمال کے طور پر اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر اس نے خلیج قسطنطنیہ پر آکر بہت سے جہازوں پر قبضہ کیا اور اپنی فوج کو پار اتارنے لگا۔ ایشیائی ساحل پر اتر کر اس نے قیصر کے یرغمالیوں کو واپس بھجوادیا اور خود تین دن تک ترکمان اوج قبائل کے علاقوں کو طے کرتا چلا گیا۔ یہاں شدید جاڑا شروع ہو چکا تھا اور برف باری کی وجہ سے پیش قدمی میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔ جرمن اس علاقے سے ناواقف تھے اور ان کے ساتھ کوئی راہ نما بھی نہیں تھا۔ دن بھر میں وہ بمشکل ڈیڑھ دو میل طے کر پا رہے تھے۔

ایشیائے کوچک کے وسیع وعریض خطے سے گزر کر شام تک پہنچنے کے لیے مختلف راستے موجود تھے۔ مگر معروف راستہ سلاجقۂ روم کی سلطنت قونیہ اور ارمنوں کی عیسائی ریاست سے گزر کر جاتا تھا۔ قونیہ کے قلیج ارسلان کی رگوں میں سلجوقیوں کا گرم خون تھا۔ ادھر ارمنی ریاست کا حکمران لافون ابن لاؤن بھی سلطان صلاح الدین کا سرحدی پڑوسی ہونے کے ناتے ان سے بہتر تعلقات کا خواہش مند تھا اور اس کے بعض سرحدی قلعے سلطان کے باج گزار بھی تھے۔ ان دونوں حکمرانوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح جرمنوں کا رخ اپنے ملک سے موڑ دیں۔

اُدھر شاہِ جرمن ارمنی حکمران ابن لاؤن کو خط لکھ کر اپنے مقاصد اور ہدف سے آگاہ کر چکا تھا۔ اس نے اپنی مشکلات کا ذکر کر کے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا ان علاقوں سے گزرنا ناگزیر ہے اب چاہے کوئی اسے خوشی سے راستہ دے یا مجبور ہو کر۔ ارمنی حکمران نے گھبرا کر اپنے سفیر شاہ جرمن کی خدمت میں دوڑا دیے اور انہیں تاکید کی کہ کسی بھی طرح جرمنوں کو سمجھا بجھا کر اس راستے سے منحرف ہونے پر آمادہ کرلیں جو قلیج ارسلان کی سلطنت سے گزرتا ہے کیوں کہ وہاں سے گزرنے کے بعد وہ لازماً ارمنی سلطنت میں داخل ہوں گے اور ان کے سیلاب بے اماں کے ہاتھوں نہ معلوم پھر ملک کا کیا حشر ہو۔ مگر جرمن بادشاہ نے ارمنی سفیروں کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے واضح لفظوں میں کہا کہ وہ اسی راستے سے گزرے گا۔ چنانچہ وہ ساحل سے یلغار کرتا ہوا سلجوقی مملکت کی حدود میں داخل ہو گیا۔

قلیج ارسلان جس نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جرمنوں کو سرحد پر روک لے گا، ان کی کثرت سے اتنا مرعوب ہوا کہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ البتہ مقامی ترکمان قبائل کے جانبازوں نے جرمنوں کی لوٹ مار سے تنگ آ کر ان پر چھاپہ مار حملے شروع کر دیے۔ وہ لشکر کے دونوں کناروں پر منڈلاتے رہتے اور ان میں سے جو شخص ذرا الگ نظر آتا اسے قتل کر کے غائب ہو جاتے۔ کبھی وہ ان کے مویشی ہانک کر لے جاتے اور کبھی خوراک ورسد لوٹ لیتے۔ 33 دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جرمنوں کے لیے شدید برف باری پہلے ہی قہرِ خداوندی بن کر نازک ہو رہی تھی، ان کے سینکڑوں سپاہی اور مویشی روزانہ برف باری کی نذر ہو رہے تھے۔ ترکمانوں کے حملوں نے انہیں مزید بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔

دو لاکھ سے زائد جرمنوں کا یہ سیلاب ہر قدم پر لاشوں کے ڈھیر چھوڑتا ہوا اب سلجوقی دارالحکومت قونیہ کے قریب آ چکا تھا۔ پایۂ تخت کو خطرے میں دیکھ کر قلیج ارسلان کا بیٹا قطب الدین جوش میں آ گیا اور جرمنوں پر حملے کے لیے نکل کھڑا ہوا مگر دشمن کا سامنا کرتے ہی اسے اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا۔ جب دونوں فوجوں میں معرکہ ہوا تو جرمن جلد ہی سلجوقیوں پر چھا گئے۔ شہزادہ تیزی سے پسپا ہو کر پایۂ تخت میں قلعہ بند ہو گیا۔ جرمن اس کے تعاقب میں قونیہ کی فصیل کے سامنے آن پہنچے۔ شاہی افواج نے باہر نکل کر ایک بار پھر ان سے ٹکر لی مگر شکست کھا کر انہیں دوبارہ شہر میں گھسنا پڑا۔ اب جرمنوں نے پوری طاقت سے شہر پر حملہ کر دیا۔ وہ بیرونی فصیل عبور کر کے شہر کے بازار تک پہنچ گئے اور اسے نذرِ آتش کر دیا مگر اندرونی فصیل کو نہ پھلانگ سکے۔

پانچ دنوں تک وہ اس علاقے میں مسلمانوں کا خون بہاتے رہے۔ آخر قلیج ارسلان نے باربروسا سے امان طلب کی۔ بوڑھا جرمن بھی یہاں زیادہ وقت ضایع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ طوفانی موسم میں یہاں نئی مہمات شروع کر دینا اسے منزل سے دور کر دے گا، پھر اسے شام پہنچنے کے لیے مددگاروں

اور راہنماؤں کی شدید ضرورت تھی چنانچہ اس نے قلیج ارسلان کو تحائف کے ساتھ یہ پیغام بھیجا:

''ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہماری منزل یروشلم ہے، آپ خوراک و رسد کی فراہمی کا انتظام کر دیں، ہم آپ کے ملک سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔''

قلیج ارسلان شکست کھا چکا تھا لہٰذا اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر جرمنوں کو ہر قسم کی سہولیات سمیت راہنما بھی فراہم کیے اور مشورہ دیا کہ وہ ارمنوں کے علاقوں طرطوس اور مصیصہ کا راستہ اختیار کریں۔ قلیج ارسلان کی جانب سے اس حد تک تعاون کے باوجود شکی مزاج بار بروسا مطمئن نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ قلیج ارسلان جرمن لشکر کو اپنی سرزمین عبور کرنے کے دوران مکمل تحفظ بھی فراہم کرے اور اپنی رعایا کو جرمنوں پر دست درازی سے منع کرے۔ بار بروسا نے ضمانت کے طور پر سلطنت کے بیس سے زائد امراء کو بطور یرغمال طلب کیا اور کہا:

''اگر آپ ہمیں تحفظ فراہم کرنے کے انتظامات میں کمزور ثابت ہوئے تو ہم یرغمال امراء کو قیدی بنالیں گے۔''

حاکم قونیہ اس لشکرِ جرار سے اتنا مرعوب تھا کہ اس نے کسی پس و پیش کے بغیر یہ سب باتیں مان لیں۔ اس نے ہرکارے دوڑا کر اپنے عوام میں منادی کرادی کہ جرمنوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے۔ امرائے سلطنت بھی بطور یرغمال بار بروسا کے حوالے کر دیے گئے۔ مگر جب بار بروسا قونیہ سے روانہ ہوا تو جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے جانباز قبائلی اس کی رسد پر حملے کرنے لگے۔ بار بروسا نے غضب ناک ہو کر یرغمال مسلمان امراء کو قیدی بنالیا۔ ان میں سے بہت سے جرمنوں کی قید میں ہی زندگی کے دن پورے کر کے دنیا سے رخصت ہوئے اور بعض سالہا سال تک قید رہنے کے بعد کسی موقعے پر بھاری زر فدیہ ادا کر کے رہائی پا سکے۔ قلیج ارسلان بار بروسا کے سامنے جھکنے کے باوجود سلطان صلاح الدین سے تعلقات خراب کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنی مجبوریوں کا یقین دلانے کے لیے سلطان صلاح الدین کو برق رفتار قاصدوں کے ذریعے اپنی حالات لکھ بھیجے۔ اس نے اپنے مکتوب میں لکھا:

''میں اپنی اولاد کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ چونکہ وہ جرمنوں کو روکنے پر آمادہ نہیں اور میری اطاعت سے آزاد ہو گئے ہیں اس لیے میں اپنا وعدہ پورا کرنے سے معذور ہوں۔''

ساتھ ہی اس نے یہ خبر بھی دی کہ جرمن عن قریب شام پہنچنے والے ہیں۔ [1]

جرمنوں کا سیلاب بے اماں ❊ بار بروسا کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ جہاں جہاں اس کی یلغار کی خبریں

[1] الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/114_115_133_134، ابن خلدون: 5/316، الکامل فی التاریخ: 10/193_104

پہنچتیں وہاں لوگ گھروں میں بند ہوجاتے، بازاروں میں اشیاء کے نرخ چڑھ جاتے کیونکہ عوام آئندہ پر آشوب حالات کے تصور سے سہم کر گھروں میں راشن جمع کرنے میں مصروف ہوجاتے اور تجار ذخیرہ اندوزی کرنے لگتے۔ سب سے زیادہ خطرہ شام اور فلسطین کے مسلمانوں کو لاحق تھا۔ پھر الجزیرہ اور عراق کے لوگ بھی خود کو خطرے سے دور محسوس نہیں کر رہے تھے۔ علامہ ابن اثیر اس خوف و دہشت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا حال ویسا ہی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾

''جب کفار نے تم پر اوپر سے چڑھائی کی اور نیچے سے بھی اور جب نگاہیں پھرنے لگیں اور دل حلق میں آن پہنچے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''[1]

مصری بری و بحری فوج کی آمد: رمضان گزرتے گزرتے سردی کی شدت خاصی بڑھ گئی۔ یہ نومبر کا مہینہ تھا۔ یکم شوال 585ھ (11 نومبر 1189ء) کو جب عالم اسلام کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک عید الفطر کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں اس دن بھی اسلام کے کچھ محافظ بوسیدہ وردیوں، شکستہ ڈھالوں اور پرانی تلواروں کے ساتھ صلیبیوں کے طوفان کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ تاہم شوال کا مہینہ ان مجاہدین اسلام کے لیے مسرت کا سندیسہ بن کر آیا۔ سلطان کی تاکید پر مصر سے الملک العادل روانہ ہو چکا تھا۔ وسط شوال (اواخر نومبر) میں وہ خشکی کے راستے سے مصری سپاہیوں کے جم غفیر کے ساتھ سلطان کے معسکر پہنچ گیا۔ اس کے پاس محاصرے کے نئے اور مضبوط آلات، قلعہ شکن منجنیقیں، بڑے چوبی اور آہنی تختے، گز دار فولادی تیر، بڑی کمانیں، سپاہیوں کو اپنی اوٹ میں لے کر چلنے والے حفاظتی ٹھیلے (دبابے) اور بہت کچھ ساز و سامان تھا۔ اس کے زیادہ تر سپاہی پیادہ تھے۔ اس دوران سلطان صلاح الدین بھی شام کے طول و عرض سے پیادہ سپاہیوں کی خاصی تعداد بھرتی کر چکے تھے۔ انہوں نے مصر کے بحری شیر حسام الدین لولو کو بھی بحری بیڑے کے ساتھ ساحل عکا پر طلب کر لیا تھا۔ وہ نہایت تجربہ کار جہاز راں تھا جس کی بحری فتوحات کے چرچے پوری اسلامی دنیا میں تھے۔ یہی وہ فرزند اسلام تھا جس نے چند برس پہلے حجاز مقدس پر کرک کے ملعون ریجی نالڈ کا اچانک حملہ ناکام بنایا تھا۔

وسط ذی القعدہ 585ھ (اواخر دسمبر) میں حسام الدین لولو کا بیڑا عکا کے ساحل پر نمودار ہوا جس میں

[1] الکامل فی التاریخ: 10/196

دس ہزار سپاہی اور 50 جنگی جہاز تھے۔اس وقت دسمبر کی کڑاکے دار سردی سے بحیرۂ روم کا پانی گویا منجمد ہونے کے قریب تھا۔لؤلؤ نے آتے ہی عکا کے گرد و نواح میں نظر آنے والی صلیبی کشتیوں پر حملہ کر دیا۔ صلیبیوں کے بحری جہاز تو طرابلس اور انطاکیہ کی بندرگاہوں کی طرف چلے گئے تھے مگر کشتیاں اور مال بردار بجرے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔حسام الدین نے ان سب کو عکا سے مار بھگایا۔دو مال بردار بجروں پر قبضہ کر کے ان کے عملے کو گرفتار کر لیا اور سامانِ رسد کے ذخائر عکا منتقل کر دیے۔عکا کے محصورین کو حسام الدین لؤلؤ کی آمد سے بے انتہا خوشی ہوئی کیوں کہ اس کے آنے سے صورتحال یکسر تبدیل ہوگئی تھی۔سمندر کی طرف سے عکا کا محاصرہ ختم ہوگیا تھا۔اب وہ بسہولت خوراک و رسد حاصل کر سکتے تھے۔سمندری راستہ کھلتے ہی سلطان نے کشتیوں کے ذریعے کئی امراء کو بہت سے سپاہیوں کے ساتھ عکا بھیج دیا اور بھاری مقدار میں غلہ، سامان حرب اور دیگر اشیائے ضرورت بھی مہیا کر دیں۔

دوسری طرف فرنگیوں کی جان پر بن گئی تھی۔خشکی کی طرف سے وہ پہلے ہی غیر محفوظ تھے۔اگر ان کا کوئی سپاہی چھاؤنی سے باہر دریائے عکا تک پانی لینے بھی نکل جاتا تو گھاس میں چھپے ہوئے رضاکار مجاہد عموماً اسے زندہ واپس نہ جانے دیتے، اس پر مستزاد یہ کہ اب اسلامی بیڑے نے سمندر کی طرف سے بھی ان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ [1]

جس دن لؤلؤ اپنے بیڑے کے ساتھ عکا پہنچا اس دن صلیبی اپنا خاص تہوار یوم الاولیاء (All saents day) منا رہے تھے۔متعصب مسیحی شاعر ایمبر وز یہ داستان کچھ یوں بیان کرتا ہے:

''یوم الاولیاء کی شام ہم پر سخت افتاد نازل ہوئی،تورون چھاؤنی کی بلندی سے ہمارے پہرے داروں کو حیفا کی طرف سے جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑا آتا دکھائی دیا جو بڑی ترتیب کے ساتھ عکا کے قریب پہنچ گیا۔فوج میں اس کی آمد کی خبر پھیل گئی۔کسی کو معلوم نہ تھا یہ کس ملک کا بحری بیڑا ہے۔لوگ انہیں جنیوا، وینس، مارسلیز یا سسلی کے جہاز سمجھ رہے تھے جو ان کی کمک کے لیے آئے تھے۔ابھی ہم تعجب اور خوف سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ وہ سیدھے عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے لگے اور جاتے جاتے ہمارا ایک جہاز بھی قبضے میں کر کے ساتھ لے گئے، اس جہاز میں ہمارا سامان رسد اور سپاہی تھے انہوں نے جہاز والوں کو مار ڈالا اور سامان پر قبضہ کر لیا.....''

نیز وہ لکھتا ہو کہ اس بیڑے نے سمندر کی اتنی سخت ناکہ بندی کی کہ سردیوں میں ہمیں کہیں سے رسد نہ پہنچ سکی۔ [2]

---

[1] الکامل فی التاریخ:10/189، [illegible]:188 [2] صلیبی جنگیں:166

بعض اکابر اور رفقاء کی وفات: حسام الدین لؤلؤ کی کمک آنے سے چند دن پہلے 9 ذی القعد (دسمبر 1189ء) کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے مشیرِ خاص اور سالارِ فوج فقیہ عیسیٰ الہکاری کو وخروبہ کے معسکر میں وفات پا گئے۔ وہ بڑے عالم فاضل انسان، باتدبیر سیاست دان اور کہنہ مشق سالار تھے۔ سلطان کی عسکری شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ انہوں نے شیخ ابوالقاسم ابن البرزی سے جزیرہ ابن عمر میں فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر وہ سلطان صلاح الدین کے چچا اسد الدین شیرکوہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شیرکوہ کی ناگہانی موت کے بعد مصر میں نوجوان صلاح الدین ایوبی کے لیے راہِ اقتدار ہموار کرنے اور امرائے لشکر کو ہمنوا بنانے میں ان کا سب سے بڑا کردار تھا۔ تب سے وہ سلطان کے خاص الخاص ارکان میں شمار ہوتے تھے۔

فقیہ عیسیٰ کی رحلت سے کچھ دنوں پہلے ماہِ رمضان میں سلطان کے دارالسلطنت دمشق کے سابق قاضی القضاۃ شرف الدین ابن ابی عصرون بھی وفات پا گئے تھے۔ انہی ایام میں سلطان کے ماموں زاد بھائی عزالدین موسک جو لشکر کے بڑے امراء میں شامل تھے اور حافظِ قرآن تھے شدید بیماری کے بعد 19 شعبان 585ھ (2 اکتوبر 1189ء) کو دمشق میں فوت ہو گئے تھے۔ آخری ایام تک وہ صلیبی جنگ کی مہمات میں پیش پیش رہے تھے مگر جب مرض شدت اختیار کر گیا تو سلطان سے رخصت لے کر گھر چلے گئے تھے۔ آزمائشوں اور مصائب کے ایام میں ان رفقاء اور بزرگوں کی جدائی سلطان کے لیے نہایت رنج کا باعث بنی۔ [1]

سفارتی وفود سے معاملات: سال کے آخری ایام میں سلطانی کیمپ میں مختلف درباروں کے سفیروں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا۔ کچھ سفیر سلطان کی ندائے جہاد کے جواب میں اپنے حکمرانوں کے پیغامات لائے تھے اور کچھ دیگر معاملات کی خاطر آئے تھے۔ سفیروں میں رکن الدین بن طغرل کا ایلچی بھی تھا۔ رکن الدین سلطان ایوبی کے ماں شریک بھائی کا لڑکا تھا، اس حیثیت سے ان کا بھتیجا تھا۔ ایلچی نے بتایا کہ رکن الدین کو اپنے چچا قزل ارسلان کی زیادتیوں کے خلاف آپ کی مدد درکار ہے۔ سلطان نے یہ کہہ کر اس معاملے میں فریق بننے سے معذرت کر لی کہ وہ کفار سے جہاد میں مشغول ہیں۔ تاہم انہوں نے حاکم اربل اور شہروز میں اپنے نائب کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ رکن الدین بن طغرل سے تعاون کریں۔ [2]

صلیبی دیو پیکر دبابے بنا رہے تھے: شدید سردی، طوفانی بارش، کیچڑ کی کثرت اور سمندر کی جانب

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/108_110، الکامل فی التاریخ: 10/190

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/107_108

سے ناکہ بندی کے باوجود صلیبی بے کار نہیں بیٹھے تھے۔ وہ اپنے تباہ شدہ بحری جہازوں کے شہتیروں اور لوہے کو ایک نئے انداز میں استعمال کرنے کے لیے مصروف کار تھے۔ صلیبیوں میں ہر قسم کی اسلحہ سازی کے ماہرین موجود تھے۔ وہ لکڑی اور لوہے کے بیکار ڈھیروں سے کارآمد سامان چن چن کر بڑی بڑی قلعہ شکن منجنیقیں اور دبابے تیار کر رہے تھے۔ چند انجینئروں کی نگرانی میں لوہاروں، ترکھانوں، اور مزدوروں کا ایک جم غفیر اس کام میں جتا ہوا تھا۔ یہ چند دنوں کا نہیں مہینوں کا کام تھا مگر صلیبی اس دن کو یاد کر کے خود کو تسلی دیتے رہے جب وہ قلعہ شکن آلات کے ساتھ عکا پر بھرپور حملہ کر سکیں گے۔ انہیں امیدوں کی یہ دنیا مزید قریب تر دکھائی دینے لگتی جب وہ یہ تصور کرتے کہ فریڈرک باربروسا اس وقت ایشیائے کوچک کے کوہستان عبور کر کے شام سے قریب تر ہوتا جا رہا ہوگا۔ ❶

❶ الکامل فی التاریخ: 191/10

فصل:4

ہولناک دبابے

نیا اسلامی سال 586ھ شروع ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی صحت قدرے بہتر ہو چکی تھی۔ موسم سرما گزر گیا تھا۔ بہار نے پژمردہ طبیعتوں میں تازگی پیدا کر دی تھی۔ سلطان ان دنوں کبھی کبھار جنگل کو نکل جاتے اور شکار کھیلتے۔ کچھ سدھائے ہوئے باز ان کے ساتھ ہوتے۔ گھمسان کی لڑائیوں کا وقت شروع ہونے کو تھا، اس سے قبل سلطان کو مکمل صحت یابی کی ضرورت تھی۔ ماہ صفر 586ھ کے ابتدائی ایام میں سلطان نے ایک دن پھر تفریح طبع کے لیے شکار کا منصوبہ بنایا اور کچھ رفقاء کے ہمراہ جنگلات میں نکل گئے۔

مارچ کی چمکیلی دھوپ میں سرما کی بارشوں سے دُھلی ہوئی ہر شے نہایت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، بارشوں کا سلسلہ کچھ دنوں پہلے ہی ختم ہوا تھا، اب تک میدان عکا میں گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ تھا اور نقل وحرکت خاصی مشکل تھی۔ سلطان کے شکار پر جانے کی خبر فرنگیوں سے مخفی نہ رہی کیونکہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں ان کے جاسوس سائیسوں، مزدوروں، پھیری لگانے والوں اور طبیبوں کی صورت میں موجود تھے۔ معقول معاوضے پر ہنرمند لوگ اس قسم کے کاموں کے لیے تیار ہو جاتے تھے اور ان پر کسی کو شک بھی نہیں ہوتا تھا۔ فرنگیوں کو جوں ہی سلطان کے شکار پر نکلنے کی اطلاع ملی انہوں نے لشکر اسلام کے ان پہرے دار دستوں کو کچل ڈالنے کا فیصلہ کر لیا جو مستقل طور پر میدان میں تعینات رہتے تھے۔ دراصل ان دنوں میدان عکا دو حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا تھا۔ شہر کے دائیں بائیں کا ساحلی میدان جو ریتیلا تھا، آمد و رفت کے لیے اب بھی موزوں تھا۔ یہاں ریت کے باعث بارش کا پانی فوراً جذب ہو جاتا تھا اور کیچڑ نہیں بنتا تھا۔ مسلمان محافظ سپاہی ان دنوں اسی ریتیلے ساحل پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ دوسرا حصہ میدان کے وسط سے لے کر ٹیلوں تک تھا جو کیچڑ سے اتنا بھر چکا تھا کہ اس کو پار کرنا نہایت دشوار تھا۔ فرنگیوں نے میدان کی اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمان محافظوں پر حملے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میدان میں کیچڑ کی کثرت کے سبب مسلم محافظوں کو اپنے معسکر سے بروقت کمک نہیں پہنچ سکے گی پھر ساحل

عدم موجودگی میں معسکر کے سپاہی جلدی تیار نہیں ہو پائیں گے اور اگر وہ مدد کے لیے نکل بھی آئے تو دلدلی میدان ان کو تیز پیش قدمی سے روک دے گا اور اتنی دیر میں کارروائی مکمل کرلی جائے گی۔ [1]

وقعۃ الرمل (ریت کا معرکہ): عصر کے وقت صلیبیوں نے اپنی چھاؤنی کی خندق عبور کی اور پھر بے دار مسلم سپاہ پر حملہ کردیا۔ مسلمانوں نے فرنگیوں کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر کمانوں پر تیر چڑھا لیے اور دفاعی ہیئت اختیار کر کے زبردست تیر اندازی شروع کردی۔ یہ لڑائی ساحلی ریت پر ہو رہی تھی اس لیے مؤرخین اسلام اسے ''وقعۃ الرمل'' یعنی ریت کے معرکے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرنگی مسلمانوں کی تیر اندازی سے بہت گھبراتے تھے، تیروں کی ہر باڑھ سے ان کے کئی کئی سورما خون میں لت پت ہو کر ریت پر گر جاتے اور بقیہ فرنگی پیچھے ہٹ جاتے مگر جلد ہی وہ سنبھل کر دوبارہ حملہ کر دیتے۔ آخر کار مسلمانوں کے ترکش خالی ہوگئے۔ صدائیں گونج اٹھیں:

''تیر لاؤ، تیر لاؤ......ترکش خالی ہو چکے ہیں۔''

ادھر فرنگیوں نے تیروں کی بارش رکتی دیکھی تو مجتمع ہو کر زوردار حملہ کیا جس سے مسلمان دب گئے اور دریائے عکا تک پیچھے ہٹتے چلے گئے تاہم اس موقع پر مصر کے عادلی سپاہیوں نے ڈٹ کر مقابلہ شروع کیا اور فرنگیوں کو منہ توڑ جواب دے کر پسپا کردیا۔

فرنگیوں نے جونہی میدان چھوڑا مسلمان مال غنیمت جمع کرنے اور مقتولین کا اسلحہ اتارنے لگے۔ فرنگیوں نے موقع دیکھ کر دوبارہ ہلا بول دیا اور حاجب ایدغمش المجدی سمیت کئی دلیر مسلمانوں کو شہید کردیا۔ تاہم دیگر سپاہی سنبھل چکے تھے۔ وہ قدم جما کر فرنگیوں سے بھڑ گئے۔ یہ ایک نہایت خونریز لڑائی تھی۔ علامہ ابن اثیر کے بقول:

''پہرے دار مسلمانوں کو یقین تھا کہ ثابت قدمی اور بھرپور لڑائی ہی انہیں بچا سکتی ہے۔''

انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ میدان کی زمین دلدلی ہونے کے باعث معسکر سے کمک پہنچنے میں کافی دیر لگ جائے گی۔ چنانچہ وہ سردھڑ کی بازی لگا کر فرنگیوں کے جم غفیر کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ لڑائی کے دوران سلطان ایوبی کا ایک مملوک سپاہی قراسنقر دشمن کے گھیرے میں آگیا، وہ نامی گرامی جنگجو تھا اور گزشتہ جھڑپوں میں بہت سے فرنگیوں کو قتل کر چکا تھا اس لیے دشمن اس کی تاک میں چھپے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے اس کا گھوڑا وہیں پھسل کر گر پڑا۔ گھات میں بیٹھے فرنگیوں نے اچانک حملہ کر کے اسے جکڑ لیا۔ ایک صلیبی نے اس کے لمبے بال پکڑ لیے۔ دوسرا صلیبی جس کے کئی رشتہ دار قراسنقر کے ہاتھوں

[1] النوادر السلطانیہ: 179_180، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/116، الکامل فی التاریخ: حوادث 586ھ

ہلاک ہو چکے تھے جوش کے عالم میں تلوار سونت کر آگے بڑھا تا کہ اپنی آتشِ انتقام ٹھنڈی کر سکے، اس نے پوری طاقت سے تلوار چلائی مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے..... تلوار کا وار چوک گیا۔ قرہ سنقر کا سر سلامت رہا اور اس کے بال پکڑنے والے سپاہی کا ہاتھ کلائی سے کٹ کر دور جا گرا۔ وہ اپنا بازو تھام کر تڑپنے لگا۔ قرہ سنقر کو اس طرف سے خالی راستہ مل گیا۔ وہ جست لگا کر اُدھر سے نکل گیا۔ عیسائی اس کے پیچھے دوڑے مگر اسلام کا یہ شیر ہاتھ نہ آیا اور دوڑتے دوڑتے اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔

یہ لڑائی دیر تک جاری رہی۔ رات کا اندھیرا پھیل گیا مگر تلواریں چلتی رہیں۔ ادھر معسکر میں اس جنگ کی اطلاع پہنچ گئی تھی۔ الملک العادل نے فوراً پکار کر سپاہیوں کو جمع کیا اور مدد کے لیے پہنچ گیا۔ کمک مل جانے سے محافظینِ اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے جبکہ صلیبیوں کی ہمت پست ہو گئی اور وہ الٹے پاؤں اپنی چھاؤنی کی طرف لوٹ گئے۔

ادھر سلطان کو بھی جنگل میں دورانِ شکار اس واقعے کی خبر مل گئی تھی۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے معسکر پہنچے تو معرکہ ختم ہو چکا تھا اور سپاہی واپس آرہے تھے۔ تھکن کے باوجود ان کے چہروں سے مسرت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں کیوں کہ انہوں نے دشمن کے اچانک حملے کو ناکام بنا کر اسے ذلت وخواری کے ساتھ واپس بھگا دیا تھا۔ ❺

بہار کی شوخیاں ﷺ ہر گزرتے دن کے ساتھ بہار کی شوخیاں عروج پر پہنچتی گئیں۔ کوہستانوں کی چوٹیوں سے برف پگھلتی گئی، مرجھاتے ہوئے پودے انگڑائیاں لینے لگے۔ کوہ ودمن سبزے کا نیا لباس پہننے کو تھے۔ برساتی نالے سوکھ گئے اور خشک دریاؤں میں تازہ پانی کی دھاریں چلنے لگیں۔ میدانِ عکا کی دلدلی زمین پہلے خشک ہوئی اور پھر ہری پوشاک اوڑھنے لگی۔ بارشوں سے بھیگے ہوئے خیمے سوکھنے لگے اور عکا کی نم دیواریں اپنے اصلی رنگ میں نظر آنے لگیں۔ سپاہیوں کی تلواریں جو مسلسل نمی سے زنگ پکڑنے لگی تھیں ایک بار پھر صیقل کی جا رہی تھیں۔ خودوں اور زرہوں کو تیل سے مانجھ کر چمکایا جا رہا تھا۔ کاری گر نئے تیر بنا رہے تھے۔ سیلن زدہ نیزے کٹی ہوئی فصل کی طرح دھوپ میں پھیلا دیے گئے تھے تاکہ خشک ہو جائیں۔ کمانوں کی ڈھیلی ڈھالی بوسیدہ تانتیں کھول کر نئی تانتیں چڑھائی جا رہی تھیں۔ تھکے ہوئے جسموں میں نئی توانائیاں جاگ رہی تھیں۔ ہاں! ایک نئی جنگ شروع ہونے کو تھی۔

فرنگیوں کی کمک کی بحالی اور تازہ نیانِ افرنگ کی آمد ﷺ سمندری راستے کھل جانے کے بعد صور اور طرابلس سے صلیبیوں کے بیڑے واپس آگئے اور عکا کی بندرگاہ کے سوا پورا ساحل ایک بار پھر

❺ سیرۃ صلاح الدین: 160، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/117_118

صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ مسلمانوں کے بحری جہاز اب عکا کے گرد آزادانہ نقل وحرکت سے قاصر ہو گئے تھے۔ پھر جزائر بحیرۂ روم سے رضا کار صلیبی جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ مرد کیا عورتیں بھی عکا کے ساحل پر اتر رہی تھیں۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں:

"تین سو حسین وجمیل فرنگی عورتیں ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر عکا پہنچیں۔ ان کا تعلق یورپی جزائر سے تھا۔ پردیسی صلیبیوں کی مدد کے لیے انہوں نے وطن چھوڑ دیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اس قربانی سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہو سکتی اور اس عبادت سے افضل کوئی اور عبادت نہیں۔"

انہی کا بیان ہے:

"ایک یورپی رئیسہ پانچ سو گھڑ سواروں، غلاموں اور خدام کے ساتھ ساحل پر اتری، یہ خاتون اس فوج کے تمام اخراجات کی کفالت کر رہی تھی اور ان پر کھلا خرچ کر رہی تھی۔ یہ فوج گھوڑوں پر سوار، ساز وسامان سے آراستہ اور زادِ سفر سے لدی ہوئی تھی۔"

کاتب عماد یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایسی عورتیں دست بدست جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔ باقاعدہ مردوں کے بھیس میں زرہ بکتر اور خود پہن کر شہ سواری کرتی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"گھر کی زینت بننے کے قابل یہ عورتیں جنگجو مردوں کا کردار ادا کر رہی تھیں۔ اپنی فطری نازک اندامی کے باوجود وہ جفاکش تھیں، زرہ بکتر کے سوا وہ کوئی اور لباس نہیں پہنتی تھیں۔ اس لیے جب تک انہیں گرفتار کر کے غیر مسلح نہ کیا جاتا، پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ جنگوں میں ایسی کچھ عورتیں گرفتار بھی ہوئیں اور باندیاں بنا کر فروخت بھی کی گئیں۔ جہاں تک ان کی بوڑھی عورتوں کا تعلق ہے ان کا جم غفیر موجود تھا، وہ کبھی حملوں میں بھی شریک ہوتیں اور کبھی اپنے سپاہیوں کو برانگیختہ کرتیں۔ وہ کہتی تھیں 'صلیب تب ہی خوش ہوگی جب تم جے رہو گے اور فنا ہوئے بغیر تم بقا کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔' پس ان کے مرد وزن کا گمراہی میں یہ اتحاد واتفاق قابل دید ہے۔"[5]

فرنگی حسینائیں، سامانِ ہوس پرستی: فرنگی عورتوں کا کام فقط جنگ میں حصہ لینا ہی نہ تھا۔ وہ صلیب کی خاطر اپنی عصمت و ناموس قربان کرنا بھی عبادت سمجھتی تھیں۔ جنگوں کی مشقت اٹھانے والے فرزندانِ صلیب کو جنسی طور پر آسودہ کرنے کے لیے وہ بلاتکلف خود کو پیش کر دیتی تھیں۔ خصوصاً وہ صلیبی جو کنوارے تھے یا اپنی بیگمات کو ساتھ نہیں لائے تھے، ان کے حسن وجمال سے پورا پورا لطف لیتے تھے اور ان کی قربت سے اپنے نفسانی پیاس بجھاتے تھے۔ کاتب عماد اصفہانی کہتے ہیں:

5 کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 107/4

"اہل یورپ کے ہاں کنواری عورتوں کے کنوارے مردوں سے جنسی تعلقات میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کے پادریوں کے ہاں یہ بات نہایت مقدس اور پاکیزہ ہے کہ تکلیفیں جھیلنے والے کنواروں کو ایسی عورتوں کے ناموس سے کھیلنے کا راستہ مل جائے۔"[1]

مسلمانوں کیلئے دام فرنگ: مگر بات صرف اتنی نہیں تھی۔ یہ خوبصورت لڑکیاں مسلمانوں کو بھی بہلاتی پھسلاتی تھیں، انہیں اپنی محبت کے جال میں پھانس کر یا شہوانی تسکین کے لالچ میں مبتلا کر کے گمراہ کر دیتی تھیں۔ سلطان کے وقائع نگاروں نے ایسے واقعات کی تفصیل بیان نہیں کی مگر اتنا بتایا ہے کہ متعدد کمزور مسلمان حسن وعشق اور جنسی گرم بازاری کی کھائی میں گر کر میدان جہاد سے بھاگ رہے تھے اور فرنگی طوائفوں کے خیموں اور راؤں میں منہ کالا کر رہے تھے۔ ان کی ساری ہمدردیاں اور وفاداریاں فرنگیوں کے لیے وقف ہو جاتی تھیں۔ اس تلخ حقیقت کا ثبوت سلطان کے وقائع نگار عماد اصفہانی کے یہ فقرے ہیں:

"ہمارے لشکر سے بے وقوف مملوکوں اور جاہل غلاموں کی ایک جماعت باغی ہو کر بھاگ نکلی، انہیں ہوس نے گھسیٹ لیا تھا۔ انہوں نے گمراہ لوگوں کی پیروی کی، پھر ان میں سے کچھ تو ذلت ورسوائی کے ساتھ اس لذت آشنائی سے مطمئن رہے اور کچھ لوگ اس لغزش پر پچھتائے، چنانچہ انہوں نے (فرنگیوں کی چھاؤنی سے) نکلنے کے لیے حیلہ سازی سے کام لیا۔ ہاں اگر کوئی اس ہوس پرستی کا عادی بن گیا تو پھر وہ لوٹ کر نہ آیا۔ جو شخص اس طرح ان سے جاملا، ملزم بن جانے کی وجہ سے اس کی حالت سنگین ہوگئی اور اس کے لیے شہوت کا دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا کیوں فرنگیوں کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا کہ کوئی کنواری لڑکی ان لوگوں کو شہوت پوری کرنے کا موقع دے جو بیویوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے بلکہ پادریوں کے نزدیک یہ معاملہ بڑا پاکیزہ ہے کہ تکلیف میں گھرے ہوئے لوگ اور بیویوں سے محروم مرد کنواری لڑکیوں سے شہوت پوری کریں۔"[2]

کبوتروں کا کمال: عکا کی کوئی خبر اب سلطانی کیمپ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہاں مزید خوراک ورسد پہنچانا بھی ممکن نہیں رہا تھا کیونکہ یہ شہر اب ایک بار پھر بحر و بر دونوں طرف سے فرنگیوں کے محاصرے آچکا تھا۔ سلطان کے معسکر میں اس صورتحال سے پریشانی پھیل رہی تھی کیونکہ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس کا کوئی نہ کوئی عزیز یا رشتہ دار عکا میں نہ ہو۔ عکا میں خوراک کا ذخیرہ تو فوراً ختم ہو جانے کا خطرہ نہ تھا مگر وہاں سے مواصلاتی رابطے کا مکمل انقطاع بے حد خطرناک تھا۔ سلطان کی مجلس مشاورت میں اس مسئلے پر غور ہوا اور آخر ایک حل نکال لیا گیا۔

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 106/4
[2] کتاب الروضتین: 4/105۔106

شام میں کبوتروں کے ذریعے پیام رسانی ایک عرصے سے جاری تھی۔ خود سلطان کے زیر انتظام بعض شہروں اور فوجی کیمپوں میں یہ ذریعۂ مواصلات کامیابی سے استعمال ہو رہا تھا جبکہ فرنگی اس سے قطعاً نابلد تھے۔ یہ پیغامات خفیہ زبان (کوڈ ورڈز) میں لکھے جاتے تھے۔ بھیجنے کا طریقہ یہ تھا کہ پیغام کی پرچی کو لپیٹ کر بتی کی شکل دے دی جاتی۔ پھر اسے پیتل یا تانبے کی نلکی میں ڈال کر ڈھکن لگا دیا جاتا۔ یہ نلکی ایک ریشمی ڈوری کے ذریعے پیام رسان کبوتر کے پیروں سے باندھ دی جاتی۔ کبوتروں کو اترنے کے لیے مخصوص چھجوں کی پہچان کرادی جاتی تھی اور مطلوبہ مقامات پر ایسے چھجے لگا دیے جاتے تھے۔ کبوتر ان کے درمیان پرواز کرتے رہتے تھے اور درمیان میں کہیں نہیں اترتے تھے۔ غرض سلطان کے افسران نے ایسے کبوتروں کے ذریعے عکا سے پیام رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ طریقہ اتنا کامیاب ہوا کہ دن بھر میں کبوتروں کی کئی کئی پروازیں عکا جاتیں اور آتیں۔ اس کام کے لیے سرکاری کبوتر کم پڑ گئے۔ تب سلطان کے ایسے سپاہیوں کے کبوتر کام آئے جو شوقیہ کبوتر بازی کیا کرتے تھے۔ یہ کبوتر باز عادت سے مجبور ہو کر اپنے پالتو کبوتروں کو جہادی سفر میں بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ان کے خیموں کے ساتھ لکڑی کے کھمبے اور بانس کے چھجے دور سے نظر آجاتے تھے۔ پالتو کبوتر دور دور تک پرواز کر کے واپس اپنے مالک کے چھجے پر ہی آ کر بیٹھتے تھے۔ سنجیدہ قسم کے افسران اور سپاہی ان پر اعتراض بھی کرتے، کوئی کہتا: ''یہ کیا فضول مشغلہ ہے!!'' کوئی کہتا: ''یہ کیسا جنون ہے!!'' کوئی سمجھاتا: ''بھائی! اس کا کوئی فائدہ نہیں۔''

مگر اس موقع پر یہی مشغلہ کام آگیا جس سے عکا سے رابطے کی ناگزیر ضرورت پوری ہوتی رہی۔ ان پرندوں کے سہارے عکا والوں کو باہر کے تازہ حالات کا علم ہوتا رہا اور وہ بھی اپنی ضروریات اور مسائل سلطان تک پہنچاتے رہے۔ سلطان کے ہاں ان تازہ مسائل پر مشورہ ہوتا اور ان کا حل نکالنے کی کوشش کی جاتی۔ [1]

پیراکوں کا کارنامہ ❀ کبوتر پیغام تو لے جاتے تھے مگر وہ دوسری چیزیں لے جانے سے قاصر تھے۔ انہیں خفیہ الفاظ میں لکھے گئے مختصر پیغامات کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ وہ باقاعدہ سفیر کا کام نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے عکا کے امراء تک اہم چیزیں اور تفصیلی مراسلے پہنچانے اور ان سے زبانی بات چیت کے لیے پیراکی کے ماہرین سے کام لیا جانے لگا۔ یہ جانباز پیراک رات کی تاریکی میں ساحل کے کسی ویران گوشے سے سمندر میں کود جاتے اور تقریباً اڑھائی تین میل تک تیر کر عکا پہنچے۔ سمندر میں

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/114۔115۔ وصول الحد مری۔

نوٹ: کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی کا سلسلہ مسلم حکمرانوں میں سب سے پہلے سلطان نور الدین زنگی نے 567 ہجری میں شروع کرایا تھا جس سے ملکِ سلطنت میں مواصلات کا نظام بہت تیز ہو گیا تھا (الکامل: ج 10 ص 38))۔ بعد میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اسے اپنایا۔ فرنگی اس سے بالکل ناواقف تھے۔

گشت کرتی صلیبی کشتیوں سے بچنے کے لیے انہیں بے حد احتیاط کرنا پڑتی۔ خاصا فاصلہ زیرِ آب طے کرنا ہوتا تھا۔ شروع شروع میں یہ کام نہایت مشکل ثابت ہوا۔ کئی پیراک جان سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر دوسروں نے ہمت بلند رکھی۔ آہستہ آہستہ وہ غوطہ خوری اور تیراکی میں غیر معمولی حد تک مشاق ہو گئے اور فرنگیوں کی نظروں سے بچ نکلنا ان کے لیے عام سا کام بن گیا۔

یہ مجاہدین عموماً ایسے اہم ترین پیغامات لے کر جاتے تھے جن کے لئے کبوتروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا، بعض اوقات یہ نقد رقم کی تھیلیاں اور خاص چیزیں بھی کمر سے باندھ کر لے جاتے تھے۔

سلطان ایوبی نے اس پُرخطر کام میں حصہ لینے والوں کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا تھا، اس لئے ان کے حوصلے تازہ رہتے تھے۔ کامیاب پیغام رسانی کے باعث اہلِ عکا کی ہمت بھی برقرار رہی۔ مشرق یا مغرب میں فرنگیوں کو کوئی نقصان پہنچتا تو ایسی خبر سلطان کے خیمے تک پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد عکا والوں بھی معلوم ہو جاتی تھی، وہ فصیل پر چڑھ کر فرنگیوں کو چڑاتے، ان پر فقرے کستے۔ یہ دیکھ کر گنوار صلیبی بہت حیران ہوتے تھے کہ اتنے سخت محاصرے کے باوجود انہیں ہر پل دور دراز کی خبریں کیسے ملتی رہتی ہیں۔ بعض فرنگیوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے قبضے میں جنات ہیں جو انہیں خبریں لا کر دیتے ہیں۔ [1]

<u>موصل کا امدادی سامانِ حرب</u> ٭ آمدِ بہار کے ساتھ ساتھ سلطان کو اسلامی ممالک سے امداد ملنا شروع ہو گئی، قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی سفارتی مہم بڑی ذمہ داری سے انجام دی تھی۔ موصل کے حکمران علاؤ الدین مسعود نے آتش گیر مادے کی تیاری میں کام آنے والے سیال مادے نفطِ سفید کے ذخائر، نئی عمدہ ڈھالیں اور بڑی مقدار میں مضبوط نیزے روانہ کیے، سلطان کو یہ اسلحہ موصول ہوا تو خوش ہوئے اور اظہارِ تشکر پر مشتمل جوابی مراسلے میں لکھوایا:

''اسلحہ موصول ہوا اور اسلام کے دفاع کی خاطر کفر کو زخم لگانے کی تیاری مکمل ہوئی۔ بے شک وہ جنگ جس میں حریف کو مسلسل کمک پہنچ رہی ہو، سب لوگوں پر لازم ہو جاتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دشمنوں کی خاصی تعداد فنا ہو جاتی ہے مگر دشمن ختم نہیں ہوتے۔ وہ کٹنے کے باوجود اس طرح اگتے ہیں جیسے پودے۔ سمندر سے ان کی کمک آ رہی ہے اور کفر انہیں ہلاکت کی طرف دھکیل رہا ہے۔'' [2]

<u>کفر پنجے پھیلائے ہوئے ہے</u> ٭ انہی دنوں سلطان نے دربارِ خلافت میں ایک مراسلہ بھیج کر محاذ کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا:

''تین سال گزر گئے ہیں کہ تثلیث نے توحید کے خلاف اسلحہ اٹھایا ہوا ہے۔ کفر اپنے پنجے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/118_119

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/104

پھیلائے ہوئے ہے۔اب تک کے خون ریز اور ہولناک واقعات میں فرنگیوں کے بیس ہزار سے زائد گھڑسوار، پیادے، نیزہ بردار اور تیر انداز مارے جا چکے ہیں مگر اس سے ان کی تعداد میں کمی کا کوئی اثر نظر نہیں آرہا بلکہ انکی آتشِ ہوس مزید بڑھی ہے۔یہ دشمن اکیلا نہیں ہے کہ کوئی اس کے خلاف منصوبہ بندی سے کامیابی حاصل کرے اور اسے برباد کر ڈالے بلکہ ان سب لوگوں پر مشتمل ہے جو سمندر پار کفرستان میں آباد ہیں۔ان کے ہر شہر، ہر قصبے، ہر چھوٹے بڑے علاقے نے اس جنگ کے لئے اپنے بحری جہاز بھیجے ہیں، اپنے لشکر تیار کیے ہیں، اپنے باشندوں کو ابھارا ہے، اپنی پوشیدہ دولتوں کو ظاہر کیا ہے، ان کے غیور لوگ جوش میں بھر گئے ہیں، ان کے چلنے والے چل پڑے ہیں، جھپٹنے والے جھپٹ رہے ہیں، انہوں نے اپنے خزانے بکھیر دیے ہیں، سرمایے کی دکانیں الٹ دی ہیں، اپنے انبار اجناس لاد لیے ہیں اور بہترین سامان خرچ ڈالا ہے۔انہوں نے گرجوں کے مدفون خزانے پیش کر دیے ہیں اور زمین میں گڑی نہایت قیمتی اشیاء نکال لی ہیں۔ان کے بشپوں اور پادریوں نے صلیبیں اٹھالی ہیں، اپنی فوجوں سے کھلی شاہراہوں اور راستوں کو بھر دیا ہے۔وہ چھینی ہوئی صلیب کی بازیابی کے لیے کمربستہ ہو گئے ہیں اور اپنی قوم کو پہنچنے والے صدمے کے باعث متحد ہو چکے ہیں۔انہوں نے اپنی محفلوں میں آواز بلند کی ہے کہ مصیبت نے ان کے شہروں کو لپیٹ میں لے لیا ہے، اسلام نے ان کے القدس میں رہنے والے بھائیوں کو تباہ کر دیا ہے، اب اسلام سے جنگ کے لیے جو ترک وطن کرے گا اس کے گناہ بخشے جائیں گے، اس کے عیوب جاتے رہیں گے۔جو سفر سے عاجز ہو وہ مال واسباب اور دولت سے حتیٰ الامکان مدد کرے۔پس اب صلیبی جو پہلے سوگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اب لوہے میں ملبوس آن پہنچے ہیں اور ان لوگوں کو مسلسل کمک پہنچ رہی ہے۔"[1]

قلعۂ شقیف ارنوم سرنگوں ❁ 15 ربیع الاول 586ھ (22 اپریل 1190ء) کو مسلمان ایک اور خوشخبری سن رہے تھے۔ناقابل تسخیر قلعۂ شقیف ارنوم (بالفورٹ) سرنگوں ہو گیا تھا۔مسلمانوں نے ایک سال سے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ویسے تو قلعہ کی دیواریں اب بھی مسلمانوں کی پہنچ سے باہر تھیں مگر قلعہ کی محصور سپاہ نے سوچ بچار کے بعد مسلمانوں کو یہ پیش کش کی کہ اگر ان کے آقا ریجی نالڈ (حاکم صیدا) کو رہا کر دیا جائے اور ان سب کو جان کی امان دے دی جائے تو وہ قلعہ حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔یہ سلطان کی دانائی تھی کہ انہوں نے ریجی نالڈ کو بدترین فریب کاری کا مجرم ہونے کے بعد بھی قتل

[1] الروضتین: 105/4

نہیں کیا تھا۔ اب یہی مہرا مسلمانوں کے لئے ناقابل تسخیر بالفورٹ کے دروازے کھول رہا تھا، مذاکرات کے کئی مراحل کے بعد ایک معاہدہ ہو گیا جس کے مطابق اہل قلعہ مال و دولت، سامان حرب اور ذخائرِ خوراک مسلمانوں کے حوالے کر کے امن و امان کے ساتھ صور کی جانب نکل گئے، ریجی نالڈ کو رہا کر دیا گیا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ ❶

<u>خلیفہ بغداد کا سفیر اور امدادی سامان</u>: پیر 16 ربیع الاول (23 اپریل 1190ء) کو خلیفہ بغداد کی جانب سے ایک نوجوان سفیر شریف فخر الدین سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ آتش گیر اسلحے کے پانچ تجربہ کار انجینئر اور نقب لگانے اور سرنگیں کھودنے والے کچھ ماہرین روانہ کیے تھے۔ نیزوں، روغن نفط کے مٹکوں اور آتشی آلات پر مشتمل اسلحہ بھی بھیجا تھا۔

سفیر نے سلطان کو خلیفہ کا ایک خصوصی رقعہ (ایک قسم کا کریڈٹ کارڈ) بھی دیا جسے تاجروں کے حوالے کر کے ان سے 20 ہزار دینار کا سامان لیا جا سکتا تھا اور یہ رقم دربارِ خلافت کے خزانے پر قرض ہوتی۔ مگر سلطان نے خلیفہ کو گراں بار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دیگر چیزیں تو بسر و چشم قبول کر لیں مگر رقم کی وصولی والا رقعہ شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہوئے اپنے جوابی مکتوب میں مؤدبانہ انداز سے خلیفہ کو لکھا:

"میرے پاس جو کچھ ہے وہ دربارِ خلافت ہی کا عطیہ ہے۔ اگر جہاد کے لیے سرمایہ خرچ کرنے کی ضرورت درپیش نہ ہوتی تو میں ان شہروں کی تمام آمدنی دربارِ خلافت کی نذر کر دیتا۔"

سلطان کئی بار خلیفہ کے سفیر کو ساتھ لے کر میدانِ جہاد تک گئے اور اسے فرنگیوں اور اپنے محافظ سپاہیوں کے درمیان کش مکش کا نظارہ کرایا۔ معزز سفیر خاصے دنوں تک سلطان کی خدمت میں رہنے کے بعد واپس لوٹا۔ ❷

خلیفہ کی جانب سے جو آتشیں اسلحے کے ماہرین آئے تھے وہ پیٹرول سے ملتی جلتی ایک چیز روغن نفط کو کمانوں اور منجنیقوں کے ذریعے دشمن پر پھینکنے کے ماہر تھے۔ کمانوں پر ایسے تیر چڑھا کر چلائے جاتے تھے جن کی نوک پر آگ کی بھڑکتی بتی لپٹی ہوتی تھی۔ منجنیقوں میں پتھروں کی جگہ تیل کی کپیاں، ہانڈیاں یا مٹکے رکھے جاتے تھے اور انہیں شعلہ دکھا کر دشمن پر پھینک دیا جاتا تھا۔ جب یہ اسلحہ استعمال ہوتا تو بالکل یوں لگتا تھا جیسے کوئی ہولناک اژدھا اپنے منہ سے شعلے اگل کر ہر شے کو بھسم کرنے پر تلا ہے۔ یہ انجینئر سلطان کی فوج میں ایک نہایت کارآمد اضافہ تھے۔ صلیبی افواج میں حفاظتی انتظامات مثلاً پوری

---

❶ النوادر السلطانیہ: 181، 182

❷ النوادر السلطانیہ: 183، 184، تاریخ ملت اسلامیہ از اکبر شاہ خان نجیب آبادی (تحقیق): 120/4

زرہ بکتر، بڑی ڈھالوں اور پورے چہرے کو چھپا لینے والے خودوں کا اہتمام بہت زیادہ ہوتا تھا مگر وہ علم کیمیا اور طبعیات میں مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے اس لئے آتشیں اسلحے کا ماہرانہ استعمال نہیں جانتے تھے۔ مسلمانوں کے آتشیں اسلحے کو وہ گریک فائر (یونانی آگ) کہتے تھے۔

اسلامی افواج کی آمد: سلطان کی افواج جو موسم سرما کی رخصت پر تھیں اپنے اپنے صوبوں میں مرتب ہو کر ایک بار پھر محاذ کا رخ کر رہی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد دمشق، حمص، حماہ اور دیگر شہروں سے آنے والے افواج کے ہراول دستے خدمت سلطانی میں پہنچ گئے اب جنگ کے لیے سازگار ماحول مہیا ہو گیا تھا۔ 18 ربیع الاوّل 586ھ (25 اپریل 1190ء) کو سلطان نے تازہ دم افواج کے ساتھ وادیٔ عکا کا رخ کیا اور تل کیسان پر کیمپ لگایا۔ وادیٔ عکا ایک بار پھر مجاہدین اسلام سے آباد ہو گئی۔

اس بار بھی کیمپ کی ترتیب صف بندی کے اصولوں پر کر کے اسے قلب، میمنہ، میسرہ اور مزید تین تین ذیلی حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ شمال میں میمنہ کے آخری سرے پر تقی الدین کی سپاہ کا قیام تھا اور جنوب میں میسرہ کے آخری کونے پر الملک العادل کے خیمے تھے۔ شہزادہ الملک الافضل میمنۂ قلب کی پہلی صف میں تھا اور اس کا بھائی الظافر میسرۂ قلب کی پہلی صف میں ایک کونے پر تھا۔ [1]

ہولناک دبابے عکا کے سامنے: ادھر صلیبیوں نے سات ماہ کی مسلسل جد جہد سے تین دیوہیکل دبابے تیار کر لیے تھے جو اہرام کی مانند بلند اور کسی چٹان کی طرح مضبوط تھے۔ دور سے وہ لوہے اور لکڑی کا ایک پہاڑ نظر آتے تھے۔ صلیبی مؤرخین کے بقول اتنا بڑا کام شکستہ جہازوں اور کشتیوں کی لکڑی سے کیا گیا تھا مگر عرب مؤرخین بتاتے ہیں کہ اس کے علاوہ انہیں یورپ سے آنے والے جہازوں کے ذریعے خاص قسم کی لکڑی پہنچائی جاتی تھی۔ بہر صورت اتنی بات طے ہے کہ اس کام کے لیے شام کے جنگلات کی عام لکڑی کام نہیں آسکتی تھی۔

ان دبابوں کا نچلا حصہ پہیہ دار گاڑی کی مانند تھا۔ ان میں اوپر تلے پانچ منزلیں تھیں۔ نچلی منزل زیادہ وسیع تھی۔ پھر ہر بالائی منزل نچلی منزل کی بنسبت تنگ ہوتی تھی، تاہم بالائی سطح بھی اتنی کھلی تھی کہ اس پر منجنیق سمیت چالیس پچاس سپاہی کھڑے ہو سکتے تھے۔ ان منزلوں کو باہم ملانے کے لئے اندر زینے بنے ہوئے تھے۔ ہر منزل پر سامنے کی جانب آہنی جنگلے اور تختے لگے ہوئے تھے جن پر بڑے بڑے فولادی تیروں والی دیوپیکر کمانیں نصب تھیں۔ یہ تیر اتنے بڑے اور وزنی ہوتے تھے کہ سپاہیوں کی زرہ بکتر کو پھاڑ کر ان کی ہڈیاں توڑتے ہوئے پار ہو جاتے تھے۔ دبابوں کی ہر منزل پر سوراخ دار

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/119_120

مورچے بنے ہوئے تھے جن کی اوٹ سے دشمن پر تیر اندازی اور سنگ باری کی جاسکتی تھی۔ مجموعی طور پر ان سب منزلوں میں پانچ سو سے زائد سپاہی مورچہ زن ہوسکتے تھے۔ عرب مؤرخین کے الفاظ میں گویا یہ متحرک برج تھے۔ دبابوں کا بالائی سرا عکا کی فصیل سے بھی اونچا تھا۔ ہر دبابے کے آگے مشینی پل لگے تھے جو عام حالات میں اوپر کی طرف کھڑے رہتے تھے مگر فصیل تک پہنچ کر ان پلوں کو گرا کر فصیل سے ملا دیا جاتا تھا۔ دبابے میں موجود سپاہی ڈھالوں کی آڑ میں ان پلوں کے ذریعے سیدھے فصیل پر کود سکتے تھے۔

دبابوں کی چوبی دیواروں کو پہلے لوہے کی چادروں اور پھر مٹی کے پلاستر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ مزید حفاظت کے لئے ان پر ایسا چمڑا لپیٹ دیا گیا تھا جو سرکے اور خاص قسم کے کیمیائی محلول سے بھیگا ہوا تھا جس پر آگ اثر نہیں کر سکتی تھی۔ ہر دبابے کی بلندی 75 فٹ سے زائد تھی اور نچلی سطح کا طول و عرض تیس تیس فٹ سے کم نہ تھا۔ انہیں تیار کرنے کے بعد صلیبی پرامید تھے کہ اب وہ عکا کی بلند بالا فصیل پھلانگ سکتے ہیں۔ صرف ایک رکاوٹ رہ گئی تھی اور وہ تھی عکا کی خندق جس کے ہوتے ہوئے دبابے فصیل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ فرنگیوں نے اس کا علاج بھی سوچ لیا تھا اور شہر کے تین گوشوں میں خندق کا تھوڑا تھوڑا حصہ آپس میں بانٹ کر کئی ہفتوں سے اسے پُر کرنے میں جتے ہوئے تھے۔ یہ کام عکا کے مسلمانوں کی مزاحمت کے باوجود جاری تھا اور اس کی تکمیل میں ذرا سی کسر ہی باقی رہ گئی تھی۔ صلیبی خوش تھے کہ عکا کی فتح اب چند دنوں کی بات ہے۔ دبابے ان کے لیے فتح کی ضمانت تھے۔ ان تین دبابوں میں سے ایک پر شاہ گائی کا، دوسرے پر کونرڈ مارکوئس کا اور تیسرے پر لینڈ گارف کا پرچم پھڑ پھڑا رہا تھا۔ [1]

فرنگیوں کو عکا پر حملے کے لیے پر تولتا دیکھ کر سلطان نے تل کیسان پر کیمپ لگاتے ہی 18 ربیع الاول 586ھ (25 اپریل 1190ء) کو اپنے لشکر کو صف بندی کا حکم دے دیا تاکہ اگر فرنگی عکا پر حملہ آور ہوں تو وہ پشت سے حملہ کر کے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیں۔ اسی دن عکا سے ایک ماہر تیراک سمندر میں تیرتا اور فرنگیوں کی کشتیوں سے بچتا بچاتا سلطان کے کیمپ میں پہنچا اور بتایا کہ عکا والے نہایت سخت محاصرے میں ہے اور فرنگی شہر پر قبضہ کرنے کے قریب ہیں۔ [2]

شدید معرکوں کا ہفتہ

20 ربیع الاول 586ھ (27 اپریل 1190ء) کا دن بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ دونوں فریق کئی ماہ کے وقفے کے بعد ایک بار پھر وادئ عکا میں پھیل گئے تھے۔ فرنگیوں نے سلطان کی صف بندی دیکھ کر اپنی ٹڈی دل افواج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ دبابوں کے ساتھ فصیل پر حملے کے لئے تیار تھا اور دوسرا سلطان کے حملوں کو روکنے کے لئے مستعد تھا۔

آخر کار معرکے کا آغاز ہوا۔ میدان میں مسلمانوں اور صلیبیوں کی افواج کا ایک ایک حصہ باہم نبرد آزما ہوئے اُدھر ہزاروں صلیبیوں نے چھاؤنی سے نکل کر عکا کی فصیل کا رخ کیا۔ ان کے پیچھے سینکڑوں فرنگیوں نے دبابوں کو چھاؤنی سے نکال کر فصیل کی طرف دھکیلنا شروع کیا۔ انہیں فصیل تک لے جانا ایک دن کا کام نہیں تھا۔ پہاڑ جیسے دبابے بمشکل ہلائے جا سکتے تھے۔ صلیبی چیونٹیوں کی طرح ان سے چمٹے ہوئے تھے اور انہیں فصیل کے تین الگ الگ گوشوں کی طرف لا رہے تھے، ان کو فصیل تک پہنچانے کے لئے الگ الگ راستے پہلے ہی قدرے ہموار کر لئے گئے تھے۔ اب ہر دبابہ نہایت آہستہ آہستہ اپنے خاص مقام کی طرف سرک رہا تھا۔

ان خوف ناک متحرک برجوں کو دیکھ کر عکا کے مسلمان دہشت زدہ تھے۔ بہرکیف انہوں نے اللہ کا نام لے کر دبابوں کو روغنِ نفط کی ہانڈیوں کا نشانہ بنایا اور ہر قسم کا دور مار آتشیں اسلحہ استعمال کر ڈالا مگر دبابوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اہلِ عکا بھونچکا رہ گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ان کی مدافعت زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکے گی۔ سلطان کی چھاؤنی سے بھی یہ متحرک برج صاف نظر آ رہے تھے اور وہاں بھی ایک تشویش کا عالم تھا۔

لڑائی کے پہلے دن فرنگی گھڑسوار اور پیادوں نے سب سے پہلے شہر پر بھرپور انداز میں حملہ کیا تا کہ محصورین کو مشغول رکھ کر دبابوں کو قریب آنے کا موقع دیں۔ عکا کے محصورین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور گھڑگھڑاتے ہوئے خوفناک دبابوں کو فصیل کے قریب نہ پہنچنے دیا۔ ان کی مسلسل سنگ باری اور تیر اندازی کے سبب فرنگی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اُدھر صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بھی دن بھر فرنگیوں پر مسلسل حملے کرتے رہے مگر وہ انہیں عکا پر حملوں سے باز نہ رکھ سکے۔ دن بھر لڑائی جاری رہی، رات ہونے پر سب نے اپنے اپنے ٹھکانوں کا رخ کیا، فرنگی اس رات بے حد مسرور تھے، انہیں یقین تھا کہ وہ ایک دو روز میں عکا پر قابض ہو جائیں گے اور پھر ارضِ مقدس کا رخ کر سکیں گے۔

اُدھر سلطان کو بھی اس دن میدان جنگ کی صورتحال سے خطرہ محسوس ہو رہا کہ فرنگی کسی بھی وقت شہر کو سر کر سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ خیمہ گاہ کو میدانِ جنگ کے مزید قریب لے جائیں تا کہ عکا پر فرنگیوں کے ہر حملے کو براہ راست دیکھ سکیں اور فوری جوابی کاروائی کر سکیں۔

پانچ دن تک گھمسان کی لڑائی جاری رہی۔ چھٹے دن 25 ربیع الاول 586ھ (2 مئی 1190ء) کو اسلامی لشکر اپنے خیموں اور سامان رسد سمیت عکا کے نزدیک ''العجول'' کے ٹیلوں پر آ گیا۔ اسی دن

سلطان کو عکا سے خبر موصول ہوئی کہ دشمن نے خندق کو کئی مقامات سے مکمل پاٹ ڈالا ہے اور اب کسی بھی وقت براہِ راست فصیل پر حملہ کرسکتا ہے۔ ➊

سلطان نے لشکر کو فیصلہ کن حملے کے لئے تیار کیا اور ساتھ ہی دوسرے شہروں کے حکام کو قاصد روانہ کئے کہ وہ جلد از جلد افواج کو لے کر محاذ پر پہنچیں۔ اگلے دو دنوں میں سلطان نے پے در پے حملوں کے ذریعے جان توڑ کوشش کی کہ صلیبیوں کا زور شہر کی جانب سے ہٹا دیا جائے مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو ئی۔ فرنگی عددی اکثریت کی بنا پر آسانی سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ ایک حصہ سلطان کے حملے روکتا رہتا تھا اور دوسرا پوری تندہی سے فصیل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

مہیب دیو نما دبابے فصیل کے قریب آ گئے تھے۔ ان پر نصب منجنیقیں بڑے بڑے پتھر پھینک کر شہر میں تباہی مچا رہی تھیں۔ ہیبت ناک کمانوں سے دو دو گز لمبے تیر زناٹے کے ساتھ نکل کر فصیل پر جمے ہوئے مجاہدین کی ڈھالوں، زرہوں اور جسموں کے پرخچے اڑا رہے تھے مگر عکا کے مسلمان اس کے باوجود نہایت پامردی سے اپنا دفاع کر رہے تھے۔

عکا میں سلطان کا نائب بہاؤالدین قراقوش جسے الخادم الابیض کہا جاتا تھا، پوری ہوشیاری سے حریف کے حملے روک رہا تھا۔ یہ درشت مزاج امیر بیک وقت ایک نابغۂ روزگار انجینئر اور ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔ قلعہ سازی اور قلعوں کی مدافعت کے فن کا ماہر تھا۔ آتش بار آلات کی ناکامی کے بعد وہ منجنیقوں سے دبابوں پر بھاری پتھروں کی بارش کر رہا تھا مگر ان ضربات سے دبابوں کے بڑے بڑے شہتیر فقط چرا چرا کر رہ جاتے تھے۔ ان کی قدرتی لچک پتھروں کی مار برداشت کر رہی تھی۔ قراقوش کی کارروائی سے دبابوں کو فصیل کے قریب لانے کی رفتار تو سست پڑ جاتی تھی مگر وہ کچھوے کی طرح دھیرے دھیرے سرکتے آ رہے تھے۔ اُدھر میدان کی دوسری جانب سلطان صلاح الدین ایوبی یہ منظر دیکھ کر نہایت بے چین تھے۔ فرنگیوں کی صف بندی اور مدافعتی دیوار نہیں ٹوٹ سکی تھی۔ پھر صلیبی چھاؤنی بیچ میں ناقابل عبور رکاوٹ بن کر حائل تھی۔ سلطان ایوبی کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ ان کی محصورین کی مدد کے لیے اڑ کر پہنچ جاتے اور دبابوں کے پرخچے اڑا دیتے۔ ➋

الملک الظاہر اور کوکبری کی آمد: جمعہ 27 ربیع الاوّل 586ھ (4 مئی 1190ء) کی صبح سلطان کا بیٹا شہزادہ الظاہر اپنے برق رفتار دستے کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، ابھی اس کی فوج ایک منزل دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔

➊ النوادر السلطانیہ: 184 ➋ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/120

اسی دن شام کو مظفر الدین کوکبری اپنے خاص دستے کے ساتھ محاذ پر پہنچ گیا۔اس کی افواج ابھی راستے میں تھیں۔سلطان تازہ افواج کے ساتھ آنے والے ہر امیر اور سردار کا بنفسِ نفیس استقبال کرتے،اسے انعام واکرام سے نوازتے،اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر اس کی ضیافت کرتے اور اسے دشمن کی سرگرمیوں کا مشاہدہ کراتے۔پھر اس کے لیے خصوصی خیمہ لگا کر آرام کے لیے بھیج دیتے۔اجنبی امراء کے ساتھ یہ برتاؤ زیادہ اہتمام کے ساتھ ہوتا تا کہ وہ مانوس ہو جائیں اور مل کر جہاد کرنے میں خوشی محسوس کریں۔اس قسم کے نئے امراء میں دارا کا حاکم عماد الدین محمود بن بہرام الارتقی قابل ذکر ہے جس کا سلطان نے خاص اعزاز واکرام کیا۔[1]

علی بن عریف کا کارنامہ دو دن سے سلطان فرصت کے لمحات میں ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ کسی طرح لکڑی کے ان دبابوں کو آگ لگا دی جائے۔مگر یہ بات سلطان کو بھی معلوم تھی کہ دبابے سرکے سے تر چمڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اس لیے ان پر آتش باری کے عام آلات اثر نہیں کر سکتے۔اب انہیں کس طرح جلایا جائے؟ یہ سوال عکا کے مسلمانوں کی زندگی اور موت کے مسئلہ بن گیا تھا۔سلطان نے فوج کے تمام انجینئروں،عمل کیمیا کے ماہروں،نفاط (روغن نفط سے آگ لگانے والوں) زرّاق (آگ کی پچکاریاں پھینکنے والوں) اور دوسرے ہنرمندوں کو جمع کر لیا۔پہلے انہیں جہاد کے لیے متفکر کر کے اس مسئلے کی اہمیت کا احساس دلایا۔پھر اعلان کیا کہ اگر وہ آتش زدگی سے محفوظ ان دبابوں کو نذرِ آتش کرنے والا اسلحہ ایجاد کر لیں تو انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا جائے گا۔

سب سوچ میں ڈوب گئے مگر کوئی یہ معمہ حل نہ کر سکا۔حاضرین میں دمشق کا ایک نوجوان علی بن عریف بھی تھا۔وہ کوئی باقاعدہ کیمیادان یا نفاط نہیں تھا مگر اسے آگ اور بارود کے تجربات سے غیر معمولی حد تک دلچسپی تھی۔اس نے اپنے پاس طرح طرح کے کیمیائی مادّے،محلولات اور آلات جمع کر رکھے تھے اور ہر وقت ان سے نت نئے تجربات میں مشغول رہتا تھا۔نفط اندازی کے ماہرین اور آتشیں ہتھیاروں کے کاریگر جب اسے دیوانوں کی طرح عجیب وغریب تحقیقات میں مشغول دیکھتے تو اس کا مذاق اڑاتے اور ان خطرناک تجربات پر اسے ملامت کرتے۔وہ بے چارہ جواب میں بس اتنا کہتا:

"میں بس ان چیزوں کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔میں بھلا انہیں جنگ میں کہاں استعمال کر سکتا ہوں۔"

اس طعن وتشنیع سے اس کا ذوق وشوق کبھی کم نہیں ہوتا تھا البتہ اسے فن کے ماہروں سے نفرت سی ہو گئی تھی۔

[1] النوادر السلطانیہ: ص185، کتاب الروضتین: 4/124_126، الکامل فی التاریخ: حوادث 586ھ

اس موقعے پر وہ بھی سلطان کی مجلس میں اس مسئلے پر کی جانے والی بحث سن رہا تھا۔ ابتداء میں وہ اپنی گمنام اور غیر معروف حیثیت کے لحاظ سے خاموش رہا کہ ماہرین فن خود اس کا حل نکال لیں گے، مجھ غریب کی بات پر کون توجہ دے گا۔ مگر جب بڑے بڑے ہنرمند انجینئر تھک ہار گئے تو اس نے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی اور کہا:

"میں ایسے محفوظ دبابوں کو بھی جلا کر راکھ کر دینے کا فن جانتا ہوں۔ اگر مجھے کیمیائی عمل میں استعمال ہونے والے کچھ عناصر فراہم کر دیئے جائیں اور مجھے کسی طرح عکا پہنچا دیا جائے تو میں یہ کام کر کے دکھا دوں گا۔"

یہ سن کر سلطان کا مغموم و متفکر چہرہ خوشی سے جگمگانے لگا۔ انہوں نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر اس نوجوان کو مطلوبہ عناصر مہیا کریں اور اسے کسی بھی قیمت پر عکا پہنچا دیں۔ آخر کار نوجوان کو کیمیائی عناصر کے ذخیرے کے ساتھ خصوصی تدبیر سے بحفاظت عکا میں داخل کر دیا گیا۔ وہ حاکم شہر قراقوش کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"مجھے منجنیق چلانے کا موقع دیں۔ میں ان دیو قامت برجوں کو جلا کر بھسم ڈالوں گا۔"

تند مزاج قراقوش نے بے یقینی کے عالم میں اسے گھورا اور ڈانٹ کر کہا:

"اس فن کے ماہرین بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ انہیں جلانے کی کوشش کر کر کے تھک گئے ہیں۔ اب تم بھلا کیا کر سکو گے؟"

مگر ابن عریف بضد رہا کہ اسے ایک موقع ضرور دیا جائے۔ اس نے کہا:

"آپ منجنیق کے کارندے کو کہیں کہ وہ میرا تیار کردہ مادّہ دبابے پر پھینکے۔ پھر میں اسے جلا کر رکھ دوں گا۔"

کچھ لوگوں نے اس کا دعویٰ سن کر قراقوش سے سفارش کی اور بولے:

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ دیکھیں تو سہی یہ کیا کرتا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے ہی دے اور اس کی خاص مدد کر دے۔"

قراقوش نے بادل نخواستہ اجازت دے دی۔ اب ابن عریف نے کیمیائی اجزاء کا وہ ذخیرہ لیا جو سلطان کے امراء نے اسے مہیا کیا تھا، اس نے ان عناصر کو روغن نفط میں ملا کر پیتل کی ہانڈیوں میں خوب پکایا حتیٰ کہ وہ عناصر شعلے کی طرح سرخ مواد کی شکل اختیار کر گئے۔ اب اس نے یہ مواد مرتبانوں میں محفوظ کر لیا۔

یومِ تکبیر: ہفتہ 28ربیع الاول 586ھ(5 مئی 1190ء) کو جب کہ لڑائی کا آٹھواں دن شروع ہو چکا تھا اور بقول علامہ ابن اثیر:

''دونوں فریق دن رات لڑلڑ کر تھک چکے تھے۔''

ابن عریف نے اپنا یہ عجیب وغریب مرکب استعمال کیا۔ سہ پہر کے وقت جب سورج عکا کے محافظوں کی پشت کی جانب جھک چکا تھا، علی ابن عریف سپاہیوں کے ساتھ فصیل پر چڑھا جہاں منجنیقیں نصب تھیں۔ اس وقت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، فرنگی فصیل کے نیچے جمع تھے اور اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، مسلمان انہیں پتھروں نیزوں اور بھالوں سے روک رہے تھے۔ سامنے ایک مہیب دبابہ سر اٹھائے کھڑا تھا جس کی چوٹی پر درجنوں فرنگی ڈھالوں کی اوٹ میں تیار کھڑے تھے۔ دبابے کی درزوں سے دیو پیکر تیر برس رہے تھے۔ یوں لحہ بلحہ وہ فصیل کے قریب آتا جا رہا تھا، اس کا پل کھلنے کی دیر تھی کہ فرنگی عکا کی فصیل پر کود پڑتے۔

اس خوفناک ماحول میں علی اپنی زندگی کا سب سے اہم تجربہ کرنے جا رہا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کے آس پاس کھڑے تمام مسلمانوں کا رواں رواں محوِ دعا تھا۔ چند سپاہیوں نے روغنِ خاص کے مرتبان لا کر اس کے قریب رکھ دیے۔ اس نے تیار حالت میں کھڑی منجنیق کی ہتھیلی پر ایک مرتبان رکھوایا اور اسے دبابے پر پھینکنے کا اشارہ کیا۔ منجنیق انداز نے دبابے کا نشانہ باندھا، زاویہ درست کیا اور پھر لیور گھما دیا۔ منجنیق کا چوبی بازو زور سے گھوما، اس کی ہتھیلی پر رکھا ہوا مرتبان ایک زناٹے کے ساتھ اڑا اور سیدھا دبابے سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا۔ روغن بہہ گیا، دبابے کا خاصا حصہ اس سے تر بتر ہو گیا مگر دبابے کا کچھ نہ بگڑا۔ یہ دیکھ کر دبابے پر تعینات فرنگی طنزیہ انداز میں چیخنے اور رقص کرنے لگے، ابن عریف نے کے بعد دیگرے کئی مرتبان اس طرح دبابے پر پھینکوائے اور ہر بار فرنگی پہلے سے زیادہ بلند آہنگ قہقہے لگاتے رہے۔ جب دبابہ مکمل طور پر اس مواد سے بھیگ گیا تو علی نے منجنیق انداز کو خاص قسم کا اشارہ کیا۔ اب منجنیق اندازوں نے آگ کے شعلوں سے بھڑکتی ہوئی ایک ہانڈی دبابے پر پھینکی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا فرنگیوں کے قہقہے لرزہ خیز چیخوں میں بدل گئے۔ دبابے نے آگ پکڑ لی تھی اور دھڑا دھڑ جلنے لگا تھا۔

علی کے اشارے پر اس طرح دو اور شعلہ زن ہانڈیاں دبابے پر ماری گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چوٹی سے لے کر پہیوں تک شعلوں کا لباس پہن لیا۔ اس کے اندر کم از کم ستر گھڑسوار اور بہت سے پیادہ سپاہی تھے جو آناً فاناً جل کر کباب ہو گئے۔ کسی کو جان بچا کر باہر نکلنے کا موقع تک نہ مل سکا۔

عکا کے مسلمان خوشی سے بے حال ہو گئے، تکبیر کے بلند نعروں سے فضا مرتعش ہو گئی۔ تحسین و مرحبا کا

ایک شور مچ گیا۔ ابن عریف کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جبکہ بہاؤ الدین قراقوش کا گورا چہرہ خوشی کی تمتماہٹ کے علاوہ شعلوں سے منعکس ہو کر انار کی طرح سرخ نظر آ رہا تھا۔

تین میل دور سلطان صلاح الدین اپنے امراء کے ساتھ عکا کے دفاع کی فکر میں منہمک تھے انہیں اچانک ایک دبابہ شعلوں کی زد میں نظر آیا۔ وہ حیران رہ گئے۔ ابن عریف سے انہیں بھی زیادہ امیدیں وابستہ نہیں تھیں اس لیے ان کی خوشی غیر متوقع تھی۔ معسکر سے لشکرِ اسلام نے بھی تکبیر و تہلیل کی فلک پاش صدائیں بلند کیں۔

چند منٹ بعد ابن عریف نے دوسرے دبابے کو بھی اس انداز سے نشانہ بنا دیا۔ وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ فضا ایک بار پھر مسلمانوں کے مسرت انگیز شور سے گونج اٹھی۔ اکثر صلیبی اس آفت سے اتنے بدحواس ہو چکے تھے کہ انہیں سر پیر کا ہوش نہیں رہا تھا۔ جو مضبوط دل والے تھے وہ بھی حسرت سے ہونٹ کاٹنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ شعلوں کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کوئی آگ بجھانے کے لیے قریب بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ہاں وہ یہ کر سکتے تھے تیسرے دبابے کو وہاں سے ہٹا لیتے مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کو منجنیقوں کی زد سے دور لے کر جاتے، ابن عریف نے اسے بھی جلا کر بھسم ڈالا۔

اب تو اِدھر عکا اور اُدھر اسلامی معسکر میں اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور تسبیح و تحمید کا وہ غلغلہ ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ شعلوں کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ بلند ہوتے دھوئیں کے مرغولوں کے ساتھ ساتھ صلیبیوں کے تمام ولولے بھی ہوا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ انہوں نے سات ماہ کی مسلسل کوفت سے اپنی سائنس کے تین شاہکار تیار کیے تھے مگر ایک مسلمان نوجوان کی سائنسی مہارت نے چھ سات منٹ میں ان کا کھیل ختم کر دیا تھا۔ [5]

قاضی ابن شداد اس محیر العقول واقعے کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

''جونہی دبابے کو نشانہ بنایا گیا وہ فوراً جل اٹھا اور آگ کا بلند پہاڑ بن گیا جس کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے ہوں۔ مسلمانوں نے لا الہ الا اللہ کے نعرے بلند کیے۔ ان پر اتنی خوشی طاری ہو گئی کہ لگتا تھا وہ پاگل ہو جائیں گے۔ لوگ ابھی یہ منظر دیکھ کر تعجب کر رہے تھے کہ دوسرے دبابے پر بھی ہانڈی پھینک دی گئی۔ جوں ہی ہانڈی اس پر لگی وہ پہلے دبابے کی طرح جلنے لگا۔ دونوں فریقوں کی چیخ و پکار کی صدائیں آسمان تک جا پہنچیں۔ پھر ایک لمحہ ہی گزرا ہو گا کہ تیسرے دبابے کو بھی نشانہ بنا دیا گیا۔ وہ بھی شعلوں میں گھر گیا۔ لوگ فرحت و مسرت سے بے ہوش

5 النوادر السلطانیہ: ص 188

ہونے کو تھے۔ خوشی کا یہ عالم تھا کہ اہل علم وفضل اور سنجیدہ ومتین حضرات بھی نوجوان لڑکوں کی طرح اچھلنے لگے تھے۔"[1]

یورپی تاریخ نویس مچاڈ لکھتا ہے:

"یہ تینوں دبابے عکا کی دیواروں سے بلند تھے اور شہر کو تباہی کی دھمکی دے رہے تھے مگر جب صلیبی صلاح الدین کے حملے کی روک تھام میں مصروف تھے اور دبابوں کو بلا حفاظت چھوڑ گئے تھے، تب جلتے ہوئے تیر اور نفط سے بھرے ہوئے برتن ان دبابوں پر مارے گئے۔ اچانک نصرانیوں نے ہوا میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے، دبابے جو ایک نہ بجھنے والی آگ سے جل رہے تھے ان کی آنکھوں کے سامنے جل کر یوں سیاہ خاک ہو گئے گویا ان پر آسمان سے بجلی گر پڑی ہو۔ بہت سے نصرانیوں نے یہ دیکھ کر محاصرہ چھوڑ دیا اور یہ سوچ کر یورپ واپس چلے گئے کہ خدا صلیبیوں کی مدد نہیں کرتا۔"[2]

لوگ ابن عریف کے اس عظیم کارنامے پر رشک کر رہے تھے اور اس کی بلائیں لے رہے تھے۔ وہ قوم کا محسن تھا جس کی مہارتِ فن نے عکا کو سقوط سے بچا لیا تھا۔ اسے سلطا
میں پیش کیا گیا اور سلطان نے اس کے لئے عطایا کے دروازے کھول
اموال اور بڑی بڑی جاگیریں پیش کی گئیں مگر اس اللہ کے بندے نے بڑی ...
سمیٹ لیا اور یوں گویا ہوا:

"میں نے یہ سب کچھ صرف اللہ کے لئے کیا تھا۔ میں اجر بھی اس کے سوا کسی سے نہیں لوں گا۔"[3]

دبابوں کے جل جانے سے فرنگیوں پر بزدلی طاری ہو گئی تھی۔ وہ ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ عکا کی فصیل سے بالکل دور ہٹ گئے اور اپنی چھاؤنی میں دبک گئے۔ ادھر سلطان صلا ... ہوئے دشمن پر ضربِ کاری لگانے کا فیصلہ کیا اور دن ڈھل جانے کے باوجود لشکر ...
آ گئے۔ جب فرنگی باہر نہ نکلے تو سلطان ان کی چھاؤنی کی فصیل تک بڑھتے ...
میدان میں نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اس دوران عکا کے سپاہی ایک مدت کے بعد شہر کے دروازے ... کر کھلے میدان میں آئے، انہوں نے سب سے پہلے خندق کے ان حصوں کو خالی کرنا شروع کیا جنہیں فرنگیوں نے دبابوں کو آگے بڑھانے کے لئے پاٹ دیا تھا۔ جلے ہوئے دبابوں سے انہیں بھاری مقدار

[1] مچاڈ، ص 464؛ الرحلات صلاح الدین، ص 161
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 126/4
[3] الکامل فی التاریخ: 193/10

میں زرہیں، خود، تلواریں اور دوسرا اسلحہ بھی ملا۔ دبابوں کی تباہی اور خندق کی صفائی کے بعد عکا ایک بار پھر خاصا محفوظ نظر آنے لگا۔ ①

سنجار اور الجزیرہ کی امدادی فوجیں: ایک ڈیڑھ ماہ تک صلیبی اپنی چھاؤنی میں محصور رہے۔ انہیں یورپ سے امدادی لشکروں کا انتظار تھا، اس کے بعد ہی وہ میدان میں نکلنے کی ہمت کر سکتے تھے۔ ربیع الثانی 586ھ (مئی 1190ء) کا پورا مہینہ اس حال میں گزرا کہ سلطان تقریباً روزانہ اپنے جوانوں کو لے کر میدان میں نکلتے اور فرنگیوں کی چھاؤنی پر حملہ کر کے انہیں میدان میں نکالنے کی کوشش کرتے مگر فرنگی ایک بار بھی باہر نہ نکلے۔ چھاؤنی کے دفاعی انتظامات اتنے زبردست تھے کہ مسلمان سپاہی کوشش کے باوجود اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

ادھر سلطان کی امدادی افواج کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ 22 ربیع الثانی 586ھ (29 مئی 1190ء) کو افق پر حاکمِ سنجار عماد الدین زنگی کی فوج کے پرچم دکھائی دیے۔ سلطان ایوبی استقبال کے لیے فوج کے امراء اور خواص کے ساتھ باہر نکلے۔ لشکرِ سلطانی کے علماء و فقہاء اور اہلِ علم و ادب نے اسے خوش آمدید کہا۔ پھر سلطان کے لڑکوں نے استقبال کیا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے خود آگے بڑھ کر مرحبا کہا اور اسے میدانِ جنگ میں لے جا کر فرنگیوں کے اجتماع کا نظارہ کرایا۔ حاکم سنجار کے اعزاز میں ایک شان دار دعوت بھی ہوئی اور اسے بیش بہا تحائف پیش کیے گئے۔

7 جمادی الاولیٰ (12 جون) کو الجزیرہ کا حاکم سنجر شاہ بن سیف الدین غازی ایک فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ سلطان نے حسبِ روایت اس کا بھی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور اسے اس کے چچا عماد الدین زنگی کے برابر ایک خیمے میں ٹھہرایا۔ دو دن بعد موصل کا نیم خود مختار حکمران علاؤ الدین مسعود سلطان کے کیمپ میں پہنچا۔ وہ اس سے قبل اپنے لڑکے کی قیادت میں افواجِ موصل کا بڑا حصہ محاذ پر لا چکا تھا۔ سلطان کو اس کی آمد سے غیر معمولی خوشی ہوئی۔ انہوں نے اپنے لڑکوں، عزیزوں اور خواص کے ساتھ پڑاؤ سے خاصی دور نکل کر اس کا استقبال کیا۔ ②

---

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 126/4

② النوادر السلطانیہ: 186_187_188، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/123_124

فصل:5

جرمن ٹڈل دل، شام میں

اسی دن یعنی 9 جمادی الاولیٰ 586ھ (14 جون 1190ء) کو بحیرۂ روم کے جنوب مغربی افق پر سفید بادبان ابھرتے دکھائی دیے۔ یہ مصری بحری بیڑہ تھا۔ عکا کی بندرگاہ اور اردگرد سمندر میں حسام الدین لؤلؤ کے کچھ بحری جہاز پہلے سے موجود تھے مگر ان کی تعداد دشمن کے ان جہازوں کے مقابلے میں بہت کم تھی جو آمدِ بہار کے ساتھ ہی ساحل پر لنگر انداز ہو چکے تھے۔ دشمن کے بحری بیڑے کے پیش نظر حسام الدین لؤلؤ کے جہاز اب بچ بچا کے رہتے تھے۔ سلطان نے بیڑوں سے مقابلے کے قابل بنانے کے لیے چار ماہ قبل مصر کی انتظامیہ کو نیا بحری بیڑہ تاکید کی تھی۔ اب یہ بحری بیڑہ عکا پہنچنے والا تھا۔

تین محاذوں پر بیک وقت جنگ: سلطان کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں صلیبی بیڑے کو گھیرنے اور عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش نہ کرے، انہوں نے چھاؤنی پر دھاوا بولنے کا حکم دیا تاکہ صلیبیوں کی پوری توجہ ان سے مقابلے پر مرکوز ہو جائے او بیڑے کو روکنے کا خیال نہ آئے مگر فرنگی غافل نہ تھے۔ مصری بیڑے کو دیکھتے ہی ان کے کئی جنگی جنوب کی طرف بڑھنے لگے تاکہ اس کو عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے سے روک کر اس پر قبضہ کرلیں۔ اتفاق سے جنیوا کا بحری بیڑہ جو صور کی بندرگاہ پر موسم سرما گزارنے گیا ہوا تھا، اسی وقت عکا کی جانب واپس لوٹ رہا تھا۔ اس کے جہاز رانوں نے بھی سمندر میں اسلامی بیڑے کو دیکھ لیا اور وہ بھی اس سے مقابلے کے لیے آدھمکے، اس طرح فرنگیوں کی بحری طاقت مزید بڑھ گئی۔ فرنگی بیڑے کو اسلامی بیڑے کی طرف بڑھتا دیکھ کر سلطان نے فرنگیوں کی چھاؤنی پر ایک شدید ترین حملہ کیا، اس حملے کو روکنے کے لیے فرنگیوں کو اپنی خاصی قوت صرف کرنا پڑی۔ [1]

[1] النوادر السلطانیہ: 188

ادھر معسکر کے مسلمانوں کا ایک جم غفیرا پنے خیموں سے نکل کر ریتیلے ساحل پر جمع ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بحری بیڑے کی ہمت بندھا رہے تھے اور حتی الامکان اس کی مدد کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ دونوں بیڑے اب لحہ لحہ قریب ہوتے جا رہے تھے۔ مصری بیڑے کے عکا کی طرف مڑنے سے پہلے ہی فرنگی بیڑے نے اس کے سامنے صف بنالی اور پھر سمندری جنگ کا ایک ہولناک منظر دیکھنے میں آیا۔ پہلے دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ پھر بحری جہاز نزدیک آتے آتے خوفناک آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے جا لگے۔ کچھ جہازوں کے آگے لگے آہنی نوکیلے شہتیر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ بعض جہاز کناروں سے ایک دوسرے سے جا ملے اور صلیبی اپنے جہازوں سے مصری جہازوں پر کودنے لگے۔ مصری سپاہی تلواریں سونت کر ان کو روک رہے تھے، ہر لمحے فریقین کے درجنوں سپاہی سمندر کی نذر ہو رہے تھے۔ ایک ہی وقت میں تین محاذوں پر لڑائی ہو رہی تھی۔ سمندر میں بحری جہازوں کے درمیان معرکہ بپا تھا۔ خشکی میں میدان کی جانب سے سلطانی سپاہی فرنگی چھاؤنی پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے جبکہ عکا کی فصیل سے قراقوش بھی صلیبیوں پر حملہ آور تھا تا کہ انہیں بحری جنگ پر توجہ دینے کا کھلا موقع نہ ملے۔ [1]

تینوں محاذوں پر دیر تک ہنگامہ جاری رہا۔ صلیبی برج الذباب کے قریب مسلمانوں کے ایک جہاز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اس کے عملے کو بڑی بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ ایمبروز لکھتا ہے:

''اس دن ہماری خوشی بے پایاں تھی، ہماری عورتیں بھی چاقو لے کر ترک قیدیوں پر جھپٹ رہی تھیں۔ وہ ان کے سر کے بالوں کو جھٹکا دیتیں اور ان کے سر کاٹ کر تڑپتی ہوئی لاشوں کو ٹھوکریں مار مار کر پھینک دیتیں۔'' [2]

تاہم مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا تھا۔ انہوں نے بھی فرنگیوں کے ایک جہاز پر قبضہ کر کے اس کے عملے کو قتل کر دیا تھا اور تمام ساز وسامان پر قابض ہو گئے تھے۔ [3]

اس خونریز بحری معرکے کے آخری مرحلے میں مصری بیڑے نے فرنگی بحریہ کی صف بندی توڑ دی اور اس کے اکثر جہاز عکا کی بندرگاہ کے برج الذباب تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں آہنی زنجیر ہٹا کر ان کے لیے راستہ کھول دیا گیا اور ان کے داخل ہوتے ہی زنجیر لگا دی گئی۔ اب صلیبیوں کا بیڑا ان کا

---

[1] النوادر السلطانیہ:189، الکامل فی التاریخ:10/193

[2] النوادر السلطانیہ:189، صلیبی جنگیں:176

[3] النوادر السلطانیہ:189

تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔اُدھر خشکی پر شام تک جنگ جاری رہی اور تاریکی شب پھیلنے پر ہی فریقین نے تلواریں نیاموں میں ڈالیں۔

نئے مصری بیڑے کے آنے سے عکا کے مسلمانوں کو بڑا حوصلہ ملا۔اس میں دیگر اسلامی بندرگاہوں سے آنے والے جہاز بھی تھے جو اناج اور اشیائے ضرورت کے بڑے بڑے ذخائر ساتھ لائے تھے۔عکا والوں کے لیے یہ غیبی مدد تھی کیوں کہ آمد بہار کے بعد جب سے ساحل پر فرنگیوں کے جہاز لنگر انداز ہوئے تھے ان کے لیے خوراک ورسد کے راستے بند تھے مگر اب اسلامی بیڑے میں مزید جہازوں کی شمولیت کے بعد عکا کی بندرگاہ میں اتنے جہاز جمع ہو گئے تھے کہ مسلمان کسی نہ کسی درجے میں دشمن سے ٹکر لے سکتے تھے۔تاہم یہ بات بھی ظاہر تھی کہ دشمن کی بحریہ کی طاقت بے اندازہ تھی اور سمندر کی طرف سے عکا اب بھی ان کے محاصرے میں تھا مگر خوراک ورسد کے تازہ ذخائر ملنے کے بعد عکا کم از کم چند ماہ تک مزید مدافعت کرسکتا تھا۔اس موسم میں عکا کے مسلمانوں کو سمندر کی جانب سے ملنے والی یہ آخری کمک تھی۔اس کے بعد کئی ماہ تک انہیں مزید مدد نہ مل سکی۔کیوں کہ کچھ دنوں بعد سمندر صلیبی جہازوں سے پُر ہو گیا۔[1]

مزید امدادی فوجیں ✽ اس ہولناک معرکے کے بعد کچھ دنوں تک دونوں طرف خاموشی طاری رہی۔سلطان کی فوج میں تھوڑے تھوڑے سپاہی اب بھی آ آ کر شامل ہو رہے تھے۔جمادی الاولیٰ 586ھ (جون) کے آخری عشرے میں حاکم اربل زین الدین یوسف ایک جمعیت کے ساتھ لشکر سلطان میں شامل ہوا۔[2]

اس قسم کی فوجیں جو تین ماہ سے سلطان کے ہاں جمع ہو رہی تھیں، بہت بڑی نہیں ہوتی تھیں کیوں کہ امدادی فوجیں بھیجنے والے یہ حکام اپنی ریاستوں کا کوئی مضبوط دفاعی نظام نہیں رکھتے تھے،لہٰذا ان میں بڑی فوجیں مہیا کرنے کی سکت نہیں تھی،ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے بھیجے ہوئے دستے زیادہ سے زیادہ دو، دو تین تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔(اس زمانے میں شام وعراق کی ریاستوں کی مقامی فوجیں اس سے زیادہ بڑی نہیں ہوتی تھیں) اس کے مقابلے میں دشمن کو بحری افواج کی جو کمک مل رہی تھی وہ حدِ حساب سے بالاتر تھی۔اب تک ان میں فرانس، برطانیہ اور جرمنوں کے تینوں بڑے لشکر شامل نہیں ہوئے تھے،ان کے آنے کے بعد تو یقیناً صورتحال بہت بدل جاتی اور عرب وعجم کے کونے کونے سے جمع ہونے والی مسلم افواج کا اجتماع ان کی کثرت کے آگے بہت معمولی رہ جاتا۔

جرمنوں کی خبریں ✽ شاہانِ یورپ میں سے شاہِ جرمن باربروسا سب سے پہلے روانہ ہوا تھا اور اب

---

[1] النوادر السلطانیۃ:190، الکامل فی التاریخ:10/193، مفرج الکروب... 175
[2] النوادر السلطانیۃ:190

تک اسے عکا پہنچ جانا چاہیے تھا۔ وہ ربیع الثانی 585ھ (جون 1189ء) میں چلا تھا۔ اس کے چار ماہ بعد آغازِ سرما میں سلطان ایوبی کو اپنے بیٹے حاکمِ حلب الملک الظاہر سے اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تھی۔ تب سلطان نے قاضی ابن شداد کو سفیر بنا کر امدادی افواج طلب کرنے دیگر اسلامی ملکوں کی طرف روانہ کیا تھا۔ قاضی صاحب رمضان 585ھ (دسمبر 1189ء) میں عازم سفر ہوئے اور 5 ماہ میں اپنی مہم انجام دے کر ربیع الاول 586ھ (مارچ 1190ء) میں واپس پہنچے تھے۔ اس دوران شاہِ جرمن کے بارے میں اطلاعات آرہی تھیں کہ وہ موسم سرما کے دوران خلیج قسطنطنیہ پار کر کے ایشیا میں داخل ہو چکا ہے اور ایشیائے کوچک کے کوہ وصحرا عبور کر رہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمران ایشیائے کوچک قلیج ارسلان نے اس سے شکست کھا کر نہ صرف اسے محفوظ راستے بتا دیے ہیں بلکہ اسے راہبر بھی مہیا کر دیے ہیں اور اب یورپ کا یہ جلاد ارمنوں کی عیسائی ریاست کی طرف بڑھ رہا ہے جسے عبور کرتے ہی وہ شام میں داخل ہو جائے گا۔

اس کے بعد یکدم شام کی جانب سناٹا سا چھا گیا۔ موسم سرما میں شمالی علاقے ویسے بھی شدید برف باری کی زد میں رہتے ہیں، ادھر شام کا موسم بھی ایسا طوفانی رہا کہ قافلوں کی نقل و حرکت بڑی دشوار تھی۔ پھر ایشیائے کوچک سے عکا تک کئی ہفتوں کی مسافت تھی۔ اگر کوئی تیز رفتار مخبر عام دنوں میں بھی ان علاقوں سے تازہ ترین خبریں لے کر روانہ ہوتا تو دو ماہ سے پہلے سلطان کے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ خراب موسم میں اس سے دوگنا وقت بھی لگ سکتا تھا۔ اس لیے سلطان ایوبی کو جرمنوں کے ایشیائے کوچک میں داخل ہونے کی خبروں کے بعد تازہ اطلاعات نہ ملیں یہاں تک کہ موسم بہار گزر گیا۔ تاہم اس دوران انہیں قلیج ارسلان کا ایک خط ضرور ملا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ جرمنوں کو روکنے سے معذور ہے مگر اس کا اعتذار سلطان کے نزدیک قابل قبول نہیں تھا۔ اس نے اپنے علاقے کو بچانے کی کوشش تو کی تھی مگر عالم اسلام کے دفاع سے پہلوتہی کر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بعض سوانح نگاروں کو یہ شبہ بھی رہا ہے کہ قلیج ارسلان اندرونی طور پر جرمنوں سے ملا ہوا تھا اور جرمنوں کے ذریعے سلطان ایوبی کا زور توڑنا چاہتا تھا۔ ان مؤرخین کے خیال میں اگر وہ چاہتا تو جرمنوں کو روک سکتا تھا کیونکہ اس کی اپنی قوت بھی کچھ کم نہیں تھی۔ اگر وہ تدبر سے کام لیتے ہوئے سلطان کے ساتھ اتحاد کر کے اپنی طاقت کو مزید مضبوط بنا لیتا تو کوئی بعید نہ تھا کہ جرمنوں کو آبنائے باسفورس پر ہی روک لیا جاتا مگر حرصِ دنیا، مفاد پرستی اور بدگمانی کا برا ہو کہ اس نے مسلم حکمرانوں کو نازک ترین مراحل پر بھی یکجا ہونے سے روکے رکھا اور اغیار اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔

بہرکیف قلیج ارسلان کے تعاون سے باربروسا نے سرما کے اواخر میں بڑے اطمینان کے ساتھ ایشیائے کوچک کی سرحد عبور کی اور شام کی راہ میں آنے والی ارمنی ریاست میں داخل ہو گیا تھا۔ ارمن

قبائل نصرانی تھے مگر انہیں اپنے مسلم پڑوسی ممالک کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے چند سال قبل انہیں بزورِ شمشیر مسخر کر کے باج گزار بنالیا تھا مگر باربروسا کی آمد کے بعد ارمنیوں کو اپنی وفاداریاں تبدیل کرنا پڑیں۔ باربروسا ان کے خوفزدہ حاکم لافون ابن لاؤن کو اپنا تابع بنانے اور اس سے بھرپور سامان رسد، وصول کرنے کے بعد سیدھا شام کی طرف بڑھنے لگا۔

ادھر سلطان صلاح الدین کے پاس سب سے بڑا سہارا بارگاہِ ربوبیت میں بے تابانہ دعاؤں کا تھا۔ وہی اک ذات ہے جو بندے کی کوشش وجدوجہد کو انتہا تک آزمانے کے بعد اپنی طاقت کو اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ ناممکنات ممکن ہوجاتے ہیں۔ اس کی قدرتِ قاہرہ کسی کو فتح کی قریب تر منزل سے کوسوں دور دھکیل کر اس طرح نامرادی کی وادی میں گراتی ہے کہ خود تاریخ حیرت میں پڑ جاتی ہے اور اسی کی نصرتِ خاصہ کی بدولت کوئی ہلاکت خیز موجوں سے نکل کر یوں ساحلِ نجات تک پہنچتا ہے کہ اس کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہونے کو تھا۔

غیر متوقع خوشخبری:- موسم سرما کے اختتام اور بہار کے آغاز میں وقوع پذیر ہونے والی جرمنوں کی تمام خبریں سلطان کو موسم گرما میں پہنچیں مگر جو مخبر یہ خبریں لے کر آئے تھے ان کے پاس سب سے اہم اطلاع یہ تھی کہ شاہ جرمن فریڈرک باربروسا مر گیا ہے۔ وہ دہشت ناک حکمران جس کی یلغار سے مسلمان تو کیا خود اہل یورپ بھی سہمے ہوئے تھے اب عبرت کی تصویر بن چکا تھا۔ اس کے امراء ایک تھیلے میں اس کی ہڈیاں لیے چلے آرہے تھے تاکہ اسے ارضِ مقدس میں دفن کرسکیں۔ [1]

دریائے فرات کے کنارے واقع قلعہ الروم کے بڑے پادری برگری گورباسل نے جو "کاغیکوس" کے لقب سے مشہور تھا، اس بارے میں سلطان ایوبی کو ایک تفصیلی مراسلہ لکھ بھیجا تھا جس کے مطابق فریڈرک باربروسا قلج ارسلان کے رہبروں کی مدد سے آسانی کے ساتھ ابن لاؤن کی ارمنی ریاست تک پہنچ گیا تھا۔ یہاں "طرطوس" نامی علاقے میں ابن لاؤن کے نائب نے جرمن حکمران کو اپنی مملکت کے حلقہ بگوش ہونے کا یقین دلایا تھا اور بیش قیمت تحائف نذر کیے تھے۔ اس مقام پر ایک تند و تیز ندی تھی، پانی گہرا نہ تھا مگر نہایت ٹھنڈا اور تیز دھار تھا۔ جرمن لشکر نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا، سپاہی کھا پی کر آرام کرنے لگے۔ بادشاہ بھی طعام سے فارغ ہو کر جی بھر کے سویا۔ جب آنکھ کھلی تو ندی کے کنارے چلا گیا۔ بہار کا موسم شروع ہوگیا تھا اور ندی میں اتر کر تازہ پانی سے غسل کا تصور بڑا پرکیف تھا۔ طویل موسمِ سرما سے اکتایا ہوا بادشاہ گھوڑے سے اتر کر ندی میں نہانے لگا۔ اچانک پانی کے تیز بہاؤ نے اس

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 130/4

کے قدم اکھاڑ دیئے، وہ اپنے بوڑھے وجود کو سنبھال نہ سکا اور ایک گز گہرے پانی میں بہنے لگا، اس اثناء میں وہ ایک درخت سے جا ٹکرایا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے ساتھی دوڑ کر آئے اور اسے پانی سے نکال لیا مگر اتنی دیر ٹھنڈے پانی میں غوطے کھانے اور سر کی چوٹ کے باعث ضعیف ونزار بوڑھا شدید بیمار پڑ گیا۔ مرض اتنا بڑھ گیا کہ اس کے بچنے کی امید نہ رہی، اس نے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر دیا اور چند دنوں بعد زندگی کی بازی ہار گیا۔ ۵

شمالی سرحدوں پر افواج کی تشکیل ✵ اتحادیوں کے سامنے سینہ سپر سلطان صلاح الدین ایوبی نے جرمن حکمران کی ناگہانی موت کی خبر سے خاصا اطمینان محسوس کیا اور امید کی کہ اب جرمنوں کی طاقت منتشر ہو جائے گی یا کم از کم ان کی رفتار سست پڑ جائے گی اور مسلمانوں کو تیاری کا وقت مل جائے گا۔ بہر کیف اب جرمنوں کے سرحدِ شام پر نمودار ہونے کا وقت آ چکا تھا اور اس سے پہلے پہلے وہاں مزید افواج تعینات کرنا ضروری تھا۔ اگرچہ اس وقت سلطان کو عکا کے محاذ پر بھی مزید افواج کی ضرورت تھی مگر شمال میں جرمنوں کا خطرہ کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ کچھ دستے شام کی سرحدوں پر متعین کر دیے جائیں جو کھلے میدان میں مقابلہ کیے بغیر جرمن فوج پر چھاپہ مار حملے کرتے رہیں اور ان کی خوراک ورسد لوٹ کر انہیں واپس لوٹنے یا پیش قدمی موخر کرنے پر مجبور کرتے رہیں یہاں تک کہ عکا کے معرکے کا فیصلہ ہو جائے اور مسلمانوں کو جرمنوں کے مقابلے میں اپنی قوت ایک جگہ مجتمع کرنے کا موقع مل جائے۔

سلطان کو ملنے والی آخری مصدقہ اطلاعات کے مطابق جرمن فوج ابن لاؤن کی ارمنی ریاست سے گزر رہی تھی گویا تین یا چار ہفتوں میں وہ شام کی سرحدوں تک پہنچ سکتی تھی چنانچہ سلطان نے امراء سے طویل مشوروں کے بعد لشکر کے دائیں بازو کے اکثر سپاہیوں کو شمالی سرحدوں کی طرف روانہ کر دیا۔ اس فوج کی روانگی وقفے وقفے سے اور بڑی خاموشی سے ہوئی تاکہ غیر معمولی نقل وحرکت دیکھ کر عکا کے صلیبیوں کو مسلمانوں کی قوت کے منتشر ہونے کی بھنک نہ پڑ جائے۔ سب سے پہلے تقی الدین عمر کا دلیر بیٹا ناصر الدین (حاکمِ منبج) اس مہم پر روانہ ہوا، پھر حاکمِ کفر طاب عزالدین بن مقدم، حاکمِ بعلبک مجد الدین اور حاکمِ شیزر سابق الدین اپنے اپنے دستوں کو لے کر نکلے۔ ان کے بعد حلب اور حماۃ کے تمام سپاہیوں کو اس محاذ پر روانہ کر دیا گیا۔ لشکر کے بہترین سالاروں کے علاوہ سلطان نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کو بھی اس خطرناک مہم پر بھیج دیا کیوں کہ حلب کا والی وہی تھا اور اس موقع پر اس کا اپنے

---

۵ النوادر السلطانیہ: 190؛ الکامل فی التاریخ: 10/134_135

صوبے میں موجود رہنا لازمی تھا۔ ان سب کے بعد میمنہ کے سالارِ اعلیٰ تقی الدین عمر کو اس مہم کا مرکزی قائد بنا کر روانہ کر دیا گیا جو شام کے شمالی صوبے حماۃ کا والی بھی تھا اور اس لحاظ سے شمال کی مہم کو زیادہ ذمہ داری سے انجام دے سکتا تھا۔

اگرچہ ان دنوں سلطان کی خیمہ گاہ میں ایک وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ سینکڑوں سپاہیوں کے علاوہ حاکمِ حران مظفر الدین کوکبری، ناظمِ دمشق بدرالدین شحنہ اور سلطان کے دو بیٹے الملک الافضل اور الملک الظاہر بیمار پڑ گئے تھے مگر سلطان نے شمالی محاذ کی اہمیت کے پیشِ نظر الملک الظاہر، الملک الافضل اور بدرالدین شحنہ کو اسی حالت میں افواج کی نگرانی کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ [1]

وبائی موسم اور امراض ❊ یہ افواج جمادی الاخریٰ 586ھ (جولائی 1190ء) میں سلطان کے معسکر سے روانہ ہوئیں اور یوں معسکر کا دایاں بازو خالی سا ہو گیا۔ سلطان کے لشکر کے علاوہ فرنگی کیمپ میں بھی سپاہی بیمار ہو رہے تھے۔ گویا دونوں فوجیں لڑنے سے لاچار تھیں۔ [2]

سلطان کو اس وقت یہ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں جرمنوں کو روکنے کی منصوبہ بندی ناکام نہ ہو جائے اور وہ غیر مستحکم شہروں پر قبضہ کر کے مورچہ بند نہ ہو جائیں۔ چنانچہ سلطان نے طبریہ، صیدا، یافا، ارسوف، قیساریہ اور جبیل سمیت راستے کے کئی شہروں کی فصیلیں تباہ کروا دیں اور ان کے باشندوں کو بیروت بھجوا دیا کیوں کہ اس کی فصیل نہایت مضبوط تھی۔ [3]

نیا جرمن حکمران فریڈرک اور ارمن حکمران ❊ ادھر جرمنوں کی قیادت سلطنت کے ولی عہد فریڈرک ڈیوک آف سوابیا نے سنبھال لی تھی جو کہ اس مہم میں باپ کے ہم رکاب تھا۔ وہ فوج کو لے کر ارمنی ریاست سے نکلا اور شام کی حدود میں واقع نصرانیوں کے ساحلی شہر انطاکیہ روانہ ہو گیا تاکہ وہاں کے وسیع قلعے میں تھکی ماندی فوج کو قدرے استراحت کا موقع دے اور اسلامی ممالک کے تازہ حالات سے آگاہی حاصل کرے۔

مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہی اسے کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ باربروسا کی موت سے ایک ابتری سی پھیل گئی تھی اور جرمنوں کا رعب و دبدبہ کم ہو گیا تھا۔ ارمنی حکمران ابن لاؤن کے سفیر جو کئی ماہ سے جرمن بادشاہ کے ہاں تھے اس کے مرتے ہی غیر یقینی حالات کے خدشے سے وہاں سے بھاگ نکلے اور ابن لاؤن کو جو باربروسا سے ملنے آ رہا تھا راستے میں روک کر باربروسا کی موت کی خبر دی جسے سن کر ابن

[1] النوادر السلطانیہ: 194۔ ابن خلدون: 317/5
[2] النوادر السلطانیہ: 194
[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 139/4

لاؤن کو بھی جرمنوں کے پاس جانا خلافِ احتیاط محسوس ہوا لہٰذا وہ جرمنوں کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے ایک مستحکم قلعے میں محصور ہوگیا۔ عیسائی ہونے کے باوجود وہ جرمنوں کے نسلی تعصب سے نالاں تھا۔ نوجوان فریڈرک کے لیے ایسے موقع پر ایک اہم اتحادی کا ساتھ چھوڑ دینا پریشان کن تھا۔ اس نے قاصد بھیج کر ملاطفت آمیز پیغامات کے ذریعے اس کے شکوک دور کیے اور اسے اپنے ہاں حاضر ہونے پر آمادہ کرلیا۔ مگر ابن لاؤن آیا تو فریڈرک نے رنگ بدل کر تحکمانہ انداز میں کہا:

''میرا باپ بہت بوڑھا تھا۔ اس کا مقصد یروشلم کی زیارت کے سوا کچھ نہ تھا۔ انتظامِ مملکت میں ہی کرتا رہا ہوں۔ اس راہ کی مشقتیں بھی جھیل چکا ہوں۔ اب جو میری اطاعت قبول کرے گا میں اسے باقی رکھوں گا بصورتِ دیگر اس کے ملک پر حملہ کردوں گا۔''

یوں ڈرا دھمکا کر فریڈرک نے ابن لاؤن کو دوبارہ اپنا ساتھ دینے پر مجبور کردیا۔ [1]

جرمنوں میں پھوٹ پڑگئی ❊ تاہم ایک اور مسئلہ اس سے زیادہ تشویش ناک تھا۔ باربروسا کی ناگہانی موت کے باعث اس کے بہت سے امراء بددل ہوچکے تھے اور وطن واپس جانے پر اصرار کررہے تھے۔ بعض امراء نوجوان فریڈرک کی تخت نشینی پر چین بجبیں تھے اور اس کے بھائی کو برسرِ اقتدار دیکھنا چاہتے تھے۔ جب اختلاف بڑھا اور ان کی رائے نہ مانی گئی تو وہ سب اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ جرمنی واپس لوٹ گئے۔ یہ جرمن فوج کے لیے دوسرا بڑا دھچکا تھا۔ بہرکیف فریڈرک باقی فوج کو لے کر روانہ ہوا۔ مگر آگے چل کر صحرائی علاقے میں فوج خوراک و رسد کی کمی کا شکار ہوگئی، بھوکے سپاہیوں نے مجبور ہوکر سواری کے ہزاروں گھوڑے کاٹ کر کھالیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں پیدل چلنا پڑا۔ جب طویل مسافتیں پیدل طے کرنا ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ باربرداری کے گدھوں اور خچروں کو زائد سامان کے بوجھ سے آزاد کرکے سواری کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس کارروائی میں فوری ضرورت کے سامان کے سوا لشکر کا سارا بوجھ جنگل میں پھینک دیا گیا۔ بیش قیمت مال و اسباب کو حفاظت کی غرض سے کھائیوں، غاروں اور گڑھوں میں دفن کردیا گیا۔ باقی تمام ساز و سامان نذرِ آتش کردیا گیا۔ کپڑے، جوتے، برتن، تلواریں، زرہیں، خود، ڈھالیں، نیزے، بستر، گھوڑوں کی زینیں، سب کچھ اس الاؤ میں پھینک دیا گیا۔ اکثر اشیاء تو جل کر راکھ ہوگئیں مگر لوہے کا سامان سوختہ ہوجانے کے بعد ناکارہ حالت میں ایک عرصے تک وہاں پڑا رہا۔ اس کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ دور سے ایک سیاہ ٹیلا دکھائی دیتا تھا۔ [2]

[1] الاعلاق الخطیرۃ / النوادر السلطانیہ: 192-193

[2] النوادر السلطانیہ: 195-197، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 114-116

یَا لَلاِسْلَام ﷺ اُدھر وادیٔ عکا میں اسلامی اور صلیبی لشکر وبائی امراض کا شکار تھے۔ جمادی الاخریٰ 586ھ (جولائی 1190ء) کے ابتدائی تینوں ہفتوں میں وہ لڑنے سے بالکل قاصر رہے۔ اگر وبا صرف اسلامی معسکر میں پھیلی ہوتی تو فرنگیوں کے لیے میدان میں نکلنے کا اس سے بہتر موقع کوئی نہ ہوتا کیونکہ لشکرِ اسلام کا تقریباً ایک تہائی حصہ شمالی سرحدوں کی طرف جا چکا تھا۔ مگر ایک جیسے مصائب، بیماریوں اور آفات نے فریقین کے درمیان ایک غیر مرئی حصار قائم کر دیا تھا۔ تین ہفتوں بعد یہ وبا ختم ہوئی اور فریقین کی جان میں جان آئی تب صلیبیوں نے موقع غنیمت سمجھ کر لشکرِ اسلام کی خیمہ گاہ کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔ دراصل صلیبیوں کے سردار اور امراء اتنے دنوں تک بے کار بیٹھے بیٹھے اکتا گئے تھے۔ انہیں اب تک یہ معلوم ہو چکا تھا کہ معسکر میں مسلمانوں کی طاقت خاصی کم ہوگئی ہے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ اچانک حملہ کر دیں تو مسلمان مدافعت نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ دس ہزار صلیبی اس مہم کے لیے تیار ہو گئے۔ 24 جمادی الاخریٰ 586ھ (29 جولائی 1190ء) کی تپتی دوپہر میں صلیبی اپنی چھاؤنی سے نکلے، گزشتہ دس ماہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ میدان میں نکلنے کی ہمت کر رہے تھے۔ یہ ان کے تہوار سینٹ جیمز کا دن تھا اور وہ اس کی خوشی دوبالا کرنا چاہتے تھے۔ مسیحی شاعر ایمبر وز کا بیان ہے:

''یہ دس ہزار صلیبی تھے جنہیں یقین تھا کہ عکا کی دیواروں پر چڑھنا محال ہے چنانچہ اکتا کر انہوں نے مسلمانوں کے پڑاؤ پر ضرب کاری لگانے کا منصوبہ بنایا۔ انہیں مالِ غنیمت کا لالچ بھی تھا۔''

ان کا رخ معسکر اسلامی کے دائیں بازو کی خیمہ گاہ کی طرف تھا۔ یہاں سپاہیوں کی کمی سے فائدہ اٹھا کر وہ دل کے ارمان نکالنا چاہتے تھے۔ یاد رہے کہ لشکرِ اسلامی کی خیمہ گاہ، میمنہ، میسرہ اور قلب کے تین حصوں میں تقسیم تھی اور ہر دو حصوں کے درمیان تقریباً ایک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ یہ ترتیب اس لیے رکھی گئی تھی تاکہ دشمن کے اچانک حملے کی صورت میں مسلمان فوراً خیموں کے سامنے آکر وہیں صف بندی کر لیں۔ اور تینوں حصے الگ سے کسی تیاری کے بغیر پورا میدان سنبھال لیں۔

صلیب کے سائے میں فرنگی بڑھے چلے آرہے تھے۔ ان کی دو صفیں قائم تھیں، پہلی مسلمانوں کے معسکر تک اور آخری ان کی اپنی چھاؤنی تک پہنچ رہی تھی۔ نقاروں کی دھمک، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور رزمیہ نعروں کے ساتھ وہ بڑھتے چلے آئے مگر مسلمانوں نے صلیبیوں کے اس اچانک حملے کا سامنا بڑی پامردی سے کیا۔ میمنہ میں الملک العادل نے انہیں آتا دیکھا تو سپاہیوں کو ہنگامی بنیادوں پر تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ منادیوں کی صدائیں ہر طرف گونج گئیں۔ سپاہی اسلحہ سنبھال کر لپکتے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہونے لگے۔ ادھر معسکر کے قلب میں سلطان صلاح الدین اپنے برق رفتار گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے سامنے آئے:

یَا لَلْاِسْلَام یَا لَلْاِسْلَام

خبردار۔۔۔اسلام کی نصرت کے لیے تیار......

ان کی پرجوش آوازیں وادی عکا میں گونج رہی تھیں۔ قاضی بہاؤالدین اس لمحے کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں نے اس وقت سلطان کو دیکھا، وہ اپنے خیمے سے گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے، ان کے ساتھ فقط چند خاص مصاحبین تھے۔ عام لوگ ابھی تک سواری کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔ سلطان اس ماں کی طرح بے چین تھے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو یا جو اپنے بچے کی موت پر بے حال ہو۔"[1]

ابھی مسلمان سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے کہ فرنگیوں نے میمنہ کی خیمہ گاہ پر ہلہ بول دیا۔ خوش قسمتی سے اس وقت تک مصری سپاہی سوار ہو کر صف بندی کر چکے تھے، الملک العادل نے انہیں ساتھ لے کر کچھ دیر تک میدان میں دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پھر اپنی افرادی کمی کو دیکھ کر ایک حکمت عملی کے تحت راستہ چھوڑ دیا۔ فرنگی سیدھے خیمہ گاہ میں داخل ہو گئے اور لوٹ مار کرنے لگے۔ اس دوران الملک العادل کے منادی فرنگیوں کے حملے کی صدا لگاتے ہوئے معسکر کے دوسرے حصوں میں دوڑتے چلے گئے۔ امیر قایماز نجمی تو پہلے ہی اپنے سپاہیوں کے ساتھ الملک العادل کے پاس آن پہنچا تھا، جلد ہی موصل کے سپاہیوں تک خبر پہنچ گئی اور وہ بھی تیزی سے ادھر آ گئے۔ مگر الملک العادل نے پھر بھی حملہ نہ کیا اور موقعے کا منتظر رہا۔ فرنگیوں نے یہ خیال کر کے کہ مسلمان ڈر کر فرار ہو گئے ہیں خیمہ گاہ اور اس کے قریبی بازار کو لوٹنا شروع کر دیا۔ کپڑے، پھل، اناج، برتن، اسلحہ، مویشی اور جو کچھ ان کے ہاتھ لگا وہ اٹھاتے چلے گئے۔ ان کی صفوں کا نظم و ضبط ٹوٹ چکا تھا اور وہ بالکل بے فکر ہو کر مال غنیمت پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ اب الملک العادل نے اپنے گرد جمع ہونے والے سپاہیوں کو ان پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا۔ مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے ان پر جھپٹے اور خیمہ گاہ ہی میں جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ مال غنیمت سے گراں بار صلیبی گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے۔ ادھر ایک میل دور سے سلطان صلاح الدین میمنہ میں جنگ کا بازار گرم دیکھ کر بے چین تھے، انہوں نے چیخ کر کہا:

"یَا لَلْاِسْلَام !!! اے اسلام کے فرزندو! اے توحید کے علمبردارو! یہ اللہ کے دشمن تمہارے سامنے ہیں، وہ لالچ میں اندھے ہو کر تمہارے خیموں کو لوٹنے آئے ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان پر حملے کا بہترین موقع دے دیا ہے۔"

سلطان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سب سے پہلے مملوک سپاہی اور خواص، پھر حاکم موصل

[1] النوادر السلطانیہ: 198، 199، الکامل لابن اثیر: 10/195

علاؤالدین اور مصری جرنیل سنقر حلبی دوڑے ہوئے آئے۔ سلطان کے حکم سے انہوں نے دشمن پر بھرپور حملہ کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ نصرانیوں کا جو ریلا لشکرِ اسلام کے دائیں بازو کے خیموں اور بازار میں بکھر گیا تھا الملک العادل کی سپاہ کی زد میں تھا اور ان کا قلب علاؤالدین اور سنقر حلبی کے حملوں سے تتر بتر ہو رہا تھا۔ انہوں نے کچھ دیر تک صف بندی درست کر کے لڑنے کی کوشش کی مگر ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اس دوران ایک مصری دستے نے ان کی چھاؤنی کی جانب یلغار کر کے پشت سے ان کی کمک منقطع کر دی۔ اس سے فرنگی مزید حواس باختہ ہو گئے۔ آخر دو گھنٹوں کی شدید لڑائی کے بعد وہ بری طرح مار کھا کر بھاگے۔ یہ دیکھ کر سلطان نے حکم دیا کہ کسی کو زندہ بچ کر نکلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ معرکہ ظہر کے بعد جس طرح یک بارگی شروع ہوا تھا، عصر سے پہلے پہلے اتنی ہی تیزی سے ختم ہو گیا۔[1]

مسلمانوں کے میسرہ کو جو عمادالدین زنگی کی قیادت میں تھا، اس لڑائی میں شرکت کا بالکل موقع نہیں مل سکا تھا کیونکہ فاصلے کی وجہ سے میسرہ تک حملے کی اطلاع دیر سے پہنچی تھی۔

اس تند و تیز لڑائی میں مسلمانوں کے صرف دس سپاہی اور مجاہد شہید ہوئے تھے جبکہ محتاط اندازے کے مطابق مقتول نصرانیوں کی تعداد نو ہزار سے کم نہ تھی۔ کاتب عماد اصفہانی کا بیان ہے کہ ح
تھیں جوریت کے ٹیلوں سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لڑائی کے بعد مقتولین کا معاینہ کر
ہیں کہ ان کی ہر صف میں ایک ہزار سے زائد لاشیں گری تھیں، یوں کل مقتولین نو تا دس ہز
کئی جنگجو عورتیں بھی شامل تھیں۔ دو عورتیں اور چند صلیبی سپاہی گرفتار بھی ہوئے تھے۔ بہر کیف ا
تھہ تیغ ہو گئی تھی جن کی لاشیں تقریباً تین میل کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر سلـ
چہرے سے مسرت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

نصرانیوں کی درگت بنتی دیکھ کر عکا کے محصورین بھی جری ہو گئے تھے، انہوں نے فصیل فرنگیوں کی چھاؤنی پر ایک زوردار حملہ کیا۔ چھاؤنی عکا شہر کے رخ سے کھلی ہوئی تھی لہٰذا مس بہت سا سامان رسد، کپڑے یہاں تک کہ کھانے سے بھری کئی دیگیں تک اٹھا کر لے گئے۔ ۔ خواتین بھی ان کے ہاتھ لگ گئیں جنہیں وہ گرفتار کر کے لے گئے۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

''بدھ (24 جمادی الآخرہ، 29 جولائی) کا دن اسلام کے لیے بہترین دن بن کر گزرا۔''[2]

مجاذ لکھتا ہے:

''جب عیسائی اس طرح پسپا اور تتر بتر کیے جا رہے تھے، عکا کے محصور مسلمانوں نے شہر سے نکل کر

---

① النوادر السلطانیہ: 199 ② النوادر السلطانیہ: 200

مسلمانوں کے کیمپ پر حملہ کیا اور عورتوں اور بچوں کی ایک تعداد پکڑ کر لے گئے جو وہاں بے حفاظت چھوڑے گئے تھے۔ صلیبی جن کو رات کی تاریکی نے تباہی سے بچالیا تھا، جب اپنے کیمپ میں واپس آئے تو خیموں کے نظارے اور ان نقصانات نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔''۵

عبرت انگیز نظارے: کاتب عماد اصفہانی نے اس معرکے کے فوراً بعد بہت سے بشارت نامے تحریر کر ڈالے۔ پھر میدان جنگ کا مشاہدہ کرنے خود باہر نکلے۔ یہ نظارہ انہی کے الفاظ میں دیکھیے:

''جب معرکے اور فتح مبین کا پتہ چلا تو بلیغ مضامین اور بہترین عبارتوں میں تیس چالیس خطوط لکھ دیے۔ سوچا، سلطان جوں ہی آئیں گے، خطوط تیار پائیں گے اور خوشخبریوں کو روانہ ہوتا دیکھیں گے۔ میں (یہ کام نمٹا کر) قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کے ساتھ سواری پر لاشوں اور زخمیوں کے معاینے کے لیے نکل گیا۔۔۔ حیرت ہے فرنگی کتنی جلدی لٹ گئے تھے، سب کچھ دے گئے، کس طرح فرار ہوئے اور کس قدر سامان چھوڑ گئے۔۔۔ مردہ فرنگیوں کے پیٹ چرے ہوئے تھے، آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، ہم نے ایک عورت کی لاش دیکھی جو جنگ میں شرکت کے باعث قتل کی گئی تھی۔ ہم مسلسل وہاں چلتے پھرتے رہے، عبرت انگیز نظارے دیکھ کر غور وفکر کرتے رہے یہاں تک کہ رات نے اندھیرے کی چادر اوڑھ لی۔ ہم خیموں کی طرف لوٹ آئے اور دیر تک اس سرور سے ہوئے ٹیلوں پر کھڑے رہے۔ فرنگیوں کے اترے ہوئے چہروں کو دیکھ دیکھ کر مسلمانوں کے چہرے خوشی سے کھل رہے تھے۔ ہم نے (فرنگیوں کی) لاشوں کو گنا تو یہ دس ہزار سے زائد تھے۔ یہ گنتی مبالغہ نہیں بلکہ احتیاط پر مبنی کم از کم شمار ہے۔''۵

خسارے کی جگہ نفع: کاتب عماد اس جنگ کے لطائف سناتے ہوئے کہتے ہیں:

''ایک مسلمان اپنا ٹٹو (چھوٹے قد کا گھوڑا) بھگاتا جارہا تھا کہ ایک فرنگی جو اپنے گھوڑے سے گر پڑا تھا، ٹٹو کی ٹھوکر کی زد میں آ گیا۔ فرنگی نے بھڑک کر اپنی تلوار چلائی اور ٹٹو کا پیٹ چیر ڈالا۔ ٹٹو پر سوار مسلمان نیچے کودا اور فرنگی پر پل پڑا۔ اپنی ہندوستانی تلوار سے اسے قتل کرنے کے بعد اس نے فرنگی کے اسلحے کا جائزہ لیا تو اس کے کمر بند سے ایک تھیلی بندھی ہوئی پائی۔ کھول کر دیکھا تو 80 دینار تھے (تقریباً چار ہزار پونڈ، جو کہ ٹٹو کی قیمت سے کہیں زیادہ تھے) یوں وہ خسارے کی جگہ نفع لے کر لوٹا۔ اس فتح کے نتیجے میں بے شمار اسلحہ ہاتھ لگا۔ خود، زرہ بکتر اور دیگر قیمتی سامان مال غنیمت میں تقسیم ہو کر فروخت کے لیے بازار پہنچا تو اسلحے کے

۵ ... ص 102 ۵ ... 147/4

بھاؤ گر گئے، ہر چیز نہایت ارزاں بک رہی تھی۔‘‘ ۞

<u>خوشگوار لمحات</u> ﷺ فتح کی یہ سہانی رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ تھکے ماندے سپاہی بے فکرا سے لمبی تان کر سو گئے تھے مگر سلطان اپنے مشیروں کے ساتھ محو گفتگو تھے، امرائے لشکر انہیں مشورہ دے رہے تھے کہ دشمن کو شدید زک پہنچ چکی ہے لہٰذا اس کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر اگر کل صبح فیصلہ کن حملہ کر دیا جائے تو امید ہے کہ کامل فتح ہمارے قدم چومے گی۔ اگلے دن 25 جمادی الاخریٰ (30 جولائی) کی صبح مسلمان ایک اور زبردست خوشخبری سن رہے تھے۔ حلب سے کچھ معزز امراء سلطان کی خدمت میں پہنچے تھے، وہ پانچ دن سے متواتر سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا:

’’جرمنوں کا بہت بڑا مجمع شام کی سرحدوں پر غارتگری کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ حلب کی افواج نے ان کی ناکہ بندی کر کے انہیں بری طرح شکست دے دی۔ ان جرمنوں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی بچ کر نکلا ہوگا۔‘‘

قاضی بہاؤالدین ابن شداد صبح سویرے ملنے والی اس خوشخبری کا ذکر کر کے کہتے ہیں:

’’یہ ایسی حسین صبح تھی کہ کسی نے شب عروسی کی صبح بھی اس سے زیادہ دلکش محسوس نہ کی ہوگی۔‘‘ ۞

<u>غیبی مدد و نصرت</u> ﷺ شمالی شام سے آنے والی خبروں کی تفصیلات نہایت مسرت انگیز تھیں جن سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت ان کے شامل حال ہے۔ متواتر خبروں سے معلوم ہوا کہ جرمن فوج ارمنی ریاست عبور نہیں کر پائی تھی کہ ان میں ایک نہایت خطرناک وبا پھیل گئی۔ سینکڑوں سپاہی ہلاک ہو گئے تھے، خود نیا بادشاہ فریڈرک بستر پر پڑ گیا۔ آخر اس نے پچیس گھڑسواروں، چالیس مصاحبین اور شاہی خزانے کے ساتھ وہیں ٹھہرتے ہوئے باقی لشکر کو شام روانہ کر دیا۔ اگرچہ جرمنوں کی بہت بڑی تعداد سفر کی ہلاکت خیزیوں کی نذر ہو چکی تھی تاہم اب بھی وہ ساٹھ ہزار سے کم نہیں تھے۔ ۞

سپاہیوں کی کثرت کی وجہ سے جرمن لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک فوج جو ہراول دستوں پر مشتمل تھی سیدھی انطاکیہ چلی گئی اور دوسرے نے قلعۂ بغراس کا رخ کیا جو مسلمانوں کے پاس تھا تاکہ اس پر قبضہ کر کے کچھ دنوں آرام کیا جائے اور پھر تازہ دم حالت میں عکا پر یورش کی جائے۔ ۞

<u>جرمن انطاکیہ میں</u> ﷺ انطاکیہ جانے والی فوج کا یہ حشر ہوا کہ سالار راستے میں مر گیا، باقی فوج انطاکیہ پہنچ گئی مگر انطاکیہ والے ان مہمانوں کے بوجھ سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کی سوچ رہے تھے۔ حاکم

۞ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/147 ۞ النوادر السلطانیہ: 200
۞ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/115
۞ النوادر السلطانیہ: 195، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/136، تاریخ ابن خلدون: 317

انطاکیہ بوہیمنڈ اس فکر میں تھا کہ کس طرح بیمار فریڈرک کو جواب تک ارمنی ریاست میں ٹھہرا ہوا تھا، خزانے سمیت اپنے قلعے میں بلوالے، اس نے اسے متواتر پیغامات بھی بھیجے، اسے امید تھی کہ جب صاحبِ فراش فریڈرک اس کے ہاں مرے گا تو اس کا خزانہ قبضے میں آجائے گا۔ ادھر ارمنی حاکم ابن لیون بھی جرمنوں کے انتشار اور ان کے حکمران کی بیماری سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ فریڈرک اس کے علاقے "تیمات" میں صرف 65 افراد کے ساتھ کسی پناہ گزین کی مانند پڑا تھا۔ ابن لیون اس کا خزانہ ہڑپ کرنے کا سوچ رہا تھا کہ فریڈرک نے مرض سے ذرا افاقہ پایا اور فوراً مال و متاع سمیت کر انطاکیہ پہنچ گیا، اس نے حاکمِ انطاکیہ کا قلعہ اپنی تحویل میں لے کر تمام ذخائر اور خزانے وہاں منتقل کر دیے۔ ۵

ابھی قبروں سے نکلے ہیں ؟ جو جرمن قلعۂ بغراس پر قبضہ کرنے پہنچے تھے، انہیں اندر داخل ہونے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ قلعے میں موجود مٹھی بھر مسلم سپاہیوں نے نہ صرف یہ کہ ان کو فصیل کے سامنے سے مار بھگایا بلکہ ان کے دو سو افراد گرفتار بھی کر لیے اور ان کے ساتھ لدے ہوئے مال و متاع کے درجنوں صندوقوں اور بوروں پر قبضہ کر لیا۔ حالت یہ تھی کہ ایک ایک مسلمان تین تین جرمنوں کو قیدی بنا کر لے جا رہا تھا۔ ان قیدیوں میں سے اکثر بیماری اور نقاہت کی وجہ سے کچھ دنوں بعد مر گئے۔ زندہ بچ جانے والے جرمن منڈیوں میں فروخت ہونے پہنچے تو ان کی نہایت معمولی قیمت لگی، کیونکہ کوئی شخص ایسے لاغر غلام خریدنے پر تیار نہیں ہو رہا تھا۔ ۵

جرمنوں کی یہ درگت بنتے دیکھ کر شمالی شام کے تمام سرحدی قلعہ دار حرکت میں آگئے۔ انہوں نے قلعوں سے باہر نکل کر مختصر اور تیز رفتار دستوں کے ساتھ جرمنوں پر چھاپے مارنا شروع کر دیے۔ ایک دستہ جرمنوں کے اس جم غفیر پر حملہ آور ہوا جو جانوروں کے لیے چارہ لینے جنگلات میں گھوم رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد جرمنوں کی پانچ سو لاشیں جنگل میں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ۵

علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ جرمنوں کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ابھی قبروں سے نکلے ہیں۔" ۵

خوراک ورسد ختم ؟ شام کی شمالی سرحدوں سے لے کر سلطان کی چھاؤنی تک تیز رفتار خبر رساں اب ہر وقت نقل و حرکت کر رہے تھے۔ ایک مخبر نے آکر بتایا:

"جرمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر وہ نہایت کمزور ہیں، ان کے پاس بہت کم گھوڑے اور بہت کم

---

۵ الصلیبیۃ: 197
۵ الصلیبیۃ: 201
۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/125_136
۵ الکامل فی التاریخ: 10/104

ساز وسامان ہے، ان کا مال ومتاع زیادہ تر گدھوں پر لدا ہوا ہے۔ ان کے گھوڑے نہایت لاغر ہیں۔"
پھر اس نے کہا:

"میں ان کی حالت دیکھنے اس پل پر کھڑا ہوگیا تھا جس سے ان کو گزرنا تھا۔ کچھ دیر بعد ان کا بہت بڑا غول وہاں سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدھ کے سوا کسی کے پاس ڈھال تھی نہ نیزہ۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: ہم نے وبائی علاقے میں کچھ دن گزارے ہیں جس سے ہمارے بکثرت سپاہی مر گئے، خوراک ورسد کا سامان ختم ہوگیا تھا، ایندھن نہیں مل رہا تھا، آخر کار بھوک کی وجہ سے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانا پڑا، آگ جلانے کے لیے نیزوں اور لکڑی کے سامان کو جلانے پر مجبور ہو گئے۔"[1]

<u>ایک دانہ بھی فروخت نہ کرنا</u>: علامہ ابن اثیر جرمنوں کی آمد کے ابتدائی دنوں میں ان کی دہشت کی منظر کشی کے لیے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان سے خوف کا یہ عالم تھا کہ سلطان صلاح الدین کا ایک امیر موصل کے کسی نواحی گاؤں کا جاگیر دار تھا، میرے بھائی صاحب مرحوم اس گاؤں کے منتظم تھے۔ جب اس جاگیر کی فصل تیار ہوئی، گندم، جو اور بھوسے کی کٹائی ہوئی تو میرے بھائی صاحب نے اس امیر کو خط لکھ کر پیداوار کی فروخت کے بارے میں رائے معلوم کی۔ امیر نے فوراً جواب لکھوایا کہ ایک دانہ بھی فروخت نہ کرنا اور ہمارے لیے زیادہ سے زیادہ بھوسہ اکٹھا کر کے رکھنا۔ کچھ مدت بعد اس امیر کا دوسرا خط پہنچا کہ غلہ فروخت کر دو، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

کچھ مدت بعد یہ امیر موصل آیا تو ہم نے اس سے پہلے پیداوار فروخت کرنے کی ممانعت کرنے اور بعد میں اجازت دینے کا سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا: 'جب جرمن کے بادشاہ کی آمد کی خبریں مشہور ہوئیں تو ہمیں یقین ہوگیا کہ اب ہمارے لیے شام میں کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا میں نے غلہ فروخت کرنے سے منع کر دیا کہ جب ہم گاؤں آئیں گے تو وہ ہمارے لیے ذخیرہ ثابت ہوگا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا تو میں نے (مطمئن ہو کر) اس غلے کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت سے فائدہ حاصل کرنے کا خط لکھ بھیجا۔'"[2]

<u>اس قدر خوف ودہشت پھیلانے والے اڑھائی لاکھ جرمنوں کا انجام یہ ہوا تھا کہ ان کا بادشاہ مر گیا تھا اور اکثر فوج جنگ میں شرکت کیے بغیر ہلاک ہو گئی تھی۔</u>

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 196_197
[2] الکامل فی التاریخ: 10/195

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾

''بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔''

صلیبی صلح پر آمادہ ہیں۔ 25 جمادی الاخریٰ 586ھ (30 جولائی 1190ء) کو مسلمانوں کے معسکر میں پہنچنے والی مسرور کن خبریں اسی دن فرنگیوں کے کیمپ تک پھیل گئیں۔ وہاں ایک گہری اداسی طاری ہوگئی۔ فرنگیوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا جرمن بادشاہ مر گیا ہے۔ اب اس کی فوج کے تتر بتر ہو جانے کی اطلاعات ان کے لیے مزید مایوس کن تھیں۔ گزشتہ روز کے معرکے میں زبردست جانی نقصانات نے انہیں پہلے ہی شکستہ دل کر دیا تھا۔ سلطان نے انہیں میدان میں گھوم پھر کر اپنے مقتولین کا جائزہ لینے کی اجازت دے دی تھی جن کی لاشیں سورج کی تپش سے گلنے سڑنے اور پھولنے پھٹنے لگی تھیں۔ جب یہ لوگ لاشوں کے انبار دیکھ کر لوٹے تو چھاؤنی میں ان کی باتوں سے مزید بددلی پھیل گئی۔ فرنگی یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ گیارہ ماہ سے عکا کے محاصرے کے باوجود اس کی فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔ چنانچہ انہوں نے مایوسی کے عالم میں سلطان سے صلح کے لیے مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ [1]

میدان عکا میں تعینات سلطان کی گشتی سپاہ کا سالار قایماز حرانی سہ پہر کو خبر لے کر آیا کہ فرنگی مسلمانوں کا کوئی نمائندہ طلب کر رہے ہیں جو ان کی بات چیت سن کر صلح کی کوئی صورت نکالنے میں مدد دے۔ [2]

اس دن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صلیبی جنگ اختتام پذیر ہو رہی ہے اور فریقین اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے والے ہیں۔ دونوں طرف کے سپاہی اس روز مدتوں بعد اپنے گھروں کے سہانے سپنے دیکھ رہے تھے۔ مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے واپس ہونے پر مسرور تھے اور فرنگی اپنی شکست خوردگی پر حسرت کناں۔ اس رات کو معسکرِ سلطانی میں عید کا سا سماں تھا اور صلیبی چھاؤنی پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ وہ جنگ ہار چکے تھے۔ مجاؤ لکھتا ہے:

''شہنشاہ فریڈرک باربروسا والیٔ جرمنی کی موت کی خبر نے ان کی مصیبت اور بدبختی کے جام کو لبریز کر دیا، ان کے سرداروں کو اس قدر مایوسی ہوئی کہ انہوں نے یورپ واپس جانے کا تہیہ کر لیا۔'' [3]

---

[1] الکامل، ... الباہر، تحقیق: 4/147-148

[2] النوادر السلطانیہ: 200

[3] ... ص 467 / ... صلاح الدین ایوبی، ص 162

فصل:6

بحر و بر میں جہادِ مسلسل

دورانِ جنگ ہر لحہ بدلتے ہوئے حالات سے واقفیت ناگزیر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک بروقت خبر سے فتح کا دروازہ کھل جاتا ہے اور کبھی کبھی کسی اطلاع ملنے میں ذرا سی تاخیر سے جیتی ہوئی بازی الٹ جاتی ہے۔ تیسری صلیبی جنگ میں ایسے کئی مواقع ملتے ہیں جب خبروں کی وصولی میں تاخیر نے جنگ کی کایا پلٹ دی۔

25 جمادی الاخریٰ (30 جولائی) کو جب دشمنوں پژمردگی طاری تھی اور ان کی جانب سے سلطان کو مذاکرات کی پیش کش کی جارہی تھی، دور کھلے سمندر میں دس ہزار سپاہ پر مشتمل ایک بحری بیڑہ صلیبیوں کے لئے تازہ دم کمک لیے چلا آرہا تھا۔ اس زمانے میں ذرائع مواصلات وآلاتِ مشاہدہ اتنے ترقی یافتہ نہ تھے کہ یہ خبر فوراً صلیبیوں یا مسلمانوں کو پہنچ جاتی۔ اگر صلیبی یہ جان لیتے تو کبھی مذکرات پر آمادہ نہ ہوتے اور اگر مسلمانوں کو پہلے اس کی بھنک پڑ جاتی تو وہ بلا تاخیر پوری قوت سے صلیبیوں پر حملہ کر کے انہیں شکست فاش دینے کی کوشش کرتے یا مذاکرات کا عمل تیزی سے مکمل کر کے صلیبیوں کا محاصرہ اٹھوا دیتے۔ مگر حقیقت سے لاعلم دونوں فریق مذاکرات کے بارے میں سوچتے رہے۔ سلطان ایوبی شمال سے آنے والی کچھ اہم سفارتوں کو وقت دے رہے تھے۔ ان میں کچھ تو وہ لوگ تھے جو شمالی شام سے جرمنوں کی درگت بننے کی خبریں لائے تھے۔ مگر ایک سفارت غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی۔ یہ قیصر روم آئزک دی اینجل (اسحاق فرشتہ صفت) کا مسلمان سفیر تھا۔ اس نے قیصر کا مکتوب پیش کیا جس پر پندرہ دینار کے بقدر روزن کی طلائی مہر ثبت تھی۔ مکتوب میں دیگر رسمی باتوں کے علاوہ سلطان کو اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ جرمن فوج کے قسطنطنیہ سے گزر کر اسلامی ممالک تک پہنچنے میں حکومتِ قسطنطنیہ کی کوئی بدنیتی شامل نہیں ہے۔ قیصر نے لکھا تھا:

”جرمنوں کے میرے ملک سے گزرنے کے بعد عجب نہیں کہ دشمن اپنی اغراض کی خاطر جھوٹی

باتیں پھیلا رہے ہوں۔ اگر آپ سچ سننا پسند کرتے ہیں تو جان لیں کہ جرمنوں نے آپ کے علاقوں کی بنسبت (میرے ملک میں) کہیں زیادہ اذیت و مشقت جھیلی ہے۔ ان کے سرمایے، مویشی اور افراد کا بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ بہت سے مرے اور قتل کیے گئے۔ وہ بڑی مشکل سے میرے ملک کی سپاہ سے جان بچا کر نکلے ہیں۔ وہ اتنے شکستہ ہو چکے ہیں کہ آپ کے ملک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر پہنچ گئے تو وہ سخت مشقت کے بعد اتنے کمزور ہو چکے ہوں گے کہ وہ نہ تو اپنے ہم قوموں کو کوئی فائدہ دے پائیں نہ آپ کو کوئی ضرر پہنچا سکیں گے۔ بھلا میں آپ سے تعلقِ خاطر کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں نیز اپنے ملک کے اہداف مقاصد اور ضروریات کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔ آپ کی محبت نے فرنگیوں سے ہماری نفرت کو مزید بڑھا دیا ہے۔''

سلطان کو مکتوب سناتے ہوئے قیصر کا سفیر جب آخری جملے پر پہنچا تو سلطان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ انہوں نے سفیر کو انعام و اکرام سے نوازا۔ ۵

<u>ہنری آف شیمپین اور دیگر نوابوں کی کمک</u> ❁ ابھی سلطان کے صلیبیوں سے مذاکرات شروع ہونے نہیں پائے تھے کہ 27 جمادی الاخریٰ 586ھ (یکم اگست 1190ء) کو سمندری افق پر بیڑے کے بادبان ابھرتے دکھائی دیے۔ جہاز قریب آئے تو معلوم ہوا کہ ہنری کاؤنٹ اوف شیمپن جو شاہ فرانس کا بھتیجا اور یورپ کے کئی دیگر حکمرانوں کا عزیز ہے، دس ہزار سپاہیوں، ہتھیاروں، نقد دولت اور خوراک و رسد کے ذخائر سمیت آیا ہے۔ فرنگیوں کی شکستہ ہمتیں پھر سے جوان ہو گئیں۔ پرسوں ان کے جتنے سپاہی مارے گئے تھے، انہیں آج ان سے کچھ زیادہ کمک مل گئی تھی پس اب صلح کی کیا ضرورت رہ گئی تھی۔ بہاؤ کاؤنٹ آف شیمپین کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''صلیبی بلا مزاحمت واپس روانہ ہونے اور صلاح الدین سے ایک شرمناک صلح کرنے کے وسائل تلاش کر رہے تھے کہ یورپ سے بحری جہازوں کا ایک بیڑا عکا پہنچ گیا جس میں فرانسیسی، انگریزی اور اطالوی افواج کی ایک بڑی تعداد تھی جن کا قائد ہنری اوف شیمپین تھا۔ اس کی آمد سے نصرانیوں کی ڈھارس ایک بار پھر بندھ گئی۔'' ۵

اس کے بعد یورپ سے امدادی افواج کا ایک تانتا بندھ گیا، کاؤنٹ اوف کلیر مونٹ، کاؤنٹ اوف شالون اور تھیبالٹ جیسے نامی گرامی نواب ساحل پر اترے۔ ہر ایک کی قیادت میں ایک منظم فوج تھی۔ ۵

---

۵ النوادر السلطانیہ: 202، 203

۵ ہیرالڈ لیم: ص 467 / محاربات صلاح الدین: ص 163

۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/310

کچھ ہی دنوں میں صلیبی افراد، اسلحے اور خوراک و رسد کے لحاظ سے اتنے مضبوط ہو گئے کہ گزشتہ ایک سال سے جاری صلیبی جنگ میں انہیں اتنی بڑی طاقت پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی لہٰذا اب وہ صلح کی بجائے عکا پر فیصلہ کن حملے کرنے پر تل گئے۔ مگر اس سے پہلے انہوں نے اس قسم کی باتیں پھیلا دیں جیسے وہ سلطان سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا چاہتے ہوں یا مسلمانوں کے کیمپ پر شب خون کی تیاری کر رہے ہوں۔ سلطان کے جاسوس غلط فہمی کا شکار ہو کر یہی خبریں لائے۔ کچھ پردیسی عیسائی دونوں طرف کے لشکروں میں آزادانہ گھوم پھر سکتے تھے۔ یہ تاجر، یا سیاح قسم کے لوگ تھے۔ مسلمانوں نے ان سے بھی ایسی اطلاعات سنیں۔ سلطان نے ان حالات میں امراء سے مشورہ کیا۔ چند روز قبل کے معرکے میں قتل ہونے والے صلیبیوں کی لاشوں کے گلنے سڑنے سے میدان جنگ میں سخت تعفن پھیلا ہوا تھا اس لیے امرائے لشکر ویسے بھی کیمپ کو پیچھے لے جانا چاہتے تھے۔ اب صلیبیوں کے عزائم کی سن گن سے اس رائے کو اور تقویت ملی۔ ویسے بھی مسلمان صلیبیوں کی چھاؤنی کو مسخر کرنے میں اب تک ناکام رہے تھے، انہیں فیصلہ کن شکست دینے کا ایک ہی ممکنہ راستہ تھا، وہ یہ کہ میدان جنگ میں بھرپور معرکہ ہو اور ایسے بڑے معرکے کے لیے میدان کا دائرہ مزید کھلا چھوڑنا ضروری تھا تا کہ دونوں فریق پوری طاقت جھونک سکیں۔ [1]

لشکرِ اسلام کی عقب نشینی: 27 جمادی الاخریٰ 586ھ (یکم اگست 1190ء) کو مسلمان کوہِ خروبہ پر منتقل ہو گئے، میدانِ عکا میں صرف ایک ہزار نگران سپاہی رہ گئے جو فرنگیوں کی نقل و حرکت سے سلطان کو پل پل آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ادھر صلیبیوں کے پاس نیا اسلحہ اور قلعہ شکن آلات آ گئے تھے۔ سلطان کی افواج کا خطرہ بھی ذرا دور ہو گیا تھا۔ انہوں نے طے کیا کہ اب عکا پر فیصلہ کن حملہ کر دینا چاہیے۔ ہنری بہت ساری منجنیقیں لے کر آیا تھا جو کہ بہت بڑے پتھر پھینک کر فصیل کو شکستہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ عکا کے محاصرے میں فرنگی پہلی بار منجنیقیں استعمال کر رہے تھے۔ جب ان منجنیقوں کا حملہ شروع ہوا تو عکا کی فصیل لرزنے لگی۔ بھاری پتھروں کی مار سے دیواروں پر نشان پڑنے لگے۔ رجب کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ فرنگیوں کی منجنیقیں دن رات کسی خاص وقفے کے بغیر لگاتار سنگ باری کرتی رہیں اس کے ساتھ ساتھ دبابے اور دیگر فصیل شکن آلات بھی میدان میں لانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ [2]

عکا کا والی بہاؤالدین قراقوش اور محافظ اعلیٰ ابوالہیجاء سمین اس صورتحال سے بڑے متفکر تھے۔ انہیں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر سنگ باری اسی طرح جاری رہی تو فصیل میں شگاف پڑ جائے گا۔ آخر انہوں

[1] النوادر السلطانیہ: 201 [2] صلیبی جنگیں: 173_174

نے باہر نکل کر کسی بھی قیمت پر منجنیقوں کو نذر آتش کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک دن وہ فصیل کے دروازے کھول کر یکدم باہر نکل آئے۔ پل ڈال کر خندق عبور کی اور دشمن کی خیمہ گاہ میں گھس گئے۔ فرنگی اس اچانک اور تندوتیز حملے سے ایسے گھبرائے کہ انہیں اپنی منجنیقوں کی حفاظت کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ حملہ آوروں سے لڑتے رہے اور ادھر آتش گیر اسلحے سے لیس کچھ مجاہد منجنیقوں تک پہنچ گئے، انہوں نے آن کی آن میں انہیں آگ لگادی اور تیزی سے عکا کی طرف واپس دوڑ گئے۔ فرنگی گھبرا کر ادھر بھاگے مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مسلمان سپاہی بھی فرنگیوں کی بدحواسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بحفاظت واپس آ گئے۔ وہ کئی فرنگیوں کو قیدی بنا کر ساتھ گھسیٹ لائے تھے۔ میدان میں فرنگی اپنے ستر گھڑسواروں کی لاشیں دیکھ رہے تھے مگر انہیں منجنیقوں کی آتش زدگی کا زیادہ افسوس تھا کیونکہ ان کے بغیر عکا کی فتح ناممکن تھی۔ [1]

نامعلوم نواب۔ اسیر عکا: عکا کے جانباز جن قیدیوں کو پکڑ کر لائے تھے ان میں صلیبیوں کا ایک نامی گرامی نواب بھی شامل تھا، مسلمان اس سے واقف نہیں تھے۔ ادھر فرنگیوں نے دم لینے کے بعد جب اپنے افراد کا جائزہ لیا تو اس نواب کو کم پایا۔ جب وہ مقتولین میں بھی نہ ملا تو وہ سمجھ گئے کہ اسے قید بنالیا گیا ہے۔ اب انہوں نے مسلمانوں سے قیدیوں کی آزادی کی بات چیت شروع کر کے اچھا خاصہ زرفدیہ ادا کرنے کی پیش کش کی مگر یہ ظاہر نہ کیا کہ ان کا کوئی اہم ترین آدمی گرفتار شدگان میں شامل ہے۔ تاہم جس مسلمان نے فرنگی نواب کو گرفتار کیا تھا، وہ یہ گفتگو سن کر سمجھ گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو عکا کے امراء فرنگیوں سے کوئی معاہدہ کرلیں اور اس کے تحت اس دشمنِ اسلام کو رہائی مل جائے۔ چنانچہ اس نے صلیبیوں کو تڑپانے کے لیے، بات چیت کے نتیجہ خیز ہونے سے پہلے ہی اس نواب کو قتل کردیا۔ ادھر صلیبی بار بار فصیل کے قریب آ کر اصرار کررہے تھے کہ فدیہ لے کر قیدی ان کے حوالے کردیے جائیں، ان کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے اس نواب کی لاش فصیل پر لاکر رکھ دی۔ فرنگی ششدر رہ گئے۔ پھر ان میں کہرام مچ گیا۔ کوئی اپنے سر پر خاک ڈال رہا تھا، کوئی زمین پر لوٹ رہا تھا، اس کے بعد کئی دنوں تک ان پر سکوتِ مرگ کی کیفیت طاری رہی۔ [2]

یہ نواب کون تھا۔ صرف نواب تھا یا کوئی بادشاہ تھا، صلیبیوں کی آہ وزاری اور چھاؤنی میں سوگ جیسی خاموشی سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غالباً یورپ کا کوئی بادشاہ تھا۔ ممکن ہے وہ ایک دو دن پہلے پہنچا ہو اور عام فرنگیوں کو اس کی آمد کا پتا نہ لگا ہو یا وہ اس سے متعارف نہ ہوئے ہوں اس لیے صلیبی قیادت اس راز کو چھپانے میں کامیاب رہی۔ مسلمانوں کے جاسوس برسوں بعد بھی اس کا پتا نہ چلا سکے کہ وہ کس ملک

[1] النوادر السلطانیہ: 205 [2] النوادر السلطانیہ: 205

کا حاکم تھا۔ کسی وقائع نگار یا مؤرخ کو یہ بھید معلوم نہیں ہوسکا۔

اس واقعے کے بعد فرنگیوں کو ٹھنڈا پڑتا دیکھ کر نہ صرف عکا کے سپاہی بلکہ اردگرد کے بدو قبائل بھی بے خوفی سے صلیبی چھاؤنی پر حملے کرنے لگے۔ بدو سامانِ رسد چرانے، مویشی بھگا لے جانے اور ہرا کیلے دُکیلے کافر کو قتل کر دینے کی کارروائیوں میں جری ہو گئے۔ [1]

مارکوئیس انطاکیہ میں: ادھر نیا جرمن بادشاہ فریڈرک انطاکیہ میں قیام کے دوران وہاں کے امور پر حاوی ہوتا جارہا تھا۔ قلعہ اب اس کے قبضے میں تھا جہاں اس نے اپنا خزانہ منتقل کرادیا تھا۔ حاکمِ انطاکیہ مجبوراً ایک بڑے ملک کے حکمران کے نخرے برداشت کررہا تھا اور اس کے احکام دست بستہ بجالا رہا تھا۔ اس دوران صور کا گرگ باراں دیدہ کونرڈ مارکوئیس جرمن بادشاہ کی آؤ بھگت کے لیے ایک فوج کے ساتھ انطاکیہ پہنچ گیا۔ یورپ میں صلیبی جنگ کی آگ بھڑکانے اور شاہانِ یورپ کو حملے پر آمادہ کرنے میں مارکوئیس اور صور کے بڑے پادری ولیم آف ٹائر کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس لیے مارکوئیس نے بذاتِ خود یورپ کے ایک بڑے فرماں روا کے استقبال کے لیے جانا ضروری سمجھا۔ اس طرح وہ اس کا منظورِ نظر بن کر مستقبل میں شام کی سیاست پر زیادہ اثر انداز ہوسکتا تھا۔ جرمن حکمران نے جو اپنی فوج کے بے پناہ جانی ومالی اتلاف سے شکستہ ہمت ہو چکا تھا مارکوئیس کے انطاکیہ پہنچنے سے دوبارہ حوصلہ پایا۔ [2]

جرمنوں کا حشر نشر: 15 رجب 586ھ (18 اگست 1190ء) کو جرمن حکمران نے ہزاروں سپاہیوں کے ہمراہ سمندر کے کنارے کنارے عکا کا رخ کیا۔ دراصل حلب اور حماۃ کی محافظ افواج کے ہاتھوں جرمنوں کی جو گت بنی تھی اس نے جرمن حکمران کو خوفزدہ کررکھا تھا، اس لیے وہ عام شاہراہوں سے کنی کترا کر جارہا تھا۔ اس کے باوجود تقی الدین عمر اس کے انطاکیہ سے نکلتے ہی چوکنا ہوگیا۔ اس نے حماۃ کی فوج کو ساتھ لیا جو شمالی محاذ کے لیے عکا کے معسکر سے بھیجی جانے والی افواج کا ہراول دستہ تھی۔ تقی الدین عجلت کی وجہ سے الملک الظاہر کے زیرِ قیادت حلب کی فوج کا انتظار نہ کرسکا اور انہی سپاہیوں کو لے کر ساحل پر آگیا۔ تقی الدین عمر کے سپاہی تعداد میں بہت کم تھے لہٰذا کھلے میدان میں صف آرا ہونے کے بجائے گوریلا کارروائیاں ہی مؤثر تھیں۔ تقی الدین نے فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بانٹ جرمن فوج کے پہنچتے ہی چھاپہ مار حملے شروع کردیے۔ یہ مجاہدین برابر جرمنوں کی تاک میں رہتے، تند وتیز حملے کرتے، رسد لوٹتے اور بھولے بھٹکے سپاہیوں کو گرفتار کرلیتے۔ [3]

[1] النوادر السلطانیۃ: 205

[2] النوادر السلطانیۃ: 208

[3] النوادر السلطانیۃ: 208

ادھر وادیٔ عکا میں جرمنوں کے کوچ کی خبر سے ایک ہل چل مچ گئی تھی۔ سلطان کے خاص مصاحبین کی تشویش سب سے بڑھ کر تھی۔ خود قاضی ابن شداد پریشان ہو گئے تھے۔ مگر سلطان ایوبی کا حوصلہ جوان تھا۔ ابن شداد کہتے ہیں:

"جب میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں نہایت بااعتماد اور پرعزم پایا۔ وہ اللہ کی قوت پر اعتماد کی دولت سے آراستہ اور پوری شدت کے ساتھ آمادۂ پیکار نظر آرہے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل کی گھٹن جاتی رہی اور مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدا کی نصرت خاص ان کے شامل حال ہے۔"[۵]

انطاکیہ سے طرابلس تک کے درمیانی وسیع علاقے میں ساحل پر نصرانیوں کا کوئی شہر نہ تھا۔ سلطان صلاح الدین دو سال قبل یہ علاقے فتح کر چکے تھے۔ یہاں کی دونوں اہم بندرگاہیں جبلہ اور لاذقیہ مسلمانوں کے پاس تھیں۔ اس علاقے میں حماۃ کے سپاہی تقی الدین عمر کی کمان میں لگاتار کارروائیاں کر رہے تھے۔ انہوں نے جرمن لشکر کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ اگر الملک الظاہر کی افواج بھی بروقت یہاں پہنچ جاتیں تو جرمنوں کو وہیں گھیر کر بالکل ختم کر دیا جاتا۔ سلطان کو تقی الدین عمر کے مخبروں کے ذریعے برابر خبریں مل رہی تھیں کہ کس طرح جرمن انطاکیہ سے نکلے اور کس طرح وہ خود کو محفوظ کرتے ہوئے ساحل کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ مجاہدین کس طرح ان پر حملے کر رہے ہیں۔ جرمن کس بدنظمی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کے سپاہی بے دم اور گھوڑے خستہ حال ہیں۔[۵]

ایک مخبر نے لکھا:

"لاذقیہ اور جبلہ کے درمیان ساٹھ سے کچھ زیادہ جرمن گھڑسواروں کو ایک جگہ سے گزرتے دیکھا جو مرنے کے قریب معلوم ہوتے تھے۔ بھوک کی وجہ سے ان کے جسموں پر گوشت کی بجائے صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں۔"

ایک اور مخبر کا خط آیا جس نے بتایا:

"جرمن پیادے اور گھڑسوار اب صرف پانچ ہزار کی تعداد میں باقی رہ گئے ہیں۔"

قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اس موقع پر نہایت مسرت کے ساتھ تحریر کرتے ہیں:

"دیکھیے تو سہی اللہ نے اپنے دشمنوں کا کیسا حشر کیا۔"[۵]

---

۵ النوادر السلطانیہ، ص: 209

۵ النوادر السلطانیہ، ص: 209

۵ النوادر السلطانیہ، ص: 209

شہید ہو کر بھی فرض ادا کیا: عکا بدستور سخت محاصرے میں تھا۔ مگر ان ایام میں بھی تیراک جان پر کھیل کر عکا سے رابطے بحال کیے ہوئے تھے۔ ان میں عیسیٰ عوّام نامی ایک ماہر تیراک کے کارنامے غیر معمولی تھے۔ وہ موم جامہ (واٹر پروف) کیے ہوئے اہم خطوط اور اخراجات کے لیے رقم کمر سے باندھ کر سمندر میں غوطہ لگاتا اور عکا کا محاصرہ کرنے والے فرنگی جہازوں کے نیچے سے گزرتا ہوا، عکا کی بندرگاہ کے قریب جا کر نمودار ہوتا۔ امانتیں پہنچا کر وہ عکا سے ایک پیام بر کبوتر اڑا دیتا جو سلطان کے معسکر میں جا کر اترتا، اس سے وہاں کے افسران کو عیسیٰ کے بخیر و عافیت عکا پہنچنے کا اطمینان ہو جاتا۔

رجب کے آخری ایام تھے، ایک دن عیسیٰ کی روانگی کے بعد بہت دیر تک قاصد کبوتر نہ آیا۔ سلطان کے افسران کو خدشہ محسوس ہوا کہ وہ راستے میں کسی حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ اس دن عیسیٰ نہایت اہم خطوط اور تین تھیلیوں میں ایک ہزار دینار کی خطیر رقم ساتھ لے کر گیا تھا اس لیے افسران کی پریشانی بجا تھی۔ بعض لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ دینار لے کر بھاگ گیا ہے۔ بعض سوچ رہے تھے کہ یہ غیر معمولی اہمیت کی چیزیں کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ گئی ہوں۔

مگر عیسیٰ دھوکہ باز نہیں تھا۔ وہ فرار ہوا تھا نہ گرفتار۔ وہ اللہ کی راہ میں جان قربان کر چکا تھا۔ کئی دن بعد عکا کے مسلمان ساحل سمندر پر نگاہیں جمائے کھڑے تھے کہ اچانک سمندر کی لہروں نے ایک بھاری جسم کو کنارے پر اچھال دیا۔ لوگ دوڑ کر گئے۔ دیکھا تو وہ عیسیٰ تھا۔ موم جامہ کیے ہوئے خطوط اس کی کمر کے ساتھ بحفاظت بندھے ہوئے تھے۔ دیناروں کی تھیلیاں بھی سلامت تھیں۔ بدگمانی کرنے والوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس حادثے کا شکار ہوا۔ ممکن ہے وہ کسی کشتی یا جہاز کے پیندے سے ٹکرا گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے فرنگیوں نے دیکھ لیا ہو اور ان کے حملے میں وہ زخمی ہو کر ڈوب گیا ہو۔ بہر کیف عیسیٰ نے شہید ہونے کے بعد بھی اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ شاید آخری لمحات میں اس نے حق تعالیٰ سے یہی دعا کی ہوگی۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

> ''اس کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے زندگی میں بھی امانتیں پہنچائی ہوں اور مرنے کے بعد بھی یہ ذمہ داری پوری کی ہو۔''[1]

بیروت کے جانباز ملاح: گزشتہ کئی ماہ سے عکا میں خوراک و رسد کا کوئی نیا ذخیرہ نہیں پہنچا تھا۔ آخری بار موسم بہار میں سامانِ رسد آیا تھا۔ اس کے بعد سمندر کی طرف سے محاصرہ اتنا سخت ہو گیا

[1] النوادر السلطانیہ: 206، 207

کہ کسی جہاز یا کشتی کا بندرگاہ میں داخل ہونا ناممکن ہوگیا تھا۔ شہر کے مغرب کی طرف سے تقریباً دس پندرہ میل دور تک فرنگیوں کے بحری جہازوں کا دائرہ تھا۔ اس کے بعد شہر کے قریب بھی صلیبیوں کی کشتیاں گشت کرتی رہتی تھیں۔ خشکی کی جانب سے عکا پہلے ہی گھرا ہوا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ دمشقی کے بقول محاصرہ ایسا تھا جیسے انگوٹھی نے انگلی کو اپنے حلقے میں لیا ہوا ہو۔

ماہ رجب 586ھ (اگست 1190ء) کے دوران عکا میں قحط کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ محصورین جو فرنگیوں کے محاصرے اور تعداد سے مرعوب نہیں تھے، بھوک سے لاچار ہونے لگے۔ اس دوران سلطان ایوبی مصر میں اسکندریہ کی بحری فوج کو پیغام بھیج چکے تھے کہ وہ جلد از جلد خوراک سے لدے ہوئے جہاز لے کر عکا پہنچے مگر ان کے آنے میں تاخیر ہوتی جا رہی تھی۔ آخر یہ ذمہ داری شام کے ساحلی شہر بیروت کے حاکم عزالدین اسامہ کو سونپی گئی کہ وہ ہنگامی طور پر دو تین ہفتے کی خوراک کا ذخیرہ عکا پہنچادے۔

ایک دن کئی بڑی بڑی کشتیاں بادبان کھولے شمال کی طرف سے نمودار ہوئیں جن پر صلیبی پرچم لہرا رہے تھے۔ وہ تیزی سے ساحل کے متوازی چلی جا رہی تھیں۔ کشتیوں کے عرشوں پر کٹے ہوئے خنزیر دور سے نظر آرہے تھے۔ زُنار باندھے ملاح اور یورپی وردیوں میں ملبوس ڈاڑھی منڈے سپاہی بے چین نگاہوں سے جنوب مشرق کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ڈھیلی ڈھالی عباؤں میں لپٹے ہوئے کچھ راہب بھی تھے۔ ان کی نگاہیں عکا کی بھوری دیوار پر گڑی تھیں جہاں انہیں ہر قیمت پر پہنچنا تھا۔ یہ نصرانیوں کے بہروپ میں بیروت کے سپاہی تھے جبکہ بیروت کے چند ذمی عیسائی بھی ان کے ساتھ تھے۔ حاکم بیروت عزالدین کو جب سلطان کا پیغام پہنچا تھا کہ جلد از جلد عکا کو رسد پہنچائی جائے تو اس مردِ دانا نے فرنگیوں سے چھینی گئی چند بڑی کشتیوں کو جو خاصی مدت سے بیروت کی بندرگاہ پر تھیں، سلطان کے حکم کے مطابق مرمت کرا کے اس مہم کے قابل بنایا، اس کے سپاہیوں نے فرنگیوں کا بھیس بدلا تاکہ وہ عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبی جہاز رانوں کو دھوکہ دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجائیں۔

یہ مجاہدین محصورینِ عکا کے لیے غذا کی چار سو بوریوں سمیت انواع و اقسام کا غلہ لیے جا رہے تھے۔

لیکن ابھی وہ منزل سے ذرا دور تھے کہ انہیں ایک عجیب مشکل نے گھیر لیا۔ ہوا یہ کہ اس وقت فرنگیوں کی کچھ کشتیاں ساحل پر اپنی چھاؤنی کی طرف جا رہی تھیں۔ وہ اتفاق سے اسی وقت ادھر آنکلی تھیں اور اب بیروت والوں کے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھیں۔ بیروتی ملاحوں کے لیے ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا تھا۔ اگر وہ ان کو آگے نکلنے کا موقع دینے کے لیے رکتے تو شک کی زد میں آجاتے۔ اگر ان کے ساتھ چلتے رہتے تو جب وہ عکا کی بندرگاہ کی طرف مڑتے تو فرنگی سمجھ جاتے کہ یہ مسلمان ہیں اور

محصورین کی مدد کے لیے بندرگاہ میں داخل ہو رہے ہیں، تب وہ انہیں روکنے کی پوری کوشش کرتے۔
بہرکیف مسلمانوں نے اپنا اضطراب ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنی کشتیاں معمول کی رفتار سے چلاتے رہے۔ فرنگیوں کی کشتیاں ذرا فاصلے سے پیچھے پیچھے تھیں۔ آخرکار وہ عکا کے قریب پہنچ گئے جہاں شہر کی بندرگاہ سے پہلے فرنگی بحری بیڑا لنگر انداز تھا۔ اب بیروت کے مجاہدین کو ان جہازوں کے کڑے پہرے سے گزرنا تھا۔ انہوں نے بڑی دانائی سے کام لیتے ہوئے اس خطرناک مرحلے کو طے کیا۔ فرنگی ان کی کشتیوں پر بڑی بڑی صلیبیں، ڈاڑھی منڈے سپاہی، صلیبی وردیوں والے ملاح اور خنزیروں کا گوشت دیکھ کر نہ صرف مطمئن بلکہ خوش بھی ہوئے کہ غلے اور گوشت کی تازہ کھیپ آئی ہے۔ مگر کشتیوں کے رخ سے انہوں نے کچھ خدشہ محسوس کرتے ہوئے اچانک پوچھ لیا:
''تم عکا کی بندرگاہ کی طرف جا رہے ہو ناں؟''
یاد رہے کہ عکا کی بندرگاہ اب تک مسلمانوں کے پاس تھی۔
اس سوال کے جواب میں اگر کہا جاتا: ''نہیں'' تو فرنگی پہرے دار مزید شک میں پڑ جاتے اور ضرور پوچھتے:
''پھر تمہارا رخ اُدھر کیوں تھا؟''
لہٰذا بیروت کے ایک سپاہی نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے فوراً کہا:
''ہاں ہاں مگر کیا ہوا! کیا تم نے عکا فتح نہیں کر لیا۔''
اس طرح اس نے یہ تاثر دیا کہ انہیں عکا کے محاذ کی صورتحال کا کوئی علم نہیں ہے۔
''نہیں! شہر ابھی تک فتح نہیں ہوا'' جہازرانوں نے منہ بنا کر جواب دیا۔
''اچھا تو پھر ہم سیدھے لشکر کی طرف ہی جاتے ہیں۔ ہمارے پیچھے کچھ اور کشتیاں بھی آ رہی ہیں۔ انہیں خبردار کر دو کہ وہ شہر کی بندرگاہ کی طرف نہ جائیں۔''
یہ کہہ کر ملاح تیزی سے کشتیاں آگے لے گئے۔ فرنگی جہازراں کھلے سمندر کی طرف دیکھنے لگے تاکہ دوسری کوئی کشتی آتی دکھائی دے تو اسے بھی متنبہ کر دیں کہ وہ شہر کی بندرگاہ کا رخ نہ کرے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ نامعلوم کس کم بخت نے عکا کی فتح کی خبر اڑا دی ہے۔ خواہ مخواہ ہماری کشتیاں بندرگاہ کی طرف جانے لگی تھیں۔
تھوڑی دیر میں پیچھے آنے والی صلیبی کشتیاں بھی وہاں پہنچ گئیں۔ پہرے دار جہازراں چیخ چیخ کر انہیں خبردار کرنے لگے کہ عکا کی طرف مت جانا، وہ ابھی تک مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ آنے والے صلیبیوں کو پہرے داروں کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔ کیونکہ یہ بات تو ہر کسی کو معلوم تھی کہ عکا

ناقابلِ تسخیر ثابت ہو رہا تھا۔

آپس میں کچھ دیر الجھنے کے بعد انہوں نے پلٹ کر ساحل کی طرف دیکھا تو آگے جانے والی کشتیاں بادبان کھولے موافق ساحلی ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ عکا کی بندرگاہ کی طرف اڑی جارہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ برج الذباب تک پہنچ گئیں۔ فرنگیوں نے اپنی کشتیوں کے پتواروں کو تیزی سے حرکت دے کر ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ وہ اب بھی اس گمان میں تھے کہ اگلی کشتیوں میں ان کے عیسائی ساتھی ہیں، اس لئے وہ چلارہے تھے:

''ارے بھائیو! تم غلط راستے پر جارہے ہو۔''

ان کی چیخ و پکار کے بعد بھی اگلی کشتیاں رکنے میں نہ آئیں تو انہوں نے تعاقب شروع کردیا۔ تاہم اس وقت تک انہیں بہت دیر ہو چکی تھی۔ مسلمان عکا کی بندرگاہ کے پاس پہنچ چکے تھے، انہوں نے تعاقب میں آنے والی ایک کشتی کو ڈبو دیا اور فوراً بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔ برج الذباب کی زنجیر گرا کر کھاڑی کا منہ بند کردیا گیا تھا۔ فرنگی دیکھتے ہی رہ گئے۔ یہ ماہ رجب 586ھ کے آخری عشرے کا واقعہ ہے۔

اس دن عکا کی بندرگاہ پر عید کا سماں تھا۔ کشتیوں سے اتارے جانے والے سامان میں گندم کی چار سو بوریاں، چربی، پنیر اور پیاز کے ٹوکرے، گوشت کے خشک پارچے، تازہ گوشت کے لیے زندہ بکریاں اور دیگر غذائی اجناس سمیت بہت کچھ تھا۔ اس کے علاوہ تیروں کے گٹھے اور روغن نفط کے پیپے بھی تھے۔ [1]

حالات کے اس اعصاب شکن اتار چڑھاؤ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا عزم واستقلال ذرا بھی کم نہیں ہوا تھا۔ ان کا اعتماد و توکل حد درجے بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔ ان کے چہرے پر بشاشت رہتی تھی، ان کا دل قوتِ یقین سے لبریز اور تسلیم و رضا کی دولت سے مالا مال تھا۔ وہ اپنی عبادات معمول کے مطابق انجام دے رہے تھے، لشکریوں کے معاملات و مسائل کو دیکھ رہے تھے، عوامی نمائندوں سے مل رہے تھے، ملاقات کے لیے آنے والے علماء وفقہاء، صوفیاء اور درویشوں کو برابر وقت دے رہے تھے۔ واقعی وہ اپنی ذات میں ایک عجوبہ تھے۔ [2]

بحری جہازوں کی جنگ: بیروت سے آنے والا سامان ہنگامی وقت کے لیے تھا۔ سپاہیوں اور شہریوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ استعمال کیا مگر وہ تین ہفتوں کے اندر ختم ہونے کو آگیا۔ شعبان کا دوسرا عشرہ شروع ہوتے ہی عکا کو پھر خوراک و رسد پہنچانے کی شدید ضرورت پڑ گئی۔ والیٔ شہر بہاؤالدین قراقوش اور امیر بحریہ حسام الدین لؤلؤ نے سلطان کو خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے بتایا کہ شہر

[1] النوادر السلطانیہ:206 [2] النوادر السلطانیہ:209

میں موجود غذائی ذخیرہ صرف 15 شعبان (17 ستمبر) تک کام دے سکتا ہے۔اس کے بعد کچھ نہیں بچے گا۔سلطان نے اس پریشان کن خبر کو کسی قریبی ساتھی پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔خطرہ تھا کہ اگر یہ بات پھیل گئی تو ادھر لشکرِ اسلام کی ہمت پست ہوجائے گی اور اُدھر فرنگیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ [1]

سلطان ایوبی اسکندریہ کے بیڑے کے منتظر تھے جو خوراک لے کر مصر سے روانہ ہو چکا تھا۔امید تھی کہ اس کی آمد سے اہل عکا کی فوری پریشانی دور ہوجائے گی۔14 شعبان 586ھ (16 ستمبر 1190ء) کا دن اہلِ عکا پر نہایت بھاری تھا۔لوگ خوراک کے آخری ٹکڑے نگل رہے تھے۔سلطان کی جانب سے کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا۔لوگ سوچ رہے تھے۔نہ معلوم کل کیا ہوگا؟ سپاہی اور شہری کتنے دن بھوک برداشت کر پائیں گے؟ شاید عکا کو سرنگوں ہونا پڑے گا۔

سہ پہر کے وقت سمندر میں کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔لوگ عکا کے برجوں اور سمندر کی طرف قائم بلند فصیل پر چڑھ گئے۔جنوب کی سمت نیلے سمندر پر تین دھندلے سے دھبے دکھائی دے رہے تھے۔ لوگوں کے دل خوشی سے دھڑکنے لگے۔

''شاید اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آن پہنچی ہے۔عکا ہتھیار نہیں ڈالے گا۔''

یہ اسکندریہ سے آنے والے تین بحری جہاز تھے۔ان میں خوراک کے اتنے بڑے ذخائر لدے ہوئے تھے جو محصورین عکا کو پورے جاڑے میں کام دے سکتے تھے۔مگر اس بار بیڑے کا بندرگاہ میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔فرنگی بیروت کی کشتیوں سے دھوکا کھانے کے بعد بہت چوکنا ہو گئے تھے۔انہوں نے جوں ہی اسکندریہ کے جہازوں کو عکا کی طرف بڑھتے دیکھا فوراً مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔شمال کی طرف سے صلیبی جنگی جہاز جنوب کی طرف بڑھنے لگے،ادھر اسکندریہ کے بیڑے نے ہوا کی موافقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلے بادبانوں کے ساتھ تیزی سے مشرق کا رخ کیا اور عکا سے قریب تر ہونے لگا۔فرنگی جہاز رانوں کی کوشش تھی کہ اسکندریہ کے بیڑے کو برج الذباب تک پہنچنے سے پہلے پہلے تباہ کر دیا جائے۔جبکہ اسکندریہ کے سپاہی مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے کسی بھی قیمت پر برج الذباب تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے،دونوں طرف سے سلاخ دار تیر چل رہے تھے،سنگ باری ہو رہی تھی۔مسلمانوں کی کوشش تھی کہ پے در پے حملوں سے صلیبی جہازوں کو قریب آنے کا موقع نہ دیں مگر فرنگیوں کے جہازوں کو نہ روکا جاسکا۔وہ نیم دائرے میں پھیل کر گھیرا ڈالنے لگے اور آخر کار دائرہ مکمل کر کے تینوں جہازوں کو مکمل نرغے میں لے لیا۔

اسلامی بیڑے نے آخری کوشش کے طور پر مشرق کی طرف کھڑے جہازوں کو ٹکر مار کر ہٹانے کی کوشش کی

[1] النوادر السلطانیہ:210

مگر انہیں نکلنے کا کوئی راستہ نہ مل سکا۔ مسلمانوں کے پاس اب دوبدو جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ اسلامی بحریہ کے سپاہی سرکس کے مداریوں کی طرح بلند و بالا مستولوں پر چڑھ گئے اور بادبانوں کے رسوں سے لٹک کر فرنگیوں کے جہازوں پر کودتے چلے گئے۔ وہ ایک ہاتھ سے رسا تھام کر دوسرے ہاتھ میں تلوار لہراتے ہوئے بڑے ماہرانہ انداز سے دشمن کے جتھے پر جا گرتے۔ یوں دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ دشمن سے نجات کا اب یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا۔ مسلمان جس جہاز کے عملے کا صفایا کرتے اسے راستے سے ہٹا کر ایک طرف کر دیتے اور اسلامی بیڑے کو ذرا سا آگے نکلنے کا راستہ مل جاتا۔ ادھر یہ خوناک جنگ جاری تھی۔ ادھر عکا کے مسلمان فصیل پر جمع ہو کر بحری لڑائی کا یہ ہولناک منظر دیکھ رہے تھے:

''اللہ اکبر اللہ اکبر''

وہ بیک آواز یہ نعرہ بلند کرتے جس کی گونج سمندر میں دور دور تک سنائی دیتی۔ سمندر میں لڑنے والی سپاہ مصر کا جوش و خروش اور بڑھ جاتا۔ ''لا الہ الا اللہ''

فصیلِ عکا سے ہزاروں مسلمانوں کا ولولہ خیز نعرہ ابھرتا اور بحری مجاہدین ایک نئی روح کے ساتھ لڑنے لگتے۔

سلطان صلاح الدین بحری معرکے کے آغاز ہی میں ساحل سمندر پر پہنچ گئے تھے۔ ان کی بے چینی اور تشویش اپنے سپاہیوں اور مصاحبین سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھی کیونکہ عکا کی اندرونی حالت کا علم ان کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ یہ عکا کی فتح و شکست کا معرکہ تھا۔ اگر رسد پہنچانے کی یہ کوشش ناکام ہو جاتی تو عکا اگلے دن سے فرنگیوں کے رحم و کرم پر ہوتا۔

اس وقت ایک طرف سلطان نہایت عجز و نیازی کے ساتھ اپنے رب کے حضور سراپا دعا تھے، دوسری طرف عکا کے سفید ریش بزرگ اور دلیر جوان ننگے سر بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے، گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ ان کی ایک ہی دعا تھی کہ بحری بیڑہ صحیح سلامت بندرگاہ تک پہنچ جائے۔ دل سے نکلی ہوئی یہ دعائیں سیدھی عرش تک پہنچ رہی تھیں۔ عصر کے وقت مسلمانوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ اسکندریہ کے تینوں بحری جہاز فرنگیوں کا گھیرا توڑ کر تیزی سے برج الذباب کی طرف آ رہے ہیں۔ اتنی زبردست جنگ اور توڑ پھوڑ کے باوجود تینوں جہاز صحیح سالم تھے اور سارا ذخیرۂ خوراک بھی محفوظ تھا۔ برج الذباب عبور کرنے کے چند منٹ بعد وہ بندرگاہ پر لنگر انداز ہو رہے تھے۔ یہاں جمع ہونے والے مسلمانوں نے ان کا بے مثال گرم جوشی سے استقبال کیا۔ قاضی ابن شداد کے بقول:

''انہوں نے ایسا استقبال کیا جیسا بنجر زمین بارش کا استقبال کر رہی ہے۔''[5]

---

[5] النوادر السلطانیہ: 210

واقعی لوگوں نے نئی زندگی پائی تھی۔ عکا سرنگوں ہوتے ہوتے بچ گیا تھا۔ سلطان کو بھی اب یہ اطمینان تھا کہ کم از کم موسم سرما اور برسات کے چار پانچ ماہ تک عکا کو کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں ہوگا۔

کاؤنٹ ہنری کی بڑی منجنیق ✽ ایک ماہ قبل عکا کے سپاہیوں نے دشمن کی منجنیقوں کو خاکستر کر دیا تھا مگر اس کے باوجود ایک جانب سے عکا پر بھاری بھر کم چٹانیں برسنے کا سلسلہ جاری تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن فرنگیوں کی ایک منجنیق آتش زدگی سے بچ گئی تھی۔ اسے کاؤنٹ ہنری نے ڈیڑھ ہزار دینار کی لاگت سے تیار کروایا تھا اور یہ تمام منجنیقوں سے بڑی اور دور مار تھی۔ چونکہ یہ عکا سے خاصے فاصلے پر نصب تھی اس لیے اس دن مسلمان اس تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ مگر جس شام اسکندریہ کا مال بردار بیڑا فرنگی بیڑے سے ٹکرا کر عکا کی بندرگاہ میں داخل ہوا اسی شب عکا کے مجاہدین نے بڑی منجنیق کو بھی تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ شعبان کی 15ویں شب تھی جب آتشیں آلات سے مسلح کچھ مجاہدین تیزی سے فصیل عکا سے باہر نکلے۔ ان کے گرد سوار اور پیادہ سپاہیوں کا حفاظتی حلقہ تھا۔ یہ جانباز نہایت خاموشی سے آگے بڑھتے ہوئے اس بڑی منجنیق تک پہنچ گئے۔ چشم زدن میں روغن نفط کی ہانڈیاں پھینک کر منجنیق کو آگ دکھادی گئی۔ بڑی منجنیق جل اٹھی۔ اس کے ساتھ ایک ہلکی منجنیق بھی تھی، آگ کی لپیٹیں اس تک پہنچیں تو وہ بھی جلنے لگی۔ شعلے بلند ہوتے دیکھ کر صلیبیوں کے پڑاؤ میں کھلبلی مچ گئی مگر مجاہدین ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے بڑی سرعت سے دور نکل گئے۔ [1]

ایک اور کارنامہ ✽ چند دنوں کے بعد صلیبیوں نے پھر انگڑائی لی اور نئے سرے سے دو منجنیقیں بنانے لگے۔ ان کی عادت تھی کہ منجنیقوں کو نصب کرنے سے پہلے تیراندازی اور سنگ باری سے حفاظت کے لیے ایک خاص قسم کی چار دیواری بنایا کرتے تھے جس کی آڑ میں کھڑے ہو کر منجنیقیں چلائی جاتی تھیں۔ جب ان نئی منجنیقوں کو نصب کرنے کے لیے فرنگیوں نے حفاظتی چار دیواریاں بنانی شروع کیں تو عکا کے مسلمانوں نے زبردست تیراندازی شروع کر دی اور فرنگی کوشش کے باوجود فصیل کے اتنے قریب چار دیواریاں نہ بنا سکے جہاں سے فصیل پر تباہ کن مار ممکن ہوتی۔

تب انہوں نے ایک اور ترکیب آزمائی۔ فصیل سے بہت دور ایک متحرک حفاظتی پشتہ تیار کیا گیا۔ لکڑی کے بڑے بڑے تختوں کو جوڑ کر ان کے نیچے پہیے لگا دیے گئے۔ سامنے کی جانب گارے مٹی کی ایک بہت موٹی دیوار کھڑی کر دی گئی گویا یہ حفاظتی چار دیواری تھی۔ اب اس متحرک چار دیواری کو دھکیل کر آہستہ آہستہ فصیل کے اتنا قریب لایا گیا کہ جہاں سے منجنیقوں کی مار فصیل پر اثر کر سکے۔ یہاں اس پر دو منجنیقیں چڑھادی گئیں جو اب گارے مٹی کی مضبوط دیوار کے پیچھے بالکل محفوظ تھیں۔ چنانچہ ایک بار

[1] النوادر السلطانیہ: 205

پھر فصیل پر سنگ باری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ❶

شعلہ زن تیر: مٹی کی دیوار کے پیچھے چھپی ان دو منجنیقوں کو نشانہ بنانا بڑا مشکل تھا۔ عکا کے مسلمان تیر چلاتے تو وہ مٹی کے پشتے میں دھنس جاتے تھے۔ پشتے کے پیچھے کھڑے فرنگی جو منجنیق چلانے پر مامور تھے محفوظ رہتے تھے۔ عکا کے ذہین افسران کئی دنوں تک دشمن کی اس چال کا توڑ سوچتے رہے۔ ایک دن انہوں نے فصیل پر چرخی دار بڑی کمان نصب کی، اس پر لوہے کی سلاخ کے دیو پیکر تیر چڑھائے، تیروں کے پھلوں کو آتش گیر مادوں سے خوب تر کیا اور پھر آگ دکھائی۔ تیروں کی نوکوں سے شعلوں کی لپیٹیں بلند ہونے لگی۔ تب نشانہ بازوں نے دونوں تیر ایک ہی چرخی میں لگا کر نشانہ باندھا اور لیور گھما دیا۔ چرخیاں زور سے حرکت میں آئیں۔ یہ ہیبت ناک تیر آسمانی بجلی کی طرح کوندتے ہوئے چرخی دار کمانوں سے نکلے اور مٹی کی دیوار کو چیرتے ہوئے ایک منجنیق میں پیوست ہو گئے، منجنیق نے فوراً آگ پکڑ لی اور دھڑا دھڑ جلنے لگی۔ فرنگیوں نے آگ بجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس دوران ہوا کے جھونکوں سے آگ نے دوسری منجنیق کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں منجنیقیں کوئلہ بن گئیں۔ ❷

برج الذباب پر حملہ اور اللہ کی نصرت: صلیبیوں کی ساری توجہ اب محصورین کو خوراک و رسد سے محروم رکھنے پر مرکوز ہو گئی جس کے لیے ضروری تھا بندرگاہ پر قبضہ کیا جائے تا کہ آئندہ کوئی کشتی یا جہاز وہاں تازہ امدادی کھیپ نہ اتار سکے۔ مگر فرنگیوں کے سامنے بندرگاہ کا محافظ "برج الذباب" ہر وقت سینہ تانے کھڑا رہتا تھا اس پر قبضہ کیے بغیر بندرگاہ میں داخلے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ برج الذباب عکا کی بندرگاہ سے ذرا دور سمندر میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ نہایت بلند اور مضبوط مینار تھا۔ اس کے بالائی حصے پر مسلح محافظ ہر وقت چوکنا رہتے تھے۔ برج اتنا مستحکم تھا کہ کسی طرح اسے محافظوں سے خالی کرانا ممکن نہیں تھا۔ انہی محافظوں کے پاس اس حفاظتی زنجیر کا لیور تھا جو عکا کی بندرگاہ کی طرف جانے والی کھاڑی میں لٹکی ہوئی تھی۔ برج کی حفاظت کے لیے حفاظتی زنجیر کے باہر مسلمانوں کی گشتی کشتیاں بھی تیار رہتی تھیں۔ ان انتظامات کو دیکھتے ہوئے فرنگیوں نے بہت سوچ بچار کے بعد تین دیو ہیکل کشتیاں تیار کیں۔ پہلی کشتی میں لکڑیاں، ایندھن اور آتشیں مادہ بھر دیا گیا۔ دوسری پر برج الذباب کی بلندی کے برابر ایک کھوکھلا مینار کھڑا کیا گیا۔ یہ مینار بھی ایندھن اور آتش گیر مادے سے پُر تھا۔ تیسری کشتی بکتر بند قسم کی تھی جس میں لوہے کی چادروں کا بنا ہوا ایک اتنا مضبوط کیبن تھا جس پر تیر، پتھر، آتش گیر کپیاں یا کوئی اور اسلحہ اثر نہیں کر سکتا تھا۔ کیبنوں میں داخل ہونے کے لیے تنگ دروازے اور ان سے باہر کا نظارہ کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ چھوڑ دیے گئے تھے۔

❶ الکامل لابن الاثیر: 10/196 ❷ النوادر السلطانیہ: 207

طے یہ ہوا کہ سب سے پہلے، پہلی کشتی کو برج الذباب کے پاس کھڑی مسلمانوں کی کشتیوں کے درمیان گھسا دیا جائے گا اور پھر اس پر جلتا ہوا ایندھن پھینکا جائے گا، اس طرح یہ کشتی خود تباہ ہوتے ہوئے مسلمانوں کی کشتیوں کو بھی جلا ڈالے گی پھر دوسری کشتی کو آگے بڑھایا جائے گا اور اس کے ایندھن بھرے مینار کو نذر آتش کر کے اسے برج الذباب سے ملا دیا جائے گا۔ برج بھی جل کر خاکستر ہو جائے گا اور اس کے محافظ کباب ہو جائیں گے۔ جو صلیبی ملاح ان دو کشتیوں کو ہدف تک پہنچائیں گے، وہ کشتیوں کے جلتے ہی سمندر میں کود کر بکتر بند کشتی میں آ جائیں گے۔ غرض یہ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ برج الذباب عکا کی بندرگاہ کی راہ کا پہلا اور آخری مورچہ تھا۔ اس کے تباہ ہونے کے بعد فرنگیوں کا ہر جہاز بندرگاہ تک پہنچ سکتا تھا۔ 22 شعبان 586ھ (24 ستمبر 1190ء) کو صلیبی اسی ترتیب کے مطابق برج الذباب کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے پہلی کشتی کو مسلمانوں کی کشتیوں سے ٹکرا دیا اور پھر اس پر جلتا ہوا ایندھن پھینکنے کی کوشش کی۔ ادھر دوسری کشتی جلتے ہوئے مینار کو لے کر برج الذباب کے پاس پہنچ گئی۔ مسلمان اس غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ایک لمحے کے لیے انہیں یقین ہو گیا کہ برج الذباب محافظوں سمیت مسخر ہونے کو ہے مگر اس لمحے کچھ بے تاب دعائیں عرش تک پہنچ چکی تھیں اور اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام حرکت میں آ گیا تھا۔ مغرب سے مشرق کو چلتی طوفانی ہوا نے یکدم رخ بدل لیا جس کی وجہ سے فرنگیوں کی پہلی کشتی جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی خود تو جلنے لگی مگر اس کے شعلے مسلمانوں کی کشتیوں کی طرف نہ جا سکے۔ اس پر سوار عیسائی سپاہی سمندر میں کود گئے اور مسلمان ملاحوں نے آگ بجھا کر اس پر قبضہ کر لیا۔

ادھر دوسری کشتی جس پر آگ اگلتا مینار نصب تھا برج الذباب کے پاس پہنچ گئی تھی مگر ہوا کا رخ یکدم تبدیل ہونے سے اس کے شعلے بھی برج کی طرف بڑھنے کی بجائے خود اسی کشتی کو جلانے لگے جس پر یہ مینار کھڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آتش زن مینار کشتی کے جلے ہوئے تختوں سمیت تنکوں کی طرح بہہ گیا۔

یہ خلاف توقع مناظر دیکھ کر بکتر بند کشتی کے سپاہی گھبرا گئے۔ انہوں نے افراتفری کے عالم میں کشتی کا رخ موڑ کر فرار ہونے کی کوشش کی۔ اس جلد بازی میں توازن بگڑ گیا اور کشتی ڈوبنے لگی۔ اس میں سوار سپاہی کیبن میں اس طرح بند تھے کہ ان میں سے کوئی بروقت باہر نکل کر خود کو بچا نہ سکا، یوں چند لمحوں کے اندر اندر وہ سب سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے اور فرنگیوں کا یہ منصوبہ بالکل ناکام رہا۔ ①

مجاڈ لکھتا ہے: ''ڈیوک آف آسٹریا کے سوا جس نے خون آلود سمندر میں کود کر اپنی جان بچائی، بقیہ تمام عیسائی غرق ہو گئے۔'' ②

① النوادر السلطانیۃ: 210_211_212

② مجاڈ ص 468 بحوالہ حیات صلاح الدین: ص 169

فصل:7

موسم خزاں کے معرکے

نیا جرمن بادشاہ فریڈرک طرابلس میں ٹھہر کر اپنی تتر بتر فوج کے جمع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کو اطلاع بجھوادی تھی کہ وہ عن قریب ان کے پاس آرہا ہے۔عکا کے عام صلیبی تو اس خبر سے خوش تھے مگر ان کے قائدین میں کچھ تشویش پیدا ہوگئی۔اس وقت ان صلیبیوں میں رتبے کے لحاظ سے یروشلم کا سابق باشاہ گائی سب سے بڑا تھا مگر چوں کہ وہ بذات خود کوئی ہوشیار اور متحرک آدمی نہیں تھا اس لیے عملاً اس کا بھائی جیفرے اوف لوسگنان سیاہ سفید کا مالک تھا۔جیفرے کو اندازہ تھا کہ جرمنی جیسی طاقور مملکت کے باشاہ کے یہاں آنے کے بعد اس کا کردار ثانوی رہ جائے گا اس لیے وہ خاصا ناخوش تھا۔

شعبان 586ھ (ستمبر 1190ء) کے آخری دنوں میں فریڈرک بچے کچے جرمنوں کو ساتھ لے کے عکا کے لیے روانہ ہوا۔اسے ساحلی شاہراہ پر مسلمانوں کی ترک وتاز کا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے سپاہیوں کو بحری جہازوں میں سوار کر دیا گیا مگر ابھی جرمنوں کی بدقسمتی کے دن باقی تھے۔سفر کے آغاز ہی میں ہوا کے تیور بگڑ گئے اور تین جہاز اپنے مسافروں سمیت ڈوب گئے۔باقی جہاز بمشکل واپس مڑے اور دوبارہ طرابلس کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔کچھ دنوں بعد ہوا موافق نظر آئی تو جرمنوں نے دوبارہ سفر شروع کیا گیا۔[1] صور پہنچ کر کونرڈ مارکوئیس اور شاہِ جرمنی وہیں ٹھہر گئے اور باقی لشکر کو عکا روانہ کر دیا گیا جس میں یورپ سے آئی ہوئی ایک ملکہ بھی شامل تھی۔

6 رمضان 586ھ (18 اکتوبر 1190ء) کو شاہِ جرمنی خود چند افراد کے ساتھ ایک جہاز میں صور سے عکا کے لئے نکلا اور اسی دن غروبِ آفتاب کے وقت عکا کے باہر فرنگیوں کی چھاؤنی میں پہنچ گیا۔اس کے سپاہی اس سے پہلے پہنچ چکے تھے۔مغربی مؤرخین کے مطابق یہ صرف دو ہزار افراد تھے جن کے پاس ساٹھ لاغر وخستہ حال گھوڑے تھے۔اپنے وطن سے اڑھائی لاکھ کے ٹڈی دل کے ساتھ چلنے والا جرمن

[1] الحروب الصلیبیۃ: 212، 213

لشکر محاذ پر پہنچتے پہنچتے ایک چھوٹے سے گروہ میں تبدیل ہوگیا تھا صلیبیوں کے لئے یہ نظارہ واقعی عبرتناک اور حوصلہ شکن تھا۔ [1]

جرمنوں کا ناکام حملہ: فریڈرک اگر چہ تھوڑے سے سپاہی لے کر آیا تھا مگر وہ یورپ کی ایک زبردست سلطنت کا حکمران تھا۔ یورپ کے بڑے بادشاہوں میں وہ پہلا شخص تھا جو محاذ پر پہنچا تھا اس لئے صلیبیوں کے ہاں اس کی آمد غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔ اپنے لشکر کی تباہی کے باوجود فریڈرک کا گھمنڈ باقی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے آنے پر کوئی ہل چل ہونی چاہئے۔ چنانچہ سفر کی تھکان اتارنے کے بعد اس نے گائی، جیفرے، اور دیگر صلیبی حکام کو مسلمانوں سے کھلے میدان میں لڑنے کے لئے ابھارا۔ سب نے اسے خطرناک اقدام قرار دیتے ہوئے شدید مخالفت کی۔

تب فریڈرک نے کہا:

''کم از کم مسلمان پہرے داروں کی چوکیوں پر حملہ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ جرمنوں کی مار کا مزا چکھ لیں۔''

پھر اس نے متکبرانہ لہجے میں کہا:

''سنی سنائی خبر اور آنکھوں دیکھی حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں نے ہماری دہشت کی خبریں صرف سنی ہیں، ہمارا تجربہ نہیں کیا۔

ضدی جرمن حکمران اپنے دو ہزار سپاہیوں کو لے کر چھاؤنی سے نکلا اور مسلمانوں کی پہرے دار فوج کی طرف بڑھا۔ دیگر صلیبی رؤساء اور نوابوں کے بہت سے سپاہی بھی اس موقع پر جرمنوں کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ چھاؤنی سے مشرق کی طرف کچھ دور جا کر نشیبی زمین شروع ہوتی تھی۔ پھر زمین یکدم بلند ہو کر ٹیلوں کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ یہی جگہ تل العیاضیہ تھی جہاں سلطان کے تقریباً ایک ہزار گشتی سپاہی خیمے لگا کے پہرہ دے رہے تھے۔ ان خیموں سے مزید چار پانچ میل دور مشرق میں کوہ خروبہ پر سلطان کا نیا معسکر تھا۔

جرمنوں نے نشیبی زمین عبور کی اور تل العیاضیہ پر جا پہنچے۔ اس دن پہرے پر سلطان کی خاصہ فوج کی باری تھی۔ انہوں نے جرمنوں کو آتا دیکھ کر کمانوں پر تیر چڑھا لئے اور نیزے سیدھے کر لیے۔ صلیبیوں نے حملہ کیا تو انہیں منہ توڑ جواب ملا۔ جرمن جو مسلمانوں کو اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانے آئے تھے مجاہدین اسلام کی شمشیروں کی نذر ہونے لگے۔ اس دوران برق رفتار مخبر سلطان کو جرمنوں کے حملے کی اطلاع دے چکے تھے۔ سلطان کی طبیعت بے حد ناساز تھی۔ گزشتہ چند سالوں سے وہ موسمِ سرما میں بیمار

[1] النوادر السلطانیہ:209

پڑ جاتے تھے اور حالت یہ ہوتی تھی کہ گھوڑے پر سوار بھی نہیں ہو سکتے تھے مگر جب فریڈرک کے حملے کی خبر سنی تو وہ غیر معمولی قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوئے اور کوہ خروبہ کی چھاؤنی سے نکل کر ایک دستے کے ساتھ سید ھا تل کیسان تک اتر آئے۔

سامنے عیاضیہ کے ٹیلوں پر گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ مجاہدین اب تک ثابت قدم تھے۔ ان کے مقابلے میں جرمن ہانپنے لگے تھے۔ اب جو انہوں نے سلطان کے امدادی دستوں کو آتے دیکھا تو ان کی سٹی گم ہو گئی۔ خود فریڈرک بھی بدحواس ہو گیا۔ اس نے فوراً گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ اس کے محافظ اسے حلقے میں لے کر تیزی سے چھاؤنی کی طرف نکل گئے۔ وہ بمشکل زندہ سلامت وہاں پہنچ سکا جبکہ اس کے دو ہزار سپاہیوں میں سے بڑی تعداد تہہ تیغ ہو گئی تھی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے صرف دو آدمی شہید ہوئے تھے، البتہ زخمیوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ [1]

صلیبیوں کے نئے ہتھیار، کبش اور سنور: فریڈرک اب صلیبی لشکر کے قائد کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی سے ہو رہا تھا۔ کھلے میدان جنگ میں مسلمانوں سے لڑنے کا تجربہ اسے بڑا مہنگا پڑا تھا لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ صلیبی پوری قوت عکا کی تسخیر پر لگا دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جرمن انجینئر اسلحہ سازی میں دیگر اقوامِ یورپ سے آگے تھے۔ فریڈرک نے عکا کو فتح کرنے کے لیے اپنے انجینئروں کی مہارت کو استعمال کیا۔ اس نے دو عجیب و غریب فصیل شکن مشینیں تیار کرانا شروع کیں۔ عرب مؤرخین ان میں سے ایک کو "کبش" اور دوسری کو "سنور" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عربی میں "کبش" کا مطلب ہے دنبہ اور "سنور" کا معنیٰ ہے بلی۔ یہ فصیل شکن آلات متواتر ضربوں سے فصیل کے نچلے حصے یا دروازے کو شکستہ کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ کبش کی ضرب ہتھوڑے کی طرح ہوتی تھی جبکہ سنور چھینی کی طرح کام کرتی تھی۔ اس قسم کی مشینیں مسلمانوں کے ہاں بھی استعمال ہوتی تھیں مگر جس ساخت اور نمونے سے فریڈرک انہیں تیار کرا رہا تھا اس کی پہلے کہیں مثال نہیں ملتی۔ مسلم مؤرخین کے مطابق یہ آلات فریڈرک ہی نے تیار کرائے تھے جب کہ مغربی مؤرخین کا کہنا ہے کہ انہیں بشب اوف بینکان اور فریڈرک نے مل کر تیار کرایا تھا۔ بہرحال دن رات کام کر کے یہ دونوں مشینیں نہایت تیزی سے صرف ایک ہفتے میں تیار کر لی گئیں۔ [2]

پیر 13 رمضان 586ھ (15 اکتوبر 1190ء) کا دن ہنگامہ خیز تھا۔ صلیبی ان دونوں خوفناک مشینوں کو میدان میں لے آئے تھے۔ مشینوں کے گرد فرنگی پیادے ڈھالیں اٹھائے اور نیزے تانے بڑھ

[1] النوادر السلطانیۃ: 213 [2] النوادر السلطانیۃ: 213، 214، صلیبی جنگیں: 188

رہے تھے۔ کبش لوہے کی ایک بلند دیوہیکل بکتر بند گاڑی تھی، جھونپڑی نما مضبوط چھت اسے تحفظ فراہم کرتی تھی۔ اس میں بیسیوں سپاہی سوار ہو سکتے تھے، اس کے اردگرد فولادی چادریں نصب تھیں، سامنے کی طرف موٹے رسوں کی حفاظتی چٹائی لٹکی ہوئی تھی تاکہ تیر اس میں الجھ کر اندر نہ جا سکیں۔ کبش کا زیادہ تر حصہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اسے نذرِ آتش کرنا بہت مشکل تھا۔ اس کے اندرونی حصے میں ایک بہت بھاری اور لمبا شہتیر نصب تھا۔ درجنوں سپاہی مل کر اسے آگے پیچھے حرکت دیتے تھے۔ شہتیر کا اگلا حصہ جو ہتھوڑا نما اور دنبے کے سر سے ملتا جلتا تھا، گاڑی سے آگے کو نکلا ہوا تھا، جب سپاہی اسے تیزی کے ساتھ آگے پیچھے حرکت دیتے تو یہ مصنوعی دنبہ فصیل کو زوردار ٹکریں رسید کرتا۔ متواتر ایسی ٹکروں سے فصیل شکستہ ہو سکتی تھی اور دروازے ٹوٹ سکتے تھے۔ سنور بھی اس قسم کی ایک بھاری بھرکم گاڑی تھی، مگر اس کی شکل بلی سے ملتی جلتی تھی۔ اس میں بھی کبش کی طرح کا شہتیر لگا ہوا تھا۔ فرق یہ تھا کہ اس شہتیر کا سر چھینی کی طرح نوک دار تھا۔ اس کی پے در پے ضربات سے بھی فصیل کو توڑا جا سکتا تھا۔

ان دونوں مشینوں کے ساتھ فرنگیوں نے عکا پر بھرپور حملہ کر دیا۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ فرنگی کبش اور سنور کو فصیل کے قریب لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عکا کی فوج تیروں اور آتش گیر ہتھیاروں سے مزاحمت کر رہی تھی۔ تاہم فرنگی قریب آتے چلے گئے۔ آتش گیر ہتھیاروں سے سنور اور کبش کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ جب وہ فصیل کے بالکل قریب آن پہنچے تو مسلمانوں نے ان مشینوں کو منجنیقوں کا نشانہ بنایا۔ بھاری پتھروں کی ضرب سے کبش کا بالائی حصہ کھل گیا۔ فوراً لکڑی کے گٹھے جلا کر اس پر پے در پے پھینکے گئے، یہ ترکیب کارگر رہی اور کبش نے آگ پکڑ لی۔ فرنگیوں میں کھلبلی مچ گئی، ان کی وردیاں آگ پکڑ چکی تھیں اور وہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر تڑپ رہے تھے۔ انہوں نے آگ بجھانے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اب عکا کے جانباز پھاٹک کھول کر باہر نکل آئے۔ انہوں نے تتر بتر ہوتے فرنگیوں کو گھیر گھیر کر قتل کیا۔ خندق میں اترنے والے فرنگی سورما دہیں مارے گئے۔ بھاگتے ہوئے فرنگی اسے بچانے کے قابل نہیں تھے۔

آگ کی لپٹ سنور تک پہنچی تو اس نے بھی آگ پکڑ لی اور فرنگی حسرت سے اپنے ہتھیاروں کو دیکھتے رہ گئے جنہیں وہ ایک بار بھی استعمال نہیں کر سکے تھے۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر'' عکا کی فصیل پر چڑھ کر جنگ کا نظارہ کرنے والے مسلمان بیک آواز بولے۔

''لا الہ الا اللہ'' فضا گونج اٹھی۔ ''الحمد للہ...... الحمد للہ......'' زبانوں پر خالق کی تعریف تھی۔

مسلمانوں کا ذوقِ تحقیق انہیں مجبور کر رہا تھا کہ وہ اس نئے نمونے کے کبش کی ساخت کا جائزہ لیں

کیونکہ ایسا زبردست اور مہیب نمونہ ان کے پاس نہیں تھا۔ ابھی کبش شعلوں میں گھرا ہوا تھا کہ مسلمانوں نے کنڈے دار زنجیریں ڈال کر اسے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسے خندق کے پل سے گزار کے عکا کے اندر لے گئے، اس پر متواتر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا رہا مگر آگ بجھنے کے بعد بھی کئی دن تک اس کی تپش باقی رہی۔ مسلمان انجینئر اور سائنسدان اس کے ایک ایک کل پرزے کا جائزہ لیتے رہے۔ اس میں شامل لوہے کا وزن کیا گیا تو وہ دس ہزار رطل تھا۔ کبش کا سر الگ کر کے سلطان ایوبی کی خدمت میں بھیج دیا گیا جہاں امرائے فوج اور دیگر حاضرین نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کا معائنہ کیا۔ [1]

شمالی افواج کی واپسی ❊ شمالی شام سے جرمنوں کے مقابلے میں سلطان کی فتح یاب افواج معسکر واپس پہنچنا شروع ہو گئی تھیں۔ حاکمِ شیزر سابق الدین اور سلطان کا چھوٹا بیٹا الملک الظاہر سپاہ کے کچھ دستوں کے ساتھ اسی دن حاضر خدمت ہوئے تھے جس دن کبش اور ستور کو نذرِ آتش کیا گیا تھا۔ ان فاتحین کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ سلطان ایوبی طبیعت کی ناسازی کے باوجود اس دن گھوڑے پر سوار ہو کر غازیوں کے خیر مقدم کے لیے نکلے۔ شہزادہ الملک الظاہر بابرکت شخصیت کے طور پر مشہور تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ جس محاذ پر پہنچتا ہے وہاں فتح کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس دن اس کے آتے ہی فرنگیوں کو شدید ہزیمت اٹھانا پڑی تھی اور ان کے جدید ترین ہتھیار تباہ ہو گئے تھے، اس سے سلطان صلاح الدین کو بے حد خوشی ہوئی۔ [2]

برطانوی فوج کی آمد ❊ انہی ایام میں فرنگیوں کی مدد کے لیے انگریزوں کے ابتدائی دستے پہنچ گئے۔ برطانیہ کے اس بحری بیڑے کی قیادت کنٹربری کا نامور لاٹ پادری بالڈون اور سالسبری کا پادری کر رہے تھے۔ وہ سپاہیوں کے علاوہ سامانِ رسد اور نقد روپے بھی لائے تھے۔ پہلے وہ ''صور'' پہنچے تھے اور پھر وہاں سے 12/ اکتوبر (10 رمضان) کو عکا کے ساحل پر اترے تھے۔ انہوں نے چھاؤنی میں اعلان کیا کہ عن قریب شاہِ انگلستان رچرڈ اور شاہِ فرانس فلپ آگسٹس بھاری بھرکم لشکروں کے ساتھ عکا پہنچنے والے ہیں۔ اس خوشخبری سے تھکے ہارے صلیبیوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا اور وہ جلد از جلد عکا کو فتح کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ [3]

برج الذباب کا دوسرا معرکہ ❊ شاہِ جرمن سمندر سے بھی عکا پر حملے کروا رہا تھا۔ برج الذباب پر حملے کے لیے اس نے ایک نئے انداز کا بحری جہاز تیار کرایا۔ اس کے عرشے پر چھت ڈال کر اوپر ایک

[1] النوادر السلطانیۃ: 214، 215، 216؛ الروضتین: حوادث 586ھ، بحوالہ الفرج الی ما
[2] النوادر السلطانیۃ: 216
[3] الکامل فی التاریخ: 197/10

بلند مستول کھڑا کیا گیا جس کے ساتھ کشادہ تختے نصب تھے۔ان تختوں کے ساتھ مشینی پل لگے ہوئے تھے جنہیں ہاتھی کی سونڈ کی طرح ادھر ادھر گھمایا اور اوپر نیچے کیا جاسکتا تھا۔اس پُل دار جہاز کے ساتھ فرنگیوں کی جنگی کشتیاں کئی بار برج الذباب پر حملہ آور ہوئیں۔فرنگی بحری طاقت میں فوقیت رکھتے تھے اس لیے مسلمانوں کی کشتیوں کو دھکیل کر برج الذباب کا محاصرہ کر لیتے تھے۔اس دوران پل دار جہاز برج الذباب کے قریب آجاتا اور مستول کے تختوں پر سپاہی چوکنا ہو جاتے۔ملاح معلق پلوں کو چرخی دار مشینوں کے ذریعے حرکت میں لاتے اور پلوں کو آگے کو جھکاتے چلے جاتے۔ان کی کوشش ہوتی کہ پلوں کے سرے برج الذباب پر اٹک جائیں اور سپاہی پلوں سے ہو کر برج الذباب پر چڑھ جائیں مگر مسلمان ہر بار جان کی بازی لگا کر ان کارروائیوں کو ناکام بنا دیتے۔

مسلمانوں نے دو دن تک برج الذباب میں مدافعانہ جنگ لڑنے کے بعد بدھ 15 رمضان 586ھ (17 اکتوبر 1190ء) کو جارحانہ حملے کا آغاز کیا۔ان کی کشتیاں صلیبی جہازوں کا محاصرہ توڑ کر آگے نکل گئیں اور پل دار جہاز کے قریب جا پہنچیں۔مسلمانوں نے اپنا آزمودہ ہتھیار روغنِ نفط استعمال کیا۔روغن کی درجنوں بوتلیں ٹیکنالوجی کے اس شاہکار جہاز پر ماردی گئیں اور پھر آگ کے تیر پھینکے گئے؛ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سمندری بلا جل کر بھسم ہوگئی۔

فریڈرک نے اپنی ایجاد کی تباہی کی خبر ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ سنی۔اس پر مایوسی کا وہ عالم طاری تھا جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔[1]

حاکمِ انطاکیہ کی ہزیمت: اس سے اگلے دن مسلمانوں کو پیغام رساں کبوتر کے ذریعے ایک اور اچھی خبر ملی۔حاکمِ انطاکیہ بوہیمنڈ نے شمالی شام سے سلطانی افواج کی واپسی کے بعد سرحدی دیہاتوں پر یلغار شروع کر دی تھی۔الملک الظاہر کے نائب افسران نے گھات لگا کر ان حملہ آوروں کے خلاف زبردست جوابی کارروائی کی جس میں 75 عیسائی ہلاک اور بیسوں گرفتار ہوئے۔خود بوہیمنڈ بمشکل جان بچا کر بھاگا اور قصبہ شیخ میں پناہ لیتے ہوئے انطاکیہ پہنچنے میں کامیاب ہوا۔انہی دنوں شمالی شام سے سلطان کے معسکر تک نامہ بر کبوتروں کے ذریعے مراسلت کا نظام قائم کر دیا گیا۔مذکورہ خبر حماۃ کے نامہ نگار نے تحریر کی تھی جہاں سے کبوتروں کے ذریعے یہ خط سلطان ایوبی کو پہنچایا گیا۔[2]

ماہِ رمضان کی بقیہ جھڑپیں: رمضان 586ھ کا تقریباً پورا ماہ ہلکی پھلکی جھڑپوں میں گزرا مگر سردی بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ جھڑپیں بتدریج ٹھنڈی پڑتی گئیں۔ایک دن عیسائیوں نے عکا کے لئے

[1] النوادر السلطانیہ: 217،214
[2] النوادر السلطانیہ: 217

خوراک ورسد فراہم کرنے والی ایک کشتی پر قبضہ کرلیا اور اس کے عملے کو قیدی بنالیا۔ اس کے ایک دو دن بعد آندھی نے ساحل عکا سے چلنے والی صلیبیوں کی دو بڑی کشتیاں زیب کے ساحل پر دھکیل دیں جو مسلمانوں کا علاقہ تھا۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کرلیا، ان میں غلے کی بوریاں اور بکریوں کے ریوڑ لدے ہوئے تھے، اس کے علاوہ عیسائی مرد وعورت اور بچے بھی تھے، ان میں سے ایک عورت کوئی بڑی رئیس زادی تھی۔ عیسائیوں نے ان قیدیوں کے چھٹکارے کے لئے بڑا زور لگایا مگر مسلمان رہائی دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ [1]

برسات اور اسلامی افواج کی عقب نشینی ٭ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ موسم طوفانی ہوتا جارہا تھا۔ ساحل پر ایک بار پھر زوردار ہوائیں چل رہی تھیں۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ برسات اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وادئ عکا میں ٹیلوں تک کیچڑ ہی کیچڑ نظر آرہا تھا۔ امراض پھیل رہے تھے۔ اتنے سخت موسم میں سلطان ایوبی کے قریبی رفقاء بھی طویل آرام کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں ان کے شہروں کو جانے کی اجازت دی جائے۔ نہ صرف سپاہی بلکہ کئی افسران بیمار پڑ چکے تھے۔ شمشیر آزما حاکم اربل زین الدین یوسف جو بخار میں مبتلا ہوکر چند دن پہلے سلطان کی اجازت سے قریبی شہر ''ناصرہ'' چلا گیا تھا 18 رمضان 586ھ کو وہیں وفات پاگیا تھا۔ خود سلطان ایوبی بھی شدید بخار کی لپیٹ میں تھے۔ ادھر جاسوس اور عیسائی تاجر خبریں لا رہے تھے کہ صلیبی مسلمانوں کی کمزوری اٹھا کر کھلے میدان میں لڑنے کی تیاری کررہے ہیں۔ سلطان نے فی الفور امرائے لشکر سے مشورہ طلب کیا۔ ان کا جواب تھا:

''بہتر ہوگا کہ ہم ان کیچڑ بھری چراگاہوں کو دشمن کے لیے چھوڑ کر خود پیچھے ہٹ جائیں تاکہ جنگ کے دن دشمن کو اسی دشوار گزار زمین میں گھسنا پڑے۔''

افسران کا مشورہ برمحل تھا۔ اگر موجودہ حالت میں جنگ چھڑتی تو فرنگیوں کے قدم ساحل کی ریتیلی زمین پر ہوتے اور مسلمانوں کو کیچڑ میں صف بندی کرنا پڑتی۔ اس کے برعکس عقب میں جاکر مسلمان پہاڑوں پر مضبوط مدافعانہ ہیئت اختیار کرسکتے تھے۔ پھر سپاہ کی مسلسل تکان اور موسمی تکالیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ویسے بھی عقب نشینی بہتر تھی۔ چنانچہ 19 رمضان 586ھ (21 اکتوبر) کو مسلمان کوہ خروبہ سے بھی پیچھے ہٹ کر کوہ شفرعم تک چلے گئے۔ سلطان کا خیمہ پہاڑ کی چوٹی پر نصب کیا گیا جبکہ باقی لشکر ڈھلوانوں اور ٹیلوں پر پھیل گیا۔

اب اگر دشمن پیش قدمی کرکے حملہ کرتا تو عکا کے کیچڑ بھرے میدان کی بہ نسبت اس صاف زمین میں مسلمان کھل کر گھڑسواری اور شمشیر زنی کے جوہر دکھا سکتے تھے۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 218، الروضتین: تحت 586 ہجری ما سبیلوا المسلمین علی البلطتین

[2] النوادر السلطانیہ: 218، 219، الروضتین: تحت 586 ہجری رحیل السلطان الی الخرم

سنجر شاہ کی ہٹ دھرمی: عکا کے محاصرے کو پندرھواں مہینہ چل رہا تھا۔ صلیبی سپاہی کیا، نائٹ تک اکتاہٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی مصیبت قحط کی شکل میں نمودار ہو رہی تھی۔ طوفانی ہواؤں نے یورپ سے خوراک و رسد لانے والے جہازوں کی آمد ناممکن بنادی تھی اس لیے فرنگی خیمہ گاہ میں کھانے پینے کی اشیاء نایاب ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ برسات کے باعث لوگ بیمار ہو رہے تھے۔ اواخرِ رمضان 586ھ (آغاز نومبر 1190ء) میں صلیبی امراء نے سلطان سے صلح پر غور کرنا شروع کر دیا اور ان کے سفیر سلطان کی خیمہ گاہ میں آنے جانے لگے۔

اس موقع پر لشکرِ اسلام کو یکجا اور منظم رکھنا ناگزیر تھا تاکہ دشمن پر رعب طاری رہے اور اگر صلح کی بات چیت شروع ہو تو مسلمان شرائط کے لحاظ سے غالب یا کم از کم برابر ضرور رہیں۔ مگر سلطان کے بعض نائبین کا رویہ ناموافق تھا۔ ان میں سے ایک الجزیرہ کا نوجوان حاکم معز الدین سنجر شاہ تھا۔ وہ سلطان کے پرانے حریف سیف الدین غازی دوئم کا فرزند تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس پر سلطان کے بے حد احسانات تھے۔ سلطان ہی کے طفیل اسے حکومت حاصل نصیب ہوئی تھی مگر وہ ایک نااہل حاکم ثابت ہوا تھا۔ الجزیرہ کے شرفاء بارہا سلطان کو اس کی زیادتیوں سے آگاہ کر چکے تھے مگر سلطان نے کسی مصلحت کے تحت خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ وہ 7 جمادی الاولیٰ 586ھ (12 جون 1190ء) کو اپنے لشکر کے ساتھ سلطان کے معسکر پہنچا تھا یعنی ابھی اسے آئے ہوئے صرف پانچ ماہ ہوئے تھے اور اس دوران صرف ایک بڑا معرکہ پیش آیا تھا مگر کھلے میدان میں قیام اور موسم کی شدت نے اس کی ہمت پست کر دی تھی اور اب وہ بلا وجہ واپسی کے لیے بے چین تھا۔ ماہ رمضان میں اس نے قاصدوں کی معرفت کئی بار سلطان سے رخصت طلب کی مگر سلطان نے ہر بار یہی جواب دیا کہ دشمن سے صلح کی بات چیت شروع ہونے والی ہے، جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو جائے افواج کو منتشر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عید الفطر کی خنک صبح کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا جب سنجر شاہ خود سلطان کے خیمے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور باریابی کی اجازت طلب کی۔ دربان نے بتایا سلطان کی طبیعت بہت خراب ہے مگر سنجر شاہ نے اصرار کیا کہ وہ سلطان سے خصوصی اجازت لے لے۔ دربان اندر گیا اور پھر آ کر بتایا کہ سلطان ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے ملاقات سے معذرت کر رہے ہیں۔ دراصل سلطان نے رات سخت بخار میں بستر پر کروٹیں بدلتے گزاری تھی۔ ابھی ابھی اُنہیں پسینہ آیا تھا اور اس حالت میں ان کا بستر سے اٹھنا مرض کو اور بڑھا سکتا تھا۔

تاہم ضدی سنجر شاہ کسی طرح نہ ٹلا۔ اس نے دربان پر زور دیا کہ سلطان سے اس کی فوری ملاقات بہت ضروری ہے۔ آخر بار بار کے اصرار کے بعد اسے اجازت مل گئی۔ وہ سلطان کے خاص خیمے

میں داخل ہوا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے سلطان کو عید الفطر کی مبارکباد دی اور ساتھ ہی اپنے وطن جانے کی اجازت طلب کی۔ سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے نرمی سے کہا:

''ہمیں تمہاری اس طرح روانگی کے عزم میں کوئی خیر معلوم نہیں ہوتی۔ تم صبر کرو۔ ہم تمہیں آدابِ شاہی کے مطابق عزت و احترام سے رخصت کریں گے۔ یہ مناسب نہیں کہ تم اتنے عرصے محاذ پر رہنے کے بعد اس انداز سے کوچ کرو۔''

مگر سنجر شاہ نے اس نصیحت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

سلطان نے ایک بار پھر اسے حالات کی نزاکت اور اپنی مجبوریوں کا احساس دلانے کی کوشش کی اور کہا:

''یہ وقت افواج کے محاذ پر آنے اور جمع ہونے کا ہے نہ کہ بکھرنے کا۔''

سنجر شاہ چپ رہا۔ بس آگے بڑھ کر سلطان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور خیمے سے نکل گیا۔

جب وہ اپنی فوج میں پہنچا تو باورچی عید کے پکوانوں کے لیے دیگیں چڑھا چکے تھے، اس نے حکم دیا:

''خیمے اکھاڑ لو، دیگیں الٹ دو اور فوراً روانگی کی تیاری کرو۔''

تھوڑی ہی دیر میں لشکرِ اسلام کے باقی سپاہی سنجر شاہ اور اس کی فوج کو مشرق کے پہاڑی راستوں میں گم ہوتا دیکھ رہے تھے۔ یہ حرکت کھلی بغاوت کے مترادف تھی اور اس سے دیگر اکتائے ہوئے امراء کو بھی شہ مل سکتی تھی۔ خطرہ تھا کہ کہیں وہ بھی سلطان سے اجازت لیے بغیر رخصت ہونے نہ لگیں۔ سلطان نے فوراً دو خط لکھوائے۔ ایک خط اپنے ایک امیر کو تھما کر سنجر شاہ کی طرف روانہ کر دیا اور دوسرا ایک برق رفتار قاصد کو دے کر اسے تقی الدین عمر کی طرف دوڑایا جس کے بارے میں سلطان کو اطلاع مل چکی تھی کہ وہ اپنے فتح مند لشکر سمیت حماۃ سے واپس آرہا ہے اور عکا کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس خط میں سلطان نے تقی الدین کو حکم دیا تھا کہ وہ سنجر شاہ کو بہر صورت واپسی پر مجبور کرے۔

سلطان کے امیر نے سنجر شاہ کو طبریہ کے قریب جا لیا۔ سنجر شاہ نے خط پڑھا اس میں لکھا تھا:

''تم وہی ہو جس نے شروع شروع میں مجھ سے تعلق بنانے کی کوشش کی اور مجھ سے بار بار رابطے کیے اور یہ ظاہر کیا کہ تم اپنی جان اور اپنے شہر کی حکومت کے بارے میں اپنے خاندان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔ میں نے تمہاری بات قبول کی، تمہیں تحفظ دیا اور تمہاری مدد کی، پھر (حکومت ملنے کے بعد) تم نے لوگوں کی جان و مال اور عزتوں پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا، میں نے تمہیں اس سے بارہا منع کیا مگر تم باز نہ آئے۔ پھر اسلام کو (صلیبی حملے کا) یہ حادثہ پیش آیا تو ہم نے تمہیں بلایا، تم ایسا لشکر لے کر آئے جسے میں بھی جانتا ہوں اور دوسرے لوگ بھی۔ تم یہاں ایک

مدت ٹھہرے اور بے حد بے چین رہے۔ پھر یہ حرکت کی کہ ناراضی کے عالم میں رخصت ہوئے جبکہ ہنوز جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ پس اب تم اپنے بھلے برے کے خود ذمہ دار ہو۔ خود فیصلہ کرلو کہ میرے علاوہ اب خود کو کس حکمران سے منسوب کرو گے۔ اب جو کوئی تم سے آمادۂ پیکار ہو اس سے اپنی حفاظت تم خود کیا کرنا...... کیونکہ مجھے تم سے اب کوئی سروکار نہیں رہا۔"

سلطان ایوبی کا یہ عتاب نامہ پڑھ کر بھی سنجر شاہ کے اٹھتے قدم نہ رکے کیونکہ وہ بھی اپنے زعم میں سلطان سے تعلقات ختم کر چکا تھا۔

مگر "فیق" کی گھاٹی تک پہنچ کر اسے رکنا پڑا کیوں کہ سامنے سے سلطان صلاح الدین کا بازوئے شمشیر زن تقی الدین عمر اپنی فوج کے ساتھ شمالی شام کی مہم سے فارغ ہو کر آ رہا تھا۔ سنجر شاہ اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس تنگ گھاٹی میں کترا کر گزر جانے کی کوشش کرنا بھی ناممکن تھا۔ آخر کار دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔

اس سے پہلے تقی الدین کو بھی سلطان کا خط مل چکا تھا مگر اس نے لاعلم بنتے ہوئے سنجر شاہ سے واپسی کی وجہ دریافت کی۔ سنجر شاہ نے ادھر ادھر کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔

تب تقی الدین نے کہا:

"میں تمہاری حرکتوں کے بارے میں سب کچھ سن چکا ہوں۔"

پھر اس نے سنجر شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی اور ناصحانہ انداز میں کہا:

"سلطان کی عنایات اور تحائف کے بغیر تمہارا واپس لوٹ جانا مناسب نہیں۔ اس طرح تو تمہاری ساری مشقت ضائع ہو جائے گی۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم سلطان کی خدمت میں واپس لوٹ جاؤ اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک کہ وہ خود تمہیں اجازت نہ دے دیں۔ تم بچے ہو، تمہیں اپنے اس اقدام کی ہلاکت خیزی کا اندازہ نہیں۔"

سنجر شاہ نے آگ بگولا ہو کر کہا:

"کون ہے جو مجھے واپسی پر مجبور کر سکے!!"

تقی الدین عمر نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا:

"میں کہہ رہا ہوں تمہیں بہر صورت واپس جانا ہو گا کیوں کہ اس انداز سے کوچ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔"

سنجر شاہ اب بھی جانے پر مصر رہا۔ تب تقی الدین نے اپنی عسکری سخت گیری سے کام لیا اور ڈانٹ کر کہا:

"یا تو تم سیدھی شرافت سے واپس ہو جاؤ ورنہ مجھے تمہیں زبردستی واپس لے جانا پڑے گا۔"

یہ دھمکی کام کرگئی، سنجر شاہ ڈر گیا کہ تقی الدین عمر اسے گرفتار کر کے نہ لے جائے۔ اس پر اتنا خوف طاری ہوا کہ اپنے گھوڑے سے اتر کر تقی الدین عمر کا دامن پکڑ لیا اور گڑگڑا کر بولا:

"میں تمہاری پناہ میں آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چل دیا۔

تقی الدین عمر یہ واقعہ سنا کر کہا کرتا تھا:

"مجھے اس کے یکدم حماقت آمیز غصے اور پھر فوراً اس ذلت آمیز عاجزی پر بڑا تعجب ہو رہا تھا۔"

تقی الدین عمر سلطان کے معسکر پہنچا تو اس کا پرجوش خیر مقدم ہوا۔ وہ جرمنوں کے خلاف جہاد کا فاتح تھا۔ سلطان کے بھائی الملک العادل اور دیگر اعیان نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ تقی الدین، سنجر شاہ کو ساتھ لیے سیدھا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفارش کی کہ اس نوجوان کو معاف کر دیا جائے۔ سنجر شاہ نے خود بھی سلطان سے معذرت کی اور یہ اجازت بھی مانگی کہ وہ خیمہ گاہ میں تقی الدین کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ سلطان نے معذرت قبول کر لی اور اسے تقی الدین کے ساتھ رہنے کی باجازت بھی دے دی۔ سنجر شاہ اس کے بعد جنگ کے اختتام تک تقی الدین کے پاس ہی رہا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر وہ اکیلا رہا تو کسی دن اچانک سلطان کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی کی نذر نہ ہو جائے حالانکہ یہ ایک بے بنیاد خدشہ تھا، سلطان اس طرح کسی سے بدلہ لینے کے عادی نہیں تھے۔ [1] تاہم وہ اس سرپھرے کی حماقت کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس واقعے کے بعد وہ کہا کرتے تھے:

"میرے سامنے جب کسی شخص کی برائیاں بیان کی گئیں تو تحقیق کرنے پر میں نے اس شخص میں اتنی برائیاں نہ پائیں مگر لوگوں نے سنجر شاہ کی جو برائیاں بیان کی تھیں، وہ تحقیق کرنے پر اصل سے کہیں زیادہ نکلیں۔"

سلطان ایوبی سنجر شاہ پر دوبارہ اعتماد نہیں کر سکتے تھے اور اس کی خودسری کا مستقل بندوبست کرنے اور اس کا کانٹا نکال دینے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہو چکے تھے۔ تاہم وہ ایسے جلد باز نہیں تھے کہ میدان جہاد میں اسے کسی عاجلانہ کارروائی کا نشانہ بناتے۔ اس لیے سنجر شاہ جب تک یہاں رہا سلطان کی طرف سے اس سے کوئی باز پرس نہ ہوئی۔ [2]

<u>عماد الدین کی اُکتاہٹ</u>: اس طویل مہم سے اکتائے ہوئے امراء میں حاکم سنجار عماد الدین زنگی بھی <u>شامل تھا۔ اس نے بار بار سلطان سے گزارش کی کہ اسے رخصت کی اجازت دی جائے کیونکہ اس کی فوج</u>

---

1. مفرج الکروب: 222، 221، 220
2. اخبار الدولۃ السلجوقیۃ: ص 205، الکامل فی التاریخ 10/202، 203

موسمِ سرما گزارنے کا انتظام کر کے نہیں آئی اور سپاہیوں کا سردی سے برا حال ہے مگر سلطان کا جواب تھا:

''دشمن سے صلح کی بات چیت جاری ہے، معاہدۂ صلح کے امور آپ کے سامنے طے ہونے چاہییں تاکہ ہمیں امراء کا اتفاق رائے حاصل رہے۔''

عماد الدین زنگی نے پھر درخواست کی کہ کم از کم موسم سرما کے لیے بھاری خیموں اور فوج کے اخراجات کے لیے رقم کا انتظام کرنے کے لیے اسے سنجار جانے کا موقع دیا جائے مگر سلطان نے اسے بھی قبول نہیں کیا کیونکہ اس کا امکان بہت کم تھا کہ جانے کے بعد وہ موسم بہار سے پہلے واپس آسکے۔

سلطان اور عماد الدین کے درمیان یہ بات چیت خط و کتابت کے ذریعے ہو رہی تھی اور اس میں قاضی بہاؤ الدین ابن شداد بھی کسی حد تک کردار ادا کر رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ عماد الدین زنگی بہر صورت کوچ کرنے پر تلا ہوا تھا جبکہ سلطان کسی بھی طرح اسے روکنا چاہتے تھے۔ آخر عماد الدین کا اضطراب حد سے بڑھ گیا اور اس نے اپنے خط میں غیر معمولی اصرار کے ساتھ سلطان پر اپنا عزم واضح کر دیا۔ سلطان نے یہ خط پڑھا اور اس کی پشت پر صرف ایک شعر لکھ کر اسے لوٹا دیا:

بِمَنْ ضَاعَ مِثْلِیْ مِنْ یَّدَیْہِ　لَیْتَ شَعْرِیْ مَنِ اسْتَفَادَا

جس نے مجھ جیسے شخص کو بھی گنوا دیا ہو کاش میں جان سکوں کہ وہ کسی سے کیا فائدہ حاصل کر پائے گا

عماد الدین پر اس جواب کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے واپسی پر اصرار ترک کر دیا۔[1]

معرکۂ مرج عکا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے پاس صلح کی بات چیت کے لیے آنے والے قاصدوں نے مسلمانوں کی تکان، اضمحلال، اکتاہٹ اور خیمہ گاہ میں پھیلنے والے وبائی امراض کا جائزہ لے لیا تھا پھر سلطان کی بیماری بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ قاصدوں کے علاوہ یقیناً صلیبی جاسوس بھی اپنا کام کر رہے تھے اور مسلمانوں کی کیفیت سے اپنی قیادت کو باخبر رکھے ہوئے تھے۔

صلیبیوں کے ہاں ان دنوں خوراک و رسد بہت کم رہ گئی تھی اور وہ مسلمانوں کی خوراک و رسد کے ذخائر پر نگاہیں گاڑے ہوئے تھے۔ انہیں امید تھی کہ اگر وہ مسلمانوں کے یہ ذخیرے لوٹنے میں کامیاب ہو گئے تو موسم سرما آرام سے گزر جائے گا بصورتِ دیگر گزشتہ موسم سرما کی طرح وہ قحط کا شکار ہو جائیں گے۔ چنانچہ صلیبیوں نے ایک طرف تو صلح کا جھانسا دینے کا سلسلہ برقرار رکھا اور دوسری طرف انہوں نے یکدم جارحانہ حملے کا فیصلہ کر لیا۔

فرنگیوں کے اس اقدام کے نتیجے میں وہ خوں ریز معرکہ ہوا جس کے پہلے دن کی لڑائی کو ''معرکۂ مرج

[1] النوادر السلطانیۃ: 222

عکا" اور دوسرے دن کی لڑائی کو "نوبۃ النہر" یا "دریائے عکا کا معرکہ" کہا جاتا ہے۔

یہ لڑائی تین دن تک جاری رہی تھی۔ اس موقعے پر سلطان نے شدید بیماری اور ناقابل برداشت تکلیف کے باوجود جس ہمت واستقلال اور صبر وتحمل کے ساتھ لشکر اسلام کی قیادت کی، اس کو سلطان کی کرامت ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت سلطان کی بیماری کس شدت کی تھی، اس بارے میں ابن شداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے سلطان کو مرج عکا کے محاذ پر دیکھا کہ وہ شدید بیمار تھے۔ جسم پر کمر سے لے کر گھٹنوں تک بکثرت پھنسیاں نکلی ہوئی تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ صحیح طرح بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ جب خیمے میں ہوتے تو ایک پہلو پر سہارا لے کر نیم دراز ہو جاتے۔ بیٹھنے سے معذوری کے سبب ان کے لئے سامنے رکھے ہوئے کھانے تک ہاتھ بڑھانا بھی ممکن نہ تھا۔ کھانا لایا جاتا تو فرماتے کہ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ مگر اس کے باوجود وہ صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک اور عصر سے لے کر نماز مغرب تک گھوڑے پر سوار، مسلسل صفوں میں چکر لگاتے رہتے اور تکلیف کی شدت اور پھنسیوں کی اذیت کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہتے جس پر ہم تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے مگر وہ جواب میں فرماتے: "جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں تو یہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ جوں ہی اترتا ہوں تکلیف عود کر آتی ہے۔" [5]

معرکے کی شروعات پیر 11 شوال 586ھ (11 نومبر 1190ء) کو ہوئیں۔ اس دن صلیبیوں کا لشکر چھاؤنی سے باہر نکلا انہوں نے خیمہ گاہ نصب کرنے کا ساز وسامان اور خوراک ورسد کے بچے کھچے ذخائر بھی لاد لئے تھے جو انہیں صرف چار دنوں تک کافی ہو سکتے تھے۔ کاؤنٹ ہنری اور کونرڈ مارکویس ان کی قیادت کر رہے تھے جبکہ جرمن بادشاہ فریڈرک اپنے سپاہیوں اور دوسرے بہت سے صلیبیوں کے ساتھ عکا کی فصیل پر لگاتار حملوں کا آغاز کرنے کے لئے پیچھے رہ گیا تھا۔ سلطان کی لشکر گاہ میلوں دور کوہ خروبہ پر تھی جبکہ خوراک کے ذخائر کوہ کارمل کے قریب کھجور کے باغات میں گھرے ایک دیہات نما تھے جسے "حیفہ" کہا جاتا تھا۔ (یہ ساحلی شہر حیفا سے الگ ایک مقام ہے) یہ جگہ عکا اور طبریہ کی درمیان کی منزل تھی۔ فرنگی اسی پر حملہ کر کے خوراک لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ نہایت منظم انداز میں اسی طرف آگے بڑھتے رہے، ان کے سامنے حدِ نگاہ تک کھلا میدان اور ٹیلے تھے۔ کہیں کہیں مسلمانوں کے اکا دکا گشتی سوار گھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

[5] النوادر السلطانیہ: ص 7

فرنگی سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے تحل کے ٹیلوں تک پہنچ گئے اور یہاں پڑاؤ ڈال کر ان نئے کنوؤں سے پانی بھرنے لگے جو مسلمانوں نے کچھ دنوں پہلے یہاں اپنے قیام کے دوران کھودے تھے۔ سلطان کے گشتی سپاہی العیاضیہ کے ٹیلوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔انہوں نے سلطان کو اطلاع بھجوادی۔سلطان چونک اٹھے مگر کسی خدشے کا اظہار کیے بغیر انہوں نے گشتی سپاہ کو پیغام بھجوایا کہ پیچھے ہٹو اور تل کیسان پر قیام کرو۔سلطان نے تاڑ لیا تھا کہ فرنگی ان کے سامان رسد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہفتوں کی تیاری کے بعد سر پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں اترے تھے اور کوئی بعید نہ تھا کہ جنگ کے کسی مرحلے پر وہ سامان رسد تک پہنچ بھی جاتے۔سلطان نے خطرہ محسوس ہوتے ہی اسی رات کو کارل کی رسد گاہ کا تمام ساز و سامان عکا سے تین فرسخ (9 میل) دور ناصرہ اور میمون منتقل کرنا شروع کردیا۔راتوں رات یہ کام مکمل ہوگیا جس نے مسلمانوں کی رسد کو محفوظ بنادیا یوں فرنگیوں کے لئے اپنے اصل ہدف تک پہنچنا مزید مشکل ہوگیا۔اب سلطان کے ساتھ صرف مسلح سپاہی تھے جنہیں سامان رسد کی حفاظت کی فکر نہ تھی۔سامنے چند میل دور نشیب میں فرنگیوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔سلطان نے فوج کو میمنہ، میسرہ اور قلب کے روایتی حصوں میں مرتب کیا اور خود کوہِ خروبہ کی بلندیوں سے اتر کر سامنے ٹیلوں پر آگئے۔منگل 12 شوال 586ھ (12 نومبر 1190ء) کو سویرے سویرے مخبر نے اطلاع دی کہ فرنگی تازہ دم ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔[1]

<u>سلطان کی صف بندی</u>: سلطان بیماری کی بناء پر جبلِ خروبہ کے ایک بلند ٹیلے پر رک گئے اور اپنی افواج کی نگرانی کرنے لگے۔ان کے لیے ایک ہلکا پھلکا خیمہ نصب کردیا گیا تھا۔مخبر پل پل کی خبریں یہاں لا رہے تھے اور سلطان ضروری ہدایات جاری کر رہے تھے۔

لشکرِ اسلام کے دائیں بازو کی صفیں سب سے پہلے وادیٔ عکا میں اتریں۔یہ سپاہی میدان میں آگے بڑھتے چلے گئے اور ایک مناسب مقام پر صف بندی کرنے لگے۔ان کی پہلی صف کوہِ صفا اور آخری کوہِ خروبہ کو چھو رہی تھی۔جنوب میں کھڑے مسلمانوں کے بائیں بازو نے بھی حرکت کی اور نشیب میں جا کر صفیں باندھ لیں۔بائیں بازو کی آخری صف دریائے عکا کے کنارے تھی جو کہ کچھ دور جا کر سمندر میں گر رہا تھا۔مسلمانوں کی صف بندی مکمل ہوئی تو ترتیب کچھ یوں تھی:

قلب لشکر کے بیچ میں سلطان کا خاص دستہ الحلقۃ السلطانیہ تھا۔قلب کے دائیں حصے میں سلطان کے تین بیٹے حاکمِ دمشق الملک الافضل، حاکم حلب الملک الظاہر اور حاکم بصریٰ الملک الظافر تعینات تھے۔

[1] النوادر السلطانیہ:223

دائیں بازو میں سب سے پہلے الملک العادل اور پھر امیر حسام الدین لاجین، امیر قایماز نجمی، حاکم نابلس حسام الدین بشارہ، امیر بدرالدین ولدرم، حاکم موصل کا صاحبزادہ خرم شاہ اور امیر عزالدین جردیک اپنی اپنی افواج کے ساتھ ایستادہ تھے۔

بائیں بازو میں الملک المظفر تقی الدین عمر، امیر علی سیف الدین مشطوب اور امیر خوشترین کی سپاہ کے علاوہ ہکاری، حمیدی، زرزاری، مہرانی اور دیگر کرد قبائل کے سپاہی تھے۔ حاکم سنجار عمادالدین زنگی خود تو بیماری کا عذر کر کے لشکر کے منتقل ہونے والے ساز و سامان کے ساتھ چلا گیا تھا مگر اس کی فوج بدستور میسرہ کی صفوں میں کھڑی تھی۔

سلطان کی ہدایت پر بعض دستے ٹیلوں کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ کسی مناسب موقع پر دشمن کو اچانک حملوں کا نشانہ بنا سکیں۔ امرائے فوج کو تاکید کر دی گئی تھی کہ وہ اپنے تیرانداز دستوں اور گھڑسوار محافظوں کو صلیبیوں کے اردگرد متحرک رکھیں اور کسی وقفے کے بغیر ان پر نشانہ آزمائی کرتے رہیں۔

ان ہدایات کے مطابق مسلم تیراندازوں کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے تیزی سے آگے بڑھ کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ کرتیں اور پھر ٹیلوں کے نشیب و فراز میں غائب ہو جاتیں۔ موقع ملتے ہی یہ اکیلے دکیلے فرنگیوں کو گرفتار بھی کر لیتے تھے۔ جنگ کے آغاز میں ایک فرنگی اسی طرح گرفتار ہوا اور سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے انکار کر دیا چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔

اس دن صلیبی پوری احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے دریائے عکا کے مشرقی کنارے کے ساتھ چلتے رہے۔ اس طرح ان کا دایاں بازو جو دریا کے ساتھ تھا محفوظ ہو گیا تھا۔ زرہ پوش فرنگیوں کی پیش قدمی ایک ایسے دیوپیکر کچھوے کی حرکت کی مانند تھی جس پر کوئی چیز اثر نہ کرتی ہو۔ وہ قدِ آدم ڈھالوں اور دوسرے حفاظتی سامان میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کو سامنے آکر روکنا بہت مشکل تھا۔ سلطان ایوبی کی کوشش یہی تھی کہ اپنی طاقت بچاتے ہوئے فرنگیوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے اس لیے انہوں نے یلغار کرتی فوج کو سامنے آکر روکنے سے احتراز کیا۔ فرنگی آگے بڑھتے رہے اور مسلمان دائیں بائیں رہ کر انہیں راستہ دیتے گئے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے۔ [5]

اس دن مسلمانوں کی تند و تیز کارروائیوں میں بیسیوں صلیبی مارے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے مگر فرنگیوں کی پیش قدمی جاری رہی۔ ان کا کوئی سپاہی جوں ہی تیروں سے گھائل ہو کر دم توڑتا وہ اسے چپکے سے دفن کر دیتے یا لاش کو ساتھ ہی اٹھا لیتے۔ اس طرح زخمیوں کو بھی وہ سنبھال کر ساتھ لیے آ رہے تھے۔

5 النوادر السلطانیہ: 223، 224؛ الکامل فی التاریخ 10/ 197۔198

مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کے مقتولین اور زخمیوں کی تعداد کا بالکل اندازہ نہ ہو سکے۔ فرنگی اس کوشش میں کامیاب رہے اور ان کے ہلاک شدگان اور زخمیوں کو مسلمان نہ گن سکے۔

فرنگیوں کا رخ دریا کے منبع کی طرف تھا جو کئی میل آگے ایک پہاڑی وادی مرج عکا میں تھا۔ اسی منبع سے کچھ آگے حیفہ تھا جہاں فرنگیوں کے گمان کے مطابق مسلمانوں کی رسد کے ذخائر تھے مگر سلطان تو وہاں کے گودام پہلے ہی خالی کرا چکے تھے اس لیے فرنگیوں کا وہاں تک پہنچ جانا کسی نقصان کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔

جب فرنگی آگے نکل گئے تو سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے ایک حصے کو نیم دائرے کی شکل میں گھما کر فرنگیوں کے عقب میں تعینات کر دیا۔ اس طرح فرنگیوں کی واپسی کا راستہ مسدود ہو گیا، ان کے اور ان کی چھاؤنی ٹورون کے درمیان مسلمانوں کے دستے کھڑے ہو گئے۔

سلطان یہ سب تبدیلیاں اپنی نگرانی میں کرا رہے تھے۔ تیز دھوپ، شدید گرمی اور اذیت ناک بیماری کے باوجود وہ پوری ہمت کے ساتھ متحرک تھے۔ وہ کچھ دیر گھوڑے پر سواری کرتے اور پھر نیچے اتر کر کچھ دم لیتے۔ آرام کے لیے انہوں نے ایک بار بھی خیمہ نہ لگوایا کہ کہیں دشمن اسے مسلمانوں کی آرام پسندی اور کمزوری پر محمول نہ کریں۔ سورج کی تپش کے بچنے کے لیے وہ صرف رومال کا سایہ لے رہے تھے۔

آخر صلیبی وادی عکا کے آخری سرے تک پہنچ گئے جہاں وہ عظیم پہاڑی چشمہ تھا جہاں سے دریائے عکا کی دھاریں پھوٹ رہی تھی۔ صلیبی لشکر اس چشمے کے گرد چکر لگاتا ہوا دریا کے مغربی کنارے پر چلا گیا۔ اب صلیبی حیفہ سے قریب تر تھے۔ عقب میں ان کو مسلمانوں کی صف بندی کی تبدیلیاں واضح نظر آ رہی تھیں جو ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر رہی تھیں۔

صلیبیوں کے دریا کے منبع سے آگے پہنچ جانے کے بعد سلطان ایوبی نے فوری طور پر میدان میں آ کر دائیں اور بائیں صفوں کو نئے مقامات پر تعینات کر دیا۔ انہوں نے دائیں بازو کو دریا کے مشرق میں کمان کی شکل میں اس طرح کھڑا کیا کہ تقریباً پورا کنارہ اس کی گرفت میں آ گیا۔ اس طرح دشمن کے لیے واپسی میں دریا کے منبع کا چکر کاٹ کر دوبارہ مشرقی کنارے پر آنا اور سیدھا اپنی چھاؤنی کی طرف نکل جانا ممکن نہ رہا۔ دوسرے لفظوں میں اس کی راہ فرار بالکل مسدود ہو گئی۔

دوسری طرف سلطان نے بائیں بازو کو دریا کے مغرب میں بھیج دیا اور اسے ایک وسیع نیم دائرے کی شکل دے کر سمندر کے کنارے تک پھیلا دیا۔ اب اگر فرنگی دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ واپس آتے تو ان کے ایک طرف دریا ہوتا اور دوسری طرف کمان کی شکل میں گھیرا ڈالنے والے اسلامی دستے۔ وادی عکا میں اب تک تمام لڑائیاں دریائے عکا کے مشرق میں شہر کے آس پاس ہوئی تھیں مگر

اب میدانِ جنگ بالکل بدل گیا تھا۔ دونوں لشکر عکا شہر سے دور، دریائے عکا کے مغرب میں آگئے تھے۔ میدان جنگ کا نقشہ اور نوعیت بدل گئی تھی۔ ①

زوالِ آفتاب کے وقت فرنگیوں نے دریائے عکا کے پار ٹیلوں پر خیمے نصب کرنے شروع کیے۔ خیموں کا یہ سلسلہ دریا کے مغربی کنارے تک پھیلتا جارہا تھا۔ اس دوران سلطان ایوبی نئی صف بندی کے ذریعے فرنگیوں کی واپسی کا راستہ مسدود کرنے کے بعد اپنی خاصہ فوج کے ساتھ دوبارہ ان کے سامنے آگئے تھے اور ایک بلند ٹیلے سے ان کی خیمہ گاہ کا معاینہ کررہے تھے۔ ②

ہنگامہ خیز رات: فرنگیوں کو منظم انداز میں پڑاؤ ڈالتا دیکھ کر سلطان نے اپنے گھڑسوار دستوں کو پیچھے ہٹ کر شب بسری کا حکم دیا کیوں کہ رات کی تاریکی میں اپنے لشکر کی حفاظت کرنا زیادہ اہم تھا۔ ان انتظامات کے بعد سلطان رات گزارنے کے لیے اپنے خواص کے ساتھ لشکرِ اسلام کے عقبی حصے میں واقع خروبہ پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے تھے جہاں ان کے لیے ایک ہلکا پھلکا خیمہ نصب تھا۔ قاضی بہاؤ الدین اور شاہی طبیب رات بھر سلطان کے سرہانے بیٹھے رہے کیوں کہ ان کی طبیعت تشویش ناک حد تک خراب لگ رہی تھی۔ سلطان کو کبھی نیند کا جھونکا آجاتا اور کبھی وہ بے چینی سے آنکھیں کھول دیتے۔ مسلمانوں نے یہ رات ہتھیار بند حالت میں گزاری کیوں کہ کسی بھی وقت انہیں حملے کے لیے آگے بڑھنے یا دشمن کا حملہ روکنے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ③

لشکرِ اسلام کے جالیشیہ دستے رات بھر متحرک رہے اور فرنگیوں کی خیمہ گاہ پر حملے کرتے رہے۔ ادھر صلیبیوں کو دن بھر کی مشقت نے ادھ موا کردیا تھا۔ اب انہیں یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ مسلمانوں نے اپنے ذخائرِ رسد ان کی پہنچ سے بہت دور منتقل کردیے ہیں۔ اس طرح ان کے حملے کا اصل مقصد ہی ضائع ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے ان کی واپسی کا راستہ بند کرکے انہیں مزید بدحواس کردیا تھا۔ چنانچہ اسی رات فرنگیوں نے جارحانہ لڑائی کا ارادہ ترک کرکے عکا واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اب ان کے نزدیک مسلمانوں کے گھیرے کو توڑ کر چھاؤنی تک صحیح سلامت پہنچ جانا ہی بڑی کامیابی تھی۔

فرنگی رات کے آخری پہر تک اپنی تکان دور کرتے رہے مگر صحیح معنوں میں انہیں آرام میسر نہ آسکا۔ ہر چند لمحوں بعد جالیشیہ کے تیر انداز ادھر اُدھر سے تیروں کی بوچھار کرکے انہیں ہڑبڑا دیتے تھے۔ مسلمان

① النوادر السلطانیہ: ص224، الکامل فی التاریخ: 10/108، کتاب الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بعسکرہم الثانی
② النوادر السلطانیہ: ص224
③ النوادر السلطانیہ: ص225، کتاب الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بعسکرہم الثانی

انہیں تھکانے کے علاوہ جلد از جلد کھلے میدان میں لڑنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر صلیبیوں میں اب کھلی جنگ کا دم خم باقی نہیں رہ گیا تھا۔ رات کے آخری پہر صلیبیوں نے تیزی سے خیمے اکھاڑ کر واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ ان کے لیے دریا کے منبع کے گرد چکر لگا کر واپس مشرقی کنارے پر جانا اور جس راستے سے آئے تھے اسی سے اپنی چھاؤنی تک پہنچنا، اب ناممکن ہو چکا تھا کیوں کہ اسلامی لشکر کا قلب اور دایاں بازو یہ راستہ روکے ہوئے تھے۔

چنانچہ مجبوراً اسی جگہ سے لشکر کا رخ ساحل سمندر کی طرف پھیر دیا گیا اور اسے صفوں کی بجائے قطاروں کی شکل میں ترتیب دے دیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑے کارواں کی صورت تھی جسے دشمن کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اور ان کی صفوں کو چیر کر راستہ بناتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچنا تھا مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کے حملوں کی زد میں تھے۔ پھر دریا عبور کرنا بھی ایک بے حد مشکل مرحلہ تھا جو اب ان کے دائیں ہاتھ پر تھا۔ اس کے علاوہ سمندر کا کنارا ''L'' کی شکل میں ان کے سامنے سے بائیں طرف کو مڑ رہا تھا جہاں لشکرِ اسلام کا بایاں بازو کمان کی شکل میں ان کا راستہ روکے ہوئے تھا۔ بہر کیف صلیبیوں نے جان کی بازی کھیل کر لڑتے بھڑتے کسی بھی طرح مسلمانوں کے خطرناک نرغے سے نکلنے کے لیے کمر کس لی۔ [۵]

نوبۃ النہر ...... معرکہ دریائے عکا ۞ صبح کا اجالا نمودار ہوا اور لشکر اسلام میں فجر کی اذانیں گونجنے لگیں۔ نماز کے فوراً بعد جنگ کے بگل بجنے لگے۔ یہ بدھ 13 شوال 586ھ (13 اگست 1190ء) کا دن تھا جو اسلحے کی مہیب جھنکار کے ساتھ نمودار ہو رہا تھا۔ اس دن دونوں فریق اپنی پوری قوت کے ساتھ آمنے سامنے تھے۔ سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار کو وخروبہ کی ایک چوٹی سے میدانِ جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ خبر رساں شعبے نے ان کے اور سالاروں کے درمیان رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔

صلیبی لشکر دریائے عکا کے مغربی کنارے کے ساتھ واپسی کا راستہ بنانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اُن گنت فرنگی اس صلیبی پرچم کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار تھے جو اس انسانی سمندر کے بیچوں بیچ ایک بلند مینار کی طرح آسمان کو چھوتا معلوم ہو رہا تھا۔ سفید رنگ کے اس پرچم کے درمیان ایک بڑی سی صلیب بنی ہوئی تھی۔ کنارے پر سرخ پٹی کا حاشیہ تھا۔ یہ پرچم ایک اونچی گاڑی پر نصب تھا جسے کھینچنے کے لیے کئی خچر جوتے گئے تھے۔ تجربہ کار کاؤنٹ ہنری اور دیگر یورپی جنگجوؤں نے رات بھر سلطان کی فوج کی

[۵] النوادر السلطانیۃ: 225

بہترین صف بندی کا نظارہ کرنے کے بعد اپنی کمزوری کو بھانپ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ کھلم کھلا لڑنے کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کا ایک پہلو دریا کے کنارے کے باعث محفوظ تھا۔ اب لشکر کے باقی اطراف میں انہوں نے پیادوں کی دیوار سی چن دی تھی جو سرتا پیر لوہے میں چھپے ہوئے تھے، ان کے پاس قدآدم بڑی ڈھالیں بھی تھیں جنہیں ایک خاص ترتیب سے جوڑ کر وہ ان کے پیچھے چھپ جاتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے انہیں کسی فصیل نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ گھڑسوار دستے پیادوں کی ان تہ در تہ صفوں کے بیچ میں چل رہے تھے کیونکہ وہ تیراندازی سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے۔ انہیں تیروں کی زد سے بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دور کھڑا کیا گیا تھا۔ یہ گھڑسوار خود بھی زرہوں میں ملبوس اور ڈھالوں کی اوٹ میں تھے۔ بقول قاضی ابن شداد:

''اس دن فرنگی گھڑسواروں میں سے کسی ایک کی بھی جھلک دکھائی نہ دی۔''[1]

دونوں لشکر ایک دوسرے کی نقل وحرکت کا کب تک انتظار کرتے۔ فرنگیوں کو بہرحال واپس جانا تھا۔ وہ اپنی حفاظت کا خیال رکھتے ہوئے دھیرے دھیرے دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے تاکہ کسی مناسب مقام سے دریا کو عبور کر کے اپنی چھاؤنی میں پہنچ جائیں۔ بھلا مسلمان انہیں یہ موقع کیوں دیتے۔ سلطان کی جانب سے افواج کو حملے کا حکم دے دیا گیا مگر مسلم گھڑسواروں کے لیے صلیبی پیادوں کی ڈھال بردار دیوار سے گزرنا نہایت مشکل تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ پہلے اس دیوار میں راستہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لیے پہلے تیراندازوں کو آگے بڑھایا گیا۔ وہ ہر رخ سے ان پر تیر برسانے لگے مگر صلیبیوں کی صفوں میں کوئی رخنہ آیا نہ ان کی حفاظتی پیش بندیاں شکستہ ہو سکیں۔ وہ اپنی چال پر چلتے رہے اور ساتھ ساتھ جوابی حملے بھی کرتے رہے۔

صلیبی پیادوں کی سخت ترین مزاحمت کے باعث دن بھر مسلمان سپاہیوں کو فرنگیوں پر عام حملے کا موقع نہ مل سکا، البتہ تیرانداز دستے بار بار حملے کرتے رہے، انکے تیروں کی پہنچ خاصی دور تک تھی۔ تیروں کی بوچھاڑ اس طرح ہو رہی تھی کہ محسوس ہو رہا تھا آسمان پر ٹڈیوں کا غول امنڈ آیا ہے۔ اس مہلک تیراندازی سے صلیبیوں کے درجنوں افراد مرتے اور بیسیوں زخمی ہوتے رہے مگر وہ رکنے میں نہ آئے۔ ہزار دقتوں کے باوجود وہ لاشوں کو سمیٹ کر لادرہے تھے، زخمیوں کو گرتے ہی سنبھال رہے تھے، وہ اپنے نقصانات کو حتی الامکان چھپانا چاہتے تھے۔ ان کے لشکر میں افراد کی کمی نہیں تھی۔ عمدہ تنظیم اور صف بندی کے باعث وہ مسلمانوں کے مقابلے میں ثابت قدم تھے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 225، 226؛ کتاب الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بعزم اللقاء

دوپہر ساڑھے بارہ بجے غیر روایتی انداز کی یہ جنگ اپنے عروج پر تھی۔ لشکر اسلام سے تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں، تیروں کی سنسناہٹ سے فضا مرتعش ہو رہی تھی۔ نصرانی بگل اور باجے بجا بجا کر اپنے جوانوں کو جوش دلا رہے تھے۔ سلطان مسلسل تازہ دم سپاہ کو آگے بھیج کر فرنگیوں کی پختہ صف بندی کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے اس دن اپنی پوری افرادی قوت دشمن کے خلاف استعمال کر ڈالی حتیٰ کہ اپنے بیٹوں کو بھی گھمسان کی جنگ میں جھونک دیا۔ آخر میں سلطان کے پاس قاضی بہاؤالدین، شاہی طبیب اور چند غلام رہ گئے جن کے ہاتھوں میں چھوٹے بڑے پرچم لہرا رہے تھے۔ دور سے دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سلطان ایک بڑے لشکر کے ساتھ پہاڑ پر کھڑے ہیں حالانکہ یہاں سلطان کا حفاظتی دستہ تک موجود نہ تھا۔ اگر فرنگیوں کا کوئی چھوٹا سا دستہ بھی اس طرف آ نکلتا تو سلطان کا بچ نکلنا مشکل ہو جاتا۔ اب لشکرِ اسلام کی پوری افرادی قوت مجتمع ہو کر فرنگیوں کو شکنجے میں کسنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ فرنگی مغرب کی جانب بڑھتے ہوئے سخت مزاحمت کر رہے تھے۔ ان کے جوابی حملوں میں مسلمانوں کے درجنوں سپاہی زخمی ہو گئے تھے۔ طویل القامت ایاز شدید زخمی ہونے کے باوجود لڑتا رہا۔ نامور سردار سیف الدین یازکوج بھی گھائل ہو چکا تھا۔ [1]

اس کے ساتھ مجھے قتل کر دو﷯ یہ جنگ کے سنگین ترین لمحات تھے۔ گھرا ہوا دشمن ہاتھ سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان کی حالت یہ تھی کہ وہ محض اپنی قوتِ ایمانی اور آہنی عزم و ارادے کے بل بوتے پر میدان جنگ کو سنبھالے ہوئے تھے ورنہ ان کی طبیعت اتنی ناساز تھی کہ وہ نقل و حرکت کے قابل بھی نہیں تھے۔ اس وقت میدانِ جنگ کا مشاہدہ کرتے ہوئے وہ بمشکل اپنی جسمانی تکلیف کو نظرانداز کیے ہوئے تھے اور اعصاب پر قابو پاتے ہوئے سمعی، بصری اور فکری قوتوں سے کام لے رہے تھے اور افواج کو ہمت بھی دلا رہے تھے، خصوصاً اپنے بیٹوں کو جو لشکر کے اہم حصوں پر تعینات تھے یکے بعد دیگرے پیش آنے والی تازہ ترین مہمات سے نمٹنے کے لیے آگے بھیج رہے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ گزشتہ دنوں کی وبائی بیماریوں نے فرنگیوں کے ساتھ ساتھ لشکر اسلام کو بھی ادھ موا کر رکھا ہے، اس لیے اسلامی فوج میں بھی کمزوری کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد چشم دید گواہ کے طور پر بتاتے ہیں کہ لڑائی کے بعض شدید مواقع پر سلطان اس احساس سے بے اختیار رو پڑے کہ وہ آگے بڑھ کر معرکے میں شریک نہیں ہو سکتے۔ بیماری کی شدت کے باعث اپنی بے بسی کا یہ دکھ ان کے جگر کو چھلنی کر رہا تھا۔ اس دوران ایک امیر نے سلطان سے اظہارِ افسوس کے طور پر عرض کیا:

[1] النوادر السلطانیۃ: 226، 227؛ کتاب الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بحزم اللقاء

''وادی عکا کے وبائی امراض بہت بڑھ گئے ہیں جس سے دونوں لشکروں کے بکثرت افراد ہلاک ہو رہے ہیں۔''

جواب میں سلطان نے درد بھرے لہجے میں ایک عرب شاعر کا یہ مصرعہ پڑھا:

اُقْتُلَانِیْ وَ مَالِكًا وَاقْتُلَا مَالِكًا مَعِی

''مجھے مالک کے ساتھ قتل کر دو اور مالک کو میرے ساتھ۔''

مطلب یہ تھا کہ اگر ہمارے ساتھ یہ دشمنانِ اسلام ختم ہو جائیں تو ہمیں اپنی جان کا سودا خوشی سے منظور ہے۔

سلطان کے یہ جذبات واحساسات اور جہاد کی یہ تڑپ ان کے نائبین سالاروں اور سپاہیوں میں بھی منتقل ہو رہی تھی۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

''سلطان کی ان باتوں سے لشکر اسلام میں ایک زبردست قوت پیدا ہو گئی تھی۔''[1]

ادھر فرنگیوں کی اب آخری کوشش یہ تھی کہ وہ دریا کے پل جسرِ دعوق تک پہنچ جائیں۔ اسے پار کر کے وہ اپنی چھاؤنی تک پہنچ سکتے تھے جبکہ مسلمانوں کی کوشش تھی کہ انہیں وہاں پہنچنے سے پہلے روک لیں اور ان کی صف بندی توڑ کر انہیں تلواروں اور نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیں۔ غالباً مسلمانوں کو پہلے اندازہ نہیں تھا کہ فرنگی اس طرف کا رخ کریں گے یا انہیں امید تھی کہ وہ اس سے پہلے پہلے فرنگیوں کو روک لیں گے۔ اسی لیے انہوں نے پل کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کی یہ کوتاہی فرنگیوں کے حق میں نعمت ثابت ہوئی۔ اپنی مضبوط حلقہ بندی کو برقرار رکھتے ہوئے فرنگی نصف النہار کے وقت پل کے پاس پہنچ گئے۔ اب انہوں نے سمٹ کر منظم انداز میں پل عبور کرنا شروع کر دیا۔ ظہر کے وقت تک وہ بحفاظت پار پہنچ چکے تھے۔[2]

دوسری سمت اترتے ہی انہوں نے پل کو تباہ کر دیا تاکہ مسلمان اس جانب سے ان پر حملہ نہ کر سکیں۔ اس طرح دن ڈھلے جنگ تھم گئی۔ فرنگی مسلمانوں سے قدرے محفوظ ہوتے ہی ہانپنے لگے۔ اب ان میں مزید نقل وحرکت کی ہمت نہیں تھی۔ پیاس ان کا دم نکلا جا رہا تھا۔ ادھر مسلمان بھی غافل نہیں تھے۔ سلطان کا دایاں بازو پہلے سے دریا کے پار صف بستہ تھا۔ پھر سلطان کے گشتی دستے جنہیں یزک کہا جاتا تھا میدان کے کناروں اور ٹیلوں کی بلندیوں پر گھومتے نظر آ رہے تھے۔ سلطان فرنگیوں کو مہلت نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے فوج کو قدرے ستانے کا موقع دینے کے بعد سرِ شام یہ فیصلہ

[1] النوادر السلطانیہ: 227، 228

[2] النوادر السلطانیہ: 227۔ مگر عماد اصفہانی کے بیان کے مطابق فرنگیوں نے بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب یہ پل عبور کیا تھا۔ دیکھیے کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/227

کیا کہ اسی رات دوطرفہ حملہ کر کے فرنگیوں کو پیس دیا جائے۔

انہوں نے اہلِ عکا کی طرف قاصد دوڑا دیا کہ وہ رات کو پوری تیاری کے ساتھ شہر سے نکلیں اور فرنگیوں پر عقب سے حملہ آور ہو جائیں جبکہ سلطانی افواج مشرق سے ان پر دھاوا بول دیں گی مگر قاصد کو یہ مراسلہ پہنچانے میں دیر ہوگئی جب وہ عکا پہنچا تو اتنا وقت نہیں بچا تھا کہ وہاں کی فوج تیار ہو کر سلطان کے ساتھ جنگ میں بروقت شریک ہو سکتی۔ [1]

اس دن کی لڑائی پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی بہاؤالدین ابن شداد فرماتے ہیں:

''مسلمانوں نے اس دن زبردست جنگ کی اور جہاد کا حق ادا کر دیا۔'' [2]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے:

''اگر سلطان صلاح الدین بیماری میں مبتلا نہ ہوتے تو اس دن فتح وشکست کا حتمی فیصلہ ہو جاتا۔'' [3]

جنگ کا آخری منظر ❁ سلطان نے رات کوہِ خروبہ کی بلندی پر گزاری۔ مخبر مسلسل انہیں وادی میں متحارب افواج کی کیفیت سے مطلع کرتے رہے۔ اگلے دن (جمعرات 14 شوال، 14 نومبر) علی الصبح انہیں اطلاع ملی کہ صلیبی عکا کی طرف چل پڑے ہیں۔ سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے وادی میں پہنچے۔ دستوں کو ازسرِنو مرتب کیا مگر ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ فی الحال دشمن پر حملہ نہ کیا جائے کیوں کہ دشمن کی چھاؤنی زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ مسلمان ان پر اندھادھند حملے کی صورت میں کسی فریب کا شکار بن سکتے تھے اور چھاؤنی سے تازہ دم کمک ملنے کی صورت میں صلیبی بہت خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دستے دریا کے مشرقی کنارے پر دشمن کے بالمقابل رک گئے۔ اس دوران کاؤنٹ ہنری اور کونرڈ مارکوئیس اپنی افواج کو محفوظ انداز میں چھاؤنی تک لے گئے۔ ان کے اندر داخل ہونے کے کچھ دیر بعد چھاؤنی کی تازہ دم صلیبی افواج جارحانہ انداز میں باہر نکل آئیں اور مسلمانوں کے دستوں پر، جو دریا کے مشرقی کنارے پر رک گئے تھے، حملہ آور ہو گئیں۔

اس موقع پر نہایت خوں ریز جنگ دیکھنے میں آئی۔ نصرانیوں کی جانب سے ایک کیم شحیم سالار جو دیوہیکل گھوڑے پر سوار تھا، مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکلا' اور بڑے جوش کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑا، وہ مکمل طور پر لوہے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا تھا، ایسا زبردست جنگی لباس اس سے پہلے کہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اس کا گھوڑا بھی پوری طرح زرہ بکتر میں چھپا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ دنیا کا کوئی ہتھیار اسے یا اس کی سواری کو نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر جنگ کے ہنگامے میں کسی نامعلوم مجاہد نے اچانک اس کا کام

---

[1] النوادر السلطانیہ: 227 [2] النوادر السلطانیہ: 226 [3] الکامل فی التاریخ: 198/10

تمام کر دیا۔ جب یہ معرکہ تھما تو اس کا سر دھڑ سے الگ ہو چکا تھا، عیسائیوں نے ایلچی بھیج کر اس کی لاش طلب کی۔ سلطان نے لاش بھجوادی مگر اس کے کٹے ہوئے سر کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ [1]

جنگ کے بعد سلطان کوہ خروبہ کی خیمہ گاہ میں لوٹ آئے۔ وہ ساز وسامان جو احتیاطاً میمون اور ناصرہ بھجوادیا گیا تھا واپس منگوالیا۔ عمادالدین زنگی جو بخار کے باعث ساز وسامان کے ہمراہ محفوظ مقام پر چلا گیا تھا، صحت یاب ہو کر خدمت سلطانی میں حاضر ہو گیا۔ چوں کہ اس کے بعد شدید سردی کے پیش نظر کسی بڑے معرکے کی توقع نہیں تھی اس لئے 15 شوال (15 نومبر) کو وہ سلطان کی اجازت سے واپس سنجار چلا گیا۔ اس کے بعد حاکم الجزیرہ سنجر شاہ بھی رخصت ہو گیا۔ سلطان نے حوصلہ افزائی کے لیے انہیں تحائف سے نواز کر واپس بھیجا۔ [2]

ایک کامیاب حملہ ※ شدید سردی اور برف باری کا موسم آنے کو تھا اور جنگ میں ایک طویل وقفے کے دن شروع ہو رہے تھے مگر سلطان صلاح الدین اس سے پہلے جنگ کے موجودہ مرحلے کا ایسا اختتام چاہتے تھے جو دشمن پر برتری کی علامت بن جائے تاکہ وقفے کے دنوں میں اس کے حوصلے پست رہیں اور عکا پر قبضے کے بارے میں اس کا عزم متزلزل ہو جائے۔ اس خیال کے تحت جمعہ 22 شوال 586ھ (22 نومبر 1190ء) کو سلطان نے اپنے لشکر کے بہترین سپاہیوں کو عکا کے شمال میں واقع ٹیلے "سلح تل" پر بھیج دیا۔ انہیں تاکید کی گئی کہ وہ اپنی زیادہ تعداد کو گھات میں بٹھادیں اور کچھ سپاہیوں کے ذریعے دشمن پر چھاپہ مار حملے کر کے اسے تعاقب پر مجبور کریں اور گھات تک لے آئیں۔

منصوبے کے مطابق چنیدہ سپاہی اس شب سلح تل پہنچ گئے۔ صبح ان میں سے گنتی کے کچھ بہادر فرنگیوں کی چھاؤنی کی طرف نکلے اور ان پر دور سے تیر اندازی کرنے لگے۔ جب یہ سلسلہ رکنے میں نہ آیا تو فرنگیوں نے جوش میں آکر انہیں پکڑنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے دو سو گھڑ سوار اس "شکار" میں حصہ لینے کے لئے نکلے، [3] جن کی قیادت کئی نامور نواب کر رہے تھے۔ بہادر مسلمان کبھی ان پر تیر چلاتے اور پیچھے ہٹ جاتے، کبھی رک کر ان کا انتظار کرتے اور تلوار کے چند ہاتھ مارنے کے بعد فرار ہو جاتے۔ آخرکار فرنگی ان کے تعاقب میں گھات تک پہنچ گئے۔ تب چھپے ہوئے مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے، صلیبیوں نے ابتداء میں مردانہ وار مقابلہ کیا مگر جلد ہی ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور وہ لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر عکا کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے منظم انداز میں تعاقب کرتے ہوئے اکثر مفرورین کو

[1] النوادر السلطانیہ: 227
[2] النوادر السلطانیہ: 229، 230
[3] النوادر السلطانیہ: 228، 229؛ الکامل فی التاریخ: 10/ 198

مار گرایا جبکہ بیسیوں گرفتار کر لیے گئے۔ مالِ غنیمت میں بہت سا اسلحہ اور گھوڑے ہاتھ آئے۔ کاتب عماد کے بقول کوئی صلیبی بچ کر واپس نہیں جا سکا تھا۔ جب فتح مند مجاہدین قیدیوں کو ہانکتے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف چلے تو تل کیسان پر سامنے سے سلطان صلاح الدین ایوبی کو آتے ہوئے پایا جنہیں اس کامیابی کی اطلاع مل چکی تھی۔

سلطان نے قیدیوں کا حال احوال پوچھا، مجاہدین کو شاباش دی اور سارا مالِ غنیمت انہی کو دے دیا۔ قیدیوں میں شاہ گائی کے خزانچی کے علاوہ شاہ فرانس کا ایک سالار بھی شامل تھا جو فرانسیسی افواج کی باقاعدہ آمد سے پہلے کچھ فوج لے کر یہاں پہنچ گیا تھا، اس کے کئی فرانسیسی ساتھی بھی گرفتار شدگان میں شامل تھے۔

سلطان نے خیمہ گاہ پہنچ کر منادی کرا دی کہ قیدیوں کو پیش کیا جائے۔ ایک محفل منعقد ہوئی جس میں امرائے سلطنت کے ایک طرف صلیبی قیدی بھی بیٹھے تھے۔ سلطان نے انتہائی رحم دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیدیوں کو دعوت کا کھانا کھلایا، سردی کا لحاظ کر کے انہیں گرم پوستینیں پہنائیں، ان میں سے معزز لوگوں کو خلعتیں دیں۔ سالارِ فرانس کو خلعتِ خاصّہ سے نوازا۔ قیدیوں کو یہ سہولت بھی دی گئی کہ وہ اپنے لشکر سے کھانے پینے اور ضرورت کا ہر سامان منگوا سکتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا یہ فراخدلانہ سلوک ان دشمنوں کے ساتھ تھا جو مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کے لیے ساحلِ شام پر اترے تھے۔ بعد ازاں قیدیوں کو بحفاظت دمشق کے جیل خانے بھیج دیا گیا۔ [1]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 228_229

فصل:8

موسم سرما کی تباہ کاریاں

ذیقعدہ اور ماہِ دسمبر تقریباً ساتھ ساتھ شروع ہوئے...... یہ کڑا کے دار سردیوں کا آغاز تھا...... سمندر کی طغیانی بھی اب دو تین ماہ سے پہلے تھمنے والی نہیں تھی...... سلطان کے سالار اور امراء جنگ میں طویل وقفہ دیکھ کر اپنے دستور کے مطابق اجازت لے کر اپنے شہروں کو روانہ ہونے لگے۔ یکم ذیقعدہ (30 نومبر) کو حاکم موصل کا صاحبزادہ علاؤالدین خرم شاہ رخصت ہوا، سنجر شاہ اور عمادالدین اس سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ سلطان کے پاس مختصر سی محافظ فوج اور اپنے خاص دستے کے علاوہ صرف تقی الدین عمر اور شہزادہ الظاہر کی فوجیں رہ گئیں۔ تقی الدین عمر جلد از جلد عراق جانا چاہتا تھا۔ دراصل سلطان نے دریائے فرات کے مشرقی علاقوں کو اس کی عملداری میں شامل کر دیا تھا۔ اب وہ شام میں معرّۃ، حماۃ، سلمیہ، جبلہ اور لاذقیہ کے علاوہ الجزیرہ اور دیار بکر میں حرّان، رہا، الموزر اور سمیساط کا بھی حاکم تھا۔ میافارقین کی جاگیریں اور قلعے بھی اسی کی عملداری میں شامل ہو گئے تھے۔ اپنے اضافہ شدہ نئے علاقوں کا انتظام سنبھالنے کے لیے اس کا وہاں جانا ضروری تھا مگر چوں کہ سلطان ایوبی کے پاس محافظ فوج اور اپنے خاص دستوں کے سوا کوئی اور نہ رہا تھا اس لیے تقی الدین عمر مزید کچھ دنوں تک سلطان کی خدمت میں پڑا رہا۔ اس طرح الملک الظاہر نے بھی سرما کا اکثر حصہ سلطان کے پاس گزارا۔ [1]

صلیبیوں نے سلطان کی افواج کو ہٹتا دیکھ کر بھی حملہ نہ کیا کہ وہ اپنی بلا میں گرفتار تھے، ان کے ہاں غذا کم پڑتی جا رہی تھی، ایسے میں وہ کسی جرأت مندانہ اقدام کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے۔ عکا کی بندرگاہ پر قابض نہ ہونا ان کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی صلیبی جہازوں کو طوفانی موجوں سے بچانے کے لیے صور اور بحیرۂ روم کے دیگر جزائر پر بھیجنا ناگزیر تھا۔ کونرڈ مارکویس نے مصیبت کے ان دنوں میں ہمفری کی بیوی شہزادی ازابیلا کو طلاق دلوا کر اس سے خود شادی رچا لی تھی اور عیش و آرام کے لیے صور واپس چلا گیا تھا۔ [2]

---

[1] الروایات السلطانیہ: 230، مارو دشمین: 240/4 [2] الکامل فی التاریخ: 198/10، صلاح الدین: 210 لین پول

صلیبی جیسے تیسے کر کے کسی غیبی امداد کے انتظار میں دن پورے کر رہے تھے۔ان کے بڑے بڑے رہنما اس شدید سردی میں ہلاک ہو گئے۔کونٹربری کا بوڑھا لاٹ پادری بالڈون جو ایک ماہ پہلے ہی انگلستان سے یہاں پہنچا تھا مر گیا تھا۔گائی کی بیوی ملکہ سبل بھی چل بسی تھی۔ [1]

انطاکیہ سے لے کر عکا تک اشیاء خورونوش کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔اس گرانی میں بخیل اطالوی تاجروں کی ذخیرہ اندوزی کا بڑا دخل تھا۔ایمبر وز بتاتا ہے کہ پڑاؤ میں سامان رسد کی کمی نہیں تھی مگر تاجر اسے بڑے مہنگے داموں فروخت کر رہے تھے۔اس دوران یورپ سے بھیجا جانے والا کچھ سامان رسد صور پہنچا تو مارکوئیس اس پر خود قابض ہو گیا۔اس کی یہ حرکت فاقہ کش صلیبیوں کے نزدیک اس قدر قابل نفرت بنی کہ وہ اسے برملا بددعائیں دیتے اور لعنتیں بھیجتے تھے۔صلیبیوں کو ایک تو فاقوں نے کمزور کر دیا تھا، دوسرے برسات نے ان کی حالت مزید دگرگوں کر دی تھی۔بارہ دن تک جاری مسلسل بارش کے بعد ان میں طرح طرح کی بیماریاں پھیل گئی تھیں۔ایمبر وز کے بیان کے مطابق ہر صلیبی کھانسی میں مبتلا ہو گیا، سب کے گلے بیٹھ گئے، ہاتھ پاؤں سوج گئے اور ایک ہی دن میں ایک ہزار آدمی چل بسے۔ [2] ......تاہم ان مصائب کے باوجود صلیبیوں کے عزائم برقرار تھے اور وہ اپنی مہم جوئی سے باز آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

بہاؤالدین ابن شداد لکھتے ہیں:

''اس صورتحال نے ان کے صبر و تحمل اور استقلال کو مزید بڑھا دیا تھا۔'' [3]

<u>فاقہ کش صلیبیوں سے حسن سلوک</u>: سلطان صلاح الدین بھی بیمار تھے، عام مسلمان بھی موسم سرما کی شدت کا نشانہ بن رہے تھے اور وبائی اثرات ان میں بھی پھیلے تھے، مگر انہیں خوراک کی کمی کا سامنا نہیں تھا۔چنانچہ امراض اور بھوک سے لاچار بہت سے عیسائی جان بچانے کے لیے اپنے چھاؤنی کو چھوڑ کر مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں آنے لگے، سلطان صلاح الدین نے پوری فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر مشروط طور پر ان کی مہمان نوازی کی۔عماد کاتب البرق الشامی میں لکھتے ہیں:

''فرنگی سخت مصائب کا شکار ہو گئے، ان کی کئی ٹولیاں یکے بعد دیگرے بھاگ کر ہمارے پاس آئیں، بھوک کی شدت کے باعث انہوں نے ہم سے امان طلب کی، جب وہ شکم سیر ہو گئے تو واپسی کا خیال چھوڑ دیا۔ان میں سے کچھ نے اسلام قبول کر لیا اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے،

---

1. صلاح الدین: 210 لین پول
2. صلیبی جنگیں 195
3. النوادر السلطانیہ: 248

بعض نے ہمارے ہاں ملازمت کرلی اور اپنی ذمہ داری بہتر طور پر انجام دیتے رہے، کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی جمعیت کی طرف مائل رہے اور الٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔"[1]

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ نے یہ حیرت انگیز انکشاف بھی کیا ہے کہ اس قحط کی حالت میں سلطان کے بعض امراء صلیبیوں کو انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر مستقل خوراک فراہم کرتے رہے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مسلمان اپنے شہروں کا غلہ ان تک پہنچاتے رہے، ان میں بیروت کا حاکم اسامہ اور کچھ دوسرے تھے، امیر سیف الدین مشطوب بھی (جو بعد میں عکا میں محصور ہوا تھا) صیدا سے خوراک لدوا کر ان تک پہنچاتا رہا، اگر ایسا نہ ہوتا تو فرنگی بھوک سے مرجاتے، خصوصاً موسم سرما میں، جبکہ سمندر میں طغیانی کے باعث (یورپ سے) بحری جہازوں کی آمد ورفت ناممکن ہوجاتی ہے۔"[2]

جانی دشمنوں سے یہ سلوک صرف مسلمانوں کا مایۂ امتیاز ہے ورنہ صلیبیوں کی تاریخ قتل وغارت اور خونریزی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انہی محسن مسلمانوں سے جو انہیں قحط سے بچانے کے لیے خوراک مہیا کررہے تھے، انہوں نے بعد میں جو بہیمانہ سلوک کیا وہ یورپی تاریخ کا ایک بدنما دھبہ ہے اور ملتِ نصاریٰ کا حقیقی چہرہ بے نقاب کرتا ہے۔

وفود کی آمد: ان دنوں سلطان کے پاس مختلف وفود آتے رہے، سلطان ان کے مسائل پر غور کرکے مناسب حل نکالتے رہے۔ ذیقعدہ 586ھ (دسمبر 1190ء) میں امیر زلفندار آیا جو دس بارہ سال پہلے سیف الدین غازی کا سپہ سالار تھا اور سلطان ایوبی کے مقابلے میں لڑتا رہا تھا۔ نصیبین اور خابور میں اس کی کچھ جاگیریں جاتی رہی تھیں، وہ ان کی واپسی کی درخواست لے کر آیا تھا، سلطان نے اس کہنہ سال امیر کا خوب اکرام کیا، ضیافت کی، خلعت سے نوازا اور اس کی جاگیریں واپس کروادیں۔[3]

عکا کی فوج تبدیل کرنے کا سلسلہ: چونکہ فرنگی جہازوں کے ساحل سے ہٹ جانے کے باعث عکا کا بحری راستہ ایک بار پھر کھل گیا لہٰذا سلطان نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عکا کا دفاع بہتر بنانے کے لیے دو اہم فیصلے کیے۔ ایک تو یہ کہ جلد از جلد غلے کے نئے ذخائر عکا میں پہنچائے جائیں۔ دوسرے عکا میں محصور امراء، سپاہ اور شہریوں کو جو دو سال سے شب وروز جنگوں، رت جگوں اور فاقوں کی سختیاں جھیلتے جھیلتے ادھ موئے ہوچکے تھے، باہر نکالا جائے اور ان کی جگہ تازہ دم فوج اور جرنیل تعینات کیے جائیں۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا تھا کہ سلطان کو اہلِ عکا کی جانب سے نہایت کسمپرسی، تنگی

---

[1] کتاب الروضتین: 173/4

[2] الکامل فی التاریخ: 198/10

[3] النوادر السلطانیہ: 230

اور شدید بدحالی کی شکایات پہنچ رہی تھیں۔ عکا میں اس وقت بیس ہزار کے لگ بھگ مسلمان تھے جن میں سلطان کے نائبین، عمال، امراء، جرنیلوں اور سپاہیوں کے علاوہ تاجر، روٴساء، جہاز راں، ملاح اور عام شہری بھی شامل تھے۔

سلطان کا یہ منصوبہ مجلس شوریٰ میں متنازعہ تھا۔ تجربہ کار مشیروں کی رائے یہ تھی کہ عکا کے جاں بازوں کو وہیں رہنے دیا جائے، صرف ان کی رسد کا خاطر خواہ انتظام کر دیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہاں حاکم شہر ابوالہیجاء السمین کی نگرانی میں حکومت، سپاہ اور عوام کا ایک مثالی نظم وضبط اور باہمی اعتماد قائم ہے۔ یہ لوگ اتنے عرصے میں مصائب سہہ سہہ کر غیر معمولی قوتِ برداشت کے مالک بن چکے ہیں اور دشمن کے تمام حربوں سے واقف ہیں، اس لیے ان کو وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں۔ ابوالہیجاء بذاتِ خود بڑا مال دار اور سخی انسان تھا، کاتب عماد کے بقول صرف ایک سال میں اپنی جیب سے عوام اور سپاہ پر پچاس ہزار دینار خرچ کر چکا تھا، اس لیے سب اس کے گرویدہ تھے۔ مگر سلطان ایوبی نے یہ دلائل سننے کے باوجود اہل عکا کو مزید تکالیف میں رکھنا گوارا نہ کیا اور انہیں نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان دنوں سلطان کی ہدایت پر مصر سے خوراک ورسد سے لدی ہوئی سات بڑی جہاز نما کشتیاں جنہیں شوانی کہا جاتا تھا، عکا کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ چونکہ محصور شہر میں خوراک کے ذخائر پہنچانا، وہاں موجود فوج کو نکالنا اور نئی فوج کو اندر بھیجنا ایک دشوار اور نازک کام تھا لہٰذا سلطان نے اس کام کی ذمہ داری اپنے تجربہ کار بھائی الملک العادل کو سونپ دی۔ الملک العادل نے جس قدر ممکن ہوا کشتیاں حاصل کیں، انہیں عکا کے جنوب میں حیفا کے ساحل پر جمع کر لیا اور حیفا کی پہاڑیوں کو اس کارروائی کا مرکز بنا دیا۔ یہاں ریتیلے ساحل پر منتخب سپاہی اور رسد کے ذخائر اکٹھے کیے جانے لگے۔ طے یہ ہوا کہ یہ کشتیاں سپاہ اور رسد لے کر یکے بعد دیگرے عکا کی بندرگاہ میں داخل ہوں گی اور وہاں خوراک کے ذخائر اور تازہ دم فوج کو اتارتی چلی جائیں گی جبکہ عکا کے امراء، تھکے ہارے سپاہی اور شہری ان پر سوار ہو کر حیفا پہنچتے رہیں گے۔ یہ کام ایک دو دن کا نہیں بلکہ کئی مرحلوں پر مشتمل تھا اور کئی ہفتوں کا تھا۔ [1]

عکا میں تعیناتی کا صاف مطلب تھا کہ انسان دشمن کے چنگل میں جا پھنسے۔ وہاں کے لیے منتخب کیے گئے اکثر نئے سپاہی خوش دلی سے وہاں جانے پر آمادہ نہ تھے، اس لیے اپنی تیاریوں میں دیر کر رہے تھے، جس دن جن سپاہیوں کی روانگی کی باری ہوتی اس دن ان میں سے کئی ایک مختلف بہانوں کے ذریعے روانگی کو ٹال دیتے، کسی کا سامان تیار نہیں ہوتا تھا، کسی کی طبیعت ناساز ہوتی تھی۔

[1] الاعلاق الخطیرۃ: 10/198_199، النوادر السلطانیۃ: 231

یوں اس اہم کام میں غیر ضروری تاخیر ہوتی چلی گئی۔

بہر کیف الملک العادل سپاہیوں کو ہمت دلا دلا کر حیفا کے ساحل پر جمع کرتا رہا، خوراک سے بھرپور بڑی بڑی کشتیاں یہاں لنگر انداز ہو رہی تھیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ عکا بھیجے جانے والے ہر سپاہی کے لیے ایک سال کا غلہ اور دیگر اشیائے ضرورت بھیجی جائیں۔ الملک العادل ساحل پر ان کشتیوں کی برابر نگرانی کرتا رہتا تھا تاکہ دشمن کی طرف سے انہیں نقصان نہ پہنچ سکے۔ صلیبی چھاؤنی میں مسلمانوں کی اس کارروائی کی بھنک پڑ چکی تھی اور وہ عکا میں خوراک کے نئے ذخائر کی منتقلی سے پریشان تھے اور کسی طرح اس کوشش کو ناکام بنانا چاہتے تھے، مگر الملک العادل کی مستعدی کے باعث انہیں ایسا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ [1]

ایک حسرت ناک حادثہ: ان دنوں ساحل شام کا سمندر نہایت طغیانی پر تھا۔ اس حالت میں کشتیوں پر حیفا سے عکا تک کا معمولی فاصلہ طے کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کسی وقت ذرا دیر کے لیے لہروں میں کچھ سکون کے آثار نمودار ہوتے تو حیفا سے سپاہیوں کی چند کشتیاں فوراً روانہ کر دی جاتیں۔ عام طور پر طوفانی موجوں کا زور اترنے میں نہیں آتا تھا۔ مسلمان انتظار کرتے کرتے تھک جاتے۔ اس طرح یہ کارروائی بڑے سست انداز میں جاری تھی، یہ طوفانی موسم دو ماہ سے پہلے ختم ہونے والا نہیں تھا۔ اس لیے اتنا طویل انتظار کرنا ممکن نہ تھا، بس خطرہ مول لے کر یہ مہم شروع کر دی گئی تھی۔ اُدھر عکا کے محصورین اب شہر سے جلد نکلنے کے لیے بے چین تھے، اس لیے کارروائی کی سست روی سے انہیں تشویش لاحق ہو رہی تھی، بہر حال کشتیاں خوراک اور رسد لے کر آہستہ آہستہ عکا پہنچتی رہیں، سپاہ کی منتقلی کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔

2 ذی الحجہ 586ھ (31 دسمبر 1190ء) کو خوراک منتقل کرنے کا بڑا مرحلہ یکدم طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور مصر سے آئی ہوئی ساتوں بڑی مال بردار کشتیاں حیفا سے عکا کی طرف بھیج دی گئیں۔ ساٹھ نگران سپاہی اور ملاح ان میں پورے ایک سال کا راشن لیے جا رہے تھے۔ سمندر کی تیز لہریں کشتیوں کو بری طرح اچھال رہی تھیں مگر ملاح بڑی مہارت سے اپنا رخ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ آخر کار برج الذباب اور اس کے پیچھے عکا کی بھوری فصلیں دکھائی دینے لگیں۔ منزل سامنے آن پہنچی تھی۔ عکا کے محافظوں نے رسد سے لدی کشتیاں آتے دیکھ لی تھیں۔ آناً فاناً یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی، کیا عوام کیا خواص، سب تیزی سے بندرگاہ پر پہنچ گئے تاکہ ان مددگاروں کا استقبال کریں اور سامان اتارنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ فصیلوں پر کھڑے محافظ بھی جوشِ مسرت میں اُدھر دوڑ پڑے۔

بندرگاہ پر پہنچ کر انہوں نے کشتیوں کو برج الذباب سے قریب تر ہوتے دیکھا مگر اچانک سمندر میں

[1] کتاب الروضتین 4/233،234؛ الکامل فی التاریخ: 10/198۔199؛ النوادر السلطانیہ: 231

پہاڑ کی طرح خوفناک لہریں اٹھنے لگیں، دیکھتے ہی دیکھتے ساتوں کشتیاں لہروں کے دوش پر تنکوں کی طرح ڈولنے لگیں۔ پھر ہولناک موجوں نے مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑ کر کشتیوں کو ساحل کے قریب ابھری ہوئی چٹانوں پر پٹخنا شروع کر دیا۔ کشتیوں کے پرخچے اڑ گئے اور وہ سامان رسد کے بے بہا ذخائر اور سپاہیوں سمیت غرقِ آب ہو گئیں۔ عملے کے ساتھ افراد میں سے کوئی زندہ نہ بچ سکا...... اہل عکا اس آفت پر ششدر رہ گئے جیسے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔[1]

عکا پر صلیبیوں کا حملہ: اس دوران فرنگیوں نے عکا کی فصیل کو محافظوں سے خالی پا کر اس طرف سے زوردار دھاوا بول دیا۔ وہ خندق عبور کر کے فصیل کے پاس پہنچ گئے اور ایک لمبی سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھنے لگے مگر اس سے پہلے کہ وہ فصیل پر پہنچتے، سیڑھی ٹوٹ گئی۔ ادھر عکا کے محافظ حملے کی خبر سن کر دوڑتے ہوئے آئے اور فصیل پر پہنچ کر مزاحمت شروع کر دی۔ فرنگی زوردار حملے کرتے رہے مگر مجاہدین نے جان پر کھیل کر ان کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔

یہ حملہ تو پسپا ہو گیا مگر اِدھر اہل عکا کو اور اُدھر کوہِ خروبہ پر سلطان صلاح الدین کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ بازی ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ خود قاضی ابن شداد اس آفت کو ''عکا کے سقوط کی پہلی نشانی'' قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بات مسلمانوں کے لیے نہایت تکلیف دہ اور صلیبیوں کے لیے بڑی امید افزا تھی کہ اہل اسلام کی سامانِ رسد سے بھرپور سات کشتیاں جو سات سو سپاہیوں سے زیادہ قیمتی تھیں، ایک بلائے آسمانی کا شکار ہو کر تباہ ہو گئیں۔ یقیناً صلیبی اسے اپنی صلیب کی کرامت اور یسوع مسیح کی غیبی مدد تصور کرتے ہوں گے، جبکہ بہت سے مسلمان فوری طور پر یہ ضرور سوچنے لگے ہوں گے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ایسے سوالوں کے جواب سوچتے سوچتے کمزور دل و دماغ والے بعض لوگ انتشارِ ذہنی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں...... مگر سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے عالی ہمت رفقاء کے نزدیک اس سوال کا حتمی جواب پہلے سے طے تھا۔ تقدیر پر ایمان ان کے دلوں میں رچا بسا تھا۔ انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر ایک حقیقت کے طور پر قبول کر لیا۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد جب کشتیوں کے ڈوبنے پر افسوس کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ:

''ان میں خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جو کہ بچ جاتا تو سال بھر کے لیے کافی ہو جاتا۔''

تو ساتھ ہی فرماتے ہیں:

''یہ اس ذات کا طے شدہ فیصلہ تھا جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

[1] النوادر السلطانیہ: 231

قاضی صاحب یہ حقیقت بھی بیان کرتے ہیں کہ:

''اس واقعے سے مسلمانوں کو شدید پست ہمتی لاحق ہوگئی تھی اور سلطان نے اس سے سخت تنگ دلی محسوس کی۔''

مگر ساتھ ہی بتاتے ہیں:

''سلطان اللہ تعالیٰ سے ان (ضائع ہونے والے وسائل) کا بہتر بدل طلب کرنے لگے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔''[1]

بعد میں مقامی ذرائع سے خوراک و رسد کے مزید ذخائر حاصل کر کے کشتیوں کے ذریعے عکا پہنچادیے گئے، جن سے اس نقصان کا کچھ مداوا ہوگیا۔

فصیل عکا میں شگاف ❊ اس حادثے کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ فرنگیوں کی منجنیقوں کی مسلسل سنگ باری نے عکا کی اندرونی بلند و بالا فصیل کے بالائی حصے میں شگاف ڈال دیا۔ یہ 7 ذی الحجہ 586ھ (5 جنوری 1191ء) کی رات کا واقعہ ہے۔ دیوار کے پھٹتے ہی اس سے بھاری بھرکم چٹانیں اور پتھر نیچے گرے جن سے شہر کی بیرونی فصیل (جسے ''باشورہ'' کہا جاتا تھا) بھی ایک جانب سے منہدم ہوگئی۔ قاضی ابن شداد اس حادثے کو سقوطِ عکا کی دوسری علامت کا نام دیتے ہیں۔

اندرونی اور بیرونی فصیلوں میں شگاف پڑتے ہی صلیبیوں کو شہر کے سرنگوں ہونے کا یقین ہوگیا۔ وہ ایک ریلے کی طرح بیرونی فصیل سے گزر کر اندرونی فصیل کے گرد جمع ہوگئے اور یہاں ایک خون ریز لڑائی شروع ہوگئی۔ اگرچہ فرنگیوں کو یہ یقین تھا کہ آج کی رات اس جنگ کا فیصلہ ہوجائے گا اور صبح کا سورج عکا کے برجوں پر صلیب کو سربلند دیکھے گا مگر عکا کے سپاہی ایک چٹان کی طرح ان کے سامنے جم گئے۔ وہ اسلام کے لیے لڑ کر شہید ہوجانے کی روایت کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ فرنگی فتح کے سہانے سپنے دیکھتے ہوئے زوردار حملے کر رہے تھے مگر عکا کے جواں مرد جان ہتھیلی پر رکھ کر شہر کا دفاع کرتے رہے۔ وہ فصیل کے منہدم حصے پر شانہ بشانہ کھڑے ہوگئے۔ اس انسانی دیوار نے صلیبیوں کے ریلے کو ایک لمحے کے لیے بھی آگے نہ آنے دیا۔ مسلسل تیر اندازی اور منجنیقوں سے پتھر کی بوچھار کر کے انہوں نے عکا پر نصب پرچمِ اسلام کی حفاظت کی اور آخر کار فرنگیوں کا یہ حملہ ناکام ہوگیا۔ مزاحمت میں اس کامیابی نے عکا کے باشندوں کو حوصلہ بخشا۔ شہر کے تمام مستری، معمار، مزدور اور عوام تعمیراتی سامان کے ساتھ فصیل کی مرمت پر جٹ گئے اور چند دن کے اندر اندر فصیل کا تباہ شدہ حصہ پہلے سے زیادہ مضبوط انداز

[1] النوادر السلطانیہ: 231، الروضتین: 4/233، 234، الکامل فی التاریخ: 10/199

میں تعمیر کرلیا۔ [1] ......مگر طوفان کے آگے بند باندھنے ان کوششوں کے باوجود حالات کی ابتری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں (ماہ ذی الحجہ، دسمبر) میں سلطان کے وزیر قاضی فاضل دوسالہ جدائی کے بعد مصر سے خدمت سلطانی میں حاضر ہو گئے۔ اس عرصے میں وہ محاذ کے احوال کی مسلسل خبر رکھتے تھے اور ہر مرحلے پر مراسلوں کے ذریعے سلطان کی ہمت بندھاتے، اس کو حوصلہ دلاتے اور مفید مشورے دیتے۔ ان کی آمد سے سلطان کو بڑی تقویت محسوس ہوئی۔ [2]

پناہ گزین نصرانیوں کا صلیبیوں پر حملہ: جو فرنگی فاقوں سے تنگ آکر مسلمانوں سے آملے تھے سلطان کے حسن سلوک نے انہیں اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ ایک دن انہوں نے مسلمانوں کی مہمان نوازی کا بدلہ اتارنے کی خاطر انہیں پیشکش کی کہ اگر انہیں کشتیاں فراہم کردی جائیں تو وہ سمند کا چکر لگائیں گے اور صلیبیوں کی تجارتی کشتیوں کو لوٹ کر مال و دولت خیمہ گاہ میں لے آئیں گے، اس میں نصف ان کا اور نصف حصہ مسلمانوں کا ہوگا۔

ان کی خواہش پر سلطان نے ایک ''برکوس'' (چھوٹی کشتی) ان کے حوالے کردی، ان لوگوں نے سمند میں عیسائی تاجروں کی ایک ایسی کشتی کو چھین لیا جو صلیبی لشکر کے لیے مال ومتاع لے کر آرہی تھی، اجناس کی مقدار کم تھی اور نقدی کی زیادہ۔ چاندی کے ڈھلے ہوئے سکوں اور ڈلیوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ یہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس میں چاندی کا ایک دسترخوان بھی تھا جس پر چاندی ہی کا چھپر تھا۔ اس چاندی کا مجموعی وزن ایک قنطار کے لگ بھگ تھا۔ نصرانیوں نے حسبِ معاہدہ نصف حصہ سلطان کو دینا چاہا مگر انہوں نے کمالِ بے نیازی سے یہ سب انہی کو بخش دیا۔ اس حسن سلوک پر ان میں سے کئی افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ اس دن لشکرِ اسلام میں ہر کوئی اس واقعے کو خوشی خوشی بیان کررہا تھا۔ [3]

سمندری طوفان اور صلیبی کیمپ کا قحط: دسمبر کے اواخر اور جنوری کے اوائل میں سردی پورے جوبن پر تھی۔ سمندری طوفان کا یہ عالم تھا کہ بحری سفر بالکل ناممکن ہوگیا تھا۔ کشتیوں سے جو تھوڑی بہت رسد صلیبیوں تک پہنچ رہی تھی وہ بالکل بند ہوگئی تھی۔ صلیبی رزمیہ شاعر ایمبروز نے اس قحط کا چشم دید حال کچھ یوں بیان کیا ہے:

''کرسمس کے بعد خوراک نایاب ہونے لگی، غلے کی ایک بوری 100 بیسنٹ (ایک یورپی سکہ جو

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 231_232، کتاب الروضتین: 4/235
[2] کتاب الروضتین: 4/238
[3] النوادر السلطانیۃ: 233، کتاب الروضتین: 4/236

تقریباً دینار کے مساوی تھا) اور ایک انڈا چھ دینار میں فروخت ہونے لگا، مجبوراً فرنگی اپنے گھوڑوں کو ذبح کرنے کھانے لگے...... جہاں گھوڑا ذبح کیا جاتا وہاں ہجوم اکٹھا ہو جاتا، لوگ گھوڑوں کی انتڑیاں تک کھا جاتے تھے...... اس موقع پر فرنگیوں کی کاشت کردہ سبزیاں امراء کے کام آ رہی تھیں...... لوگ بھوک مٹانے کے لیے لوبیے اور اخروٹ نما گرم میووں پر گزارہ کر رہے تھے۔''

ایمبر وز نے دو صلیبی افسروں کا قصہ بھی بیان کیا ہے جنہیں دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد لوبیے کے تیرہ دانے کھانے کے لیے ملے تھے، ان میں سے بھی ایک کھوکھلا تھا، لہٰذا اسے تبدیل کروانے کے لیے انہیں دوبارہ تاجر کے پاس جا کر جھگڑا کرنا پڑا تھا۔ وہ بتاتا ہے:

''خوراک کی کمی کے باوجود شراب کا ذخیرہ بکثرت تھا...... خالی پیٹ شراب پینے سے بیک وقت تین تین، چار چار آدمی مر جاتے تھے۔''[1]

کرسمس سے لے کر لینٹ (نصرانیوں کا ماہِ صوم) تک قحط ناقابلِ برداشت حد تک سخت تھا، لین پول کے بیان کے مطابق لوگ مویشیوں کی طرح گھاس کھانے پر مجبور تھے، تنور پر روٹی کے بچے کچے ٹکڑوں پر جھگڑتے اور کتوں کی طرح ہڈیوں کو چوستے اور چباتے۔[2] جنوری میں صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق صلیبی چھاؤنی میں یومیہ سو سے دو سو تک افراد بھوک سے مر رہے تھے...... پھر یہ خبر بھی ملی کہ جرمنوں کا نوجوان حکمران فریڈرک شدید بیمار ہے...... اس کے پیٹ میں شدید تکلیف ہے۔[3]

جرمن بادشاہ کی موت ﷺ آخرکار 22 ذی الحجہ 586ھ (20 جنوری 1191ء) کو جرمن حکمران فریڈرک ڈیوک آف سوابیا کی روح پرواز کر گئی۔ اس دن آنجہانی فریڈرک کے سوگ میں فرنگی چھاؤنی کے ہر خیمے پر یورپی رواج کے مطابق دو دو، تین تین شمعیں جلا دی گئیں۔ مسلمانوں کو دُور سے صلیبی چھاؤنی میں بے شمار جگنو ٹمٹماتے نظر آ رہے تھے...... اب تک فریڈرک کے سوا یورپ کا کوئی بادشاہ بذاتِ خود صلیبی جنگ میں شرکت کے لیے نہیں پہنچا تھا لہٰذا فریڈرک کو فرنگیوں کے تمام لیڈروں گائی، مارکوئیس اور کاؤنٹ ہنری وغیرہ پر فوقیت حاصل تھی گویا وہ ان سب کا چیف کمانڈر تھا۔ اس کی موت کا واقعہ فاقہ کش فرنگیوں کے لیے جتنا افسوس ناک تھا، مسلمانوں کے لیے اتنا ہی مسرت بخش تھا۔[4] فریڈرک کے علاوہ صلیبیوں کا مشہور جنگجو کاؤنٹ بالیان بھی انہی دنوں ہلاک ہوا تھا۔ مسلمانوں کو ایک طرف عکا میں خوراک کی کمیابی کے باعث عکا کے جلد سقوط کا خدشہ تھا تو دوسری طرف یہ امید بھی تھی کہ شاید صلیبی

[1] سلیبی جنگیں: 195_196

[2] صلاح الدین۔ لین پول: 215

[3] النوادر السلطانیہ: 233، کتاب الروضتین 4/235

[4] کتاب الروضتین 4/235، النوادر السلطانیہ: 234

فاقوں اور اپنے لیڈروں کی موت سے گھبرا کر واپسی اختیار کرلیں۔ یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ فریڈرک کے بعد اب کاؤنٹ ہنری بھی بستر مرگ پر ہے۔[1]

بحری جھڑپیں٭ سرما کے سست رو ٹھنڈے ایام میں دونوں طرف اک سکوت مرگ طاری تھا...... کبھی کبھی کوئی خبر یا کوئی کارروائی اس سناٹے کو توڑ دیتی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ جہاں سمندر زیادہ متلاطم نہیں تھا بعض فرنگی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اِدھر اُدھر نکل جایا کرتے تھے کیونکہ خوراک کی تلاش کے لیے وہ بھاگ دوڑ کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ 24 ذی الحجہ (22 جنوری) کو سلطان کے سپاہیوں نے ایسی دو کشتیوں پر قبضہ کر کے ان پر سوار 50 سے زائد فرنگی گرفتار کر لیے۔ اگلے دن ایسی ہی ایک اور کشتی پکڑی گئی۔ ایک روایت کے مطابق اس کے گرفتار شدگان میں شاہ گائی کا چچازاد بھائی بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ جواہرات سے مرصع شاہی لباس اور بادشاہوں کے استعمال کی چیزیں بھی ہاتھ آئیں...... کہا جاتا تھا کہ یہ جرمن بادشاہ فریڈرک آف سوابیا کے ملبوسات تھے جو دو دن پہلے فوت ہوا تھا۔[2]

آؤ گلے ملیں٭ کبھی کبھار عکا کی فصیل اور سمندر کی جانب ہلکی پھلکی جھڑپیں بھی ہوتی تھیں۔ عماد کاتب کے بقول ان دنوں عکا میں تعینات سات امراء شہید ہو گئے۔

سوار نامی ایک امیر کی شہادت کا قصہ بڑا عجیب ہے۔ وہ کچھ سپاہیوں کے ہمراہ کشتی میں جا رہا تھا کہ فرنگیوں کی کشتیوں نے انہیں گھیر لیا، اسکے ساتھی سمندر میں کود کر تیرتے ہوئے عکا کی طرف نکل گئے جبکہ یہ لڑتا رہا۔ فرنگیوں نے اسکی سخت جانی دیکھ کر ہتھیار ڈال دینے کی صورت میں جان بخشی کی پیش کش کی۔ سوار نے کہا:

"بڑوں کی بات بڑوں ہی سے ہونی چاہیے۔ میں تمہاری امان پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ ہاں تمہارا بڑا افسر آ کر بات کرے اور ہاتھ ملا کر عہد و پیمان کرے تو میں تیار ہوں۔"

صلیبی مان گئے...... ان کا بڑا افسر پہنچ گیا۔ وہ خوش تھا کہ ایک مسلمان امیر قیدی بن رہا ہے جس کی آزادی کا ٹھیک ٹھاک معاوضہ وصول کیا جاسکتا تھا۔ جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو سوار نے گرم جوشی کے ساتھ اسے گلے لگا لیا اور ساتھ ہی گرفت اتنی مضبوط کرلی کہ صلیبی افسر بلبلانے لگا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور اسی حالت میں سمندر میں جا گرے۔ سوار نے آخر دم تک اسے اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دیا۔ کاتب عماد کہتے ہیں:

"دونوں موت کے سفر میں ساتھ ساتھ رہے البتہ جنت اور دوزخ کے راستوں پر پہنچ کر جدا ہو گئے۔"[3]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 234 [2] کتاب الروضتین 238/4 [3] کتاب الروضتین 237/4

افواج کی تبدیلی کا کام ❊ مگر یہ چھوٹے موٹے واقعات اس خطرے کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھے جس سے اہلِ عکا دوچار تھے...... وہاں خوراک کے ذخائر منتقل کرنے اور تازہ سپاہ پہنچانے کی کارروائی اب تک ادھوری تھی...... اس ضرورت کی تکمیل میں غیر معمولی تاخیر ہو چکی تھی اور اب وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

الملک العادل اس مہم کے لیے کئی ہفتوں تک حیفا کی بندرگاہ پر پڑا رہا تھا۔ سلطان کی جانب سے عکا کے لیے چنے گئے نئے سپاہی ٹولیوں کی صورت میں یہاں آتے تھے۔ الملک العادل انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ عکا بھیج دیتا۔ جو کشتیاں انہیں لے کر جاتیں، واپسی میں عکا کے محصورین سے لدی ہوئی آتیں، اس طرح محصورین کا انخلاء اور نئی فوج کی تعیناتی ہوتی رہی مگر سمندر میں طغیانی کی وجہ سے یہ کام بہت دھیرے دھیرے ہو رہا تھا۔

محصورینِ عکا کا انخلاء نئے سال 587ھ کے آغاز میں مکمل ہوا۔ 20 ہزار محصور افراد کے عکا سے نکل آنے کے بعد 16 / محرم (12 فروری 1191ء) کو ان کا حاکم ابوالہیجاء شہر سے نکلنے کے لیے تیار ہوا۔ اسی دن نامور امیر سیف الدین المشطوب متبادل سالارِ اعلیٰ کے طور پر تعینات ہو کر وہاں پہنچا اور شہر کے انتظامات سنبھال لیے۔ ابوالہیجاء سمندر کے راستے سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچ گیا۔ اب پرانی فوج کے بدلے تقریباً تین ہزار چنیدہ سپاہی بیس افسران کی سرکردگی میں وہاں کا نظم ونسق سنبھال چکے تھے جن میں سیف الدین المشطوب کے علاوہ ''اسدی'' سپاہیوں کا نامور امیر عزالدین جاولی بھی تھا۔ سابقہ عملے میں سے صرف بہاؤ الدین قراقوش ہی وہ جواں مرد تھا جو سلطان کی طرف سے رخصت ملنے کے باوجود عکا میں رہ گیا تھا۔ مزید سپاہیوں کی منتقلی کا سلسلہ جاری تھا کہ سمندر پرسکون ہو گیا، موسم سرما کی یخ بستہ ہوائیں نرم وگرم جھونکوں میں بدل گئیں اور فرنگیوں کے بحری جہاز صور سے آ کر ساحل عکا پر لنگر انداز ہو گئے۔ یوں نہ تو مزید تازہ دم سپاہ کو منتقل کیا جا سکا، نہ خوراک کے فاضل ذخائر پہنچانے کا ہدف پورا کیا جا سکا۔ عکا اب اپنے نئے محافظوں کی ہمت، حوصلے اور سخت جانی کے بقدر ہی اپنی مدافعت کر سکتا تھا۔ [1]

9 محرم (5 فروری 1191ء) کو شہزادہ الملک الظاہر اپنی فوج کے ساتھ حلب روانہ ہو گیا، اس نے موسم سرما کا بڑا حصہ محاذ پر گزار کر نہایت بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا تھا، اب چوں کہ تعطیلات پر گئے ہوئے دیگر علاقوں کے سپاہی واپس آنے والے تھے، اس لیے حلب کی سپاہ کا کچھ مدت کے لیے رخصت پر چلے جانا غیر معقول نہ تھا۔ [2]

کیا دفاعی انتظامات ادھورے تھے؟ ❊ یہ بات واضح ہے کہ عکا کی حفاظت کے اقدامات بہر

[1] کتاب الروضتین: 4/237 [2] النوادر السلطانیۃ: 230

صورت کافی نہیں تھے۔ علامہ ابن اثیر نے اس موقع پر دفاعی حکمت عملی میں بعض کمزوریوں کو بیان کیا ہے مثلاً:

1- عکا میں پہلے جتنی فوج محصور تھی، اب اس سے کم افراد تعینات کیے گئے تھے، پہلے وہاں ساٹھ افسران تھے، اب ان کے بدلے صرف بیس افسران بھیجے گئے تھے۔

2- سلطان کے محکمۂ خزانہ میں کچھ عیسائی منشی بھی تھے۔ وہ بھرتی ہونے والے نئے سپاہیوں کے مصارف میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ اس سے بہتیرے سپاہی بددل ہو کر لشکر سے نکل گئے۔ (یاد رہے کہ یہ بات صرف ابن اثیر رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ کاتب عماد یا ابن شداد کی تحریروں میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بہرکیف اگر واقعی ایسا تھا تو یہ سلطان کے عسکری نظام میں ایک اہم رخنہ تھا اور سمجھا جاسکتا ہے کہ اس پہلو سے بے توجہی کے باعث عین ضرورت کے وقت سلطان کے نائبین کو عکا بھیجنے کے لیے ضرورت کے مطابق سپاہی نہیں مل رہے ہوں گے۔)

3- عکا میں خوراک و رسد کے ذخائر زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچا دینا ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہوسکا (صرف ضرورت کے بقدر سامان ہی پہنچایا جاسکا)

4- پہلے سے محصور فوج اور امراء دو سال سے محاصرے کی سختیاں جھیلتے جھیلتے جفاکشی کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ اب جو نئے افراد تعینات کیے گئے انہیں ایسی سخت کوشی کا تجربہ نہیں تھا اس لیے فوج کی تبدیلی کے نتائج توقع کے برعکس نکلے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فوج کی تبدیلی کے موقع پر امراء کی ایک جماعت نے سلطان کو مشورہ دیا تھا کہ عکا کے محصورین کو بھاری مقدار میں خوراک و رسد پہنچا کر انہیں وہیں جمے رہنے کی تاکید کی جائے مگر سلطان کا خیال تھا کہ محصورینِ عکا محاصرے کی مشقتیں جھیل جھیل کر عاجز آگئے ہیں۔ اگر ان کو مزید امتحان میں ڈالا گیا تو ممکن ہے وہ ہمت ہار بیٹھیں۔ اس سوچ کے تحت فوج کی تبدیلی کی کارروائی عمل میں لائی گئی مگر اس کے اثرات خلافِ توقع برآمد ہوئے۔ [1]

علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق "دفاعِ عکا" کی مذکورہ انتظامی کمزوریوں کی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان نے اس اہم ترین معاملے کے ہر پہلو پر پوری توجہ نہیں دی۔ انہوں نے عکا کے امور اپنے نائبین کے سپرد کر دیے تھے جو غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ سلطان کا اپنے نائبین پر بھرپور اعتماد آئندہ تمام کمزوریوں کا باعث بنا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کے یہ تنقیدی نکات جو ہم نے اپنے الفاظ میں بیان

[1] الکامل فی التاریخ: 10/198_199

کیے ہیں، الکامل فی التاریخ: 587ھ کے تحت ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سلطان ایوبی کے سیکرٹری کاتب عماد اصفہانی بھی اسی قسم کی تنقید کرتے نظر آتے ہیں [1] اور مذکورہ اکثر اعتراضات میں وہ ابن اثیر رحمہ اللہ سے متفق ہیں۔

اس سے ہم اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ بڑے عالی دماغ لوگوں اور غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال شخصیات سے بھی بعض مواقع پر غلط فیصلے صادر ہو جاتے ہیں۔یہ بشری تقاضا ہے جس سے شاید ہی کوئی انسان بچ سکتا ہو۔مگر اس پہلو کو دیکھ کر سلطان ایوبی کو غیر ذمہ دار اور غیر محتاط حکمران خیال کرنا کوئی انصاف کی بات نہیں ہوگی۔ بڑے بڑے انسانوں سے بعض مواقع پر غلطیاں ہو جاتی ہیں۔سلطان ایوبی کی زندگی میں یہ ایک ایسا ہی موقع تھا۔اب تک عکا کے محاصرے کے حالات جتنی تفصیل سے آپ پڑھ چکے ہیں ان میں سطر سطر سے سلطان ایوبی کی بے چینی فکر مندی اور سعی مسلسل عیاں ہے۔مگر ظاہر ہے وہ انسان تھے۔حکمت عملی میں غلطیاں ان سے بھی ہو سکتی تھیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غیر ذمہ دار تھے اور انہیں اہل عکا کی کوئی فکر نہیں تھی۔

حالات بدلنے لگے ✻ ماہِ صفر (مارچ) بہارِ نو کا پیام لے کر آیا، دھوپ کی تمازت نے نباتات کو نئی زندگی بخشی، طوفانی ہوائیں تھم گئیں، فوجی خیمہ گاہوں میں چہل پہل بڑھنے لگی، تاہم سلطان کی قوت میں ایک نمایاں کمی واقع ہوئی۔ان کا بازوئے شمشیر زن تقی الدین عمر اپنی ماتحت فوج کے ساتھ اپنی عملداری میں آنے والے مشرقی فرات کے نئے علاقوں کا انتظام سنبھالنے چلا گیا۔یہ تین صفر (یکم مارچ) کا واقعہ ہے۔سلطان نے بادل نخواستہ اسے رخصت دی۔کسے معلوم تھا کہ تاریخ اسلام کے یہ دونوں جرنیل اب کبھی دوبارہ نہیں مل پائیں گے۔

ادھر فرنگی سپاہیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اناج سے لدے ہوئے یورپی جہاز اور فرانس و برطانیہ کی افواج اب پہنچا ہی چاہتی ہیں۔وہ سلطان کے گشتی سپاہیوں اور قریب سے گزرنے والے مسلمانوں کو چیخ چیخ کر بتاتے کہ عنقریب ہمارا فرانسیسی بادشاہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ آ رہا ہے۔ [2]

4صفر 587ھ (3مارچ 1191ء) کو سلطان کے معسکر میں ایک مراسلہ پہنچا جو حمص کے نوجوان حاکم اسد الدین شیرکوہ نے بھیجا تھا۔یہ نوجوان سلطان کے چچا اسد الدین شیرکوہ کا پوتا اور سلطان کا بھانجا تھا۔سلطان کے حکم کے مطابق وہ سرحدوں پر پہرہ دے کر مسلمانوں کی آبادیوں اور فصلوں کی حفاظت کر رہا تھا۔اس دوران اس نے طرابلس کے فرنگیوں کے ایک قافلے پر چھاپہ مار کر خاصی مقدار میں مال غنیمت

[1] الروضتین: 234/4
[2] ایضاً: 240/4، 242

حاصل کرلیا تھا۔ مراسلے میں اس کارروائی کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ بتایا گیا تھا کہ غنیمت میں 4 سو گھوڑے اور سو گائیں ہاتھ لگی ہیں۔ اسی شب "زیب" کے ساحل پر فرنگیوں کی ایک کشتی الٹ گئی، بہت سے غرق ہو گئے اور بہت سے مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔
(زیب عکا کا شمالی ساحل تھا)

ادھر صور کی بندرگاہ سے تمام بحری جہاز دوبارہ ساحل عکا پر آکر لنگر انداز ہو گئے تھے۔ پھر لینٹ (نصاریٰ کے روزوں) کے آخری دنوں میں ایک بحری جہاز صلیبیوں کے لیے اناج کی کھیپ لے آیا۔ صلیبی خوشی سے پاگل ہو گئے...... اناج کی ایک بوری جو سو دینار کی فروخت ہو رہی تھی، اب چار دینار میں ملنے لگی۔ [1]

اسلامی افواج کی واپسی اور جھڑپوں کا آغاز: اگلے ماہ ربیع الاوّل 587ھ (اپریل 1191ء) میں عسکری سرگرمیوں میں باقاعدگی پیدا ہو گئی۔ سلطان کی افواج سرما کی تعطیلات گزار کر واپس آنے لگیں۔ عزاز و بغراس کا کہنہ سال حاکم سلیمان بن جندر، والیٔ دمشق بدرالدین مودود اور بعلبک کا قلعہ دار الملک الامجد اپنی افواج کے ساتھ پہنچ گئے۔ بڑے معرکوں کا پیش خیمہ بننے والی جھڑپیں شروع ہو گئیں۔
یکم ربیع الاوّل کی شب عکا کے جانبازوں نے شہر سے نکل کر صلیبی چھاؤنی پر اچانک حملہ کیا، بہت سوں کو قتل کرنے کے بعد وہ درجنوں فرنگیوں کو قیدی بنا لائے جن میں بارہ عورتیں بھی تھیں۔ [2]

3 ربیع الاوّل (30 مارچ) کو جب سلطان کے خاص حلقے کے سپاہی گشتی سپاہ کے طور پر پہرہ دے رہے تھے، فرنگیوں کے ایک دستے نے ان پر حملہ کر دیا، ایک خون ریز جھڑپ ہوئی، مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فرنگیوں کے ایک بڑے افسر سمیت متعدد حملہ آوروں کو ہلاک کر دیا۔ مسلمانوں کی جانب سے صرف سلطان کا ایک خادم قراقوش جو بہادری میں مشہور تھا گھوڑے سے گر جانے کے سبب شہید ہوا۔

9 ربیع الاوّل (5 اپریل) کو جاسوسوں نے خبر دی کہ دشمن کا ایک گروہ قریبی وادی میں گشت کے لیے نکلنے والا ہے۔ سلطان کی ہدایت پر الملک العادل چنیدہ بہادروں اور ایوبی خاندان کے خواص کے ساتھ اس مہم کے لیے نکلا جن میں شہزادہ الملک الافضل، تقی الدین عمر کا بیٹا ناصر الدین محمد اور الملک العادل کے کم سن لڑکے الملک الاشرف محمد، الملک المعظم طوران شاہ اور الملک الصالح اسماعیل بھی تھے۔ ان کے علاوہ قاضی فاضل اور قاضی ابن شداد بھی اس مہم میں شرکت کے لیے نکل پڑے تھے۔ حکمت عملی یہ تھی کہ سلطان عیاضیہ کے ٹیلوں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھیں گے۔ جونہی بے خبر دشمن وہاں سے گزرے گا اس پر پل پڑیں گے...... مگر لگتا ہے دشمن کو بھنک پڑ گئی تھی چنانچہ اس نے ادھر کا رخ ہی نہ کیا تاہم اس

[1] صلیبی جنگیں: 197
[2] الروضتین: 241/4

دن مسلمانوں کو ایک اور کامیابی کی خوشی ضرور ہوئی۔ بیروت میں تعینات سلطان کی فوج نے 45 فرنگیوں کو گرفتار کرلیا تھا اسی دن یہ لوگ سلطان کی خدمات میں پیش کیے گئے۔ [1]

قاضی ابن شداد بتاتے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے ایک فرنگی اس قدر عمر رسیدہ تھا کہ اس کے منہ میں کوئی دانت تک نہ تھا، ضعف کا یہ عالم تھا کہ معمولی چلنے پھرنے کے سوا وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا، سلطان نے ترجمان سے کہا:

"اس سے پوچھو اس عمر میں یہ شخص یہاں کیوں آیا ہے اور کتنی دور سے آیا ہے؟"

بوڑھے فرنگی نے جواب دیا:

"میرا ملک یہاں سے کئی ماہ کی مسافت پر ہے، میں صرف مرقدِ مسیح کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔"

سلطان کو ترس آگیا، اسے آزاد کر کے ایک گھوڑے پر سوار کیا اور فرنگیوں کی چھاؤنی کی طرف بھیج دیا۔ [2]

ابھی یہ فرق نہیں سمجھتے: اس موقع پر سلطان کی دور اندیشی اور اولاد کی تربیت میں حزم و احتیاط کی ایک عجیب مثال سامنے آئی۔ سلطان کے کم سن لڑکوں نے قیدیوں کو دیکھ کر اصرار شروع کردیا کہ کچھ قیدی ان کے حوالے کیے جائیں تاکہ وہ انہیں قتل کرسکیں، مگر سلطان نے انہیں صاف منع کردیا۔ قاضی بہاء الدین ابن شداد نے جو کم سن شہزادوں کی ضروریات کے نگران بھی تھے، سلطان سے ممانعت کی وجہ پوچھی تو سلطان نے جواب دیا:

"میں نہیں چاہتا کہ یہ نوعمری سے خون بہانے کے عادی بنیں اور ان کے لیے کسی کو قتل کرنا ایک معمولی بات شمار ہو۔ ابھی تو یہ مسلم اور کافر کے فرق کو بھی صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔"

سلطان کا مطلب یہ تھا کہ ابھی کسی کو قتل کرنے صرف اپنے دشمن کو قتل کرنے کا جذبہ پروان چڑھے گا۔ جہاد کا اعلیٰ مقصد ان کے سامنے نہیں اس لیے محض مار دھاڑ کا ذہن بنے گا۔ اسلامی و اخلاقی روح پرورش نہیں پائے گی۔ [3]

شاہِ فرانس کی آمد: موسم بہار کے آخری دنوں میں جبکہ فضا کی حدت بڑھنے لگی تھی یورپی حکام بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ میں شرکت کے لیے پہنچنے لگے۔ ہفتہ 23 ربیع الاوّل 587ھ (4 اپریل 1191ء) کو فرانسیسی بحری بیڑہ بڑے طمطراق سے عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ 26 سالہ شاہِ فرانس فلپ آگسٹس ثانی جو مرتبے میں سب شاہانِ یورپ سے بالاتر شمار ہوتا تھا،

[1] النوادر السلطانیہ: 235، 236، الروضتین: 4/241، 242
[2] النوادر السلطانیہ: 235، 236
[3] النوادر السلطانیہ: 236، الروضتین: 4/242

اپنے جنگجوؤں کے ساتھ آن پہنچا تھا، اس کے ذاتی جہاز پر شاہی نشان دور سے لہراتا نظر آرہا تھا۔ چھے جہازوں میں رسد کے بڑے بڑے ذخائر اور سواری کے جانور بھی تھے۔ چھاؤنی کے صلیبیوں میں ایک مسرت انگیز ہل چل مچ گئی۔ [1]

تمام صلیبی حکام، نواب اور نائٹ شاہِ فرانس کے استقبال کے لیے ساحل کی ریت پر دوڑتے نظر آئے۔ اس دن فرنگی جس قدر شاداں تھے، مسلمان اتنے ہی پریشان نظر آرہے تھے۔ شاہ فرانس کے ساتھ یورپ کے مزید کئی نواب اور نائٹ آئے تھے جن میں کاؤنٹ آف فلینڈرز کا نام خاصا معروف تھا۔ شاہ فرانس کی فوجیں ساحل پر اترنے لگیں تو اس دوران شاہ کا نہایت قیمتی اور چہیتا باز جو اپنے محافظ کے ہاتھوں میں تھا، یکدم اڑا اور صلیبی چھاؤنی پر پرواز کرنے لگا۔ سب لوگ نہایت دلچسپی سے یہ منظر دیکھنے لگے۔

سفید رنگ کے اس دیو ہیکل باز نے صلیبی چھاؤنی کے کئی چکر لگائے اور آخر کار عکا کی فصیل پر جا بیٹھا۔ عکا کے مسلمان سپاہی جو باز کو اِدھر آتا دیکھ کر محوِ حیرت تھے، فوراً لپکے اور اسے پکڑ لیا۔ اگرچہ عکا کے بحری و بحری راستے بند ہو چکے تھے مگر زیرک افسران نے کسی نہ کسی طرح یہ باز فوری طور پر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان اور ان کے افسران اس پرندے کی خوبصورتی اور اس کے اعضاء کی بناوٹ پر حیران ہو رہے تھے، یقیناً یہ نہایت اعلیٰ اور نایاب نسل کا تھا۔ بہاء الدین ابن شداد نے بھی اس موقع پر اسے دیکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

"یہ سفیدی مائل، کھلتے ہوئے رنگ کا باز تھا۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت پرندہ کبھی نہیں دیکھا۔"

مسلمان جو اس دن فرانسیسی افواج کی آمد کے باعث طرح طرح کے خدشات میں مبتلا ہو گئے تھے، اس باز کے ہاتھ آجانے پر ایک انجانی سے خوشی محسوس کرنے لگے۔ بہت سے لوگ اسے نیک فالی پر محمول کر کے فتح وظفر کا پیش خیمہ قرار دینے لگے۔ اُدھر فرنگی اس واقعے کو بدشگونی تصور کر کے پریشان تھے۔ سب سے زیادہ تشویش شاہِ فرانس کو تھی۔ اس نے ایلچی بھیج کر سلطان سے باز واپس مانگا اور قیمت کے طور پر ایک ہزار دینار پیش کیے مگر سلطان نے انکار کر دیا۔ غالباً وہ اس نیک فالی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے جس نے ان پُرخطر حالات میں بھی انہیں نفسیاتی طور سہارا دیا۔ [2]

لاذقیہ کے نصرانیوں کی قبرص میں کارروائی: فرانسیسیوں کے بعد یورپ کا نامی گرامی نواب کاؤنٹ فرنڈ بھی اپنی فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ ان یورپی افواج کی آمد مسلمانوں کے حوصلوں کے لیے نئی

[1] النوادر السلطانیۃ: 236، مالروضتین: 4/242، صلیبی جنگیں: 197

[2] النوادر السلطانیۃ: 237، مالروضتین: 4/243، صلیبی جنگیں: 198

آزمائش تھی تاہم آئے دن ایسی خبریں بھی مل رہی تھیں جن سے مسلمانوں کو یقین ہوجاتا تھا کہ اللہ کی نصرت بہرحال ان کے شاملِ حال ہے۔ 12 ربیع الثانی 587ھ (6 جون 1191ء) کو لاذقیہ سے مراسلہ پہنچا جس میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کی پناہ میں آنے والے نصرانیوں کے ایک گروہ نے کشتیاں لے کر جزیرۂ قبرص میں ایک کامیاب کارروائی کے دوران 27 عورتوں سمیت بہت سے نصرانیوں اور مال ودولت کے بڑے ذخیرے پر قبضہ کرلیا ہے۔ یہ حملہ آور افراد نصرانیوں کے تہوار کے دن ساحل سمندر پر واقع گرجے میں پہنچے جہاں مقامی نصرانیوں کی بڑی تعداد جمع تھی۔ انہوں نے سب کے ساتھ عبادت میں شرکت کی، پھر گرجے کے دروازے بند کرلیے اور پادری سمیت گرجے میں موجود لوگوں کو نرغے میں لے کر ان سے مال وصول کیا، اس کے بعد انہیں کشتیوں میں سوار کر کے لاذقیہ لے آئے۔ کارروائی میں شریک ہر فرد کو لوٹے ہوئے مال ودولت میں سے چار چار ہزار درہم ملے۔ انہی دنوں ایک جگہ نصرانیوں کے مویشیوں پر لوٹ مار کے دوران ایک سو بیس بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔[5]

مگر مسلمانوں کو ملنے والی یہ ہلکی پھلکی امید افزا خبریں اس مسرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں جو نصرانیوں کو نصیب ہورہی تھی۔ یورپ سے فراہم ہونے والی بے پناہ کمک کے سلسلے کا نقطۂ عروج سامنے آرہا تھا۔ رچرڈ بحیرۂ روم کے ساحل پر نمودار ہوچکا تھا۔

---

[5] النوادر السلطانیہ: 238، الروضتین: 4/244، سیمی جمیل: 198

فصل:9

رچرڈ کی آمد

انگلستان کا حکمران رچرڈ تیسری صلیبی جنگ میں شامل یورپی بادشاہوں میں سے سب سے زیادہ نامور ہے۔ یورپ کی تاریخ میں وہ ''شیر دل'' (Line Hearted) کے لقب سے مشہور ہے اور نصرانیوں کے ہاں ایک بہت بڑے ہیرو کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ غیر معمولی طور پر لمبا تڑنگا، مغرور، من چلا اور مہم جو بادشاہ اپنی افتادِ طبع کے باعث اپنے باپ ہنری دوم سے جھگڑتا رہا اور اس کے عتاب کا شکار ہوا۔ باپ کی موت تک وہ قہرِ شاہی سے بچنے کے لئے فرانس میں پناہ گزین تھا۔ ہنری دوم کی وفات کے بعد وہ ایسے وقت میں تختِ شاہی پر براجمان ہوا تھا جب صلیبی جنگ کا نقارہ بج چکا تھا اور پورا یورپ زور شور سے ''مقدس صلیب'' کی بازیابی کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ رچرڈ کو عوام میں ہر دلعزیز بننے اور اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کے آزمانے کا ایک شاندار موقع مل رہا تھا چنانچہ وہ بلا تردد اس پر جوش مہم میں شامل ہو گیا اس نے جنگی مصارف کے لئے بڑی بڑی شاہی جائیدادیں فروخت کر ڈالیں اور ایک زبردست فوج تیار کر لی۔

اس دوران فرانس کا نوجوان حکمران فلپ آگسٹس بھی فوج تیار کر چکا تھا۔ رچرڈ اور فلپ چچازاد بھائی تھے اور اس موقع پر خاندانی اختلافات بھلا کر متحد ہو گئے تھے۔ فلپ 26 سال کا تھا مگر حکمرانی کا گیارہ سالہ تجربہ رکھتا تھا اور ایک دور اندیش اور محتاط انسان تھا۔ رچرڈ عمر میں اس سے آٹھ سال بڑا ہونے کے باوجود بے فکرا، من موجی اور جوشیلا تھا۔ اس کی فیاضی فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک بہادر اور ماہرِ فن سپاہی تھا مگر اسے حکمرانی کے نشیب و فراز اور رموزِ سیاست کی زیادہ شد بد نہیں تھی۔

دونوں حکمران 586ھ (1190ء) کے موسم گرما میں یورپ سے روانہ ہوئے۔ فلپ کے لئے یہ سفر ایک نئے جہان کی فتح و کشاد کا راستہ تھا اور رچرڈ کے لئے ایک دلچسپ اور پر لطف مشغلہ۔ وہ مختلف ریاستوں کو فتح کرتے، باغیوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے جس میں پورا ایک برس گزر گیا۔ [1]

[1] صلیبی جنگیں: 200_201

انجام کار فلپ اگلے موسم بہار (1191ء) میں عکا پہنچ گیا جبکہ رچرڈ کو تاخیر ہو گئی۔ ''سفرنامہ رچرڈ'' کے مطابق وہ سسلی (صقلیہ) میں ٹھہر کر ایک نئی مہم انجام دینے لگا تھا۔ اس نے اپنی بہن کے حقوق کی بازیابی کے لئے غاصب ٹینکرڈ کے خلاف شمشیر سونت لی تھی۔ اس کا تقریباً پورا سال اسی مصروفیت میں گذر گیا۔ ٹینکرڈ کو قدموں پر جھکانے اس کے خزانے پر قبضہ جمانے اور اپنی بہن کو خوش کرنے کے بعد جب وہ سسلی سے چلا تو سمندری طوفان نے اس کے بیڑے کو قبرص کی طرف دھکیل دیا جو عکا کے شمال مغرب میں تقریباً پونے دوسو میل کے فاصلے پر ہے، یہ جزیرہ اس زمانے میں بازنطینی رومیوں کے پاس تھا۔ [1]

عماد کاتب کے بقول رچرڈ کا بیڑا، 26 ربیع الثانی (22 مئی 1191ء) کو قبرص کے ساحل پر پہنچا۔ [2]

قبرص کے حاکم نے رچرڈ کے شکستہ بیڑے کی خاطر خواہ آؤ بھگت نہ کی۔ اس پر رچرڈ نے مشتعل ہو کر قبرص پر بھی حملہ کر دیا۔ وہاں کے حکمران نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور یوں ایک شدید جنگ شروع ہو گئی۔ رچرڈ نے اس قضیے کو جلد نمٹانے کے لئے عکا کے صلیبیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ اسے افرادی قوت فراہم کریں۔

عکا کے صلیبی بے چینی سے رچرڈ کا انتظار کر رہے تھے مگر قبرص کی جنگ کے باعث رچرڈ کے پہنچنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی، تاہم کچھ دنوں کی لڑائی کے بعد بازنطینیوں کے گھٹنے ٹیک دیے۔ رچرڈ نے قبرص کے حاکم کو چاندی کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور خود مزید کچھ دنوں کے لئے وہیں رک گیا۔ وہ اسی جزیرے میں اپنی منگیتر بینگیر یا آف نوارے سے شادی کرنا چاہتا تھا، تاہم اس نے اپنی فوج، سامان رسد اور اسلحہ کا ایک حصہ فوری طور پر عکا روانہ کر دیا۔ [3] یہ پانچ جہاز تھے جن میں فرنگی سپاہیوں اور عورتوں کے علاوہ غلے کے ذخائر، محاصرے کے جدید آلات اور دیگر جنگی و سفری سامان لدا ہوا تھا۔

بیروت کا حاکم عزالدین اسامہ سمندری راستوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے رچرڈ کے بحری جہازوں کی آمد کے پیش نظر اسے تاکید کی تھی کہ وہ ایک نیا بحری بیڑہ سپاہیوں کی کثیر تعداد کے ساتھ عکا روانہ کر دے۔ اسامہ نے حکم کی تعمیل کی۔ مسلمانوں کا یہ بحری بیڑے عکا جا رہا تھا کہ اچانک اس کا رچرڈ کے ان پانچ جہازوں سے آمنا سامنا ہو گیا جو قبرص سے آ رہے تھے۔ مسلمان جہاز رانوں نے فوری کارروائی کرتے ہوئے انہیں گھیر لیا۔ پانچوں برطانوی جہاز اپنے مال و متاع اور سواریوں سمیت مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ ربیع الثانی 587ھ کی آخری تاریخ (25 مئی 1191ء) کو مخبر یہ خوشخبری لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ امرائے فوج اور سپاہیوں نے اس خبر سے ایک تازہ حوصلہ پایا۔ [4]

---

[1] سمتھ نگر: 201
[2] کتاب الروضتین: 4/242
[3] سمتھ نگر: 201
[4] النوادر السلطانیہ: 239

صلیبی عکا پر حملے کے لئے تیار ٭ قبرص پر رچرڈ کے قبضے کے بعد عکا کے صلیبیوں کو اطمینان ہو گیا تھا کہ عن قریب برطانوی افواج ان کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتی نظر آئیں گی۔ اس کے علاوہ فرانسیسی افواج اور دیگر یورپی نائٹوں کی امدادی قوت نے انہیں اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ وہ پورے اطمینان سے عکا پر فیصلہ کن حملے کر سکتے تھے۔ خوراک و رسد کا مسئلہ بھی حل ہو چکا تھا۔ اب صلیبی سیر ہو کر کھاتے اور ڈٹ کر شراب پیتے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ سلطان کی تمام افواج ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں، تقی الدین عمر جو تین ماہ پہلے فرات کی نئی جاگیروں کا انتظام سنبھالنے گیا تھا غیر معمولی تاخیر کا شکار ہو گیا تھا۔ اس شیرِ نر کی واپسی اور دیگر مشرقی افواج کی آمد سے پہلے پہلے صلیبیوں کے پاس عکا پر قبضے کا بہترین موقع تھا، پھر بھلا وہ رچرڈ کے انتظار میں دن کیوں ضائع کرتے!!

جمعرات 4 جمادی الاولیٰ 587ھ (29 مئی 1191ء) کو انہوں نے عکا کے سامنے سات بڑی منجنیق نصب کرنا شروع کر دیں۔ ادھر عکا سے مخبر بمشکل تمام رکاوٹیں عبور کر کے سلطان ایوبی کی خدمت میں پہنچا اور حالات سے مطلع کر کے درخواست کی کہ دشمن پر عقب سے بھر پور حملے کر کے انہیں شہر پر چڑھائی سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ سلطان نے اگلی صبح افواج کو اس انداز میں مرتب کیا کہ وہ فوری حکم پر آگے بڑھ سکیں۔ اس کے بعد جاسوسوں کو بھیج کر دشمن کی ان خندقوں کی صورتحال معلوم کی جو صلیبی چھاؤنی کی حفاظت کے لئے وادی کے رخ پر کھودی گئی تھیں۔ جاسوسوں نے جلد ہی آ کر خبر دی کہ خندقوں میں صلیبی سپاہ موجود نہیں۔

سلطان یہ سن کر چند غلاموں اور محافظوں کے ساتھ تیزی سے نشیبی ٹیلوں کی طرف اترتے چلے گئے۔ تل الفضول نامی ٹیلے پر وہ رک گئے جہاں سے دشمن کی چھاؤنی کا اندرونی منظر اور عکا کی طرف ان کی نقل و حرکت صاف نظر آ رہی تھی، سلطان نے دیکھا کہ صلیبی سپاہی منجنیق نصب کر رہے ہیں۔ سلطان یہ حالات دیکھ کر معسکر کی طرف لوٹ گئے جواب تک کوہ خروبہ سے پیچھے کوہ شفرعم کی چوٹی پر تھا۔ [1]

ایک فرنگی ماں سے سلطان کا حسن سلوک ٭ سلطان کی فوج میں کچھ غیر پیشہ ور لوگ حریف کی فوج، پڑاؤ اور سامان رسد کو لوٹنے پر مقرر تھے، ان میں مسلمان بھی شامل تھے اور ذمی عیسائی بھی۔ ایسے لوگ جو کچھ لوٹتے تھے اسے پہلے سلطان کی خدمت میں جائزے کے لئے پیش کرتے اور سلطان کی اجازت سے وہ لوٹے ہوئے مال کے مالک بن جاتے۔ یہ لوگ صلیبی چھاؤنی سے مال و متاع اور مویشیوں کے علاوہ بعض اوقات آدمیوں کو بھی پکڑ لاتے۔ 6 جمادی الاولیٰ 587ھ (31 مئی 1191ء) کی رات

[1] النوادر السلطانیہ: 239

انہوں نے ایک کارروائی میں فرنگیوں کے کسی خیمے سے تین ماہ کا ایک شیرخوار بچہ بھی اٹھالیا۔ بچے کی ماں اس صدمے سے بے حال ہوگئی، وہ روتی پیٹتی صلیبی قائدین کے پاس گئی جو سلطان کی شرافت، مروت کے چرچے نہ صرف سن چکے تھے بلکہ ان میں سے بہت سوں کو اس کا ذاتی تجربہ تھا، انہوں نے عورت کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کا بادشاہ بڑا رحم دل ہے، ہم تمہیں ان کے پڑاؤ میں جانے کی اجازت دیتے ہیں، تم خود جاؤ اور اس اسے اپنا بچہ طلب کرو۔ وہ تمہیں بچہ بازیاب کرادے گا۔''

عورت دوڑتی ہوئی مسلمانوں کے معسکر کی طرف نکلی۔ راستے میں محافظ سپاہیوں نے اسے روکا مگر جب اس کا ماجرا سنا تو بولے:

''ہمارے آقا نہایت مہربان ہیں، ہم تمہیں ان کے پاس پہنچادیتے ہیں۔ تم اپنا بچہ مانگ لینا۔''

ایک مملوک افسر اسے ساتھ لے کر سلطان کی طرف چل دیا۔ سلطان اس وقت گھوڑے پر سوار گشت کررہے تھے، قاضی بہاؤالدین ابن شداد، بہت سے خواص اور افسران ان کے ساتھ تھے۔ اچھا خاصا مجمع تھا۔ مملوک افسر فرنگی عورت کو ساتھ لئے وہاں پہنچ گیا، عورت سب کو نظر انداز کرتے ہوئے سلطان کے سامنے پہنچ گئی اور چیخیں مار مار کر اپنا دکھ درد بیان کرنے لگی، اس کے نالہ وفریاد کی دردناک صدائیں سن کر ہر شخص متاثر ہورہا تھا۔ پھر مجبور ماں سلطان کے آگے زمین پر گر پڑی اور اپنا چہرہ خاک آلود کرنے لگی، سلطان کو صبح اس واقعے کی اطلاع مل چکی تھی تاہم انہوں نے تفصیل جاننے کے لئے ترجمان کے ذریعے اس کا حال دریافت کیا۔ عورت نے روتے ہوئے اپنی بپتا سنائی اور کہا:

''مجھے معلوم ہے کہ میرا بچہ آپ ہی سے مل سکتا ہے۔''

عورت کی دردبھری فریاد سن کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حکم دیا بچے کو فوراً تلاش کرکے لایا جائے۔ کارندے ہر طرف دوڑ پڑے۔ آخر بچے کو ڈھونڈ نکالا گیا، اس وقت تک اسے بازار میں فروخت کیا جاچکا تھا۔

سلطان نے حکم دیا کہ یہ بیع فسخ کردی جائے، گاہک کو قیمت لوٹا کر بچہ اس سے واپس لے لیا جائے۔

سلطان اس قضیے کے اختتام تک وہیں کھڑے رہے، عورت ان کے سامنے سسکیاں لیتی رہی، سرکاری کارندے بھاگتے دوڑتے رہے، آخر تھوڑی دیر کے بعد تمام مراحل طے ہوگئے اور ایک گھڑسوار سرپٹ آتا دکھائی دیا۔ بچہ اس کے کاندھے پر تھا۔ بچے کو دیکھتے ہی ماں تشکر کے جذبات سے مغلوب ہوکر سجدے میں گر پڑی اور رخسار زمین پر ملنے لگی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھ کر اپنی

زبان میں حمد یہ کلمات کہنے لگی۔

آخر بچہ عورت کی گود میں ڈال دیا گیا۔ ماں اور بیٹے کے ملاپ کا منظر عجیب تھا۔ فرنگی خاتون دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ اس نے بچے کو سینے سے اس طرح چمٹا لیا تھا جیسے وہ اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہو جو اب کبھی الگ نہیں ہو سکے گا، تمام لوگ جو یہ منظر دیکھ رہے تھے، اشک بار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ماں کے جذبات کو ذرا ٹھنڈک پہنچی تو اس نے بچے کو دودھ پلانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد سلطان کی ہدایت پر اس خاتون کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے عزت و احترام سے اس کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔[1]

حالت جنگ میں بھی دشمنوں سے ایسا فراخدلانہ سلوک سلطان صلاح الدین ایوبی کے اعلیٰ اخلاق کی کھلی شہادت ہے۔

عکا کی جنگ نئی شدت سے شروع اس دن سلطان فرنگیوں پر حملے کی تیاری کر رہے تھے مگر دن کا کچھ حصہ فرنگی عورت کی دادرسی میں گذر گیا۔ پھر اسی دن موصل سے ظہیر الدین بلنکری ایک فوج کے ساتھ پہنچا تو سلطان نے سوچا اس کی فوج کو ساتھ ملا کر کل فرنگیوں سے دو دو ہاتھ کیے جائیں۔ اسی سوچ بچار میں دن ڈھلے وہ اپنے خیمے کی طرف لوٹے تو مخبر نے اطلاع دی کہ فرنگیوں نے عکا پر چڑھائی شروع کر دی ہے۔ سلطان ایوبی فوری طور پر کچھ فوج کے ساتھ عکا کی طرف روانہ ہوئے۔ تاہم وسیع وادی کو عبور کر کے جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو لڑائی کا ہنگامہ تھم چکا تھا اور سورج ڈوب رہا تھا۔ اس کے بعد دو دن مکمل خاموشی چھائی رہی۔ تیسرے دن فرنگیوں نے صبح سویرے عکا پر دھاوا بول دیا۔ سلطان نے فوراً فوج کو تیار کر کے وادی کا رخ کیا۔ یہ سخت گرمی کے دن تھے۔ قاضی ابن شداد اس موقع پر عکا کو بچانے کے لئے سلطان کی مستعدی اور فکر مندی کو یوں بیان کرتے ہیں:

''منگل 9 جمادی الاولیٰ 587ھ (3 جون 1191ء) کی صبح سلطان کو اطلاع ملی کہ فرنگیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے اور منجنیقیں نصب کر دی ہیں۔ سلطان نے کوچ کی منادی کرا دی اور پیادہ و سوار فوج کے ساتھ خروبہ کے ٹیلوں پر آ گئے۔ حفاظتی دستوں کو مزید فوج بھیج کر تقویت فراہم کی۔ حریف (چھاؤنی سے) باہر نہ نکلا بلکہ اس نے شہر پر حملے مزید تیز کر دیئے یہ دیکھ کر سلطان نے چھاؤنی کا سختی سے محاصرہ کر لیا اور ان کی خندقوں پر متواتر حملے کرتے رہے۔ تب ظہر کے وقت دشمن شہر پر قبضے سے مایوس ہو کر اپنی خیمہ گاہ میں لوٹ آیا۔ سلطان بھی واپس لوٹے۔ ان کے لئے وہیں (وادی میں) ایک ہلکا پھلکا خیمہ لگا دیا گیا تھا تا کہ وہ دھوپ سے بچ سکیں۔ سلطان نے نماز

[1] النوادر السلطانیہ: 239، 240

ظہر ادا کر کے تھوڑا سا دم لیا۔ وادی کی حفاظتی فوج کو چوکس بنایا اور باقی سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا تاکہ وہ قدرے ستا لیں۔ میں اس وقت حاضر خدمت تھا کہ وادی کے پہرے دار سپاہیوں کی جانب سے اطلاع ملی کہ سلطان کے لوٹتے ہی دشمن نے پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا ہے۔ سلطان نے یہ سنتے ہی سپاہیوں کو خبردار کر کے محاذ پر واپس چلنے کا حکم دیا، سپاہی گروہ در گروہ دشمن کی سمت لوٹے۔ سلطان نے حکم دیا کہ رات اسلحہ پہنے ہوئے گذاری جائے گی۔ سلطان خود بھی رات محاذ پر گذارنے کے ارادے سے ٹھہر گئے جبکہ میں (ابن شداد) واپس چلا آیا۔ سلطان نے لشکر سمیت پوری رات محاذ پر جنگ کی تیاری میں گذاری۔ لشکر کے ایک حصے نے سختی سے حریف (کی چھاؤنی) کا محاصرہ کیے رکھا۔"[5]

معسکر کی تبدیلیؒ- رات کے آخری پہر سلطان نے لشکر کا پڑاؤ کوہ شفرعم سے عکا کے قریب عیاضیہ کے ٹیلوں پر منتقل کرنے کا حکم دیا تاکہ عکا پر صلیبیوں کے حملے کا فوری جواب دیا جا سکے۔ سلطان کا ہلکا خیمہ یہیں لگا دیا گیا۔ اگلے دن دشمن سے شدید جنگ ہوئی، سلطان کے جانبازوں نے چھاؤنی پر اتنے بھرپور حملے کیے کہ دشمن کو شہر پر حملے کا موقع نہ مل سکا۔

سلطان اس دوران دستوں کے درمیان گھوم پھر کر نہایت ولولہ انگیز لہجے میں انہیں جہاد پر ابھار رہے تھے اور شہادت کی رغبت دلا رہے تھے، صلیبی اب عکا کو بھول کر پوری طرح سلطان کا حملہ روکنے میں مشغول تھے۔ اس دوران انہوں نے اچانک خدشہ محسوس کیا کہ کہیں عکا کے سرفروش ان کی محویت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عقب سے ان کے خیموں پر نہ ٹوٹ پڑیں، یہ خیال آتے ہی وہ پیچھے ہٹ کر جنگ سے باز آ گئے اور اپنی خندقوں اور خیموں کی حفاظت میں مشغول ہو گئے۔

چونکہ دن بھر کی جنگ سے دونوں فوجیں تھک چکی تھیں اس لیے صلیبیوں کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر سلطان بھی اپنے لشکر سمیت عیاضیہ کے ٹیلوں پر لوٹ آئے۔ انہوں نے فرنگیوں کی خندقوں کے قریب کچھ افراد کو متعین کر دیا تاکہ وہ انہیں پل پل کی خبریں پہنچاتے رہیں اور اگر فرنگی دوبارہ عکا پر حملہ کریں تو اس کا تدارک کیا جا سکے۔

کئی دن یہ سلسلہ چلتا رہا۔ فرنگی جب بھی عکا پر حملہ کرتے عکا کے دربان نقارے بجا کر مسلمانوں کو حملے کی اطلاع دیتے، جواب میں ادھر سے بھی نقارے بجائے جاتے تاکہ انہیں سلطان کے آگاہ ہونے اور جوابی کارروائی شروع ہونے کا اطمینان ہو جائے۔ فرنگی جتنی تیزی سے حملہ کرتے، سلطان بذات خود ان کی چھاؤنی پر اس سے زیادہ شدت سے دھاوا بول دیتے، وہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور خواص کو اسی محاذ پر

[5] النوادر السلطانیہ: 241

لے آئے تھے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاکر عکا کو دشمن کے قبضے میں جانے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عیسائیوں کی یہ حالت تھی کہ جوں ہی سلطان کا حملہ ہوتا وہ شہر پر چڑھائی ترک کر دیتے مگر ادھر سلطان کی سپاہ پیچھے ہٹتی، ادھر وہ عکا پر دوبارہ چڑھ دوڑتے۔ بہر کیف وہ سلطان کے تند و تیز حملوں سے گھبرائے ہوئے تھے، اسی لئے انہوں نے چھاؤنی سے باہر کھلے میدان میں نکلنے کی قطعاً ہمت نہیں کی۔

اس دوران ایک موقع ایسا بھی آیا کہ سلطان کے حملوں سے گھبرا کر فرنگیوں کی طرف سے بات چیت کی پیش کش کی گئی، ان کا ایک نمائندہ سامنے آیا اور مطالبہ کیا کہ مسلمان بھی اپنا نمائندہ بھیجیں۔ سلطان نے جواب میں کہلوا دیا:

"اگر تمہیں گفت شنید کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو تم میں سے کوئی بھی ہمارے پاس آجائے، ہمیں تم سے مذاکرات کی کوئی حاجت نہیں۔"[1]

غالباً سلطان کو اس پیش کش میں بدنیتی کا عنصر واضح نظر آیا تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ دشمن سلطان کی فوج کو غافل رکھ کر عکا پر کوئی تیز تر کارروائی کرنا چاہ رہا ہو۔ بعد کے واقعات نے تصدیق کی کہ صلیبیوں کی جانب سے صلح کی پیشکشیں اکثر دھوکے اور فریب پر مبنی ہوتی تھیں۔

رچرڈ عکا کے ساحل پر: ہفتہ 13 جمادی الاولیٰ 587ھ (7 جون 1191ء) کو شاہِ برطانیہ رچرڈ عکا کے ساحل پر اترا۔ اس کے ساتھ 25 جنگی جہازوں کا ہیبت ناک بحری بیڑہ تھا۔ اس نے قبرص فتح کر لیا تھا اور وہاں کے گرجے میں اپنی منگیتر سے شادی کر کے ہنی مون بھی منا چکا تھا۔ رچرڈ کے جہاز پر برطانیہ کا سرخ پرچم لہرا رہا تھا۔ صلیبی چھاؤنی کے تمام مرد و زن ادھر دوڑ پڑے۔ نقارے اور باجے بجا کر شاہِ برطانیہ کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ رچرڈ اپنے بحری جہاز سے اترا۔ دراز قامت ہونے کے باعث وہ دور سے نمایاں نظر آرہا تھا، اس کے سرخ بال شانوں پر پھیلے ہوئے تھے، فرنچ کٹ داڑھی اسے ایک امتیاز بخشتی تھی، اس کی نئی ملکہ، بہن اور قبرص کی یرغمال بازنطینی شہزادی بھی اس کے ہمراہ تھیں۔ 25 جہازوں میں ہزاروں سپاہی، گھوڑے، نقد رقم، خوراک و رسد کے ذخائر، منجنیقیں، دبابے اور ہر قسم کا عسکری ساز و سامان لدا تھا۔[2]

اس دن صلیبی چھاؤنی میں عید کا سماں تھا۔ ان کے نزدیک مزار مسیح اور صلیب الصلوت کی بازیابی اب چند دنوں یا ہفتوں کی بات تھی کیونکہ ان کا سب سے طاقتور بادشاہ آگیا تھا۔ فرنگی رچرڈ کی آمد کا جشن منانے لگے۔ رات بھر تو رون چھاؤنی میں الاؤ روشن رہے اور شراب و کباب کے ساتھ رقص و سرود کی

[1] النوادر السلطانیہ: 242 تا 243 [2] صلیبی جنگیں: 198 تا 200

محفلیں سجی رہیں۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں کی پریشانی فطری تھی۔ اس کے علاوہ عیسائی چھاؤنی میں آنے جانے والے تاجر، سیاح اور ایسے غیر مسلم لوگ جنہیں دونوں افواج کی طرف سے قانوناً امان حاصل تھی، مسلمانوں کو متنبہ کررہے تھے کہ رچرڈ کی آمد سقوطِ عکا کا پیش خیمہ ہے۔ عیسائی فیصلہ کن حملے کے لئے اسی معرکہ آزما فاتح کا انتظار کررہے تھے۔ رچرڈ کی شجاعت، عسکری مہارت اور جنگی بصیرت ان کے لئے عکا کا دروازہ کھول دے گی۔ [1]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ رچرڈ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وہ بہادری، چالاکی، دلیری اور قوتِ برداشت میں اپنے زمانے کا نامور انسان تھا، مسلمان اس کی وجہ سے ایسی فریب کاریوں کا شکار ہوئے جس کی مثال نہیں ملتی۔'' [2]

رچرڈ آتے ہی میدان میں دادِ شجاعت دینا چاہتا تھا مگر وہ بیمار پڑ گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے لئے بستر سے اٹھنا مشکل ہوگیا۔ وہ وبائی بخار میں جھلستے ہوئے اپنے خیمے سے میدان کا نظارہ کرتا رہتا تھا۔ شاہِ فرانس فلپ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ ایک جھڑپ میں زخمی ہوگیا تھا۔ کنٹربری کے آرچ بشپ، فریڈرک ڈیوک آف سوابیا اور سسلی کے حکمران ''ولیم دی گڈ'' کی اموات نے اسے شکستہ خاطر کردیا تھا۔ اس کا چچازاد بھائی کاؤنٹ آف فلانڈرز بھی بستر پر پڑا زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔ [3]

دو فرنگی غلام مشرف با اسلام ﷺ تاہم محاذ گرم تھا، جھڑپیں ہورہی تھیں۔ مسلمان ہر روز ایمان کو تازگی بخشنے والے عجیب وغریب نظارے دیکھتے۔ ایک دن دو فرنگی خادم بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچے، انہوں نے سلطان کو بتایا کہ وہ رچرڈ کی بہن کے غلام ہیں اور ایک مدت پہلے خفیہ طور پر اسلام قبول کرچکے ہیں، انہوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا ہے اور اب موقع ملتے ہی مسلمانوں کے پاس آگئے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ وہ دونوں رچرڈ کے جاسوس ہوں مگر شریعت کے مزاج اور ضابطے کا لحاظ کرتے ہوئے سلطان نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا اور حسبِ دستور لطف وکرم کا معاملہ کیا۔ [4]

بیروت کا سفینہ انگریزوں کے نرغے میں ﷺ رچرڈ کے آنے کے بعد برطانیہ کے جہاز گردونواح کے سمندر میں پھیل گئے تھے اور عکا کے لئے آنے والی ہر ممکنہ مدد کا راستہ بند ہوگیا تھا۔ ادھر سلطان نے حاکمِ بیروت کو تاکید کی تھی کہ وہ کسی بھی طرح بحری راستے سے خوراک ورسد اور چنیدہ سپاہیوں کی بھاری نفری عکا پہنچانے کا انتظام کرے۔ ظاہر ہے کہ عکا تک عام کشتیوں اور جہازوں کی رسائی تقریباً ناممکن

---

1. النوادر السلطانیہ: 243
2. سقوط عکا: 202
3. الکامل فی التاریخ: 10/205
4. الروضتین: 4/250 ماخوذ از النوادر السلطانیہ: 248

تھی۔ برطانیہ، فرانس اور دیگر صلیبی طاقتوں کے بیسیوں جہاز سمندر میں گشت کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں عزالدین اسامہ نے اس ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے ایک عجیب منصوبہ سوچا۔ اس نے سینکڑوں کاری گروں کی مدد سے دن رات کام کرا کے ایک دیو پیکر جنگی جہاز تیار کرایا۔ یہ اتنا بڑا جہاز تھا کہ عام بحری جہاز اس کے مقابلے میں کھلونے معلوم ہوتے تھے۔ اس میں تین نہایت بلند و بالا مستول تھے، جہاز کے پہلو سبز اور زرد روغن سے رنگے چمڑے ڈھانکے گئے تھے، یہ چمڑہ سرکے میں بھگویا گیا تھا تاکہ جہاز کی لکڑی آتش گیر مادے سے محفوظ رہے۔ جہاز میں ساڑھے چھ سو آزمودہ کار سپاہی سوار تھے جن کا کپتان یعقوب حلبی نامی ایک امیر تھا۔

رچرڈ کے سپاہیوں نے اس اسلامی سفینے کو عکا کی طرف آتے دیکھا تو وہ مبہوت رہ گئے۔ انہوں نے اتنا عظیم الشان جہاز کبھی نہیں دیکھا تھا۔ برطانوی بیڑے نے راستہ روکنے کی کوشش کی مگر اسلامی بحریہ نے بھرپور جوابی حملوں سے ان کے منہ پھیر دیئے۔ فرنگی جہازوں میں اتنا دم خم نہ تھا کہ وہ اس دیونما جہاز کو روک سکتے، برطانوی ملاح فرار ہو رہے تھے کہ رچرڈ خود آن پہنچا اور اعلان کیا کہ اگر یہ جہاز بچ نکلا تو سپاہیوں کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ فرنگی سپاہیوں نے اب دوبارہ کوشش شروع کی۔ ان میں سے کچھ لوگ جرأت کر کے اسلامی جہاز کے عرشے پر چڑھ گئے مگر بیروت کے سپاہیوں نے انہیں مار گرایا۔

آخر فرنگیوں نے رسوں سے بندھے آنکڑے پھینک کر اسلامی جہاز کو کھینچ لے جانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ کھلے ہوئے بادبانوں کے ساتھ یہ جہاز ہوا کے رخ پر عکا کی طرف بڑھتا رہا، فرنگی اس کے گرد منڈلاتے اور حملے کرتے رہے۔ جواباً مسلمانوں نے آتش گیر ہتھیار استعمال کر کے برطانیہ کے کئی جہاز پھونک ڈالے جو سب اپنے عملے سمیت غرق ہو گئے۔ ممکن تھا کہ یہ جہاز اسی انداز سے رکاوٹوں کو درہم برہم کرتا ہوا عکا پہنچ جاتا اور عکا میں خوراک اور سپاہ کی کمی خاصی حد تک پوری ہو جاتی مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کچھ دیر بعد اچانک سمندری ہوا رک گئی اور مسلمانوں کے جہاز کی رفتار مدہم پڑتی چلی گئی، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فرنگیوں نے اسے گھیر لیا۔ برطانوی سپاہی ہر طرف سے پھلانگتے ہوئے جہاز پر چڑھ گئے۔ جہاز کے کپتان یعقوب حلبی نے اعلان کیا:

''اللہ کی قسم! ہم عزیمت کے ساتھ لڑ کر شہید ہوں گے، جہاز کا ایک دانا بھی ان کے ہاتھ لگنے نہیں دیں گے۔''

اب دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ عرشے پر تلواروں سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ جبکہ جہاز کے تنگ حصوں میں سپاہی دست و گریباں تھے اور خنجروں کی بجلیاں کوند رہی تھیں، مسلمانوں نے بہتیرے

فرنگیوں کو کاٹ پھینکا مگر آخر کار دشمن کی مسلسل بڑھتی ہوئی تعداد کے سامنے چھ سو پچاس (650) سپاہیوں کی مدافعت دم توڑنے لگی۔

یعقوب حلبی نے بازی ہاتھ سے نکلتے دیکھی تو چند ساتھیوں کے ہمراہ جہاز کے پیندے کی طرف لپکا، ان سب نے کدالیں سنبھالیں اور پے در پے وار کر کے جہاز کو ایک پہلو سے چھیدنے لگے۔ ان کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ اتنے شاندار جہاز پر عیسائی قبضہ کر لیں اور عکا کے فاقہ کش مجاہدین کے لئے جانے والی خوراک دشمنانِ اسلام کے پیٹ میں جائے۔ وہ ہارتے ہارتے بھی دشمن کو شدید زک پہنچانا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ان کی متواتر ضربوں نے پیندے میں ایک بڑا شگاف کر دیا۔ فرنگی جہاز کے عرشے پر فتح کی خوشی منا رہے تھے کہ اچانک جہاز میں تیزی سے پانی بھرنے لگا۔ فرنگی افراتفری کے عالم میں جہاز کو چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے لگے مگر بہت سوں کو بچنا نصیب نہ ہوا، تھوڑی دیر میں یہ دیو پیکر جہاز بحیرۂ روم کی گہرائی میں یوں گم ہوگیا جیسے تالاب میں ایک پتھر۔ یہ سانحہ 16 جمادی الاولیٰ 587ھ (10 جون 1191ء) کو پیش آیا تھا۔ ڈوبتے ہوئے جہاز کے عملے میں سے ایک مسلمان کو فرنگیوں نے قیدی بنا لیا تھا، اسے عکا کے ساحل پر آزاد کر دیا گیا تا کہ مسلمان اس حادثے کی خبر سن کر غمگین ہوں۔ اس اطلاع نے مسلمانوں از حد رنجیدہ کر دیا اور عکا کے مسلمانوں کی نبضیں ڈوبنے لگیں۔ ادھر معسکرِ سلطانی کے سپاہی بھی عکا کو ہاتھ سے نکلتا محسوس کر رہے تھے۔ خود سلطان ایوبی پر ایک صدمے کی کیفیت طاری تھی اس کے باوجود وہ تقدیرِ الٰہی پر راضی برضا تھے اور اپنی فکری و عملی توتیں اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کر رہے تھے۔

قاضی بہاؤالدین کے بقول یہ سقوطِ عکا کی تیسری علامت تھی۔"٥

خوفناک دبابہ:۔ جس دن یہ جہاز ڈوبا اس سے چند دن پہلے فرانس کے لائے ہوئے آلاتِ محاصرہ میدان میں آگئے تھے۔ بڑی بڑی منجنیقیں بھاری پتھروں کو عکا کی طرف اچھالتی رہتی تھیں جو فصیل کو کمزور کرتے یا عکا کے رہائشی مکانات کو تہ و بالا کر دیتے۔ اس دوران فرنگیوں نے عکا کی خندق کے بعض حصے بھی پاٹ ڈالے تھے۔ وہ ایک نیا دبابہ میدان میں اتار چکے تھے، اس کی چار منزلیں تھیں، ہر منزل لکڑی کے مضبوط تختوں کی بنی ہوئی تھی، اس چوبی ڈھانچے کی حفاظت کے لئے دوسری منزل پر سیسے کی، تیسری منزل پر فولاد کی اور چوتھی منزل پر پیتل کی چادریں نصب کی گئی تھیں۔ جن سے لکڑی کا ڈھانچہ بالکل چھپ گیا تھا۔ عکا کے مسلمانوں کی طرف سے پتھروں اور تیروں کی بوچھار کے باوجود فرنگیوں نے اس ہیبت ناک دبابے کو خندق کے پاٹے گئے حصے سے گزار کر عکا کی فصیل کے

٥ [illegible] 205/10

بالکل ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔ فصیل سے اس کا فاصلہ صرف پانچ ہاتھ (ساڑھے سات فٹ) تھا۔ اس مینار نما متحرک قلعے میں چھپے ہوئے بیسیوں سپاہی موقع ملتے ہی فصیل پر کود سکتے تھے کیوں کہ اس کی بالائی منزل فصیل عکا کی بنسبت بلند تھی۔

عکا کے محافظ کئی دن سے اس دبابے کو نذرِ آتش کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے مگر پیتل، سیسے اور فولاد کے اس پہاڑ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس پر آگ برسانا بند کر کے روغنِ نفط کے مٹکے پھینکنا شروع کیے، دبابے کا کچھ نہ بگڑا، مٹکے اس سے ٹکرا کر پھوٹ جاتے اور فرنگی قہقہے لگا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے۔ عکا کے جانبازوں نے کئی دن رات تک یہ سلسلہ جاری رکھا، اب آہنی دبابے کا اندرونی چوبی ڈھانچہ بھیگنے لگا۔

16 جمادی الاولیٰ (10 جون) کو جس دن بیروت کا عظیم الشان سفینہ غرق ہوا تھا، مسلمانوں نے نصرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ دیکھا۔ عکا کے منجنیق اندازوں نے امکانی کوشش کے طور پر درخت کے ایک بڑے تنے کو آتش گیر مادے سے تر کر کے آگ لگادی، پھر یہ تنا منجنیق میں رکھ کر دبابے پر پھینکا گیا۔ دھڑا دھڑ جلتا ہوا تنا جوں ہی دبابے سے ٹکرایا، دبابہ شعلوں میں گھر گیا۔ چند لمحوں میں اس نے آگ کے ایک مہیب الاؤ کی شکل اختیار کر لی جس کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں، دبابے میں موجود صلیبی جل کر کباب ہو گئے۔

اس کامیابی نے عکا سے لے کر سلطان کے خیمہ گاہ تک ان مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑا دی جو کچھ دیر پہلے اپنے بہترین بحری جہاز کی غرقابی پر افسردہ تھے۔ تکبیر کی ولولہ انگیز گونج ثابت کر رہی تھی کہ مسلمانوں کے حوصلے ابھی بھی بلند ہیں۔ [1]

عکا پر بڑا حملہ۔ سلطان کی جوابی کاروائی: صلیبی بڑے حملے کے لئے رچرڈ کے بسترِ علالت سے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے جبکہ رچرڈ اپنی بقیہ فوج اور آلاتِ محاصرہ کا منتظر تھا۔ اس کا بخار اترنے میں نہیں آرہا تھا۔ آخر صلیبیوں نے فلپ آگسٹس کی قیادت میں عکا پر حملے کا فیصلہ کر لیا۔ [2]

جمعہ 19 جمادی الاولیٰ 587ھ (13 جون 1191ء) کو صلیبی چھاؤنی کے ایک طرف سے عکا کی فصیل پر پتھر برسائے جانے لگے۔ ساتھ ہی فرنگی پیادوں اور گھڑ سواروں نے صفیں بنا کر عکا کا رخ کیا۔ مسیحی رزم نگار ایمبر وز کے بقول:

''نائٹس کے جھنڈے گنے نہیں جاسکتے تھے، اس سے قبل ہم نے نامور نائٹوں کے اتنے زیادہ

[1] النوادر السلطانیۃ: 245
[2] صلیبی جنگیں: 204

نشان اور مرصع علم ایک ساتھ کبھی نہیں دیکھے تھے۔"

فوج کے آگے آگے ایک خچر گاڑی پر ایک بہت لمبے بانس کے ساتھ فرانس کا نشان نصب تھا جو شہر کی فصیل سے بھی اونچا تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جبکہ شہر کی مدافعت کرنے والے صرف پانچ چھ ہزار مسلمان تھے۔

جوں ہی نصرانیوں کا یہ سیلاب عکا پر حملہ آور ہوا عکا کے سپاہیوں نے نقارے بجا کر سلطان کو اطلاع دے دی۔ ادھر سے بھی جواب میں نقارے بجائے گئے۔ سلطان ایوبی آناً فاناً فوج کو لے کر آندھی کی طرح نصرانیوں کی چھاؤنی پر ٹوٹ پڑے، انہوں نے چھاؤنی کا محاصرہ کر کے اس پر اس شدت سے حملے کئے کہ صلیبی بعض مقامات سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان کے بہت سے جانباز سپاہیوں نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خندق عبور کر لی اور بہت سے بہادر چھاؤنی کی نیم پختہ دیواروں کو مزاحمت سے خالی پا کر انہیں پھلانگ گئے۔ دو سالہ جنگ میں سلطان کے سپاہیوں کو چھاؤنی میں گھسنے کا یہ پہلا موقع ملا تھا۔ اکثر صلیبی عکا پر حملے کے لیے جا چکے تھے۔ اس لیے پیچھے چھاؤنی کی حفاظت کے لیے زیادہ فوج نہیں تھی۔ مسلمانوں نے اندر جاتے ہی دشمنوں کے خیموں کو گرانا شروع کر دیا اور خیموں کے سامنے چولہوں پر چڑھی دیگوں کو الٹ دیا۔ فرنگی افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ آخر انہوں نے عکا پر حملہ کرنے والے سپاہیوں کو واپس بلا کر خود کو منظم کیا اور سلطانی سپاہ سے لڑنے کی تیاری کی۔

چھاؤنی کے اندر گھسنے والے سلطان کے جانبازوں کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ وہ منظم اور بکثرت سپاہ کا مقابلہ کر سکتے۔ ویسے بھی ان کا مقصد بھی دشمن کو عکا پر حملے سے باز رکھنا تھا جو پورا ہو چکا تھا۔ اب ان کا اندر ٹھہرنا خطرناک تھا لہٰذا وہ ایک ترتیب کے ساتھ الٹے قدموں واپس ہوئے اور چھاؤنی کی دیوار پھلانگتے ہوئے باہر نکل گئے۔

مسلمانوں کا چھاؤنی میں گھس کر صلیبیوں کے خیموں کو تاراج کر دینا، فلپ اور رچرڈ جیسے بادشاہوں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ انہوں نے اسی وقت میدان میں نکل کر مسلمانوں پر جارحانہ حملے کا فیصلہ کیا، چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ قطار در قطار چھاؤنی سے باہر نکلے اور صفیں بنا کر سلطان کی فوج پر ٹوٹ پڑے تاہم سلطان کی سپاہ نے قدم جما کر بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور ان کی ایک نہ چلنے دی۔ دن بھر کی شدید خون ریزی کے باوجود صلیبیوں کا ریلا سلطان کی فوج کو ایک انچ پیچھے نہ ہٹا سکا۔[5]

اس دن مازندران کا ایک مشہور رئیس طویل مسافت طے کر کے جہاد میں شرکت کے لیے محاذ پر آیا

[5] النوادر السلطانیہ، ص:248

تھا۔اس وقت جنگ جاری تھی،اس نے سلطان سے جہاد میں شرکت کی اجازت لی اور فوراً معرکۂ کارزار میں کود گیا،قسمت میں شہادت کا شرف لکھا تھا،اس لیے صلیبیوں پر بڑی شدت سے حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ [1]

رچرڈ۔سلطان ایوبی سے ملاقات کا خواہش مند: رچرڈ نے سلطان صلاح الدین کی معرکہ دانی اور جرأت و استقلال کی بڑی تعریف سنی تھی،اب وہ اپنی آنکھوں سے اس کا کھلا مظاہرہ دیکھ رہا تھا۔وہ مسلمانوں کے اس عظیم قائد کو دیکھنے کی شدید خواہش محسوس کرنے لگا جس کے عزم و ہمت اور تدبر و سیاست نے دو برس سے یورپ کی افواج کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔اس من چلے بادشاہ کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ دوران جنگ اس نے اچانک ایک قاصد کو سلطان کی طرف دوڑا دیا۔قاصد نے سلطان کے بھائی الملک العادل کی معرفت باریابی کی اجازت حاصل کی۔جب وہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو الملک العادل اور الملک الافضل بھی ساتھ تھے۔قاصد نے سلطان سے کہا کہ اس کا آقا شاہ رچرڈ سلطان عالی وقار سے ملنا چاہتا ہے۔سلطان نے اس بچکانہ خواہش کی تکمیل کو نامناسب قرار دیتے ہوئے بڑی متانت کے ساتھ جواب دیا:

''بادشاہ آپس میں شاہی آداب و قواعد کے مطابق ملاقات کرتے ہیں۔جب وہ باہم مل بیٹھیں اور مجلسِ طعام میں شریک ہو جائیں تو اس کے بعد جنگ جاری رکھنا انہیں زیب نہیں دیتا۔اگر آپ کے آقا جنگ بندی چاہتے ہیں تو اس سے پہلے صلح کے قاعدے اور نکات طے ہو جانا ضروری ہیں،اس کے علاوہ ایک قابل اعتماد ترجمان کا ہونا بھی ضروری ہے جس پر مکمل اعتماد کیا جا سکے اور جو میری گفتگو اُن کو اور اُن کی مجھے سمجھا سکے۔اسی ترجمان کو دونوں کے مابین سفیر کا کردار ادا کرنا چاہیے۔جب یہ باتیں طے ہو جائیں گی تو پھر ان شاء اللہ ملاقات بھی ہو جائے گی۔'' [2]

رچرڈ کی طرف سے پُرفریب گفت و شنید: اگلے دن صلیبی چھاؤنی میں سناٹا چھایا رہا......گزشتہ دن کے زوردار معرکے میں اُن کا جانی نقصان توقع سے کہیں بڑھ کر ہوا تھا......اب وہ یورپ سے مزید افواج کا انتظار کر رہے تھے،پھر رچرڈ بھی اب تک بسترِ علالت پر تھا۔اس کی قائدانہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی صحت یابی کی دعائیں کی جا رہی تھیں۔رچرڈ کا دوسرا بیڑہ جس پر آلاتِ محاصرہ لدے ہوئے تھے ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔وہ سلطان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر چکا تھا جبکہ سلطان نے قدرے بے نیازی کا انداز اختیار کر کے اس معاملے کو محتاط اور طے شدہ طریق کار کے

[1] النوادر السلطانیۃ:246 [2] النوادر السلطانیۃ:246_247

مطابق انجام دینے کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ دراصل سلطان اور ان کے مشیروں کو اندازہ ہو چلا تھا کہ رچرڈ کسی سنجیدہ گفتگو کا خواہاں نہیں، وہ محض دل لگی کر رہا ہے یا مسلم قیادت کا وقت ضائع کرنا چاہتا ہے۔کاتب عماد اصفہانی لکھتے ہیں:

''فرنگیوں کی جانب سے سلطان کو بار بار مراسلے بھیجے جانے لگے جو محض وقت گذاری کا بہانہ تھے،ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔''

نیز وہ فرماتے ہیں:''ان مراسلوں سے فرنگیوں کا مقصد مسلمانوں کے عزائم کو کمزور کرنا اور اوقت ضائع کرنا تھا کیوں کہ وہ (مذاکرات کے باوجود) شہر کے محاصرے، پے در پے سنگ باری اور بھرپور حملوں میں مصروف تھے۔''[1]

بہرحال رچرڈ کا سفیر کچھ دنوں بعد دوبارہ سلطان کے معسکر پہنچا، الملک العادل سے اس کی خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی، اس کی وساطت سے اس معاملے پر دوبارہ غور کیا گیا، طے یہ ہوا کہ رچرڈ کی پیش کش قبول کر لی جائے۔ وادی کی چراگاہ میں دونوں افواج نیم دائرے کی شکل میں آمنے سامنے کھڑی ہوں اور ان کے درمیان دونوں بادشاہوں کی ملاقات ہو،ترجمان ان کی گفتگو کا ترجمہ کرتا رہے۔ سلطان صلاح الدین کی جانب سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی اور یہ طریق کار طے ہو گیا مگر اس کے بعد رچرڈ کا سفیر کئی دنوں تک غائب رہا۔افواہ پھیل گئی کہ دیگر صلیبی حکمرانوں نے اس ملاقات کو دینِ مسیح کے لئے خطرناک قرار دے کر رچرڈ کو اس سے منع کر دیا ہے۔

رچرڈ کا پیغام اور تحائف کا تبادلہ:۔ مگر ایک دن رچرڈ کا سفیر دوبارہ حاضر ہوا، رچرڈ نے کہلوایا تھا:

''میری جانب سے ملاقات میں تاخیر کا سبب وہ نہیں ہے جس کی افواہ پھیلی ہوئی ہے۔ میں اپنے معاملات کا مختار خود ہوں۔ میری لگام کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں ان ایام میں بیمار ہوں لہٰذا میرے لئے نقل و حرکت کرنا مشکل ہے۔ تاخیر کا سبب بس یہی ہے اور کچھ نہیں۔ ہاں بادشاہ ہونے کی روایت ہے کہ جب فاصلے سمٹ جائیں تو ایک دوسرے کو تحائف دیا کرتے ہیں، میرے پاس سلطان کے لئے ایک مناسب ہدیہ ہے۔ اگر اجازت ہو تو روانہ کر دوں۔''

الملک العادل نے جو سلطان کی جانب سے رچرڈ کے سفیر سے گفت و شنید پر مقرر تھا، جواب میں کہا:

''ہم ہدیہ اس شرط پر قبول کریں گے کہ ہمیں بھی شاہ انگلستان کی خدمت میں ہدیہ بھیجنے کا

[1] الروضتین: 4/254

موقع دیا جائے۔"

سفیر نے شرط قبول کرتے ہوئے کہا:

"ہمارا تحفہ ایک قسم کا شکاری جانور ہے چوں کہ وہ سمندر پار سے لایا گیا ہے اس لئے کمزور ہو گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ ہمیں کچھ پرندے اور مرغیاں وغیرہ بھجوائیں تاکہ ہم پہلے اسے کھلا پلا کر تگڑا کر دیں اس کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کریں۔"

الملک العادل بڑا خوش مزاج اور حاضر جواب آدمی تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"لگتا ہے شاہِ انگلستان اس بہانے خود مرغیاں تناول فرمانا چاہتے ہیں۔"

گفتگو کے آخر میں سفیرِ انگلستان نے پوچھا:

"آپ ہم سے کیا توقعات رکھتے ہیں؟ اگر آپ کوئی بات شاہ انگلستان تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ضرور بتایئے، ہم بغور سنیں گے۔"

سفیر اس طرح اپنی حکومت کو ایک اونچے مقام پر رکھ کر مسلمانوں کو ضرورت مند کی حیثیت دینا چاہتا تھا...... مگر اسے یہ صاف جواب ملا:

"ہم نے آپ کو نہیں بلایا تھا، آپ نے خود ہم سے بات چیت کی ضرورت محسوس کی ہے اور ہمیں طلب کیا ہے، اگر آپ کو کوئی بات کہنی ہے تو ضرور کہیے، ہم اسے سن رہے ہیں۔"[1]

اس گفتگو کے بارے میں قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

"رچرڈ کی جانب سے بار بار پیام بھیجے جانے کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ وہ ہماری بلند ہمتی یا پست ہمتی کا اندازہ لگائے اور اس کے پیغامات سننے سے ہماری غرض بھی یہی تھی کہ اس کی کیفیات کا اندازہ لگائیں۔"[2]

یعنی دونوں فریق ایک دوسرے کی نفسیاتی جانچ کر رہے تھے۔ تاہم نمائندوں کی آخری ملاقات کے جملوں سے صاف طور پر جھلکتا ہے کہ مسلمان خوددار اور باوقار رویہ اپنائے ہوئے تھے جس میں کسی عاجزی اور مطلب پرستی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہ اخلاق دشمنوں پر نفسیاتی فتح کا سب سے بڑا ہتھیار تھے۔

6 جمادی الاخریٰ 537ھ (30 جون 1191ء) کو رچرڈ کا سفیر ایک مصری قیدی کو ساتھ لئے حاضر خدمت ہوا۔ یہی شاہ انگلستان کا "خاص تحفہ" تھا۔ سلطان نے اسے بڑی مسرت کے ساتھ قبول کیا، سفیر کو جوابی تحائف کے ساتھ بڑے اعزاز واکرام کے سے واپس بھیجا گیا۔[3]

[1] النوادر السلطانیۃ:250 [2] النوادر السلطانیۃ:251 [3] النوادر السلطانیۃ:280، 281

رچرڈ کی آمد کے بعد صلیبی افواج کی تعداد ☆ رچرڈ صلیبی جنگ میں شرکت کے لئے پہنچنے والا آخری حکمران تھا۔ اس کی آمد کے بعد صلیبی لشکر کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ مگر صلیبیوں کی یہ زیادہ سے زیادہ تعداد کیا تھی؟ رچرڈ اور فلپ کے آنے کے بعد بعض مورخین نے انہیں چھ لاکھ تک شمار کیا ہے۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے ذکر کیا ہے کہ صلح نامہ رملہ کے موقع پر میں نے صلیبیوں کے مشہور نواب بالیان سے ان کی سپاہ کی کل تعداد دریافت کی تو اس نے کہا:

"حاکم صیدا نے پانچ لاکھ کا اندازہ لگایا ہے اور میرا خیال ہے کہ چھ لاکھ تھے۔"[1]

علامہ ابن اثیر نقل کرتے ہیں کہ صلح رملہ کے دن بالیان نے خود سلطان کو بتایا تھا کہ ہماری کل تعداد چھ لاکھ تھی۔[2]

عجیب بات یہ ہے کہ سلطان کے سوانح نگاروں اور اس دور کے مورخین میں سے کسی نے سلطان کی افواج کی تعداد بیان نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جنگی مصلحتوں کے تحت اپنی افواج کے اعداد و شمار کو ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا تاہم اندازہ یہ ہے کہ سلطان کی افواج میں 50 سے 60 ہزار تک سپاہی تھے۔

خنجر کی نوک پر ☆ سلطان کے قبائلی رضاکار صلیبی چھاؤنی میں برابر کارروائیاں کر رہے تھے۔ ان میں بہت سے پیشہ ور مجرم بھی تھے، اسی لئے اس گروہ کو "لصوص" کہا جاتا تھا مگر یہ لوگ جنگ کے دوران بہت کام آتے تھے۔ یہ رضاکار رات کی تاریکی میں غیر معروف راستوں سے فرنگی چھاؤنی میں گھس جاتے تھے۔ دبے پاؤں چلتے ہوئے ان کے خیموں میں داخل ہوتے، ان کے ساز و سامان، کپڑوں، ہتھیاروں اور روپے پیسے کو سمیٹ کر گٹھڑیاں باندھتے۔ اگر کسی خیمے میں انہیں کوئی شخص اکیلا سویا ہوا مل جاتا تو اس کی شہ رگ پر تیز چاقو رکھ کر اسے آہستہ سے جگاتے۔ پھر اشارے سے اسے دھمکاتے کہ اگر آواز نکالی تو ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ بے چارہ سہم کر چپ رہتا۔ یہ رضاکار خنجر کی نوک پر اسے اپنے ساتھ ہانکتے ہوئے اپنے پڑاؤ میں لے آتے۔ کتنے ہی ایسے فرنگی تھے جو راتوں رات یوں غائب ہو کر

---

[1] النوادر السلطانیہ: ص 50، 51 [illegible]

[2] الکامل فی التاریخ: 10/218 تحت 588 ہجری

[illegible]

مسلمانوں کی قید میں آ گئے جبکہ ادھر صلیبی انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے۔ [1]

دو معرکے ❊ چند دن بعد فرنگیوں نے طے کیا کہ عکا کے صرف ایک پہلو پر پوری طاقت صرف کی جائے۔ 28 جمادی الاولیٰ 587ھ (22 جون 1191ء) کو وہ عکا کی شمالی جانب جمع ہونے لگے۔ سلطان نے اطلاع پاتے ہی معمول کے مطابق چھاؤنی پر باہر سے حملے شروع کر دیے۔ غروب آفتاب تک شدید جنگ جاری رہی، فرنگی اس دن بھی عکا پر فیصلہ کن حملہ کرنے میں ناکام رہے۔

اگلے دن دشمنوں کی پیادہ افواج نے چھاؤنی سے باہر نکل کر جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور دریائے عکا کے کنارے سلطان کے ہراول دستوں سے ٹکر لی۔ دونوں فوجوں نے بڑے جوش و جذبے کے ساتھ شمشیر وسناں کے جوہر دکھائے۔ صلیبی جنگجو جلد از جلد جنگ کا فیصلہ چاہتے تھے۔ عکا پر قبضے میں اب تک ناکامی ان کے حلق کی پھانس بن کر رہ گئی تھی، اس جھنجھلاہٹ کا اندازہ ان کی سنگدلانہ حرکتوں سے ہونے لگا تھا۔ اس دن کی جھڑپ میں ایک پیادہ مسلمان سپاہی قید ہو گیا صلیبیوں نے اسے سرعام زندہ جلا دیا، جواباً مسلمانوں نے بھی ان کے ایک قیدی کو، جسے اسی دن گرفتار کیا گیا تھا، جلا کر مار ڈالا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک ہی وقت میں ایک طرف مسلمان قیدی جل رہا تھا اور دوسری طرف فرنگی قیدی کو سوختہ کیا جا رہا تھا۔ [2]

اسلامی شہروں سے کمک ❊ چند دنوں بعد تازہ دم اسلامی افواج کی کمک آنے لگی۔ 30 جمادی الاولیٰ 587ھ (24 جون 1191ء) کو سنجار سے جہاد کے دلدادہ متقی اور معاملہ فہم امیر مجاہد الدین برنقش کی قیادت میں ایک فوج آئی، سلطان نے اسے میسرہ میں شامل کر دیا۔ پھر جمادی الاخریٰ (24 جون) کو علم الدین کرجی اور سیف الدین سنقر مصر کی فوجیں لے کر پہنچے۔

اسی دن موصل کا حاکم علاؤ الدین مسعود بنفس نفیس ایک لشکر لے کر وارد ہوا۔ سلطان کو اس سے غیر معمولی مسرت ہوئی، انہوں نے آگے بڑھ کر کوہ خروبہ کی بلندیوں پر حاکم موصل کا شاندار استقبال کیا اور گراں قدر تحائف پیش کیے۔ سلطان نے کوہ خروبہ کی بلندیوں پر ان معزز مہمانوں کے ساتھ شب گزاری اور اگلے دن انہیں عیاضیہ کی خیمہ گاہ میں لے آئے جہاں سے محاذ جنگ صاف نظر آ رہا تھا۔ موصل کی اس فوج کو لشکر کے دائیں بازو میں جگہ دی گئی۔ 3 جمادی الاخریٰ (27 جون) کو مصر سے مزید فوج پہنچ گئی۔ [3]

تقی الدین عمر کہاں تھا؟ ❊ اب افرادی قوت کے لحاظ سے سلطان کی حالت مضبوط ہو گئی تاہم یہ امر پریشان کن تھا کہ اب تک تقی الدین عمر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ فرات کی ساحلی جاگیروں کا انتظام

[1] النوادر السلطانیۃ: 249 [2] النوادر السلطانیۃ: 247_248 [3] النوادر السلطانیۃ: 249

سنبھالنے کے بعد خواہ مخواہ اردگرد کی بعض ریاستوں کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہوگیا تھا۔ تقی الدین عمر کے اس نامناسب طرزِ عمل سے عراق اور دیار بکر کی کئی ریاستوں کے امراء خوفزدہ ہو گئے۔ دیار بکر سے سلطان کو بھاری تعداد میں کردوں کی کمک ملا کرتی تھی مگر یہاں کے امراء بھی اب اس خدشے سے عکا کے محاذ پر آنے سے گریزاں تھے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں تقی الدین عمر ہمارے علاقوں پر قبضہ نہ کرلے۔ سلطان ایوبی کو ان اطلاعات سے سخت تشویش محسوس ہورہی تھی کہ تقی الدین عمر جیسا جہاندیدہ مجاہد عکا کے محاذ پر دادِ شجاعت دینے کی بجائے ملک گیری میں اس طرح منہمک تھا کہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی جہاد سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ سلطان کے دل میں تقی الدین عمر کا بڑا احترام تھا مگر اس کے باوجود اس موقع پر ان کے منہ سے نکلا:

''بلاشبہ یہ شیطان کا اثر ہے کہ اس قدر نازک وقت میں تقی الدین ایسے ناپسندیدہ کام میں مشغول ہوگیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں اسی سال کسی حادثے کا شکار نہ ہوجائے، کیونکہ اس نے نیکی کی ضرورت کے موقع پر بدی کی ہے۔''[1]

سلطان کے یہ الفاظ سچ ثابت ہوئے۔ تقی الدین عمر کو دوبارہ میدان جنگ میں آنا نصیب نہ ہوا۔ وہ اس مہم کے دوران ایسا بیمار ہوا کہ بستر سے لگ کر رہ گیا۔

کونرڈ کا فرار: جس دن سلطان کو تازہ دم افواج کی کمک ملی اسی دن فرنگیوں کو ایک شدید صدمہ پہنچا۔ ان کا بہترین سالار اور عیاروں کا عیار کونرڈ مارکویس چپکے سے اپنے شہر صور کی طرف واپس روانہ ہوگیا۔ دراصل فرانس اور برطانیہ کے بادشاہوں کی آمد کے بعد وہ طرح طرح کے خدشات کا شکار ہوگیا تھا۔ وہ خود کو صلیبی جنگ کا اصل ہیرو ثابت کرنے اور جنگ کے بعد القدس کی بادشاہت حاصل کرنے کے خبط میں جلا تھا اور گائی کو تخت یروشلم کا حق دار ماننے سے انکار کرتا تھا مگر فرانس اور برطانیہ کے بادشاہ مارکویس کی اس سوچ کے مخالف تھے اس لیے مارکویس نے سوچا: کہیں یورپی حکمران گائی کا پلہ بھاری کرنے کیلئے مجھے قید نہ کرلیں۔ اس خدشے نے اس کے قدم اکھاڑ دیے۔ صلیبی جنگ کے ہیرو کی جگہ بدنام قیدی بننے کا تصور ایسا ہولناک تھا کہ اس نے صور جا کر ہی دم لیا۔ صلیبی قائدین نے اسے سمجھانے بجھانے کے لئے پادری بھیجے مگر وہ کسی طرح مطمئن نہ ہوا۔[2] ادھر شاہ فرانس بھی بیمار پڑ گیا تھا۔ وبائی بخار نے اسے آلیا تھا، کاؤنٹ اوف فلانڈرز اس مرض میں چل بسا تھا۔ رچرڈ کی حالت بھی تشویش ناک تھی۔[3]

---

[1] حلب الزہرۃ الکمیل: 4/ 253
[2] النوادر السلطانیہ: 248
[3] النوادر السلطانیہ: 248، صلیبی جنگیں: 202

کچھ دنوں بعد یورپ سے مزید جہاز آ گئے۔ کچھ میں رچرڈ کے آلاتِ محاصرہ تھے جبکہ کچھ جہاز فرانس کی بقیہ افواج کو لے کر آئے تھے۔ دو معروف یورپی سالار اینڈریواوف شویگنی اور رابرٹ ارل آف لیسٹر بھی انہی جہازوں میں آئے تھے۔[1] اس سامان جنگ کے ساتھ فرانس اور برطانیہ کی سپاہ نے عکا پر زوردار حملے شروع کر دیئے۔

عجیب وغریب محاصرانہ جنگ ❀ جون کی جھلسا دینے والی گرمی اور جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں وادی عکا تپ رہی تھی۔ سورج شعلے برسا رہا تھا اور صلیبیوں کی منجنیقیں فصیل کو شکستہ کر رہی تھیں۔ عیسائی گھڑسوار گرد وغبار اڑاتے بار بار عکا کی خندق تک جا پہنچتے۔ پیادے کسی نہ کسی طرح فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرتے، فرنگی کئی مقامات سے خندق کو پاٹنے میں جتے ہوئے تھے۔ اپنے سپاہیوں کی لاشیں، مرے ہوئے مویشی، خنزیر، گھوڑے اور ہر وہ چیز جو ان کے لئے بیکار تھی خندق میں ڈالی جا رہی تھی۔ خندق کی گہرائی روز بروز کم ہو رہی تھی۔ شہر کے محصور مسلمان کئی حصوں میں تقسیم ہو کر یہ عجیب وغریب جنگ لڑ رہے تھے۔

سپاہیوں کا ایک دستہ تیر اندازی اور منجنیقوں سے سنگ باری کر کے فرنگیوں کو خندق سے دور رکھنے میں معروف تھا۔ دوسرا دستہ جان پر کھیل کر خندق میں اتر گیا تھا۔ یہ دستہ نصرانیوں کی پھینکی ہوئی لاشیں نکال کر خندق کو خالی کرنے پر مامور تھا۔ ان حد درجے متعفن لاشوں کو خندق کی گہرائی سے نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمان فرنگیوں کے تیروں اور پتھروں سے بچتے بچاتے خندق میں کودتے، خنجروں سے ان انسانی اور حیوانی لاشوں کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتے جو پھول کر پھٹنے کے قریب تھیں۔ ایک اور دستے کے سپاہی یہ ناقابل برداشت حد تک بدبودار ٹکڑے خندق کے کنارے سے اٹھا کر لے جاتے اور عکا کے بازار اور گلیوں سے گزر کر انہیں سمندر میں پھینکتے جاتے۔[2]

نئے آلات۔ نئے حربے ❀ نئے نئے آلاتِ حرب سے لڑی جانے والی عکا کی جنگ سنسنی خیز انجام کی طرف جا رہی تھی۔ رچرڈ نے دو مار منجنیقیں نصب کرا رکھی تھیں جن میں ایک اتنی بڑی تھی کہ عکا کے درمیان شہری آبادی تک کا نشانہ لے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ دو بڑی گوپھنیں (فلاخنیں) تھیں جو دن رات شہر پر سنگ باری کرتی تھیں۔ ان کے ایک ایک پتھر کی ضرب سے دس دس بارہ بارہ آدمی کچلے جاتے تھے۔ ایک مشین جسے بیل فرائی (Belfry) کہا جاتا تھا، عکا پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھی۔ اس مشین پر منجنیق کے پتھر یا آگ کوئی شے اثر نہیں کرتی تھی۔ ایک آلۂ حرب ایسا تھا جو فصیل سے چپک جاتا تھا، حملہ آور اس پر چڑھ کر فصیل پر قبضے کی کوشش کرتے تھے۔ اس عجیب آلے کو "بلی" کا نام دیا گیا۔

[1] صلیبی جنگیں:205
[2] صلیبی جنگیں:210۔211، النوادر السلطانیہ:251

شاہ فرانس فلپ نے جور چڑھ سے پہلے صحت یاب ہو گیا تھا ایک اور مشین تیار کرائی، اسے ''برے پڑوسی'' کا نام دے کر فصیل کے سامنے نصب کر دیا گیا۔ اہل عکا نے اسکے مقابلے میں ''برے رشتہ دار'' کے نام سے ایک مشین تیار کی اور ''برے پڑوسی'' کو تباہ کر دیا۔ فلپ نے ''برا پڑوسی'' دوبارہ بنوایا اور ''برے رشتہ دار'' کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ اس کی ایک گوپھن سے برسنے والی چٹانوں نے فصیل کا تقریباً گیارہ گز لمبا حصہ شکستہ کر دیا تھا۔ [1]

شہر کا ''عین البقر'' نامی برج جو سنگ باری کا خاص ہدف تھا، خاصا کمزور ہو چکا تھا۔ [2]

عکا کی وادی میں دن رات صلیبیوں کی ان مشینوں اور آلات کی کھڑ کھڑاہٹ گونجتی رہتی۔ فرنگیوں کو اگر کسی چیز سے خطرہ محسوس ہوتا تھا تو وہ مسلمانوں کے آتش گیر ہتھیار تھے جنہیں وہ ''یونانی آگ'' (گریک فائر) کہتے تھے۔ عکا کے مسلمان انہی ہتھیاروں کی مدد سے اب تک کامیاب مدافعت کرتے آرہے تھے۔ فرنگی مشین سازی میں مہارت کے باوجود فن کیمیا میں بہت پیچھے تھے۔ انہیں مدتوں تک اس فارمولے کا علم نہ ہو سکا جس سے یہ آتشیں مواد تیار کیا جاتا تھا جب کہ مسلمان مدتوں پہلے گندھک اور روغن نفط کو ملا کر آتش باری کا یہ فن سیکھ چکے تھے۔

عکا کے جانبازوں کو آتشیں مواد تیار رکھنے کے لئے مطلوبہ کیمیائی اجزاء کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ سلطان کی جانب سے ماہر تیراکوں کو اس خطرناک کام کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ وہ روغن نفط کے مرتبان اور گندھک کے تھیلے اٹھا کر سمندر میں غوطہ لگاتے اور فرنگیوں کے جہازوں کے نیچے سے گذر کر عکا کی بندرگاہ پر جا نکلتے۔ مگر فرنگیوں کو خاصی مدت بعد اس زیر آب سرگرمی کا علم ہو گیا۔ تب انہوں نے سمندر میں جگہ جگہ جال پھیلا دیئے جس کے بعد بہت سے تیراک پکڑے جانے لگے۔ [3]

صلیبیوں نے عکا پر حملے کے لئے ایک اور عجیب و غریب حربہ بھی آزمایا۔ انہوں نے اپنی خیمہ گاہ سے عکا کی فصیل تک ایک پل نما سڑک تعمیر کرنا شروع کی۔ یہ پہلے پہل دیکھنے میں مستطیل سا احاطہ معلوم ہوتا تھا۔ فرنگی اس میں مٹی کی بھرائی کرتے رہے، شہتیروں اور تختوں سے اسے مضبوط کرتے رہے۔ یہ پل فرنگی خیمہ گاہ سے فصیل عکا کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کی بلندی میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کی بالائی سطح کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا تھا۔ [4]

---

[1] سوانح صلاح الدین لین پول: 216، النوادر السلطانیہ: 251
[2] الکامل: 247/4
[3] [illegible]: 206_207، النوادر السلطانیہ: 196_197
[4] الکامل: 250/4

ہزاروں مزدور، غلام اور سپاہی خیمہ گاہ سے مٹی ڈھو کر اس پل پر چڑھتے چلے جاتے اور اس کے آخری سرے پر پہنچ کر مٹی گراتے رہتے یہاں تک کہ وہ حصہ بھی پل کی سطح کے برابر آ جاتا۔ اس عجیب وغریب پل میں جگہ جگہ مٹی کے گول برج بھی تھے جن میں چھپ کر جنگ کی جا سکتی تھی۔ آخر یہ پل نما مورچہ بڑھتے بڑھتے عکا کی فصیل سے تیر کی نصف مار (تقریباً دو سو میٹر) کے فاصلے پر آ گیا۔ عکا کی منجنیقوں کے پتھر اس کو توڑنے سے عاجز تھے، ان کے آتش گیر آلات بھی پتھروں اور گارے کے اس پل پر کوئی اثر نہیں کر سکتے تھے۔ اب فرنگیوں نے پل پر منجنیقیں بھی نصب کر دیں جو اہل عکا کی زد سے بالکل محفوظ رہ کر تباہ کن قسم کی سنگ باری کر سکتی تھیں۔ [1]

[1] الروضتین: 4/251۔252

فصل:10

سقوطِ عکا

پل نما سڑک سے فرانسیسی اور برطانوی منجنیقوں کی سنگ باری عکا کی دیواروں کو کمزور کرتی جارہی تھی۔ آخرکار بیرونی فصیل کا تقریباً دوگز بالائی حصہ منہدم ہوگیا۔ وسطی حصہ بھی مسلسل دھچکوں کے باعث خستہ ہوتا جارہا تھا، جگہ جگہ خوفناک دراڑیں پڑ گئی تھیں، بنیادیں ہلنے لگی تھیں۔ صلیبی سپاہی فصیل سے گرنے والے پتھروں کو فوراً اٹھا کر دور لے جاتے تھے تاکہ مسلمان انہیں دوبارہ استعمال نہ کرسکیں۔

اہلِ عکا جو جان پر کھیل کر شہر کی مدافعت کررہے تھے، بری طرح تھک چکے تھے۔ انہیں شہر کی حفاظت کیلئے دن رات جاگنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت عکا کے حفاظتی امور کے لئے بکثرت نفری درکار تھی کیونکہ حملہ آور فوج ایک لاکھ سے متجاوز تھی جبکہ عکا کے سپاہی صرف چھ ہزار کے لگ بھگ تھے جن کے ذمے ایک نہیں کئی محاذ تھے۔ انہوں نے حفاظتی امور کو باہم تقسیم کررکھا تھا، کچھ لوگ عکا کی فصیلوں پر پہرہ دے رہے تھے، کچھ خندق کی حفاظت اور اسے صاف کرنے پر مامور تھے، ایک گروہ منجنیقیں چلارہا تھا، ایک جماعت سمندری ساحل اور بندرگاہ کی نگہداشت کے لئے کشتیوں پر تعینات تھی۔ تھکے ہارے اور بے خوابی کے ستائے ہوئے ناتواں سپاہی اب بھی سردھڑ کی بازی لگا کر ان تمام راستوں کی حفاظت کررہے تھے جن سے دشمن عکا میں داخل ہوسکتا تھا۔ اکثر سپاہی باری باری دیر تک پہرہ دیتے اور موقع پا کر تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے ستا لیتے۔ مگر بہت سے سپاہیوں خصوصاً افسران کے لئے پلک جھپکانے کی گنجائش نہیں تھی۔ سلطان کے نامی گرامی امراء جو عکا کی حفاظت کے ذمے دار تھے، نوشتۂ تقدیر پڑھ چکے تھے۔ اب مشطوب کی عسکری تدبیریں اور جنگی چالیں بھی کام نہیں آسکتی تھیں، ناظم شہر بہاؤالدین قراقوش جس نے قاہرہ کی طرح عکا کو ازسرنو دفاعی انتظامات سے آراستہ کیا تھا دو سال سے محاصرے کی صعوبتیں برداشت کررہا تھا اور بیرونی فصیل کی خستہ حالت دیکھ کر اندازہ لگا چکا تھا کہ اب

صرف ایک دو دن کا کھیل باقی رہ گیا ہے۔ فرنگیوں نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ عکا کا دم اب لبوں پر ہے۔ [1]

برج قتال منہدم: خندق کو پاٹنے کے بعد فرنگی عکا کی بیرونی فصیل پر براہِ راست حملے کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ منجنیقوں کے پتھر اندرونی اور بیرونی دونوں فصیلوں کو خستہ کرتے جا رہے تھے، اس کے باوجود فصیلیں اپنی اپنی جگہ برقرار تھیں، ان میں کوئی راستہ نہ تھا جس سے فرنگی اندر داخل ہو سکیں۔ یہ دیکھ کر رچرڈ نے بیرونی فصیل کے اس برج کو گرانے کا فیصلہ کیا جو مسلمانوں کے لیے فرنگیوں پر حملوں کا سب سے مضبوط مورچہ تھا جسے مسلمان ''برج قتال'' کہتے تھے جبکہ فرنگیوں نے یہاں روز اپنی لاشیں گرتی دیکھنے کے بعد اسے ''برج منحوس'' کا نام دے دیا تھا۔ جمادی الاخریٰ 587ھ کے پہلے عشرے میں کئی دن کی لگاتار محنت کے بعد فرنگی نقب زنوں نے برج قتال کی بنیادوں کو کھود کر سرنگ بنالی۔ پھر اس سرنگ میں آتش گیر مادہ بھر کر آگ لگا دی گئی، برج کی بنیادیں پہلے ہی ختم ہو چکی تھیں، آتش گیر مادے کے دھماکے کے باعث بھاری چٹانوں سے تعمیر کئے گئے اس دیوہیکل برج میں دراڑیں پڑ گئیں اور وہ ایک طرف جھک گیا۔

رچرڈ نے منادی کرا دی کہ جو شخص برج کا ایک پتھر اکھاڑے گا اسے دو اشرفیاں دی جائیں گی مگر برج پر مسلمان تیرانداز نشانے باندھے کھڑے تھے، اس لئے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب رچرڈ نے چار اشرفی تک انعام کا اعلان کیا۔ آخر برطانوی سپاہی ہمت کر کے آگے بڑھے اور چیونٹیوں کی طرح برج سے چمٹ گئے۔ اندھیرا پھیلنے تک وہ کئی پتھر اکھاڑ چکے تھے۔ تاہم برج اپنی جگہ کھڑا تھا جبکہ اس کو منہدم کرنے کی کوشش میں درجنوں عیسائی زخمی اور ہلاک ہو چکے تھے۔ اگلے دنوں میں برج کی تباہی کی مہم جاری رہی۔ اس کی کھوکھلی بنیادیں مزید کمزور پڑ گئیں اور آخر کار برج ایک زوردار دھماکے سے زمین بوس ہو گیا۔ گرد و غبار کا طوفان بیٹھا تو فریقین نے دیکھا عکا کی بیرونی فصیل میں ایک بہت بڑا راستہ نمودار ہو چکا ہے جس پر تباہ شدہ برج کے پتھروں کا ٹیلا سا بنا ہوا ہے۔ نصرانیوں نے اس راستے سے آگے بڑھنے کی پوری کوشش کی مگر عکا کے جانبازوں نے ملبے میں مورچے بنا کر زوردار تیراندازی کے ذریعے انہیں روک لیا۔ [2]

کئی دنوں تک یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔ فرنگی تباہ شدہ بیرونی فصیل (باشورہ) اور اندرونی فصیل کے درمیانی علاقے پر قبضے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ مجاہدین فصیل کے ملبے پر درختوں کے تنوں، شکستہ کھڑکیوں، دروازوں اور ٹوٹی ہوئی منجنیقوں اور کشتیوں کی لکڑیوں سے مورچے بنا بنا کر مزاحمت

[1] النوادر السلطانیۃ: 249۔251

[2] النوادر السلطانیۃ: 251، ملیبی جنگیں: 210

کرتے رہے۔ بعض اوقات فرنگی یلغار کر کے انہیں پیچھے دھکیل دیتے اور مورچوں پر قبضہ کر لیتے، تب اہل عکا پسپا ہو کر اندرونی فصیل کی پناہ میں چلے جاتے مگر موقع ملتے ہی دوبارہ حملہ آور ہوتے اور فرنگیوں کو مار بھگاتے۔ ان کے جوابی حملے رات کی تاریکی میں زیادہ کامیاب ہوتے تھے۔ فرنگی ان کے آتشیں ہتھیاروں سے خوفزدہ تھے جن کو چلا کر مسلمان بعض اوقات فرنگیوں کو تباہ شدہ بیرونی فصیل کے احاطے سے بھی باہر نکال دیتے تھے مگر شگاف کے باعث فرنگی موقع پاتے ہی دوبارہ اندر گھس جاتے تھے۔ محافظین عکا کی قوت روز بروز کم ہوتی جارہی تھی اور اب کسی بھی دن فرنگی شہر میں داخل ہو سکتے تھے۔ تاہم اللہ کی غیبی مدد اب بھی شامل حال تھی۔ اس لئے کفار کو شکستہ فصیل والے اس شہر پر قبضے میں تاخیر ہوتی جارہی تھی۔ [1]

<u>چھ فرنگی نائٹوں کا قتل</u> ※ عکا پر حملوں کے دوران شہر کی خندق اور باشورہ (بیرونی فصیل) دشمن کا خاص ہدف رہی تھی۔ ایک دن اس پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے درجنوں صلیبی سالار، نواب اور نائٹ جمع ہو گئے۔ یہاں اس دن بڑی خونریز جنگ ہوئی، مسلمانوں نے جان توڑ مزاحمت کی اور ڈیڑھ سو صلیبیوں کو مار گرایا مگر آخر کار دشمن کے ایک زوردار حملے میں وہ بیرونی فصیل سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے، تب پسپا ہوتے ہوتے انہوں نے ایک بار ہلا بول کر فرنگیوں کے چھ افراد گرفتار کر لئے اور انہیں گھسیٹ کر شہر میں ساتھ لے گئے۔ یہ چھ کے چھ صلیبیوں کے چوٹی کے امراء تھے۔ صلیبی ان کی گرفتاری پر حواس باختہ ہو گئے۔ عکا کے محصورین ان چھ امراء کو یرغمال بنا کر خاصا فائدہ اٹھا سکتے تھے مگر جوشیلے کردسپاہی ان کی گردنیں اڑانے پر تل گئے۔

ان میں سے ایک بڑے نواب نے چلا چلا کر کہا:

"مجھے قتل مت کرنا، میں فرنگیوں کا محاصرہ بالکل ختم کروادوں گا۔"

مگر سپاہی جوش میں دیوانے تھے یا شاید قیدی کے اتنے بڑے دعوے پر انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ انہوں نے افسران سے پوچھے بغیر ان قیدیوں کو قتل کر دیا۔ ان حالات میں یہ ایک نہایت غلط فیصلہ تھا جس کا خمیازہ بعد میں سب کو بھگتنا پڑا۔ اگلے دن خود فرنگیوں کے نمائندوں نے فصیل کے پاس آ کر باآوازِ بلند کہا:

"ہمارے چھ کے چھ افراد رہا کر دو، ہم ان کے بدلے تم سب کو چھوڑ دیں گے۔"

یقیناً اس وقت عکا کے محصورین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ان سے کتنی زبردست غلطی ہو چکی ہے۔ خیر انہوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا:

"ہم ان سب کو قتل کر چکے ہیں۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ: 253

یہ سن کر صلیبی رنج اور غصے سے پاگل ہو گئے اور ان کا جوشِ انتقام مزید بھڑک اٹھا۔ انہوں نے عکا کی بیرونی فصیل کا مزید کچھ حصہ منہدم کر کے اسے بیکار کر دیا تا کہ اندورنی فصیل پر حملہ آسان تر ہو جائے۔[1] تاہم بیرونی فصیل پر وہ مکمل طور پر قابض نہ ہو سکے۔ مسلمان بار بار حملے کر کے انہیں اس جگہ سے ہٹا دیتے تھے۔ سلطان ایوبی نے ان دنوں حاکم اربیل کو جو محاذِ جنگ کے احوال کا جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں تحریر کیا تھا:

"عکا کے سپاہی دشمن کو کبھی باشورہ سے اور کبھی مورچوں سے دھکیلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔"[2]

عکا پر ہولناک حملہ: منگل 7 جمادی الاخریٰ 587ھ (یکم جولائی 1191ء) کو فرنگی بھرپور انداز میں جاں بلب شہر پر حملے کے لیے جھپٹے۔ عکا کے محافظ فصیل پر چڑھنے والے فرنگیوں کو نشانہ بنانے لگے اور نقارہ نوازوں نے نقارے پیٹنے شروع کیے کہ تا کہ سلطان کی افواج کو حملے کی اطلاع مل جائے۔ کچھ سپاہی فصیل پر خاص قسم کے جھنڈے لہرانے لگے۔ یہ سلطان ایوبی کو اس بات کا خاص اشارہ تھا کہ شہر ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔

سلطان صبح ہی عیاضیہ کے ٹیلوں سے اتر پڑے تھے۔ جوں ہی فرنگیوں کا عکا پر حملہ شروع ہوا، سلطان نے ان کی چھاؤنی پر حملوں کا تانتا باندھ دیا۔ جولائی کا سورج شعلے اگل رہا تھا اور ارضِ عکا تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔ زرہ بکتروں میں ملبوس سپاہی پسینے سے شرابور تھے، پیاس سے انکے حلق سوکھ رہے تھے مگر جنگ کی شدت نے ان سب تکالیف کو بھلا دیا تھا۔ صلیبیوں کے تیوروں سے لگتا تھا کہ آج وہ شہر پر قبضہ کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ انہوں نے اپنی بے پایاں طاقت کو دو حصوں میں مرتب کر رکھا تھا۔ ایک حصہ چھاؤنی کی بھرپور حفاظت کر رہا تھا اور دوسرا عکا کی فصیل پر قبضہ کرنے کی تگ ودو میں تھا۔ اس دن سلطان کے بھائی الملک العادل نے سپاہ کو جوش دلانے کے لئے دو بار بذات خود آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ سلطان کی یہ حالت تھی کہ گھوڑے پر سوار دیوانہ وار مجاہدین کی صفوں اور دستوں کے درمیان چکر لگاتے رہے اور صبح سے شام تک ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارا۔ طبیب کے مشورے پر صرف ایک مشروب کے چند پیالے پیے۔ چھاؤنی پر حملے کے دوران ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ "یا للاسلام، یاللاسلام" کی بے تابانہ پکار انکے لرزتے ہونٹوں پر تھی۔ وہ بار بار فصیل پر نظر دوڑاتے جہاں مٹھی بھر مجاہدین جنونی فرنگیوں کے خوفناک سیلاب سے نبرد آزما تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ان کا جگر غم کی حرارت سے پگھلنے لگتا اور وہ افواج کو از سرِ نو ہمت دلا کر آگے بڑھاتے۔ مسلمانوں کے جوش و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے بہت سے بے تابانہ انداز میں اللہ کو یاد کر رہے تھے، بہت سے

[1] النوادر السلطانیہ: 254

[2] الروضتین: تحت 587 ہجری مرض ملک العظیم

دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، تلاوتِ کلام اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، نالہ وفریاد کی سوزش اور نعرہ ہائے تکبیر کی تپش سے دلوں کو گرما رہی تھی۔ مسلمانوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح چھاؤنی میں داخل ہو جائیں تاکہ فرنگی گھبرا کر عکا سے پلٹ آئیں مگر اس دن چھاؤنی کے حفاظتی انتظامات اتنے مضبوط تھے کہ مسلمانوں کو اس کوشش میں ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ زرہ بکتر والے فرنگی پیادے چھاؤنی کے سامنے دیوار بنے کھڑے رہے، ان کے تیرانداز پیکانوں کا مینہ برساتے رہے، دن بھر ہولناک جنگ جاری رہی اور دونوں فریق اپنی پوری توانائی نچوڑتے چلے گئے۔ آخر یہ معرکہ اس وقت ختم ہوا جب سب تھک ہار گئے اور کوئی شخص مزید لڑنے کے قابل نہ رہا۔ تب تک اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سپاہی اپنے پڑاؤ کی طرف واپس آنے لگے۔

قاضی بہاؤالدین ابن شداد اس دن سخت بیمار تھے اس لئے دن بھر عیاضیہ کے ٹیلوں پر اپنے خیمے میں پڑے رہے۔ اس جگہ سے انہیں میدان جنگ کے مناظر سامنے نظر آرہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی دن بھر کی شدید جنگ کے بعد تھکن سے بے حال ہو کر نماز عشاء کے بعد خیمہ گاہ میں لوٹے اور بستر پر دراز ہو گئے مگر نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ عکا کا خیال انہیں رہ رہ کر ستا رہا تھا۔ اس غور وفکر کے عالم میں کچھ دیر کے لئے ان کی آنکھ لگ گئی۔ [5]

<u>امیر مشطوب کا پیغام</u>:- اس دن کی جنگ سے عکا میں بہاؤالدین قراقوش، سیف الدین مشطوب اور دیگر امراء کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے عکا کو بچانے کے لئے ناکافی ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ موجودہ صورتحال میں ایک دو دن کے اندر اندر فرنگی شہر پر قبضہ کرلیں گے۔ درندہ صفت صلیبیوں سے یہ امید کرنا بے کار تھا کہ وہ بزورِ شمشیر فتح کے بعد اہلِ شہر کو کسی رحم کے قابل سمجھیں گے۔ اب دو صورتیں تھیں یا تو وہ سب لڑتے لڑتے مارے جاتے یا جان کی امان کے معاہدے پر شہر دشمن کے حوالے کر دیتے۔ اس رات انہوں نے سلطان کے نام پیغام روانہ کیا:

> "ہم مجبوری وبے کسی کی اس انتہا پر ہیں کہ جس کے بعد شہر دشمن کے حوالے کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر آپ کچھ نہ کر پائے تو ہم کل 8 تاریخ کو دشمن سے امان طلب کر کے شہر اس کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے عوض ہم محض اپنی جانیں بچا پائیں گے۔" [6]

رات کی تاریکی میں ایک قاصد یہ پیغام لے کر عکا سے نکلا اور جان پر کھیل کر سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچا، اس وقت سحر ہو چکی تھی۔ پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ اب انہیں شام

5 النوادر السلطانیۃ: 252
6 النوادر السلطانیۃ: 252

تک بہر صورت فرنگیوں کا محاصرہ توڑنا تھا ورنہ وہی ہونے والا تھا جو کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عکا عسکری لحاظ سے ساحل شام کا دراوازہ اور بحیرۂ روم کا نہایت اہم مقام تھا۔ یہاں پر قابض فوج شمال میں حلب اور مغرب میں مصر تک بآسانی یلغار کرسکتی تھی۔ اس پر فرنگیوں کا قبضہ سقوطِ القدس کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا تھا۔ یہ امر بھی بہت تشویش ناک تھا کہ سلطان کے بڑے بڑے امراء عکا میں محصور تھے۔ ان میں ہر ایک، ایک لشکر کے برابر قیمتی تھا۔ ان کے علاوہ دیگر ہزاروں مسلمان تھے جن کی جانیں اس وقت یقینی خطرے کی زد میں تھیں۔ بلاشبہ یہ سلطان کی زندگی کی دشوار ترین مہم اور سخت ترین لمحات تھے۔ تاہم اس حالت میں وہ دل کی لو مسلسل ذاتِ باری سے لگائے ہوئے تھے۔ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہے تھے اور اس کی رحمت ونصرت کے لئے دامنِ عجز ونیاز پھیلائے ہوئے تھے۔ اس اعصاب شکن صورت حال نے سلطان کی طبیعت پر شدید اثر ڈالا تھا۔ مصاحبین کو اندیشہ تھا کہ ان کی طبیعت بگڑ نہ جائے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی مگر یہ وقت تو جدوجہد کی انتہا کا تھا۔[1]

8 جمادی الاخریٰ کا معرکہ ❋ 8 جمادی الاخریٰ 587ھ (2 جولائی 1191ء) کو سلطان نے صبح سویرے سپاہ کو فرنگیوں کی چھاؤنی میں گھس جانے کا حکم دیا۔ سلطانی لشکر کے پیادے اور گھڑسوار تکبیر کے نعرے بلند کرتے ایک طوفان کی طرح صلیبی چھاؤنی کی طرف بڑھے، ادھر صلیبیوں کے زرہ پوش دستے صفیں باندھ کر چھاؤنی کے سامنے کھڑے ہوگئے، ان کے تیرانداز خندق کے پیچھے تیار ہوکر بیٹھ گئے۔ چھاؤنی کی ٹیلہ نما کچی فصیل پر سنگ اندازوں نے چھوٹی منجنیقوں، گوپھنوں اور بھالوں کے رخ درست کرلئے، مذہبی جوش نے انہیں ہر خطرے سے بے گانہ بنادیا تھا۔

طلوعِ آفتاب کے ساتھ خونریز لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے بار بار حملے کرکے صلیبیوں کی صفوں کو روندنے کی کوشش کی، ان کے گھڑسوار نیزے تان کر صلیبی نائٹوں پر ٹوٹ پڑتے، انہوں نے کئی بار حریف کی فولادی صف بندی توڑ کر راستے بنائے اور سینکڑوں جانباز خندق کے قریب پہنچ گئے جہاں سب سے شدید لڑائی ہورہی تھی۔ جو گھڑسوار یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے وہ گھوڑوں سے نیچے کود کر صلیبیوں سے گتھم گتھا ہوجاتے۔ تلواروں سے تلواریں ٹکراتیں تو ان کی جھنکار میں موت کے قہقہے سنائی دیتے۔ قبائلی رضار اور بدو بجلی کی طرح خنجر گھماتے اور حریف کو لہو میں نہلا دیتے۔ خندق کے پاس صلیبیوں کی لاشیں مسلسل گرتی رہیں، سینکڑوں زخمی کراہ رہے تھے۔ خندق کا ایک حصہ صلیبیوں کی لاشوں سے اٹا پڑا ہوگیا کہ مسلمان دوڑ کر خندق پر سے گذر سکتے تھے تاہم صلیبیوں کی مزاحمت کسی وقفے کے بغیر

[1] النوادر السلطانیۃ: 252_253

جاری تھی۔ جہاں ان کا ایک آدمی گرتا وہاں فوراً دو تازہ دم آدمی اس کی جگہ سنبھال لیتے۔

اس ہلے میں درجنوں مسلمان خندق کے پار چھاؤنی کی فصیل تک پہنچ گئے، فصیل پر کھڑے فرنگیوں کی تیراندازی سے بچنے کے لئے وہ فصیل کے ساتھ چپک گئے اور اوپر چڑھنے کا موقع تلاش کرنے لگے، ان کے دوسرے ساتھی فصیل سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور فصیل کے محافظوں کو تیروں اور پتھروں کا نشانہ بنا کر اپنی طرف متوجہ کرنے لگے تاکہ فصیل پھلانگنے کے لئے موقعے کے متلاشی مجاہدین کا کام آسان ہو جائے۔ تاہم فصیل کے محافظ صلیبی دیوانہ وار لڑ رہے تھے۔ ایک قوی ہیکل فرنگی فصیل کے ایک گوشے پر ڈٹا ہوا تھا۔ وہ کسی مشین کی طرح مسلمانوں پر پتھراؤ کر رہا تھا۔ فرنگیوں کی ایک مستعد جماعت تیزی سے اسے پتھر پکڑا رہی تھی اور وہ اسی سرعت سے انہیں مسلمانوں پر برسا رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر بار بار پتھر اور تیر برسائے مگر وہ اپنی جگہ جما رہا۔ لگ بھگ پچاس تیروں اور پتھروں کا نشانہ بننے کے بعد بھی وہ نہ گرا تو آتشی اسلحہ کے ماہر ایک شخص نے اسے آتش گیر مواد کے ذریعے پھونک ڈالا اور کچھ مسلمان موقع ملتے ہی فصیل پھلانگ گئے۔ وہ دوسری طرف اتر کر فرنگیوں کے خیموں پر حملہ آور ہوئے مگر یہاں بھی ہر قدم پر فرنگیوں نے مورچے بنائے ہوئے تھے۔ یہ چھاؤنی نہیں پورا ایک شہر تھا جس میں ان گنت جنگجو جمع تھے۔ چھاؤنی کی فصیل سے لے کر فصیلِ عکا تک یہ میدان صلیبیوں کے خیموں، جھونپڑوں، عبادت گاہوں اور بازاروں سے پُر تھا، اس پر قبضہ کرنا چند سو، یا چند ہزار افراد کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر صلیبیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی چھاؤنی کے دفاع کے لیے سینہ سپر تھیں۔ ایک بوڑھے مسلمان سپاہی نے جو فصیل پھلانگ کر چھاؤنی کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا، قاضی ابن شداد کو اپنا چشم دید واقعہ سناتے ہوئے کہا:

"میں نے چھاؤنی میں ایک فرنگی رئیسہ کو دیکھا، وہ سبز لبادہ پہنے ہوئے تھی اور چوبی کمان سے تیر برسا رہی تھی، وہ مسلسل تیراندازی کرتی رہی، آخر ہمارے کچھ اور ساتھی چھاؤنی میں داخل ہوئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا، ہم اس کی کمان ساتھ لے آئے اور سلطان کی خدمت میں پیش کی۔ سلطان نے اس پر نہایت تعجب کا اظہار کیا۔"

غروب آفتاب تک فرنگیوں کی مزاحمت پوری شدت سے جاری رہی، مسلمان سرتوڑ کوشش کے باوجود چھاؤنی کی فصیل پر قابض نہ ہو سکے، نتیجہ یہ نکلا کہ چھاؤنی کے اندر داخل ہونے والے بھی لڑتے بھڑتے واپس نکل آئے۔

بڑھتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ جنگ کا ہنگامہ تھمتا گیا۔ فریقین لاشوں کو ٹھکانے لگانے اور

زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول ہو گئے۔ تھکے ماندے سپاہی خیموں میں جا کر اپنے بستروں پر گر گئے۔ فرنگی پُر امید تھے کہ عکا آج نہیں تو کل ان کے قدموں میں ہوگا۔ مسلمان پریشان تھے کہ کل کی طرح آج بھی وہ فرنگیوں کی چھاؤنی پر قبضہ کرنے میں بالکل ناکام رہے تھے۔ ❶

مشطوب کی شاہِ فرانس سے ملاقات: ادھر عکا کے سپہ سالار سیف الدین مشطوب نے حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے خود فرنگی قیادت سے مل کر معاملات طے کرنے کا فیصلہ کیا کیوں کہ سلطان ایوبی سے رابطہ کرنا اوّل تو نہایت مشکل تھا۔ دوسرے اس کا کوئی فائدہ بھی نظر نہیں آتا تھا کیوں کہ عکا کے معاملے میں سلطان کی تمام طاقت اور وسائل صلیبیوں کے آگے بے بس تھے۔ سیف الدین مشطوب مومنانہ وقار کے ساتھ شاہِ فرانس فلپ کے پاس پہنچا۔ شہر اس کے حوالے کرنے کی بات چیت کی اور کہا:

"ہم نے آپ کے کئی شہروں پر قبضہ کیا، ہم ان پر حملہ کر کے بزورِ شمشیر قابض ہوئے مگر اس کے باوجود جب نصرانیوں نے ہم سے امان طلب کی تو ہم نے نہ صرف انہیں امان دی بلکہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق محفوظ علاقوں تک پہنچانے کا انتظام بھی کیا۔ موجودہ صورتحال میں ہم خود شہر آپ کے حوالے کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اسکے بدلے آپ کو ہماری جانوں کے تحفظ کا وعدہ کرنا ہوگا۔"

مشطوب کا یہ مطالبہ اس قدر معقول تھا کہ فرنگیوں میں اگر ذرا بھی انسانیت ہوتی تو وہ اسے قبول کرنے میں تامل نہ کرتے۔ مسلمانوں کی جانب سے مفتوح نصرانیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ان گنت مثالوں کے بدلے وہ ایسی ایک مثال پیش کر کے اپنی تاریخ کی سیاہی ذرا کم کرنے کی کوشش کر سکتے تھے مگر اہل فرنگ کا ضمیر کسی اور ہی مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔ فلپ نے اپنی تمام تر معاملہ فہمی اور زیرکی کے باوجود یہ نخوت بھرا جواب دیا:

"تم نے جن کو گرفتار کر کے امان دی تھی وہ تو ہمارے شاہی خاندانوں کے بڑے بڑے لوگ تھے اور اسی حق کے مستحق تھے مگر جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم میرے غلاموں اور نوکروں کی طرح ہو۔ تمہارے بارے میں جو میں چاہوں گا فیصلہ کروں گا۔"

سیف الدین مشطوب نے سرِ کفر کو اس قدر پُر غرور دیکھا تو اس کے تیور بدل گئے۔ اس نے شاہ فرانس کے طمطراق اور اکڑفوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

"یہ بات ہے تو ہم سب لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے مگر جیتے جی شہر تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور ہمارا ہر فرد تمہارے پچاس بڑے بڑے طرم خانوں کو ٹھکانے لگا کر ہی مرے گا۔"

❶ النوادر السلطانیہ: 253

یہ کہہ کر بہادر اور پرجوش مشطوب ایک لحظہ رکے بغیر تیز قدموں سے شہر واپس چلا آیا۔ ❶

چند کم ہمت امراء کا عکا سے فرار جب عمائدِ شہر نے مذاکرات کی روداد سنی تو ان میں سے بعض افراد پر مایوسی چھا گئی، انہیں لگا کہ مشطوب نے ان کی موت کے پروانے پر مہر لگوادی ہے اور اب پنجۂ فرنگ کے بے رحمانہ انتقام سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ سلطان کی فوج کے نامی گرامی امراء عزالدین ارسل، حسام الدین تمرتاش، عبدالقاہر حلبی اور سنقر الوشاقی تھے جن پر عکا کی فوج اور شہر کے نظم ونسق کی بھاری ذمہ داریاں تھیں۔ انہوں نے اسی رات نہایت خوف ودہشت کے عالم میں چوری چھپے عکا سے نکلنے کا فیصلہ کرلیا حالانکہ یہ فوجی نظم وضبط کی سخت خلاف ورزی تھی۔

رات کی تاریکی میں یہ لوگ عکا کی بندرگاہ سے ایک چھوٹی سی ناؤ میں بیٹھے اور اسے کھیتے ہوئے کسی ویران ساحل پر اتر پڑے۔ اگلی صبح عکا میں ان امراء کے فرار کی خبر پھیلی تو لوگوں کا مایوسی سے برا حال ہوگیا۔ سیف الدین مشطوب اور قراقوش کے لئے سپاہ کی ہمت برقرار رکھنا مشکل تر ہوگیا۔ سلطان کو بھی اس واقعے کا سخت صدمہ ہوا، انہوں نے مفرور امراء کی تلاش میں آدمی دوڑا دیئے تاکہ انہیں عبرت ناک سزا دی جائے۔ اپنے عفو وکرم کے باوجود سلطان ایوبی کے نزدیک ذمہ دار امراء کی یہ بزدلانہ حرکت ناقابل برداشت تھی۔ مفرورین میں سے عزالدین ارسل اور سنقر الوشاقی تو ایسے غائب ہوئے کہ پھر کبھی ان کی خیر خبر ہی نہیں ملی۔ البتہ حسام الدین تمرتاش کو ڈھونڈ نکالا گیا، سلطان نے اسے زندان میں پھنکوادیا اور اس کی تمام جاگیریں ضبط کرلیں۔ عبدالقاہر حلبی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہ خود سیدھا سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچا اور سفارش کرواکر اپنے سنگین جرم کی معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ واپس عکا چلا جائے گا چنانچہ اپنے عہد کے مطابق وہ اسی رات سمندری راستے سے دوبارہ عکا چلا گیا۔ ❷

سلطان کا ایک منصوبہ جس پر عمل نہ ہوا اگلی صبح سلطان ایوبی صلیبی چھاؤنی کی فصیل پر بھرپور حملے کرنے کا عزم کئے ہوئے تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ سپاہی خندق پاٹتے اور فصیل میں شگاف ڈالنے کے آلات ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ چوں کہ صلیبی چھاؤنی کی فصیل مٹی کے ڈھیر لگا لگا کر بنائی گئی تھی اس لئے منجنیقوں کی زوردار سنگ باری سے اسے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ منجنیقوں کے پتھر اس میں دھنس تو جاتے تھے، اسے پھاڑ نہیں سکتے تھے۔ سلطان کے امرائے فوج کو بہت غور وفکر کے باوجود اب تک اس فصیل کو گرانے کا کوئی معقول طریقہ سمجھ نہیں آسکا تھا۔ سلطان نے آخری امکانی کوشش کے طور پر روایتی اوزار آزمانے کا سوچا، ان کا خیال تھا کہ سپاہی کدالیں، پھاوڑے اور بیلچے لے کر فصیل کے پاس

---

❶ المدۃ السلاجقیۃ: 253، 254 ❷ نوادر السلطانیۃ: 254، مارہ حنفیں: 257/4

پہنچیں، ان اوزاروں سے کچی فصیل کو کھودا جائے اور اس کی مٹی سے خندق کو پاٹ دیا جائے مگر امرائے فوج نے سلطان کے اس منصوبے کو نا قابل عمل قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

بہر حال اسی دن (جمعرات 9 جمادی الاخریٰ، 3 جولائی) کو مسلمانوں نے پھر چھاؤنی پر حملہ کیا۔ امیر قائماز نجمی جو اسی دن کرد سپاہ کی تازہ کمک لے کر آیا تھا، اپنے جانبازوں سمیت گھوڑوں سے اتر کر پاپیادہ فصیل کے محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ عکا میں محصور مشطوب کا بھائی بھی حملے میں زور وشور سے شریک تھا، قائماز نجمی نے زبردست جنگ لڑی اور صلیبیوں کی فصیل کا ایک گوشہ خالی کرا کے اس پر اپنے دستے کا جھنڈا نصب کر دیا۔ جنگ جاری تھی کہ امیر عزالدین جردیک نوری بھی امدادی سپاہیوں کے ساتھ آن پہنچا اور اسی طرح گھوڑے کو چھوڑ کر پیدل معرکے میں کود گیا۔ دن بھر لہو کی ندیاں بہتی رہیں مگر شام تک صورتحال میں کوئی تبدیلی نہ آ سکی۔ [1]

پھر صلح کا جھانسا اس دوران فریب کار صلیبی وقت گزارنے کے لئے صلح کا شوشہ درمیان میں لے آئے تھے۔ تین انگریز سفیر اپنے بیمار بادشاہ کے لئے پھل اور برف طلب کرنے دربارِ سلطانی میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے غیر رسمی بات چیت کے دوران کہا تھا کہ کل ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) گروہ کا گرینڈ ماسٹر بھی صلح کی بات چیت میں شرکت کرے گا۔ پھر یہ لوگ سلطان کی اجازت سے لشکر کے بازار میں گھومنے پھرنے کے بعد بوقت شب اپنی خیمہ گاہ میں لوٹ گئے۔ مسلمانوں کا ایک اور پورا دن رائیگاں چلا گیا تھا جبکہ عکا سکرات کے عالم میں تھا۔ ایک ایک لمحہ از حد قیمتی تھا۔ [2]

سلطان کا ایک اور منصوبہ جو ادھورا رہ گیا اب سلطان کو بھی عکا کے بچاؤ کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اسی شام خفیہ طور پر مشطوب اور قراقوش کو پیغام بھجوایا کہ وہ آج رات شہر چھوڑ دیں۔ سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ جتنے افراد وہاں موجود ہیں سب ہتھیار سنبھال کر ایک گوشے سے یکدم باہر نکل پڑیں اور راستہ روکنے والے فرنگیوں کو کاٹتے ہوئے ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے جائیں۔ جس جانب سے وہ نکلنے کی کوشش کریں گے، اس طرف سلطان کی فوج بھاری تعداد میں پہلے سے جمع ہوگی اور وہ عقب سے فرنگیوں پر حملہ کر کے انہیں محصورین عکا کا راستہ روکنے سے باز رکھے گی۔ سلطان کے پیغام میں محصورین کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ تمام مال واسباب وہیں چھوڑ دیں اور صرف اپنی جانیں بچا کر نکلنے کی کوشش کریں۔ سلطان کے پیغام میں کہا گیا تھا:

''دشمن سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ سب جمع ہو جاؤ اور رات کو یک بارگی شہر سے نکل پڑو۔

[1] النوادر السلطانیہ: 254

[2] النوادر السلطانیہ: 254_255

ساحلِ سمندر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا اور دشمن سے ٹکراتے ہوئے نکل جانا۔ شہر کو خالی کر دو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہیں چھوڑ دو۔''[5]

یہ پیغام یقیناً کوئی غوطہ خور لے کر گیا تھا کیونکہ ان دنوں پیام رسانی کے کبوتر باقی نہیں رہے تھے۔ پیغام غالباً رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی وہاں پہنچا ہوگا کہ یہ کام دن میں ناممکن تھا۔ رات کی تاریکی ہی غوطہ خوروں کو فرنگی ملاحوں سے چھپا سکتی تھی۔ بہر حال جب یہ پیغام عکا کے امراء کو موصول ہوا تو رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا اور صرف اتنا وقت بچا تھا کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور طے شدہ سمت سے باہر نکل پڑیں۔ بلاشبہ یہ ایک مشکل اور بے حد پرخطر منصوبہ تھا مگر اس کے باوجود قابل عمل تھا۔ فرنگیوں کو قطعاً خدشہ نہیں تھا کہ عکا کے محصور کوئی ایسا جارحانہ اقدام کر سکتے ہیں۔ ان کی بے فکری سے فائدہ اٹھا کر عکا کے سپاہی تند و تیز حملوں کے ذریعے ان کے درمیان راستہ بنا سکتے تھے۔ یقیناً ان میں سے بعض سے شہید یا گرفتار ہو جاتے مگر اکثریت کے زندہ سلامت بچ نکلنے کی امید کی جا سکتی تھی۔

بہر حال تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ پیغام ملتے ہی محصورین نے عکا سے نکلنے کی تیاری تو شروع کی مگر ان کی بڑی تعداد نے سلطان کی تاکید کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مال و اسباب کی گٹھڑیاں باندھنا شروع کر دیں۔

نصف شب ہو چکی تھی۔ دن بھر کی ہولناک جنگ کے بعد بھی عکا کی وادی میں سلطان کے سپاہی زرہ بکتروں اور اسلحے کے بوجھ کے ساتھ گھوڑوں کی پیٹھ پر مستعد بیٹھے رہے۔ سلطان ایوبی کے افسران اپنے بہادروں کو لے کر بالکل تیار کھڑے تھے کہ جونہی عکا کے محصورین محاصرے سے نکلنے لگیں یہ دشمن پر عقب سے حملہ کر کے اسے ہراساں کر دیں اور یوں اپنے بھائیوں کو بچ نکلنے کا موقع دیں۔ سلطان کے یہ سپاہی بے چینی سے اہل عکا کی طرف سے اس مخصوص نعرے کے منتظر تھے جو ان کی روانگی کی علامت کے طور پر طے ہوا تھا مگر وقت گزرتا گیا اور وہاں سے کسی ہل چل کی آواز سنائی نہ دی۔

اُدھر عکا میں موت کے مسافر زندگی کے ہر سفر کی طرح پوری طرح تیار ہو کر نکلنا چاہتے تھے جب کہ موسم گرما کی رات تین چار گھنٹوں بعد سحر میں تبدیل ہونے والی تھی۔ آخرانہی تیاریوں میں مشرق سے پیدۂ سحر نمودار ہو گیا اور عکا کے محصورین حیران و پریشان کھڑے رہ گئے۔ تب انہوں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ یہ کوشش کل کر لی جائے گی مگر ان کو معلوم نہیں تھا کہ ایسی کل ان کی قسمت میں نہیں ہے۔

اگلے دن جمعہ 10 جمادی الاخریٰ 587ھ (4 جولائی 1191ء) کو صلیبی عکا کی زبردست ناکہ بندیوں

---

5 النوادر السلطانیہ، ص:255

میں مصروف ہو گئے۔ صبح صادق تک وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ اہلِ عکا نے فرار کا منصوبہ بنایا ہوا ہے مگر تھوڑی دیر بعد انہیں سب پتا چل گیا۔ ہوا یہ تھا کہ اہل عکا کے دو غلاموں نے جو رات کو سب کے ساتھ نکلنے کی تیاریاں کر رہے تھے، سفر کو ملتوی ہوتے دیکھ کر یقین کر لیا کہ انہیں اگلی شب نصیب نہیں ہوگی۔ چنانچہ وہ چپکے سے شہر سے نکل کر فرنگیوں کے پڑاؤ میں چلے گئے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں اہلِ شہر اور سلطان ایوبی کے درمیان طے شدہ منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ پھر کیا تھا! صلیبیوں نے زبردست تیاریوں کے ساتھ ہر جانب سے شہر کا اتنا سخت محاصرہ کر لیا کہ شہر سے کسی آدمی کے بچ نکلنے کے امکانات ہی ختم ہو گئے۔ [1]

ایک اور سفارت۔ انگریزوں کا اصل مقصد: اس دن سلطان ایوبی کی فوج وادی کے دوسرے کنارے پر چوکس کھڑی تھی۔ ادھر صلیبی بھی چوکنا تھے مگر جنگ شروع نہ ہوئی کیونکہ اسی دن رچرڈ کی جانب سے پھر ایک سہ رکنی سفارت سلطان کے پڑاؤ میں آ گئی تھی جس کے ارکان الملک العادل سے مذاکرات کر رہے تھے۔ دن بھر کی گفتگو عبث رہی اور سفیر واپس چلے گئے۔

خود بخود سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس وقت جب کہ محاذ پر فرنگیوں کی گرفت نہایت مضبوط تھی اور عکا ان کے پنجے میں آ چکا تھا وہ مذاکرات کا راستہ کیوں باقی رکھنا چاہتے تھے؟

دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ عکا کی فتح کو زیادہ سے زیادہ کامیابیوں کا ذریعہ بنایا جائے اور جو مقاصد وہ بزورِ شمشیر حاصل نہیں کر سکے مذاکرات اور معاہدوں کے ذریعے ان کو حاصل کیا جائے۔ رچرڈ جو مذاکرات کا شوشہ لانے میں پیش پیش تھا انگریزوں کی روایتی مکاری سے کام لے رہا تھا۔ درحقیقت اس سمیت کوئی بھی صلیبی رہنما مذاکرات میں صاف نیت نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ایوبی کے امراء اہلِ عکا کے ممکنہ انجام سے پریشان ہیں اس لیے وہ مسلمانوں کے خوف سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان سے اہل عکا کے تحفظ کے جھوٹے وعدے کر کے زیادہ سے زیادہ مطالبات منوائے جائیں۔ [2]

سبز پوش لشکر: آزمائش کی ان سخت ترین گھڑیوں میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے عکا کے مجاہدوں کی گرتی ہوئی ہمت بلند ہو گئی جبکہ صلیبی جو ایک دو دن میں عکا کو سرنگوں پر تلے ہوئے تھے قدرے پست حوصلہ ہو گئے۔

جمعے اور ہفتے (11 جمادی الاخریٰ، 5 جولائی) کی درمیانی رات فرنگیوں نے ہوا کے دوش پر کچھ عجیب

[1] النوادر السلطانیۃ: 255 [2] النوادر السلطانیۃ: 255، 256

سا شور سنا، انہوں نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی امدادی لشکر چلا آ رہا ہو۔ صلیبی پہرے داروں نے اپنی چھاؤنی کی بلندی پر چڑھ کر دیکھا تو انہیں سینکڑوں سبز پوش سوار عکا میں داخل ہوتے دکھائی دیئے۔ وہ حیران رہ گئے کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود یہ امدادی فوج عکا تک کیسے پہنچ گئی۔

اگلے دن صلیبیوں کے ایک نمائندے نے عکا کی فصیل کے نیچے آکر دوستانہ انداز میں مسلمانوں کو پکارا اور کہا:

''تمہیں تمہارے دین کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں مجھے بتاؤ کل رات تمہیں کتنے سپاہیوں کی کمک ملی؟''

عکا کے جانبازوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر صلیبی نمائندے کو دیکھا کیوں کہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے نہیں ہوا تھا۔ انہیں لشکر تو کجا ایک امدادی سپاہی بھی نہیں ملا تھا، ہاں گزشتہ رات کا شور وغل انہوں نے بھی سنا تھا جس سے وہ خود یہ گمان کر کے پریشان ہو رہے تھے کہ شاید فرنگیوں کی مزید افواج آ رہی ہیں۔ تاہم صلیبی نمائندے کے سوال سے انہیں ایک نفسیاتی حربہ ہاتھ آ گیا تھا۔ ان کے ہوشیار افسران میں سے ایک نے فوراً جواب دیا:

''ہمیں صرف ایک ہزار سواروں کی کمک ملی ہے۔''

صلیبی نمائندے نے اپنی ''باخبری'' کا رعب جتاتے ہوئے کہا:

''خیر وہ ایک ہزار تو نہیں، اس سے کچھ کم تھے۔ ہم نے خود انہیں سبز وردیوں میں ملبوس شہر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔''[1]

غیبی لشکر کے نزول کے واقعے سے عکا کے مسلمانوں کی ہمت بہت بڑھ گئی اور وہ فرار کے خیال کو جھٹک کر آخری دم تک لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، اب شہادت ہی ان کا ہدف ٹھہرا تھا۔ ادھر فرنگی بھی اس عجیب واقعے کی وجہ سے عکا پر فوری قبضے سے رک گئے اور انہیں اپنی ناکہ بندی کے سخت ترین انتظامات پر اعتماد نہ رہا۔ انہوں نے محاصرے کو مزید چند دنوں تک طول دینے، سلطان سے مذاکرات جاری رکھنے اور نفسیاتی دباؤ بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اسی دن وہ سلطان کی فوج کے سامنے بڑی آن بان کے ساتھ صف بندی کر کے نکلے جیسے آج وہ کھلے میدان میں سلطانی سپاہ سے ٹکرانا چاہتے ہوں۔ کچھ دیر بعد چھاؤنی کی فصیل کے بڑے دروازے سے جس پر مٹی کا گنبد بنا ہوا تھا زرق برق لباس پہنے چالیس افراد

[1] النوادر السلطانیہ: 256

باہر نکلے۔ اس وفد کا قائد صیدا کا وہ سابق مسیحی حاکم تھا جسے کسی زمانے میں سلطان نے رہا کیا تھا۔ وفد کے ارکان غالباً الملک العادل کی تیزی و طراری سے مرعوب تھے، اس لیے انہوں نے اس کی بجائے سلطان کے مملوک امیر نجیب الدین عدل سے گفتگو کی خواہش ظاہر کی جو سلطان کی طرف سے فرنگی حکام سے نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتا رہتا تھا اور یورپی زبانیں جانتا تھا۔ وہ چند مملوک امراء کے ساتھ آ گیا۔ سلطان نے مذاکرات میں اپنی جگہ الملک العادل اور الملک الافضل کو امور کی تفصیل سننے کا ذمہ دار بنا دیا۔ نجیب الدین عدل نمائندہ بن کر کئی بار مجلسِ مذاکرات میں گیا، فرنگیوں سے گفتگو کی اور پھر الملک العادل اور الملک الافضل کو آ کر صورت حال بتائی۔

اس دن کے مذاکرات میں سلطان کی جانب سے فرنگیوں کو پیش کش کی گئی کہ اگر عکا کے مسلمانوں کو جانی تحفظ فراہم کیا جائے تو عکا اور اس کے تمام مال و دولت، اناج اور اسلحے پر صلیبیوں کا استحقاق مان لیا جائے گا اور محصورینِ عکا کی تعداد کے مطابق عیسائی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ صلیبی نمائندوں نے اسے کافی نہ سمجھا۔ تب سلطان کے نمائندوں نے 'صلیب الصلبوت' واپس کر دینے کی بھی پیش کش کی جو معرکۂ حطین میں چھینی گئی تھی مگر فرنگی سفیروں نے اسے بھی کم باور کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ سلطان نصرانیوں کے تمام شہر اور تمام قیدی واپس کر دے۔ یہ غیر معقول مطالبہ ہرگز قابلِ سماعت نہ تھا، اس لئے مذاکرات بے نتیجہ رہے۔[1]

<u>ہم نے موت پر بیعت کر لی ہے</u> ❊ اگلے دن اتوار (12 جمادی الاخریٰ، 6 جولائی) کو عکا سے ایک غوطہ خور سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے سلطان کو غیبی لشکر کے ظہور اور فرنگیوں کی مرعوبیت کا قصہ سنایا اور ساتھ ہی عکا کے امراء کا موم جامہ خط پیش کیا جس میں تحریر تھا:

> ''ہم نے موت پر بیعت کر لی ہے۔ مرتے دم تک لڑیں گے مگر جیتے جی شہر دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ آپ بتائیے کہ آپ دشمن کو شہر سے ہٹانے اور ہم پر حملے روکنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں، آپ اس دشمن کے سامنے عجز و انکسار اور نرم جوئی کے اظہار سے بچتے رہیے گا۔ بہر حال اب شہر کو بچانے کا موقع ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔''[2]

<u>اسلامی اور صلیبی کمک</u> ❊ اس دوران فرنگیوں کی قوت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ کونرڈ مارکوئیس جو ناراض ہو کر صور چلا گیا تھا صلیبی جنگ کو کامیابی کی جانب گامزن دیکھ کر واپس آ گیا تھا۔ ادھر سلطان کو بھی کمک ملی تھی۔ 16 جمادی الاخریٰ (10 جولائی) کو اسد الدین شیرکوہ ایک فوج لے کر پہنچا، اس سے

---

[1] النوادر السلطانیہ: 255، 256

[2] النوادر السلطانیہ: 256۔ الکامل فی التاریخ: 10/205

پہلے حاکمِ شیزر سابق الدین اور حاکمِ حمص بھی آچکے تھے۔ بدرالدین دلدرم بھی بہت سے ترکمان مجاہدین کو لے کر آیا تھا۔[4]

اہل عکا کو امدادی فوج مل جانے کی غلط فہمی نے صلیبیوں کو کچھ ایسا حیرت زدہ کیا تھا کہ تقریباً ایک ہفتے تک وہ کسی بڑی کارروائی کی ہمت نہ کرسکے اور عکا نے سکرات کی حالت میں چند دن اور گزار لیے۔ اس دوران عکا کے سپاہیوں نے دن رات کام کر کے بیرونی فصیل کے منہدم شدہ حصوں کے پیچھے ایک اور دیوار تعمیر کر لی تھی اور اس کے کناروں کو باقی فصیل سے ملا دیا تھا۔ اب وہ اس پر مورچے بنا کر فرنگیوں کو قریب آنے سے روک رہے تھے۔

بہر حال چند دن کی مہلت مل جانے سے حالات کا رخ تبدیل نہ ہو سکا۔ جاں بلب مریض بتدریج موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ فرنگیوں نے ناکہ بندی بڑی سخت کر دی تھی اور منجنیقوں کی تباہ کار نشانہ بازی سے بیرونی اور اندرونی فصیلوں میں جگہ جگہ نئے شگاف پیدا ہو رہے تھے۔[5]

مشطوب کا صلیبی قیادت سے معاہدہ: آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کرنے والے عکا کے سپہ سالار سیف الدین مشطوب کو اپنے ہمراہیوں کی جان کی قدر و قیمت کا پورا اندازہ تھا۔ وہ کوئی جنونی انسان نہیں تھا۔ اس نے شروع میں خود شاہِ فرانس کے پاس جا کر آبرومندانہ معاہدے کی کوشش کی تھی مگر اس کے پرفریب اور تحقیر آمیز رویے کا تجربہ کرنے کے بعد اس نے گرفتاری پر موت کو ترجیح دینے کا فیصلہ کر کے سلطان کو بھی اسی فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہ بات مشطوب کے اس پیغام میں واضح دکھائی دیتی ہے جو ''12 جمادی الاخریٰ'' کو سلطان کے نام بھیجا گیا تھا۔ اس خط میں بین السطور یہ التماس بھی تھی کہ سلطان دشمن سے صلح تو نہ کریں مگر بہر صورت اہل عکا کو بچانے کے لیے جو کر سکتے ہیں کریں مگر یہاں صورتحال کچھ ایسی تھی کہ عکا اور اہل عکا کو بچانے کیلئے سلطان کی تمام تر کوششیں فرنگیوں کی بے پایاں طاقت کے آگے رائگاں ثابت ہوئی تھیں۔ اب شاید سلطان کو بھی مکار فرنگیوں سے فریب آمیز صلح کی بجائے اہل عکا کا لڑتے لڑتے شہید ہو جانا بہتر معلوم ہو رہا تھا کیوں کہ خود سلطان اور رچرڈ کے درمیان بھی صلح کی گفت و شنید کے کئی ادوار ناکام ہو گئے تھے جس کی وجہ صرف اور صرف فرنگیوں کی حد سے بڑھ کر نامعقول فرمائشیں تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ سلطان نے مذاکرات میں حد درجہ لچک دکھائی تھی مگر تمام ساحلی شہروں اور تمام عیسائی قیدیوں کی واپسی جیسے سخت مطالبات وہ قطعاً قبول نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ یہ کھلی شکست کے مترادف ہوتا۔ اہل عکا کو بھی سلطان کی مجبوریوں کا پورا اندازہ

[4] النوادرالسلطانیہ: 257

[5] النوادرالسلطانیہ: 256، 257

تھا، تب زندگی بچانے کے فطری جذبے نے انہیں ایک بار پھر آخری کوشش کے طور پر فرنگیوں سے مذاکرات پر آمادہ کر دیا۔ سیف الدین مشطوب اور حسین بن باریک شہر سے نکل کر فرنگیوں کے قائدین سے ملے اور خاصی بحث کے بعد درج ذیل امور پر شہر خالی کرنے کا معاہدہ کر لیا:

1- عکا اور اس میں جو کچھ ہے...... بحری جہاز، کشتیاں، مال و دولت، خوراک اور اسلحے کے ذخائر...... سب پر فرنگیوں کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔
2- سلطان ایوبی دو لاکھ دینار صلیبیوں کو ادا کریں گے۔ یہ ادائیگی دو ماہ میں ہوگی۔
3- دو ماہ کے اندر فرنگی قیدیوں میں سے پندرہ سو عام افراد اور سو نامزد نائٹ رہا کئے جائیں گے جن کے نام دونوں فریق مل کر طے کریں گے۔
4- صلیب الصلبوت فرنگیوں کے حوالے کر دی جائے گی۔
5- عکا کے تمام افراد مرد و زن، عورتیں اور بچے اپنے ساز و سامان سمیت بحفاظت شہر سے نکل جائیں گے۔
6- اس معاہدے میں ثالث کے فرائض انجام دینے کے عوض کونرڈ مارکویس کو 10 ہزار اور اس کے مصاحبین کو چار چار ہزار دینار دیئے جائیں گے۔[1]

یاد رہے کہ معاہدے میں اہل عکا کو جانی تحفظ فراہم کرنے کی بہر صورت ضمانت دی گئی تھی۔ یہ بھی طے کر لیا گیا تھا کہ اگر سلطان نے معاہدے کو قبول نہ کیا اور مذکورہ شرائط پوری کرنے سے انکار کر دیا تب بھی اہل عکا کی جانیں مامون ہوں گی، ہاں اس صورت میں انہیں آزاد کرنے کی بجائے غلام بنا لیا جائے گا۔[2]

یہ معاہدہ جمعرات 16 جمادی الاولیٰ (10 جولائی) کو ہوا تھا۔ اس کی اطلاع اگلے دن سلطان کو پہنچی تھی۔

تقدیر کا لکھا: اگلے دن (جمعہ 17 جمادی الاخریٰ، 11 جولائی) کی صبح ایک تیراک سلطان کے پاس پہنچا اور امرائے شہر کے مراسلے پیش کئے جن میں بتایا گیا تھا کہ اہل شہر مجبوری کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں، فصیل میں بکثرت شگاف ہو گئے ہیں، شہر کی مزید مدافعت ناممکن ہے، اگر دشمن شہر پر بزور شمشیر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اہل شہر کو قتل کر دیا جائے گا اور شہر کا سارا مال و متاع بہر صورت دشمن کے قبضے میں آجائے گا اس لئے انہوں نے دشمن سے شہر اور اس کے اموال و ذخائر کی سپردگی، دو لاکھ دینار کی ادائیگی، 15 سو قیدیوں کی رہائی اور صلیب الصلبوت کی واپسی کی شرائط پر جان کی امان حاصل کر لی ہے۔

یہ مراسلہ پڑھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی سناٹے میں آ گئے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ عکا کے امراء جو چند دن پہلے آخر دم تک لڑنے کا جوش و جذبہ ظاہر کر رہے تھے، اچانک ایسی سخت شرائط پر دشمن

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 257، ذکر حدیث مصالحہ
[2] النوادر السلطانیۃ: 262، ذکر قتل المسلمین

سے جان کی بھیک مانگنے لگیں گے! شہر بھی ان کے حوالے کیا جائے گا اور مال و متاع بھی۔ قیدی بھی واپس کردیے جائیں گے اور صلیب بھی۔

یہ صلح نامہ سلطان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ان کی منشاء یہ تھی کہ اہل عکا آخری سانس تک مقابلہ کریں کیونکہ انہیں اس معاہدے پر ذرہ برابر وثوق نہیں تھا۔ وہ فرنگیوں کی مکارانہ فطرت سے وہ خوب واقف تھے۔

سلطان نے اسی وقت اپنے امراء اور سفیروں کو جمع کیا اور انہیں تازہ صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اس معاہدے کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اس کے بعد مجلس مشاورت میں اس بات پر بحث ہونے لگی کہ فرنگیوں سے اہل عکا کی جان کی بھیک مانگے بغیر آخر کس طرح انہیں فرنگیوں کے پنجے سے نکالا جائے۔ [1]

اس وقت عالم یہ تھا کہ سلطان سمیت ہر شخص کے چہرے پر تشویش و اضطراب کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ عکا کی ڈوبتی کشتی کے مسافروں کی ہر پکار وہ اپنے دلوں سے سن رہے تھے مگر حیرت و پریشانی نے شاید انہیں کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ بہر کیف معاہدہ ناقابل قبول تھا اور سلطان نے طے کرلیا تھا کہ وہ مراسلہ لانے والے غوطہ خور ہی کے ہاتھ رات کے اندھیرے میں اپنا مکتوب عکا روانہ کردیں گے جس میں امرائے عکا پر معاہدے کا ناقابل قبول ہونا واضح کردیا جائے گا۔

مگر ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ دور عکا کی فصیلوں سے بے پناہ شور و غوغا سنائی دیا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور جولائی کے شعلہ زن آفتاب کی روشنی میں ہر شے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ سب نے تعجب بھری نظروں سے ادھر دیکھا تو ایک جگر سوز منظر ان کے سامنے تھا۔ فرنگی مریم و مسیح اور صلیب کے نعرے لگاتے ہوئے عکا میں داخل ہو رہے تھے۔ شہر کی فصیلوں اور برجوں سے اسلامی پرچم اتارے جا رہے تھے۔ فرنگی ان کی جگہ اپنے جھنڈے اور صلیبیں نصب کر رہے تھے۔ [2]

یہ منظر دیکھ کر سلطان پر جیسے بجلی گر پڑی۔ امراء، افسران اور تمام سپاہی دم بخود رہ گئے۔ ان کے لئے یہ تلخ حقیقت ناقابل برداشت تھی کہ تین سال کی جدوجہد اور ان گنت قربانیوں کے باوجود وہ اس شہر کو نہ بچاسکے۔ مگر جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فرنگی عکا میں: کونرڈ مارکوئیس جس نے صور سے آکر اس معاہدے میں فرنگیوں کی طرف سے مرکزی کردار ادا کیا تھا، سب سے پہلے عکا میں داخل ہوا تھا۔ اس نے شاہان یورپ کے الگ الگ چار پرچم عکا کی جامع مسجد کے مینار، قلعے کے برج، فصیل کے برج قتال اور برج داویہ پر نصب کردیئے تھے۔ [3]

---

1. النوادر السلطانیہ: 257_258
2. النوادر السلطانیہ: 258
3. النوادر السلطانیہ: 258_269

اس منظر سے سلطان کے لشکر میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص آبدیدہ نظر آرہا تھا۔ مسلمان اس واقعے سے اس قدر دل شکستہ تھے کہ ان کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ بڑے بڑے اہل ہمت حواس باختہ تھے۔

قاضی ابن شداد اس وقت اہل ایمان کے جذبات کی منظر نگاری یوں کرتے ہیں:

''مسلمانوں پر یہ نہایت سخت حادثہ گزرا۔ فرزندانِ توحید کا رنج وغم شدید تھا، اچھے اچھے عقلمند ایسے گنگ ہوئے کہ 'انا للہ وانا الیہ راجعون' تک پڑھنا بھول گئے۔ اچانک مصیبت اور شدید حیرت لوگوں پر چھا گئی۔ لشکر میں لوگ چیخ و پکار کر رہے تھے، رو رہے تھے، سسکیاں اور ہچکیاں لے رہے تھے۔ ہر شخص نے اپنے ایمان کے بقدر اس حادثے کا رنج محسوس کیا اور اپنی دینداری کے مطابق اس مصیبت سے متاثر ہوا۔ اس سانحے کا مشاہدہ کرنے والے فرزندانِ اسلام پر غم کی ایسی کیفیت طاری تھی جس کے ہوتے ہوئے زندہ رہ جانا تعجب خیز بات تھی۔'' [1]

نہ ہوا تقی الدین عمر: جن دنوں عکا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل رہا تھا سلطان کو اپنا جرنیل تقی الدین عمر شدت سے یاد آرہا تھا کیوں کہ اس وقت محاذ پر اس کی موجودگی ناگریز تھی۔ سقوطِ عکا کے بعد سلطان کو کئی بار یہ کہتے سنا گیا کہ قضا وقدر کے فیصلے کے بعد عکا پر فرنگیوں کے قبضے کا بڑا سبب تقی الدین عمر کا محاذ سے غیر حاضر ہونا تھا۔ اس کی عدم موجودگی سے نہ صرف یہ کہ اُس کی فوج اس موقع پر محاذ سے غائب رہی بلکہ کئی مشرقی صوبوں کے حکام نے بھی اس خوف سے سلطان کو امدادی فوج روانہ نہ کیں کہ تقی الدین ان کی سرحدوں پر موجود ہے، کہیں وہ ان کے شہروں پر قبضہ نہ کرلے۔ [2]

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ تقی الدین کے نہ ہونے سے سلطان کی فوج میں وہ ہمت باقی نہیں رہ سکتی تھی جو اس کی کمان میں لڑتے وقت ہوا کرتی تھی۔ دوسری طرف اس کے نہ ہونے سے صلیبی یقیناً بے باک ہو گئے ہوں گے کیونکہ خود یورپی مؤرخین کے نزدیک فریقین کے سپہ سالاروں میں سب سے بڑھ کر تقی الدین عمر ہی تھا۔

کاش کہ بحری امداد مل جاتی: عکا کے سقوط کا ایک اہم ترین سبب یہ تھا کہ نہ تو سلطان کی بحریہ فرنگیوں کی بحریہ کے مقابلے کی تھی اور نہ ہی اس دوران کسی اور اسلامی ملک نے اپنے بحری جہازوں کے ذریعے سلطان کی فوج کو مضبوط کرنے کی زحمت گوارا کی تھی۔ حالاں کہ سلطان نے پوری کوشش کی تھی کہ انہیں کسی اسلامی ملک سے مطلوبہ تعداد میں بحری جہاز میسر آجائیں۔ عکا کے محاصرے کے دوران سلطان کے ذہن میں یہ خیال پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بحری جنگ میں غلبے کے ذریعے ہی دشمن کا ناطقہ بند اور

[1] النوادر السلطانیہ: 259 [2] الروضتین: 240/4

محصور شہر کو آزاد کرا سکتے ہیں مگر تنہا شام اور مصر کی بحریہ یورپ کی درجن بھر مملکتوں کے مشترکہ بیڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مسلسل جنگوں کی وجہ سے سلطان ایوبی کا خزانہ خالی ہونے کو تھا۔ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ مختصر مدت میں بحریہ کو خاطر خواہ تقویت دے سکتے۔ پھر جنگِ عکا پوری شدت سے جاری تھی اور ایسے جامع منصوبوں پر توجہ دینے کی فرصت بالکل نہیں تھی۔ ان حالات کے پیش نظر جنگ کے دوران سلطان نے محاذِ جنگ سے مراکش اور شمالی افریقہ کے حکمران امیر یعقوب بن یوسف کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا تھا جس میں صلیبیوں کے خلاف اسلام کے نام پر بحری افواج کی کمک طلب کی گئی تھی۔ امیر یعقوب بن یوسف کا خاندان تین نسلوں سے شمالی افریقہ اور اندلس پر حکومت کر رہا تھا۔ یہ اس عبدالمؤمن کا پوتا تھا جس نے مرابطین کے زوال کے بعد اسلامی اندلس کو عیسائیوں کے نرغے سے نکالا تھا۔

سلطان ایوبی کا خط قاضی فاضل رحمہ اللہ نے 28 شعبان 586ھ (30 ستمبر 1191ء) کو تحریر کیا تھا۔ مصر میں مقیم سلطان کے معتمد امیر عبدالرحمٰن ابن منقذ کو اس اہم سعادت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو 13 رمضان (15 اکتوبر) کو اسکندریہ کے ساحل سے ایک کشتی میں بیٹھ کر مراکش روانہ ہوا۔ 25 شوال (25 نومبر) کو وہ امیر یعقوب کی مملکت کے پہلے شہر طرابلس (موجودہ ٹریپولی) کی بندرگاہ پر اترا۔ یہاں سے دشوار گزار اور طویل صحرائی سفر کر کے وہ 7 ذوالحجہ 586ھ (5 جنوری 1191ء) کو مراکش کے دارالحکومت پہنچا اور امیر کے وزیر ابو حفص سے مل کر اسے سلطان کا خط پیش کیا۔ سفیر کو بروز 20 ذی الحجہ (18 جنوری) امیر یعقوب کی خدمت میں باریابی کا موقع ملا۔ اس نے شاہی مراسلے کے ساتھ وہ ہدایا نذر کیے جو سلطان نے بھیجے تھے۔ ان میں مشک، عنبر اور عود جیسے قیمتی عطر، 100 کمانیں، 20 ہندی تلواریں اور سات سو تیر شامل تھے۔

دربار مراکش میں معروضات پیش کرتے ہوئے ابن منقذ نے اپنے آقا سلطان صلاح الدین ایوبی کے ان کارناموں کا تذکرہ کیا جو انہوں نے امت مسلمہ کے لئے انجام دیئے تھے۔ فرنگیوں کو پے در پے شکستیں دینے، ساحل شام کے بیشتر حصے کو پرستارانِ صلیب سے واپس لینے اور بیت المقدس کو فرنگیوں سے آزاد کرانے کا تذکرہ کرنے کے بعد اس نے یورپی اقوام کے شام پر مشترکہ حملے، تیسری صلیبی جنگ اور عکا کے معرکوں کے حالات ذکر کیے۔ عکا کے محاصرے کا نقشہ کھینچنے کے بعد ابن منقذ نے سلطان کی ہدایات کے مطابق امیر یعقوب سے گزارش کی کہ اگر وہ ایک مضبوط بحری بیڑہ فراہم کر کے فرنگیوں کو عقب سے گھیر لیں اور ان کا یورپ سے کمک و رسد کا راستہ مسدود کر دیں تو صلیبی جنگ کا پانسا پلٹ سکتا ہے اور فرزندانِ توحید اس کڑی آزمائش میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

امیر یعقوب نے سلطان کے سفیر کی گذارشات غور سے سنیں اور اسے عزت و احترام سے اپنے ہاں ٹھہرائے رکھا مگر سلطان کی درخواست کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ابن منقذ نے کتنا عرصہ مراکش میں قیام کیا تاہم اسے واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوتی چلی گئی۔ ادھر عکا کے معرکے جاری تھے۔ فرنگیوں کا محاصرہ دوسرے سال میں داخل ہو گیا، ابن منقذ پھر بھی واپس نہ آیا، امیر یعقوب کی طرف سے سلطان کے لئے بحری کمک کی کوئی سن گن بھی نہ ملی۔ آخر کار فرنگیوں نے عکا پر قبضہ کر لیا مگر مراکش کا بیڑا آنا تھا نہ آیا۔

ابن منقذ اپنی روانگی کے 21 ماہ بعد یعنی سقوط عکا کے بھی ایک برس بعد 28 جمادی الاخریٰ 588ھ (10 جولائی 1192ء) کو بے نیل مرام واپس اسکندریہ پہنچا۔ یہ بات نہایت افسوس ناک تھی کہ سلطان کی درخواست کے باوجود کفر و اسلام کی کشمکش کے اس نازک ترین مرحلے پر بھی امیر یعقوب بن یوسف نے ان کی اعانت نہیں کی۔ فرزندان تثلیث متحد ہو کر اسلام کے خلاف صف بستہ تھے مگر مسلم حکمرانوں کا کوئی مشترکہ محاذ نہ بن سکا۔ کوئی بڑا مسلم حکمران سلطان ایوبی کی مدد کو نہ آیا۔ امیر یعقوب نے عمر کا بڑا حصہ اندلس میں نصرانیوں سے جہاد کرتے ہوئے گزارا تھا، اس کے باوجود اس نے سلطان ایوبی کی مدد کیوں نہ کی؟ اس کی وجہ صرف یہ بتائی جاتی ہے کہ سلطان نے اپنے مکتوب میں اسے 'امیر المومنین' کے لقب سے یاد نہیں کیا تھا کیونکہ ایشیا کے تمام مسلم سلاطین کی طرح سلطان ایوبی بھی صرف عباسی خلیفہ کو اس لقب کا حق دار تصور کرتے تھے جبکہ امیر یعقوب اندلس کے سابقہ حکمرانوں کی طرح خود کو امیر المؤمنین کہلوانا پسند کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کے مراسلے میں اس لقب کے ساتھ مخاطب نہ کیے جانے سے اسے دکھ ہوا لہٰذا اس نے سلطان کی مدد سے پہلو تہی کی۔ [1]

کاش کہ وہ اس آزمائش کی گھڑی میں سلطان کے ساتھ کسی قدر تعاون کر دیتا تو عکا فرنگیوں کے ہاتھوں میں جانے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

تاریخ نے قوموں کے وہ دن بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

---

[1] کتاب الروضتین 4/204 تا 208 ، مارسال صلاح الدین رسالۃ الی ملک المغرب

فصل:11

اہل عکا کا قتل عام

سلطان صلاح الدین ایوبی بار بار اپنی خیمہ گاہ سے عکا کی سرنگوں خاکستری فصیل کو دیکھتے جو کل تک اپنے محافظوں کے بل بوتے پر سر اٹھائے کھڑی تھی...... آج اس پر برطانیہ اور فرانس کے پرچم لہرا رہے تھے..... اس کے بلند و بالا برجوں پر آویزاں صلیبیں سلطان کی ہمت کو للکار رہی تھیں...... سلطان کا رنج اور صدمے سے برا حال تھا...... قاضی ابن شداد کے بقول وہ اس ماں کی طرح بے تاب تھے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو اور وہ حیران و پریشان پھر رہی ہو...... اس حالت میں سلطان کے قریبی مشیر اور رفقاء انہیں تسلیاں دے رہے تھے...... کاتب عماد نے کہا:

''ایک شہر جانے کا کیا غم، اسلام تو ختم نہیں ہوا...... اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر یقین تو کمزور نہیں پڑا۔''[5]

قاضی بہاء الدین ابن شداد نے سلطان کو حوصلہ دلاتے ہوئے انہیں آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ بچار کی ضرورت کا احساس دلایا۔ عکا کے بعد دوسرے ساحلی شہر اور پھر بیت المقدس صلیبیوں کا ہدف تھے...... اب ان کی فکر کرنا زیادہ اہم تھا، نیز عکا کے قیدی مسلمانوں کی خلاصی کے لیے فرنگیوں سے معاملات طے کرنا ناگزیر تھا...... قاضی صاحب نے سلطان کو یہ مسائل یاد دلا کر ان کی چوٹ کھائی ہوئی طبیعت کو مثبت اندازِ فکر کی طرف مائل کر دیا۔

اس دن بھی سلطان نے فوج کو تیار حالت میں رہنے کی ہدایت کی تاکہ اگر حریف فتح کے نشے میں بدمست ہو کر کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نکل آئے تو وہ اس سے دو دو ہاتھ کر سکیں، اس کے ساتھ ہی سلطان نے خیمہ گاہ اور فوج کا سب ساز و سامان اسی رات شفرعم کی بلند ڈھلوانوں پر منتقل کرا دیا کیوں کہ عکا کا قضیہ ختم ہو چکا تھا اور بہت جلد فرنگیوں سے دیگر میدانوں میں معرکے شروع ہونے والے تھے۔

[5] کتاب الروضتین 264/4

ابھی سے اس کی پیش بندی کرنا ضروری تھا۔ [1]

فرنگیوں کی اہل عکا سے عہد شکنی ❁ عکا کے امراء نے شہر ایک معاہدے کے تحت حوالے کیا تھا مگر شہر فتح کرنے کے بعد کفار کے تیور بدل گئے۔ انہوں نے اہلِ عکا کو پرامن طور پر شہر سے نکلنے کا موقع دینے کی بجائے انہیں حراست میں لے لیا اور جنگی قیدیوں کا درجہ دیا۔ ان میں سے بہت سوں کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ دیا گیا۔ [2] عکا کی جامع مسجد ایک بار پھر تثلیث کی علامات سے آلودہ کر کے گرجے میں تبدیل کر دی گئی۔ نصرانی افسران جشن مسرت مناتے ہوئے شراب کے جام لنڈھا رہے تھے اور مسلمان قیدیوں سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لے رہے تھے۔

وہ عکا پر قبضہ کرنے میں برداشت کی گئی تمام تکالیف کا غصہ ان قیدیوں پر نکال رہے تھے۔ بلاشبہ عکا کے معرکے میں انہوں نے بھاری جانی و مالی نقصانات اٹھائے تھے۔ [3]

قاضی فاضل کے ایک مکتوب سے جو مراکش میں مقیم سلطان کے سفیر شمس الدولہ کے نام تھا، معلوم ہوتا ہے کہ دو سالہ جنگ میں کم از کم پچاس ہزار عیسائی مارے گئے تھے۔ [4] جبکہ عیسائی مورخین بیان کرتے ہیں کہ ان کے 80 ہزار کے لگ بھگ عام سپاہی ہلاک ہوئے تھے، ان کے علاوہ پانچ سو امراء، چالیس نواب، چھے بڑے پادری اور تین حکمران عکا کے معرکوں میں کام آگئے۔ صلیبی چھاؤنی کے ارد گرد دور دور تک ان مقتولین کی قبریں نظر آتی تھیں۔ [5]

یروشلم کا بادشاہ کون؟ ❁ فتح کے بعد صلیبیوں نے سلطان ایوبی کے مقابلے میں کھلے میدان کی جنگ سے گریز کیا اور عیش عشرت میں منہمک رہ کر ناچتے گاتے رہے۔ جب چند دنوں بعد ہنگامہ تھما تو انہیں القدس تک کی منازل طے کرنے سے پہلے مقدس شہر کی بادشاہت کا مسئلہ طے کرنے کی فکر لگ گئی۔ یہ بڑا اہم معاملہ تھا کیونکہ القدس کا حکمران نہ صرف مستقبل کے "مسیحی شام" کا حکمران ہوتا بلکہ اسے ایک بڑے روحانی رہنما کی حیثیت بھی حاصل ہوتی۔

مجلس مشاورت میں شاہِ فرانس فلپ آگسٹس، شاہِ انگلستان رچرڈ، لوسگنان خاندان کے تینوں نامور فرزند (گائی، جافرے اور کانسٹیبل امالریک)، ارل آف ایسٹر، ہنری اوف شمپین، کونرڈ اور کئی ٹمپلرز سردار موجود تھے۔

---

1. النوادر السلطانیۃ:259
2. کتاب الروضتین:4/265
3. صلیبی جنگیں:214
4. کتاب الروضتین:4/269
5. صلیبی جنگیں:215

کونرڈ القدس کی بادشاہت کے لیے سب سے زیادہ بے تاب تھا۔اس کے مقابلے میں دوسرا امیدوار سابق حکمرانِ القدس ''گائی'' تھا۔گائی اور کونرڈ دونوں یروشلم کے شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے مگر گائی کو ماضی میں یہ منصب اس لیے مل گیا تھا کہ وہ شاہی خاندان کی ملکہ سبل کا شوہر تھا تاہم گزشتہ سال سبل کی موت کے بعد گائی اس اعزاز سے محروم ہو گیا تھا۔وہ اور کونرڈ یکساں مقام پر آگئے تھے۔

یورپی مؤرخین بتاتے ہیں کہ عیار کونرڈ نے اس موقع پر اپنا قد کاٹھ بڑھانے اور شاہی خاندان سے ناتا جوڑنے کے لیے ایک عجیب چال چلی۔ہوا یہ کہ سبل کی موت کے بعد صلیبی عمائد نے اتفاقِ رائے سے ''ملکہ'' کا منصب اس کی چھوٹی بہن ازابیل کو دے دیا تھا۔کونرڈ نے ازابیل پر ڈورے ڈالے اور اس سے شادی کرنے کی کوشش کی۔یہ کام تقریباً ناممکن تھا کیوں کہ 19 سالہ ازابیل پہلے سے شادی شدہ تھی۔کئی سال پہلے کرک کے قلعے پر سلطان صلاح الدین کے حملے کے دوران اس کی شادی بڑی ہنگامی حالت میں ہمفری آف ٹورون سے ہوئی تھی۔ازابیل کو اپنے شوہر پر اعتماد تھا۔وہ اس سے علیحدگی کے لیے تیار نہیں تھی مگر چالاک کونرڈ نے کلیسا کے اربابِ حل وعقد کو حامی بنا کر ان سے اس شادی کو کالعدم کروانے کا فیصلہ لے لیا۔پادریوں نے کہہ دیا کہ یہ شادی ازابیل کے نابالغ ہونے کی حالت میں ہوئی تھی لہٰذا اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔اب کونرڈ کے لیے کام آسان تھا،اس نے ''ازابیل'' کو بہلا پھسلا کر اس سے نکاح کر لیا اور پھر ''ملکہ'' کے قانونی شوہر ہونے کی حیثیت سے تختِ یروشلم کے استحقاق کا دعویٰ کر دیا۔یہی نہیں بلکہ اس نے شاہِ فرانس کو بھی شیشے میں اتار کر اس قضیے میں اسے اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا تھا۔

اُدھر رچرڈ اور ٹمپلرز سردار،سابق شاہ ''گائی'' کے سوا کسی کو شاہِ یروشلم ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔نیز رچرڈ اپنے لیے القدس کے سپہ سالارِ اعلیٰ کا منصب طلب کر رہا تھا۔مجلس مشاورت میں فریقین کے درمیان خوب بحث اور تو تکار ہوئی،تاہم لڑ جھگڑ کر وہ اس پر متفق ہو گئے کہ گائی تاحیات شاہِ یروشلم رہے گا۔اس کے مرنے کے بعد کونرڈ یا اس کا بیٹا تخت نشین ہوگا۔اگر کونرڈ گائی سے پہلے مر گیا تو گائی کی موت پر رچرڈ کو اس منصب کا معاملہ طے کرنے کا پورا اختیار ہوگا بشرطیکہ وہ شام میں مقیم ہو۔

اس مجلس مشاورت کے فیصلوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ اب شام کی مسیحی ریاستوں کے سیاسی امور مقامی نصرانیوں کی بجائے یورپی تاجداروں کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں۔[5]

فلپ اور کونرڈ کی واپسی: اس دوران شاہِ فرانس فلپ آگسٹس نے اچانک فرانس واپس جانے کا

[5] کمامجمہ:216،217

فیصلہ کرلیا۔ واپسی کی وجوہ سیاسی تھیں مگر اس نے بیماری کا بہانہ بنایا تاکہ افواج پر منفی اثر نہ پڑے۔ اس نے اکثر سپاہیوں کو ڈیوک آف برگنڈی کی کمان میں وہیں چھوڑ دیا اور خود تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ یورپ کا رخ کیا۔ اس کی پہلی منزل صور تھی۔ اس کے ساتھ کونرڈ مارکوئیس بھی تھا جو معرکوں میں مزید الجھنا بے سود تصور کر کے صور واپس جا رہا تھا۔ صلیبی جنگ سے کونرڈ کو جن ذاتی فوائد کی توقع تھی وہ خواب بن گئے تھے لہٰذا گائی کی حکمرانی کے لیے وہ میدانِ جنگ میں کیوں جان دیتا۔

فلپ آگسٹس یورپی حکمرانوں میں سب سے بڑا تھا اور گزشتہ چھ ماہ سے صلیبی جنگ کا مرکزی قائد شمار ہوتا تھا۔ کونرڈ مارکوئیس وہ شر پسند تھا جس نے شام کے ساحلوں سے یورپ کے ایوانوں تک صلیبی جنگ کا الاؤ بھڑکانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ اب یکدم ان دونوں کے چلے جانے سے صلیبیوں کو ایک شدید دھچکا لگا تھا...... تاہم رچرڈ جیسا معرکہ آزما اب بھی موجود تھا...... صلیبی جنگ کی کمان اب خودبخود اس کے ہاتھ میں آگئی تھی، اس ہوشیار حکمران نے سب سے پہلے عکا کی فصیل کی مرمت کرا کے اپنا دفاع مضبوط کرلیا۔ [1]

سلطان نے معاہدۂ عکا قبول کرلیا ✵ سلطان اور رچرڈ کے درمیان عکا کے قیدیوں کی رہائی کی بات چیت شروع ہونے کو تھی مگر وہ معاہدۂ صلح جس کے تحت امرائے عکا نے شہر دشمن کے حوالے کیا تھا، اب بھی سلطان کے لیے سخت گراں تھا۔ صلیب الصلبوت دشمن کو واپس کرنے کا مطلب تھا کہ دشمن صلیبی جنگ کے دو اہم ترین اہداف میں سے ایک حاصل کرلیتا۔ القدس کو یروشلم بنانے کے بعد ان کا دوسرا اہم ہدف صلیب کی بازیابی ہی تھا۔ اس کا حصول ان کے لیے نصف فتح کے برابر تھا۔ سلطان اسے دشمنوں کو کیسے لوٹا دیتے۔ عیسائی قیدیوں کی واپسی اتنی کڑی شرط نہ تھی مگر دو لاکھ دینار کی ادائیگی ناقابلِ برداشت بوجھ تھا۔ خزانے میں اتنی رقم موجود نہ تھی، اتنی مالیت کے انتظام کے لیے ایک مدت درکار تھی کیونکہ پیداوار کے محاصل رفتہ رفتہ خزانے میں جمع ہوتے تھے، بہرکیف یہ تین ہزار مسلمانوں اور دو معزز ترین امراء کی جانوں کا مسئلہ تھا لہٰذا سلطان نے طبیعت پر جبر کر کے ان سخت شرائط کو پورا کرنے کی حامی بھر لی۔ اس کے بعد فرنگیوں سے بات چیت شروع ہوگئی فرنگیوں کے نمائندے سلطان کے معسکر میں آنے جانے لگے۔ [2]

لشکرِ اسلام کی عقب نشینی اور مذاکرات کا دور ✵ 19 جمادی الثانیہ 587ھ (13 جولائی 1191ء) کی صبح سلطان ایوبی میدان جنگ سے پیچھے ہٹ کر شفرعم کی محفوظ خیمہ گاہ میں آگئے...... اب فرنگیوں کی چھاؤنی کے سامنے صرف لشکرِ اسلام کے ہراول دستے تعینات تھے...... اس لیے کہ صلح کی بات چیت شروع ہو چکی تھی اور کسی فوری معرکے کا خدشہ جاتا رہا تھا...... اسی دن رچرڈ نے عکا کے یرغمال ناظم

[1] الروضتین: حوادث 587ھ مرض ملک انگلستان ... : 217، صلاح الدین۔ لین پول: 218

[2] النوادر السلطانیۃ: 259

بہاء الدین قراقوش کے حاجب آقوش کو تین فرنگیوں کے ہمراہ سلطان کے پاس روانہ کیا تا کہ وہ یرغمالیوں کی رہائی کے لیے معاہدے کے مطابق مال اور فرنگی قیدی لے کر آئے۔

سلطان نے انہیں اگلے روز (21 جمادی الثانیہ، 15 جولائی کو) فرنگی قیدیوں کی رہائی کے معاملات انجام دینے کے لیے دمشق بھیج دیا اور خود ایک قاصد رچرڈ کے پاس روانہ کیا تا کہ معلوم ہو سکے کہ صلح میں طے کردہ شرائط پوری کرنے کے لیے کتنی مہلت طے ہوئی تھی یا مزید کتنے وقت کی گنجائش مل سکتی ہے۔ ان مراحل میں کئی دن گزر گئے، جمادی الثانیہ اختتام پذیر ہونے لگا، تب تک دمشق جانے والا وفد چار نامزد فرنگی قیدیوں کو لے کر واپس آ گیا۔ [1]

ایک خون ریز جھڑپ ٭ فرنگی سور ما فتح کی خوشیاں مناتے ہوئے تلواریں نیاموں میں اڑس چکے تھے مگر یہ دیکھ کر کہ سلطان کا لشکر پیچھے ہٹ چکا ہے، انہیں جوش آ گیا اور 29 جمادی الثانیہ (23 جولائی) کو وہ یکدم عکا کے شمال کی طرف ساحل پر جمع ہو گئے، یہاں سے ان کے گھڑ سواروں اور پیادوں نے سلطان کے ہراول دستوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ سلطان نے یہ خبر ملتے ہی کمک روانہ کر دی اور بقیہ فوج کو بھی تیار ہونے کا حکم دیا، کچھ دیر بعد وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر محاذ کی طرف لپکے۔ تب تک وادی کے شمال میں صلیبیوں اور اسلامی ہراول میں زوردار جنگ چھڑ چکی تھی۔ سلطان کی جانب سے بھیجی جانے والی فوری کمک نے ہراول کو مضبوط کر دیا، اس لیے فرنگی اپنے عزائم میں ناکام رہے اور آخر کار 50 لاشیں چھوڑ کر اپنی خندقوں کی طرف پسپا ہو گئے۔ [2]

قسطوں میں شرائط کی تکمیل کی تجویز ٭ رجب (اگست) کے پہلے عشرے میں مذاکرات کا عمل تیز ہو گیا۔ مسیحی جلد از جلد صلیب الصلبوت کی واپسی اور دمشق میں قید اپنے سپاہیوں کی بازیابی کے خواہاں تھے۔ سلطان پر عائد دو لاکھ دینار کی بھاری رقم بھی وہ مختصر مدت میں حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ بدلے میں انہیں عکا کے تین ہزار مسلمانوں کو رہا کرنا تھا مگر وہ اس میں تاخیر کر رہے تھے۔ رچرڈ کا موقف یہ تھا کہ جب تک سلطان کی طرف سے صلیب، فرنگی قیدی اور دو لاکھ دینار ادا نہیں کیے جاتے، یہ مسلمان قیدی یرغمال رہیں گے۔

چونکہ سلطان ایوبی کو دو لاکھ دینار کے انتظام کے لیے وقت درکار تھا، لہٰذا سلطان کے نمائندوں نے تجویز پیش کی کہ تمام شرائط کی تعمیل تین ماہ میں کی جائے گی یعنی ہر ماہ مطلوبہ رقم کا تہائی حصہ اور آزادی کے لیے طے کردہ قیدیوں کی تہائی تعداد فرنگیوں کے حوالے کر دی جائے گی۔ [3]

[1] النوادر السلطانیہ: 259 [2] النوادر السلطانیہ: 260 [3] النوادر السلطانیہ: 260، 261

صلیب الصلبوت، صلیبیوں کے سامنے ❊ فرنگیوں کے لیے سب سے اہم شے ''صلیب الصلبوت'' تھی۔ ان کو شک تھا کہ مسلمانوں نے اسے باقی بھی رکھا ہوگا یا نہیں۔ اگر وہ باقی ہے تو دمشق میں ہے یا بغداد میں۔ انہوں نے 9 رجب (یکم اگست) کو سلطان کے یرغمال امیر حسام الدین ابن باریک کو دو فرنگیوں کے ہمراہ یہ مطالبہ کہلا کر بھیجا کہ کم از کم انہیں صلیب کی ایک جھلک دکھا دی جائے۔ سلطان کے اہلکار اس سے پہلے ہی دمشق جا کر صلیب الصلبوت لے آئے تھے، چنانچہ سلطان کے نمائندوں نے نصرانیوں کے ایک بڑے نمائندہ مجمعے کو دُور سے صلیب الصلبوت کا نظارہ کرا دیا۔ عیسائی اس پر نظر پڑتے ہی زار و قطار روتے ہوئے سربسجود ہو گئے اور اپنے چہرے خاک آلود کر کے صلیب سے اپنے والہانہ تعلق کا اظہار کرنے لگے۔ انہیں یقین آ گیا کہ صلیب انہیں واپس ملنے کو ہے۔ انہوں نے سلطان کو مسرت بھرے لہجے میں بتایا کہ ان کی قیادت اس بات پر متفق ہو گئی ہے کہ سلطان رقم کی ادائیگی اور قیدیوں کی رہائی کا عمل تین ماہانہ قسطوں میں پورا کر دیں۔

اب سلطان نے پہلی قسط کی ادائیگی کے لیے کوشش شروع کر دی، عمالِ حکومت نے خاصی دوڑ دھوپ کے بعد وقتِ مقررہ سے پہلے ایک لاکھ دینار سلطان کے پاس پہنچا دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرنگی قیدیوں کی فہرست بنائی جانے لگی۔ سلطان کے کارندے نے دمشق کے جیل خانے کا دورہ کر کے اس سلسلے میں تیاریاں تقریباً مکمل کر لی تھیں۔ معاہدے کے مطابق 100 مشہور و معروف نامزد فرنگیوں اور 1500 غیر متعین عام افراد کی رہائی طے تھی۔ رچرڈ کے نمائندوں نے سو نامزد افراد میں سے اکثر کے نام تحریر کر کے دے دیے تھے جبکہ چند افراد کی تعیین پر غور و فکر جاری تھا۔ [1]

مذاکرات کا انجام ❊ دس رجب 587ھ (2 اگست 1191ء) کو سلطان ایوبی شفرعم کے قریب ایک ٹیلے پر منتقل ہو گئے...... یہاں سلطان اور رچرڈ کے نمائندوں کے درمیان فیصلہ کن گفت و شنید شروع ہوئی۔ لگتا تھا جیسے ایک دو دن میں تمام معاملات خوش اسلوبی سے حل ہو جائیں گے۔ پہلی قسط میں سلطان کی جانب سے فرنگیوں کو صلیب الصلبوت، چھ سو عیسائی قیدی اور ایک لاکھ دینار حوالے کرنا طے ہوا۔ ادائیگی کے لیے آٹھ دن بعد (18 رجب، 10 اگست) کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ سلطان صلیب الصلبوت دکھا کر فرنگیوں کو اطمینان دلا چکے تھے، 1500 غیر متعین قیدیوں میں سے 600 افراد یہاں بلا لیے گئے تھے۔ عمالِ حکومت نے ایک لاکھ دینار جمع کر لیے تھے۔ اب صرف 100 نامزد قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ رہ گیا تھا جو فرنگی نمائندوں کے ذمے تھا۔

[1] النوادر السلطانیہ: 261، الکامل فی التاریخ: 10/206

پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔ سلطان کی جانب سے معاملات صاف وشفاف تھے، مگر رچرڈ کے نمائندے اب لیت ولعل سے کام لے رہے تھے، لگتا تھا وہ وقت گزارنا چاہتے ہیں، انہوں نے نامزد قیدیوں کی فہرست مکمل کر کے نہیں دی۔ سلطان کی فرنگیوں کی بدنیتی کا پہلے سے اندازہ تھا، اب ان کے شکوک پختہ ہونے لگے۔ انہوں نے اپنے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے رائے دی کہ قسط کی ادائیگی سے پہلے ٹیمپلرز کے سرداروں کو اس بات کا ضامن بنایا جائے کہ ان کی قوم معاہدے کے مطابق اہل عکا کو رہا کر دے گی۔ اس کے علاوہ خود فرنگی نمائندوں سے بھی اس بات پر دوبارہ قسمیں لے لی جائیں۔

سلطان نے اس رائے کو پسند کرتے ہوئے ٹیمپلرز سے رابطہ کیا۔ یہ لوگ سخت سفاک ہونے کے باوجود بہرحال اپنے دین کے کڑے پابند تھے اور بدعہدی پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے سلطان کی پیشکش کے جواب میں فرنگیوں کے کسی قول وقرار کی ضمانت دینے سے معذرت کر لی اور کہا:

''ہم اپنے لوگوں سے عہد شکنی کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔''

کاتب عماد کے مطابق ٹیمپلرز نے کہا تھا:

''ہم ضامن نہیں بن سکتے، آپ انہی سے زبانی قول وقرار لے لیں۔''[5]

آخر 18 رجب (10 اگست) کو قسطِ اوّل کی ادائیگی کا دن آ گیا۔ رچرڈ کے سفیروں نے آ کر مطالبہ کیا کہ حسب وعدہ صلیب، 600 قیدی اور ایک لاکھ دینار انہیں دے دیے جائیں۔ سلطان کے نمائندوں نے انہیں اطمینان دلایا کہ وعدے کے مطابق ہم پہلی قسط میں صلیب الصلبوت، ایک لاکھ دینار اور 600 قیدی تمہیں دے رہے ہیں۔ تم بھی عکا کے تمام یرغمالیوں کو بحفاظت ہمارے حوالے کر دو۔ مگر رچرڈ کے سفیروں کے تیور بدلے ہوئے تھے، وہ برابری کی بنیاد پر معاملہ طے کرنے کی بجائے دھونس اور دھاندلی پر اتر آئے تھے۔ یرغمالیوں کو سلطان کے حوالے کیے بغیر صلیب، قیدی اور رقم لینا چاہتے تھے۔

کبھی وہ اپنے حکمرانوں کا موقف یوں پیش کرتے: صلیب، رقم اور اپنے قیدی حاصل کرنے کے بعد ہم اہل عکا کے بارے میں من چاہا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ کبھی وہ انداز بدل کر یوں گویا ہوتے: ممکن ہے آپ اپنے قیدیوں کی رہائی کے بعد بقیہ اقساط ادا کرنے سے انکار کر دیں، لہٰذا پہلے تمام قسطیں ادا کی جائیں۔

سلطان کے سفیر یہی اعتراض ان پر کرتے کہ تینوں قسطوں کی ادائیگی کے بعد بھی اس کی بھلا کیا ضمانت ہے کہ تم اہل عکا کو رہا کر دو گے، ممکن ہے اپنا حق حاصل کر کے تم انہیں قتل کر دو!! تب فرنگی سفیر اصرار کرتے: ہم پر مکمل اعتماد کیا جائے، ہم تینوں قسطوں کی ادائیگی کے بعد یرغمالیوں کو رہا کر دیں گے۔

[5] الروضتین: 269/4

مگر مسلمان جو صلیبیوں سے بار ہا عہد شکنی کے زخم کھا چکے تھے، اس ہوائی وعدے اور کھوکھلی یقین دہانی پر کیسے اطمینان کر لیتے۔ معاملات کو بگڑتا دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک صاف اور اصولی موقف اپنایا اور فرنگیوں کے سامنے دو صورتیں پیش کیں کہ وہ جسے چاہیں اختیار کر لیں:

1- فرنگیوں کی جانب سے تمام یرغمالیوں کی رہائی اور مسلمانوں کی طرف سے قسط اوّل کی ادائیگی عمل میں لائی جائے۔ مسلمان بقیہ دو قسطوں کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر فرنگیوں کے پاس کچھ افراد یرغمال رکھوا دیں اور ٹیمپلرز سرداران یرغمالیوں کے تحفظ کی ضمانت دیں۔

2- اگر فرنگی ہمارے افراد کو فوراً رہا کرنے پر آمادہ نہیں تو بطورِ ضمانت اپنے کچھ افراد ہمارے پاس یرغمال رکھوا دیں اور ہمارے افراد کی رہائی کا وعدہ پورا کرنے کی قسمیں کھائیں۔ ہماری جانب سے جب تینوں قسطیں ادا کر دی جائیں تو وہ اہلِ عکا کو رہا کر دیں اور ہم ان کے یرغمال انہیں واپس کر دیں۔

رچرڈ کے نمائندوں نے اس موزوں ترین تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور کہا:

''ہم ایسا نہیں کریں گے، ہم قسمیں نہیں کھائیں گے۔ بس آپ ہماری دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے ہمیں اس قسط کے مطابق ہماری صلیب، ایک لاکھ دینار اور قیدی دے دیں۔ ہم اہل عکا میں سے اپنی مرضی کے مطابق کچھ لوگوں کو ابھی رہا کر دیں گے، باقی افراد بقیہ دو اقساط کی وصولی کے بعد رہا کیے جائیں گے۔''

سلطان ایوبی نے اس کھوکھلے وعدے پر اعتماد سے انکار کر دیا اور یوں مذاکرات کسی نتیجے پہنچے بغیر ختم ہو گئے۔ سلطان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فرنگی مذاکرات کے نام پر مسلمانوں سے دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔[1]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فرنگیوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اہل عکا کے کچھ غلاموں، مسکینوں اور کردیوں کو جن کو گرفتار کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا، رہا کر دیں گے اور امراء اور رؤساء کو قید میں رکھ کر ان کے بدلے مزید زرِ فدیہ حاصل کریں گے، چنانچہ سلطان نے ان کی بات مسترد کر دی۔''[2]

قاضی ابن شداد تحریر کرتے ہیں: ''سلطان نے فرنگیوں کی بات ماننے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ جانتے تھے، اگر رقم، صلیب اور قیدی ان کے حوالے کر دیے گئے اور ہماری افراد ان کے پاس ہی رہے تو ان سے عہد شکنی کا خطرہ ہے اور ایسی صورت حال میں اسلام کو ایسا دھچکا لگتا کہ اس سے سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔''[3]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 261 [2] الکامل فی التاریخ: 10/207 [3] صلیبی جنگیں: 221

اہل عکا کا قتل عام ۔رچرڈ نے اپنے غیر منطقی طرز عمل سے مذاکرات کو سبوتاژ کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ کھرے اور صاف لین دین کا قائل نہیں اور اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے مگر اپنی بد معاملگی پر غور کرنے کی بجائے رچرڈ نے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھوپ دی۔اس نے صلیبی امراء کی مجلس شوریٰ طلب کر کے عکا کے قیدیوں کے مستقبل کے بارے میں من مانا فیصلہ کرنے کے لیے رائے مانگی۔جوش و خروش کے عالم میں یہ طے کیا گیا کہ چند بڑے امراء کو چھوڑ کر عکا کے تمام عوام و خواص کو قتل کر دیا جائے اور کشت و خون کا یہ ہولناک کھیل وادیٔ عکا میں مسلمانوں کے سامنے کھیلا جائے۔

انہوں نے اہل عکا سے جان کی امان کے وعدے کو بڑی بے حسی اور ڈھٹائی کے ساتھ فراموش کر دیا۔منگل 27 رجب (19 اگست) کو صلیبی جوق در جوق عکا کی فصیل سے باہر نکلے۔وہ عکا کے 26 سو مسلمانوں کو قربانی کے جانوروں کی طرح ہانک رہے تھے۔ان میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی۔ بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔عام سپاہی بھی تھے اور امراء بھی۔پیادوں اور گھڑ سواروں کے ایک جم غفیر نے انہیں نرغے میں لیا ہوا تھا۔

صلیبی سہ پہر کے وقت عیاضیہ کے ٹیلوں تک پہنچ گئے جہاں کچھ دنوں پہلے سلطان ایوبی کا معسکر تھا۔ وہ ان کنوؤں کے قریب ٹھہر گئے جو سلطان کے سپاہیوں نے یہاں پڑاؤ کے دنوں میں کھودے تھے۔ یہاں انہوں نے خیمے گاڑے اور پھر تل عیاضیہ اور تل کیسان کی درمیانی وادی میں آ گئے۔درندہ صفت صلیبیوں کے لیے یہ جشنِ مسرت کا دن تھا،ان کے مکروہ چہروں کو انتقام کے جوش نے مزید خوفناک بنا دیا تھا۔دو سالہ صلیبی جنگ میں ایک بار بھی وہ اس طرح جی بھر کے مسلمانوں کو قتل نہیں کر سکے تھے۔ ''معرکۃ الکبریٰ'' کے سوا کسی بڑے سے بڑے معرکے میں بھی مقتول مسلمانوں کی تعداد چند سو سے متجاوز نہیں ہوئی تھی جبکہ صلیبی کئی معرکوں میں ہزاروں لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے تھے۔آج وہ اپنے مقتولین کا بدلہ نہایت کمینگی اور بزدلی کے ساتھ ایسے نہتے افراد سے لے رہے تھے جن سے جاں بخشی کا معاہدہ ہو چکا تھا۔سلطان ایوبی نے دشمنوں کو ہمیشہ میدان میں قتل کیا تھا مگر صلیبی معاہدہ شکنی کر کے مظلوم اور بے بس قیدیوں کو جانوروں کی طرح ذبح کرنے نکلے تھے۔

عیاضہ کے ٹیلوں کے پاس صلیب نما کھمبے گاڑ دیے گئے،ہزاروں فرنگیوں نے ایک وسیع حلقہ بنا کر اس مقام کو گھیرے میں لے لیا جیسے وہ کوئی تماشا دیکھنے جمع ہوئے ہوں۔پھر بے رحم صلیبی نیزے اور تلواریں لے کر یک بارگی ان قیدیوں پر ٹوٹ پڑے۔بوڑھے،بچے،مرد،خواتین،بیمار،اپاہج سب قتل کر دیے گئے،کسی کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔تھوڑی دیر میں یہ مقام خون کے چشمے میں تبدیل ہو گیا۔

تماشائی بننے والے نصرانیوں نے یہ نظارہ بڑی مسرت سے دیکھا۔ مسلمانوں کے ''اجتماعی قتل عام'' کا خونیں منظر ان کے بھپانہ جذبات کے لیے بڑا تسکین بخش تھا۔ اس قتل عام میں عکا کے چند گنے چنے افراد شامل نہیں کیے گئے تھے جو غیر معمولی طور پر اونچے منصب کے حامل تھے اور ان کے بدلے نصرانیوں کو بھاری رقم ملنے کی امید تھی۔ کچھ معماروں، کاری گروں اور جسمانی محنت مزدوری کے لیے مناسب افراد کو بھی قتل نہیں کیا گیا تھا۔

عجیب بات ہے کہ ان ٹیلوں سے صرف دو تین میل دور سلطان کے ہراول دستے میدان میں موجود تھے مگر انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ عیاضیہ اور تل کیسان کے درمیان وادی میں کیسا بھیانک کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ انہوں نے دشمنوں کے انبوہ کو عکا سے نکل کر ٹیلوں تک آتے ضرور دیکھا تھا اور وہ اپنی جگہ مستعد بھی تھے کہ دشمن کے اچانک حملے کا بھرپور جواب دے سکیں مگر وہ قطعاً نہیں جانتے تھے کہ اس ہجوم کے درمیان عکا کے وہ قیدی سولی پر لٹکے ہوئے ہیں جن کی رہائی کے لیے مسلمان کب سے تڑپ رہے ہیں۔ [1]

اسلامی ہراوّل اور فرنگیوں میں معرکہ: سلطان کے ہراول کو خاصی دیر بعد محسوس ہوا کہ فرنگیوں کا یہاں جمع ہونا کسی بڑی شرارت کا پیش خیمہ ہے۔ انہوں نے سلطان کو اطلاع دے کر معسکر سے مزید فوج منگوائی اور نشیب میں اتر کر فرنگیوں پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر تک فریقین میں کانٹے کا مقابلہ ہوتا رہا، درجنوں لاشیں گریں اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ فرنگی اس دن غیر معمولی طور پر جری نظر آ رہے تھے۔ مسلمان پے در پے حملوں کے باوجود انہیں پسپا نہ کر سکے، تاہم جب رات کی تاریکی نے وادی کو اپنی آغوش میں لیا تو دونوں فوجیں تھکن سے بے حال ہو کر اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف چلی گئیں۔

مسلمانوں کو جنگ کی دوران بھی وادی میں بیتنے والے سانحے کی بھنک نہ پڑ سکی، رات بھی اسی بے خبری میں گزری۔ مشعل بردار گشتی سپاہی وادی میں چکر لگاتے رہے مگر وہ مقتولینِ عکا کو شناخت نہ کر سکے۔ وہ انہیں معرکے میں گرنے والی لاشیں تصور کرتے رہے۔

اگلے دن طلوع آفتاب کے بعد جب مسلمان میدانِ جنگ کا جائزہ لینے اور اپنے مقتولین کو تلاش کرنے نکلے تو انہیں وادی کے ایک گوشے میں ایسے مسلمانوں کی برہنہ لاشیں نظر آئیں جو کل کی جنگ میں شریک نہ تھے، تب بعض سپاہیوں نے ان میں سے چند افراد کو پہچان لیا کہ یہ تو عکا کے قیدی ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سینکڑوں مسلمان دوڑے آئے، جلد ہی لوگوں نے اپنے اپنے واقفین کو تلاش کر لیا۔ یہ

[1] النوادر السلطانیۃ: 262_263، مبلغی حمص: 222

حقیقت کھل گئی کہ عکا کے جانباز اسی میدان میں شہید ہو چکے ہیں۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

''اس سانحے سے مسلمانوں پر شدید غم اور انتہائی صدمے کی کیفیت طاری ہوگئی۔''[1]

کاتب عماد اصفہانی شہدائے عکا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم نے میدان میں جن شہداء کی برہنہ لاشیں دیکھیں یقیناً انہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کی ریشمی پوشاکیں پہنادی ہیں اور انہیں ہمیشہ کی عزت کے مستقل مقام پر منتقل کر دیا ہے۔''[2]

قاضی بہاء الدین ابن شداد رچرڈ کے اس ظالمانہ اقدام پر تنقید کرتے ہوئے یہ انکشاف بھی کرتے ہیں کہ رچرڈ کا شروع سے یہ ارادہ تھا کہ صلیبی قیدیوں کی واپسی اور رقم کی وصولی کے بعد اہل عکا کو قتل کر دیا جائے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''بعد میں یہ راز خود بعض نصرانیوں نے کھولا تھا۔''[3]

جاسوسی نظام کی کمزوری ﷺ یہاں ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سلطان کا محکمۂ جاسوسی ان دنوں صحیح معنوں میں فعال نہیں تھا، کم از کم عکا میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اگر دشمن کی صفوں میں سلطان کا ایک جاسوس بھی متحرک ہوتا تو عکا کے مسلمان سلطان کی افواج کے اتنے قریب، یوں بے دردی سے شہید نہ کیے جاتے۔ اپنے آخری لمحات میں عکا کے قیدیوں نے بڑی حسرت کے ساتھ بار بار معسکرِ سلطانی اور ہراول دستوں کے خیموں کی طرف دیکھا ہوگا اور انہیں بے تابانہ انداز میں پکارا بھی ہوگا مگر ان کی ہر پکار صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اگر سلطان کے ہراول دستوں کو چند منٹ پہلے بھی اس کھیل کی اطلاع مل جاتی یا ان کی چھٹی حس ذرا پہلے بیدار ہو کر انہیں کسی انجانے خطرے کا احساس دلا دیتی تو کوئی بعید نہ تھا کہ عکا کے اکثر افراد کو بچا لیا جاتا۔ فرنگی جو انہیں کھمبوں پر لٹکا چکے تھے، پسپا ہوتے وقت انہیں کھولنے اور ساتھ لے جانے کے جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے اپنی جانوں کے تحفظ کی زیادہ فکر کرتے۔

بہرکیف ہونی ہو کر رہتی ہے۔ تقدیر کا فیصلہ پورا ہو کر رہا۔ ہراول دستوں کے سامنے فرنگیوں کے نرغے میں مسلمان قیدی شہید کر دیے گئے۔ اور یوں وادیٔ عکا پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں شہداء کے لہو سے رنگین ہوئی۔

رچرڈ کا دامن داغدار رہے گا ﷺ صلیب کی بازیابی اور فرنگی قیدیوں کی رہائی یقیناً رچرڈ کے لیے اہم اہداف تھے مگر درحقیقت وہ اس کے ساتھ ساتھ عکا کے مسلمانوں کا خون بہانے کے لیے بھی بے تاب تھا۔ اگرچہ اہل عکا سے معاہدہ اخلاقی طور پر اس کے ارادے میں مزاحم تھا مگر اسے اخلاقیات کی زیادہ پروا نہ تھی۔ ہاں اس کی کوشش تھی کہ اس معاہدے سے اسے صلیب اور عیسائی قیدی بھی واپس مل جائیں

[1] النوادر السلطانیہ:263 [2] الروضتین:4/270 [3] النوادر السلطانیہ:262

اور مسلمان قیدیوں کو قتل کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ عکا کے قیدیوں کو قتل کرنے کے گھناؤنے منصوبے پر وہ پہلے اسی لیے عمل نہ کر سکا کہ اسے صلیب اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا انتظار تھا مگر جب اسے یقین ہو گیا کہ اہل عکا کو رہا کیے بغیر نہ تو صلیب مل سکتی ہے نہ ہی عیسائی قیدی...... تو برہم ہو کر اس نے اہل عکا کو فوراً قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ ایسا کرنے سے اس کے دامن پر کتنا بڑا دھبہ لگے گا...... شاید وہ سنجیدگی سے ایسا سوچ ہی نہیں سکتا تھا کیوں کہ صدیوں سے اہلِ یورپ دوسری قوموں سے عہد شکنی، فریب کاری اور دھوکا دہی کا حق اپنے لیے محفوظ تصور کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کے ہاں وہ حکمران بڑا ہوشیار شمار ہوتا ہے جو حریف سے معاہدوں کو توڑ کر ان کا تمسخر اڑاتا پھرے۔ اس لیے رچرڈ کو کم از کم اپنے ضمیر کی عدالت میں جوابدہی یا اپنی قوم میں بدنامی کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

موجودہ ''مہذب دور'' میں بھی بیشتر مغربی مؤرخین اور رچرڈ کے سوانح نگار اہل عکا سے رچرڈ کی عہد شکنی کو قابلِ ملامت نہیں سمجھتے بلکہ ہیرلڈ لیمب نے تو ''صلیبی جنگوں'' میں رچرڈ کے اس سنگدلانہ اقدام کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ معاہدے کی قرارداد کی رُو سے رچرڈ اپنی صوابدید پر ہر قسم کی کارروائی کا مجاز تھا۔ [1]

ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان اس صلیبی تعصب کی انتہا ہے جو مستشرقین کی تحریروں میں جابجا نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رچرڈ یا کوئی اور صلیبی حکمران اہل عکا سے اس قسم کا سلوک کرنے کا قطعاً استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ اہل عکا سے معاہدے کی قرارداد میں اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ اس میں طے کر لیا گیا تھا کہ اہل عکا کو بہر حال قتل نہیں کیا جائے گا چاہے سلطان شرائطِ معاہدہ پر عمل کرنے سے انکار کر دے۔ ایسی صورت میں انہیں غلام بنا لیا جائے گا مگر قتل نہیں کیا جائے گا۔ سیف الدین مشطوب نے اہلِ عکا کی جانوں کے تحفظ ہی کے لیے صلیبیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا۔ اگر معاہدے سے ان کی جانوں کا تحفظ یقینی نہ ہوتا تو مشطوب اور اس کے ساتھی لڑ کر شہید ہو جانے کو ترجیح دیتے۔

رچرڈ نے اس سنگدلانہ حرکت کے ذریعے نہ صرف اپنے دامن کو داغدار کیا بلکہ یورپ کی اس تاریخ کو بھی مزید سیاہ کر دیا جس کے ہر باب پر مکر و فریب اور عہد شکنیوں کے چھینٹے جابجا نظر آتے ہیں۔

صلیب اور فرنگی قیدی دمشق روانہ ﷺ مسلمان قیدیوں کا قتل سلطان صلاح الدین کے لیے سقوطِ عکا کے بعد دوسرا بڑا صدمہ تھا جس نے ان کے وجود کو سراپا درد بنا دیا۔ انہوں نے فوری طور پر صلیب الصلبوت اور فرنگی قیدیوں کو دمشق واپس بھجوا دیا کیوں کہ اب مذاکرات کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ [2]

تاہم سلطان کی عظمت اور اخلاقی بلندی کا یہ عالم تھا کہ اس تلخ تجربے کے باوجود انہوں نے عکا کے

[1] صلیبی جنگیں: 222 [2] الکامل: 207/10

مقتولین کا بدلہ دمشق کے عیسائی قیدیوں سے نہیں لیا حالاں کہ جس کرب واندوہ سے وہ گزر رہے تھے اس میں ایسا کوئی اقدام بعید نہ تھا۔ البتہ انہوں نے رچرڈ کو میدانِ جنگ میں قوت کی زبان سے جواب دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا تھا۔ آفرین ہے کہ سلطان نے دشمنی اور انتقام میں بھی اسلام کی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کا پورا پورا پاس رکھا، یہی وجہ ہے تھی کہ کہ صلیبی جنگ کا مؤرخ لین پول یہ کہنے پر مجبور ہوا:

''اس جنگ میں تہذیب، فراخ دلی، تحمل، حقیقی دلیری اور شریفانہ وضع داری کی تمام خوبیاں مسلمانوں کی جانب تھیں۔''[1]

ہیرلڈ لیمب کو بھی اپنے تعصب کے باوجود یہ لکھنا پڑا:

''سلطان صلاح الدین پر صد آفریں کہ اس عالی ہمت انسان نے صرف علانیہ جنگ میں دشمن سے بدلہ لیا۔''[2]

سلطان کا ایک دل سوز مراسلہ ❊ عکا کے سقوط اور وہاں کے قیدیوں کی مظلومانہ شہادت پر سلطان نے دیگر شہروں کے حکام کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے جو مراسلے بھیجے ان میں سے ایک مکتوب کی چند سطریں پڑھیں اور سلطان کے جذبات کا اندازہ لگائیں:

''جنگ کا پانسا تو پلٹتا ہی رہتا ہے۔ شریف لوگوں کا مرنا خاص ڈھنگ سے ہوتا ہے۔ اللہ نے ایمان والوں میں اس قسم کے کچھ خاص بندے پیدا کیے ہیں۔ اب وقت آچکا کہ غیرتیں جاگیں۔ حمیت کروٹ لے۔ ہر مسلمان پر واجب ہو چکا کہ اسلام کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ کوتاہی کی وجہ سے جو نقصان اور شکست ہو چکی، اس کا ازالہ کر کے اسلام کو مضبوط کرے۔ فتوحات کی لڑی جو ٹوٹ چکی ہے، اسے پھر سے جوڑ دے۔ کہاں گئے غیرت مند لوگ اور عزت پر کٹ مرنے والے؟ کہاں ہیں نہ جھکنے اور نہ دبنے والے؟...... کیا انہیں اپنے بھائیوں کی موت کا کوئی غم نہیں؟ کیا ان شہداء کی ایمانی جرأت دیکھ کر بھی ان کا ایمان جوش نہیں کھاتا؟ کیا اپنی قوم اور برادری کے ان قیمتی افراد کے قتل پر ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے؟ بے شک ان کا سانحہ بہت بڑا ہے۔ اور رب کریم کے ہاں ان کا مقام بھی بڑا قابلِ اکرام ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس سانحے سے سوئی ہوئی ہمتوں کو جھنجوڑ دے اور جمے ہوئے عزائم کو بیدار کردے۔''[3]

دوسالہ محاذِ عکا کا ایک تجزیہ عکا کی تقریباً دوسالہ طویل اور خونریز جنگ کا جائزہ لیں اور اس کے بعد صلیبی جنگ کے اختتام تک کے معرکوں پر غور کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ فریقین نے عکا کی جنگ کو غیر

[1] سلطان صلاح الدین، لین پول: 210 [2] صلیبی جنگیں: 222 [3] الروضتین: 270/4

معمولی مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ لڑا تھا۔ انہوں نے اسے فنا و بقا کی جنگ تصور کرتے ہوئے اپنی تمام توانائیاں اس محاذ پر لگادی تھیں۔ عکا کے محاذ کی اہمیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ فرنگی اس کی فتح کو صلیبی جنگ کی فتح تصور کرتے تھے۔ اگر سلطان صلاح الدین یہاں فرنگیوں کو شکست دے ڈالتے تو تیسری صلیبی جنگ یہیں ختم ہوجاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر چند ناگہانی آفتیں اور کچھ غلطیاں آڑے نہ آجاتیں اور عکا مزید پانچ چھ ماہ تک سربلند رہتا تو اگلا موسم سرما صلیبیوں کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوسکتا تھا اور صلیبی لشکر مزید کوفت برداشت کرنے سے عاجز ہوکر واپسی پر مجبور ہوسکتے تھے، یوں صلیبی جنگ مزید طول کھینچے بغیر ختم ہوجاتی۔ تاہم گردشِ حالات نے صلیبیوں کی مسلسل جدوجہد کو عکا پر قبضے کی صورت میں نتیجہ خیز بنادیا۔ مگر پھر بھی ان کی توقع کے برخلاف یہ فتح ان کے لیے صلیبی جنگ میں مکمل فتح کے دروازے نہ کھول سکی۔

آخر کیوں؟ یہ سوال خاصا اہم ہے اور اس کا جواب اسی قدر چشم کشا اور دلچسپ۔

دراصل پوری صلیبی جنگ بالخصوص محاذِ عکا کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اپنے دور کے سب سے بڑے عسکری ماہر سلطان صلاح الدین ایوبی نے محاذِ عکا کے تمام معرکے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ایک دائرے اور نقشے کے اندر لڑے تھے۔ اس نقشے اور دائرے میں کچھ چیزیں غیر یقینی بھی تھیں جن کا متبادل بھی سلطان کے ذہن میں تھا۔

سب سے پہلے سلطان ایوبی حریف کو عکا کے سامنے پاؤں جمانے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے مگر جب مسلمانوں کی بعض کوتاہیوں کے باعث فرنگی عکا کے محاصرے میں کامیاب ہوگئے تو سلطان کی عسکری منصوبہ بندی نے بپھرے ہوئے صلیبی سیلاب کو اسی وادی میں رکے رہنے پر مجبور کیے رکھا۔ سلطان نے خود محاصرے کے ذریعے وادی کے گرد ایک آہنی بند باندھ دیا تاکہ سیلابِ تثلیث کی لہریں دوسرے اسلامی شہروں کو نہ چھوسکیں۔ یہ بند ایسا مضبوط تھا کہ درجنوں ملکوں کی پرجوش مسیحی افواج مل کر ایک بار بھی سلطان کا محاصرہ نہ توڑ سکیں۔ وہ دو سال کی شدید جنگوں میں وادیٔ عکا سے ہٹ کر کسی چھوٹی سی بستی پر بھی قابض نہ ہوسکیں۔ ابتدائی ڈیڑھ برس کی خون ریزی نے ان کے کس بل نکال دیے تھے۔ طوفانی سردی اور قحط کے دو موسم گزار کر وہ ادھ موئے ہوگئے تھے۔ ان کی آخری امید فرانس اور برطانیہ کے حکمران تھے۔ اگر وہ نہ پہنچ پاتے تو صلیبیوں میں مزید لڑنے کی سکت نہ تھی۔ تاہم فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ افواج بھی دیگر صلیبیوں کے ساتھ مل کر عکا کو آسانی سے فتح نہ کرسکیں اور اس دم توڑتے شہر کو ایک معاہدے کے تحت حاصل کرنے کو غنیمت سمجھا۔ اس وقت تک وادیٔ عکا ایک لاکھ بیس ہزار فرنگیوں کا قبرستان بن چکی تھی۔

تاریخ کا طالب علم اس بات پر حیران ہوتا ہے کہ آخر ہر فرنگی حکمران اپنی افواج عکا ہی میں کیوں اتارتا رہا۔ ان میں سے کسی نے بیروت، قیساریہ، یافا اور عسقلان پر قبضے کی کوشش کیوں نہیں کی حالاں کہ ان کے لیے بظاہر یہ کوئی مشکل نہ تھا۔ وہ اپنی عددی اکثریت کو دو یا تین محاذوں پر کامیابی سے استعمال کر سکتے تھے، وہ عکا کا محاصرہ نصف یا تہائی فوج کے ذریعے بھی جاری رکھ سکتے تھے اور باقی افواج کو عسقلان یا قیساریہ پر حملے کے لیے کام میں لا سکتے تھے۔ دو سالہ جنگ کے اکثر اوقات میں سمندری راستوں پر بھی ان کا قبضہ رہا، ان راستوں سے اگر وہ مختلف ساحلی شہروں پر بیک وقت حملہ کرتے تو سلطان کے لیے اتنے محاذوں کو سنبھالنا دشوار تر ہوتا، اس کے باوجود فرنگی ایک ہی نقطے پر اپنی افواج کیوں جمع کرتے چلے گئے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سلطان شروع سے آخر تک صلیبی حکمرانوں کو یہ باور کرانے میں پوری طرح کامیاب رہے کہ 'عکا' ہی فیصلہ کن محاذ ہے۔ عکا کی وادی میں سلطان کی بذاتِ خود موجودگی، یہاں ایک نقطے پر اسلامی افواج کی اجتماعیت اور سب سے بڑھ کر سلطان کی کمان میں فرنگیوں کی چھاؤنی پر پے در پے حملوں نے صلیبیوں کو ایک احساسِ کمتری اور اندرونی خوف میں مبتلا رکھا۔ جو حملہ آور بن کر آئے تھے، یہاں خود محصور ہو گئے تھے اور سلطان کے سامنے خود کو دفاعی حالت میں محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کا ہر جرنیل تازہ دم افواج کے ساتھ یہاں اترنے کے بعد یہ یقین کر لیتا کہ وہ دوسرے بڑے لشکروں کے ساتھ منسلک رہ کر ہی محفوظ رہے گا، بصورتِ دیگر سلطان ایوبی کی افواج انہیں کچا چبا جائیں گی۔

ان معرکوں کی تاریخ پر گہری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پوری صلیبی جنگ کے دوران مسلمانوں نے یورپیوں کو اپنی صحیح تعداد سے کسی وقت آگاہ نہیں ہونے دیا اور انہیں یہی تاثر دیا کہ ان کے پاس بکثرت لشکر ہیں اور ان کے تمام ساحلی شہر افواج سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس تاثر کو پھیلانے اور اپنی افواج کی کمی کو چھپانے کا اس قدر اہتمام کیا گیا کہ عام مسلمان بھی اس سے ناواقف رہے۔ آپ صلیبی جنگ کی وہ روداد یں، خطوط اور دستاویزات دیکھیں جو انہی ایام میں لکھی گئیں تھیں۔ آپ کو کہیں مسلمانوں کی افواج کی تعداد کا ذکر نہیں ملے گا۔ سلطان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ کو بھی یہ بات نہیں بتائی گئی۔ غرض افواج کی کثرت کا شہرہ وہ نفسیاتی حربہ تھا جس کی وجہ سے فرنگیوں پر رعب طاری رہا اور ان کی تمام افواج دو برس تک عکا سے ذرا بھی دائیں بائیں سرکنے نہ پائیں۔

غرض سلطان ایوبی کی جانب سے عکا کے محاذ کو دی جانے والی اہمیت نے حریف کو دھوکے میں مبتلا رکھا اور اس نے دیگر محاذوں کو پہلے آزمانے کا خیال نکال دیا تھا۔ صلیبی یہی تصور کرتے رہے کہ آئندہ کی

ہر فتح عکا کی فتح پر منحصر ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔

اس میں شک نہیں کہ عکا بے حد اہم عسکری مقام تھا مگر القدس کی فتح اس پر موقوف نہیں تھی۔ نصرانیوں کا جتنا جانی و مالی سرمایہ اور وقت یہاں ضائع ہوا، اس سے کہیں کم نقصان برداشت کر کے وہ شمال اور جنوب کے کئی ساحلی اسلامی شہروں پر قبضہ کر سکتے تھے۔ عکا پر قبضے کے باوجود وہ بدستور القدس سے کوسوں دور تھے۔ عکا فتح کر کے انہیں بہر حال یہاں سے کوچ کرنا تھا اور فیصلہ کن معرکے القدس کے راستے میں برپا ہونے تھے جہاں القدس کا اصل محافظ شہر عسقلان تھا جو اب تک ان کی دسترس سے باہر تھا۔

<u>شکست اور کامیابیاں</u> ❁ عکا کے محاذ پر مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی مگر پوری صلیبی جنگ کے سود و زیاں کا حساب لگایا جائے تو مسلمانوں کی یہ شکست کئی کامیابیوں کا وزن لیے ہوئے تھی۔

1- سلطان ایوبی کی یہاں پہلی بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے صلیبیوں کی قوت کو کمزور کر دیا تھا اور ان کی کم از کم ایک تہائی فوج کو اسی محاذ پر ختم کر دیا تھا۔

2- سلطان کی دوسری بڑی کامیابی یہ تھی کہ کئی ملکوں کے صلیبی حکمران مشترکہ طور پر اتنی بڑی جنگ لڑنے کے بعد بھی صرف ایک ساحلی شہر حاصل کر پائے تھے۔

3- سلطان کی تیسری بڑی کامیابی یہ تھی کہ صلیبیوں کے دو اہم اتحادی حکمران فلپ آگسٹس اور کونرڈ مارکوئیس جو سب سے زیادہ تجربہ کار، دور اندیش اور گھاگ شمار ہوتے تھے، محاذ سے ہٹ گئے تھے۔ ان کی واپسی اس بات کی دلیل تھی کہ خود تجربہ کار صلیبی حکمرانوں کو اس لڑائی سے "القدس" کے دوبارہ "یروشلم" بننے کی امید نہیں۔ دوسرے لفظوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسی چٹان سے سر ٹکرانے کا انجام وہ سمجھ چکے تھے۔ اب صرف جوشیلا اور عجلت پسند رچرڈ میدان میں ڈٹا ہوا تھا جو کسی بھی لحاظ سے سلطان ایوبی کے تجربے، مہارت اور دانائی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تھیں سلطان کی وہ کامیابیاں جن پر عکا کی شکست کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

اَسباقِ تاریخ

- امیر کی رائے کو اپنے آرام اور سہولت کے لیے مسترد کرنا بڑے تلخ نتائج پیدا کرتا ہے۔ عکا کی طرف گامزن فرنگیوں کے تعاقب میں مجاہدین نے سلطان کی نہ مانی، آرام دہ راستہ اختیار کیا۔ پھر تین سال تک مشقت ہی مشقت اٹھانے پر مجبور ہوئے۔
- جنگوں میں افرادی طاقت جمع کرنا اتنا اہم نہیں جتنا افراد سے کام لینا اہم ہے۔ قائد وہ نہیں جو بھیڑ اکٹھی کرلے۔ قائد وہ ہے جو منصوبہ بندی کے ساتھ تھوڑے لوگوں سے زیادہ کام لے۔
- مقابلے سے قبل جگہ، وقت، سمت، موسم، ماحول اور جغرافیائی صورتحال دیکھ کر چالیں چلنا کامیابی کی کلید ہے۔
- ناکامی کے وقت بھی کامیابی کے امکانات آس پاس کہیں ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لیے بیدار آنکھیں اور ہوشیار دل چاہیے۔ معرکہ کبریٰ میں سلطان نے عین شکست کے وقت بھی کامیابی کی ممکنہ صورتیں دیکھ لی تھیں۔
- اگر دشمن دو کی جگہ چار اور چار سے آٹھ ہو جائیں تب بھی گھبرانا بے سود ہے۔ ایسے میں ہر دشمن سے نمٹنے کے لیے الگ الگ حکمت عملی بنانا مفید ہے۔ ایک سے لڑائی کے بعد ملنے والے وقفے سے سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کو ٹھکانے لگایا جائے۔ جنگ کی تکنیک کو بدلا جائے۔ سلطان نے عکا کے محاذ پر ذرا دم لینے کا موقع ملتے ہی فریڈرک باربروسا کے خلاف گوریلا جنگ شروع کردی۔ اڑھائی لاکھ جرمنوں میں سے صرف چند ہزار عکا پہنچ سکے۔
- جہاں تدبیر ہارنے لگتی ہے وہاں اللہ کی نصرت ہاتھ تھام لیتی ہے۔ سلطان نے تدبیر کی انتہا کردی۔ نصرت الٰہیہ نے جرمنوں کو موسم کی تباہ کاری کا نشانہ بنادیا۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت بڑی بڑی مہمات کو آسان کردیتی ہے۔ ایک سائنس دان ایک لاکھ سپاہیوں سے زیادہ کام دیتا ہے۔ ماضی میں علی بن عریف اور حال میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے کارنامے اس کا ثبوت ہیں۔
- اچھا رہنما مقابلے کے وقت ہر فن اور شعبے کے لوگوں سے کام لیتا ہے۔ سلطان نے کبوتر بازوں اور

پیراکوں سے بھی کام لیا۔

- جہاں تک ممکن ہو، معلومات میں دشمن سے دو ہاتھ آگے چلنا ضروری ہے۔ اگر سلطان کو کاؤنٹ ہنری کے بیڑے کی آمد کی خبر پہلے مل گئی ہوتی تو میدان کی صورت حال مختلف ہو سکتی تھی۔
- دشمن کے بڑے افراد ہاتھ آجائیں تو بلا شدید ضرورت انہیں قتل نہ کیا جائے۔ ان کے بدلے سیاسی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ نامعلوم نصرانی نواب اور چھ فرنگی نائٹ قتل نہ کیے جاتے تو عکا کے محصورین شاید ان کے بدلے خود کو بچا لیتے۔
- بعض ماتحت نالائق ہوتے ہیں۔ شدید عذر کے بغیر کسی بڑی مہم کے درمیان ساتھ چھوڑنا نالائقی کی علامت ہے۔ ایسے شخص کو تھوڑی بہت گوشمالی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سنجر شاہ سے نرمی ہوئی تو وہ بضد رہا۔ گوشمالی ہوئی تو سیدھا ہو گیا۔
- دشمن کی تباہی اپنی جگہ اہم مگر اسلامی افواج کی قوت کو معرضِ ہلاکت میں ڈالنا بھی دانش مندی نہیں۔ خود کو بچا کر لڑنا طویل جنگ میں کامیابی کا اصول ہے۔ عکا میں سلطان اسی لیے دشمن پر محتاط حملے کرتے رہے۔
- دشمن قدرتی آفات کا شکار ہو تو انسانیت کے ناطے ہمدردی کرنا مسلمان کی شان ہے۔ ممکن ہے دشمن ہی دوست بن جائیں، سلطان کے حسنِ سلوک سے کتنے فرنگی مسلمان ہو گئے۔ کتنے ان کے حامی بن کر اپنے ہم مذہبوں سے لڑے۔
- مشیتِ الٰہیہ کبھی ناگہانی نقصان پہنچا کر مؤمن کے صبر و رضا کا امتحان لیتی ہے۔ رسد کی کشتیوں کی طوفان سے تباہی بہت بڑا دھچکا تھا۔ سلطان نے صبر کیا تو اللہ کی نصرت آئندہ قدم قدم پر شاملِ حال رہی۔
- جب مسئلہ جان بچانے کا ہو تو مال کو بھول جائیں۔ عکا کے لوگ سلطان کی ہدایت کے خلاف گٹھڑیاں باندھتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔
- مذاکرات ہمیشہ ناپ تول کر متوازن ہونے چاہئیں...... ترازو کے پلڑوں کی طرح۔ فریقِ مخالف پر اندھا اعتماد ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتا ہے۔ فرنگی عکا کے مسئلے پر سلطان کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ مگر سلطان کی اسی احتیاط کی بنا پر ناکام ہو گئے۔ جب بھی حریف طاقت پر بلا ضمانت اعتماد کیا گیا ہے، اس کا نقصان بھرنا پڑا ہے۔ کبھی دنوں کا، کبھی صدیوں کا۔

باب:3

عکا سے بیت المقدس تک

29رجب587ھ(21اگست1191ء)

......تا......

29شعبان588ھ(8ستمبر1192ء)

شخصیات

الملک العادل	....	سلطان کا بھائی اور دست راست
الملک الظاہر	....	سلطان کا بیٹا
الملک الافضل	....	سلطان کا بیٹا
تقی الدین عمر	....	سلطان کا بھتیجا، حاکم حماۃ
سیف الدین مشطوب	....	سلطان کا کمانڈر
سیف الدین یازکوچ	....	سلطان کا سالار
بہاؤالدین قراقوش	....	عکا کا حاکم
ابوالہیجاء السمین	....	سلطان کا امیر
صارم الدین قائماز نجمی	....	سلطان کا کمانڈر۔قلعہ کوکب کا نگران
سلیمان بن جندر	....	سلطان کا درباری
عزالدین جاولی الاسدی	....	سلطان کا کمانڈر
عزالدین جردیک	....	سلطان کا کمانڈر
حسام الدین لاجین	....	سلطان کا بھانجا، امیر
بدرالدین ولدرم	....	سلطان کا کمانڈر، امیر
عزالدین اسامہ	....	حاکم بیروت
اسلم ناصری	....	سلطان کا سالار
ابوبکر حاجب	....	الملک العادل کا نائب، سلطان کا سفیر
محمد الملک المنصور	....	تقی الدین عمر کا بیٹا
حاجب یوسف	....	سلطان کا سفیر
سیف الدین بکتمر	....	حاکم خلاط
جون	....	رچرڈ کی بہن
ہمفری آف ٹورون	....	رچرڈ کا سفیر

کونراڈ مارکوئیس .... صور کا عیسائی حاکم
گائی .... شام کے نصرانیوں کا بادشاہ
ہنری کاؤنٹ اوف شیمپین .... شاہ فرانس کا بھتیجا، یورپی نواب، مجوزہ شاہ یروشلم
فلپ آگسٹس .... فرانس کا بادشاہ
رچرڈ .... برطانیہ کا بادشاہ

فصل:1

بحیرۂ روم کے ساحل پر

قیدیوں کے قتل عام کے ساتھ ہی عکا کی جنگ اختتام پذیر ہو چکی تھی...... سلطان صلاح الدین ایوبی شفرعم کی چوٹیوں سے صلیبی لشکر کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے اگلے اقدام کے منتظر تھے۔

اُدھر رچرڈ نے پیش قدمی کا منصوبہ طے کر لیا تھا۔ القدس پر بھرپور حملے کے لیے ضروری تھا کہ القدس کے قریبی ساحلی شہر صلیبیوں کے پاس ہوں۔ چونکہ عکا پر قابض ہونے کے باوجود وہ القدس سے بہت دور تھے لہٰذا بہترین مرکز کے لیے ان کی نظریں 'یافا' اور 'عسقلان' پر تھیں۔ یہ دونوں القدس کے قریب ترین ساحلی شہر تھے اس لیے ان کی عسکری اہمیت غیر معمولی تھی۔ یافا کے جنوب مشرق میں تقریباً 40 میل کا پہاڑی اور صحرائی علاقہ عبور کر کے القدس کا محاصرہ کیا جا سکتا تھا۔ عسقلان سے بھی یہ فاصلہ کم و بیش اتنا ہی تھا۔

رچرڈ اب ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کا سفر کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے ان دونوں شہروں پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں دیر نہ لگائی اور 29 رجب 587ھ (21 اگست 1191ء) کو کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تقریباً تین لاکھ صلیبی اس کی قیادت میں تھے جن میں سپاہیوں اور رضا کاروں کے علاوہ بڑی تعداد میں فرنگی عورتیں بھی تھیں جو شراب و شباب سے اپنے جانبازوں کا دل بہلا رہی تھیں۔ عکا کی فتح کے بعد سے صلیبی جنگجو بدمستیوں اور حرام کاریوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہیں یکدم اگلی مہم کے لیے تیار کرنا ایک دردِ سر تھا۔ رچرڈ نے فوجی نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے صرف مردوں کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عورتوں میں سے فقط ایسی خادماؤں کو ساتھ لیا جو عمر رسیدہ تھیں۔ اس طرح دو لاکھ عیاش مرد اور عورتیں عکا میں رہ گئے جبکہ ایک لاکھ جنگجو سپاہی رچرڈ کے ہمراہ عکا سے نکلے۔ انہوں نے خیمے، ڈیرے اور تمام بھاری ساز و سامان، گاڑیوں اور بار بردار جانوروں پر لادا اور آہستہ آہستہ شہر سے نکل کر دریائے عکا کے پار چلے گئے۔ یوں دریا کے مغربی کنارے پر خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ یہاں سے قدیم رومیوں کے زمانے کی ایک ٹوٹی پھوٹی سڑک سمندر کے کنارے

کنارے یافا اور عسقلان تک جاتی تھی۔ رچرڈ نے اسی سڑک پر سفر کا فیصلہ کیا تھا۔ ساحلی پہاڑیوں، جنگلوں اور چٹیل میدانوں سے گزرنے والا یہ راستہ اگرچہ عام راستے کی بنسبت زیادہ طویل اور خاصا دشوار گزار تھا مگر اس وقت صلیبیوں کو اس سے زیادہ محفوظ شاہراہ کوئی اور نہیں مل سکتی تھی۔ [5]

سلطان کی نئی حکمت عملی سلطان نے صلیبیوں کو کوچ کے لیے تیار دیکھ کر اپنی فوج کو بھی روانگی کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ بات واضح تھی کہ فرنگی پہلے ساحل کے ساتھ ساتھ یافا اور عسقلان تک اور پھر وہاں سے القدس کی طرف بڑھیں گے۔ یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ 130 میل تھا۔ اگر فرنگیوں کی پیش قدمی تیز رفتاری سے جاری رہتی اور وہ یافا اور عسقلان کو کسی مزاحمت کے بغیر فتح کر لیتے تو تین ہفتے کے اندر اندر القدس کی فصیلوں کے سامنے پہنچ سکتے تھے۔ چونکہ اس وقت شام کی تقریباً تمام افواج سلطان کے زیر کمان میدانِ جنگ میں کھڑی تھیں اس لیے اکثر شہروں میں دفاعی انتظامات ناکافی تھے اور یہ بات تقریباً یقینی تھی کہ اتنی بڑی تعداد میں فرنگی اب جس شہر کے سامنے پہنچیں گے وہ چند دنوں سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکے گا اور عکا جیسے انجام سے دوچار ہو کر صلیبیوں کا مورچہ بن جائے گا۔ پھر جب ساحلی پٹی صلیبیوں کے قبضے میں آجائے گی تو "القدس" براہِ راست ان کی خوفناک یلغار کی زد میں ہوگا۔

ان واضح خطرات سے بچاؤ کے لیے سلطان نے جو عسکری حکمت عملی طے کی تھی وہ درج ذیل نکات پر مشتمل تھی:

1- اس سے پہلے کہ صلیبی کسی اگلے شہر تک پہنچیں، کھلے میدان میں لڑ کر ان کی قوت توڑ دی جائے۔
2- اگر یہ ممکن نہ ہو تو چھاپہ مار حملوں کے تسلسل کے ذریعے انکی رفتار اتنی سست کر دی جائے کہ وہ القدس پہنچنے میں غیر معمولی تاخیر کا شکار ہو جائیں اور پھر برسات کا موسم مزید تین، چار ماہ کے لیے ان کے راستے بند کر دے۔
3- جن شہروں میں فرنگیوں سے بھرپور مدافعت کے امکانات نہ ہوں انہیں از خود خالی کر کے تباہ کر دیا جائے تاکہ صلیبی انہیں عسکری مرکز نہ بنانے پائیں۔

عکا سے یافا تک صلیبیوں کے مقابلے میں سلطان ایوبی کی حکمت عملی انہی نکات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

لشکرِ اسلام کی تیاری ✽ کوہ شفرعم جہاں سے سلطان ایوبی کوچ کی تیاریاں کر رہے تھے، دو شاہراہوں کے قریب واقع تھا۔ ایک شاہراہ مشرق کی جانب طبریہ سے ہوتی ہوئی دمشق کو جاتی تھی اور دوسری جنوب مشرق کی طرف بیت المقدس تک پہنچتی تھی۔ سلطان کو اسی دوسری شاہراہ پر سفر کرنا تھا۔ یہ

---

5 النوادر السلطانیہ: 263، یمنی حکمیں: 228، 229، صلاح الدین۔ لین پول: 222

سڑک ساحل کے ساتھ تھی نہ اس سے بہت دُور، بلکہ چند پہاڑیوں اور وادیوں کے فاصلے کے ساتھ اسی ساحلی سڑک کے تقریباً متوازی چلتی جاتی تھی جس پر رچرڈ سفر کر رہا تھا۔ تاہم آگے چل کر یہ جنوب مشرق کی طرف مڑنے لگتی تھی، یوں ساحلی سڑک سے اس کا درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ کوچ سے پہلے سلطان نے فرنگیوں کے راستے میں آنے والے ایسے کئی ساحلی شہروں کو از خود خالی کرنے کے احکام روانہ کر دیے تھے جن کے بارے میں یقین تھا کہ وہ معمولی مزاحمت کے بعد سرنگوں ہو جائیں گے۔ ان شہروں میں حیفا، قیساریہ اور یافا بھی شامل تھے۔ سلطان نے ان کے حکام کو ہدایت کی تھی کہ شہر کی فصیلوں اور برجوں کو حتی الامکان توڑ پھوڑ دیں تاکہ فرنگی انہیں مضبوط مورچہ نہ بنا سکیں اور عارضی قیام کر کے آگے چل دینے کو ترجیح دیں۔ ❶

رچرڈ کو روکنے کے لیے سلطان کی فوری پیش قدمی ناگزیر تھی لہٰذا لشکرِ اسلام میں کوچ کا نقارہ پیٹ دیا گیا اور مجاہدین ہنگامی انداز میں اپنا ضروری سامان باندھ کر روانگی کی تیاریاں کرنے لگے۔ انہیں اپنا بہت کچھ وہیں چھوڑنا پڑا۔ خصوصاً تاجر جو لشکر کے عقب میں بازار لگائے بیٹھے تھے، زیادہ متاثر ہوئے۔ دو سالہ جنگ کے دوران لوگوں نے باقاعدہ قیام کی سی صورت بنا کر ضروریاتِ زندگی کی ڈھیروں چیزیں جمع کر لی تھیں۔ اب فوری کوچ کے موقع پر بار برداری کے اتنے جانور دستیاب نہیں تھے کہ سارا سامان لدوایا جاسکتا۔ تاجروں کا مال واسباب درجنوں قافلوں کے اَن گنت پھیروں میں یہاں پہنچا تھا۔ اسے یکدم اٹھالے جانا ناممکن تھا۔ اگر رچرڈ کے چلے جانے کے بعد عکا میں تھوڑے بہت صلیبی رہ جاتے تو سلطان کے لشکر کے خدام اور تاجر یہاں رک کر بلا خوف وخطر باقی سامان منتقل کرواتے رہتے مگر اب جبکہ عکا میں دولاکھ صلیبی موجود تھے، سخت اندیشہ تھا کہ لشکرِ اسلام کے کوچ کرتے ہی صلیبی سورما نہ صرف مال واسباب کو لوٹنے کے لیے چڑھ دوڑیں گے بلکہ پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کو بھی تہ تیغ کر دیں گے۔ چنانچہ جانی تحفظ کو ترجیح دیتے ہوئے، زائد سامان کے انبار وہیں چھوڑ دیے گئے اور لشکر سے متعلقہ تمام لوگ سلطان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ❷

ساحلی تعاقب کا پہلا دن (یکم شعبان، 23 اگست): دوپہر کے وقت صلیبی لشکر نے باقاعدہ حرکت شروع کی۔ معرکہ آزما رچرڈ نے اپنی فوج پر سلطان کے حملوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بے لوچ نظم وضبط کے ساتھ پورے پورے حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ چوں کہ قیساریہ تک ساحلی راستہ خاصا تنگ تھا، اس لیے اس نے فوج کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر حصہ اپنی حفاظت کا خود ذمہ

❶ النوادر السلطانیہ: 264 ❷ النوادر السلطانیہ: 264

دار تھا۔ یہ لوگ بڑی احتیاط سے ساحل کے پہاڑی راستے پر چل رہے تھے۔ اس لشکر میں سامانِ رسد کا صرف ضروری ذخیرہ جارہا تھا۔ خوراک کے زیادہ تر ذخائر بحری بیڑے پر لادے جارہے تھے جس کی روانگی میں دیر تھی۔ رچرڈ انتظار نہیں کرسکتا تھا اس لیے بحری بیڑے کو پیچھے آنے کی تاکید کرکے خود روانہ ہوگیا۔ اب وہ پُرپیچ ساحلی سڑک پر لشکرِ صلیب کو لیے جارہا تھا۔ ایک بھاری بھرکم گاڑی پر نصب اژدھے والا دیوہیکل پرچم اس کا نشانِ خاص تھا۔ یہ دشوار گزار راستہ ایسی پہاڑیوں سے گزرتا تھا جن میں جابجا گھنے جنگلات تھے۔ مسلمان یہاں مورچے بنا کر فرنگیوں کو باآسانی نشانہ بنا سکتے تھے مگر رچرڈ نے فوجیوں کو تاکید کررکھی تھی کہ وہ مسلمانوں کے حملوں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتے رہیں[1] ...... چنانچہ عیسائی قدآدم ڈھالوں اور زرہ بکتروں کی اوٹ میں اس طرح چلے جارہے تھے کہ جب تک ان کی صف بندی قائم رہتی، وہ کسی خطرناک حملے کی زد میں نہیں آسکتے تھے۔ لشکر اسی انداز میں صبح سے سہ پہر تک چلتا رہا۔

ساحلی پہاڑوں کی اوٹ میں سلطانی سپاہ نے بھی ایک خاص انداز سے متوازی پیش قدمی جاری رکھی۔ سلطان نے لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کررکھا تھا، زیادہ تر سپاہی ہراول دستوں میں رکھے گئے تھے اور انہیں فرنگیوں پر سامنے کی سمت سے حملے کرتے رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ دستے ساحلی پہاڑیوں کی ڈھلوانوں اور نشیب کے ریتلے میدان میں سائے کی طرح صلیبیوں کے ساتھ ساتھ حرکت کررہے تھے۔ ہر دستے کو تاکید کی گئی تھی کہ صلیبیوں پر تیر اندازی اور سنگ باری کرکے انہیں اشتعال دلاتا رہے تاکہ وہ میدان جنگ میں لڑنے پر آمادہ ہوجائیں۔[2]

سلطان صلاح الدین ایوبی خود قلب لشکر کے چنیدہ سپاہیوں کی معیت میں پہاڑیوں کی دوسری سمت شاہراہ پر سفر کررہے تھے۔ مخبر انہیں صلیبیوں کی نقل وحرکت اور اپنے ہراول کی کارروائیوں کی لحہ بہ لحہ اطلاعات فراہم کرتے تھے۔ شہزادہ ملک الافضل، سیف الدین ایاز کوش اور عزالدین جردیک جیسے عالی مرد ہراول دستوں کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔[3]

ہراول دستے دن بھر تپتے ہوئے ساحل پر فرنگیوں کی فوج میں کسی رخنہ اندازی کا موقع تاکتے رہے، انہوں نے صلیبی لشکر پر سامنے سے بار بار حملے کرکے ان کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی مگر صلیبیوں کے بہترین حفاظتی انتظامات کے باعث یہ حملے زیادہ کارگر نہ ہوسکے، تاہم اتنا ضرور ہوا کہ فرنگیوں کی پیش قدمی کی رفتار بے حد سست رہی اور وہ دن بھر میں بمشکل تین میل طے کرپائے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 204؛ الروضتین: 4/271، 272
[2] النوادر السلطانیہ: 204؛ الروضتین: 4/271، 272
[3] الکامل: 10/207

سہ پہر کے وقت شہزادہ الافضل کے قاصد نے آکر سلطان کو اطلاع دی کہ فرنگیوں کا ایک دستہ پیچھے رہ گیا ہے، اگر ہماری پاس زیادہ سپاہی ہوں تو ہم انہیں نرغے میں لے سکتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سلطان نے بھاری کمک اُدھر روانہ کردی اور خود بھی اُس سمت چل پڑے۔ ریتیلے ساحل پر پہنچ کر انہوں نے الملک العادل کو اپنے دستے کے ساتھ واپس لوٹتے دیکھا۔ اس نے بتایا کہ فرنگیوں کا وہ دستہ اپنے اصل لشکر سے جاملا ہے اور اب وہ سب دریائے حیفا عبور کرکے منظم انداز میں پڑاؤ ڈال چکے ہیں، لہٰذا اب تعاقب بے سود ہے۔ اس دوران سلطان کو اپنی رسد کے قافلے کا خیال آیا جو لشکر کے پیچھے آرہا تھا۔ سلطان نے اس کی حفاظت کے لیے مزید سپاہی روانہ کردیے۔

آفتاب دن بھر انگارے برسانے کے بعد مغرب کی طرف جھک رہا تھا، اس کی کرنوں کے انعکاس سے بحیرۂ قلزم کی لہریں سونا اگلتی معلوم ہورہی تھیں۔ مسلمان گرم موسم میں دن بھر کے سفر اور جنگی کارروائیوں سے ادھ موئے ہوچکے تھے، لہٰذا سلطان نے عصر کے وقت ''قیمون'' کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔[1]

اُدھر فرنگی حیفا میں ٹھہر گئے تھے۔ دونوں لشکروں کے درمیان کئی میل کا فاصلہ تھا جو پہاڑوں اور وادیوں کے دشوار گزار راستوں پر مشتمل تھا اس لیے فوری جھڑپوں یا شبِ خون کا خطرہ نہیں تھا، تاہم فرنگیوں کا ہراول رات بھر بیدار رہ کر پہرہ دیتا رہا۔ سلطان کی طرف سے جردیک اپنے دستے کے ساتھ فرنگیوں سے اتنے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے رہا کہ ان کی نقل وحرکت اسے دکھائی دیتی تھی۔[2]

<u>تعاقب کا دوسرا دن (2 شعبان، 24 اگست) حیفا</u> ※ دوسرے دن بھی صلیبی خلافِ توقع حیفا ہی میں آرام کرتے رہے۔ اس دن انہوں نے عکا سے مزید سپاہی اور گھوڑے منگوالیے تھے تاکہ گزشتہ روز کے نقصانات کی تلافی ہوسکے۔[3] سلطان نے صبح کچھ دیر ان کی پیش قدمی کا انتظار کیا اور پھر متوازی راستے پر آگے سفر شروع کردیا۔ صباغین نامی گاؤں سے ہوتے ہوئے وہ ''عیون الاساود'' پہنچے جہاں الملک العادل کا دستہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس سے مشورہ کرنے اور قدرے ستانے کے بعد سہ پہر کے وقت سلطان فوج کو وہیں چھوڑ کر صرف ایک دستے کے ساتھ قیساریہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ حیفا کے بعد صلیبیوں کا اگلا پڑاؤ الملاحہ میں ہوسکتا تھا۔ اس شام سلطان نے اس مقام سے قیساریہ تک گھوم پھر کر پورے علاقے کا اس پہلو سے جائزہ لیا کہ صلیبیوں سے کھلے میدان کی جنگ کے لیے کون سا مقام زیادہ موزوں ہوگا۔ قیساریہ تک ساحلی شاہراہ تنگ درّوں اور پہاڑیوں سے گزرتی تھی، اس راستے پر فرنگیوں کو چھاپہ مار حملوں کے ذریعے پریشان کیا جاسکتا تھا مگر صف بندی کے ساتھ جنگ ممکن نہ تھی۔ قیساریہ کے بعد

[1] النوادر السلطانیہ:264 [2] النوادر السلطانیہ:264 [3] الکامل فی التاریخ:10/208

ارسوف کے علاقے میں شاہراہ بتدریج کشادہ ہوتی جاتی تھی اور پہاڑی سلسلہ ساحل سے دور ہٹتا جاتا تھا۔ اس لیے سلطان نے طے کیا کہ حریف کو ارسوف کے کھلے میدان میں جا کر روکا جائے۔

اس جائزے کے بعد عشاء کے قریب سلطان تھکن سے چور حالت میں اپنی خیمہ گاہ کو لوٹے۔ قاضی ابن شداد کے استفسار پر سلطان نے انہیں تازہ حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

''فرنگی ابھی تک حیفا میں رکے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم بھی یہیں رک کر ان کی نقل و حرکت کے منتظر رہیں گے اور پھر وقت کے تقاضے کے مطابق کارروائی ہوگی۔''[1]

تعاقب کا تیسرا دن (3 شعبان، 25 اگست) صبح سلطان ایوبی الزلزلۃ کے ٹیلوں پر دشمن کا انتظار کرتے رہے۔ افسران نے فوج کی صف بندی کر لی تھی اور سپاہی گھوڑوں پر سوار بالکل چوکس تھے مگر دشمن نے پیش قدمی نہ کی۔ چاشت کے وقت سلطان نے خیمے میں جا کر ناشتہ کیا، کچھ دیر آرام کے بعد امراء سے مشورہ شروع ہوا، ظہر کی نماز کے بعد سلطان نے عام مجلس لگائی۔ گزشتہ دو تین دنوں میں مسلمانوں کا بھی جانی و مالی نقصان ہوا تھا۔ کئی سپاہیوں کے گھوڑے مارے گئے تھے۔ وہ سلطان کے پاس آ کر گھوڑوں کی قیمت وصول کرتے رہے جو سلطان نے 50 سے 100 دینار تک دی۔ اسی دن عصر کے وقت فوج کا مال و اسباب اور غذائی ذخائر مجدل یابا روانہ کر دیے گئے تاکہ ان سے بے فکر ہو کر جنگ کی جا سکے۔ سلطان نے صرف گھڑ سوار فوج (جریدہ) کے ساتھ شب بسر کی۔[2]

تعاقب کا چوتھا دن (4 شعبان، 26 اگست) چاشت کے وقت سلطان نے کوچ کیا اور قیساریہ سے کچھ آگے جا کر ٹیلوں پر ڈیرے ڈال دیے۔ یہ جگہ دریائے قیساریہ کے دہانے کے نزدیک تھی۔ سلطان یہاں ٹھہر کر صلیبیوں کے قیساریہ پہنچنے کے منتظر رہے۔[3] ......سلطان کے احکام کے مطابق چند دن پہلے ہی اس شہر کو خالی کرا کے فصیل میں بڑے بڑے شگاف ڈال دیے گئے تھے اور برجوں کو ناکارہ بنا دیا گیا تھا اس لیے صلیبیوں کا قیساریہ میں ٹھہرنا کسی خطرے کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔ سلطان نے روٹی منگوائی، کھا پی کر ظہر کی نماز پڑھی اور اگلے راستے کو دیکھنے بھالنے اور جنگ کے ممکنہ میدان کا جائزہ لینے نکل گئے۔ عصر کے وقت لوٹے اور کچھ دیر آرام کیا۔ اس مقام پر فوج کو خوراک و رسد کی شدید کمی کا سامنا کرنا تھا۔ خوراک ملنا مشکل ہو گئی تھی، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خوراک و رسد کے ذخائر، جنگ کے اری خطرے کے پیش نظر دور بھیج دیے گئے تھے۔[4]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 265
[2] النوادر السلطانیۃ: 266
[3] النوادر السلطانیۃ: 266
[4] النوادر السلطانیۃ: 266

قاضی فاضل جو عکا سے سلطان کے ہم رکاب چلے آ رہے تھے، یہاں سے رخصت ہو کر دمشق روانہ ہو گئے۔ عماد کاتب کے بقول سلطان کی غیر موجودگی کے باعث دار الحکومت دمشق میں بہت سے سرکاری فرائض کی انجام دہی میں خلل کا اندیشہ تھا۔ چوں کہ حکام وعمال کے نزدیک قاضی فاضل کے احکام کی حیثیت سلطان کے احکام کی سی تھی، اس لیے کاروبار سلطنت کی نگرانی کے لیے ان کا دمشق جانا بہتر تھا۔ [1]

شام کو سلطان نے اپنا پڑاؤ تبدیل کر لیا اور ذرا دور ٹیلوں کے ایک اور سلسلے پر خیمے لگا لیے جو زیادہ محفوظ جگہ تھی۔ یہاں سلطان کی خدمت میں دو قیدی پیش کیے گئے جنہیں گشتی سواروں نے گرفتار کیا تھا۔ سلطان نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔

یہ سنتے ہی عکا کے زخموں سے دل گرفتہ بہت سے سپاہی ان پر پل پڑے اور تلواروں کے پے در پے وار کر کے ان کا کام تمام کر دیا۔

اُدھر فرنگی "حیفا" سے چل کر "ملاحہ" میں رک گئے تھے۔ اس دن بھی دوران سفر سلطان کے سپاہی ان پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے تھے اور ان کے اکیلے دُکیلے سپاہیوں کو گھیرتے رہے تھے۔ ان قیدیوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا رہا۔ چوں کہ عکا کے تین ہزار مسلمانوں کی شہادت کا زخم ابھی تک سلطان کے دل میں تازہ تھا اس لیے جو قیدی بھی ان کے سامنے لائے گئے ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ [2] علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کے بقول سلطان نے عکا کے سانحے سے متاثر ہو کر قسم کھائی تھی کہ اب جو فرنگی قیدی ہاتھ لگے گا اسے عکا کے شہداء کے بدلے قتل کر دوں گا۔ [3]

بعض اوقات سلطان ان قیدیوں کو قتل کرنے سے پہلے انہیں اہل عکا سے بدعہدی اور قتل عام کا سیاہ کارنامہ بھی یاد دلاتے۔ کچھ قیدیوں نے سلطان کے سامنے یہ اقرار بھی کیا کہ اس قتل عام کا فیصلہ خود رچرڈ نے کیا تھا۔ [4]

<u>تعاقب کا پانچواں دن (5 شعبان، 27 اگست)</u>: اس دن ظہر کے بعد سلطان کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے۔ سلطان نے ترجمان کی معرفت ان میں سے ایک سے پوچھا:

"تمہاری فوج جگہ جگہ طویل پڑاؤ کیوں کر رہی ہے؟"

جواب ملا:

"بحری بیڑے میں سوار سپاہیوں اور سامان رسد کے انتظار میں۔"

---

[1] الروضتین: 271/4
[2] النوادر السلطانیہ: 267
[3] الکامل فی التاریخ: 208/10
[4] النوادر السلطانیہ: 268

سلطان نے پوچھا:

''کھانے پینے کے نرخ کیا ہیں؟''

وہ بولا:

''عکا سے چلتے وقت 6 قراطیس میں پیٹ بھر کھانا مل جاتا تھا۔اب 8 قراطیس میں ملتا ہے۔''

(قراطیس قرطاس کی جمع ہے جو اہل یورپ کا کوئی روپیہ تھا)

سلطان نے سفر میں ان کے ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد پوچھی تو قیدی نے کوئی واضح جواب نہ دیا، بس اتنا کہا:

''بہت لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔''

البتہ اس دن کی جھڑپوں میں گھڑسوار فوج کے نقصانات کے بارے میں اس نے بتایا:

''چار سو گھڑسوار مارے گئے ہیں۔''

اس پوچھ گچھ کے بعد سلطان نے سپاہیوں سے کہا:

''اسے قتل کردو مگر ناک کان مت کاٹنا۔''

قیدی عربی نہیں جانتا تھا۔اس نے ترجمان سے پوچھا:

''سلطان نے کیا حکم دیا ہے۔''

ترجمان نے اسے بتایا تو اس کا رنگ فق ہوگیا۔اس نے گڑگڑا کر سلطان سے عرض کیا:

''مجھے قتل نہ کریں۔میں اپنے بدلے عکا کے ایک مسلمان قیدی کو رہا کرادوں گا۔''

سلطان نے کہا:''عام قیدی نہیں بلکہ ہمارے کسی امیر کو رہا کراؤ۔''

وہ بولا:''میری اتنی حیثیت نہیں کہ میں کسی امیر کو رہا کرواسکوں۔''

سلطان کو رحم آگیا اور اس کے بارے میں فیصلہ ملتوی کردیا۔

اس دن سلطان نے خوراک ورسد کے قافلے کو دوبارہ لشکر کے پاس بلوالیا کیوں کہ ان کے دور رہنے سے سپاہیوں کے لیے مشکلات بڑھ گئی تھیں۔اگرچہ معرکے کا خطرہ جس کے باعث انہیں دور بھیجا گیا تھا، بدستور موجود تھا۔[1]

<u>تعاقب کا چھٹا دن (6 شعبان، 28 اگست) قیسار یہ</u>: بوقت سحر سلطان کو اطلاع ملی کہ فرنگی قیساریہ کی طرف رواں دواں ہیں اور ان کے ہراول دستے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

[1] النوادر السلطانیہ: 267، 268

سلطان نے حفاظتی نقطہ نگاہ سے اپنا کیمپ شاہراہ سے ہٹا کر کچھ دور ٹیلوں پر منتقل کر لیا جو ایک محفوظ جگہ تھی۔ یاد رہے کہ سلطان کا عام جنگی حالات میں معمول تھا کہ وہ روزانہ ایک بار دشمن کے قریب جا کر حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ یہ گشت عموماً دوپہر کو ہوتا تھا مگر فرنگیوں کے اس تعاقب میں سلطان روزانہ دو بار گشت پر نکلتے تھے۔ ایک بار دوپہر کو اور دوسری بار عصر کی نماز کے بعد۔ اس طرح وہ دشمن کی ہر حرکت کا پوری تندہی سے مشاہدہ کر رہے تھے اور اس کی ہر چال کا جواب دینے کے لیے تیار تھے۔ اس دن بھی سلطان جنگی منصوبہ ترتیب دینے کے لیے اردگرد کے علاقوں میں گشت کرتے رہے۔ کئی فرنگی قیدی سلطان کی خدمت میں لائے گئے اور سب کو سلطان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

ظہر کے قریب خیمہ گاہ میں واپس آ کر سلطان ایوبی الملک العادل اور اپنے دیرینہ رفیق سلیمان بن جندر سے مشورے میں مصروف ہو گئے۔ اندازہ یہی تھا کہ فرنگی جو اسی دن دوپہر کو قیساریہ پہنچے تھے کل یا پرسوں ارسوف کے میدانی علاقے سے گزریں گے۔ یہاں ان سے بھرپور ٹکر لینے اور ان کی مضبوط صف بندی کو توڑنے کے لیے کوئی انوکھا اور ٹھوس لائحہ عمل اپنانا ضروری تھا۔ رات کا اندھیرا پھیلا تو سلطان اپنے بھائی الملک العادل سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ رات کا ایک پہر بیت گیا۔ ❶

<u>تعاقب کا ساتواں دن (7 شعبان، 29 اگست)</u>: صبح سلطان نے لشکر کو تیار حالت میں رہنے کا حکم دیا اور خود آگے ٹیلوں کی بلندی پر جا کر قیساریہ کا جائزہ لیتے رہے جہاں صلیبی لشکر کا پڑاؤ تھا۔ یہ شاندار ساحلی شہر جو صدیوں سے ایک عمدہ تجارتی مرکز رہا تھا، اب ویران نظر آ رہا تھا۔ اس کی ٹوٹی پھوٹی فصیلوں پر گہری اداسی طاری تھی جیسے وہ اپنی شکستگی اور شہر کی بے رونقی پر نوحہ کناں ہوں۔ شہر کا یہ حال خود سلطان کے حکم سے ہوا تھا مگر یہ سلطان کی ایک مجبوری تھی، ایک تلخ گھونٹ تھا......اور صلیبی یلغار کو ناکام بنانے کے لیے ابھی نامعلوم ایسے کتنے تلخ گھونٹ سلطان کے مقدر میں تھے۔ پوری رات سلطان کے گشتی سپاہی قیساریہ کے آس پاس گھومتے رہے تا کہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں۔ ❷

<u>تعاقب کا آٹھواں دن (8 شعبان، 30 اگست)</u>: صبح ہی صبح سلطان کو اطلاع پہنچی کہ صلیبی قیساریہ سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سلطان نے یہ سنتے ہی دسترخوان چنوا دیا۔ سپاہیوں کو تاکید کی گئی کہ وہ کھانے پینے اور تمام ضروریات سے فوراً فارغ ہو کر اسلحہ پہن لیں۔ کچھ دیر بعد یہ خبر پہنچی کہ فرنگی قیساریہ سے چل پڑے ہیں۔ اتنے میں سلطان کی فوج تیار ہو چکی تھی۔ سلطان لشکر کو اپنی کمان میں لے کر نکلے اور وادیاں عبور کرتے ہوئے صلیبیوں کے راستے تک پہنچ گئے۔ ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 268 ❷ النوادر السلطانیہ: 269 ❸ النوادر السلطانیہ: 269

صلیبیوں کی پیش قدمی کا انداز اور یلغار کی ترتیب آج بہت بدلی ہوئی تھی۔ قیساریہ سے آگے پہاڑیاں ساحل سے دور ہٹ گئی تھیں۔ شاہراہ کے ایک طرف ساحلی ریت اور سمندر تھا اور دوسری طرف میدان۔ رچرڈ سلطان کے حملے کے یقینی خطرے کے پیش نظر صلیبی لشکر کو بہترین دفاعی حکمت عملی کے مطابق مرتب کر کے آگے بڑھ رہا تھا۔ صلیبی لشکر طول و عرض میں کئی میل پر پھیلا ہوا تھا۔ رچرڈ نے اسے تین قافلوں کی شکل میں ترتیب دیا تھا۔ پہلا قافلہ پیادہ فوج کا تھا جو شمشیر زنوں، نیزہ برداروں اور تیر اندازوں پر مشتمل تھی۔ یہ فوج اس پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جس کی گھاٹیوں سے ہر آن مسلمانوں کے حملے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ ایسے حملوں سے بچاؤ کے لیے بیرونی صف میں ایسے تیر اندازوں کی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی جو قد آدم ڈھالوں، زرہ بکتروں اور دوہری اونی وردیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اس طرح ان پر مسلمانوں کے حملے کارگر ہونے کا خطرہ کم ہو گیا تھا۔ پیادہ شمشیر زن اور نیزہ باز جو تیر اندازوں کی اوٹ میں تھے، بڑی مضبوط صف بندی کے ساتھ چل رہے تھے۔

اس قافلے سے ہٹ کر ریتیلے ساحل پر صلیبیوں کی اصل طاقت یعنی گھڑ سوار سپاہی اور نائٹ تھے۔ اگر وہ پہاڑیوں کے قریب ہوتے تو مسلمانوں کی سنگ باری اور تیر اندازی کے سامنے انہیں منتشر ہونا پڑتا مگر اب وہ تیروں کی زد سے دور تھے۔ اسی گھڑ سوار قافلے میں فرنگیوں کی قیادت تھی۔ گائی اور جیفرے شام کے عیسائی امراء کے ساتھ ہراول میں چل رہے تھے۔ رچرڈ اپنی انگریز فوج اور فرانسیسیوں کے ساتھ درمیان میں تھا جو کہ لشکر کا قلب تھا۔ لشکر کا پچھلا حصہ جسے "ساقہ" کہا جاتا تھا، ٹمپلروں اور طبریہ کے امراء پر مشتمل تھا۔

مسلمانوں کی زد سے سب زیادہ دور یعنی سمندر کے بالکل کنارے پر لشکر کا تیسرا حصہ چل رہا تھا۔ اس میں سامان رسد، مال و متاع سے بھری ہوئی گاڑیاں، بار برداری کے جانور، بھاری آلات حرب، مریض، زخمی سپاہی اور ان کے محافظ تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے تیروں کی پہنچ سے بہت دور تھے۔ اس حصے کے محفوظ سپاہی مقررہ وقفے کے بعد باری باری پیادہ دستوں میں شامل ہو جاتے تھے اور وہاں سے اتنے ہی تھکے ماندے سپاہی راحت پانے اس محفوظ ترین حصے میں آ جاتے تھے۔ رچرڈ کی تاکید تھی کہ صف بندی کسی طرح بھی ٹوٹنے نہ پائے اور مسلمانوں سے کسی بھی مقام پر دوبدو جنگ کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔ ۵

مذکورہ بالا ترتیب رچرڈ کے برّی لشکر کی تھی مگر ساتھ ساتھ صلیبیوں کی بحری طاقت بھی سمندر میں موجود تھی۔ انگلستان، فرانس اور دیگر صلیبی اتحادیوں کے جہاز برّی لشکر کے متوازی، بحیرۂ روم کی لہروں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس ساحل نے اس سے قبل ایسی عجیب و غریب یلغار کبھی نہیں دیکھی تھی۔

۵ النوادر السلطانیہ: 270، الروضتین: 4/274، 275، صلیبی جنگیں: 231، 232

رچرڈ کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں اپنی ناتجربہ کاری کا احساس ہو گیا تھا، وہ بلاشبہ زبردست شمشیر زن اور بلا کا شہ سوار تھا مگر انفرادی جنگجوئی کے ان کمالات کے باوجود اسے بڑی جنگوں کی قیادت کا کوئی تجربہ نہ تھا، اس کے تجربات یورپ کے گنے چنے قلعوں کا محاصرہ کر کے انہیں سر کرنے تک محدود تھے۔ سسلی اور قبرص کی لڑائیاں بھی اسی قسم کی تھیں۔ ان تجربات نے اسے عکا کے محاصرے میں فائدہ ضرور پہنچایا مگر اب صورتِ حال تبدیل ہو چکی تھی۔ صلیبی لشکر کو القدس کی طرف بڑھاتے ہوئے رچرڈ کو کسی بھی میدان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی صف بستہ افواج سے سابقہ پڑ سکتا تھا۔ رچرڈ جس نے زندگی بھر ایسی کسی بڑی جنگ کی قیادت نہیں کی تھی محسوس کر رہا تھا کہ ایسے موقع پر اس کی شجاعت دھری کی دھری رہ جائے گی اور اس کا محدود تجربہ صلیبیوں کی شکست کا باعث بن جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے صلیبی لشکر کے پہلوؤں کو ہر ممکنہ حد تک محفوظ بنا کر مسلسل پیش قدمی کی ٹھان رکھی تھی۔ [1]

قیساریہ کے باہر خون ریز جنگ: صلیبیوں کو بڑھتا دیکھ کر سلطان نے اپنی سپاہ کو جوش دلا کر ان پر حملے کے لیے ابھارا۔ مسلمان گھڑ سوار مشرق کی طرف سے فرنگیوں کے پہلوؤں پر حملہ آور ہوئے۔ جالیشیہ دستوں نے اس طرح پیہم تیر اندازی کی کہ فضا میں ابر سا چھا گیا...... ایک ساتھ ہزاروں تیر اُڑتے اور صلیبیوں پر جا گرتے...... مگر رچرڈ کی حفاظتی تدابیر بڑی مؤثر تھیں۔ پیدل صلیبی جو تیر اندازوں کا نشانہ بن رہے تھے، زرہوں، ڈھالوں اور موٹی اونی وردیوں کے باعث بڑی حد تک محفوظ رہے۔ صلیبی تیر انداز بڑی چرخی دار کمانوں سے مسلمانوں پر جوابی حملے کر رہے تھے جن سے مسلمان گھڑ سوار زخمی ہو رہے تھے۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

''وہ موٹے لبادوں اور مکمل زرہوں میں اس طرح چھپے ہوئے تھے کہ تیروں کے لگنے کے باوجود پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے...... میں نے دیکھا کہ ان کے ایک ایک سپاہی کی پشت میں ایک سے لے کر دس دس تیر پیوست ہیں مگر وہ کسی انتشار کے بغیر اپنی رفتار پر چلے جا رہے تھے۔'' [2]

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لشکرِ صلیب ایک متحرک قلعہ ہے جو اپنی ڈگر پر چلا جا رہا ہے۔ سورج ڈھلنے تک یہ جنگ جاری رہی۔ سلطان کے سپاہی پے در پے حملوں کے باوجود فرنگیوں کی صف بندی توڑ سکے نہ انہیں کھلے میدان میں لڑنے پر برانگیختہ کر سکے۔ فرنگی غیر معمولی نظم و ضبط اور پختہ صف بندی کے ذریعے خود کو بچاتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے اور پھر جلد ہی انہوں نے نہر قیساریہ کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ دراصل پیادہ فوج کی کثرت کی وجہ سے وہ جلد ٹھہرنے پر مجبور تھے، آرام کیے بغیر وہ آگے نہیں

[1] صلیبی جنگیں: 231_232 [2] النوادر السلطانیہ: 269_270

چل سکتے تھے۔ پھر ان کے مال و اسباب کا خاصا بوجھ غلاموں اور مزدوروں نے اٹھایا ہوا تھا، کیوں کہ ان کے سامان کی بہ نسبت مال برداری کے جانور اور گاڑیاں کم پڑ رہی تھیں۔ ①

صلیبیوں کا پڑاؤ نہایت مضبوط حفاظتی اقدامات کے ساتھ ہوا کرتا تھا، اس لیے اس دن مسلمانوں کو مزید حملوں کی کامیابی کی امید نہ رہی۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

''فرنگی جب پڑاؤ ڈالتے تو مسلمان کسی کارروائی کی کامیابی سے مایوس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔'' ②

چنانچہ اس دن بھی فرنگیوں کے پڑاؤ ڈالنے کے بعد مسلمان پیچھے ہٹ کر اپنے خیمے گاڑنے لگے۔ ہنگامۂ جنگ تھم گیا، رات بھر صلیبی دریائے قیساریہ کے کنارے پڑے رہے۔ انہوں نے میٹھے پانی کے اس دریا کو ''دریائے مردار'' کے نام سے موسوم کیا۔ ③

صلیبیوں کی محنت و مشقت پر قاضی ابن شداد نے اپنے تاثرات یوں ظاہر کیے ہیں:

''دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ کسی اجرت اور نفع کے بغیر کس طرح اتنی شدید مشقت پر صبر کر رہے ہیں۔'' ④

<u>نواں دن (9 شعبان، 31 اگست) دوسرا معرکہ</u> ۞ اگلے دن لشکرِ صلیب کے روانہ ہوتے ہی مسلمانوں نے ان پر حملے شروع کر دیے جن کا زور گزشتہ روز سے بڑھ کر تھا۔ فرنگیوں کی طرف سے بھی بھرپور جوابی حملے جاری رہے، وہ تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ چرخی دار کمانوں کے گز دار تیر مسلم شہ سواروں کے گھوڑوں کو چیر ڈالتے تھے۔ کتنے ہی مسلمان ان تیروں سے شہید ہوئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بذاتِ خود شدید خطرے کے مقام تک پہنچ گئے تھے۔ وہ سپاہ کو حوصلہ دلا رہے تھے، دستوں کو آگے بڑھا رہے تھے، فوج کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک گشت کر رہے تھے، ان کے ساتھ دائیں بائیں دو لڑکوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جب وہ جالیشیہ دستوں کے درمیاں پہنچے تو وہاں تیر اندازی سے ایک قیامت برپا تھی۔ قاضی ابن شداد کے الفاظ میں:

''نقارے پیٹے جا رہے تھے، بگل بج رہے تھے، لا الہ الا اللہ کی صدائیں اور تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔'' ⑤

---

① النوادر السلطانیہ: 270 ② النوادر السلطانیہ: 271

③ النوادر السلطانیہ: 270، سیلجی بیگی: 232 ④ النوادر السلطانیہ: 270

امریکی مستشرق ہیرالڈ لیمب نے قاضی صاحب کے بیان کو بڑی تحریف کے ساتھ پیش کیا ہے۔ قاضی ابن شداد کے اصل الفاظ جن کا ترجمہ اوپر پیش کیا گیا ہے یہ ہیں: "فانظر [illegible]" (النوادر: ص 66)

ہیرالڈ لیمب نے [illegible] "سے" [illegible] ہیرالڈ لیمب نے [illegible]

⑤ النوادر السلطانیہ: 271

اِدھر سے جالینیہ اور اُدھر سے فرنگی اندھا دھند تیر برسا رہے تھے۔ سلطان سنسناتے تیروں کی برسات میں افسران کو ہدایات دے رہے تھے، سلطان کا زور اس بات پر تھا کہ کسی طرح فرنگیوں کو نرغے میں لے کر آگے بڑھنے سے روک لیا جائے مگر مسلمان اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ تاہم اس دن مسلمانوں کے شدید حملوں نے فرنگیوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔ صلیبیوں کے ساقہ (عقبی دستوں) پر تعینات ٹیمپلر زلشکر اسلام کے حملوں کا بطور خاص نشانہ بنتے رہے۔ یہ فرنگی لشکر کا وہ واحد حصہ تھا جو گھڑسوار ہونے کے باوجود ایک کنارے پر تھا لہٰذا مسلمان اس پر براہ راست حملے کرسکتے تھے۔ گھڑسوار خود کو اس طرح محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے جیسا کہ پیادے۔ اس کمزوری کا مسلمانوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا، ان کے تیروں اور بھالوں نے ٹیمپلرز میں بھگدڑ مچادی۔ ٹیمپلرز کے بے شمار گھوڑے اور سینکڑوں افراد اس دن زخمی ہوئے، ساقہ کو بچانے کے لئے رچرڈ کو خود آنا پڑا۔ اس نے اپنے عقبی دستوں کو بچالیا مگر جب وہ واپس ہوا تو اس کے پہلو میں نیزے کا ایک زخم آچکا تھا جبکہ ایک ہزار کے قریب فرنگی زخمی اور بیسیوں ہلاک ہوچکے تھے۔ اس دن مسلمانوں کے بھی کئی جوانمرد شہید ہوئے۔ سلطان کا دراز قامت غلام ایاز جو "طویل" کہلاتا تھا اور اپنے دلیرانہ کارناموں کی بدولت مسلمانوں اور فرنگیوں میں یکساں طور پر مشہور تھا، اسی دن گھوڑے سے گر کر شہید ہوا۔ ظہر کے وقت یہ لڑائی تھمی اور سلطان نے چشموں سے آباد ایک مقام "برکہ" پر پڑاؤ ڈال دیا، یہاں ایک بلند ٹیلے پر 'ایاز' کو دفنا دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس مجاہد کی موت کا سخت صدمہ تھا۔

فرنگی کچھ دور "دریائے قصب" کے نشیبی کنارے پر خیمے گاڑ چکے تھے۔ اس دریا کو صلیبی مؤرخین "نمکین دریا" کا نام دیتے ہیں۔ سلطان نے بھی عصر کے بعد اپنی خیمہ گاہ اس دریا کی بلندی پر منتقل کرلی۔ [1]

دونوں لشکر معمولی سے فاصلے پر رات بھر پڑے رہے۔ اس دوران دونوں لشکروں کے گشتی دستوں میں ایک جھڑپ ہوئی جس میں کئی فرنگی ہلاک اور دو مسلمان شہید ہوئے۔ کاتب عماد اس جھڑپ کے بارے میں بتاتے ہیں:

"معرکے سے فارغ ہوکر عیسائی بے فکر ہوچکے تھے، اس دوران لشکر اسلام کے ساقہ پر متعین سالار ابراہیم ابن مقدم نے دریا عبور کرکے عیسائی محافظوں کی ایک بے خبر ٹولی پر حملہ کردیا اور آناً فاناً ان کا کام تمام کردیا مگر اتنے میں دوسرے عیسائی دستے آن پہنچے اور شدید جھڑپ شروع ہوگئی، انجام کار عیسائی بھاگ نکلے اور ہمیں مال غنیمت حاصل ہوا۔" [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 271، صلیبی جنگیں: 233
[2] الاعلاق الخطیرة، الروضتین: 4/274

غدار مسلمانوں کا انجام ✿ تین فرنگی گرفتار بھی ہوئے جنہوں نے سلطان کی خدمت میں اہم انکشافات کیے۔ انہوں نے بتایا کہ عکا میں دو عرب بدوؤں نے رچرڈ کو یقین دلایا تھا کہ سلطان صلاح الدین کے لشکر کی تعداد خاصی کم ہے۔ تب رچرڈ نے بے فکر ہو کر عکا سے القدس کی طرف یلغار کا فیصلہ کیا تھا مگر گزشتہ روز کی جنگ میں جب اس نے کھلے میدان میں مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ کیا اور ان کے حملوں سے اپنے زخمیوں کی کثرت کا مشاہدہ کیا تو اسے محسوس ہوا کہ سلطان کے سپاہی بہت زیادہ ہیں اور بدوؤں نے اسے دھوکہ دیا ہے، چنانچہ اس نے دونوں بدوؤں کو جو اب تک اس کی تحویل میں تھے، بلا کر قتل کرا دیا۔"[۱]

دسواں دن (10 شعبان، یکم ستمبر) ارسوف میں ✿ اگلے دن دو پہر تک فرنگیوں کی نقل و حرکت کا انتظار کرنے کے بعد سلطان ایوبی نے کوچ کا فیصلہ کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ صلیبیوں سے آگے بڑھ کر کھلی جنگ کے لیے مناسب میدان تلاش کر لیا جائے اور وہاں ان کا راستہ روک لیا جائے۔ علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق یہاں سے ارسوف تک راستہ اتنا تنگ تھا کہ مسلمان صلیبی لشکر کے متوازی چل کر اس پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ وہ نصرانیوں سے پہلے یہ علاقہ عبور کر کے ارسوف پہنچ جائیں۔

لشکرِ اسلام ظہر کے وقت روانہ ہوا، سلطان اپنے خواص کے ساتھ شام کے دھندلکے میں ارسوف پہنچ گئے۔ دیر راہب نامی ایک بستی کے قریبی ٹیلوں پر خیمے گاڑ دیے گئے۔[۲]

گیارہواں دن (11 شعبان، 2 ستمبر) ✿ صبح تک سلطان کی افواج یہاں جمع ہوتی رہیں۔ سلطان نے دن ارسوف کے آس پاس مناسب میدانِ جنگ تلاش کرتے ہوئے گزارا جبکہ فرنگی ابھی تک دریائے قصب کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں عکا سے آٹھ بحری جہازوں میں بھاری کمک بھی پہنچ گئی تھی۔ سلطان کا ہراول دستہ امیر سلیمان بن جندر کی قیادت میں صلیبیوں کے آس پاس ہی موجود تھا اور سلطان کو لمحے لمحے کی اطلاعات پہنچا رہا تھا۔[۳]

بارہواں دن (12 شعبان، 3 ستمبر) مذاکرات کا ڈول ✿ رچرڈ اندازہ لگا چکا تھا کہ ارسوف کے آس پاس سلطان سے کھلے میدان میں مقابلہ ناگزیر ہو گا۔ گزشتہ چند دنوں میں سلطانی افواج کے کاری حملوں نے اسے پہلے ہی خاصا پریشان کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ عکا سے ایک لاکھ چنیدہ سپاہی ہمراہ لے کر چلا تھا اور اب اسے مزید تازہ کمک بھی مل گئی تھی تاہم سلطان کے بیس تیس ہزار سپاہی اس لشکرِ جرار پر بھاری پڑ رہے تھے۔ صلیبی مؤرخین کا بیان ہے کہ اس دوران یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ ارسوف کے گرد و نواح

۱ النوادر السلطانیہ: 272
۲ النوادر السلطانیہ: 273
۳ النوادر السلطانیہ: 273، الکامل فی التاریخ: 10/208

میں تین لاکھ مسلمان راستہ روکے کھڑے ہیں۔ اس خبر سے فرنگی مزید بددلی کا شکار ہو گئے۔ حالاں کہ سلطان کی کل افواج کی تعداد نصف لاکھ بھی نہیں تھی۔ بہر حال رچرڈ نے حسبِ عادت ان حالات میں ایک بار پھر وقت گزارنے اور بہتر موقع تلاش کرنے کے لیے مذاکرات کی طرح ڈالی۔ اس کے نمائندوں نے اسلامی ہراول دستوں کے امیر سلیمان بن جندر کے افسران سے ملاقات کی اور کہا کہ ہمارے بادشاہ، سلطان کے بھائی الملک العادل سے ملاقات کر کے صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

انگریز سفیروں نے کہا:

''جنگ طویل ہو چکی ہے، فریقین کے بکثرت سپاہی اور نامور جانباز کام آ چکے ہیں، ہم تو صرف ساحل شام کے عیسائی امراء کی مدد کے لیے آئے تھے۔ اب مناسب ہوگا کہ ہم اور آپ صلح کر لیں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقے کو لوٹ جائے۔''

سلطان کو رچرڈ کی پیش کش کا علم ہوا تو انہوں نے الملک العادل کو مذاکرات کا اجازت نامہ بھیج دیا مگر انہیں رچرڈ کی بدنیتی کا پورا پورا اندازہ تھا، اس لیے الملک العادل کو رقعے میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر ممکن ہو تو مذاکرات کو طول دو تاکہ فرنگیوں کو ایک دن مزید رکنا پڑے اور اتنی دیر میں ہمیں نواح کے ترکمان قبائل کی کمک مل جائے۔ ①

الملک العادل جو اپنی فوج کے ساتھ سلطان کی فوج اور ہراول دستوں سے کچھ فاصلے پر تھا، اس ہدایت کے مطابق فرنگی نمائندوں کے ساتھ رچرڈ کے پاس پہنچا۔ یہ دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ ساحل شام کا مشہور صلیبی امیر ابن ہنفری ترجمان کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ رچرڈ اپنا مدعا صاف بیان نہیں کر رہا تھا۔ الملک العادل نے کہا:

''آپ صلح چاہتے ہیں مگر ابھی تک آپ نے اپنا موقف واضح نہیں کیا۔''

تب رچرڈ نے کہا:

''بنیادی بات یہ ہے کہ تم ساحلِ شام کی تمام عیسائی ریاستیں ہمارے حوالے کر کے اپنے سابقہ علاقوں کو لوٹ جاؤ۔''

یہ غیر معقول مطالبہ سن کر الملک العادل نے صاف انکار کر دیا۔ رچرڈ کا رویہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ یا تو سیاست سے بالکل ناواقف ہے یا بلا کا چالباز ہے اور وقت گزاری کر رہا ہے، لہٰذا مزید بات چیت فضول تھی۔

بات چیت ختم ہوتے ہی رچرڈ اپنی خیمہ گاہ میں پہنچا اور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان نے

① النوادر السلطانیہ: 273

فرنگیوں کی پیش قدمی کی اطلاع پاکر ایک بار پھر بھاری مال ومتاع کو محفوظ مقام پر منتقل کرادیا اور لشکر کی صف بندی شروع کردی۔ رات کو الملک العادل سلطان کے پاس پہنچ گیا اور رچرڈ سے مذاکرات کی تفصیلی روداد سناڈالی۔ [1]

اس دن فرنگی کوئی نقصان اٹھائے بغیر آگے بڑھتے رہے تھے، اگرچہ راستے میں ایک جنگل بھی پڑا تھا جہاں مسلمانوں کے حملے کا شدید خدشہ تھا، افواہ تھی کہ مسلمان جنگل کو آگ لگا کر انہیں روک لیں گے مگر ایسا کوئی خطرہ پیش نہ آیا۔ صلیبی لشکر نے "برکہ" نامی مقام پر ساحل کے کنارے ایک میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ [2]

فرنگی ارسوف کے بالکل قریب تھے۔ رچرڈ نے سلطان کی کہنہ مشق افواج سے کھلی معرکہ آرائی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے اگلا دن (جمعہ 13 شعبان، 3 ستمبر) وہیں گزار کر افواج کو آرام کا موقع دیا اور فوج کے نظم وضبط کو بہتر بنایا۔ [3]

ارسوف کا ہولناک معرکہ: لشکرِ صلیب نے صبح ہی صبح ساحل سے کوچ کیا اور صفیں بنا کر ایک خاص ترتیب سے آگے بڑھنے لگا۔ ٹمپلرز ہراول دستے کی حیثیت سے سب سے آگے تھے۔ پھر فرانس کی افواج تھیں جن کے ایک دستے کی قیادت گائی کررہا تھا، ان کے پیچھے ایک گاڑی میں جس کے گرد انگریز اور نارمن سپاہ کے دستے تھے، برطانیہ کا شاہی نشان فلک کو چھورہا تھا۔ سب سے آخر میں ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) گروہ کے دستے ساقہ کی حیثیت سے چلے آرہے تھے۔ صلیبیوں کے دائیں ہاتھ پر ساحل تھا اور بائیں جانب وہ پہاڑیاں جن پر مسلمان کسی بھی وقت نمودار ہوسکتے تھے، سامنے صرف سات میل دور اُفق پر ارسوف کے خوشنما باغات نظر آرہے تھے۔ فضا پر ایک خاموشی طاری تھی۔ لگتا تھا مسلمان ارسوف سے جاچکے ہیں اور فرنگیوں کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

مگر جلد ہی افق غبار آلود ہونے لگا۔ بائیں جانب کی پہاڑیوں پر ہل چل نظر آئی۔ سرسبز درختوں کی چوٹیوں پر گرد کے مرغولے بلند ہونے لگے۔ پھر تکبیر کے نعروں کے ساتھ اسلامی لشکر کے دستے پہاڑیوں پر نمودار ہوئے۔ وہ ایک وسیع نیم دائرے کی شکل میں فرنگیوں کے قریب آتے جارہے تھے۔ صلیبی آگے بڑھتے رہے اور مسلمانوں کا حلقہ ان کے گرد پھیلتا چلا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بذاتِ خود فوج کی کمان کررہے تھے۔ انہوں نے کچھ دستوں کو دشمن کے قریب پہنچ کر براہ راست حملوں کا حکم دیا اور کچھ دوسرے دستوں کو ان کے عقب میں رہ کر پشت پناہی کی تاکید کی۔ جالیشیہ کے گھڑ سوار تیر اندازوں نے طوفانی انداز میں صلیبیوں پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان شہد کی مکھیوں کی طرح صلیبیوں پر ٹوٹ

[1] الفتح القسی: 274 [2] سیرت صلاح الدین ایوبی: 233 [3] النوادر السلطانیہ: 275

کر گرنے لگے۔ ان کی مسلسل تیراندازی سے صلیبیوں کے بیسیوں سپاہی ہلاک اور بیسیوں زخمی ہو گئے۔ نائٹوں نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چاہا کہ اپنی حلقہ بندی سے نکل کر مسلمانوں پر جوابی حملہ کریں مگر رچرڈ کی سخت تاکید تھی کہ سپاہی بگل کے ذریعے کیے جانے والے عام حملے کے اشارے کا انتظار کریں اور اس سے پہلے صفوں کی ترتیب درہم برہم نہ ہونے دیں۔

مسلمانوں کے مسلسل حملوں سے بچنے کے لیے صلیبیوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ جلد از جلد کسی مناسب مقام تک پہنچ کر پڑاؤ ڈالنا چاہتے تھے۔ سلطان کے اشارے پر مجاہدین صلیبیوں کے عقب کو جہاں سیاہ وردیوں والے ہاسپٹلرز تھے، خاص طور پر نشانہ بنا رہے تھے۔ مسلمانوں کے غیر معمولی دباؤ اور تیراندازی سے ان کے درجنوں افراد ہلاک رہے تھے۔ اس صورت حال سے فرنگیوں میں اضطراب پھیل گیا اور وہ آگے بڑھنے یا ٹھہر کر مقابلہ کرنے کے درمیان شش و پنج کا شکار ہو گئے۔ ❶

آخر کار سب سے پہلے لشکرِ صلیب کے محافظ دستے جو پیادہ تھے، حرکت میں آئے اور انہوں نے مسلمانوں پر جوابی حملہ شروع کر دیا۔ ادھر سے بدو، عرب اور ترک جوان فولادی تلواروں سے زرہ پوش صلیبیوں پر ٹوٹ پڑے، کچھ دیر دوبدو جنگ کے بعد اکثر مسلمان سپاہی گھوڑوں سے اتر کر پاپیادہ حملے کرنے لگے کیوں کہ اس طرح وہ حریف کو بہتر انداز میں نشانہ بنا سکتے تھے، یوں دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ یوں سورج بلند ہونے تک شدید جنگ چھڑ چکی تھی۔ مسلمانوں میں بے حد جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ جب ان کی بھاری شمشیروں کی ضربیں صلیبیوں کی زرہوں پر پڑتیں تو لوہے سے لوہے کے ٹکراؤ کی سماعت خراش آوازیں دور دور تک گونج جاتیں۔ سلطان صلاح الدین اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار کبھی لشکرِ اسلام کے دائیں بازو میں جاتے اور کبھی بائیں بازو میں۔ ان کا حفاظتی دستہ بھی ساتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سلطان نے ساری افرادی طاقت جنگ میں جھونک دی تھی۔ صرف دو خادم ان کے ہمراہ تھے جو ان کے دائیں بائیں دوڑتے نظر آ رہے تھے۔ سلطان فوج کے ہر حصے میں پہنچ کر سپاہ کی ہمت بندھا رہے تھے، انہیں آگے بڑھا رہے تھے، یہی حال الملک العادل کا تھا۔ جنگ کے گرد و غبار میں وہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک اپنے گھوڑے پر سرپٹ آ جا رہا تھا۔ ایک جگہ احکام دینے کے فوراً بعد وہ دوسری جگہ پہنچ کر ہدایات دیتا نظر آتا۔

مسلمانوں کے پے در پے حملوں سے دشمن کا عقب روندا گیا تھا۔ ہاسپٹلرز تتر بتر ہو رہے تھے۔ ادھر صلیبیوں کے پیادہ دستے جو اپنی پیش قدمی برقرار رکھ کر بڑی مشکل سے ارسوف کے باغات تک پہنچ

❶ النوادر السلطانیہ: 275، طبقی حطین: 234

تھے اپنے سامنے اسلامی لشکر کے قلب کو صف آرا دیکھ رہے تھے جبکہ اسلامی میمنہ اور میسرہ کے دستے بھی دائیں بائیں متحرک تھے۔

رچرڈ عقب کی صورتحال سے آگاہ تھا مگر اس نے ہاسپٹلرز کی مدد کے لیے گھڑ سوار دستوں اور نائٹوں کو میدان میں لانا اب بھی احتیاط کے خلاف سمجھا۔ وہ بہر صورت صف بندی قائم رکھ کر آگے بڑھتے رہنے پر مصر تھا۔ اس دوران ہاسپٹلرز کا گرینڈ ماسٹر دوڑتا ہوا رچرڈ کے پاس پہنچ گیا اور بتایا کہ وہ تنہا دشمن کا حملہ نہیں روک سکتے۔ رچرڈ نے اب بھی عام حملے کا حکم دینے میں تامل کیا مگر کچھ جوشیلے نائٹوں سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پھیر کر عقب کا رخ کیا اور مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر دیا۔ کاؤنٹ آف شمپین اور کچھ دیگر صلیبی امراء بھی اپنے گھڑ سوار دستوں کے ساتھ منظم ہو کر اس طرف لپکے۔ بعد میں رچرڈ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس طرح صلیبیوں کی گھڑ سوار فوج ایک زبردست طاقت بن کر ہاسپٹلرز کی مدد کے لیے عقب میں آگئی۔ ①

اب لشکرِ صلیب کی ترتیب بالکل بدل گئی، ان کا عقب ہراول دستے کی حیثیت اختیار کر گیا اور ہراول عقبی فوج بن گیا۔ اس نئی ترتیب کے ساتھ نصرانیوں نے اس قدر اچانک اور زوردار حملہ کیا کہ مسلمان ششدر رہ گئے اور خود کو سنبھال نہ سکے۔ وہ فتح کو بہت قریب محسوس کر رہے تھے مگر اب یکدم صورت حال بدل گئی تھی۔ چوں کہ مسلمانوں کے اگلے دستے جو براہ راست حملے میں شریک تھے، گھوڑوں سے اتر کر پیدل لڑ رہے تھے، اس لیے وہ گھڑ سوار نائٹوں کا حملہ نہ روک سکے اور پسپا ہوتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان کا نقشہ بدل گیا۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

"دشمن کے گھڑ سوار دستے ان کی پیادہ افواج کے درمیان یکجا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے نیزے تان لیے اور یک بارگی نعرے بلند کیے، ان کے پیادوں نے (دائیں بائیں ہو کر) ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا، اب انہوں نے ایک ساتھ تمام اطراف پر حملہ کر دیا۔ ایک دستے نے ہمارے دائیں بازو پر، ایک دستے نے بائیں بازو پر اور ایک دستے نے ہمارے قلب پر دھاوا بول دیا۔ مسلمان ان کے حملے کے دباؤ سے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اتفاق سے میں قلب لشکر میں تھا، سو جب قلب بری طرح پسپا ہوا تو میں نے میسرہ کی صفوں میں پناہ لینے کی کوشش کی، کیوں کہ وہ میرے قریب تھیں مگر میرے وہاں تک پہنچتے پہنچتے میسرہ بھی درہم برہم ہو کر راہِ فرار اختیار کر چکا تھا۔" ②

ارسوف کا یہ معرکہ سلطان کی زندگی کی خطرناک ترین لڑائیوں میں سے ایک تھا۔ جب مسلمان تتر بتر ہو کر بھاگ رہے تھے تو لگتا تھا کہ اب بیت المقدس تک نصرانیوں کے ٹڈی دل کو روکنے والا کوئی نہیں

① النوادر السلطانیہ: ص276، سیرت صلاح الدین: 234، الکامل فی التاریخ: 10/208 ② النوادر السلطانیہ: ص276، 276

ہوگا۔ مگر اس انتہائی نازک موقع پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے مثالی استقامت اور حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے لشکر کو مکمل تباہی سے بچانے کی پوری کوشش کی۔ جب پسپائی شروع ہوئی تو اس وقت سلطان حسبِ معمول دستوں کے عقب میں کھڑے میدان جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔ اپنے سپاہیوں کو الٹے پاؤں بھاگتا دیکھ کر سلطان تیزی سے آگے بڑھے اور اپنے خاص دستے کے پاس جا پہنچے مگر اس وقت اس دستے میں صرف سترہ سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ سلطان نے انہی کے ساتھ میدان میں قدم جما لیے۔ اگرچہ اس وقت تک لشکر کے قلب اور میسرہ کے سپاہیوں کی اکثریت فرار ہو چکی تھی مگر سلطان کے علمبردار اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے اور سپاہیوں کو اشارے دینے کے لیے بگل اور طبل اب بھی بجائے جا رہے تھے۔ سلطان نے حکم دیا:

''بگل مسلسل بجائے جائیں، نقارے پوری شدت سے پیٹے جائیں تاکہ فرار ہوتے ہوئے سپاہی اس طرف پلٹ آئیں۔''[1]

سلطان خود بھی ہر طرف کا جائزہ لے رہے تھے، جوں ہی انہیں کوئی سپاہیوں کی کوئی ٹولی بھاگتی نظر آئی وہ قاصد کو دوڑاتے کہ انہیں ادھر بلا لائے۔ عجیب بات یہ تھی کہ عکا کے معرکہ کبریٰ کی طرح اس دن بھی عیسائی حملہ آوروں نے میدان میں جمنے والوں کی بجائے فرار ہونے والوں پر توجہ مرکوز رکھی، اس طرح سلطان ایوبی کو اپنی فوج از سرِ نو مرتب کرنے کا موقع مل گیا ورنہ سلطان کا خود شہید یا گرفتار ہو جانا ہرگز بعید نہ تھا۔

اس وقت وادی میں میلوں تک گھڑسواروں اور پیادوں کی ٹولیاں ایک دوسرے کا پیچھا کرتی دکھائی دے رہی تھیں، مفرور مسلمان میدان کے اطراف کی طرف پھیل رہے تھے جبکہ عیسائی کئی حصوں میں بٹ کر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد مسلمان قریب واقع درختوں کے جھنڈ میں غائب ہونے لگے، یہ دیکھ کر نصرانیوں نے اپنے قدم روک لیے، انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مسلمان آگے گھات لگائے نہ بیٹھے ہوں۔ اب مسلمان بھی رک گئے اور انہوں نے مڑ کر صلیبیوں پر جارحانہ حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کے ذاتی دستے کے سات سو سپاہیوں نے ایک امیر کی قیادت میں نصرانیوں کو بری طرح روندنا شروع کر دیا۔ نصرانیوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے کہ رچرڈ خود اپنے دستے کے ساتھ پہنچ گیا، اس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان سنبھل نہ سکے اور لڑتے بھڑتے پیچھے ہٹنے لگے۔ گرد و غبار کے بادلوں میں یہ انوکھی جنگ ساحل کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک منتقل ہوتی رہی۔ کچھ دیر بعد نصرانیوں نے ٹھہر کر اپنی صفوں کو منظم کیا اور

[1] النوادر السلطانیہ: 276، الکامل فی التاریخ: 10/208

ایک بھرپور حملہ کر کے تیسری بار مسلمانوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ مسلمان پیچھے ہٹتے ہٹتے "رواب" کے ٹیلوں پر چڑھ گئے، یہاں وہ قدرے محفوظ تھے اور نشیب میں موجود دشمن کو تیروں کا نشانہ بنا سکتے تھے۔ فرانیوں نے اس کے بعد مزید تعاقب کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہیں رک گئے۔

اُدھر میدان میں سلطان صلاح الدین قلب کے نشان اور شاہی علم کے ساتھ بدستور اپنی جگہ قدم جمائے ہوئے تھے، ان کے کئی کارندے اِدھر اُدھر گھوم پھر کر بھاگنے والوں کو بلا رہے تھے اور انہیں سلطان کی موجودگی سے آگاہ کر رہے تھے۔ اگر سلطان ایوبی میدان جنگ میں نہ ہوتے تو یقیناً پورا لشکر میدان چھوڑ دیتا مگر سلطان کو میدان میں ڈٹا ہوا دیکھ کر بہت سوں کو غیرت آئی اور وہ جلد ہی پلٹ کر سلطان سے آملے۔ اس طرح سلطان کے شانہ بشانہ لڑنے والے سپاہیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ دوپہر تک تقریباً پورا لشکر میدان میں واپس آ گیا اور سلطان ایوبی اسے ازسرِنو مرتب کرنے لگے۔ یہ صرف ایک نفسیاتی حربہ تھا ورنہ حقیقت میں فوج کی حالت دگرگوں تھی۔ بہرکیف مسلمانوں کو دوبارہ صف بستہ دیکھ کر رچرڈ نے محتاط رویہ اختیار کیا اور فوج کو ارسوف کے باغات اور مورچوں میں لے گیا اور وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ ❶

معرکے کے بعد ✵ سلطان نے دشمن کے ارسوف کی طرف ہٹتے ہی شعراء کے ٹیلوں کا رخ کیا اور اپنے خیمے کے باہر بیٹھ کر لشکر کا جائزہ لینے لگے۔ یہاں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ سلطان نے قرب وجوار سے پانی منگوانے کا حکم دیا۔ خدمت پر مامور عملہ پانی بھرنے چلا گیا، شہداء کی تدفین کا کام جاری تھا، زخمیوں کو سلطان کی خدمت میں لایا جا رہا تھا، سلطان خود آگے بڑھ کر ان کو سہارا دے رہے تھے اور ان کی تیمارداری کا حصہ لے رہے تھے۔ اس وقت شدت کی گرمی تھی اور دھوپ ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک جانثار نے رومال تان کر سلطان پر سایہ کر دیا۔ چند لمحوں بعد خدام نے سلطان کی خدمت میں ہلکی پھلکی غذا پیش کی، سلطان نے دو چار لقمے لیے اور پھر لشکر کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گئے۔ سلطان اگرچہ دوسروں کو حوصلہ دے رہے تھے مگر اندر سے خود ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ ان کے چہرے سے کرب والم کے آثار عیاں تھے۔ انہیں اپنے سپاہیوں سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح منہ پھیر کر میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ہوئی کہ دشمن کو قلب میں سلطان اور ان کے مٹھی بھر سپاہیوں کے گھیراؤ کا خیال نہ آیا۔ پھر اس نے فرار ہونے والوں کا آخری حد تک تعاقب بھی نہ کیا ورنہ سلطان کی فوج کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر سلطان کی طبیعت ہلکان ہوتی جا رہی تھی۔ قاضی ابن شداد نے تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر اس وقت سلطان کیلئے تسلی کے الفاظ بے معنی تھے۔ ❷

❶ النوادر السلطانیہ: 276 ❷ النوادر السلطانیہ: 277

فریقین کے نقصانات :- ایک ہی لڑائی میں ہزاروں مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ ان میں قایماز العادلی، امیر شکار اور امیر العوش سمیت کئی سر کردہ رؤساء اور بیسیوں نامور سپاہی شامل تھے۔ الملک العادل، امیر قایماز نجمی اور شہزادہ الملک الافضل نے اس دن زبردست جواں مردی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی فوج کو مکمل شکست سے بچایا تھا۔ الملک الافضل زخمی بھی ہوا تھا، اس کا چہرہ خون سے تربتر تھا۔ موصل کا دستہ جو علاؤ الدین کی قیادت میں تھا اس دن بڑی پامردی سے لڑا تھا خصوصاً اسکے ہراول نے آخر تک اپنے قدم جمائے رکھے۔ [1]

سلطان کے وقائع نگار اپنے مقتولین کی تعداد کا ذکر نہیں کرتے تاہم عیسائی مؤرخین مقتول مسلمانوں کی تعداد سات ہزار تک بتاتے ہیں۔ [2] اس دن بظاہر فرنگیوں کا زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا۔ قاضی ابن شداد بس اتنا بتاتے ہیں کہ ان کا ایک گروہ قتل ہوا اور مسلمان ان کا ایک سپاہی قید کرنے اور چار گھوڑے پکڑنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ خاصی تعداد میں سواری کے جانور ہلاک ہوئے تھے۔ عرب بدوؤں نے سلطان کو بتایا کہ انہوں نے دشمن کے ہلاک شدہ گھوڑے شمار کیے ہیں جو سو سے زائد ہیں۔ [3] صلیبیوں کا ایک نامور سردار جیمز ڈی ایوز اس لڑائی کی نذر ہو گیا تھا۔ [4]

ارسوف کا معرکہ رچرڈ کی زندگی کا یادگار معرکہ تھا جس میں اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے نامور فاتح کو میدانِ جنگ سے پسپا کیا تھا۔ بلاشبہ اس دن فرنگیوں نے رچرڈ کی کمان میں نہایت پرجوش جنگ لڑکر مسلمانوں کو نیچا دکھایا تھا مگر چوں کہ رچرڈ میں جنگی تجربے کی کمی تھی، اس لیے وہ اس کامیابی سے حسب توقع نتائج حاصل نہ کر سکا جبکہ سلطان صلاح الدین نے اپنی عسکری ہیئت بحال کرنے اور دوبارہ صف بندی میں چوبیس گھنٹے بھی نہ لگائے اور ثابت کر دیا کہ ارسوف سے القدس تک صلیبی سیلاب کو ہر قدم پر ایوبی کی شکل میں ایک فولادی حصار سے ٹکرانا پڑے گا۔

عصر کے وقت لشکرِ اسلام ارسوف سے چند میل دور دریا کے پار عوجاء کے سرسبز و شاداب علاقے میں منتقل ہو رہا تھا۔ سلطان کا خیمہ دریا کے کنارے ایک بلند ٹیلے پر لگا دیا گیا مگر سلطان نے خیمے میں وقت نہ گزارا۔ اگرچہ وہ بری طرح تھکے ہوئے اور طبعی طور پر بھی حد درجے افسردہ تھے مگر انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہ کیا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"اس دن کے حادثے سے سلطان کے دل پر جو بیت رہی تھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے...... یہی حال سپاہیوں کا تھا کہ ان میں سے بہت سوں کے بدن زخمی تھے اور بہت سوں کے دل۔" [5]

---

1. النوادر السلطانیہ: 277، الکامل فی التاریخ: 10/104
2. صلاح الدین لین پول: 230
3. النوادر السلطانیہ: 277
4. صلیبی جنگیں: 230
5. النوادر السلطانیہ: 278

اس کے علاوہ تقریباً ساری ہی فوج دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھکی ہاری ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ فوج اس قابل نہیں تھی کہ کوئی بھرپور جنگ لڑ سکتی مگر اس کے باوجود سلطان صلاح الدین دشمن کو ہرگز یہ تاثر نہیں دینا چاہتے تھے کہ مسلمان کمزور پڑ چکے ہیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ کل مسلمان از خود میدان میں نکل کر صلیبیوں کو جنگ کے لیے للکاریں۔ رات بھر لشکرِ اسلام تیار ہوتا رہا اور صبح سویرے نقاروں کی گونج اور تکبیر کے نعروں کے ساتھ سلطان فوج کو لے کر ایک بار پھر ارسوف کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مسلمان دن بھر میدان میں صفیں باندھ کر صلیبیوں کو قوت آزمائی کی دعوت دیتے رہے مگر صلیبی مقابلے پر نہ آئے۔ شاید ان پر دہشت طاری ہو چکی تھی یا پھر وہ گزشتہ روز کی جنگ کے باعث تھکے ہوئے تھے۔ ❶

ساحل کی آخری جھڑپ 16 شعبان (7 ستمبر) کو رچرڈ سلطان کے مقابلے سے کتراتے ہوئے یافا کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے حسبِ سابق فولادی قسم کی صف بندی قائم رکھی تھی اور فوج کو مسلمانوں سے الجھے بغیر پیش قدمی برقرار رکھنے کا پابند کیا تھا۔ اِدھر سے سلطان صلاح الدین فوج کو لے کر رچرڈ کے پہلو میں آ گئے۔ تیر اندازوں نے اتنے تیر برسائے کہ فضا میں ٹڈل دل اڑتا محسوس ہونے لگا مگر صلیبی کسی اشتعال اور بدنظمی کا مظاہرہ کیے بغیر دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اس دن کی کشمکش میں بدوؤں نے چار فرنگی مردوں اور ایک عورت کو گرفتار کیا جنہیں سلطان کے حکم سے جیل خانے بھیج دیا گیا۔

صلیبیوں کی ساحلی یلغار کے دوران یہ آخری جھڑپ تھی۔ اسی روز دن ڈھلے عیسائی دریائے یافا کی نشیبی وادی میں پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ دریا کے مغربی کنارے پر ٹھہر گیا جبکہ دوسرا حصہ دریا عبور کر کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن ہو گیا اب وہ یافا کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ ❷

اب یہ بات واضح تھی کہ فرنگی یونہی یافا سے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے 'عسقلان' تک چلے جائیں گے اور اس قدیم تاریخی شہر کی مضبوط فصیل اور بلند و بالا قلعے پر قبضے کی کوشش کریں گے تاکہ اس مقام کو چھاؤنی بنا کر وہ بیت المقدس پر بھرپور یلغار کر سکیں۔ رچرڈ نے جس عمدہ منصوبہ بندی کے ساتھ لشکرِ صلیب کو عکا سے یافا تک پہنچایا تھا اسے دیکھتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ وہ عسقلان تک پہنچنے اور پھر وہاں سے القدس پر حملہ کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ مسلمان متواتر دو ہفتوں سے اسے راستے میں روکنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ فیصلہ کن میدانی جنگ بیت المقدس سے دور لڑی جائے...... مگر ان کی کوششیں بے سود رہی تھیں...... پس اب ضروری ہو گیا تھا کہ دشمن کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے حکمت عملی میں تبدیلی کی جائے۔

---

❶ النوادر السلطانیہ: 277، 278 ❷ النوادر السلطانیہ: 278، 279

فصل:2

عسقلان

سلطان کے سامنے اب اصل مسئلہ بیت المقدس کی شاہراہوں کی ناکہ بندی کا تھا۔ صلیبی لشکر کے تعاقب اور چھاپہ مار حملوں کی حکمت عملی اب مزید کام نہیں دے سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ اب مسلمان القدس سے پہلے کسی مقام پر ناقابل تسخیر دفاعی خط قائم کریں اور پوری قوت سے صلیبیوں کے مقابل آئیں۔

سلطان کے نزدیک عسقلان اس مقصد کے لئے موزوں ترین مقام تھا۔ یہ گنجان آباد، خوبصورت اور پررونق تجارتی شہر، جو القدس کے مغرب میں بحیرۂ روم کے ساحل پر آباد تھا عسکری لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ شام سے مصر جانے والی شاہراہ یہاں سے گزرتی تھی اس لئے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کے دفاعی انتظامات بھی بے حد مضبوط تھے۔ فصیل کی چوڑائی بارہ سے پندرہ فٹ تک تھی۔ شہر کی وسعت کے باعث یہاں بڑی سے بڑی فوج آسانی سے رکھی جاسکتی تھی۔ [1]

سلطان کا شروع سے یہ خیال تھا کہ عکا کے بعد اگر کوئی شہر صلیبیوں کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے تو وہ عسقلان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے قیساریہ، حیفا اور یافا کو غیر محفوظ قرار دے کر ان کی فصیلوں کو از خود منہدم کروا دیا تھا مگر عسقلان کو جوں کا توں رہنے دیا تھا، کیونکہ یہ کوئی معمولی شہر نہیں تھا جو صلیبی آسانی سے فتح کر لیتے۔

اگر یہاں خوراک کے وافر ذخائر کے ساتھ ایک بڑی فوج اتار دی جاتی تو صلیبیوں کو ایک طویل عرصے تک یہاں رک کر محاصرانہ جنگ لڑنا پڑتی اور سلطان بیرونی حملوں کے ذریعے ان کا ناطقہ بند کر کے انہیں واپسی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ اس طرح صلیبی جنگ کا فیصلہ القدس کی حدود سے باہر ہی ہو جاتا۔ اس سوچ کے تحت سلطان ایوبی نے افواج کا بڑا حصہ ساحل سے ہٹانے اور متبادل راستہ اختیار کر کے فرنگیوں سے پہلے عسقلان پہنچنے کی کوشش کی تاکہ وہاں بروقت جنگ کی تیاری کی جا سکے۔

[1] کتاب الروضتین 4/280، معجم البلدان: عسقلان

17 شعبان 587ھ (8 ستمبر 1191ء) کو نمازِ فجر کے بعد سلطان نے ہراول دستوں کو دشمن کے قرب وجوار میں چھوڑ کر بقیہ لشکر کے ساتھ رملہ کے راستے عسقلان پہنچنے کے لیے جنوب مشرق کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں ہراول کے مخبر نے آکر بتایا کہ فرنگی یافا سے روانہ ہو رہے ہیں۔ یہ خبر نہایت پریشان کن تھی۔ اگر فرنگی مسلمانوں سے پہلے عسقلان پہنچ جاتے تو عسقلان کا بچاؤ ناممکن اور القدس کی حفاظت مشکل تر ہو جاتی۔ مگر دن کے پچھلے پہر جب سلطان بارہ تیرہ میل سفر کرنے کے بعد رملہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ یافا سے فرنگیوں کی روانگی کی اطلاع غلط تھی۔ گرفتار کیے گئے دو فرنگیوں نے سلطان کو بتایا کہ صلیبی چند دنوں تک یافا ہی میں رکیں گے اور قلعے کی مرمت کر کے وہاں افواج کو جمع کریں گے۔ یہ خبر اطمینان بخش تھی۔ گویا ابھی مسلمانوں کے پاس عسقلان پہنچنے کا وقت تھا۔ ۵

رملہ میں مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس: ایک ایک لمحہ بہت قیمتی تھا۔ سلطان ایوبی نے اسی دن رملہ میں شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور ان سے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں رائے طلب کی۔ اب لڑائی کی ممکنہ صورتیں دو ہی تھیں۔ پہلی یہ کہ عسقلان کو مرکز بنا کر فرنگیوں سے عکا کے محاذ کی طرح طویل لڑائی لڑی جائے۔ دوسرے یہ کہ عسقلان سے پیچھے ہٹ کر القدس کے راستے میں صف بندی کی جائے۔

سلطان کی اپنی رائے عسقلان کو مورچہ بنانے کی تھی۔ عکا کی طرح یہاں بھی سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ ان کے چند دلیر اور تجربہ کار امراء فوج کی بھاری تعداد اور غلے کے وافر ذخائر کے ساتھ شہر میں محصور ہو جائیں گے، جب فرنگی شہر کا محاصرہ کریں گے تو سلطان بقیہ فوج کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوں گے اور ایک طویل جنگ کے ذریعے انہیں مسلسل نقصانات سے دوچار کر کے ان کے عزائم کو تبدیل کر دیں گے۔

مگر امرائے فوج کی اکثریت نے عکا کے تلخ تجربات کے پیش نظر اس حکمت عملی کی مخالفت کی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ عسقلان میں مورچہ بندی کر کے وہ ایک بار پھر محاذ عکا جیسی مصیبت میں پھنس جائیں گے جس کے تین سالہ زخم ابھی تک نہیں بھرے تھے۔ امرائے فوج کا کہنا تھا کہ عسقلان کے دفاعی انتظامات چاہے کتنے بھی مضبوط بنا لیے جائیں، صلیبی ایک بار محاصرہ کرنے کے بعد اسے سر کر کے ہی دم لیں گے۔ پھر عکا کی طرح وہاں بھی فوج اور آبادی کا قتل عام ہوگا اور جس طرح عکا آخر کار ان کا مرکز بن کر مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے، عسقلان اس سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو کر القدس پر حملے کے لیے کیمپ کا کام دے گا۔

الرانِ لشکر نے یہ بھی کہا کہ القدس اور عسقلان دونوں کے قلعے اور فصیلیں مضبوط کرنے کے لیے

۵ [illegible]: 270

ایک لشکرِ جرار اور طویل مدت درکار ہے۔ جبکہ وقت اتنا کم ہے کہ ہم موجودہ نفری کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کو مضبوط تر بنا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عسقلان کی بہ نسبت القدس کا دفاع مستحکم کرنا زیادہ ضروری ہے۔ [1]

یہ تمام پہلو سلطان کے سامنے بھی تھے مگر وہ آخری جنگ کا میدان القدس کے مزید قریب لے جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر افسران کو عسقلان کے دفاع کے لیے ابھارنے کی کوشش کی مگر کسی نے سلطان کی پکار پر لبیک نہ کہا۔ بلکہ بعض امرائے فوج نے تو اپنی خدمات پیش کرنے سے معذرت کرتے ہوئے کہا:

”اگر آپ عسقلان کے دفاع پر مصر ہیں تو پھر آپ خود یا آپ کا کوئی صاحبزادہ عسقلان میں رہے تب تو ہم بھی آپ کی منشاء کی تعمیل میں آنکھیں بند کر کے عسقلان میں مورچہ بند ہو جائیں گے، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو ہم میں سے بھی کوئی عسقلان میں گھسنے کا نام نہیں لے گا کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ہمیں وہ مصائب پیش آئیں جن کا عکا والے نشانہ بنے۔“ [2]

کاتب عماد امرائے لشکر کی اس ضد پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر عسقلان کی حفاظت کی جاتی تو یہ بالکل درست ہوتا اور اس کا دفاع ممکن تھا مگر سلطان نے دیکھا کہ تمام امراء اس سے گریزاں اور خوفزدہ ہیں کیونکہ انہیں تین سال تک جاری عکا کی جنگ اور اس کی مدافعت نے ڈرا دیا تھا۔“

بہرکیف سلطان نے امراء کو اپنی تجویز سے بددل اور عسقلان کو محاذ بنانے سے خائف دیکھا تو اپنا منصوبہ ترک کر دیا کیونکہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ اس ذہن کے ساتھ فوج ہرگز عسقلان کی حفاظت نہیں کر پائے گی۔ مگر یہ سوال اب بھی باقی تھا کہ عسقلان کا کیا کیا جائے؟ کیا اسے فرنگیوں کے حوالے کر دیا جائے؟ عسقلان چونکہ مصر اور شام کی شاہراہ پر واقع تھا اس لیے اس پر فرنگیوں کے قبضے کا مطلب تھا کہ مصر سے مسلمانوں کی کمک کا زمینی راستہ مسدود ہو جائے اور دشمن کو القدس پر حملے کے لیے شاہراہ میسر آ جائے۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

اس موقع پر سلطان کے مشیر سلیمان بن جندر نے ارکانِ شوریٰ اور امرائے لشکر کی رائے کی حمایت کرتے ہوئے سلطان کو یہ رائے دی کہ قیساریہ، یافا اور حیفا کی طرح عسقلان کو بھی آبادی سے خالی

---

[1] النوادر السلطانیہ: ص279، کتاب الروضتین: 4/283، الکامل فی التاریخ: 10/209،208

[2] الکامل فی التاریخ: 10/208_209

کرا کے تباہ کر دیا جائے تا کہ وہ ہمارے نہ سہی دشمن کے بھی کام نہ آسکے۔ [1]

سلطان ایوبی کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اس عظیم الشان شہر کی حفاظت نہ کرنے کی صورت میں اسے خود تباہ کرنا ناگزیر ہوگا۔اب وہ یہ دردناک فیصلہ کرنے پر مجبور تھے۔اس طرح اسی مجلس میں عسقلان کی تباہی پر اتفاق کرلیا گیا۔یہ بھی طے ہوا کہ لشکر اسلام کا ایک حصہ الملک العادل اور دیگر افسران کی قیادت میں فرنگی لشکر کے آس پاس منڈلاتا رہے گا تا کہ سلطان کو ان کی نقل وحرکت کی تازہ بتازہ خبریں ملتی رہیں اور کسی فوری امکانی خطرے کا تدارک بھی ہوسکے۔

سلطان عسقلان کی تخریب کا کام جلد از جلد اپنی نگرانی میں کرانا چاہتے تھے، کیونکہ اگر ذرا بھی تاخیر ہوجاتی تو فرنگی سر پر پہنچ سکتے تھے اور سارا منصوبہ چوپٹ ہوسکتا تھا۔چنانچہ مجلس مشاورت کے بعد رات ہوتے ہی لشکر کا ساز وسامان بار برداری کے اونٹوں پر رملہ سے عسقلان روانہ کر دیا گیا۔نصف شب کو الملک الافضل نے فوج کے ساتھ کوچ کیا۔اگلے دن (18 شعبان 587ھ/ 9 ستمبر 1191ء) کو سحر کے دھندلکے میں سلطان بقیہ لشکر سمیت پا بہ رکاب ہوئے۔وہ نہایت تیزی سے سفر کرتے ہوئے دن ڈھلے عسقلان کے قریب پہنچ گئے اور شہر کے شمال میں پڑاؤ ڈال دیا۔اس خوبصورت اور گنجان آباد تجارتی شہر کو خود اپنے ہاتھ سے تباہ کرنے کا تصور سلطان کے لیے بڑا یاس انگیز تھا۔رات بھر وہ اس فکر میں غلطاں رہے اور بمشکل تھوڑی دیر سوسکے۔ [2]

<u>اس شہر کا ایک پتھر اُکھاڑنا بھی......</u> سحر کے دھندلکے میں انہوں نے قاضی ابن شداد اور شہزادہ الملک الافضل کو اپنے پاس بلایا اور دیر تک ان سے مشورہ کرتے رہے۔وہ عسقلان سے شہریوں کے انخلاء اور اس کی عمارتوں کے انہدام کے مضمرات، عواقب اور دیگر عملی پہلوؤں پر گفتگو کررہے تھے۔اسی دوران انہوں نے درد بھرے لہجے میں کہا:

> ''اللہ کی قسم اس شہر کا ایک بھی پتھر اکھاڑنا میرے لیے اپنی تمام اولاد کی ہلاکت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔مگر جب مشیت الٰہی کا فیصلہ یہی ہے اور اس نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اسے ناگزیر بنا دیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں!!'' [3]

اتنے بڑے فیصلے میں دلی تردد اور اضطراب دور کرنے کے لئے سلطان نے اس دن بارگاہِ الٰہی میں استخارہ کیا۔صبح تک انہیں اس فیصلے پر اطمینان ہوگیا۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں:

---

[1] الروضتین: 281/4 [2] کتاب الروضتین 292/4 [3] النوادر السلطانیۃ: 280

''سلطان نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس شہر کو ویران کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہے کیونکہ مسلمان اس کی حفاظت نہیں کر سکتے۔''

سلطان نے اگلے دن (19 شعبان/ 10 ستمبر کو) شہر کے والی کو بلوا کر اسے شہریوں کے انخلاء اور عمارتوں کے انہدام کی کاروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔ [1]

عسقلان! روزِ محشر ؎ یہ بڑے ہنگامے کا دن تھا۔ شہر کے گلی کوچوں میں منادی کی جا رہی تھی کہ لوگ فوری طور پر گھروں کو خالی کر کے محفوظ علاقوں کو چلے جائیں۔ جہاں جہاں یہ صدا پہنچتی لوگ مال واسباب باندھ کر گھروں سے نکلنے لگتے۔ یہ لوگ حکمِ سلطانی سے مجبور اور صلیبیوں کے حملے کے خیال سے دہشت زدہ تھے۔ عسقلان جیسا پرامن اور خوبصورت شہر انہیں بے حد محبوب تھا۔ وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنے گھر جائداد اور کاروبار کو چھوڑ کر یہاں سے کہیں اور جانے پر تیار نہ ہوتے مگر حالات نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ ان کی آہوں اور سسکیوں کی آوازیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔ یہ منظر بڑا دردناک تھا۔

نقل مکانی کرنے والوں کا جم غفیر شہر سے نکل کر سلطان کی لشکر گاہ کی سمت آ رہا تھا کیونکہ دشمن کے حملے کا خطرہ انہیں لرزائے دے رہا تھا۔ کیمپ میں انہیں فوری پناہ مل سکتی تھی۔ اس دوران لوگوں کو کرائے پر سواریاں دینے والے شتربان بڑی تعداد میں اپنے جانوروں سمیت آن موجود ہوئے تھے مگر نقل مکانی کرنے والے لوگ بہت زیادہ تھے۔ یہ دیکھ کر مالدار افراد بڑھ چڑھ کر کرائے دینے پر آمادہ ہو گئے۔ شتربانوں نے بھی کرایے بہت بڑھا دیے۔ قریبی شہروں تک کا کرایہ مصر اور شام کے کرایے سے بڑھ گیا۔ جن لوگوں کے پاس اتنا کرایہ ادا کرنے کی سکت نہ تھی وہ پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے۔ چونکہ گھروں کا سارا ساز و سامان ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا اس لیے روانگی سے قبل لوگوں نے اکثر سامان اونے پونے داموں پر بیچ ڈالا۔ گرد و نواح سے موقع شناس تاجروں کی ٹولیاں یہاں پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے ہزار ہزار درہم کے اثاثے سو، سو میں خرید لئے۔ اس کے باوجود بھاری مال و متاع کے اَن گنت ذخائر گھروں میں رہ گئے جنہیں نکالنے کا وقت نہیں تھا۔

شہریوں کے انخلاء کے فوراً بعد سپاہی اور مزدور شہر میں داخل ہو گئے۔ فصیل اور قلعے کے انہدام کا کام شروع ہو گیا۔ سلطان کا یہ حال تھا کہ وہ بنفس نفیس شہریوں کی دیکھ بھال اور عمارتوں کے انہدام کا کام کروا رہے تھے۔ کبھی وہ خیمہ گاہ میں اِدھر سے اُدھر لپکتے، کبھی شہر کے ویران بازاروں اور گلیوں میں گھومتے دکھائی دیتے۔ انہوں نے شہر کی فصیل اور برجوں کے مختلف حصوں کو افراد پر تقسیم کر دیا تھا، اور

[1] النوادر السلطانیۃ: 280

حصے پر الگ الگ افسر اور نگران مقرر کر دیے تھے۔
عسقلان کے خانماں برباد شہریوں نے نہایت حسرت ورنج کے عالم میں یہ رات معسکرِ سلطانی کے خیموں تلے گزاری۔ سلطان کو بھی شہر کی تباہی کا بڑا دکھ تھا۔ عوام کی پریشان حالی بچشم خود ملاحظہ کر کے وہ اتنے دلگیر ہوئے کہ بہر صورت جنگ ختم کرنے پر غور کرنے لگے۔ ❶
حسنِ اتفاق سے اسی شب الملک العادل کی جانب سے اطلاع ملی کہ فرنگی صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے لکھا کہ ابن ہنفری نے خود اس سے ملاقات کی ہے اور صلح کے لیے ساحل کے تمام شہر حوالے کرنے کی شرط رکھی ہے۔ یہ وہی شرط تھی جو رچرڈ پہلے پیش کر کے مسلمانوں کا انکار سن چکا تھا مگر اس بار سلطان نے مصلحتِ وقت کا لحاظ کر کے لچک دار رویہ اپنایا۔ دراصل وہ حریف کو باتوں میں لگا کر عسقلان کے حالات سے بے خبر رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے الملک العادل کو بھی لچک دار رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور فرنگیوں کی پیش کش اور شرط قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی اسے دے دیا مگر اس کے باوجود سلطان کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں چالباز دشمن کو عسقلان کی حالت کا علم نہ ہو گیا ہو اور وہ اچانک یہاں نہ پہنچ جائے۔
چنانچہ اگلے دن صبح ہی سے شہر کی توڑ پھوڑ کا عمل تیز تر کر دیا گیا۔ گوداموں میں اب بھی اناج کے بڑے بڑے ذخائر موجود تھے جنہیں ایک دن میں منتقل کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ جو چاہے گوداموں سے جتنا اناج چاہے نکال کر لے جائے۔ ❷
شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ✺ شہر خالی ہوتے ہی مشعل بردار سپاہی اس کے گلی کوچوں میں پھیل گئے۔ مکانات کو آگ لگا دی گئی۔ دھویں کے مرغولوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا۔ دن بھر شہر سے شعلے بلند ہوتے رہے۔ لوگوں کے ساز و سامان اور سرکاری اموال و اَجناس کے اَن گنت ذخائر جو اب تک منتقل نہیں کیے جا سکتے تھے، جل کر خاکستر ہو گئے۔ 21 شعبان (12 ستمبر) کو سلطان نے معسکر کے ذخیرۂ خوراک و رسد کو شہر کے قریب منتقل کرا لیا تا کہ اس کے شتربان، مزدور اور غلام بھی فصیل کے انہدام میں حصہ لے سکیں۔ تیرہ چودہ فٹ چوڑی، بیس پچیس فٹ بلند اور کئی فرلانگ لمبی فصیل کو ڈھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً اس کے برج نہایت مضبوط تھے۔ آخر کار فصیل کو کمزور کرنے کے لیے آتشیں کارروائی سے کام لیا گیا۔ ہزاروں سپاہی ایندھن کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر کے فصیل کی بنیادوں اور برجوں کے اندرونی حصوں میں بھرتے رہے۔ پھر انہیں نذرِ آتش کر دیا گیا۔ کئی دنوں تک آگ کی

❶ النوادر السلطانیہ: 281، الکامل فی التاریخ: 10/209 ❷ النوادر السلطانیہ: 281

لپٹیں آسمان سے باتیں کرتی رہیں۔ فصیل اور برج چٹختے رہے۔ جب ان میں دراڑیں پڑجاتیں تو مزدور کدالیں اور دوسرے اوزار لے کران پر ٹوٹ پڑتے۔ آخر کاراس طرح فصیل کا اکثر حصہ زمین بوس کر دیا گیا۔ ❶

سلطان اس کارروائی کو ہر لحاظ سے مکمل بنانے کے لیے اتنے فکر مند تھے کہ انہوں نے فصیل سے نکلنے والے پتھر سمندر میں پھینکوانا بھی ضروری سمجھا تا کہ فرنگی یہاں آ کر فصیل کو آسانی سے دوبارہ تعمیر نہ کرسکیں۔ پتھروں کا یہ پہاڑ سمندر میں ڈالنا ایک الگ مہم تھی مگر سلطان نے اسے پورا کر کے دم لیا۔ ❷

اسے مسلمانوں کی خوش قسمتی کہیں یا فرنگیوں کی غفلت کہ انہیں عسقلان میں ہونے والی اتنی بڑی کارروائی کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ مخبر سلطان کو اطلاعات دیتے رہے کہ فرنگی بے فکری سے یافا کی تعمیر اور فصیل کی مرمت میں لگے ہوئے ہیں۔ الملک العادل نے بھی عسقلان کا معاملہ بخیر و بخوبی نمٹا دیکھ کر بڑی سمجھداری سے کام لیا۔ اسے سلطان کی جانب سے حریف کی شرائط پر صلح کر لینے کا اختیار مل چکا تھا مگر اس کے باوجود اس نے مذاکرات کو بے نتیجہ ملاقاتوں کے ذریعے طول دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ سلطان کی اصل منشا کو وہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ❸

سلطان بستر علالت پر ※ عسقلان کی تخریب کے دوران مسلسل محنت، تکان اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے سلطان کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ دو دن تک وہ اس قدر بے حال رہے کہ کچھ کھا پی سکے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکے۔ اس دوران ماہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا۔ عسقلان کی شہر پناہ تو منہدم ہو چکی تھی مگر ایک قلعہ نما عظیم الشان برج باقی تھا جو ہاسپٹلرز نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی چنائی اتنی مضبوط تھی کہ اس کے پتھروں پر کدالیں بمشکل اثر کرتی تھیں۔ اس برج سے بحیرۂ روم کا نیلا پانی صاف نظر آتا تھا۔ ادھر سلطان کو ہراول دستوں کے سالار جردیک نے جو صلیبی افواج کے گرد منڈلا رہا تھا اطلاع بھجوادی تھی کہ دشمن یافا سے نکل کر قرب وجوار کے علاقوں میں لوٹ مار کرنا چاہتا تھا۔ سلطان ان لٹیرے صلیبیوں پر بے خبری میں حملہ کرنا چاہتے تھے مگر اس برج کو اپنے سامنے تباہ کرنے کے لیے وہ رک گئے تھے۔

یکم رمضان کو وہ خود بستر پر تھے۔ انکی نیابت میں شہزادہ الافضل برج کو ایندھن سے پاٹ رہا تھا۔ سپاہ کو حوصلہ دلانے کیلئے وہ خود لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔ جب اس ایندھن کو آگ دکھائی گئی تو پورا برج ایک شعلہ بار نیزے کی طرح دہکنے لگا۔ دو دن اور راتوں تک جلنے اور چٹخنے کے بعد آخر کار برج سرنگوں ہو گیا۔ ❹

---

❶ النوادر السلطانیۃ: 281
❷ الکامل فی التاریخ: 10/209
❸ النوادر السلطانیۃ: 282
❹ النوادر السلطانیۃ: 282، 283

عسقلان کی تباہی کا حاصل: اگرچہ عسقلان کی تخریب کا فیصلہ سلطان کی ذاتی رائے کے خلاف اور ان کی طبیعت پر بہت گراں تھا مگر مشاورت اور استخارے کے بعد جب انہیں اس میں خیر کا یقین ہوگیا تو ذاتی رجحان کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اس پر عمل کرنے میں غیر معمولی مستعدی دکھائی۔ بعد میں حالات نے ثابت کردیا کہ یہ فیصلہ درست تھا۔ اس سے مسلمانوں کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ ایک محدود میدان میں لڑنے کی قید سے آزاد ہوگئے۔ سلطان اب افواج کو جہاں چاہے جمع کرسکتے تھے اور حسب موقع لڑائی کا انداز تبدیل کرسکتے تھے۔ اب فیصلہ کن جنگ کے لیے اپنی تمام قوت ایک نکتے پر مرکوز کرنا دشوار نہیں تھا۔

عسقلان کی تباہی سے صلیبیوں پر نفسیاتی رعب بھی پڑا۔ جب انہیں یہ خبر ملی کہ ان کا مجوزہ فیصلہ کن مورچہ ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے تو وہ ششدر رہ گئے۔ انہوں نے ساحل کے ساتھ مزید پیش قدمی کا ارادہ ترک کردیا۔ رچرڈ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ جو شخص القدس کی حفاظت کے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے، اس پر غالب آنا بہت مشکل ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ سلطان ایوبی جیسا مسلمان القدس کو بچانے کے لیے ہر حد سے گزر سکتا ہے۔ [1]

عاشق القدس اپنے مرکزِ عشق میں: عسقلان کا گرم اور مرطوب موسم سلطان کو راس نہیں آیا تھا اس لیے ان کا یہاں مزید رکنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان پہلا روزہ گزارنے کے بعد نصف شب کو بیت القدس کے راستے محفوظ تر بنانے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عسقلان کی تباہی کا بقیہ کام اپنے بیٹے الملک الافضل اور دوسرے امراء کے حوالے کردیا تھا۔

3 رمضان (24 ستمبر) کو انہوں نے 'لد' اور 'رملہ' کے درمیان پڑاؤ ڈالا اور دونوں بستیوں کو خالی کرا کے ان کے انہدام کی کارروائی شروع کرادی۔ وجہ یہ تھی کہ لد میں ایک عالی شان گرجا تھا جو صلیبیوں کی پناہ گاہ بن سکتا تھا، اسی طرح وہ رملہ کے قلعے کو بھی استعمال کرسکتے تھے۔

سلطان کی افواج نے اس علاقے میں کیمپ لگالیا اور کچھ دنوں کے لیے یہی مقام سلطانی لشکر کا معسکر بن گیا۔ 4 رمضان 587ھ کو افطار سے فارغ ہوکر سلطان چند خواص اور تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ القدس روانہ ہوئے۔ رات بیت نوبہ میں گزار کر اگلے دن وہ اپنی محبت، عشق اور جدوجہدِ حیات کے مرکز میں کھڑے تھے۔

دن بھر وہ شہرِ مقدس کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے کر کمزور پہلوؤں کے ازالے کی ہدایات جاری کرتے رہے۔ [2]

---

[1] سکا ئمگیں: 243   [2] النوادر السلطانیہ: 283، 284

جب رچرڈ نرغے میں آیا: اس دوران یافا میں ڈیرے ڈالنے والے لشکرِ صلیب اور اس کے ارد گرد متحرک رہنے والے لشکرِ اسلام میں چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہونے لگیں۔ فرنگی جب چارے اور شکار کی تلاش میں جنگلوں کی طرف نکلتے تو مسلم جانباز ان پر بے خبری میں دھاوا بول دیتے اور بہت سوں کو مار گراتے، کئی ایک کو گرفتار بھی کر لیتے۔

ایسی اِک جھڑپ میں خود رچرڈ مسلمانوں کے مقابل آ گیا۔ وہ چھاپہ مار مسلمانوں پر جارحانہ حملہ کرنے نکلا تھا۔ وہ ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر نیند کی آغوش میں تھا کہ مسلمانوں نے اچانک وہاں یلغار کر دی۔ رچرڈ اور اس کے ساتھی ہڑبڑا کر بیدار ہوئے اور چند لمحوں کے اندر اندر یہاں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اس معرکے میں صلیبیوں کے کئی اہم افسران مارے گئے۔ رچرڈ دیر تک لڑتا رہا۔ اس نے شمشیر زنی کے خوب جوہر دکھائے مگر آخر گھیرے میں آ گیا، قریب تھا کہ ایک مجاہد نیزے کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیتا کہ اچانک اس کا ایک جاںنثار ہم قوم سامنے آ گیا اور نیزے کا وار کھا کر مارا گیا۔ ادھر رچرڈ کا ایک اور وفادار انگریز ساتھی چیخا:

"میں ہوں بادشاہ!!"

یہ ایک مشہور نائٹ ولیم آف پیرو تھا۔ مسلمان رچرڈ کو نہیں پہچانتے تھے اس لیے ولیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کی شان و شوکت اور لباس کی غیر معمولی چمک دمک نے ان کو یقین دلایا کہ یہی رچرڈ ہے۔ چنانچہ وہ اسے گرفتار کر کے واپس ہو گئے۔ رچرڈ زخمی حالت میں بمشکل جان بچا کر واپس آیا۔ قاضی ابن شداد کے روزنامچے کے مطابق یہ واقعہ 8 رمضان 587ھ (29 ستمبر 1191ء) کا ہے۔[1]

ان جھڑپوں کے علاوہ سلطان کے خصوصی تربیت یافتہ تین سو عرب بدو بھی صلیبیوں کے لیے ایک مصیبت ثابت ہو رہے تھے۔ عکان کی طرح وہ یافا میں بھی رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر دبے پاؤں صلیبی معسکر میں گھس جاتے تھے اور اکیلے دُکیلے صلیبیوں کو خنجر کی زد پر اغوا کر لیتے تھے۔ 9 رمضان (30 ستمبر) کو سلطان ایوبی القدس سے اپنے معسکر لوٹ آئے اور صلیبی لشکر کی پیش قدمی کے ممکنہ راستوں کو انسانی ضروریات سے خالی کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔[2]

صلیبیوں کا ذہنی انتشار اور عیاشیاں: ماہِ رمضان کے بابرکت دنوں اور روح پرور راتوں کے ساتھ موسم گرما بیتتا جا رہا تھا۔ خزاں کی آمد آمد تھی۔ روزہ دار مسلمان اپنی سرحدوں کو مضبوط اور دلوں کو آباد کر رہے تھے جبکہ صلیبی یافا میں شراب و کباب کے مزے لوٹ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ انہیں بیت المقدس

---

[1] النوادر السلطانیہ: 284، صلیبی جنگیں: 246_247 [2] النوادر السلطانیہ: 285

پر قبضہ کرنے کی کوئی جلدی نہیں رہی۔ اگر رچرڈ انہی دنوں مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے القدس کی طرف پیش قدمی شروع کر دیتا تو مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا مگر کسی خاص وجہ کے بغیر صلیبی یلغار ملتوی ہوتی گئی۔

رچرڈ یہ سوچ رہا تھا کہ آگے بڑھنے سے قبل القدس کے قریب قلعہ بندی ضروری ہے۔ اس لیے وہ یافا کی فصیل تعمیر کرانے میں مصروف رہا جسے سلطان نے ایک ڈیڑھ ماہ قبل منہدم کروا دیا تھا۔ صلیبی سپاہیوں کی بڑی تعداد ان دنوں کو تعطیلات تصور کر کے واپس عکا چلی گئی جہاں رہائش اور آسائش کی سہولتیں نسبتاً بہتر تھیں۔ عکا میں صلیبیوں کے ساتھ آنے والی فاحشہ عورتوں نے قحبہ خانے آباد کر دیے تھے، ان کے دروازوں پر فرنگی جیالوں کا اتنا رش ہوجاتا کہ قطار بنانا پڑتی تھی۔ فرنگیوں کا یہ آوارہ پن مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تیاری کا موقع فراہم کر رہا تھا۔ [1]

<u>ایک اہم سوال</u>: ہمارے لیے یقینی طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ آخر رچرڈ یافا سے براہ راست القدس پر فوج کشی کا منصوبہ بندی کیوں نہ بنا سکا؟ یہ سوال اپنی اہمیت اسی وقت ثابت کر سکتا ہے جب آپ نقشے میں یافا کو بغور دیکھیں۔ یہ ساحلی شہر عسقلان اور بیت المقدس دونوں سے تقریباً یکساں فاصلے پر ہے۔ یافا کے جنوب میں عسقلان ہے اور جنوب مشرق میں القدس۔ گویا تینوں شہر ایک تکون کے تین نقاط پر واقع ہیں۔

القدس پر یلغار کے لیے یافا کو مرکز بنایا جاتا یا عسقلان کو، بظاہر بات ایک ہی تھی۔ دونوں صورتوں میں تین چار دن سفر کر کے القدس کا محاصرہ کیا جا سکتا تھا۔ صلیبی جو 17 شعبان 587ھ (8 ستمبر) کو یافا پہنچے تھے، اگر فی الفور جنوب مشرق کا رخ کر لیتے تو چوتھے دن بیت المقدس کے سامنے ہوتے۔ آخر انہیں کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے تقریباً دوگنا طویل راستہ طے کرنے کا منصوبہ بنایا اور عسقلان پر پہلے قبضہ کرنا ضروری خیال کیا۔

یہ ایک اہم سوال ہے۔ غور و فکر سے اس کی درج ذیل ممکنہ وجوہ سامنے آتی ہیں:

1- صلیبی افواج کو القدس پر حملے سے پہلے قریبی علاقے میں ایک سے زیادہ محفوظ قلعہ بند شہروں کی ضرورت تھی تاکہ ان کی پشت مضبوط اور کمک و رسد محفوظ رہے۔ اسی لیے رچرڈ یافا اور عسقلان دونوں کو عسکری مراکز کے طور پر استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ اس طرح صلیبی افواج اس پوزیشن میں آجاتیں کہ شمال مغرب اور جنوب مغرب دونوں اطراف سے القدس پر حملہ کر سکیں۔ چنانچہ رچرڈ نے یافا کی فصیل کو تعمیر کرانے کے ساتھ ساتھ عسقلان پر قبضے کی منصوبہ بندی باقی رکھی۔ مگر

[1] سلیمی مجلہ: 249، 250، صلاح الدین لین پول: 245

عسقلان کی تباہی کی خبر نے اس کے فوری منصوبے پر پانی پھیر دیا اور القدس پر دوطرفہ حملے کا خواب ادھورا رہ گیا۔

2- رچرڈ یافا کے ساتھ عسقلان پر قبضے کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کرتا تھا کہ اس صورت میں ساحل سے ہٹنے کے باوجود صلیبی لشکر کے پہلو خاصے محفوظ ہوتے کیوں شمال اور جنوب کے دونوں نقاط جن کے درمیان لشکرِ صلیب رواں دواں ہوتا جب صلیبیوں کے قبضے میں ہوتے تو سلطان کی افواج کو چھاپہ مار حملوں میں بڑی مشکل پیش آتی اس کے برخلاف اگر عسقلان پر قبضہ کیے بغیر یافا سے سیدھا القدس پر حملہ کیا جاتا تو صلیبی افواج کے دونوں پہلوؤں پر سلطان کے چھاپہ مار بجلیاں گراتے رہتے۔ اس سے قبل عکا سے یافا تک صلیبی لشکر ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا لہٰذا اس کا ایک پہلو سمندر کی وجہ سے بالکل محفوظ رہا تھا اور اسلامی افواج اس کے صرف ایک پہلو پر حملے کر پائی تھیں۔ مگر صلیبیوں کے ساحل چھوڑ کر میدانی علاقوں میں داخل ہوتے ہی سلطان کے چھاپہ مار زیادہ آزادی سے ان کا شکار کھیل سکتے تھے۔ صلیبی تو یافا تک سلطان کے یک پہلوی حملوں سے ہی نڈھال ہو چکے تھے۔ اب دائیں بائیں اور سامنے سے ہمہ جہتی حملوں کا تصور ان کے نزدیک بڑا ڈراؤنا تھا۔ اس طریقِ جنگ کا ان کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ اس صورتحال میں اگر وہ یافا سے سیدھا القدس کا رخ کرتے تو بعید نہ تھا کہ یہ چالیس پچاس میل کا علاقہ حطین کے میدان کی طرح ان کا قبرستان بن جاتا۔ غالباً انہی وجوہ سے رچرڈ یافا سے آگے بڑھنے میں متذبذب رہا اور احتیاط کے تمام تقاضے پورے کرنے کی تگ و دو کرتا رہا۔

فصل:3

مراسلے، ملاقاتیں اور صلح کے مذاکرات

صلیبیوں کی فراغت، عیش پروری اور تن آسانی نے انہیں کچھ ہی دنوں میں اپنا مشترکہ مقصد بھلا دیا۔ ان کے قائدین اس جنگ سے اپنے اپنے مفاد کے بارے میں سوچ رہے تھے اور سپاہی اپنی موج مستیوں میں غرق تھے۔ سب سے پہلے صور میں مقیم تندمزاج اور عیار کونرڈ مارکوئیس نے صلیبیوں سے الگ ہو کر ساحل شام پر اپنی سلطنت کی توسیع کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ وہ شروع ہی سے دوسرے صلیبی حکام سے نالاں رہا تھا۔ مارکوئیس کو یہ سن گن بھی مل چکی تھی کہ رچرڈ القدس کی مہم سے فارغ ہو کر اس سے صور چھیننے کا خواہاں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صلیبی افواج کے شانہ بشانہ لڑنے کی بجائے صور میں اینٹھا تھا، اسے رچرڈ پر بالکل اعتماد نہیں تھا۔ وہ اب سلطان سے رابطہ قائم کرنے کی فکر میں تھا مگر اس سے پہلے اس نے رچرڈ کو ایک جلا بھنا خط لکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اس نے لکھا:

"تم جیسا شخص بادشاہت کے قابل ہے نہ لشکروں کی قیادت کے۔ تم یہ سن کر بھی اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہے کہ صلاح الدین نے عسقلان کو تباہ کر ڈالا۔ ارے احمق جب تم نے سنا کہ وہ عسقلان کی توڑ پھوڑ شروع کر چکا ہے تو تمہیں اسی وقت تیزی سے پیش قدمی کرنا چاہیے تھی۔ اگر ایسا کرتے تو بغیر جنگ اور محاصرے کے بڑی سہولت سے شہر پر قبضہ کر سکتے تھے کیونکہ صلاح الدین نے اسے اسی لیے تباہ کیا تھا کہ وہ اس کے دفاع سے عاجز تھا۔ مسیح کی قسم! اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا تو عسقلان آج ہمارے قبضے میں ہوتا، اس کا ایک برج بھی گرنے نہ پاتا۔"[1]

کونرڈ کا یہ خط ثابت کرتا ہے کہ وہ رچرڈ کی جگہ صلیبی لشکر کی قیادت خود کرنا چاہتا تھا۔ اس سے قبل وہ گائی سے القدس کی بادشاہت کے لیے بھی جھگڑ چکا تھا۔ اب اس عیار کو اپنے مقاصد کا حصول سلطان سے صلح کرنے میں نظر آ رہا تھا چنانچہ اس نے سلطان سے سودے بازی کی کوشش شروع کر دی۔ اس کا

[1] الروضتین: 10/283

سفیر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیام دیا کہ کونرڈ صلح کے لیے تیار ہے بشرطیکہ صیدا اور بیروت اس کے حوالے کردیے جائیں۔ بدلے میں وہ نہ صرف صلیبیوں کے مقابل کھڑا ہو جائے گا بلکہ ان سے عکا چھین کر سلطان کے حوالے کردے گا۔

یہ پیش کش دل فریب ضرور تھی مگر کونرڈ جیسے مکار انسان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جانتے تھے کہ جو شخص اپنوں کو دھوکہ دے رہا ہے وہ ان سے معاملات کیسے صاف رکھ سکتا ہے؟ عین ممکن تھا کہ مسلمانوں سے صیدا اور بیروت حاصل کرنے کے بعد وہ دوبارہ صلیبیوں سے جا ملتا۔ اس لیے سلطان نے احتیاط سے کام لیا۔ [1]

ان کا سفیر 12 رمضان 587ھ (3 اکتوبر 1191ء) کو جواب میں یہ پیغام لے کر صور روانہ ہوا کہ کونرڈ پہل کرتے ہوئے سب سے پہلے صور میں قید مسلمانوں کو رہا کرے، پھر فرنگیوں سے اتحاد ختم کرکے عکا کا محاصرہ کرے اور اسے آزاد کرانے کے بعد مسلمانوں کے حوالے کردے۔ تب مسلمان صیدا اور بیروت اس کے سپرد کریں گے۔ سلطان کا جواب مارکوئیس کی توقعات کے خلاف تھا۔ تاہم اس نے سلطان کی بات کو رد نہیں کیا اور سوچ بچار کرتا رہا۔ [2]

رچرڈ کی پریشانیاں اور نئی مصروفیات ❁ رچرڈ کو کونرڈ کی سلطان سے رابطے کی بھنک پڑ گئی۔ صلیبی اتحاد میں اتنا بڑا رخنہ پڑتا دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا، اس نے کونرڈ کو سمجھا بجھا کر اپنی صفوں میں واپس لانے کی کوشش شروع کردی۔ پھر وہ شراب و کباب کے دلدادہ صلیبیوں کو محاذ پر واپس لانے کے لیے عکا پہنچا تاکہ از سر نو فوج ترتیب دی جاسکے۔

ادھر 13 رمضان (4 اکتوبر) کو سلطان نے رملہ سے ہٹ کر کو نطرون کے قریب پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ یہاں انہیں اطلاع ملی کہ صلیبی جنگ کا اہم کردار شاہِ فرانس فلپ آگسٹس جو وطن واپسی سے پہلے اٹلی میں ٹھہرا ہوا تھا، دنیا سے چل بسا ہے۔ سلطان نے اندازہ لگالیا کہ دشمن کو اپنی صفیں مرتب کرکے القدس پر یلغار کرنے میں اب مزید چند ماہ لگ جائیں گے۔

سلطان کے پڑاؤ کے سامنے کو نطرون پر ٹمپلرز کا سابقہ مرکز "قلعہ نطرون" واقع تھا۔ کسی زمانے میں یہ نہایت مضبوط مورچہ تھا مگر چند برس پہلے جب سلطان نے اس پر قبضہ کرنے لیے حملہ کیا تھا، تب سے اس کی دیواریں کمزور ہوچکی تھیں۔ سلطان نے اب اس خدشے سے اسے بالکل منہدم کرادیا کہ کہیں فرنگی اسے مرمت کراکے اپنا مورچہ نہ بنالیں۔ 19 رمضان 587ھ (10 اکتوبر 1191ء) کو وہ ایک بار

[1] النوادر السلطانیہ: 285
[2] النوادر السلطانیہ: 286

پھر بیت المقدس آئے اور اس کے دفاعی انتظامات اور تعمیراتی کاموں کا جائزہ لیا۔ ①

ان دنوں انہیں اپنے دستِ راست تقی الدین عمر کی شدید کمی محسوس ہو رہی تھی جو کئی ماہ سے الجزیرہ اور شمالی عراق میں اپنی قلمرو وسیع کرنے میں مصروف تھا۔

رچرڈ عکا میں بیمار پڑ گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ وہاں رنگ رلیاں منانے والے صلیبی سپاہیوں کو یافا واپس چلنے کی ترغیب دیتا رہا۔ لین پول کے بیان کے مطابق اس کی جوشیلی تقریر کا خاصا اثر ہوا اور صلیبی ایک بار پھر مقدس جنگ شروع کرنے کے لیے بیدار ہونے لگے۔ ②

<u>شیرکوہ کا قصہ</u> ﷺ انہی دنوں عکا میں قید سلطان کا ایک امیر شیرکوہ بن باخل فرار ہو کر سلطان سے آن ملا۔ عکا کے قید خانے میں وہ اپنے ایک دوسرے قیدی ساتھی حسن بن باریک کے ساتھ مل کر چپکے چپکے رسیوں کے ٹکڑے جمع کرتا رہتا تھا۔ 21 رمضان کی شب دونوں ایک بیت الخلاء کے روشن دان سے فصیل کی طرف نکل بھاگے، اندرونی فصیل عبور کرنے کے بعد جب وہ رسیوں سے لٹک کر بیرونی فصیل پار کر رہے تھے کہ حسن کی رسی ٹوٹ گئی اور وہ گر کر زخمی ہو گیا۔ اتنے میں شیرکوہ صحیح سلامت نیچے اتر آیا اس نے حسن کو سہارا دے کر ساتھ لے چلنے کی کوشش کی مگر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے اٹھا کر لے جانے کی کوشش میں شیرکوہ خود پکڑا جاتا کیوں کہ اب تک اس کے پاؤں میں بیڑیاں بندھی تھیں۔ آخر وہ حسن کو چھوڑ کر فرار ہو گیا اور جنگلوں میں چھپتا چھپاتا سلطان کی خدمت میں آن پہنچا۔ سلطان اس کے بچ کر نکل آنے پر بہت مسرور ہوئے۔ انہیں اس سے عکا میں رچرڈ کی تازہ مصروفیات اور اپنے قیدیوں کے تفصیلی حالات بھی معلوم ہوئے۔ ③

22 رمضان (13 اکتوبر) کو سلطان کو خبر ملی کہ رچرڈ سپاہ کی بھاری تعداد کے ساتھ سمندر کے راستے عکا سے یافا لوٹ آیا ہے۔ اب وہ عسقلان پہنچ کر اسے از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس اطلاع سے سلطان کو اندازہ ہوا کہ القدس پر صلیبیوں کا حملہ مزید مؤخر ہوگا۔ وہ سمجھ گئے کہ رچرڈ عقب کو محفوظ رکھ کر پائیدار منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور القدس پر فوری حملے کی سکت نہیں رکھتا۔ ④

<u>رچرڈ کا خط اور سلطان کا دوٹوک جواب</u> ﷺ درحقیقت رچرڈ عکا سے لوٹا تو اس کی گرم جوشی ماند پڑ چکی تھی۔ عکا میں وہ صلیبیوں کی حالتِ زار دیکھ چکا تھا جو خوراک کی کمی کی وجہ سے پریشان اور نڈھال تھے۔ رچرڈ کو یہ بھی احساس تھا کہ موسمِ سرما شروع ہونے کو ہے اور اس دوران صلیبیوں کی خوراک و رسد

---

① النوادر السلطانیہ: 288، الکامل: 10/210　② صلاح الدین، لین پول: 285
③ النوادر السلطانیہ: 291　④ النوادر السلطانیہ: 289

کے مسائل مزید پیچیدہ ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے باہمی اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔ کونرڈ کے سلطان صلاح الدین کے ساتھ رابطے برقرار تھے اور رچرڈ اسے صلیبی لشکر میں واپس لانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ رچرڈ کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ کونرڈ سلطان سے کوئی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو جائے اور بیٹھے بٹھائے صور کے ساتھ صیدا اور بیروت کا حکمران بن جائے۔ بالفاظِ دیگر وہ مستقبل میں شام کی مسیحی ریاستوں کے ایسے بادشاہ کی حیثیت اختیار کر لے جس کی پشت پر صلاح الدین جیسی طاقت ہو۔ ان حالات کے پیش نظر رچرڈ نے ضرورت محسوس کی کہ سلطان کے ساتھ مذاکرات شروع کیے جائیں۔ اس طرح وہ دو مقاصد حاصل کر سکتا تھا:

1- وہ کونرڈ مارکوئیس کے سلطان سے ممکنہ معاہدے کو روک سکتا تھا اور یوں مستقبل کے مسیحی شام کے بادشاہ کا اعزاز خود لے سکتا تھا یا اپنے پسندیدہ فرد کو بخش سکتا تھا۔
2- القدس پر کامیاب حملے کے لئے نئی صف بندی اور قلعوں کی تعمیر کا وقت حاصل کر سکتا تھا۔

رچرڈ اس سے قبل کئی بار مسلمانوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا چکا تھا مگر اس بار مسلمانوں کو مذاکرات میں اپنی سنجیدگی کا یقین دلانے کے لئے اس نے ایک نیا ڈرامہ رچایا۔ اس نے الملک العادل سے تعلقات بڑھانے شروع کیے اور 26 رمضان (27/اکتوبر) کو اس کی وساطت سے سلطان کو پیام صلح دینے کی کوشش کی۔

اس سے کئی ماہ قبل ان دونوں لیڈروں میں اچھے مراسم کی ابتداء ہو چکی تھی۔ رچرڈ الملک العادل کی شخصیت سے خاصا متاثر تھا۔ الملک العادل کی سیاسی سمجھ بوجھ، طلاقتِ لسانی، دلیری، مروّت، فیاضی اور سیر چشمی ہر شے قابلِ رشک تھی۔ الملک العادل نے رچرڈ کو گراں مایہ تحائف بھی بھیجے تھے جن کے جواب میں رچرڈ نے اعلیٰ نسل کے چند گھوڑے ہدیہ کیے تھے۔ پھر تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کے لیے رچرڈ نے الملک العادل کو اپنا دوست اور بھائی قرار دیا اور اس کے بعد صلح جوئی کی بات چیت کا آغاز کیا۔

الملک العادل نے رچرڈ کا موقف سنا اور اس کا پیغام سلطان صلاح الدین کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ رچرڈ نے کہا تھا:

''مسلمان اور فرنگی دونوں لڑ لڑ کر بے حال ہو چکے ہیں۔ شہر تباہ ہو گئے ہیں اور حالات ہم دونوں کے قابو سے باہر نکل چکے ہیں۔ دو طرفہ جانی اور مالی وسائل اس کش مکش میں خرچ کر ڈالے گئے ہیں۔ اس مہم میں جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔ بس یہ القدس، صلیب الصلبوت اور ساحلی شہروں ہی کا معاملہ ہے۔ القدس ہماری عبادت گاہ ہے، ہم اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے چاہے اس کی خاطر ہم سب مارے جائیں۔ جہاں تک ساحلی شہروں کا مسئلہ ہے اس میں دریائے

اردن کے پار کا علاقہ ہمیں لوٹا دیا جائے۔ رہی صلیب الصلوت کی بات تو وہ آپ کے نزدیک ایک بے کار لکڑی ہے، جبکہ ہمارے نزدیک بڑی عظمت والی ہے۔ سلطان ہم پر احسان کرتے ہوئے وہ ہمیں عنایت کر دیں۔ ہم صلح کر لیں گے اور اس کشاکشی سے آرام پائیں گے۔‘‘[5]

سلطان نے رچرڈ کا پیغام سب درباریوں کو سنایا اور اس کے جواب کے لیے مشورہ مانگا۔ اس پیغام میں ایسی ایک بات بھی نہ تھی جس میں مسلمانوں کے کسی مفاد کی رعایت ہوتی۔ اس کی پیش کش صلح جوئی کے کسی معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔ اس کے مراسلے میں صرف اور صرف نصرانیوں کے اہداف کی تکمیل کی زبردست خواہش کا اظہار تھا۔ لین دین والی کوئی بات سرے سے نہیں تھی۔ رویہ کچھ ایسا تھا جیسے وہ مسلمانوں کو بالکل سادہ لوح تصور کرتا ہو۔ رچرڈ نے یہ تو درست کہا تھا کہ یہ جنگ القدس، ساحلی شہروں اور صلیب کی ہے مگر وہ صلح کے لیے خود کوئی لچک دکھانے پر آمادہ نہیں تھا اور مسلمانوں کو کوئی حق دیے بغیر اپنے تمام مطالبات پورے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ سلطان سے درخواست کر رہا تھا کہ بندگانِ خدا کو جنگ سے نجات دلانے کے لیے آپ از خود شکست تسلیم کر لیں، القدس سمیت وہ ساحلی شہر جو گزشتہ کئی برسوں میں آپ نے فتح کیے ہیں، بلاچوں چرا نصرانیوں کے سپرد کر دیں ساتھ ہی صلیب بھی واپس کر دیں اس کے بعد بدلے ہم آپ کو جنگ کی کلفت سے آزادی بخش دیں گے۔

سلطان نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ رچرڈ حسبِ عادت مذاکرات کے ذریعے وقت گزاری کر رہا ہے۔ اس احمقانہ پیغام نے اس اندازے کو درست ثابت کر دیا۔ چنانچہ سلطان نے پیغام صلح کا دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا:

’’القدس پر ہمارا حق اسی طرح ہے جس طرح آپ کا ہے۔ ہم اسے آپ کی بہ نسبت کہیں زیادہ مقدس اور باعظمت سمجھتے ہیں۔ یہاں سے ہمارے نبی ﷺ کو معراج ہوئی تھی۔ یہ مقام فرشتوں کی اجتماع گاہ ہے۔ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ ہم اس سے دست بردار ہو جائیں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمانوں کے سامنے اس بارے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ کریں۔ جہاں تک ساحلی شہروں کا تعلق ہے وہ بھی شروع میں ہمارے تھے، بعد میں آپ نے یہاں کے مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب جب تک جنگ جاری ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس سرزمین میں ایک پتھر نصب کرنے کی بھی توفیق نہیں دے گا۔ جہاں تک ان شہروں کا تعلق ہے جو ہمارے قبضے میں ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی پیداوار استعمال کرتے رہیں گے

[5] الروضتین:200

اوران سے نفع اٹھاتے رہیں گے۔ رہی صلیب کی بات اتو اسے تلف کر ڈالنا ہمارے نزدیک عظیم عبادت ہے، ہاں ہم اس کام کو صرف کسی ایسی مصلحت کی خاطر مؤخر کر سکتے ہیں جو اس سے زیادہ اہم ہو اور اس کا فائدہ اسلام کو پہنچتا ہو۔''[1]

رچرڈ کا حیران کن مصالحتی فارمولا:- اس کھرے جواب کے بعد بھی رچرڈ نے مذاکرات کا دروازہ کھلا رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک نیا فارمولا پیش کیا جو یقیناً حیران کن تھا۔ اس فارمولے کا خلاصہ یہ تھا:

1- الملک العادل رچرڈ کی بہن ''جون'' سے جو صقلیہ کے سابق حاکم کی بیوہ تھی، شادی کرلے۔
2- شادی کے پُرمسرت موقعے پر رچرڈ عکا سے لے کر عسقلان تک کی ساحلی پٹی اپنی بہن کو جہیز میں دے دے گا جبکہ سلطان صلاح الدین کی جانب سے القدس سمیت پورا فلسطین الملک العادل کے نام کردیا جائے گا۔
3- شادی کے بعد دونوں میاں بیوی بیت المقدس میں رہیں گے۔ الملک العادل القدس کا مسلمان بادشاہ ہوگا اور جون مقدس سرزمین کی عیسائی ملکہ۔ اس طرح مسلمان اور عیسائی دونوں القدس کی حکومت میں باعزت اور پرامن طور پر شریک ہوسکیں گے۔
4- فریقین ایک دوسرے کے تمام قیدیوں کو رہا کردیں گے۔
5- مسلمان نصرانیوں کو صلیب الصلبوت لوٹادیں گے۔
6- ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کو فلسطین میں دیہی علاقے اور جاگیریں دے دی جائیں گی جبکہ ان کے قلعے نئے بادشاہ اور ملکہ کے حوالے کردیے جائیں گے۔
7- یورپ سے آئے ہوئے صلیبی لشکر اپنے ملکوں کو لوٹ جائیں گے۔

جب رچرڈ نے یہ فارمولا الملک العادل کو پیش کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بظاہر یہ ایک پرکشش تجویز تھی جس میں فریقین کی خیرخواہی اور امن وامان کی بحالی کا جذبہ کارفرما نظر آتا تھا۔ پھر ایک یورپی شہزادی سے شادی کے ذریعے القدس کی ایسی بادشاہت مل جاتا جس پر عالم اسلام اور یورپ دونوں کو اعتماد ہو، بڑی دل فریب بات تھی مگر الملک العادل سلطان کی منشا کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے اپنی جانب سے کسی گرم جوشی یا عجلت کا اظہار کرنے کے بجائے 29 رمضان کو رچرڈ کا یہ فارمولا ایک وفد کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اس وفد کی قیادت قاضی بہاؤالدین ابن شداد کررہے تھے۔ العادل نے انہیں اور تمام ارکان وفد کو تاکید کی کہ وہ سلطان کا فیصلہ غور سے سنیں اور پھر اسے آگاہ

[1] النوادر السلطانیہ: 290

کریں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ الملک العادل نے رچرڈ کی پیش کش کو سنجیدگی سے لیا تھا۔ویسے بھی رچرڈ جیسے بڑے بادشاہ کی بات کو لطیفہ نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ [1]

مگر جب قاضی ابن شداد رچرڈ کا پیغام لے کر وفد کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں پہنچے اور درباریوں کے سامنے سلطان کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو سلطان کا ردِ عمل بڑا دلچسپ تھا۔ان کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ انہوں نے رچرڈ کی اس پیش کش کو ایک حیلہ سازی اور مذاق سمجھا ہے،لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس کی منظوری بھی دے دی۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے حیران ہوکر سلطان سے دریافت کیا:

"کیا واقعی آپ اس حل کو قبول کر رہے ہیں؟"

"ہاں"سلطان نے برجستہ کہا۔

قاضی صاحب نے دوبارہ سہ بارہ یہی سوال دہرایا اور ہر بار سلطان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں جواب دیا اور درباریوں کو اس فیصلے پر گواہ رہنے کی تاکید کی۔ [2]

سلطان کو پہلے سے معلوم تھا کہ فرنگی اس فارمولے پر متفق نہیں ہوں گے مگر اس کے باوجود انہوں نے اس فارمولے پر رضا مندی اس لیے ظاہر کی تھی کہ اس میں نقصان کی کوئی بات نہیں تھی۔الملک العادل اور جون کی شادی کے بعد القدس سمیت پورا فلسطین الملک العادل ہی کے زیرِ نگین ہوتا۔عیسائی شہزادی القدس میں ملکہ بن کر ضرور رہتی مگر القدس کی حکومت مسلمانوں کے پاس ہوتی۔شہزادی کی حکومت اپنے سابقہ شوہر سے وراثت میں ملے ہوئے جزیرے قبرص کے علاوہ شام کے انہی دو تین ساحلی شہروں تک محدود ہوتی جنہیں رچرڈ نے ساحل کی یلغار میں فتح کیا تھا۔مگر یہ منصوبہ خود ان نصرانیوں کو ہضم نہیں ہوسکتا تھا جو یروشلم کو چھیننے کا خواب لے کر آئے تھے اس لیے سلطان کو یقین تھا کہ رچرڈ اپنے اتحادیوں اور یورپی امراء اس صلح نامے کو منظور نہیں کرا پائے گا۔

رچرڈ کی کہہ مکرنیاں: سلطان کا اندازہ اس بار بھی درست نکلا، یہ بیل منڈھے چڑھتے نظر نہ آئی۔عیدالفطر کے دوسرے روز سلطان کا سفیر ابن النحال سلطان اور الملک العادل دونوں کی طرف سے مثبت جواب لے کر رچرڈ کے پاس پہنچا تو وہاں تیور بدلے ہوئے تھے۔رچرڈ نے سلطان کے سفیر کو ملاقات کا موقع دیے بغیر کہلوا دیا کہ شہزادی ایک مسلمان مرد سے نکاح پر تیار نہیں ہو رہی،اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گی۔اب اس فارمولے پر عمل کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ الملک العادل

[1] النوادر السلطانیہ:292 [2] النوادر السلطانیہ:293

نصرانی بن جائے۔اس صورت میں وہ فارمولے پر عمل درآمد کرانے کا ذمہ لیتا ہے۔اس طرح مصالحت کو ایک ناممکن بات پر موقوف کر کے رچرڈ نے خود بات چیت کا سلسلہ روک دیا۔

اصل بات کیا تھی؟ رچرڈ کیوں مکر گیا تھا؟ وہ شروع سے مذاق کر رہا تھا یا بعد میں اسے کوئی دشواری پیش آ گئی تھی۔قاضی ابن شداد کا تاثر تھا کہ رچرڈ شروع سے ڈرامہ کر رہا تھا مگر کاتب عماد اصفہانی اصل وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فرنگی سردار رچرڈ کی اس پیش کش کے مخالف تھے،انہوں نے شہزادی کو ڈرایا دھمکایا اور اسے اپنے دین اور مسیح سے باغی قرار دیا جس سے متاثر ہو کر اس نے رشتے سے انکار کر دیا۔علامہ ابن اثیر بھی یہی بتاتے ہیں۔ان کا بیان ہے:

''جب یہ خبر کھلی تو عیسائی پادری اور راہب رچرڈ کی بہن کے پاس پہنچ گئے اور اسے برا بھلا کہا، چنانچہ وہ یہ رشتہ قبول کرنے سے رک گئی۔''

مگر علامہ یہ بھی فرماتے ہیں:

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل رکاوٹ کچھ اور تھی۔''[1]

بہر حال یہ رشتہ ہونا تھا نہ ہو سکا۔تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ رچرڈ حد سے زیادہ چالاک تھا یا بہت ہی خوش فہم جو یہ تصور کر رہا تھا کہ الملک العادل اس کی بہن سے رشتے کے لیے اپنا مذہب چھوڑ سکتا ہے۔

<u>جھڑپوں کا نیا سلسلہ...... دونوں فوجیں آمنے سامنے</u>٭ بات چیت ختم ہوتے ہی فضا میں کشیدگی بڑھنے لگی۔ان دنوں موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ساحلِ سمندر کی طرف سے تیز ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اگرچہ دن کو موسم خوش گوار رہتا مگر رات کو خنکی خاصی بڑھ جاتی تھی۔پہاڑوں کی چوٹیوں سے بہنے والے دریاؤں کا تموج روز بروز کم ہو رہا تھا مگر مسلمان سپاہیوں کی صفوں میں ایک نیا تلاطم نظر آ رہا تھا۔جلد ہی سلطان صلاح الدین کے شاہین صفت مجاہدوں نے فرنگیوں پر حملوں کا نیا سلسلہ شروع کر دیا۔عید الفطر کے پانچویں روز بحیرۂ روم میں تعینات اسلامی بحریہ نے دشمن کی کئی جنگی کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔ان میں ایک بڑی مشہور جنگی کشتی بھی تھی جسے ''مسطح'' کہا جاتا تھا جس میں کم از کم 500 سپاہی سوار تھے۔اس خون ریز جھڑپ میں اکثر عیسائی مارے گئے۔

ادھر فرنگی اپنا جوشیلا پن دکھانے کے لیے یافا سے باہر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ان کی قید سے نکل بھاگنے والے ایک مسلمان سپاہی نے آ کر سلطان کو بتایا کہ لشکرِ صلیب رملہ کی طرف بڑھنے کے لیے پابہ رکاب ہے۔

---

[1] الکامل فی التاریخ:210/10

سلطان نے بھی افواج کو تیار کرلیا۔ طے یہ ہوا کہ آگے بڑھ کر رملہ کے قریب فرنگیوں کا سامنا کیا جائے۔ سلطان نے بھاری جنگی سازوسامان اور رسد کے ذخائر کو نطرون کے کیمپ میں چھوڑے اور خود ہلکی پھلکی تیز رفتار فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ 7 شوال 587ھ (27 اکتوبر 1191ء) کی شب لشکرِ اسلام ہلالی پرچم لہراتا ہوا رملہ کے پرانے گرجے کے قریب خیمہ زن ہوا۔ مسلمان یہاں 20 دن مقیم رہے۔ اسی دوران حالات میں کئی نشیب وفراز آئے۔

پہلے دن لشکر کی صف بندی ہوئی۔ ہراول دستے حسب معمول الملک العادل کی قیادت میں تھے۔ کچھ دور فرنگیوں کے خیمے نظر آرہے تھے۔ اس دن ہراول کے بہت سے پیشہ ور سپاہی اور ایشیائے کوچک کے کچھ رضا کار دشمن پر دھاک بٹھانے کے لیے اس کی خیمہ گاہ پر حملہ آور ہوگئے۔ انہوں نے پہلے پہل تیروں کا مینہ برسایا۔ پھر تلواریں سونت کر حریف کے معسکر کی طرف لپکے مگر اس دوران فرنگی بھی ہوشیار ہو چکے تھے۔ ان کی گھڑسوار فوج نے فوری طور پر جوابی حملہ کیا۔ کچھ دیر دست بدست لڑائی کے بعد مجاہدین تین لاشیں چھوڑ کر واپس اپنی فوج سے آملے۔ اس جھڑپ کے بعد فرنگیوں نے احتیاطاً اپنی خیمہ گاہ ''یازور'' کی سمت منتقل کردی۔ دو تین دن دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے مگر عمومی جنگ کی نوبت نہ آئی۔ [1]

<u>اشکوں کی برسات</u>: 11 شوال 587ھ (31 اکتوبر 1191ء) کا دن سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے نہایت حزن انگیز ایام میں سے ایک تھا۔ اس دن سلطان نے اپنی عادت کے مطابق گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کا چکر لگایا اور دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لیا۔ دشمن کا پڑاؤ اتنا قریب تھا کہ مسلمانوں اور ان کے خیموں کے درمیان بمشکل ایک میل کا فاصلہ رہ گیا ہوگا۔ سلطان جب واپس لوٹے تو ایک حد درجے افسوس ناک پیغام ان کا منتظر تھا۔

سلطان نے قاضی بہاؤالدین ابن شداد کو کہہ کر الملک العادل، علم الدین سلیمان، سابق الدین اور عزالدین ابن المقدم کو بلوایا۔ یہ سلطان کے معتمد ترین ساتھی تھے۔ سلطان نے ایک خادم کو اشارہ کیا کہ وہ دیگر حاضرین مجلس کو ہٹادے۔ حکم دیا کہ خیمے کے آس پاس کوئی نظر نہ آئے۔ چند لمحوں بعد خیمۂ سلطانی کے ارد گرد دو سو گز تک کوئی شخص نہ تھا۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو سلطان نے ایک خط نکال کر اسے زیر لب پڑھا ساتھ ہی ان کے آنسو بہہ نکلے، سسکیاں بلند ہونے لگیں، روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ سلطان کا گریہ اتنا شدید تھا کہ حاضرین بھی رو پڑے حالانکہ انہیں سلطان کے رونے کی وجہ معلوم نہیں تھی۔

''خط میں لکھا ہے کہ ملک المظفر تقی الدین عمر وفات پاگئے ہیں۔''

---

[1] النوادر السلطانیہ: 294، 295

سلطان نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔ حاضرینِ مجلس بھی اشک بار تھے۔ کچھ دیر خیمے میں سسکیاں گونجتی رہیں۔

ذرا سکون ہوا تو قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے سلطان کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''اللہ کی یہی مرضی تھی، اس کی قضا و قدر کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔''

چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے کہا:

''اس رونے دھونے پر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرنا چاہیے۔ غور کرنا چاہیے کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور ہمیں کیا مہم درپیش ہے؟ ہمیں چاہیے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی سے لو نہ لگائیں۔''

''آپ نے صحیح فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون''

سلطان نے فوراً کہا اور کچھ دیر کلماتِ استغفار دہراتے رہے۔ پھر انہوں نے پانی منگوا کر آنکھیں دھوئیں اور اپنی حالت پر قابو پالیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

''مصلحت کا تقاضا ہے کہ یہ خبر بالکل پوشیدہ رکھی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حالتِ جنگ میں یہ خبر دشمن تک پہنچ جائے۔''

ایسا ہی ہوا۔ صلیبیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ مسلمان کس عظیم حادثے سے دوچار ہو چکے ہیں۔ یافا واپس جا کر انہیں پتہ چلا کہ اسلام کا وہ شیر جس نے حطین سے عکا تک ہر معرکے میں ان کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا تھا اب حماۃ کی ٹھنڈی خاک تلے سو رہا تھا۔ ①

تقی الدین عمر کے آخری ایام ﷺ دریائے فرات کے پار حران کا علاقہ تھا جو سلطان نے مظفر الدین کوکبری سے لے کر تقی الدین کو دے دیا تھا مگر تیسری صلیبی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے تقی الدین کو علاقے کا انتظام سنبھالنے کا وقت نہ ملا۔ جب گزشتہ موسم سرما میں عکا کے محاذ پر عارضی وقفہ ہوا تو تقی الدین نے سلطان سے کچھ دنوں کی رخصت لے کر نئی جاگیر کا رخ کیا تاکہ اس کے رکے ہوئے ضروری امور انجام دے۔ وہاں جا کر اسے اپنی جاگیر سے ملحق ان علاقوں پر بھی قبضے کا خیال آیا جو خود مختار امراء کے ماتحت تھے۔ اپنے جنگی تجربے کی بنا پر اسے یقین تھا کہ وہ چند دنوں میں ان شہروں کو فتح کر کے سلطان کے پاس واپس پہنچ جائے گا۔ لیکن اس کی مہمات طویل ہوتی چلی گئیں۔

اس نے دیار بکر میں سویداء اور حانی جیسے شہروں پر قبضہ کر کے اپنی جاگیر کو خاصا وسیع کر دیا۔ اس دوران خلاط کے حاکم سیف الدین بکتمر نے چار ہزار سپاہی اکٹھے کر کے اسے مقابلے کے لیے للکارا۔ تقی

① النوادر السلطانیہ: 295_296

الدین نے سات سو جانبازوں کے ساتھ اسے شکست فاش دی اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے پایۂ تخت خلاط تک پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے محسوس کر لیا کہ اس مستحکم شہر کو فتح کرنے کے لیے ایک بڑی فوج کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے پہلے بکتمر کے دوسرے شہر ملاز کرد کا محاصرہ کرنا سودمند سمجھا۔ ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ تقی الدین شدید بیمار پڑ گیا اور شب جمعہ 19 رمضان 587ھ (10 اکتوبر 1191ء) کو خالق حقیقی سے جاملا۔ اس کے بیٹے محمد الملک المنصور نے اس کی موت کو مخفی رکھا اور خاموشی سے اس کی لاش حماۃ لا کر دفنا دی۔ حماۃ جو تقی الدین عمر کا مرکز تھا، اب اس کا مدفن بن گیا تھا۔ [1]

عجیب بات یہ ہے کہ جس شب تقی الدین عمر کی وفات ہوئی، اس شب سلطان کے بھانجے نامور جرنیل حسام الدین لاجین نے بھی وفات پائی۔ وہ سلطان کی نامور بہن ست الشام بنت ایوب کا فرزند تھا۔ ایک ہی وقت میں سلطان سے دلیر بھتیجا اور محرم راز بھانجا ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے تھے۔ انہیں بھانجے کی وفات کی خبر 24 رمضان 587ھ (15 اکتوبر 1191ء) کو مل گئی تھی مگر تقی الدین کی موت ایک دور دراز مقام پر ہوئی تھی۔ اس لیے اطلاع ملنے میں تین ہفتے لگ گئے تھے۔ [2]

خلیفہ کا خط اور سلطان کا محتاط جواب ❊ تقی الدین کے آخری ایام کی مہمات سے عراق میں اتنی بے چینی پھیل گئی تھی کہ خود دربار خلافت کو اس پر تشویش ہونے لگی تھی۔ خلیفہ کی جانب سے سلطان کے نام تیکھا مراسلہ آیا کہ وہ اپنے امیر کو اس ہوس ملک گیری سے منع کریں مگر یہ مراسلہ سلطان کو تقی الدین کی وفات کی خبر کے اگلے دن موصول ہوا، سلطان نے جواب لکھوایا:

> "ہم نے تقی الدین کو ان مہمات کا حکم نہیں دیا تھا، اسے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ دریائے فرات کے پار، اپنی جاگیر سے تازہ افواج جمع کر کے جہاد کے لیے واپس آجائے۔ پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ وہ ان مہمات میں پڑ گیا، بہر صورت ہم نے اسے واپسی کا حکم دے دیا ہے۔"

سلطان نے اس مراسلے میں یہ ذکر نہیں کیا کہ تقی الدین اب دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سے متعلقہ تمام قضیے ختم ہو گئے ہیں۔ یہ سلطان کی انتہائی احتیاط تھی کہ وہ جس راز کی پردہ پوشی ضروری سمجھتے تھے اسے قبل از وقت خلیفہ پر بھی ظاہر نہیں ہونے دے رہے تھے۔ [3]

فرنگیوں سے ایک اور خونی جھڑپ ❊ 16 شوال (5 نومبر) کو رچرڈ اور سلطان کے جانبازوں میں ایک اور جھڑپ ہوئی۔ فرنگیوں کا ایک دستہ دن چڑھے ایندھن جمع کرنے جنگل کی طرف نکلا تھا کہ عرب

---

1. الکامل: 10/ قد 2_ 204_ 212 تحت 587 ہجری
2. الروضتین: 4/ 201، 587 ہجری ر5 حسام الدین
3. النوادر السلطانیہ: 207

مجاہدین نے انہیں تاک لیا۔ان میں سے زیادہ تر گھات میں بیٹھ گئے اور کچھ نے آگے بڑھ کر فرنگیوں پر دھاوا بول دیا۔اب زوردار لڑائی شروع ہوگئی۔جنگ کے اس ہنگامے کی آوازیں دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچ رہی تھیں اس لیے فوری طور پر فرنگیوں کا ایک گھڑسوار دستہ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے ادھر دوڑ پڑا۔ یہ دیکھ کر عرب مجاہدین اپنی چال کے تحت پیچھے ہٹنے لگے۔فرنگی ان کا تعاقب کرتے کرتے گھات میں چھپے مجاہدین کی زد میں آگئے،اب مجاہدین نے یک بارگی حملہ کر کے ان کے قدم اکھاڑ دیئے،اتنے میں صلیبیوں نے اپنے معسکر سے مزید کمک بھیج دی جس سے ان کی پشت مضبوط ہوگئی۔جنگل میں ایک خون ریز معرکہ شروع ہوا جو دیر تک جاری رہا اور اس میں فریقین کے درجنوں افراد کام آگئے۔

سلطان کو صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے سیف الدین یازکوش اور چند امراء کو امدادی سپاہ کے ساتھ روانہ کر دیا اور انہیں تاکید کی وہ اس وقت معرکے میں شریک ہوں جب دشمن کا پلہ بھاری نظر آنے لگے۔ یہ سپاہی جب معرکۂ کارزار کے قریب پہنچے تو دشمن عددی برتری کی وجہ سے مجاہدین پر غالب آتا دکھائی دیا۔چنانچہ امدادی سپاہی باگیں اٹھا کر میدان کی طرف لپکے۔فرنگیوں نے مسلمانوں کی کمک آتے دیکھی تو اپنی خیمہ گاہ کی طرف بھاگ اٹھے۔مسلمانوں نے تعاقب کرتے ہوئے ان میں بہت سوں کو مار گرایا۔اس لڑائی میں 60 فرنگی ہلاک ہوئے۔عرب مجاہدین ان کے پانچ گھوڑے پکڑ لانے میں کامیاب رہے۔مجاہدین میں ایک نامور شمشیر زن 'ایاس مہرانی' کاری زخم کھا کر شہید ہوا۔متلون مزاج رچرڈ کو اس نقصان نے خاصا پریشان کر دیا اور اسے ایک بار پھر محسوس ہوا کہ ابھی جنگ کرنا خسارے کا سودا ثابت ہوگا۔چنانچہ وہ مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔[1]

رچرڈ کا نیا مراسلہ: اس نے ایک بار پھر الملک العادل کو خط لکھ کر اپنی بہن کی شادی کی تجویز دہرائی اور ساتھ ہی اس سلسلے میں اپنی مجبوریوں کا ذکر بھی کیا۔اس نے لکھا:

"ارباب کلیسا مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے پوپ سے اجازت لیے بغیر اپنی بہن کی شادی ایک مسلمان سے کرنے کا فیصلہ کیسے کر لیا؟ اب میں اپنا قاصد پوپ کے پاس بھیج رہا ہوں جو چھ ماہ کے اندر جواب لے کر واپس آجائے گا۔اگر پوپ نے اجازت دے دی تو بہتر،ورنہ میں اپنی بھتیجی آپ کے نکاح میں دے دوں گا۔اس سلسلے میں مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

بعد میں رچرڈ کے نمائندوں نے الملک العادل پر واضح کیا کہ وہ اپنی قومی رواج کی وجہ سے مجبور ہیں جس کے مطابق بیوہ یا مطلقہ عورت کو دوسرے نکاح کے لیے پادریوں سے اجازت لینا ضروری ہوتی ہے

[1] النوادر السلطانیہ: 298_299_200

جبکہ کنواری لڑکیوں کے نکاح میں ان کے والدین اور سرپرستوں کی مرضی کافی ہوتی ہے۔ اگرچہ رچرڈ کا یہ تازہ عذر بظاہر معقول تھا مگر یہ بات قابل غور تھی کہ اسے پہلی بار یہ پیش کش کرتے ہوئے پوپ سے اجازت لینے کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ ❶

کونرڈ مارکوئیس کی سفارت: ایک طرف رچرڈ سلطان سے مصالحت کے لیے کوشاں تھا تو دوسری طرف کونرڈ مارکوئیس بھی نچلا بیٹھنے والا نہیں تھا۔ صیدا کا حاکم اس کے سفیر کی حیثیت سے 13 شوال (2 نومبر) کو سلطان کی خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا۔ سلطان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی تھی اور کونرڈ سے بات چیت کا ماحول برقرار رکھنے کا عندیہ دیا تھا۔ کونرڈ کا یہ سفیر الملک العادل سے بھی ملتا رہتا تھا۔ الملک العادل کی خیمہ گاہ سلطان کی خیمہ گاہ سے کچھ آگے تھی جہاں فرنگی افواج کا معسکر قریب تھا۔

کونرڈ کا سفیر جب الملک العادل کے پاس جاتا تو وہاں بھی اس کی خاطر مدارات ہوتی۔ الملک العادل اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وادی کا چکر لگاتے ہوئے کبھی کبھار فرنگیوں کے پڑاؤ کے قریب چلے جاتے تھے۔ جب رچرڈ کے افسران ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھتے تو ان کے خون کی گردش تیز ہو جاتی۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں مسلمان ان کی جگہ کونرڈ سے معاہدہ نہ کر لیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو انگریزوں کی قوت کو بڑا دھچکا لگتا اور وہ مسلمانوں سے مقابلے کے قابل نہ رہتے۔ ❷

العادل اور رچرڈ کی ملاقات: کونرڈ کے سفیر کی سلطان کے ہاں موجودگی کو خطرناک تصور کر کے رچرڈ نے بھی صلح کے لیے غیر معمولی سرگرمی دکھانا شروع کر دی تھی۔ اس نے الملک العادل کو پیغام بھیجا کہ وہ اس سے بذات خود ملنا چاہتا ہے۔ 18 شوال 587ھ (7 نومبر 1191ء) کو دونوں افواج کی خیمہ گاہوں کے درمیان ایک مقام پر رچرڈ اور الملک العادل نے بڑے خوش گوار ماحول میں ملاقات کی۔ الملک العادل نے رچرڈ کے اعزاز میں ایک عالی شان خیمہ نصب کرایا اور اپنے باورچی خانے سے نہایت پرتکلف کھانے منگوا کر شاہِ برطانیہ کی ضیافت کی۔ دسترخوان پر مشرقی طرز کے بے حد لذیذ حلوے بھی تھے اور مٹھائیاں بھی۔ رچرڈ کو مزہ ہی آ گیا۔ الملک العادل نے اسے نادر اور بیش بہا تحائف بھی پیش کیے جنہیں قبول کرتے ہوئے رچرڈ کو مسلم حکمرانوں کے نفیس ذوق، عالی ظرفی اور فیاضی کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد رچرڈ نے بھی اپنی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا۔ وہ الملک العادل کو اپنے خیمے میں لے گیا جہاں دسترخوان پر مغربی طرز کے کھانے سجائے گئے تھے۔ الملک العادل اور اس کے ساتھیوں نے انہیں تھوڑا تھوڑا نوش کیا۔ الملک العادل کے خدام انگریزوں کے لیے مشرقی کھانوں کے

❶ النوادر السلطانیہ: 303، 304 ❷ النوادر السلطانیہ: 297، 298، 301، 302، 304

خوان ساتھ لے گئے تھے جو رچرڈ اور اس کے حاشیہ برداروں کو پیش کئے گئے۔ [1]

رچرڈ سلطان سے ملنے کا مشتاق: دن بھر مجلس جمی رہی۔ محفل برخاست ہونے سے پہلے رچرڈ نے الملک العادل سے ایک بار پھر خواہش ظاہر کی کہ وہ سلطان صلاح الدین سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے الملک العادل سے درخواست کی کہ وہ اس کی یہ آرزو سلطان تک پہنچا دے۔ [2]

رچرڈ نے یہ خواہش کیوں کی تھی؟ اس کی اکثر آرزوؤں اور تمناؤں کی طرح ہم اس کی بھی کوئی منطقی توجیہ تلاش نہیں کر سکتے۔ بس یہ بچوں کی سی ایک آرزو تھی۔ 36 سالہ رچرڈ کے بعض ارادوں کے پیچھے صرف عجیب وغریب چیزیں دیکھنے اور نت نئے تجربات سے گزرنے کا جذبہ چھپا تھا مگر 55 سالہ صلاح الدین ایوبی پختہ سن ہونے کے ساتھ پختہ فکر بھی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مشرق ومغرب کے دو عظیم ترین بادشاہوں کے ملاپ کا مطلب ان کے مابین پائیدار مصالحت کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے جبکہ ابھی سلطان نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ رچرڈ یا کونرڈ میں سے کس کو ساتھ لیں گے اور کسی کے گرد گھیرا تنگ کریں گے۔ یہ فیصلہ آئندہ کے حالات کے تحت ہی کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال انہوں نے رچرڈ کی خواہش سننے کے بعد درباریوں کو اس بارے میں بحث کرنے کی اجازت دی۔ سب کی آراء سننے کے بعد انہوں نے رچرڈ کو وہی حکیمانہ مشورہ دیا جو وہ اسے چند ماہ پہلے بھی اسی قسم کی خواہش کے جواب میں دے چکے تھے۔ یہ رائے تمام مشیروں کی آراء سے بہتر اور معقول تر تھی۔ سلطان کا جواب تھا:

> ”جب بادشاہ باہم مل بیٹھیں تو اس کے بعد ان کے درمیان کش مکش نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ ہماری اور آپ کی ملاقات اس وقت بھلی لگے گی جب اس جنگ کا قضیہ تمام ہو جائے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہماری ملاقات اہم باتوں کے لیے ہوگی مگر نہ میں آپ کی زبان سمجھ پاؤں گا نہ آپ میری۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے مابین ایک مشترکہ قابلِ اعتماد ترجمان موجود ہو۔ یہی ترجمان ہماری ملاقات سے قبل درمیان میں سفارتی فرائض بھی انجام دے تاکہ ملاقات سے قبل ہمارے معاملات کسی کروٹ بیٹھ جائیں اور کوئی قانون وضابطہ طے ہو جائے، اس کے بعد ہم آپس میں ایسی ملاقات کر سکیں گے جو دوستی اور محبت کو جنم دے گی۔“

یہ جواب پڑھ کر رچرڈ سلطان کی ذہانت، نکتہ رسی اور دوراندیشی پر عش عش کر اٹھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سلطان کو نہ میدانِ جنگ میں مغلوب کر سکتا ہے نہ مذاکرات کی میز پر۔ [3]

رچرڈ القدس کے ایک ٹکڑے کا سوالی: رچرڈ کو جواب ارسال کرنے کے اگلے دن سلطان نے

[1] النوادر السلطانیہ: 300 [2] النوادر السلطانیہ: 300-302 [3] النوادر السلطانیہ: 301

کونرڈ مارکوئیس کے سفیر کو شرف باریابی بخشا جو کئی دنوں سے سلطان کی خیمہ گاہ میں خاص مہمان کی حیثیت سے مقیم تھا۔ سلطان نے دربار میں کونرڈ کا مراسلہ سننے کے بعد اس کے سفیر سے تنہائی میں مزید گفت وشنید کی اور کونرڈ سے معاہدے کے لیے کچھ شرطیں پیش کیں۔ سلطان کا موقف تھا کہ اگر کونرڈ ان شرطوں پر عمل کر کے دکھائے تو معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ سفیر یہ جواب لے کر اس دن رخصت ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد صلیبیوں کا مشہور نائٹ ہمفری آف ٹورون رچرڈ کا نمائندہ بن کر سلطان کے پاس حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ ایک بوڑھا مشیر بھی تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی، دونوں نے رچرڈ کا یہ پیغام سلطان کے گوش گزار کیا:

"میں آپ سے دوستی اور محبت کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ بس آپ مجھے القدس شریف کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا عنایت کر دیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایسے انداز میں صلح کر کے القدس کو تقسیم کر لیں کہ نہ مسلمان آپ کو طعنہ دے سکیں نہ فرنگی مجھے۔"

سلطان نے کونرڈ کے سفیر کی طرح اسے بھی اچھی امید دلا کر رخصت کیا۔ [1]

سلطان کی اصل پالیسی کیا تھی؟ حالات مسلمانوں کے غلبے اور دشمن کے احساسِ شکست کی غمازی کر رہے تھے۔ صلیبیوں کے دونوں دھڑوں نے سلطان کو فیصلہ کن قوت مان لیا تھا اور ان کے نمائندے سلطان سے معاہدے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرمی دکھا رہے تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی سفیروں کی اتنی آمد و رفت کے باوجود کسی فریق کو کوئی واضح جواب کیوں نہیں دے رہے تھے؟

کچھ دنوں پہلے عسقلان کو تباہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے موقف میں اتنی لچک دکھائی تھی کہ رچرڈ سے صلح کے اختیارات الملک العادل کے سپرد کر دیے تھے۔ پھر انہوں نے رچرڈ کے اس فارمولے کو بھی قبول کر لیا تھا جس کی بنیاد الملک العادل کی جون سے شادی تھی۔ مگر اب وہ کونرڈ کو صاف جواب دے رہے تھے نہ رچرڈ کو۔

اصل بات یہ تھی کہ سلطان کو فرنگیوں کے مکر و فریب کا خوب اندازہ ہو گیا تھا اس لیے وہ مذاکرات میں محتاط ہو گئے تھے۔ عسقلان کی تباہی کا وقت ایسا تھا جب مسلمان بے حد خطرے کی حالت میں تھے۔ تب دشمن کی ذرا سی پیش قدمی عسقلان پر فوری قبضے اور القدس پر کامیاب حملے کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ اسی لیے سلطان نے مجبوراً الملک العادل کو لچک دار رویے کے ساتھ مذاکرات کرتے رہنے کی تاکید کی مگر اب مسلمان شدید خطرے کی زد سے نکل آئے تھے اس لیے سلطان نے میدان میں ہار جیت یا

---

[1] النوادر السلطانیہ: 302

مذاکرات کی میز پر باعزت صلح، دونوں دروازوں کو کھلا رکھا تھا اسی لیے وہ اسلامی اخلاق، مروت اور شاہانہ آداب کے تحت رچرڈ یا کونرڈ میں سے ہر ایک کو مذاکرات اور گفت وشنید کا پورا پورا موقع دیتے رہے مگر فیصلہ کرنے میں دیر کر رہے تھے۔ اس سے دو فائدے حاصل ہو رہے تھے:

1- اگر حریف مصالحت کی کوئی معقول صورت پیش کرتا جس میں مسلمانوں کا نفع غالب ہوتا تو اسے قبول کیا جا سکتا تھا۔

2- اگر ایسا نہ ہوتا تب بھی گفت وشنید کو طول دے کر صلیبیوں کے دھڑوں میں باہمی بداعتمادی بڑھائی جا سکتی تھی اور معاہدے کے لیے مخصوص شرائط پیش کر کے حریف کے دونوں دھڑوں کو ایک دوسرے سے لڑوایا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ سلطان نے کونرڈ سے معاہدہ کے لیے شرط رکھی تھی کہ وہ رچرڈ سے عکا کو چھین کر کے دکھائے۔

<u>اِسی جدوجہد میں موت آجائے ......</u> ❊ بہرصورت ان تجربات سے گزرنے کے بعد سلطان کا یہ تاثر گہرا ہوتا جا رہا تھا کہ نصرانیوں سے مذاکرات میں دھوکے کا ہر آن خطرہ موجود ہے اور ان مذاکرات کو کسی ایسے رخ پر منتج نہیں ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے لیے خسارے یا کم نفعے کا سودا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ رچرڈ کے سفیر ہمفری آف ٹورون کو مصالحت کی امید دلا کر رخصت کرنے کے بعد سلطان کو اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں وہ اب تک کی گفتگو کو صلح کا حتمی منشور تصور نہ کر لے۔ اس لیے سلطان نے اس کی خوش فہمی دور کرنے کے لیے اس کے پیچھے ایک درباری کو بھیجا جس نے اس سے قیدیوں کے معاملات طے کرنے کے بارے میں پوچھا۔ ہمفری نے جواب دیا:

''اگر صلح ہوگی تو تمام امور کے بارے میں ہوگی، اگر نہ ہوئی تو پھر قیدیوں کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی جائے گی۔''

جب ہمفری چلا گیا تو سلطان نے قاضی ابن شداد سے مخاطب ہو کر کہا:

''ہم جب بھی ان لوگوں سے مصالحت کرتے ہیں، ان کی عہد شکنی کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر میں اسی دوران مر گیا تو صلیبیوں کے مقابلے میں اتنے سپاہی دوبارہ جمع نہیں ہو سکیں گے اور فرنگی غالب آجائیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت تک جہاد جاری رکھیں جب تک انہیں ساحل شام سے دھکیل نہ دیں یا اس جدوجہد میں موت آجائے۔''

قاضی ابن شداد سلطان کے یہ کلمات نقل کر کے کہتے ہیں کہ سلطان کی اصل تجویز اور پالیسی تو یہی تھی مگر بعد میں وہ مجبوراً صلح پر آمادہ ہو گئے تھے۔ (اس سے مراد صلح نامہ رملہ ہے جو اگلے سال رچرڈ سے

طے ہوا تھا)[1]

شوریٰ کا اجلاس، صلح رچرڈ سے یا کونرڈ سے: 21 شوال (10 نومبر) کو سلطان نے ایک بار پھر مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور ارکان کو رچرڈ اور کونرڈ سے اب تک کی جانے والی بات چیت اور ان سے گفتگو میں زیر غور آنے والے معاہدوں کے نکات سے آگاہ کیا۔ سلطان نے حاضرین سے پوچھا کہ ان دونوں قوتوں میں سے کس سے معاہدہ کیا جائے؟

ارکانِ دولت نے متفقہ طور پر رچرڈ کے حق میں فیصلہ دیا۔ کہنہ مشق امراء کا کہنا تھا کہ شامی نصرانیوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ دھوکہ بازی اور عہد شکنی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ رچرڈ اور یورپی بادشاہ ان کی بنسبت معاملات میں قدرے بہتر ہیں۔ پھر وہ معاہدے کے بعد اپنے وطن لوٹ جائیں گے اس لیے اس کا امکان کم ہے کہ وہ صلح کی خلاف ورزی کرکے اتنی دور دراز سے ہمارے خلاف دوبارہ فوج کشی کریں۔

سلطان اور ان کے امراء کے اس فیصلے کے بعد مسلمان سفیروں نے رچرڈ کے نمائندوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مذاکرات کو آگے بڑھانے اور مصالحت کی کسی مناسب ترین شکل تک پہنچنے کے لیے بات چیت جاری رکھنے پر اتفاق کرلیا۔ اس کے لیے رابطوں کا طریق کار اور دیگر بنیادی امور طے کرلیے گئے۔

صلح نامے کے مجوزہ منشور میں درج ذیل باتیں واضح کردی گئی تھیں......

1- رچرڈ، الملک العادل کو اپنی بہن یا بھتیجی کا رشتہ دے گا۔
2- ساحل شام کے اسلامی شہر سلطان کی طرف سے الملک العادل کو دے دیے جائیں گے۔
3- رچرڈ اپنا مفتوحہ ساحلی علاقہ جس میں عکا اور یافا شامل ہیں، شہزادی کے نام کردے گا۔

مذاکرات میں اس حد تک پیش رفت کے بعد رچرڈ اپنی افواج کو لے کر یافا واپس جانے کی تیاری کرنے لگا جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی بھی اپنے لشکر کو لے کر قلعہ 'تل الجزر' آگئے۔[2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 302
[2] النوادر السلطانیہ: 303، معجم البلدان 'تل'

فصل:4

القدس پر رچرڈ کی پہلی یلغار

ماہِ نومبر شروع ہو چکا تھا، سردی بڑھتی جا رہی تھی، ساتھ ہی بارشیں بھی شروع ہونے کو تھیں، ان بارشوں سے جنگلوں اور وادیوں میں پانی کھڑا ہو جاتا تھا، راستے کیچڑ سے بھر جاتے تھے، اس لیے اب تین چار ماہ تک فرنگیوں کے لیے القدس کی طرف پیش قدمی ناممکن تھی۔ ویسے بھی ان کے ساتھ صلح کی بات چیت کافی آگے بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان نے فوج کو آرام دینا مناسب سمجھا کیوں کہ اکثر سپاہی گزشتہ چار سال سے حالتِ جنگ میں تھے۔ سلطان کی جانب سے تعطیل کے اعلان کے بعد دور دراز سے آنے والے ہزاروں سپاہی اور مجاہدین آہستہ آہستہ اپنے اپنے علاقوں کو رخصت ہونے لگے تاہم شام کے پیشہ ور سپاہی اور سلطان کی خاص فوج رخصت سے مستثنیٰ تھی۔ ہراول کے دستے ان کے علاوہ تھے جو اس دوران بھی القدس کے راستوں کی نگہبانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی صلح کی بات چیت کے باوجود رچرڈ کی طرف سے بہت چوکنا اور القدس کے حفاظتی انتظامات مستحکم بنانے کے لیے بالکل مستعد تھے۔

دو ہفتے بعد رچرڈ از سرِ نو افواج تیار کر کے نکل پڑا۔ شاید جب اسے معلوم ہوا ہو کہ دوسرے علاقوں سے آنے والے مسلمان سپاہی اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں اور سلطان کے پاس زیادہ فوج نہیں رہی تو اس سے صبر نہ ہو سکا ہو۔ بہر حال وہ صلح کی بات چیت ترک کر کے یکا یک آمادۂ پیکار ہو گیا۔ اب وہ راتوں رات القدس پر قبضے کے خواب دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ شدید سردی میں کانپتے ہوئے صلیبی یروشلم کی بازیابی کی امید پر اس کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ لین پول کے بقول یہ فوج کشی دسمبر میں شروع ہوئی تھی مگر عماد اصفہانی کے مطابق رچرڈ 3 ذوالقعدہ یعنی 22 نومبر کو چلا تھا۔ بہر کیف یہ رچرڈ کا نہایت احمقانہ اقدام تھا۔ شاید وہ اب تک شام کے موسم کو نہیں سمجھ پایا تھا ورنہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ 11 میل کا سفر کر کے وہ رملہ کے کھنڈرات تک پہنچ گیا مگر اسے مزید آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہو سکی کیوں کہ سلطان

صلاح الدین منتخب بہادروں کی فوج لے کر خود رملہ کے قریب آن پہنچے تھے۔ [4]

سلطان کی مزاحمت: صلیبی فوج تین چار ہفتوں تک یہاں پڑاؤ ڈالے سلطان کے ہراول دستے کے حملوں کا شکار ہوتی رہی۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

"سلطان ایوبی ہلکے پھلکے تیز رفتار دستوں کے ساتھ رملہ کی طرف نکلے اور فرنگیوں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ 20 دن تک سلطان نے ان کا انتظار کیا مگر وہ مقابلے پر نہ آئے تاہم اس دوران دونوں فوجوں میں کئی جھڑپیں ہوئیں اور ہر بار مسلمان غالب آئے۔" [5]

اس دوران طوفانی بارشیں شروع ہو گئیں۔ سلطان کو یقین تھا کہ فرنگی موسم کی مار برداشت نہیں کر پائیں گے، اس لیے وہ 23 ذوالقعدہ 587ھ (12 دسمبر 1191ء) کو اپنے خواص کے ساتھ بیت القدس روانہ ہو گئے اور اسی دن عصر کے وقت وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے چرچ سینٹ جان سے متصل "دارالامناء" کو اپنا مرکز بنا کر شہر کی اصلاح اور دفاعی انتظامات کے استحکام کے ایک جامع منصوبے پر کام کا آغاز کر دیا۔

اس دوران رملہ میں فرنگی افواج موسم کی چیرہ دستیوں کے ساتھ سلطانی ہراول کے حملوں کا نشانہ بن رہی تھیں۔ صلیبی مرتے مرتے بھی القدس کی راہ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے اس لیے رچرڈ نے اسی شاہراہ پر پیش قدمی شروع کر دی جو رملہ سے بل کھاتی ہوئی القدس کی وادی میں جا اترتی تھی۔ 3 ذی الحجہ 587ھ (22 دسمبر 1191ء) کو رچرڈ کو بیطر ون تک پہنچ گیا۔ اسی دن سلطان کا مصاحب خاص ابوالہیجاء السمین مصر سے خوراک ورسد کے ذخائر اور تازہ دم امدادی فوج لے کر آن پہنچا اور سلطان نے القدس سے رملہ کے درمیان پھیلے ہوئے اپنے ہراول دستوں کی افرادی قوت بڑھا دی۔ ان جانبازوں کے حملوں نے رچرڈ کو آگے بڑھنے کے قابل چھوڑا نہ پیچھے ہٹنے کے۔ ایک حملے میں اس کے بیسیوں افراد مارے گئے اور پچاس سے زائد گھڑسوار گرفتار ہو گئے جن میں کئی مشہور نائٹ بھی شامل تھے۔

10 ذی الحجہ (29 دسمبر) کو عید الاضحیٰ کے دن سلطان کے سالار سابق الدین عثمان (حاکم شیزر) نے ایک کامیاب چھاپہ مار کارروائی میں صلیبیوں کے چند نامور افسران کو قتل کر دیا اور بعض کو گرفتار کر کے لے آیا۔ اس حملے سے بچ جانے والے فرنگی اپنے گھوڑے چھوڑ کر پہاڑی گھاٹیوں میں جا چھپے، ان کی سواریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئیں۔

---

[4] الروضتین: 288/4، جامع الملک العادل وملک الاشکیر، الکامل: 211/10، صلیبی جنگیں: 249، 250

[5] الکامل: 210/10

سلطان کے سپاہیوں نے ایک نہایت کارگروار یہ کیا کہ فرنگیوں کی خیمہ گاہ کو خوراک ورسد فراہم کرنے والے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک دن ایک بہت بڑا کارواں ان کے نرغے میں آ گیا اور فرنگی لاکھ کوشش کر کے بھی اسے نہ بچا سکے۔ ان کارروائیوں کے باعث چند ہی دنوں میں صلیبیوں کو جان کے لالے پڑ گئے اور وہ نہایت مایوسی کے عالم میں نطرون میں اپنی خیمہ گاہ میں دبک گئے۔ ❶

صلیبیوں کی عبرتناک پسپائی:- آخر رچرڈ نے جی کڑا کے القدس کی طرف روانگی کا نقارہ پٹوا دیا۔ تھکے ہارے صلیبی اپنے آپ کو جھنجھوڑتے ہوئے شاہراہِ القدس پر چلتے گئے۔ اس تکلیف دہ سفر کے بارے میں ایمبر وز لکھتا ہے:

"دن بدن سردی بڑھتی گئی، بارش اور اولوں سے ہمارا برا حال ہو گیا، طوفانی ہواؤں سے ہمارے خیمے اکھڑ اکھڑ جاتے تھے، کرسمس سے پہلے اور بعد ہمارے کئی گھوڑے مر گئے، بارش اور نمی سے خنزیز کا خشک گوشت گل گیا، بسکٹ خراب ہو گئے، زرہ بکتر زنگ آلود ہو گئے اور کئی سپاہی سردی اور فاقوں سے بیمار پڑ گئے۔" ❷

بہر حال صلیبی اسی طرح ہانپتے کانپتے چند میل اور آگے بڑھے اور بیت نوبہ تک پہنچ گئے جہاں کسی بھی ٹیلے سے بارہ میل دور اُفق پر "القدس" کی فصیل اور عمارتیں دیکھی جا سکتی تھیں۔ مگر ابھی فرنگی مقدس شہر کی دور سے بھی زیارت نہیں کر پائے تھے کہ موسم کی ہولناکی شدید تر ہو گئی۔ موسلا دھار بارش، طوفانی ہواؤں اور اولہ باری نے صلیبیوں کے خیموں میں تباہی مچا دی۔ ان کا سامانِ خورد و نوش ضائع ہو گیا، خیمے اکھڑ گئے، گھوڑے اور دوسرے مویشی تلف ہو گئے۔

اس تباہی کے عالم میں بھی رچرڈ، اس کے انگریز نائٹوں اور فرانسیسی افسران کی ضد یہی تھی کہ آگے بڑھ کر مقدس شہر پر قبضہ کر لیا جائے جو چند گام دور رہ گیا ہے اور جس کی حفاظت کے لیے کوئی بڑی فوج نہیں ہے مگر رچرڈ کے ہم رکاب ٹمپلرز، ہاسپٹلرز اور مقامی نصرانی سرداروں نے پورے شد و مد سے اس رائے کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا:

"سلطان کی خاصی فوج ارد گرد کی پہاڑیوں میں موجود ہے۔ شہر کے قریب پہنچ کر ہم اس کے اور القدس کی محافظ فوج کے درمیان پھنس جائیں گے۔"

آخر رچرڈ مان گیا۔ ویسے بھی وہ مجبور تھا اور اتنے سخت موسم میں القدس کا محاصرہ کر کے اپنی فوج کو مروانے کے سوا اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔ صلیبی جنگ کے قائدین نے مشترکہ اعلان کیا

❶ کتاب الروضتین: 4/288_289، الکامل فی التاریخ: 10/210_211 ❷ صلیبی جنگیں: 249_250

کہ ساری فوج واپس جا کر پہلے عسقلان کی فصیل تعمیر کرے گی، پھر اسے مرکز بنا کر ہم یروشلم پر حملہ کریں گے۔"[1]

صلیبی سپاہ نے یہ اعلان نہایت مایوسی کے ساتھ سنا، ایک آن میں ان کا تمام جوش و خروش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور ان پر شدید ذہنی تناؤ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی حالت میں 22 ذی الحجہ 587ھ (10 جنوری 1192ء) کو صلیبی لشکر رملہ کی طرف واپس ہوگیا۔ اس مہم سے واپسی کا حال ایمبروز یوں لکھتا ہے:

"لوگ جذبات سے بے قابو ہو کر اپنے طویل قیام کو کوسنے لگے، ان کے حوصلے پست ہوگئے، اب وہ سامان رسد بھی واپس نہیں لے جا سکتے تھے کیونکہ گھوڑے اور ٹٹو سخت سردی اور طوفان سے بے حد کمزور ہو گئے تھے، جب ان پر بوجھ لادا جاتا تو وہ گھٹنوں کے بل گر جاتے اور دوبارہ نہ اٹھ پاتے۔ صلیبی سپاہی انہیں مارتے پیٹتے، گالیاں دیتے اور آخر تنگ آ کر انہیں ابلیس کے سپرد کر کے چل دیتے۔ آخر کار یہ لوگ واپس ہو گئے اور رملہ پہنچ گئے۔"[2]

رچرڈ کے اس حملے کی ناکامی کی وجوہ تو ظاہر ہیں مگر بعض مغربی مورخین اسے سرے سے کوئی سنجیدہ فوج کشی قرار ہی نہیں دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ رچرڈ نے بے چین سپاہیوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ نمائشی پیش قدمی کی تھی تاکہ وہ دور سے القدس کی ایک جھلک دیکھ لیں اور خاطر جمع رکھیں۔ مگر اس اقدام کے آخری مرحلے میں جب صلیبی فوج کو واپسی کا حکم دیا گیا تو نتیجہ مایوسی اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مغربی مورخین اس ناکامی کی جو چاہے تاویل کریں، مگر کوئی ہوش مند شخص اس پر یقین نہیں کر سکتا کہ رچرڈ نے صرف سپاہیوں کو مطمئن کرنے کے لیے ایسے ہولناک موسم میں پیش قدمی کرنے کا خطرہ مول لیا ہوگا۔ حقیقت یہی ہے کہ رچرڈ اور صلیبی سپاہی پورے مذہبی جوش کے ساتھ آگے بڑھے تھے اور اگر موسم انہیں مجبور نہ کر دیتا تو وہ مقدس شہر پر قبضہ کرنے کی ہر کوشش کر ڈالتے۔

صلیبی عسقلان میں ❁ لین پول کے بقول 12 جنوری 1192ء (14 ذی الحجہ 587ھ) کو ژالہ باری

[1] سیکا عیگی: 250
[2] سیکا عیگی: 250

لشکر: ذی الحجہ 587ھ (دسمبر 1191ء) میں رچرڈ کا صلیبی افواج کو القدس کے قریب لے آنا اور پھر طوفانی موسم کے باعث یکدم واپس ہو جانا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کاتب عماد اصفہانی نے اسے مختصر انداز میں ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ دشمن کی واپسی طوفان اور ژالہ باری کی وجہ سے ہوئی۔ ابن اثیر نے بھی اس کا اختصار سے ذکر کیا ہے مگر ان کے اور عماد اصفہانی کے بیانات میں کئی جگہ اجمال و ابہام ہے۔ یورپی تذکرہ نگاروں اور مورخین نے اس فوج کشی کو خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے اس بارے میں ان کا ماخذ ہونا اکثر ہے۔ سلطان کے سوانح نگار قاضی بہاء الدین ابن شداد نے اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب ان دنوں دیگر سپاہیوں کی طرح تعطیلات پر چلے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے روزنامچے میں جہاں ایک ایک دن کے حالات کئی کئی پیراگرافوں میں پھیلے ہوتے ہیں، وہاں شوال 587ھ سے صفر 588ھ تک کے حالات بڑے مجمل انداز میں چند سطروں میں سمٹے ہوئے ہیں اور رچرڈ کی اس یلغار کا کوئی تذکرہ نہیں۔

کے طوفان سے گزرتے ہوئے صلیبی فوج جب رملہ واپس پہنچی تو اس میں بری طرح انتشار کے آثار نمایاں تھے۔ بہت سے سپاہی لشکر سے فرار ہونے لگے۔ یروشلم کی طرف پیش قدمی جاری رکھنے کے حامی بہت سے لوگ بددل ہو کر رچرڈ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ [1] رچرڈ نے فوج کا حوصلہ برقرار رکھنے کے لیے انہیں جلد از جلد کسی کام میں مشغول کر دینا ضروری سمجھا چنانچہ اس نے اسی موسم میں رملہ سے عسقلان جا کر اسے از سر نو تعمیر کرانے کا تہیہ کر لیا۔ یوں 3 محرم 588ھ (20 جنوری 1192ء) کو صلیبی فوج نے رملہ سے کوچ کر دیا۔ [2]

راستے میں موسم کی تباہ کاریوں نے ایک بار پھر صلیبیوں کے اوسان خطا کر دیے۔ پہلے دن بارش اور اولہ باری دن بھر جاری رہی۔ عسقلان تک سارا علاقہ کیچڑ سے بھر گیا۔ ہر وادی ایک دلدل بن چکی تھی جس سے فوج کو گزرنا تھا۔ گھڑسوار اور پیادہ سپاہی گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ میں دھنستے جا رہے تھے۔ بیسوں سپاہی اپنی سواریوں اور اسلحے سمیت دلدلوں میں غرق ہو گئے۔ دوپہر کو یہ خستہ حال لشکر عسقلان پہنچا تو شہر کی حالت دیکھ کر سب کے ہوش اڑ گئے۔ ان لوگوں نے عسقلان کی تباہی کا ذکر تو سنا تھا مگر انہیں اندازہ نہیں تھا کہ شہر کا یہ حشر ہوگا۔ پورا شہر ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا جیسے کسی زلزلے نے اسے تہس نہس کر دیا ہو۔ [3] ...... صلیبیوں کے لیے ایک نیا شہر تعمیر کرنا اس ملبے پر شہر بسانے سے کہیں آسان تھا تاہم رچرڈ کا اٹل فیصلہ تھا کہ عسقلان کو اسی مقام پر دوبارہ تعمیر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ ایک دو ہفتے کا کام نہیں تھا اس کے لیے طویل مدت درکار تھی۔ چنانچہ عسقلان رچرڈ کا مستقل پڑاؤ بن گیا۔ اب صلیبی دن بھر اس علاقے میں دندنانے لگے۔ وہ سلطان کے ان گشتی دستوں پر حملے بھی کرنے لگے جو قریبی جنگل میں خیمے لگائے ہوئے تھے۔ ایک دن رچرڈ کو دور اُفق پر دھواں نظر آیا۔ وہ سپاہیوں کو لے کر ادھر روانہ ہو گیا۔ وہاں سیف الدین یازکوج اور علم الدین قیصر تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ الگ الگ مقامات پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ رچرڈ مغرب کے وقت بے خبری میں ان پر جا پڑا۔ جب اس نے ایک دستے پر حملہ کیا تو دوسرا دستہ اس کی مدد کو پہنچ گیا مگر رچرڈ نے دونوں کو سنبھال لیا۔ فرنگیوں کا بڑھتا ہوا دباؤ دیکھ کر مسلمان اپنا ساز و سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس جھڑپ میں چار مسلمان شہید ہوئے۔ اس قسم کی ترکتازیوں کے ذریعے رچرڈ اپنی فوج کا حوصلہ بلند کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ [4]

سلطان القدس کے مزدوروں کے ساتھ: سرما کے ان طوفانی ایام میں جبکہ صلیبی عسقلان میں

---

1. سوانح صلاح الدین لین پول: 288
2. الروضتین: 4/297
3. صلیبی جنگیں: 251
4. الروضتین: 4/289-289

تھے اور سلطان کی اکثر فوج اپنے گھروں میں...... ساحل سے لے کر القدس کی وادی تک ویران اور برباد قلعوں کے کھنڈرات نوحہ کناں تھے...... ہر طرف گہرا سکوت تھا...... بادلوں کی گرج چمک اور آندھی کی سنسناہٹ سے یہ ماحول مزید پراسرار نظر آتا...... کبھی کبھی پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کچھ سوار ابھرتے اور غائب ہو جاتے۔ یہ سلطان کی گشتی سپاہ کے جانباز تھے، سلطان ان کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے تھے۔ وہ خود بیت المقدس کو ایک آہنی پہاڑ کی طرح مضبوط بنانے میں مصروف تھے۔ مگر انہیں معلوم تھا کہ ساحل پر رچرڈ اسی تیزی سے عسقلان کو دوبارہ تعمیر کرا رہا ہے۔

چار ماہ تک دونوں رہنما ہتھیاروں کی زبان ترک کر کے مٹی گارے، چٹانوں، پتھروں اور تعمیراتی نقشوں کو زیادہ اہمیت دیتے رہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی القدس کی مستحکم قلعہ بندی کے لیے پانی کی طرح پیسہ بہا رہے تھے۔ اس منصوبے میں بنیادی کام تین تھے:

1- شہر کے گرد ایک نئی گہری اور چوڑی خندق کھودنا۔
2- بلند و بالا برجوں والی ایک نئی فلک بوس فصیل کھڑی کرنا جسے دشمن کسی طرح سر نہ کر سکے۔
3- پرانی فصیل کی مرمت کر کے اسے ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دینا۔[5]

سلطان نے یہ کام تقسیم کر دیے تھے۔ بعض امراء دن رات خندق کی کھدائی کرانے میں منہمک تھے، بعض فصیل اور برجوں کی تعمیر میں جٹے ہوئے تھے، الملک الافضل باب عمود سے باب رحمت تک کا حصہ تعمیر کرا رہا تھا۔

3 ذی الحجہ 587ھ (22 دسمبر 1191ء) کو حاکم موصل علاؤالدین مسعود کے بھیجے ہوئے پچاس انجینئر القدس پہنچے جو خندقوں کی کھدائی میں آڑے آنے والی بڑی بڑی چٹانیں کاٹنے اور پہاڑی چٹانوں کو تراش کر برج کھڑے کرنے کے ماہر تھے۔ سلطان کے امراء بھی دیگر شہروں سے بہترین کاریگروں اور فن کے ماہروں کو چن چن کر لے آئے تھے۔ سلطان کا یہ حال تھا کہ وہ خود ان تمام کاموں کی نگرانی کے لیے متحرک رہتے اور معماروں کے ساتھ کام کراتے۔ انہیں دیکھ کر بڑے بڑے نامی گرامی لوگ بھی تعمیراتی مشقت میں حصہ لے رہے تھے۔ سلطان کے لڑکے، شام و مصر کے امراء، فوجی و سول افسران، علماء و مشائخ اور قضاۃ و فقہاء بھی اس کام کو سعادت سمجھ کر شریک تھے۔ مسلمانوں میں القدس کی حفاظت، مقدس شہر کی خدمت اور تعمیراتی محنت و مشقت کے لیے ایسا ایمانی جوش نظر آتا تھا جس سے قرون اولیٰ کی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ ایک دن فصیل کی تعمیر کے لیے لائے گئے پتھر کم پڑ گئے۔ مزدوروں نے

[5] الروضتین: 4/289، سبل: 10/210

سلطان کو اطلاع دی تو وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر اس علاقے کی طرف نکل گئے جہاں سے تعمیراتی پتھر منگوائے جاتے تھے، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس روداد کو یوں بیان کرتے ہیں:

''سلطان صلاح الدین خود گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے اور بذات خود دور دراز کے علاقوں سے اپنی سواری پر پتھر ڈھو کر لاتے۔ یہ دیکھ کر لشکری بھی ان کی پیروی کرتے۔ چنانچہ مزدوروں کے پاس ایک ہی دن میں اتنے پتھر جمع ہو گئے جو کئی دنوں کے لیے کافی تھے۔'' [1]

القدس کے ان تعمیراتی کاموں کے دوران سلطان کے قدیم رفیق سلیمان بن جندر کو بیماری نے آن دبوچا، اس نے رخصت لے کر اپنے وطن حلب کی راہ لی مگر ذوالحجہ کے اواخر میں دمشق کے قریب روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ [2]

<u>رچرڈ کی نئی مصالحانہ سازشیں</u> ❁ عسقلان میں رچرڈ کی پریشانیاں بڑھتی جارہی تھیں، وہ موسم سرما ختم ہونے سے پہلے پہلے القدس پر فیصلہ کن حملے کے لیے عسقلان کی تعمیر مکمل کر لینا چاہتا تھا مگر خزانے میں رقم بہت کم رہ گئی تھی۔ رسد کے ذخائر تک ختم ہوتے جارہے تھے۔

دوسرا مسئلہ اس سے زیادہ اہم اور نازک تھا یعنی ان صلیبیوں کو ایک نکتے پر جمع کرنا جن کی صفوں میں انتشار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ فرانسیسیوں کے قائد ڈیوک اوف برگنڈی کو شکایت تھی کہ افواج یروشلم پر حملہ کرنے میں تاخیر کیوں کر رہی ہیں؟ پھر جب اس کے پاس خوراک و رسد کے ذخائر ختم ہوئے اور خزانہ خالی ہوا تو اس نے رچرڈ سے قرضہ مانگا مگر رچرڈ نہ دے سکا۔ اس پر ڈیوک مزید نالاں ہو گیا۔ اس نے مجبوراً کونرڈ سے مدد مانگی مگر وہ بھی نظریں چرا گیا۔ آخر ڈیوک فرانسیسیوں کو لے کر لشکر سے الگ ہو گیا۔ ادھر عکا میں جنیوا اور پیزا کی فوجیں فلسطین کے ساحلی شہروں کی تقسیم کے منصوبے پر جھگڑ پڑی تھیں۔

ان تمام اختلافات کے علاوہ شروع سے صلیبی دو سیاسی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ یروشلم کے سابق بادشاہ گائی کا طرف دار تھا اور دوسرا کونرڈ مارکیس کا حامی۔ پہلے کو اپنے قائد کی شرافت اور حسب و نسب پر فخر تھا اور دوسرے کو اپنے رہنما کے گھاگ پن پر غرہ تھا۔ ان دنوں یہ اختلاف عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ پھر کونرڈ کی سلطان سے خط و کتابت نے رہی سہی کسر بھی نکال دی تھی۔ رچرڈ کو ہر آن دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی وقت کونرڈ نے سلطان سے معاہدہ کر لیا تو صلیبیوں کا اتحاد دوبارہ قائم ہونے کے امکانات بالکل ختم ہو جائیں گے۔ [3]

---

[1] الکامل فی التاریخ: 11/10 نیز عماد اصفہانی نے بھی سلطان کے بذات خود گھوڑے پر سوار ہو کر چٹانیں ڈھونے کا ذکر کیا ہے۔ (الروضتین: شروع السلطان فی الشارہ بعمارۃ القدس)
[2] الروضتین: تحت 587 ہجری وفات سلیمان بن جندر
[3] صلیبی جنگیں: 251_252

رچرڈ کے یہ خدشات اپنی جگہ درست تھے۔کونرڈ مارکوئیس اور سلطان کے درمیان ایک بار پھر صلح کی بات چیت شروع ہوگئی تھی۔ انہی دنوں ربیع الاول 588ھ (مارچ 1192ء) میں کونرڈ کا سفیر یوسف جو حاکم صیدا کا غلام تھا، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور سلطان نے ایک بار پھر یہ شرط دہرائی تھی کہ کونرڈ کو ہم سے صلح کرنے کے لیے، یورپی صلیبیوں کے خلاف لڑنا ہوگا۔ [1]

ان حالات میں رچرڈ نے اپنی فطرت کے مطابق ایک نہایت عیارانہ پالیسی اپنائی۔ایک طرف اس نے سلطان کو اپنے بارے میں پر امید اور نیک گمان رکھنے کی نئی کوششیں شروع کردیں تاکہ وہ کونرڈ سے کوئی معاہدہ کرنے میں متذبذب رہیں۔دوسری طرف اس نے کونرڈ کو راستے سے ہٹا کر صلیبیوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

رچرڈ کی اس نئی کوشش کا آغاز ربیع الاول 588ھ (مارچ 1192ء) میں ہوا۔اس وقت وہ خود عکا میں تھا۔اس کا قاصد بڑے رازدارانہ انداز میں آکر سلطان سے ملا اور انہیں اپنے بادشاہ کا یہ پیغام دیا:

''میں الملک العادل سے ملاقات کا خواہش مند ہوں۔اگر وہ عکا آجائے تو ہم کوئی ایسا فیصلہ کرسکیں گے جس میں دونوں قوموں کا بھلا ہوگا۔'' [2]

سلطان نے مذاکرات کی حامی کیوں بھری؟ سلطان کو رچرڈ کی طبیعت اور فطرت کا تجربہ ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود وہ باعزت صلح کے ساتھ جنگ ختم کرنے کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے تھے،اس کی وجہ میں قاضی بہاؤالدین شداد سلطان کی مجبوریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجاہدین مسلسل جنگوں سے تھک کر چور ہو چکے تھے،قرضوں کا بوجھ بے حد بڑھ گیا تھا، سپاہی اپنے وطنوں سے دور پڑے ہوئے تھے،ان میں سے بہت سوں کو سلطان کے ساتھ ہمیشہ رہنا لازمی تھا اور وہ سلطان سے رخصت طلب نہیں کرسکتے تھے۔'' [3]

سلطان کو پورا احساس تھا کہ یہ جنگ اب نفسیاتی حدود سے تجاوز کررہی ہے اور اس کا اختتام جلد نہ ہوا تو غیر متوقع فتنے جنم لے سکتے ہیں۔ایک خزانے کا خالی ہونا ہی اتنا بڑا المیہ تھا جو اپنوں کو بیگانہ بنا سکتا تھا۔دور دراز کے صوبوں میں بغاوتوں کے شعلے لپک سکتے تھے۔ چناں چہ سلطان نے الملک العادل کو رچرڈ سے ملنے عکا جانے کی اجازت دے دی، ساتھ ہی یہ تاکید کردی کہ وہ مصالحت کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس سفر میں کوکب، غور اور دوسرے علاقوں سے تازہ دم رضاکار بھی بھرتی کرتا رہے...... یہ تلقین بھی کی کہ وہ رچرڈ سے نتیجہ خیز مذاکرات کا مطالبہ کرے...... اسے کہہ دے کہ اس سے پہلے بھی بہت

[1] النوادر السلطانیہ: 308 [2] النوادر السلطانیہ: 305 [3] النوادر السلطانیہ: 306

بات چیت ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا...... اگر اس بار بھی ویسی ہی بات چیت مقصود ہے تو اسے ترک کر دینا بہتر ہے...... ہاں اگر وہ دوٹوک بات کرنا چاہتا ہے تو ملاقات ہو سکتی ہے۔ سلطان نے العادل کو سمجھایا کہ وہ صرف اسی صورت میں رچرڈ سے ملاقات پر آمادگی ظاہر کرے جب پہلے سے بات چیت کے نتیجہ خیز ہونے کے قرائن محسوس ہوں...... لیکن اگر معاملہ برعکس لگے تو وہ رچرڈ سے ملے بغیر معاملے کو ایک دو ماہ تک طول دینے کی کوشش کرے تا کہ اس دوران سپاہی چھٹیوں سے فارغ ہو کر تازہ دم حالت میں القدس کی حفاظت کے لیے پہنچ جائیں۔ [1]

رچرڈ کی بدنیتی: جمعہ 4 ربیع الاول 588ھ (20 مارچ 1192ء) کو نمازِ عصر کے بعد الملک العادل سلطان صلاح الدین کی جانب سے مصالحت کے مکمل اختیارات لے کر رچرڈ سے ملاقات کے لیے پا بہ رکاب ہوا۔ [2]

جب وہ عکا کی وادی میں پہنچا تو رچرڈ کے نائب ہمفرے نے خیر مقدم کیا۔ الملک العادل کا مشیر ابو بکر حاجب بھی اس موقع پر موجود تھا جو فرنگیوں سے سفارت کاری کا ماہر تھا۔ صلح نامے کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ فلسطین کو تقسیم کرلیا جائے۔ اس کا طریق کار یہ طے پایا کہ جو علاقہ اس وقت جس کے قبضے میں ہے وہ مستقل طور پر اسی کے پاس رہے گا یعنی افواج کی موجودہ حالت اور چوکیوں کی موجودہ ترتیب کو مستقل سرحدیں تصور کرلیا جائے۔ تیز رفتار قاصد کے ذریعے صلح نامے کے مندرجات سلطان تک پہنچا دیے گئے۔ سلطان نے امرائے سلطنت سے مشورے کے بعد منظوری کا جواب بھیج دیا۔

اگر رچرڈ صلح میں مخلص ہوتا تو صلیبی جنگ یہیں ختم ہو جاتی...... مگر وہ تو محض وقت گزاری کا خواہاں تھا...... تا کہ اس دوران اپنے منصوبوں اور سازشوں کو آگے بڑھا سکے۔ اس نے صلح نامے کی توثیق میں ٹال مٹول شروع کر دی...... یہ دیکھ کر الملک العادل نے بھی سلطان کی ہدایت کے مطابق اس سے براہ راست ملاقات کو مناسب نہ سمجھا...... البتہ الملک العادل کا نائب ابو بکر حاجب کئی بار رچرڈ سے ملا مگر بات چیت مایوس کن رہی...... رچرڈ اب یہ کہہ رہا تھا کہ گنبدِ صخرہ اور القدس کے قلعے کو چھوڑ کر باقی بیت المقدس آدھا نصرانیوں کو دیا جائے، اس طرح القدس کی نواحی بستیوں کو بھی آدھا آدھا تقسیم کیا جائے تب وہ صلح کے لیے رضامند ہوگا۔ اپنا یہ موقف بیان کرنے کے بعد وہ مزید گفتگو سے کتراتے ہوئے فوراً عکا سے یافا روانہ ہو گیا۔

ویسے تو رچرڈ شروع سے بدنیت تھا مگر ان دنوں اس کی جولانیٔ طبع کی ایک اور خاص وجہ بھی تھی جسے قاضی ابن شداد نے بیان کیا ہے۔ ہوا یہ کہ مرحوم تقی الدین عمر کا بیٹا منصور جو رشتے میں سلطان کے پوتے

[1] النوادر السلطانیۃ: 306 [2] النوادر السلطانیۃ: 306

کی جگہ تھا، سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوگیا تھا۔ اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ سلطان اسے باپ کی جاگیر وراثت میں نہیں دیں گے، چنانچہ وہ ازخود اس جاگیر پر قابض ہونے کے لیے کوشاں تھا۔ یہ رویہ سلطان سے بغاوت کے مترادف تھا۔ اس اطلاع سے رچرڈ سمجھا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی ہے اور وہ کمزور ہوچکے ہیں چنانچہ اس نے اسے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نئی صف بندی کا بہترین وقت تصور کیا اور صلح کی بات چیت کو سبوتاژ کرکے تیزی سے یافا اور عسقلان کی طرف آگیا۔ [1]

11/ربیع الاول (27 مارچ) کو حاجب ابوبکر نے حاضر ہوکر سلطان کو یہ تمام روداد سناڈالی۔ پانچ دن بعد الملک العادل بھی 'غور' سے نئے رضا کاروں کی بھرتی کا انتظار کرنے کے بعد سلطان سے آملا۔ اسی دن مخبروں نے خبر پہنچائی کہ فرنگی داروم کے قریب لوٹ مار کررہے ہیں اور بدوؤں کے گلوں سے کئی ہزار بکریاں ہانک کرلے گئے ہیں۔ یہ حالات واضح کررہے تھے کہ رچرڈ ایک بار پھر فتح یروشلم کے سہانے سپنے دیکھ کر جنگ پر تلا ہوا ہے۔ [2]

سلطان کا کونرڈ مارکوئیس سے صلح کا فیصلہ ✽ اب رچرڈ سے مزید بات چیت بالکل بے سود تھی، سلطان نے فیصلہ کرلیا کہ اب بہرصورت کونرڈ مارکوئیس سے صلح کرلی جائے تاکہ فرنگیوں کی قوت دو ٹکڑوں میں بٹ جائے۔ اگرچہ عام حالات میں سلطان مارکوئیس جیسے دھوکہ باز کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے تھے مگر اس وقت ایک طرف موسم بہار آجانے کی وجہ سے صلیبیوں کے حملے کے لیے حالات سازگار ہوتے جارہے تھے اور دوسری طرف سلطان مشرقی صوبوں میں الملک المنصور کی سرکشی سے پریشان تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ اگر منصور نے حاکم خلاط بکتمر سے اتحاد کرکے ان کے خلاف محاذ بنالیا تو صلیبیوں سے مقابلہ جاری رکھنا دشوار تر ہوجائے گا، اس لیے سلطان ایوبی کے نزدیک یہ ناگزیر تھا کہ فرنگیوں کے ایک فریق کو اپنے ساتھ ملا کر ان میں پھوٹ ڈال دی جائے۔ چند دن قبل جب کونرڈ کا سفیر سلطان کے پاس آیا تھا تو سلطان نے اس سے مصالحت کے لیے حسب سابق کئی سخت شرائط عائد کی تھیں مگر اب وہ کونرڈ سے صلح کے لیے بڑی حد تک لچک دکھانے کے لیے تیار تھے۔ اُدھر کونرڈ خود سلطان سے حتمی بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ 6 ربیع الثانی (20/اپریل) کو اس کا سفیر یوسف دوبارہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آقا کا پیغام گوش گزار کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کے اور انگریزوں کے درمیان بات چیت فیصلہ کن مراحل میں داخل ہورہی ہے۔ اگر سلطان کو اس سے معاہدہ کرنا ہے تو جلد کرلیں ورنہ تاخیر کی صورت میں معاہدے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سلطان نے اس بار کونرڈ کے کئی مطالبات پر نرم رویہ اختیار کرلیا اور سفیر کو مثبت جواب کے ساتھ رخصت کیا۔ [3]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 307 [2] النوادر السلطانیہ: 307 [3] النوادر السلطانیہ: 308

اگر یہ بات چیت جاری رہتی تو شاید ایک دو مزید ملاقاتوں میں کونرڈ سے معاہدہ طے ہو جاتا، اس طرح اگرچہ سلطان کو بعض اہم مفادات سے ہاتھ دھونا پڑتے مگر فرنگیوں کی طاقت اس طرح بکھر جاتی کہ وہ صلیبی جنگ جاری رکھنے کے قابل نہ رہتے۔

رچرڈ کونرڈ کی تاج پوشی پر آمادہ: ادھر رچرڈ سلطان اور کونرڈ کے بڑھتے ہوئے تعلقات کو بغور دیکھ رہا تھا۔اس نے کونرڈ کے شر سے بچ کر فرنگیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے ایک انوکھی منصوبہ بندی کرلی۔

ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ یہ منصوبہ بندی کتنی کامیاب رہی کہ دیکھتے ہی دیکھتے فرنگیوں میں دھڑے بندی کی بنیاد ختم ہوگئی اور چند دنوں کے اندر اندر ان کا بکھرا ہوا شیرازہ مجتمع ہو گیا۔اس منصوبے کی تفاصیل سامنے آنے پر یقیناً ہر شخص اسے ایک گھناؤنی سازش کہے گا مگر عیار رچرڈ کو اس پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ وہ فلسطین میں زیادہ دنوں تک نہیں رک سکتا تھا اور ہر قیمت پر اپنا مقصد پورا کر کے جلد از جلد انگلستان واپس جانا چاہتا تھا۔[1]

انگلستان جلد واپسی اس لیے ضروری تھی کہ ان دنوں اسے وہاں سے بڑی تشویش ناک خبریں موصول ہونے لگی تھیں، اس کے بھائی ارل جان نے شاہی خزانے کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اب تخت شاہی پر قبضے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ رعایا اس کی ستم رانیوں سے بلبلا رہی تھی۔ ان حالات میں رچرڈ کو واپس جانا ہی تھا مگر وہ القدس کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر چلا جاتا تو رعایا اس کا خوب مذاق اڑاتی۔

آخر کار صلیبیوں کی سیاسی دھڑے بندی کا خاتمہ کرنے کے لیے رچرڈ نے جنگ کے تمام اتحادیوں کی مشترکہ مجلس طلب کی تاکہ ان کو کسی ایک مقامی قائد پر متفق کیا جائے۔ اتفاق رائے کا ایک فائدہ یہ ہوتا کہ رچرڈ کے واپس جانے کے بعد بھی مستقبل کا یروشلم محفوظ ہاتھوں میں رہتا۔ اس مشاورت میں صلیبیوں کی قیادت کے دونوں امیدوار گائی اور کونرڈ موجود تھے۔ صلیبی جنگ کے آغاز سے اب تک ان دونوں میں اقتدار کی کشاکشی برقرار تھی۔ دونوں ہی خود کو یروشلم کا آئندہ حکمران دیکھنا چاہتے تھے۔ دونوں کے حامیوں کی تعداد اچھی خاصی تھی گویا پلہ برابر تھا، تاہم اس مجلس میں ارکان کی اکثریت نے کونرڈ کے حق میں رائے کا اظہار کیا کیوں کہ اس کی ہوشیاری اور تجربہ کاری مسلم تھی جبکہ گائی کو سب سیدھا سادا تصور کرتے تھے۔ اگرچہ رچرڈ گائی کو پسند کرتا تھا اور کونرڈ اس کے نزدیک شیطان کا دوسرا روپ تھا مگر خلاف توقع اس نے گائی کو ہٹا کر کونرڈ کو یروشلم کا آئندہ بادشاہ اور اپنے بعد صلیبیوں کا قائد قرار دے دیا جبکہ گائی کا دل رکھنے کے لیے جزیرہ قبرص اس کے نام کر دیا۔[2]

---

[1] صلیبی جنگیں: 252۔253۔ صلاح الدین۔ لین پول: 329
[2] صلیبی جنگیں: 252۔263۔ صلاح الدین۔ لین پول: 330

کسی نے اس فیصلے پر احتجاج نہیں کیا۔ اس دن کونرڈ سب سے زیادہ خوش تھا کیوں کہ اس کی دلی مراد برآئی تھی۔ اس کا حریف گائی چاروں شانے چت ہو چکا تھا جبکہ اس کا دوسرا مدمقابل رچرڈ خود اس کی مرکزی حیثیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا تھا...... مگر یہ رچرڈ کے ڈرامے کا پہلا منظر تھا...... دوسرا منظر ابھی باقی تھا...... اسے دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ کامیاب کون رہا، کونرڈ یا رچرڈ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ کونرڈ کو یہ خوشی چند دن بھی راس نہ آسکی...... اس کی تاج پوشی کے جشن کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھیں کہ دست قضا اس کے گریبان تک آن پہنچا۔

کونرڈ کا انجام: 13 ربیع الثانی (27 اپریل) کو وہ صور کے بڑے پادری کی جانب سے دی ایک پرتکلف ضیافت میں شریک ہوا۔ اس محفل میں شریک دو شخص کونرڈ کو بغور دیکھ رہے تھے، وہ راہبوں کے مخصوص چغوں میں ملبوس تھے، ان پر کوئی شک نہیں کر سکتا تھا۔ دونوں چھ ماہ قبل حاکم صیدا اور حاکم رملہ، ابن بارزان کے مصاحبین میں شامل ہوئے تھے۔ پھر ان کے ذریعے انہیں کونرڈ کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔ کونرڈ ان دونوں سے خاصا مانوس ہو چکا تھا اور انہیں خدا رسیدہ بزرگ تصور کرتا تھا۔

اس دن کونرڈ خوب ڈٹ کر کھانے پینے اور شراب کے جام لنڈھانے کے بعد محفل سے نکلا تو وہ دونوں راہب اچانک اس پر ٹوٹ پڑے۔ کونرڈ ہلکا پھلکا چھریرے بدن کا تھا، سنبھل نہ سکا۔ تیز دھار خنجروں نے اس کے جسم کو چیر پھاڑ دیا۔

حملہ آوروں میں سے ایک موقع پر پکڑا گیا جبکہ دوسرا بھاگ گیا۔

کونرڈ شدید زخمی تھا۔ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا:

"مجھے گرجے میں لے چلو۔"

اس کے خدام اسے اٹھا کر گرجے میں لے گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ وہاں موت اس کے انتظار میں ہے۔ فرار ہونے والا حملہ آور اسی گرجے میں چھپا ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کا شکار ابھی تک زندہ ہے تو وہ اپنی پناہ گاہ سے نکل آیا اور جان پر کھیل کر ایک بار پھر زخمی کونرڈ پر حملہ کر دیا۔ اس بار زخم کاری لگے اور کونرڈ نے وہیں دم توڑ دیا۔ یہ دوسرا راہب بھی پکڑا گیا۔ نصرانیوں نے حملہ آوروں کو تفتیش کے مرحلے سے گزارا تو معلوم ہوا وہ حسن بن صباح کی خفیہ جماعت کے فدائی کارکن ہیں اور موجودہ شیخ الجبال سنان کے لیے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ شاہ رچرڈ نے شیخ الجبال سے ان کی خدمات بھاری اجرت پر حاصل کی تھیں۔ حملہ آوروں کو کچھ مدت تک ایک قلعے میں قید رکھا گیا اور بعد میں پھانسی دے دی گئی۔ [1]

[1] الروضتین: 4/298، 299، الکامل: 10/213

اس واردات کے بعد فرنگیوں کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر تھا کہ رچرڈ نے کونرڈ سے اپنی دشمنی نکالنے کے لیے اسے مروایا ہے۔ جہاں تک سلطان کا تعلق ہے، ان کے بارے میں دشمن بھی شبہ نہیں کر سکتا کہ یہ حرکت انہوں نے کروائی ہوگی کیوں کہ اس قتل کا سب سے زیادہ نقصان سلطان ہی کو ہوا تھا جن کا کونرڈ سے معاہدہ ہونے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عماد اصفہانی کہتے ہیں:

''اگرچہ کونرڈ گمراہی کے شیطانوں میں سے ایک تھا مگر ہمیں ان حالات میں اس کی موت پر کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ وہ انگریز بادشاہ کا دشمن اور تاج وتخت میں اس کا مقابل تھا۔''[1]

مگر تعجب ہے کہ ابن اثیر جیسے نامور مورخ نے یہ قتل سلطان ایوبی کے ذمے لگا دیا ہے۔ حالانکہ دلائل و واقعات اور شواہد سب اس خیال کی نفی کرتے ہیں۔ خود مغربی مورخین کی اکثریت تسلیم کرتی ہے کہ یہ رچرڈ کا کارنامہ تھا۔ آثار وشواہد اور قرائن کے علاوہ خود قاتلوں کا اقبالی بیان اس کا ثبوت تھا۔[2] بالفرض اگر وہ یہ اقرار نہ کرتے تب بھی سب کو نظر آ رہا تھا کہ کونرڈ کی موت کا سب سے زیادہ فائدہ کسے ہوا ہے؟ ظاہر ہے رچرڈ کو۔ جو اپنے تمام مقاصد اب آسانی سے حاصل کر سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو ساحل شام کی تمام پٹی پر خود قابض رہتا اور چاہتا تو اپنے من پسند فرد کو اس کا حاکم بنا دیتا۔

بہر کیف چونکہ رچرڈ کا یہ اقدام صلیبیوں کے اتحاد کی خاطر تھا، اس لیے اس کی قوم نے اسے آسانی سے ہضم کر لیا اور رچرڈ بدستور صلیبیوں کا مقبول اور معزز قائد رہا۔ کسی نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ بکھرے ہوئے نصرانیوں کے لیے یہ بات اہم اور پرکشش تھی کہ کونرڈ مارکویس کی موت کے ساتھ ہی ان کے برسوں پرانے سیاسی تنازعے دم توڑ گئے تھے۔ کونرڈ ہی وہ شخص تھا جس نے آ کر انہیں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ فوراً ایک ایسے نواب کی قیادت پر متفق ہو گئے جو رچرڈ کے علاوہ فرانسیسیوں کے لیے بھی یکساں طور پر قابل قبول تھا۔

<u>نیا تاجدار یروشلم</u> ✵ یہ نواب ہنری اوف شمپین تھا۔ انگریز اسے کاؤنٹ ہنری اور عرب 'کندھری' کہتے تھے۔ وہ ایک خوش اخلاق انسان تھا۔ اس کے حسب نسب پر یورپی نواب رشک کرتے تھے کیوں کہ وہ شاہ فرانس فلپ آگسٹس اور شاہ برطانیہ رچرڈ دونوں کا بھانجا تھا۔ اس کی والدہ فلپ کی باپ شریک اور رچرڈ کی ماں شریک بہن تھی۔ صلیبیوں کے تمام گروہوں سے اس کے اچھے تعلقات تھے۔ کونرڈ کی موت کے بعد صور میں یروشلم کے نئے مجوزہ بادشاہ کے تقرر کے لیے ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں سب کے اتفاق کے ساتھ ہنری کو تاج شاہی پہنا دیا گیا۔ ساتھ ہی اسے ترغیب دی گئی کہ وہ کونرڈ

[1] الروضتین: 299/4
[2] النوادر السلطانیہ: 310

کی بیوہ شہزادی ازابیل سے شادی کرلے چنانچہ ایسٹر کے تہوار کے بعد اس نے ازابیل سے شادی کر کے سہاگ رات منائی۔ [1] تمام صلیبی گروہ اب نوجوان ہنری کاؤنٹ اوف شیمپن کے جھنڈے تلے جمع تھے جو کہ اپنے قائد رچرڈ کے اشاروں پر چلنا سعادت سمجھتا تھا۔

آمد بہار اور جنگ کی تیاریاں: موسم سرما بیت چکا تھا اور بہار کی خوش گوار ہوائیں، آہستہ آہستہ حرارت آلود ہوتی جارہی تھیں۔ شام کے برف پوش پہاڑوں سے برف پگھل کر ان درجنوں چھوٹے بڑے دریاؤں کو تازہ اور ٹھنڈا پانی فراہم کررہی تھی جو خاموشی سے بحیرہ روم کی طرف رواں دواں تھے۔ وادیوں میں کیچڑ کب کا خشک ہوچکا تھا۔ اب ان میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ لہلہا رہا تھا۔ شاہراہیں صاف تھیں اور راستے ایک بار پھر قافلوں سے آباد تھے۔ چند ماہ کے تعطل کے بعد اب موسم دوبارہ جنگ کے لیے سازگار تھا۔ اس جنگ کا نقطۂ عروج آنے کو تھا جسے لڑتے ہوئے پانچواں سال شروع ہوچکا تھا اور جس نے دو قوموں کے عزم اور حوصلے کو بڑی سخت کسوٹی پر جانچا تھا۔

اس موسم گرما میں فیصلہ کن جنگ متوقع تھی۔ اگرچہ رچرڈ جنگ کا حتمی فیصلہ کرنے اور القدس کی طرف دوبارہ یلغار میں متذبذب ہوگیا تھا مگر اس کے ذاتی پادری ولیم آف پوشو نے اس کے جذبات کو مہمیز دی اور کہا:

"آپ قبرص کو فتح کرچکے ہیں، عکا پر قابض ہوچکے ہیں...... ہر موقع پر خدا کی نصرت سے فتح یاب ہوتے آئے ہیں، اب اگر آپ مقدس سرزمین کو فتح کیے بغیر لوٹ گئے تو یہ اپنی قوم سے غداری ہوگی۔"

پادری کی باتوں نے رچرڈ کو ایک نیا ولولہ دیا اور اس نے عسقلان میں منادی کرادی کہ تمام سپاہی یروشلم پر حملے کے لیے تیار ہوجائیں۔ بلاشبہ رچرڈ کو اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں مل سکتا تھا۔ صلیبی پہلی بار اس طرح ایک پرچم تلے متحد ہوئے تھے۔ رچرڈ کی ہوشیاری اور ہنری اوف شیمپین کی ہردلعزیزی نے انہیں اکٹھا کردیا تھا۔ جھگڑے کھڑے کرنے والا کونرڈ پیوند خاک ہوچکا تھا۔ رچرڈ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ وہ یافا کو بہترین انداز میں دوبارہ تعمیر کراچکا تھا اور عسقلان کی تعمیر کا کام جاری تھا۔ اب القدس پر حملہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ [2]

قیصر روم کا ایلچی: یکم جمادی الاولیٰ 588ھ (15 مئی 1192ء) کو قیصر روم کا ایلچی سلطان کے پاس بیت القدس پہنچا۔ قیصر روم نے سلطان صلاح الدین سے مطالبہ کیا تھا کہ صلیب الصلبوت اسے دے

[1] الروضتین: 4/299، الکامل: 10/214، صلیبی جنگیں: 254
[2] صلیبی جنگیں: 258، 259، 260

دی جائے اور چرچ سینٹ جان سمیت القدس کے تمام گرجوں میں اس کی طرف سے نامزد پادری تعینات کر دیے جائیں۔ قیصر نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بدلے وہ صلیبیوں سے جزیرۂ قبرص چھڑوا کر سلطان کو دینے میں تعاون کرے گا اور سلطان کے ہر دشمن کو اپنا دشمن تصور کرے گا۔ مگر سلطان نے قیصر کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کسی بھی قیمت پر صلیب دنیائے عیسائیت کو واپس کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس سے قبل گرجستان کے عیسائی حکمران نے اس کے عوض دو لاکھ دینار کی خطیر رقم دینے کی پیش کش کی تھی مگر سلطان نے اسے بھی انکار میں جواب دیا تھا۔ [1]

سیف الدین مشطوب کی رہائی: اسی دن یعنی جمعرات یکم جمادی الاولیٰ کو مسلمانوں کو ایک غیر معمولی خوشی نصیب ہوئی۔ سلطان کا مایہ ناز امیر سیف الدین مشطوب فرنگیوں کی قید سے رہائی پا کر بیت المقدس پہنچ گیا۔ سلطان اپنے بھائی الملک العادل سے محوِ گفتگو تھے کہ سیف الدین مشطوب اچانک حاضرِ خدمت ہوا۔ سلطان اسے دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے۔ وہ عکا کے اس مردِ مجاہد کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جس نے تیسری صلیبی جنگ میں شجاعت کی ایک نئی داستان رقم کی تھی۔ [2]

اگرچہ کئی ماہ تک مردانہ وار لڑنے کے بعد مشطوب نے مجبور ہو کر سلطان سے اجازت لیے بغیر عکا دشمن کے حوالے کر دیا تھا اور اس کا یہ اقدام سلطان کی ناراضی کا باعث بھی بنا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ مشطوب کے پاس اہلِ عکا کی جانوں کو بچانے کا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے اس کی وفاداری، بہادری اور غیرت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عکا پر قبضہ کرنے کے بعد فرنگیوں نے بدعہدی کر کے مشطوب اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ بعد میں رچرڈ نے اکثر قیدیوں کو شہید کر ڈالا تھا جبکہ مشطوب اور اس جیسے چند بڑے امراء کو بھاری زرِ فدیہ کی امید پر زندہ رکھا گیا تھا۔ مشطوب کی رہائی کے لیے انہوں نے پچاس ہزار دینار طلب کیے تھے مگر سلطان اس معاملے کو خاص اہمیت دینے کے باوجود اتنی بڑی رقم ادا کرنے کا جلد انتظام نہیں کر سکے۔ اب نو ماہ بعد سلطان نے بیس ہزار دینار یکمشت دے کر اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کر کے اسے رہا کروایا تھا۔

آج اس کی آمد پر سلطان نے اسے گلے سے لگا کر اس کی حوصلہ افزائی کی اور تخلیے میں کچھ دیر اس سے گفت و شنید کی۔ سلطان اس سے عکا کے معرکے کی ان کہی داستان سنتے رہے۔ فرنگیوں اور عکا کے قیدیوں کے حالات پوچھتے رہے۔ رچرڈ کے بارے میں پوچھا تو مشطوب نے بتایا کہ وہ صلح کے معاملے میں ابہام سے کام لے رہا ہے۔ بعد میں سلطان نے عمر رسیدہ مشطوب کی خدمات کے اعتراف میں

[1] النوادر السلطانیہ: 311
[2] النوادر السلطانیہ: 308_309

نابلس اور نواحی جاگیریں اس کے نام کر دیں۔ ❶

سلطان کے لیے ایک نئی پریشانی اور اس کا حل: اسی دن سلطان نے اپنے بیٹے الملک الافضل کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ دریائے فرات کے پار الجزیرہ کی طرف روانہ کر دیا۔ سلطان اس علاقے کے بارے میں غیر معمولی طور پر متفکر تھے کیوں کہ وہاں تقی الدین عمر کے بیٹے الملک المنصور کے مرکز گریز رجحانات بڑھتے جا رہے تھے، اس نوجوان نے اپنے نامور باپ کی وفات کے بعد الجزیرہ میں اس کی وسیع جاگیر کا انتظام سنبھال لیا تھا اور سلطان کو عرضداشت بھیجی تھی کہ قانونی طور پر یہ علاقے اس کی تحویل میں قرار دے دیے جائیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے باپ کی اس جاگیر کا بھی طلب گار تھا جو شام میں حماۃ اور اس کے ارد گرد تھی۔ سلطان نے اس کی کم عمری کے پیش نظر یہ درخواست نامنظور کر دی تھی، اس پر یہ ناسمجھ لڑکا خود مختاری کا دعویٰ کرنے کے لیے پر تولنے لگا تھا، یہ خبریں سلطان تک بھی پہنچ گئی تھیں، تب ہی انہوں نے الملک المنصور کے خلاف سخت کارروائی کا فیصلہ کیا۔ اس کارروائی کے لیے الملک الافضل مشرق کی طرف روانہ ہوا تھا تاکہ وہ تقی الدین عمر کی جاگیروں کو اپنی تحویل میں لے لے۔ ساتھ ہی سلطان نے موصل، سنجار، دیار بکر اور الجزیرہ کے حکام کو تاکیدی احکام روانہ کر دیے تھے کہ وہ المنصور سے یہ علاقے بازیاب کرانے کے لیے اپنی فوجیں الافضل کے ساتھ کر دیں۔ ❷

سلطان کے اس سخت رویے کے باعث خطرہ تھا کہ الملک المنصور بغاوت پر آمادہ ہو کر ایوبی سلطنت کے مخالفین سے نہ مل جائے۔ شاید سلطان نے اس پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا تھا مگر جہاں دیدہ الملک العادل ایسے سخت اقدامات کے عواقب کو خوب جانتا تھا۔ اس نے دیگر امراء کے ساتھ مل کر بار بار سلطان سے سفارش کی کہ وہ الملک المنصور کے معاملے میں نرمی اور درگزر سے کام لیں مگر سلطان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بزورِ قوت المنصور کا قضیہ نمٹانے پر مصر رہے۔

ادھر جوشیلے منصور کو کچھ ہی دنوں بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ شاہی افواج کا مقابلہ اس کے بس کی بات نہیں، چنانچہ اس نے الملک العادل کو خط لکھ کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ وہ کسی طرح سلطان سے اس کے معاملات کو سلجھا دے۔ الملک العادل بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ المنصور کے خلاف فوج کشی سے مسلم افواج کا دو حصوں میں تقسیم ہو جانا، صلیبیوں کے حوصلے بلند کر دے گا، چنانچہ اس نے ایک بار پھر سلطان سے ملاقات کی اور معاملات کو افہام و تفہیم سے حل کرنے کی سفارش کی۔

---

❶ الروضتین: 296/4
کتاب الروضتین میں عماد اصفہانی نے قاضی ابن شداد کے برخلاف سیف الدین مشطوب کی آمد کی تاریخ یکم ربیع الاول بتائی ہے۔
❷ الکامل: 210/10؛ النوادر السلطانیہ: 309

سلطان نے سوچ بچار کے بعد یہ معاملہ امراء کی مجلس کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا اور قاضی ابن شداد کو تاکید کی کہ وہ امرائے دولت کو الملک العادل کے پاس جمع کرلیں اور سب اس مسئلے پر غور کر کے اپنی مشترکہ رائے سے انہیں آگاہ کردیں۔اب امراء الملک العادل کے پاس جمع ہوئے، قاضی صاحب نے انہیں بتایا کہ سلطان، المنصور کے قضیے کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔تب بھاری بھرکم امیر ابوالہیجاء السمین کھڑا ہوا، وہ سرد وگرم چشیدہ اور بڑا معتدل مزاج انسان تھا۔اس نے سب امراء کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

''ہم سب سلطان کے غلام اور خدام ہیں......سلطان کا حکم سرآنکھوں پر......مگر یہ معاملہ ایک بچے کا ہے جسے سلطان کے عتاب کا خوف دشمنوں سے مل جانے پر مجبور کرسکتا ہے۔ہم ایک ہی وقت میں مسلمانوں اور کافروں دونوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔اگر سلطان چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے جنگ شروع کردیں تو ہمیں کفار سے صلح کرنی ہوگی۔تب ہم مشرق کا رخ کریں گے اور سلطان کے حکم کے مطابق لڑیں گے لیکن اگر سلطان ہمیں میدانِ جہاد میں ثابت قدم دیکھنے کے خواہش مند ہیں تو انہیں مسلمانوں سے صلح کرلینی چاہیے اور ان کے معاملات میں درگزر سے کام لینا چاہیے۔''

قاضی ابن شداد نے امرائے دولت کا یہ موقف سلطان تک پہنچایا تو انہوں نے ان باتوں کا وزن محسوس کرلیا۔انہیں یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ الملک المنصور کو معاف کردینا بہتر ہے۔اس کے بعد سلطان اور الملک العادل کے درمیان اس معاملے کی تفاصیل طے کرنے کے لیے بات چیت چلتی رہی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ منصور کو مرحوم تقی الدین کی شام والی جاگیر کا متولی بنادیا جائے گا جبکہ الجزیرہ اور اس کے نواح کی جاگیریں الملک العادل نے اپنے نام کروانے کی تجویز منظور کرالی۔ ❶

افواج کی طلبی اور امدادی دستوں کی آمد: اس دوران ساحل شام کے حالات تیزی سے تبدیل ہوگئے تھے۔صلیبی پوری طرح آمادۂ پیکار تھے جبکہ رخصت پر جانے والی اسلامی افواج ابھی تک سلطان کے پاس واپس نہیں آئی تھیں۔اس کے علاوہ کچھ فوج کے الملک الافضل کے ساتھ مشرق کی طرف چلے جانے سے سلطان کی زیرِ قیادت فوج مزید کم ہوگئی تھی چنانچہ سلطان نے حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے مختلف شہروں کی طرف ہرکارے دوڑادیے تھے اور افواج کو جلد از جلد واپس طلب کیا تھا۔حکم سلطانی پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا بدرالدین دلدرم تھا جو ترکمان مجاہدین کی ایک

❶ النوادر السلطانیہ: 312

بھاری نفری کے ساتھ بیت المقدس پہنچا۔اس کے بعد 7 جمادی الاولیٰ (21 مئی) کو عزالدین ابن مقدم اپنے جانبازوں اور جدید آلاتِ جنگ کی کھیپ کے ساتھ حاضر ہو گیا۔[1]

ادھر 8 جمادی الاولیٰ (22 مئی) کو الملک العادل منصور اور اس کی جاگیر سے متعلقہ فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔سلطان نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ الملک الافضل کو جو منصور کے خلاف کارروائی کے لیے گیا تھا راستے سے واپس کر دے۔الملک العادل کو اس مہم کی تکمیل میں ڈیڑھ ماہ لگ گئے۔جب وہ حلب پہنچا تو الافضل ابھی وہیں ٹھہرا ہوا تھا،العادل نے حکمِ سلطانی کے مطابق اسے نئے فیصلوں سے آگاہ کر کے واپس بھیج دیا اور خود دریائے فرات عبور کر کے الجزیرہ کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔[2]

---

1. النوادر السلطانیہ: 314
2. الکامل: 10/216، النوادر السلطانیہ: 312

فصل:5

معرکۂ بیت المقدس

سرما کی سالانہ تعطیلات پر جانے والے تمام مسلمان سپاہی مئی کے اواخر تک بھی نہیں لوٹے تھے۔ رچرڈ جو صلیبیوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر چکا تھا، ان تمام حالات سے واقف تھا، وہ اپنی افواج کو لے کر ساحلی میدانوں میں نکل آیا اور القدس کی طرف نظریں جما دیں۔ اس نے اپنے مکروہ چہرے سے شرافت اور مروت کا نقاب نوچنے میں دیر نہیں لگائی۔ الملک العادل کی مشرق روانگی کے اگلے ہی دن اس نے عسقلان کے جنوب کی طرف بڑھ کر 'داروم' پر دھاوا بول دیا۔ مصر جانے والی شاہراہ پر غزہ سے آگے ساحل سے تین میل ہٹ کر واقع یہ قلعہ بند بستی سلطان کے امیر علم الدین قیصر کی تولیت میں تھی جس کے افسران یہاں تعینات تھے۔ رچرڈ نے 9 جمادی الاولیٰ 588ھ (23 مئی 1192ء) کی تپتی دوپہر میں اس قلعے کو جا گھیرا۔ قلعے میں موجود لوگوں نے رچرڈ سے چند دن کی مہلت طلب کی تاکہ وہ سلطان سے مراسلت کر کے ہتھیار ڈالنے کی اجازت لے سکیں مگر بزدل رچرڈ کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ عکا سے فصیل توڑنے کے ماہرین ساتھ لایا تھا جنہوں نے جلد ہی دیواروں میں شگاف ڈال دیے۔ صلیبی بھوکے درندوں کی طرح اندر گھس گئے اور اَن گنت مرد وزن کو بے محابا تہ تیغ کر ڈالا۔ بچے کھچے لوگ گرفتار کر لئے گئے جبکہ قلعے اور بستی کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ❶

14 جمادی الاولیٰ (28 مئی) کو صلیبیوں نے جبل خلیل کے قریب حسّی کے مقام پر خیموں کا شہر آباد کر لیا۔ ان کی ایک مختصر فوج قلعہ 'مجدل یابا' پر حملہ آور ہو گئی۔ یہاں موجود مٹھی بھر محافظوں نے قلعے سے باہر نکل کر بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور ان کے ایک نامی گرامی کاؤنٹ کو مار گرایا۔ فرنگی اس نقصان کے بعد پسپا ہو گئے۔ مسلمانوں کا ایک سپاہی شہید ہوا۔ وہ اپنا گرا ہوا نیزہ اٹھانے کے لئے گھوڑے سے اترا تھا تو فرنگی اس پر جھپٹ پڑے تھے، مجاہد نے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر گھوڑا اڑ

❶ النوادر السلطانیہ: ص313، کتاب الروضتین: 4/300

گیا، اتنے میں فرنگی اس تک پہنچ گئے اور اسے شہید کر ڈالا۔ ❶

مجدل یابا' میں پڑاؤ ڈالنے والا صلیبی لشکر کئی دنوں تک مختلف حصوں میں بٹ کر عسقلان اور بیت جبرین کی شاہراہوں پر واقع مسلمانوں کے قلعوں اور بستیوں پر حملے کرتا رہا۔ یہی نہیں بلکہ شمالی ساحل کے صلیبی بھی اردگرد کے علاقوں پر تاخت وتاراج کرنے لگے تھے۔ 16 جمادی الاولیٰ (30 مئی) کو عکا کے قریب تعینات حسام الدین کی جانب سے اطلاع ملی کہ صور اور عکا کے ڈیڑھ سو گھڑ سواروں نے ایک بستی پر حملہ کیا مگر چوکیوں کے مسلمان سپاہی بروقت مدد کو پہنچ گئے اور ان کے پندرہ آدمی مار گرائے۔ اس طرح یہ حملہ ناکام بنا دیا گیا۔ سلطان کی طبیعت ان دنوں خاصی ناساز تھی اس لئے وہ القدس سے باہر نہیں نکل سکتے تھے تاہم انہوں نے ابوالہیجاء السمین اور ابن مقدم کو صلیبیوں کے خلاف جوابی کارروائی کے لئے روانہ کر دیا۔ صلیبیوں کو جوں ہی القدس سے اسلامی لشکر کی باقاعدہ یلغار کی اطلاع ملی وہ الٹے پاؤں پسپا ہو گئے اور عسقلان پہنچ کر دم لیا۔ تاہم ان کی یہ واپسی عارضی تھی۔ رچرڈ فلسطین کو آگ کا لبادہ پہنانے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ ❷

<u>رچرڈ کی القدس کی طرف یلغار</u> ﷽ عسقلان میں مزید افواج جمع کرنے کے بعد رچرڈ ہفتہ 23 جمادی الاولیٰ (6 جون 1192ء) کو پیادوں اور گھڑ سواروں کے ایک لشکر جرار کے ساتھ باہر نکلا اور تل صافیہ پر خیمہ زن ہو گیا۔ فرنگی سوار اردگرد کے علاقوں میں گشت کرنے لگے۔ جو مسلمان ان کے ہاتھ لگتا مارا جاتا یا گرفتار ہو جاتا۔ چھاپہ مار عرب بدوؤں کا ایک گروہ جو یافا میں کارروائی کے لئے جا رہا تھا ایک شب بے خبری کے عالم میں ان کے سامنے آ گیا۔ ان میں سے چھ کے سوا باقی سب پکڑے گئے۔ 26 جمادی الاولیٰ (9 جون) کو فرنگیوں نے آگے بڑھ کر جبل لطرون پر کیمپ لگا لیا اور القدس کی دیواروں کو توڑنے کے لئے بھاری بھرکم فصیل شکن مشینیں یہاں پہنچاتے رہے۔ اگلے دن لشکرِ صلیب ایک منزل مزید طے کر کے 'بیت نوبہ' تک پہنچ گیا۔ اب بیت المقدس صرف ایک دن کی مسافت پر تھا۔

حالات بہت پرخطر ہو گئے تھے۔ صلیبیوں سے القدس کی دیواروں تلے گھمسان کا رن پڑنے والا تھا۔ اگرچہ سلطان نے مقدس شہر کی حفاظت کی ہر ممکن تیاری کر لی تھی مگر اس کے باوجود انہیں اطمینان نہیں تھا۔ وہ دشمن کے حوصلے پست کرنے کی نت نئی تدابیر پر مسلسل غور کر رہے تھے۔ انہوں نے امراء کی مشاورت طلب کر کے اس بارے میں تفصیل سے بات چیت کی۔ بیت المقدس کے تین اطراف میں <u>گہری چٹیل وادیاں تھیں، صرف شمالی جانب تھوڑی سی ہموار تھی۔</u> شہر پناہ اتنی بڑی تھی کہ کوئی ایک فوج

❶ الفتح القسی ص 312، البدایۃ والنہایۃ: 10/215 ❷ النوادر السلطانیہ: ص 314، 315

اس کی نگرانی نہیں کرسکتی تھی۔ سلطان نے شہر کی مختلف سمتوں کو الگ الگ امراء کے حوالے کردیا کہ وہ اپنی اپنی افواج کے ساتھ وہاں پہرہ دیتے رہیں۔ طے یہ ہوا کہ جب دشمن وادی میں نمودار ہوگا تو سلطان کی کمان میں لشکرِ اسلام کے طوفانی دستے باہر نکل کر اس پر حملہ آور ہوں گے۔ اس دوران بقیہ امراء شہر کی حفاظت کریں گے۔ ان کی افواج کو حسبِ ضرورت میدان میں طلب کیا جاتا رہے گا۔ [1]

اس کے ساتھ ہی سلطان نے گشتی سپاہ کو جو اس وقت بدرالدین ولدرم کی قیادت میں تھیں تاکید کی کہ یافا سے دشمن کے کیمپ تک آنے والی خوراک ورسد کو جس قدر ہو سکے لوٹا جائے۔ ولدرم اس ہدایت کے مطابق یافا کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جلد ہی صلیبی سپاہیوں کی حفاظت میں آنے والے ایک بڑا تجارتی قافلہ اس کی زد میں آگیا۔ ولدرم کے اچانک حملے سے قافلے میں افراتفری مچ گئی۔ ان کے 30 اَفراد مارے گئے، مال ومتاع لٹ گیا، کئی صلیبی گرفتار ہوئے جنہیں 29 جمادی الاولیٰ (12 جون) کو بیت المقدس پہنچا دیا گیا۔ اس کارروائی سے صلیبیوں کو غیر معمولی تشویش لاحق ہوگئی جبکہ سلطان کی گشتی سپاہ کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے دشمن کے پڑاؤ پر بھی اکادکا حملے شروع کردیے۔ تاہم دشمن کے لئے یافا سے خوراک ورسد کے قافلوں کو پوری طرح نہ روکا جاسکا۔

چند دنوں بعد سلطان کے سپاہیوں نے عرب بدوؤں اور ترک رضا کاروں کے ساتھ ایک قافلے پر حملے کی تیاری کی مگر اب صلیبیوں نے قافلوں کے ساتھ سپاہیوں کی تعداد بڑھادی تھی۔ اس قافلے کی حفاظت کے لئے بھی خاصے سپاہی موجود تھے۔ اس لئے گھات میں چھپے ہوئے مسلمان شروع میں دم سادھے رہے۔ قافلہ گزر گیا تو بدوؤں کا غول عقب سے اس پر حملہ آور ہوگیا۔ قافلے میں بھگدڑ مچ گئی مگر نصرانی سپاہیوں نے فوراً سنبھل کر مقابلہ شروع کردیا۔ دونوں طرف کے کئی افراد کام آئے۔ قافلہ بڑی مشکل سے بچ کر نکل سکا۔ [2]

اس قسم کے واقعات کے باوجود بیت نوبہ میں خیمہ زن صلیبیوں کے جوش وخروش میں کوئی کمی نہیں آرہی تھی۔ وہ القدس پر بھرپور حملے کی تیاریاں کررہے تھے۔ فرانسیسی فوج بھی یہاں ان سے آملی تھی۔ اب انہیں یروشلم کے نامزد بادشاہ ہنری اوف شیمپن کا انتظار تھا جسے شامی نصرانیوں کی قیادت کرتے ہوئے یہاں پہنچنا تھا۔ تاہم اس کی آمد میں تاخیر در تاخیر ہورہی تھی۔ خیموں کے اس شہر میں ہزاروں سپاہی لکڑیاں چننے اور شہتیر کاٹنے میں مصروف تھے تاکہ محاصرے کے لئے نئی منجنیقیں اور دبابے تیار کیے جاسکیں۔ ارل اوف ایسٹر نامی ایک سردار اور فرانسیسی سپاہی سلطان کے گشتی دستوں کے حملوں سے دفاع

[1] النوادر السلطانیۃ: 315_316، الکامل فی التاریخ: 194/10
[2] النوادر السلطانیۃ: 316_317

کے لئے ہر وقت متحرک رہتے تھے۔ ❶

مصر سے آنے والے قافلے پر رچرڈ کا حملہ: بیت المقدس کے دفاع کی فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے سلطان کو مزید سپاہ کی ضرورت تھی، انہوں نے کچھ دنوں پہلے مصر کے حکام کو پیغام بھجوایا تھا کہ وہ تازہ فوج تیار کر کے القدس بھیجیں۔ سلطان نے یہ بھی تاکید کی تھی کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ راستوں کو دیکھ بھال کر آئیں کیوں کہ دشمن شام و مصر کے راستوں کے بالکل قریب موجود ہے۔ سلطان کی یہ تاکید بجا تھی۔ شام و مصر کی شاہراہ کے قریب عسقلان صلیبیوں کے قبضے میں تھا اس لئے راستے محفوظ نہیں رہے تھے۔ القدس کے لئے عازم سفر مصری فوج کو تیار ہونے میں کچھ وقت لگ گیا۔ یہ کوئی بڑی فوج نہیں تھی مگر چنیدہ سپاہیوں مشتمل تھی۔ جب فوج روانہ ہونے لگی تو مصر سے شام جانے والے ایک دو تجارتی قافلے بھی اس کے ساتھ ہو گئے کیونکہ فرنگیوں کے خوف سے وہ حفاظتی فوج کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ قافلہ آگے بلبیس کے مقام پر رکا رہا۔ وہاں کئی اور قافلے اس میں شامل ہوتے چلے گئے، اس طرح ایک بہت بڑا کاروان وجود میں آ گیا، جس میں باقاعدہ فوج کے علاوہ ہزاروں افراد شامل تھے۔ گلہ بان، زمیندار، کسان، تاجر، علماء اور شرفاء ہر طبقے کے لوگ اس میں تھے۔ کئی ہزار اونٹ تھے جو گندم، چاول، شکر اور طرح طرح کے اناج سے لدے ہوئے تھے۔ مصر کی ہر پیداوار کے ذخائر اس قافلے کے ساتھ تھے۔ ❷

یہ قافلہ ابھی راستے میں تھا کہ چند کم ظرف بدوؤں نے انعام کے لالچ میں رچرڈ کو اس کی خبر دے دی۔ انہوں نے قافلے کے مال و اسباب کی جو تفاصیل بتائیں اس سے رچرڈ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے فوراً ایک تیز رفتار فوج ترتیب دی اور اسے اپنی قیادت میں لے کر اسی شب قافلے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس کے ساتھ ایک ہزار پیادے اور ایک ہزار گھڑ سوار تھے جن کا رخ جنوب کی طرف تھا۔ یہ 9 جمادی الاولیٰ 588ھ (21 جون 1192ء) کا قصہ ہے۔ پہلی شب رچرڈ 'حافیہ' کے ٹیلوں پر اور اگلے دن حافیہ میں تھا۔ یہاں اس نے بقیہ سپاہیوں کو کھنڈرات میں چھپا دیا اور خود چند سواروں اور عرب بدوؤں کو لے کر 'حسّی' کے چشمے کے آس پاس پہنچ گیا اور قافلے کا منتظر رہا۔ مگر رچرڈ کی پوری احتیاط کے باوجود سلطان کے بعض جاسوسوں نے اسے صلیبی خیمہ گاہ سے روانہ ہوتے دیکھ لیا تھا چنانچہ انہوں نے اسی وقت یہ خوفناک خبر سلطان تک پہنچا دی۔ سلطان نے قافلے کو خطرے میں محسوس کر کے امیر اسلم ناصری کو برق رفتار سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ دوڑا دیا تا کہ وہ قافلے کو شاہراہ سے ہٹا کر جنگل کے متبادل راستے پر ڈال دیں اور دشمن کی زد سے زیادہ سے زیادہ دور لے جانے کی کوشش

❶ سیرت ملک صلاح الدین ایوبی، ص: 260 ❷ النوادر السلطانیۃ: 317

کریں۔ اسلم ناصری کے ساتھ ایک اور امیر فخر الدین بھی تھا۔ یہ لوگ وادیاں پھلانگتے مصر کی سرحد کی طرف جارہے تھے، راستے میں وہ 'حسنی' سے بھی گزرے مگر رجرڈ کی فوج دکھائی نہ دی، حالانکہ رجرڈ بھی اسی راستے پر جارہا تھا مگر اس نے زیادہ افراد کو 'حافیہ' کے کھنڈرات میں چھپا دیا تھا اور خود اس کے ساتھ فقط چند افراد تھے جو آسانی سے کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔ [1]

یہ سخت گرمی کے دن تھے۔ اسلم ناصری اور اس کے شہ سوار رکے بغیر سنسان شاہراہ پر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے چلے گئے۔ آخر انہیں قافلہ آتا نظر آ گیا جو اب تک بالکل صحیح و سالم تھا۔ دور دور تک کسی خطرے کے آثار نہیں تھے۔ اسلم ناصری کی جان میں جان آئی۔ چونکہ اس نے راستے میں رجرڈ کو نہیں دیکھا تھا اس لئے اس نے گمان کیا کہ وہ کسی اور راستے میں بھٹک رہا ہوگا اور عام شاہراہ بالکل محفوظ ہے۔ چنانچہ اس نے قافلے کو اسی راستے پر لے چلنے کا فیصلہ کیا حالانکہ سلطان نے قافلے کو شاہراہ سے ہٹا کر جنگل اور صحرا کے طویل راستے سے گھما کر لانے کی تاکید کی تھی مگر ارد گرد دشمن کا اتا پتا نہ پا کر اہل قافلہ نے بھی خود کو محفوظ سمجھا اور شاہراہ کے آرام دہ اور مختصر سفر کو ترجیح دی۔

شام کو قافلے نے خویلفہ کے چشمے پر جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ خدام پانی بھرنے اور جانوروں کو پلانے لگے۔ لوگ نہایت بے فکری سے ادھر ادھر بکھر کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اس شاہراہ پر صرف ایک منزل آگے حسنی کے چشمے پر رجرڈ خود موجود ہے اور اس کے عقب میں چند میل دور حافیہ کے ویرانے میں باقاعدہ صلیبی فوج تیار کھڑی ہے۔ اس مقام سے ذرا دور ایک پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا تھا اور ایک پگڈنڈی پہاڑ پر چڑھتی تھی۔ اسلم ناصری کی چھٹی حس اسے بار بار خطرے کا احساس دلا رہی تھی، اس لئے اس نے قافلے کے امیر کو مشورہ دیا:

''اس علاقے میں رات کو ٹھہرنا مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ ہم شاہراہ سے ہٹ کر پہاڑی راستہ اختیار کریں اور سفر جاری رکھیں۔''

قافلے کے امیر کا نام فلک الدین تھا، وہ الملک العادل کا ماں شریک بھائی تھا، اس نے اسلم ناصری کے مشورے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس کا خیال تھا کہ اہل قافلہ کے لئے رات کو سفر کرنا بہت دشوار ہوگا اور اگر اس دوران کوئی حملہ ہو گیا تو روک تھام ناممکن ہوگی۔ اس نے سلطان کی طرف سے تنبیہ کو بھی نظر انداز کر دیا اور اپنی صوابدید پر منادی کرا دی:

''صبح تک آرام کریں، سفر کل ہی ہوگا۔'' [2]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 317، 318

[2] النوادر السلطانیۃ: 318، الکامل فی التاریخ: 10/215

اس اعلان کے بعد تو وہ لوگ بھی گھوڑے بیچ کر سو گئے جنہیں صلیبیوں کی گھات کی سن گن مل گئی تھی حالانکہ تباہی ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ صرف امیر ناصری کو خطرے کا احساس ہو چکا تھا اس لئے وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑ کی بلندی پر چلا گیا اور وہیں ڈیرا لگا لیا۔ چورا چکے قسم کے صحرائی بدوؤں نے جو ریگستان میں بھوتوں کی طرح بھٹکتے رہتے ہیں، قافلے کو پڑاؤ ڈالتا دیکھ لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رچرڈ ان لوگوں کی تلاش میں ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رچرڈ اس وقت کہاں ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں رچرڈ کے پاس پہنچے جو حسّی کے چشمے کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور اب قافلے کی آمد سے مایوس چلا تھا۔ بدوؤں نے جب اسے اطلاع دی کہ قافلہ چند میل دور خیمہ زن ہے تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے خبر کی تصدیق خود کرنے کا فیصلہ کیا اور اسی وقت بدوؤں کی رہنمائی میں اس سمت روانہ ہو گیا۔ سراغ رسانی کی اس مہم پر نکلتے ہوئے رچرڈ نے اور اس کے ساتھیوں نے عربوں کا بھیس بدل لیا تھا۔ [1]

جب رچرڈ خویلفہ کے چشمے کے پاس پہنچا تو دیکھا واقعی وہاں ایک بہت بڑا قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ بہت سے لوگ خیموں میں محو خواب تھے۔ بہت سے گرمی سے تنگ آ کر کھلے میدان میں سو رہے تھے۔ رچرڈ نے پڑاؤ کا ایک چکر لگا کر اس کی وسعت کا اندازہ لگایا اور اسی وقت اپنے دو ہزار سواروں کے پاس جا پہنچا۔ انہیں حملے کے لئے تیار کیا اور اپنی کمان میں لے کر دوبارہ الخویلفہ کا رخ کیا۔ صبح کاذب کے وقت صلیبی اس وادی میں داخل ہو گئے جہاں رچرڈ نے قافلے کا جائزہ لیا تھا۔ مگر صلیبی اس بات سے لاعلم تھے کہ قافلے کے امیر نے پڑاؤ ڈالتے ہوئے کیا ترتیب اختیار کی تھی۔ امیر نے شاہراہ کے قریب فوج کے خیمے لگوائے تھے جبکہ تاجروں اور عام مسافروں کو سڑک سے بہت دور میدان میں ٹھہرایا تھا۔ جب صلیبیوں نے سحر کے دھندلکے میں کارواں پر دھاوا بولا تو سب سے پہلے محافظ فوج ان کی زد میں آئی۔ اکثر سپاہی جو بے خبر سو رہے تھے، ہڑبڑا کر اٹھے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ قاضی ابن شداد کے بقول:

''اس موقعے پر بہادر وہی تھا جو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور اپنی جان بچا لے گیا۔'' [2]

اگرچہ بعض سپاہیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور درجنوں حملہ آوروں کو تہہ تیغ کیا مگر ان کی اکثریت کو تلواریں اٹھانے کا موقع ملا نہ گھوڑوں پر سوار ہونے کا۔ وہ پیدل ہی اس سمت بھاگ کھڑے ہوئے جس طرف تجارتی قافلے کے خیمے تھے۔ گھڑ سوار فرنگی ان کا تعاقب کرنے لگے جبکہ پیادے وہیں رک کر مال واسباب سمیٹنے لگے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ فوج کا پڑاؤ ہے اور مال واسباب والی اصل خیمہ گاہ بہت آگے ہے۔

اس دوران پہاڑ پر موجود امیر اسلم ناصری چوکنا ہو چکا تھا لیکن وہ اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا

[1] النوادر السلطانیہ: 318 [2] النوادر السلطانیہ: 318

تھا۔ جب اس نے دیکھا گھڑسوار فرنگی مفرور سپاہیوں کا تعاقب کرتے ہوئے دور چلے گئے ہیں اور صرف پیادے باقی رہ گئے ہیں تو وہ اپنے شہ سواروں کے ساتھ پہاڑ سے اتر آیا اور لوٹ مار میں لگے فرنگی پیادوں پر ایک زوردار حملہ کر کے بہتوں کو مار گرایا اور ان سے تازہ دم سواریاں چھین کر تیزی سے شاہراہ پر روانہ ہو گیا تاکہ سلطان کو اس حادثے کی اطلاع دے سکے۔ ادھر مفرور مسلمانوں کا تعاقب کرنے والے صلیبی جب آگے پہنچے تو انہیں صبح صادق کے اجالے میں تجار کے خیمے اور مال و اسباب کے انبار نظر آ گئے چنانچہ وہ اسی طرف دوڑ پڑے اور دیوانوں کی طرح مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ ان کی اس مشغولیت کی وجہ سے قافلے کے اکثر لوگوں کو جان بچا کر نکل جانے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے آدھے جنوب مشرق اور آدھے شمال مشرق کی طرف نکل گئے، ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ محافظ سپاہی بھی انہی میں شامل تھے۔ وہ لوگ زیادہ محفوظ رہے جو جنوب مشرق کے پہاڑی سلسلے کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ قافلے میں شامل عرب بدوان کی رہنمائی کر رہے تھے اور الملک العادل کے مصری سپاہی بھی اسی گروہ میں شامل تھے۔ پہاڑی سلسلے سے گزرتے ہوئے یہ لوگ سیدھا کرک پہنچ گئے جو گزشتہ تین سالوں سے مسلمانوں کا مضبوط قلعہ تھا۔ ❸

بچ جانے والے دوسرے لوگ شمال مشرق کے جنگل اور صحرا میں داخل ہو گئے تھے، یہ بے حد تکلیف اور مشقت اٹھا کر محفوظ مقامات تک پہنچ سکے۔ قافلے کے تقریباً ایک تہائی افراد جن میں اکثر غلام، خدام، شتربان اور سائیس تھے، فرنگیوں نے گرفتار کر لئے جن کی تعداد 500 سے زائد تھی۔ مقتولین میں بھی انہی کی تعداد زیادہ تھی۔ مشہور اور معززلوگوں میں سے حاجب یوسف اور جاؤلی صغیر شہید ہوئے تھے۔ تاہم مسلمانوں کا جو مالی نقصان ہوا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ سامان رسد سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ اور پانچ سو گھوڑے ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ ❷

یہ افسوس ناک واقعہ منگل 11 جمادی الاخریٰ 588ھ (23 جون 1192ء) کی صبح پیش آیا۔ سلطان کو اسی دن عشاء کے وقت یہ اطلاع مل گئی۔ خبر لانے والا نوجوان، امیر اسلم ناصری کا ہرکارہ تھا جو فرنگی پیادوں کو مار کاٹ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ جس خچر پر سوار تھا، وہ اسی جھڑپ میں فرنگیوں سے چھینا گیا تھا۔ سلطان کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا۔ دیر تک وہ رنج و غم کی کیفیت میں ڈوبے رہے۔ قاضی ابن شداد جو شب کی ہر مجلس میں سلطان کے پاس موجود رہتے تھے، انہیں تسلی دیتے رہے مگر سلطان کا رنج کم نہ ہوا۔ ❹

❶ النوادر السلطانیہ: 318_319
❷ النوادر السلطانیہ: 318
❸ النوادر السلطانیہ: 319، الکامل فی التاریخ: 216/10

اس سانحے کے چوتھے دن جمعہ 14 جمادی الاخریٰ 588ھ (26 جون 1192ء) کو رچرڈ اپنے فتح مندد ستے کے ساتھ شاہراہ القدس پر نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے دور تک مالِ غنیمت سے لدے جانوروں کا کارواں پھیلا ہوا تھا جسے مسلمان قیدی ہانک کر صلیبی معسکر کی طرف لا رہے تھے۔ معسکر کے صلیبیوں نے رچرڈ کا شاندار استقبال کیا۔ اس دن بیت نوبہ کی صلیبی خیمہ گاہ میں جشن کا ساسماں تھا۔ فرنگی خوش تھے کہ اتنی بھاری مقدار میں سامان رسد کی فراہمی سے ان کی مہینوں کی ضروریات کا انتظام ہو گیا ہے۔ اب وہ طویل مدت تک القدس کا محاصرہ کر سکتے تھے۔ [1] ......انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہر گام پر فتح ان کی منتظر ہے اور یروشلم میں ظفر مندانہ داخلہ چند دنوں کی بات ہے۔ رچرڈ نے ہنری کی طرف قاصد دوڑا دیے کہ وہ جلد از جلد صور، عکا اور طرابلس کے نصرانیوں کو لے کر محاذ پر پہنچے تاکہ القدس کو ایک صدی قبل کی سی شان وشوکت کے ساتھ دوبارہ فتح کیا جا سکے۔ جشن مناتے ہوئے فرنگیوں کو اپنے آباؤ اجداد کے وہ خونی کارنامے یاد آرہے تھے جو انہوں نے پہلی صلیبی جنگ میں فتح یاب ہونے کے بعد مقدس سرزمین کو بے گناہوں کے لہو سے رنگ کر تاریخ میں محفوظ کر دیے تھے۔ فرنگی ان کارناموں پر شرمانے کی بجائے انہیں دہرانے کے لئے بے چین تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تلوار کا صحیح استعمال یہی تھا کہ اسے فتح کے بعد مظلوموں کے خون میں غوطے دیئے بغیر نیام میں نہ رکھا جائے۔ فرنگیوں کا یہ جشن مسرت مسلمانوں کے سینوں پر مونگ دل رہا تھا۔

مسلمان غم و غصے کے عالم میں حریف کو خوشیاں مناتے دیکھ رہے تھے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کا قائد کتنی خاموشی سے دشمن کی خوشیوں کو ماتم میں بدلنے کے لیے، ایک بہت بڑا اقدام کرنے جا رہا ہے۔ ایک ایسا اقدام جس سے فرنگیوں کے تمام ارمانوں پر یک لخت اوس پڑ جائے گی ......اور ایسا ہی ہوا...... صلیبیوں کی خوشیاں اس وقت دھری کی دھری رہ گئیں جب مخبروں نے رچرڈ کو ایک ناقابلِ یقین خبر سنائی، وہ کہہ رہے تھے:

"سلطان نے القدس کے اردگرد دور دور تک تمام تالاب تڑوا دیے ہیں، چشمے اور پانی کے ذخائر زہر آلود کر دیے ہیں۔ ہر کنواں مٹی سے پاٹ دیا گیا ہے۔ وادی القدس میں اب کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پانی دستیاب ہو۔"

رچرڈ سناٹے میں آ گیا۔ ناتجربہ کار لوگ اس خبر کے عواقب کو نہ سمجھ سکنے کے باعث اتنے پریشان نہ ہوئے مگر رچرڈ کو اسی گھڑی اندازہ ہو چلا تھا کہ شاید اسے بے نیلِ مرام القدس سے واپس جانا پڑے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 310، ملیپی ملیگس: 364، 365

گرمی کا موسم ...... اور فوج پانی سے محروم!! اس کے پاس سلطان صلاح الدین کی جنگی چالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ چند گام پر نظر آنے والا 'یروشلم' اچانک اتنا دور چلا جائے گا۔ ❶

سلطان کی جنگی حکمت عملی اور امراء کا اجلاس: ادھر القدس میں سلطان صلاح الدین نے ہر لحاظ سے ایک طویل محصورانہ جنگ کی حکمت عملی مکمل کر لی تھی۔ سلطان کا منصوبہ تھا کہ وہ خود القدس کی چار دیواری میں رہ کر جنگ کی قیادت کریں گے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ القدس میں نہ ہوئے تو وہاں کوئی بھی جم کر مزاحمت نہیں کر پائے گا مگر امراء نے اسے نامناسب قرار دیتے ہوئے کہا:

''قیادت کا دشمن کے نرغے میں آجانا پوری جنگ کو شکست میں تبدیل کر سکتا ہے جس سے سارے عالم اسلام کو بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

پھر انہوں نے سلطان کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتے ہوئے کہا:

''القدس کے دفاع کے لئے ہم کافی ہیں۔ ہم دشمن کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، آپ کو القدس میں رہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔''

اس بحث کے نتیجے میں فیصلہ ہوا کہ سلطان کے معتمد امراء شہر کا دفاع کریں گے جبکہ سلطان خود فوج کے ایک حصے کے ساتھ شہر کے قریب موجود رہ کر دشمن پر تند وتیز حملے کرتے رہیں گے، ان کی خوراک و رسد کی راہ مسدود کریں گے اور انہیں نرغے میں لینے کی کوشش کریں گے جیسا کہ عکا کے محاذ پر ہوا۔

اجلاس میں یہ حکمت عملی تو طے ہوگئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر امراء نے یہ رائے صرف سلطان کو مطمئن کرنے کے لئے دی تھی۔ انہوں نے اپنی دلی کیفیات اور خیالات کو چھپائے رکھا تھا۔ وہ یہ تو ضرور چاہتے تھے کہ سلطان اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیں اور عکا کے محاذ کی طرح وہ یہاں بھی کھلے میدان میں لڑتے رہیں مگر وہ اس پر بھی بخوشی آمادہ نہیں تھے کہ سلطان کے بدلے خود القدس میں محصور ہو جائیں کیونکہ انہیں القدس کے محاذ پر عکا سے بھی زیادہ سخت محاصرے اور مصائب کا خطرہ تھا۔ کھلے لفظوں میں ان کی رائے یہ تھی کہ القدس میں نہ سلطان کو رہنا چاہئے اور نہ باقی اسلامی فوج کو۔ بلکہ سب کھلے میدان میں فرنگیوں سے لڑیں۔ ❷

مگر اس رائے کے اظہار میں سلطان کی سخت ناراضی کا اندیشہ تھا۔ سلطان کوئی ایسی بات سننا برداشت نہیں کر سکتے تھے جس سے القدس کے تحفظ کے ولولے میں کمی اور اس کی خاطر قربانی دینے میں

❶ النوادر السلطانیہ: 320، صلیبی جنگیں: 365 ❷ النوادر السلطانیہ: 38

کوتاہی کا تاثر ابھرتا ہو۔ چنانچہ امراء خاموش رہے اور اصل بات کہنے کے لئے مناسب ذریعے یا موقعے کا انتظار کرنے لگے۔

سلطان کو امراء کے دلوں کا حال معلوم نہیں تھا مگر ان کی تجربہ نگاہوں اور چھٹی حس نے محسوس کرلیا تھا کہ بھرپور تائید کرنے اور قدم قدم پر مفید مشورے دینے والے امراء ان سے پوری طرح متفق نہیں ہیں۔اس لیے سلطان نے ایک اور اجلاس منعقد کر کے امراء کا اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

سلطان کا امراء سے تاریخی خطاب: جمعرات 19 جمادی الاخریٰ 588ھ (یکم جولائی 1192ء) کو بیت المقدس کی فصیلوں پر محافظ حسب معمول چوکس کھڑے تھے، باہر وادی میں مکمل سناٹا تھا، جبکہ شہر کے اندر لوگ جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ان دنوں بیت المقدس کے دفاع کے لئے ایوبی سلطنت کے امراء دور دور سے اپنی جمعیتوں کے ساتھ پہنچ رہے تھے، خود سلطان کا بیٹا بھی الملک الافضل بھی اسی روز اپنی فوج کے ساتھ دمشق سے آیا تھا۔ وہ کبیدہ خاطر تھا کہ سلطان نے تقی الدین بن عمر کی الجزیرہ والی جاگیر اس کی بجائے الملک العادل کو کیوں دے دی۔ اس لئے پہلے تو وہ محاذ پر واپس آنے کی بجائے دمشق میں رک گیا تھا مگر جب اسے القدس کے قریب فرنگیوں کے اجتماع کی خبر اور سلطان کی طرف سے فی الفور محاذ پر حاضر ہونے کے تاکیدی احکام پہنچے تو وہ سرپٹ دوڑتا چلا آیا۔

اس دن سلطان نے اپنے امراء کی ایک خاص مجلس طلب کی تھی۔مجلس میں سلطان کا خاص مصاحب ابوالہیجاء السمین بھی تھا اور کرد افسران کا رہنما سیف الدین المشطوب بھی۔ دیگر نامی گرامی ترک امراء بھی حاضر خدمت تھے، ہاں الملک العادل اب تک الجزیرہ سے نہیں لوٹا تھا۔سلطان نے یہ مجلس اس لئے بلوائی تھی تا کہ وہ امرائے لشکر کی وفاداری اور اطاعت شعاری کے جذبات کو جانچ سکیں اور ان میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا ولولہ تازہ کرسکیں۔ اگر اس وقت قیادت اور سپاہ کے جذبات اور احساسات میں مکمل ہم آہنگی نہ ہوتی تو یہاں بھی صور اور عکا جیسی ناکامی مقدر ہوسکتی تھی۔سلطان کو اس بات کا اندازہ تھا کہ بعض امراء ان کی جنگی پالیسی سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا اختلاف رائے اگر عملی شکل میں ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو کسی عظیم سانحے سے دوچار کرسکتا ہے۔اس مجلس کے ذریعے سلطان حاضرین کے شکوک وشبہات دور کر کے انہیں ایک عزم نو دینا چاہتے تھے۔حاضرین کے ذہن کو پڑھنے میں سلطان اور قاضی بہاؤالدین یکساں تھے۔اس لیے سلطان نے مجلس کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے قاضی ابن شداد کو جہاد کی ترغیب پر کچھ کہنے کا اشارہ کیا۔وہ کھڑے ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں جہاد پر ابھارنے والی قرآنی آیات اور احادیث سنائیں۔اس دوران انہوں نے کہا:

''جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی سخت مرحلہ درپیش ہوتا تو صحابہ کرام آپ ﷺ ہاتھ پر موت کی بیعت کرتے تھے کہ دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے۔ ہمیں بڑھ چڑھ کر اس عمل کی پیروی کرنی چاہیئے۔ بہتر ہوگا کہ ہم گنبد صخرہ تلے جمع ہوں اور سلطان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کریں، امید ہے کہ ہمارے اس نیک جذبے کی برکت سے دشمن پسپا ہو جائے گا۔''

قاضی صاحب کی بات سے مجلس میں جوش وجذبے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ امراء نے اس رائے کا خیر مقدم کیا اور سلطان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کے لئے مکمل آمادگی ظاہر کی۔ جب ان کی ملی جلی آوازیں بند ہوئیں تو سلطان کی عقابی نگاہیں اٹھیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہوں۔ حاضرین پر سکوت طاری ہو گیا۔ مجلس میں کچھ دیر ایسی خاموشی طاری رہی کہ ہر کسی کو اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

سلطان کچھ دیر متفکرانہ انداز میں سوچتے رہے۔ جیسے اپنا دردِ دل بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔ ہاں القدس کا عاشق اپنی داستانِ عشق کے ابواب الٹنا چاہتا تھا، اپنا سوز جگر بیان کرنا چاہتا تھا...... مگر کیسے...... کیوں کر؟ ...... یہ تو ایمانی غیرت، عشق ومحبت اور ایثار وقربانی کی وہ کہانی تھی جو بیس برسوں پر محیط تھی۔ قاہرہ سے دمشق اور صور سے عکا تک چپے چپے پر اس کے نقوش بکھرے ہوئے تھے اور اب القدس کی وادی میں اس داستان کا آخری باب لکھا جا رہا تھا۔ نامعلوم اس کا انجام کیا ہوگا۔ تابناک یا اندوہناک۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا تھا۔

سلطان کو اتنا معلوم تھا کہ ان کی زندگی اور موت القدس کے لئے ہے...... وہ عمر بھر القدس کی آزادی کے لئے سرگرداں رہے اور اب پانچ برس سے ان کی جانِ ناتواں القدس کی مدافعت کے لئے پگھلتی جا رہی تھی۔ آج موقع تھا کہ وہ اپنا سوز دروں اور بے تابیٔ دل اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھ دیتے۔ اگر قلب وجگر کھول کر دکھائے جا سکتے تو سلطان اپنا سینہ شق کر کے دکھا دیتے...... شاید کسی کو اندازہ ہوتا کہ اس غم نے ان کے باطن کو کس طرح جلا اور گھلا دیا ہے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر ان کی عملیت پسند طبیعت نے ساری داستان کو چند باوقار اور نپے تلے جملوں میں سمیٹ دیا انہوں کہا:

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر۔ جان لو کہ آج کے دن تمہی لوگ اسلام کا لشکر اور اس کے محافظ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی جان ومال اور آل اولاد کی حفاظت کی ذمہ داری تمہی پر عائد ہوتی ہے۔ تمہارے سوا مسلمانوں میں کوئی نہیں جو اس دشمن کا مقابلہ کرے۔ اگر خدانخواستہ تم نے اپنی جانوں کو عزیز رکھا تو اسلامی ممالک یوں لپیٹ دیئے جائیں گے جیسے کوئی لکھی ہوئی دستاویز۔ اب یہ بات تمہارے ذمے ہے۔ تم ہی ہو جنہیں

اس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور تم اس کے عوض بیت المال سے خطیر معاوضے وصول کرتے ہو۔ بس اب تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی حفاظت کا بارِ گراں تمہارے کاندھوں پر ہے۔"

سلطان نے سلسلۂ کلام ختم کیا تو امیر سیف الدین مشطوب نے کھڑے ہو کر نہایت جذباتی انداز میں کہا:

"حضور! ہم آپ کے غلام اور زر خرید ہیں۔ آپ نے ہم پر انعام واکرام کیا، ہمیں بڑا رتبہ بخشا، عزت سے نوازا۔ ہماری گردنیں آپ کے لیے کٹنے کو تیار ہیں۔ اللہ کی قسم ہم مرتے دم تک آپ کی نصرت سے منہ نہیں پھیریں گے۔"

مشطوب کے بعد دیگر امراء نے بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا جس سے سلطان ایوبی کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ حسبِ معمول انہوں نے حاضرینِ مجلس کو کھلا پلا کر رخصت کیا۔ [5]

امراء کا اختلاف رائے: اس میں شک نہیں کہ مجلس میں شریک امرائے سلطنت جہاد کے ولولے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے مگر وہ سلطان کی پالیسی سے اب بھی مطمئن نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بیت المقدس میں محصور رہ کر لڑنا ہمیں کسی خطرناک انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔ چنانچہ مجلس ختم ہوتے ہی وہ اپنے دل کی بات کہنے کے لئے سلطان کے سب سے معزز امیر ابوالہیجاء کے پاس جمع ہو گئے اور اپنا موقف یوں پیش کیا:

"جنابِ محصور رہ کر بیت المقدس کی جنگ لڑنا خلافِ مصلحت ہے۔ ڈر ہے کہ ہم بالکل نرغے میں آجائیں گے اور اہل عکا جیسے انجام سے دوچار ہوں گے۔ ایسا ہوا تو تمام اسلامی شہر ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ صلیبیوں سے کھلے میدان میں ٹکر لی جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کی تو ہم ان سے باقی شہر بھی چھین لیں گے۔ اور خدانخواستہ اگر ہم فتح یاب نہ ہوئے تو اگرچہ بیت المقدس ہاتھ سے نکل جائے گا مگر ہم اپنے لشکر کو مکمل تباہی سے بچا سکیں گے۔ آخر یہ لشکر اس سے پہلے بھی تو اتنی طویل مدت تک عالم اسلام کی حفاظت کرتا رہا ہے جبکہ بیت المقدس ہمارے پاس نہیں تھا۔"

امرائے لشکر کو اب اس حکمت عملی سے بھی اتفاق نہ تھا کہ سلطان خود شہر سے باہر رہیں اور ان کے چند نائب بیت المقدس میں رہ کر شہر کا دفاع کریں۔ حالانکہ یہ رائے کچھ دنوں پہلے امراء نے خود پیش کی تھی مگر اب انہوں نے ابوالہیجاء کو اپنی رائے بتاتے ہوئے کہا:

"آپ سلطان سے کہہ دیں کہ القدس میں محصور رہ کر لڑنے کے لئے ضروری ہے کہ اس صورت

[5] اعلاق الخطیرہ: 320، 321، 322

میں آپ خود شہر میں ہوں، ورنہ کم از کم الملک العادل یا کوئی شہزادہ شہر میں رہ کر کمان سنبھالے۔ تب ہی ہم آپ کی قیادت میں لڑسکیں گے ورنہ اگر آپ نے عکا کی طرح القدس میں بھی صرف امراء کو مقرر کر دیا تو انتشار پھیل جائے گا، کرد سپاہی ترک افسران کے ماتحت نہیں لڑیں گے اور نہ ہی ترک سپاہی کرد امراء کی بات مانیں گے۔"[1]

ابوالہیجاء نے امراء کی باتوں کو بڑے تحمل سے سنا اور پھر انہیں ایک مراسلے کی شکل لکھ کر کچھ دیر بعد سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ مراسلہ پڑھ کر عاشق القدس کے دل پر خنجر سے چل گئے۔ سلطان کو اپنے امراء میں ذہنی ہم آہنگی کے فقدان کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ یہ مراسلہ صاف ظاہر کرتا تھا کہ امراء ملک اور ریاست کی بقا کو بیت المقدس کے دفاع سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ القدس کے مسئلے کو وہ حیثیت نہیں دے رہے تھے جو سلطان کے نزدیک تھی۔ سلطان کے نزدیک تو فنا و بقا کی ساری حدیں القدس پر آ کر ختم ہوتی تھیں مگر امراء کے ہاں القدس سے پہلے بھی بہت کچھ تھا اور بعد میں بھی۔

چونکہ فرنگیوں کے حملے کا خطرہ سر پر تھا اس لئے یہ دن بڑا ہنگامہ خیز رہا۔ القدس کی وادی سے لے کر بیت نوبہ کے صلیبی معسکر تک سلطان کے جاسوس اور گشتی سوار عقابوں کی طرح منڈلا رہے تھے اور سلطان کو پل پل کی خبریں دے رہے تھے۔ شہر کی فصیل پر عجیب گہما گہمی تھی، منجنیقیں نصب کی جارہی تھیں، تیر اور آتشیں ہتھیار برجوں پر پہنچائے جارہے تھے، پتھروں کے ڈھیر لا لا کر فصیل کے پاس جمع کئے جارہے تھے مگر مجاہدین کی اس مستعدی کے باوجود سلطان کا دلی اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ ابو الہیجاء کی گفتگو کے بعد وہ نڈھال سے ہو گئے تھے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے امراء القدس کے بغیر جینے کا تصور کر سکتے ہیں۔ سلطان تو القدس کے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جانے کا خیال بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر امرائے لشکر کی باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ ان کی منزل بیت المقدس نہیں، کہیں اور ہے۔ اگرچہ امرائے لشکر نے محصور رہ کر لڑنے کے جو خطرات بتائے تھے وہ بے حقیقت نہیں تھے مگر سلطان کے نزدیک القدس کی خاطر مسلمانوں کو ہر خطرہ برداشت کرنا چاہیے تھا۔ سلطان کا تمام دن اسی ادھیڑ بن میں گزرا یہاں تک کہ رات کی تاریکی پھیل گئی۔

<u>بھاری تھی شب مریض پر</u>...... سلطان نے تمام امراء کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد سب کو اپنی اپنی رہائش گاہوں میں جانے کی اجازت ہوتی تھی اس لئے سب رخصت ہو گئے۔ قاضی ابن شداد بھی شدید تکان کی حالت میں اپنی استراحت گاہ کی طرف جانے لگے تھے کہ سلطان

[1] النوادر السلطانیہ: 322، 38، 39

نے انہیں اپنے پاس بلوا لیا اور کہا:

"آپ کو معلوم ہے کہ کیا نئی بات پیش آئی ہے؟"

"جی نہیں تو" قاضی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔ انہوں نے دیکھا کہ سلطان کے چہرے پر فکر مندی کے گہرے آثار ہیں۔

"امیر ابوالہیجاء میرے پاس آیا تھا......" یہ کہہ کر سلطان نے قاضی صاحب کو پوری بات بتادی۔ قاضی صاحب بھی سلطان کے رنج وفکر میں شریک ہو گئے۔ سلطان کی طرح ان کی بھی نیند اڑ گئی۔ کھلے میدان میں جنگ لڑنے کا فیصلہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ پوری جنگی حکمت عملی از سرنو ترتیب دی جائے۔ فوج کو شہر سے نکال کر دور لے جایا جائے اور کسی مناسب ترین جگہ کیمپ لگایا جائے۔ یہ بات بھی عجیب ترین تھی کہ امرائے فوج کو ان باتوں کا خیال پہلے نہ آیا۔ وہ چپ چاپ سلطان کی حکمت عملی کی تائید کرتے رہے مگر اب جبکہ دشمن سر پر آچکا تھا اور ایک دو دن میں فیصلہ کن جنگ ہونے کو تھی، وہ جنگی پالیسی تبدیل کرنے پر زور دینے لگے تھے۔

سلطان کو اس وقت اپنے بھائی الملک العادل کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اگر وہ ہوتا تو شاید کوئی نہ کوئی حل نکال لیتا یا کم از کم اس کی موجودگی میں سلطان کو تسلی تو رہتی۔ مگر اب تسلی دینے والا بھی کوئی نہ تھا سوائے قاضی ابن شداد کے۔ جو اس رات آخری پہر تک سلطان کے ساتھ بیٹھے، ان کے دکھ میں شریک رہے۔ اسلام کے یہ دونوں غم خوار رات بھر آئندہ کے لئے مناسب حکمت عملی پر غور کرتے رہے۔ انہوں نے حالات کے تمام پہلوؤں کا از سرنو جائزہ لیا، دفاع کے تمام امکانات پر سوچ بچار کی، منصوبے بنائے اور ہر منصوبے کے نتائج اور عواقب پر بحث کی۔

قاضی صاحب سلطان کے مزاج شناس تھے اور فنِ طب سے بھی آگاہ تھے۔ ان کا تجربہ یہ تھا کہ سلطان کی جسمانی رطوبتیں زیادہ سوچ بچار کے باعث بہت جلد خرچ ہو جاتی ہیں اور طبیعت پر خشکی غالب آجاتی ہے جو طرح طرح کے امراض کا باعث بنتی ہے۔ صبح صادق کے قریب قاضی صاحب نے سلطان سے عرض کیا:

"اب آپ کچھ دیر آرام کرلیں شاید نیند آہی جائے۔"

سلطان نے جواباً کہا: "ہاں شاید آپ کو بھی نیند آجائے۔"

قاضی صاحب آرام کی نیت سے اپنی قیام گاہ پر آگئے مگر اتنے میں مؤذن کی پرسوز صدا بلند ہوئی:

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر"

قاضی صاحب آرام کا خیال چھوڑ کر نماز فجر کے لئے وضو کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد جب سلطان کی خدمت میں پہنچے تو انہیں بھی وضو کرتے پایا۔

''مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔'' سلطان نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''جی مجھے معلوم ہے۔'' قاضی صاحب بولے۔

''آپ کو کیسے معلوم؟'' سلطان نے پوچھا۔

قاضی صاحب نے کہا: ''اس لئے کہ میں خود نہیں سو سکا، نیند کا وقت ہی نہیں بچا تھا۔''[1]

سلطان کے آنسو، اقصیٰ کے مصلے پر: نمازِ فجر سے فارغ ہوتے ہی قاضی صاحب کو ایک عجیب خیال آیا۔ انہوں نے سلطان سے کہا:

''ایک مشورہ ذہن میں آیا ہے، میرا خیال ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل مفید ثابت ہوگا۔''

''ہاں کہیے، کیا مشورہ ہے؟'' سلطان نے دلچسپی سے پوچھا۔

''القدس کی حفاظت کی فکر سے آپ کے قلب پر بے حد بوجھ ہے، آپ اس کے تحفظ کے لئے ظاہری اسباب کے درجے میں اتنا کچھ کر چکے ہیں کہ اس سے زیادہ کسی کے بس میں نہیں۔ اب آپ کو چاہیے کہ بس اللہ سے لو لگالیں، اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور مصیبت سے بچنے کے لئے اس پر بھروسہ کریں۔''

سلطان نے پوچھا: ''یہ کام کس ترتیب سے کریں؟''

قاضی صاحب بولے:

''آج جمعے کا دن ہے، ہفتے کا سب سے مبارک دن۔ اس میں ایک گھڑی دعاؤں کی قبولیت کی ہوتی ہے۔ پھر ہم دنیا کے نہایت مقدس مقام میں ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ آج نمازِ جمعہ کو جانے سے قبل غسل کریں اور پوشیدہ طور پر صدقہ دیں کہ کسی کو خبر نہ ہو کہ یہ صدقہ سلطان کی جانب سے ہے۔ پھر آپ حسبِ معمول نماز کے لئے مسجدِ اقصیٰ جائیں اور جمعہ کی اذان اور اقامت کے درمیان اس جگہ دو رکعت نماز ادا کریں جہاں سے حضور اکرم ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا تھا۔ اس نماز کے دوران سجدے کی حالت میں اپنے رب کو پکاریں۔ اس بارے میں صحیح حدیث موجود ہے:

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء

''بندہ سجدے کے وقت اپنے رب سے سب زیادہ قریب ہوتا ہے پس اس وقت خوب دعا کرو۔''[2]

[1] النوادر السلطانیۃ:39
[2] سنن نسائی:9461

آپ اپنے دل میں کہیں: مولا! تیرے دین کی نصرت میں میرے مادّی وسائل ختم ہو چکے۔ بس اب تجھ سے لو لگانا، تیری رسی کو تھامنا اور تیرے فضل پر بھروسہ کرنا باقی رہ گیا ہے۔ تو میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔''

یہ ترتیب بتا کر قاضی صاحب نے کہا:

''جب آپ اس طرح اپنے رب سے مناجات کریں گے اور اپنے تمام معاملات کی چابیاں اس ذات کے سپرد کر دیں گے اور اپنے مقصد کے حصول میں عاجزی و بے بسی کا اعتراف کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر نظر رحمت فرمائے گا اور آپ کی دعا قبول ہوگی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے۔ وہ آپ کو آپ کے مقصد میں ناکام نہیں کرے گا۔''

سلطان نے ایک سچے مسلمان کی طرح اس نیک مشورے کو تہہ دل سے قبول کر لیا۔ وہ وقت سے پہلے نماز جمعہ کے لئے تیار ہوئے اور مسجد اقصیٰ کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ آسمان سے باتیں کرتا گنبدِ صخرہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ان کی عمر بھر کی متاع، ان کی جدوجہد کا حاصل، ان کی آرزوؤں کا محور، جس کی ٹھنڈی چھاؤں تلے انہیں رب کی ردائے رحمت میں آجانے کا احساس ہوتا۔ چند لمحوں بعد وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ مسجدِ اقصیٰ جس کی بازیابی کے لئے انہوں نے اپنی جوانی اور ادھیڑ عمری تج دی اور جس کی حفاظت کے لئے وہ بڑھاپے میں بھی ایک نوخیز عاشق کی طرح جذبوں اور ولولوں سے بھرپور تھے۔ یہ مسجد ان کے عشق کا مرکز تھی۔ یہ ان کی کل کائنات تھی۔ اس کی خدمت ان کا کل سرمایہ تھی جو وہ اپنے سینے سے لگائے اپنے رب کے حضور پیش ہونا چاہتے تھے۔ آج وہ اسی سرمایہ حیات میں اپنے رب کے سامنے گڑگڑانے جا رہے تھے۔ ربّ کائنات سے اپنی کائنات کی بھیک مانگنے جا رہے تھے۔

مسجدِ اقصیٰ میں اس وقت مکمل خاموشی طاری تھی۔ کچھ لوگ آہستہ آہستہ پورے سکون اور وقار کے ساتھ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ سلطان جمعے کے وقت کا انتظار کرتے رہے۔ پھر مؤذن مینار پر چڑھا اور فضائے القدس 'اللہ اکبر، اللہ اکبر' کی روح پرور پکار کے ساتھ مرتعش ہونے لگی۔

اذان ختم ہوئی تو سلطان نے ایک کونے میں نفل نماز کی نیت باندھ لی، وہ دیر تک سجدے میں گر کر روتے رہے ان کے آنسو ان کی داڑھی کو تر کرتے ہوئے مصلے پر گر رہے تھے۔ وہ جو دعائیں مانگ رہے تھے، کوئی نہ سن سکا۔ بس ان کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ قاضی ابن شداد جو کچھ فاصلے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اتنا بتاتے ہیں:

وھو یذکر کلمات ودموعہ یتقاطر مصلاہ

''وہ کچھ کلمات دہراتے رہے اور ان کے آنسو جائے نماز پر گرتے رہے۔''

ہر شخص سمجھ سکتا تھا کہ وہ رب ذوالجلال سے اقصیٰ کی خیرات کے سوا کچھ نہیں مانگ رہے تھے۔

عاشق القدس کی بے تابانہ دعائیں قبول ہوئیں۔ قدرتِ الٰہیہ نے القدس کی وادی میں اترتے ہوئے دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ یہ بالکل اس وقت ہوا جب سلطان مسجدِ اقصیٰ میں دست بدعا تھے۔

اسی جمعے کی شام کو قبولیتِ دُعا کے آثار ظاہر ہوگئے۔ سلطان اپنے خواص کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کماندار عزالدین جردیک کی جانب سے مخبر تازہ ترین حالات پر مشتمل رقعہ لے کر حاضر ہوا، اس میں لکھا تھا:

'فرنگی آج دو پہر کو گھوڑوں پر سوار آگے بڑھے، دیر تک ٹیلوں پر کھڑے رہے مگر پھر اچانک چپ چاپ اپنی خیمہ گاہ کو لوٹ گئے۔ ہم نے اصل بات کا پتا لگانے کے لئے جاسوس متحرک کردیے ہیں۔''[1]

اصل میں اس وقت فرنگی امراء گھوڑوں پر سوار ہوکر ایک سنجیدہ مسئلے پر بحث کررہے تھے۔ ان کے ہاں دستور تھا کہ اہم جنگی امور کا فیصلہ گھوڑوں کی پشت پر بیٹھ کر کیا جاتا تھا۔

صلیبیوں میں اختلافِ رائے ﷺ اس دن رچرڈ القدس پر حملے کی ترتیب حتمی طور پر طے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نقشہ سازوں سے کہہ کر القدس اور اس کے گردونواح کا ایک ماڈل بنوایا، اس کا بغور معاینہ کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ شہر کے صرف شمال کی طرف ایک ہموار پٹی ہے جو شہر کی فصیل سے جا ملتی ہے اور یہی عمومی آمدورفت کا راستہ ہے۔ مشرق، مغرب اور جنوب میں ایک وادی نے شہر کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔

رچرڈ نے پوچھا: ''یہ وادی جو تین طرف سے شہر کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کیا گہری ہے؟''

واقف کار لوگوں نے کہا: ''ہاں یہ خاصی گہری ہے اور اس میں دشوار گزار راستے نکلتے ہیں۔''

رچرڈ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا:

''جب تک صلاح الدین زندہ ہے اور مسلمان متحد ہیں القدس کا محاصرہ ممکن نہیں۔''

''وہ کیسے؟'' نائٹوں کے ماتھوں پر شکنیں پڑ گئیں۔

''وہ اس طرح کہ اگر ہم شمال کی ہموار زمین پر اتر کر اس طرف سے محاصرہ کریں گے تو شہر کے بقیہ تین اطراف آزاد رہیں گے، اہلِ شہر ان راستوں سے آمدورفت جاری رکھیں گے، خوراک و رسد فراہم ہوتی رہے گی۔''

''تو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہم دو مختلف سمتوں سے شہر کا محاصرہ کرلیں؟''

[1] النوادر السلطانیہ: ص 322_30_39_223

صلیبی افسران نے مشورہ دیا۔
"یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ جب ہماری طاقت دو یا زیادہ حصوں میں تقسیم ہو جائے گی تو صلاح الدین کسی ایک جانب کا محاصرہ کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے گا اور انہیں کچل دے گا۔"
رچرڈ نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صلاح الدین ایک جانب سے حملہ کرے اور ہم مارے جائیں! کیا ایسے میں ہم دوسری جانب سے کمک نہیں منگوا سکیں گے؟"
کسی نے اعتراض کیا۔
"نہیں! اس گہری وادی میں ایک سمت اترنے والا لشکر دوسری سمت والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ظاہر ہے انہیں اپنا پڑاؤ چھوڑنا پڑے گا۔ جیسے ہی وہ اپنا پڑاؤ چھوڑ کر دور نکلیں گے اُس طرف متعین صلاح الدین کی فوج پڑاؤ پر حملہ کر دے گی اور سب کچھ لوٹ لے گی۔"
رچرڈ نے جواب دیا۔
"مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کمک پر سب کے سب نہ جائیں۔ کچھ فوج پڑاؤ کی حفاظت کرتی رہے، کچھ دوسروں کی مدد کے لئے جائے۔" کسی نے مشورہ دیا۔
"ہاں یہ ہو تو سکتا ہے مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ وادی کے راستے دشوار گزار ہیں، اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے کے لیے وادی کی دوسری سمت پہنچنے میں انہیں اتنی دیر لگ جائے گی کہ اس دوران صلاح الدین اپنے مدمقابل فوج کو پسپا کر کے کمک پر آنے والوں سے لڑنے کے لئے فارغ ہو چکا ہوگا۔"
رچرڈ کے دلائل سے صلیبی سورما مبہوت رہ گئے۔
رچرڈ نے مزید کہا:
"اس کے علاوہ اس علاقے تک خوراک و رسد کی فراہمی کا سلسلہ برقرار رکھنا بھی نہایت مشکل ہے۔ جانوروں کو چارہ مہیا کرنا بھی آسان نہیں۔"
صلیبیوں کو رچرڈ کی باتوں میں وزن معلوم ہو رہا تھا مگر وہ پانچ سالہ پُرمشقت جنگ کے بعد القدس کے سامنے پہنچے تھے۔ واپس کیوں کر جاتے افرانسیسی واپسی کا سوچنے پر بھی تیار نہیں تھے۔ انہوں نے کہا:
"ہم اپنے ملکوں سے صرف اس لئے آئے تھے کہ یروشلم کو آزاد کرائیں گے۔ ہم اس کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"
رچرڈ نے انہیں خبردار کرتے ہوئے کہا:

”اس علاقے میں پانی دستیاب نہیں۔ القدس کے تمام تالاب اور کنویں تباہ کردیے گئے ہیں۔ شہر کے قرب وجوار میں کہیں پانی کا نام ونشان تک نہیں۔ میدانِ جنگ میں ہمیں پانی کہاں سے ملے گا؟“

”بادشاہ سلامت! ہم ’تقوع‘ ندی سے پانی لے سکتے ہیں، یہ القدس سے صرف تین میل دور ہے۔“ ایک مقامی نصرانی نے رائے دی۔

”تو اس ندی سے پانی لانے اور جانوروں کو پلانے کا طریق کار کیا ہوگا؟“ رچرڈ نے سوال اٹھایا۔

”ہم فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرلیں گے۔ ایک حصہ دشمن سے جنگ میں مصروف رہے گا اور ایک حصہ جانوروں سمیت ندی پر جاکر سیراب ہوگا۔ اس طرح روزانہ سب کو ایک بار پانی پینے کو مل جائیگا۔“ افسران نے ترتیب بتائی۔

”نہیں۔ بلکہ اس صورت میں ہوگا یہ کہ جو فوج جانوروں کو پانی پلانے ندی پر لے جائے گی، اسے صلاح الدین کے چھاپہ مار گھیر لیں گے اور جو فوج شہر کے سامنے رہ جائے گی اسے شہر میں موجود فوج روند کر رکھ دے گی۔“

رچرڈ نے یہ کہہ کر تجویز مسترد کردی۔[1]

ان پہلوؤں کے سامنے آنے کے بعد صلیبیوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ کچھ لوگ واپس چلنے پر اصرار کررہے تھے اور کچھ بضد تھے کہ حملہ شروع کردیا جائے۔ اختلافِ رائے اتنا بڑھا کہ فیصلہ کرنا محال ہوگیا۔ آخر اس اہم ترین قومی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے جمہوری انداز کا ایک طریق کار وضع کیا گیا۔ طے یہ ہوا کہ صلیب کے نام پر جمع ہونے والے ان فرانسیسیوں، انگریزوں، ہاسپٹلروں، ٹمپلروں اور شامی فرنگیوں میں سے یکساں تناسب کے ساتھ تین سو نمائندہ اشخاص چنے جائیں گے۔ یہ تین سو اَفراد ایسے بارہ افراد کو منتخب کریں گے جو ان کے نزدیک صائب الرائے اور قابلِ اعتماد ہوں۔ پھر یہ بارہ افراد مل کر تین ججوں کی جیوری مقرر کریں گے جو اس قضیے کا حتمی فیصلہ کرے گی۔

اس طرح ایک جیوری تشکیل دی گئی۔ رات جیوری کے ارکان نے غور وفکر کرتے اور فرنگیوں نے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے گزاری۔ ادھر سلطان اور ان کے خواص بھی دشمن کی تازہ ترین خبروں کے منتظر تھے۔[2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 323، 324۔ الکامل: 10/211۔
یاد رہے کہ ابن اثیر نے فرنگیوں کی اس مشاورت کا ذکر 587 ہجری کے احوال میں بیت المقدس پر فرنگیوں کی پہلی یورش کے ذیل میں کیا ہے جو بلاشبہ غلطی ہے۔ ابن شداد نے اسے آخری حملے کے تحت نقل کیا ہے۔ وہ اس جنگ کے عینی شاہد تھے، اس لیے انہی کے بیان کو ترجیح ہونی چاہیے۔

[2] النوادر السلطانیہ: 324، صلیبی جنگیں: 272

صلیبی ناکام لوٹ گئے ❁ اگلے دن صبح سویرے عزالدین جردیک کا برق رفتار قاصد سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر مقدس میں داخل ہوا۔اس نے سلطان کو جردیک کا لکھا ہوا تفصیلی مراسلہ دیا جس میں جاسوسوں کی زبانی صلیبیوں کے اختلاف، مشاورت اور فیصلے کی تفاصیل درج کی گئی تھیں اور آخر میں اطلاع تھی:

"آج صلیبیوں نے اپنی خیمہ گاہ خالی کر دی ہے اور وہ رملہ کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔"

جیوری نے یروشلم کی طرف یلغار روکنے کا فیصلہ کرتے ہوئے سفارش کی تھی کہ اب 250 میل دور واقع قاہرہ کی جانب پیش قدمی شروع کی جائے۔فرانسیسوں کے احتجاج کے باوجود یہ فیصلہ فی الفور نافذ کر دیا گیا اور صلیبیوں نے صبح اپنے خیمے اکھاڑ لئے۔یہ واقعہ ہفتہ 21 جمادی الاخریٰ 588ھ (3 جولائی 1192ء) کا ہے۔[5]

بلاشبہ سلطان صلاح الدین کی دعاؤں اور مسلمانوں کی قوتِ ایمانی نے لشکرِ صلیب کی بے پایاں طاقت کو شکست فاش دے دی تھی۔صلیبی حسرت و ندامت کے آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے واپس جا رہے تھے جبکہ ارض مقدس سجودِ شکر سے آباد ہو رہی تھی۔مسلمانوں کے چہروں پر مسکراہٹیں کھل رہی تھیں، فضاء میں خوشیوں کے ترانے گونج رہے تھے، فتح و نصرت کی نورانی پوشاک پہنے سلطان صلاح الدین کی کشادہ پیشانی پر دائمی اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا اور مسجد اقصیٰ کے مینار پر مؤذن بدستور "اللہ اکبر اللہ اکبر" کا نعرہ جان فزا بلند کر رہا تھا۔سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کے تحفظ کا فیصلہ کن معرکہ کسی بڑی خون ریزی کے بغیر جیت لیا تھا۔یہ ان کے عشق و وفا، مذہبی جوش و جذبے اور اللہ پر اعتماد و توکل کا کمال تھا جس کے باعث نصرت خداوندی قدم قدم پر ان کے شامل حال رہی۔ان کی مضطربانہ دعاؤں کے اثر سے کفار کے دلوں میں از خود ہیبت بیٹھ گئی اور یوں اہل اسلام، پرستاران صلیب کو وادی القدس سے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔مگر ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے صرف دعاؤں کے سہارے جنگ کی ہو۔اس فتح یابی میں ان کی مربوط منصوبہ بندی، مسلسل تدبیر، اَن تھک جدوجہد اور بے پناہ جانی و مالی وسائل کی قربانی یقیناً شامل تھی۔

ویسے تو معرکۂ القدس جیتنے میں سلطان نے جن امور کو اختیار کیا وہ تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں، مگر ایک بار پھر ان کا اختصاراً ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

1- سلطان نے بیت المقدس کی پرانی فصیل کو مستحکم کروایا اور ایک نئی فلک بوس فصیل بھی تیار کرائی۔ دفاعی انتظامات اتنے مضبوط کر دیے کہ مسلمان طویل مدت تک محصور رہ کر جنگ لڑ سکتے تھے۔

---

[5] الروضتین: 324، صلیبی جنگیں: 272

2- شہر میں فوج کی بھاری نفری تعینات کی اور خوراک ورسد کے بے پناہ ذخائر جمع کرا دیئے۔
3- اپنی افواج کو بار بار جوش وولولہ دلانے کے لئے وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا۔ شہر کے تعمیری کاموں کی عملی مشقت میں بذاتِ خود حصہ لے کر سپاہ اور مجاہدین کے حوصلے بلند کر دیئے۔
4- آخر تک خود محاذ پر موجود رہ کر افواج کی ہمت برقرار رکھی۔
5- دشمن کیلئے میدانِ جنگ کو انتہائی ناساز گار بنا دیا۔ اس مقصد کے لئے القدس کے محلِ وقوع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔
6- دشمن کے تجارتی قافلوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر کے ان تک خوراک ورسد کی فراہمی مشکل بنا دی۔
7- آخر میں ان کے لئے پانی کا حصول بھی مشکل تر بنا دیا۔
8- اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا ہتھیار استعمال کیا جو مسلمان کا سب سے کارگر اسلحہ ہے۔

یہ وہ چند عوامل تھے جن کی بنیاد پر آخرکار رچرڈ جیسا جنگ آزما اور عیار حکمران بھی میدان القدس میں سلطان کے سامنے اعتراف شکست پر مجبور ہو کر پسپا ہو گیا اور اس کے بعد پونے آٹھ سو سال تک (1967ء تک) کوئی لشکرِ کفار القدس پر حملہ آور نہ ہو سکا۔

فصل:6

یافا کا معرکہ

القدس سے واپس ہوتے ہوئے رچرڈ نے افواج کو حوصلہ دلانے کے لئے یہ اعلان کیا تھا کہ عن قریب ہم قاہرہ پر حملہ کریں گے مگر یہ ناممکن قسم کا منصوبہ کبھی عمل میں نہ آسکا۔ رچرڈ کو اب انگلستان واپسی کی جلدی تھی۔ وہ عسقلان میں بھی نہ رکا اور سیدھا عکا جا کر دم لیا۔ ہیرلڈ لیمب کے بقول

"وہ عکا کی طرف اس طرح لوٹا جیسے کسی بڑی مصیبت سے جان بچا کر بھاگا ہو۔"

عسقلان میں صرف ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز رہ گئے۔ فرانسیسی شمال کی طرف نکل گئے۔ اطالوی سپاہی ساحل کے تجارتی قلعوں کی جانب چل دیے۔ چند دنوں کے اندر اندر صلیبی فوج کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ رچرڈ خود جلد از جلد شام سے روانہ ہونا چاہتا تھا مگر اس سے قبل سلطان سے معاملات طے کرنا ضروری تھا۔ رچرڈ اب بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ سلطان سے برابر کی سطح پر مذاکرات کر کے اپنا وقار بچالے گا۔ عکا واپس جاتے ہی اس نے سلطان سے صلح کے لیے نامہ و پیام کا آغاز کر دیا۔ رچرڈ کا بھانجا ہنری اوف شیمپن اس سلسلے میں پیش پیش تھا۔

22 جمادی الاخریٰ 588ھ (4 جولائی 1192ء) سے 7 رجب (19 جولائی) تک رچرڈ کی طرف سے صلح کی بابت کئی پیغامات آئے۔ جن میں سے کسی میں دوستی کا اظہار تھا اور کسی میں بین السطور دھمکیاں دی گئی تھیں۔ کہنے کو تو یہ سب مراسلہ نگاری مصالحت کے لئے تھی مگر سنجیدہ اور ٹھوس باتوں سے عاری تھی۔ اس قسم کے پیغامات سے فرنگیوں کے ذہنی انتشار، تلون مزاجی اور نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

صلح کی اس خط و کتابت میں سلطان کی طرف سے حاجب یوسف کو سفارت کار بنایا گیا تھا جو سیف الدین مشطوب کا خاص مصاحب تھا۔ سلطان کو موصول ہونے والا پہلا مراسلہ ہنری اوف شیمپن کا تھا جو 22 جمادی الاخریٰ (4 جولائی) کو ایک قاصد لے کر حاضر ہوا۔ ہنری نے لکھا تھا:

''شاہ رچرڈ نے ساحلی شہر مجھے دے دیے ہیں، اب وہ میرے ہیں۔ اب آپ بھی مجھے میرے شہر واپس کر دیں تا کہ میں آپ سے صلح کر لوں۔ میں آپ کا بیٹا بن کر رہوں گا۔''

یہ احمقانہ خط پڑھ کر سلطان کو اتنا غصہ آیا کہ حد نہیں۔ ایک شکست خوردہ دشمن کس بل بوتے پر اتنا بڑا مطالبہ کر رہا تھا!! شاید ہنری کا دماغ چل گیا تھا۔ سلطان نے سفیر کی وساطت سے ہنری کے مطالبے کا یہ جواب بھیجا کہ چونکہ وہ کونرڈ کا جانشین ہے لہٰذا اسے اسی معاہدے کا پابند رہنا چاہیے جو کونرڈ کے ساتھ طے پایا تھا۔ اس معاہدے کے مطابق صور اور عکا کے سوا کوئی علاقہ سرے سے موضوع بحث نہیں بن سکتا۔ ①

23 جمادی الاخریٰ (5 جولائی) کو رچرڈ کا پیغام ملا جو اس نے سلطان کے سفیر حاجب یوسف کی زبانی بھیجا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا:

''ہم اور تم، دونوں ہلاکت کے قریب ہیں۔ بہتر ہوگا کہ خوں ریزی بند کر دی جائے۔ ہماری صلح جوئی کو ہماری کمزوری پر محمول نہ کیا جائے کیوں کہ ہم کسی مصلحت کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں۔ میرے پیچھے ہٹنے سے دھوکا مت کھایئے، کیونکہ دنبہ ٹکر رسید کرنے سے پہلے پیچھے ضرور ہٹتا ہے۔'' ②

جمعہ 26 جمادی الاخریٰ (8 جولائی) کو رچرڈ کا سفیر اپنے آقا کا دوسرا پیغام جو تحریری تھا، لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں لکھا تھا:

''میں آپ سے محبت اور دوستی کے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہوں۔ میں زمین کا فرعون نہیں بننا چاہتا اور نہ آپ کے بارے میں ایسی خواہش کا گمان کیا جا سکتا ہے۔ نہ آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کو ہلاک کرا دیں اور نہ میرے لئے یہ درست ہے کہ میں تمام فرنگیوں کو مروا دوں۔ میں نے اپنے بھانجے ہنری کو ان شہروں کا مالک بنا دیا ہے اور اس نوجوان کو میں آپ کے سپرد کرتا ہوں تا کہ وہ اور اس کے سپاہی آپ کے حکم کے تابعدار رہیں۔ اگر آپ انہیں مشرق میں بھی کسی مہم کے لئے پکاریں گے تو وہ سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔''

رچرڈ نے یہ بھی لکھا تھا:

''آپ سے کئی تارک الدنیا راہبوں نے گرجے مانگے اور آپ نے انہیں دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ سو میں بھی آپ سے بس ایک گرجا مانگتا ہوں اور اس سے قبل الملک العادل سے مذاکرات کے دوران ہمارے جن مطالبات نے آپ کو ناراض کر دیا تھا، میں انہیں ترک کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے ایک دیہات یا بنجر زمین کا کوئی ٹکڑا بھی عنایت کر دیں تو میں اسے بھی

① النوادر السلطانیہ: 324

② النوادر السلطانیہ: 325

چوم کر قبول کرلوں گا۔“

سلطان نے عجز و نیاز پر مشتمل یہ آخری مراسلہ امراء کو سنا کر ان سے رائے مانگی۔ سب نے صلح کرنے کی رائے دی۔ کیوں کہ وہ خود مسلسل لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ تب سلطان نے لچک دار رویہ اپناتے ہوئے رچرڈ کو یہ جواب بھیجا:

”جب آپ کی جانب سے یہ رویہ ہے تو ہم بھی بھلائی کے بدلے بھلائی پر عمل پیرا رہیں گے۔ آپ کا بھانجا میری اولاد کی مانند ہوگا، اس سے جو حسن سلوک ہوگا وہ عن قریب آپ پر عیاں ہو جائے گا۔ میں آپ کو القدس میں سب سے بڑے گرجے ’سینٹ جان چرچ‘ کا مالک بناؤں گا۔ جہاں تک شہروں کا تعلق ہے تو ہم انہیں اس طرح تقسیم کرلیں گے کہ ساحل کے جو علاقے آپ کے پاس ہیں وہ آپ کے رہیں گے اور ساحل سے ہٹ کر کوہستانی قلعے جو ہمارے پاس ہیں وہ ہماری ملکیت رہیں گے۔ جو علاقہ ساحل اور کوہستان کے درمیان ہے اسے باہم آدھوں آدھ تقسیم کرلیا جائے گا۔ جہاں تک عسقلان اور اس کے جنوب میں ’داروم‘ کا تعلق ہے تو انہیں بہر حال تباہ کر دیا جائے گا، یہ علاقہ ہمارا ہوگا نہ آپ کا۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو عسقلان کے دیہات آپ لے سکتے ہیں۔“[1]

عسقلان کا مسئلہ: سلطان نے عسقلان کو تباہ کرنے کی شرط اس لئے لگائی تھی کہ اگر شام و مصر کی سرحدوں پر واقع یہ شہر فرنگیوں کے پاس رہتا تو وہ جب چاہتے القدس پر حملہ کر سکتے تھے اور جب چاہتے شام و مصر کے درمیان زمینی رابطے منقطع کر سکتے تھے اس لئے نصرانیوں کی یہاں سے بے دخلی ناگزیر تھی۔

سلطان کا جواب ملنے کے بعد رچرڈ نے ہنری کو اپنا سفیر بنا کر دوبدو گفتگو کے لئے القدس بھیجا۔ وہ 29 جمادی الاخریٰ 588ھ (11 جولائی 1192ء) کو سلطان سے ملا۔ اس نے کہا:

”شاہ رچرڈ کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کے قلعے میں ہمارے بیس افراد کو رہنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بھی مقامی عیسائی یا فرنگی القدس میں آباد ہونا چاہے اسے نہ روکا جائے۔“

سلطان نے جواب دیا:

”بیت المقدس میں آپ کا اس کے سوا اور کوئی حق قابلِ تسلیم نہیں کہ آپ اس کی زیارت کے لئے آسکتے ہیں۔“

ہنری نے کہا:

”اچھا اتنا تو قبول کرلیں کہ زائرین پر آپ کوئی ٹیکس نہیں لگائیں گے۔“

[1] النوادر السلطانیہ: 326، 326

سلطان نے یہ بات منظور کر لی۔

جب عسقلان کا مسئلہ زیرِ بحث آیا اور سلطان نے اس کی تباہی پر زور دیا تو ہنری بولا:

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ شاہِ رچرڈ نے اس کی فصیل تیار کرنے پر بے پناہ مال صرف کیا ہے۔''

یہ اعتراض سن کر سیف الدین نے سلطان کو مشورہ دیا:

''عسقلان پر ان کا جو خرچ آیا ہے، اس کے بدلے انہیں عسقلان کے کھیت اور دیہات دے دیئے جائیں۔''

سلطان نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ عسقلان کے نواحی قلعوں داروم وغیرہ کے بارے میں طے ہوا کہ انہیں تباہ کر دیا جائے، البتہ ان کی نواحی زمینیں برابر تقسیم ہوں گی۔ باقی شہروں کے بارے میں یہ تفصیل طے ہوئی کہ یافا سے صور تک تمام ساحلی شہر اور ان کی نواحی زمینیں فرنگیوں کی ہوں گی، پہاڑی شہر مسلمانوں کے ہوں گے۔ سرحدوں پر جس زمین کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ وہ کس کی طرف ہے تو اسے برابر بانٹ لیا جائے گا۔ ہنری رچرڈ کی جانب سے سلطان کے لئے ہدیہ کے طور پر اعلیٰ نسل کے بازوں کا جوڑا لایا تھا۔ سلطان نے بھی اسے رچرڈ کے لئے بیش قیمت تحائف دے کر رخصت کیا۔ [1]

رچرڈ انگلستان واپسی کے لئے مضطرب تھا کیونکہ اس کے بھائی ارل جان کی جانب سے بغاوت کا خطرہ تھا مگر وہ صلیبیوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا کہ وہ مستقبل میں القدس پر حملے کے قابل نہ رہیں۔ اس لئے عسقلان کی تخریب کی تجویز اس کے نزدیک ناقابلِ قبول تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے سفیر کو اس سلسلے میں گفتگو کے لئے بھیجا۔ سفیر 3 رجب 588ھ (15 جولائی 1192ء) کی شب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عسقلان، داروم اور قرب وجوار کے علاقوں کے بارے میں کہا:

''شاہ رچرڈ نہایت مسکنت کے ساتھ یہ التجا کر رہے ہیں کہ آپ ان کی خاطر یہ علاقے آباد رہنے دیں، آپ کی عظیم سلطنت میں بھلا ان علاقوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ شاہ رچرڈ تو ان علاقوں پر اصرار فقط اس لئے کر رہے ہیں کہ فرنگی انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔ شاہ رچرڈ نے القدس کے بارے میں دیگر مطالبات بھی ترک کر دیئے ہیں، انہوں نے چرچ سینٹ جان کے سوا کہیں اور پادریوں اور راہبوں کے تقرر کا مطالبہ بھی واپس لے لیا ہے، پس مناسب ہوگا کہ آپ بھی عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے عسقلان، داروم اور ملحقہ علاقے ان کو بخش دیں۔ شاہِ رچرڈ واپس جانا چاہتے ہیں لیکن اگر صلح نہ ہو سکی تو صلیبی انہیں واپس نہیں جانے دیں گے۔ شاہِ رچرڈ صلیبیوں کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتے۔''

[1] النوادر السلطانیۃ:327

سلطان نے امراء سے مشورہ کیا تو سب نے عسقلان اور گرد و نواح کے قلعے فرنگیوں کے حوالے کرنے کی مخالفت کی اور کہا: ''ہم کبھی بھی اس بات کو قبول نہیں کریں گے۔''

انہوں نے عسقلان کو بہر صورت اجاڑنے پر زور دیا اور تجویز دی کہ عسقلان کی فصیل کی تعمیر پر فرنگیوں نے جو خرچہ کیا ہے اس کے بدلے انہیں ''لد'' کا میدانی علاقہ دے دیا جائے۔ رچرڈ کا سفیر جمعہ 4 رجب (16 جولائی) کی صبح سلطان کا پیغام لے کر روانہ ہوا، اور 7 رجب (19 جولائی) کو اس نے رچرڈ کا یہ جواب پہنچایا:

''ہم عسقلان کا ایک پتھر بھی نہیں اکھاڑ سکتے۔''

یوں ہفتے بھر سے جاری مذاکرات عسقلان کے مسئلے پر گرہ لگ جانے کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ مصالحت کی ناؤ عسقلان کے بھنور میں غرق ہو گئی۔ [1]

<u>لشکرِ سلطانی یافا کی طرف</u>: بات چیت ختم ہوتے ہی دونوں جنگ آزما حکمرانوں نے شمشیریں سونت لیں، مگر دونوں بہت فاصلے پر تھے۔ رچرڈ عکا میں تھا اور سلطان القدس میں۔ رچرڈ اپنی سپہ گری دکھانے کے لئے عکا سے بیروت پر حملے کے لئے پابہ رکاب ہوا۔ ادھر سلطان نے یافا پر یلغار کی تیاری کر لی۔

بدھ 10 رجب 588ھ (22 جولائی 1192ء) کو سلطان فوج کے ایک حصے کے ساتھ بیت المقدس سے نکلے۔ راستے میں الملک العادل ان سے آملا جو الجزیرہ کے علاقے کے انتظامات بحال کر کے آ رہا تھا۔ سلطان نے 'بیت نوبہ' میں ٹھہر کر القدس کی بقیہ فوج کو جمع کیا اور اتوار 13 رجب کو کوچ کر کے رملہ اور لد کے درمیان ٹیلوں تک پہنچ گئے۔ اب ان کی پشت پر القدس بالکل محفوظ تھا اور وہ سامنے ساحل کے فرنگی قلعوں پر جارحانہ حملوں کے لئے بالکل تیار تھے۔

14 رجب (26 جولائی) کو سلطان نے ایک دستے کے ساتھ 'بازور' اور 'بیت جبریل' کے علاقے میں گشت کیا۔ مغربی افق پر 'یافا' ان کے سامنے تھا۔ سلطان نے گشت سے واپس آکر امرائے لشکر کو جمع کیا اور یافا پر حملے کے بارے میں مشورہ کیا، سب نے آمادگی ظاہر کی۔ حملے کی منصوبہ بندی ہوئی اور اگلے دن 15 رجب (27 جولائی) کو سلطانی افواج نے پیش قدمی کر کے یافا کو گھیر لیا۔ لشکر ایک کمان کی طرح اس ساحلی شہر کے گرد پھیل گیا۔

سلطان کا چھوٹا بیٹا الملک الظاہر جو 5 رجب (18 جولائی) کو حلب سے القدس پہنچا تھا دائیں بازو کی افواج کی کمان کرتے ہوئے ساحل سمندر کے قریب کھڑا تھا۔ میسرہ کی قیادت الملک العادل کے ہاتھ

[1] النوادر السلطانیہ: 328-329

میں تھی، درمیان میں قلب کے سپاہی سلطان کی کمان میں تھے۔ لشکر کی صف بندی اور منجنیقوں کی تنصیب کے بعد 16 رجب (28 جولائی) کو حملہ شروع ہوا۔ مسلمان امنگوں اور ولولوں سے بھرپور تھے۔ القدس سے صلیبیوں کے ٹڈی دل کو پسپا کرنے کے بعد ان کے نزدیک 'یافا' کی فتح معمولی کام تھا۔ وہ نعرۂ تکبیر کرتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے اور زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔

فصیل پر کھڑے فرنگی بے حد دباؤ کے عالم میں مزاحمت کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ فصیل بہت زیادہ مضبوط نہیں۔ چند سال پہلے سلطان کی ساحلی فتوحات کے دوران یافا پر حملے میں اس فصیل کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ بعد میں عکا کی جنگ کے اختتام پر سلطان نے یہ فصیل منہدم کرادی تھی تا کہ دشمن یافا کو مورچہ نہ بنا سکے۔ اب چند ماہ پہلے رچرڈ نے اس کے منہدم حصوں کو دوبارہ تعمیر کرا لیا تھا مگر سلطان کے افسران کو اس کے کمزور حصوں کا بخوبی علم تھا۔ انہوں نے شہر کے شمالی پھاٹک سے لے کر کونے تک کی دیوار کو ہدف بنا لیا۔ یہی وہ حصہ تھا جسے انہوں نے یافا کی پہلی فتح کے دوران شکستہ کیا تھا۔ اب وہ ایک بار پھر اسے گرانے کی تگ و دو میں تھے۔

نقب زن اپنے کارندوں کے ساتھ فصیل کے اس حصے تک پہنچ چکے تھے اور ان کی بنیادوں میں سرنگیں لگا رہے تھے۔ فصیل سے دشمن کی تیراندازی اور سنگ باری کے باوجود سرنگوں کی کھدائی رکنے میں نہیں آرہی تھی۔ نقب زن سرنگوں کے دہانے کھودنے تک تو دشمن کی نشانہ بازی کی زد میں ہوتے تھے مگر ایک بار سرنگ کا منہ بنا لینے کے بعد جب وہ سرنگ میں داخل ہو جاتے تھے تو دشمن کی دسترس سے محفوظ ہو جاتے تھے۔

اس وقت نقب زن دیوار کے نیچے ایک متوازی سرنگ بنا کر اس کے اندر گھس چکے تھے اور اس کی گہرائی اور لمبائی میں مطلوبہ اضافے کو مکمل کرنے والے تھے۔ بس تھوڑی دیر میں وہ کھدائی سے فارغ ہو کر نکلنے والے تھے، اس کے بعد سرنگ میں ایندھن بھرنے اور آتشی دھماکا کرنے سے فصیل منہدم ہو جاتی۔ مسلمان اس وقت سامنے نظر آنے والی فتح کے احساس سے سرشار تھے۔ انہیں یقین تھا کہ شہر آج ہی فتح ہو جائے گا۔

مگر اس دوران فرنگیوں نے ایک عجیب کام کر دکھایا۔ انہوں نے مسلمانوں کی بنائی گئی سرنگ کے مقام کا بالکل صحیح اندازہ کر کے اسے مختلف جگہوں سے دھنسا کر زمین کے برابر کر دیا۔ یوں سرنگ ناکارہ ہوگئی۔ نقب زن بڑی مشکل سے جان بچا کر خوف زدہ حالت میں سرنگ سے نکل بھاگے، فرنگیوں نے فصیل کو تباہ ہوتے ہوتے بچا لیا۔

فرنگیوں کی اس کامیاب مزاحمت سے سلطان کو اندازہ ہوگیا کہ یافا کو فتح کرنا اتنا آسان نہیں بلکہ اس پر قبضہ کرنے کے لئے مزید تدابیر اختیار کرنا ہوں گی۔ اس دن وہ دیر تک دوبارہ سرنگ کھدوانے کی

کوشش کرتے رہے، آخر نقب زن نئی سرنگ کا منہ بنا کر اس میں اتر گئے۔ ادھر سے سلطان نے حکم دیا کہ منجنیقوں کو خیمہ گاہ سے لا کر فصیل کے اسی سرنگ زدہ حصے کے بالمقابل نصب کر دیا جائے، چنانچہ منجنیقیں گھسیٹ کر لانے اور نصب کرنے کا کام رات کی تاریکی گہری ہونے تک جاری رہا۔[۵]

فرنگی سمجھ گئے تھے کہ وہ شہر کی زیادہ دنوں تک حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ اب ان کے بچاؤ کا آخری سہارا رچرڈ تھا جسے وہ مسلمانوں کے حملے کی اطلاع سمندر کے راستے سے بھیج چکے تھے۔

سلطان نے رات یافا کی فصیل سے چند میل پرے معسکر میں گزاری اور اگلے دن دوبارہ پوری شدت سے حملہ شروع کرا دیا۔ اس دن صبح تک دو منجنیقوں کی تنصیب کا کام مکمل ہو گیا تھا، اب ان کی چرخیاں ساعت خراش کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ گھوم رہی تھیں اور بڑے بڑے وزنی پتھر ہولناک گرج کے ساتھ یافا کی فصیل پر گر رہے تھے۔ سلطانی سپاہی بار بار غول در غول فصیل پر حملہ آور ہو رہے تھے مگر فرنگی بھی اس دن حیرت ناک دلیری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ شہر کے دروازے کھول کر فصیل کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ سینکڑوں فرنگی فصیل سے اندھا دھند تیر باری کر رہے تھے۔ ان کی چرخی دار کمانیں جنہیں 'زنبورک' کہا جاتا تھا، بے حد خطرناک تھیں، ان سے دو دو گز لمبے نیزہ نما فولادی تیر برس رہے تھے جن سے درجنوں مسلمان گھائل ہو چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود فرنگیوں کو یقین تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ مزاحمت نہیں کر پائیں گے۔ آخر انہوں نے رچرڈ کے آنے تک مہلت حاصل کرنا ضروری سمجھا اور عین ہنگامۂ کارزار میں دو سفیر سلطان کے پاس بھیجے جنہوں نے سلطان سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ سلطان نے کہا:

"جنگ صرف اس صورت میں روکی جا سکتی ہے جب وہ ان شرائط پر شہر حوالے کر دیں جو القدس کے نصرانیوں نے قبول کی تھیں۔"

سفیروں نے کہا:

"آپ ہمیں ہفتے کے دن تک مہلت دے دیں، اگر ہمیں اس وقت تک کمک نہ ملی تو ہم القدس کی شرائط پر شہر حوالے کر دیں گے۔"

سلطان نے مہلت دینے سے انکار کر دیا اور سفیر مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ مگر کچھ دیر بعد وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور فی الحال تو جنگ روکنے اور غور و خوض کے لئے وقت دینے کی درخواست کی۔

سفیروں کی اس آمد و رفت کے دوران میدانِ جنگ میں خاموشی چھا گئی تھی۔ فریقین کا خیال تھا کہ

---

۵ النوادر السلطانیہ: 329، 330، 331، الکامل فی التاریخ: 10/317

شاید کوئی معاہدہ ہو جائے گا۔ مگر جب بات چیت بے نتیجہ رہی تو سلطان نے سپاہ کو دوبارہ بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دوران تیسری منجنیق بھی نصب کر دی گئی تھی۔ چنانچہ اب زیادہ شدت سے سنگ باری شروع ہو گئی، ادھر مسلمان نقب زنوں نے فصیل کے ایک کونے میں نئی سرنگ کھود دی تھی۔ سلطان نے فوراً اس میں ایندھن بھروا کر آگ لگوا دی۔ اس مقام پر فصیل پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں آگ کے شعلوں نے اسے چٹخانا شروع کر دیا اور دیوار آہستہ آہستہ بیٹھنے لگی مگر اس سے پہلے کہ وہ پوری طرح گرتی اور مسلمان اندر داخل ہوتے، فرنگیوں نے وہاں درختوں کے تنے اور لکڑیوں کے انبار جمع کر دیئے۔ جوں ہی دیوار کا متاثرہ ٹکڑا گرا، شعلوں بھری سرنگ کھل گئی اور ساتھ رکھے لکڑیوں کے پہاڑ نے آگ پکڑ لی۔ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آگ کی اس دیوار کو عبور کر جاتے، چنانچہ وہ دیر تک آگ بجھنے کا انتظار کرتے رہے، جبکہ فرنگی اس میں مزید ایندھن جھونک کر شعلوں کو بھڑکاتے جا رہے تھے۔ [1]

اس دن بھی یافا سر نہ ہو سکا اور مسلمان تھکے ماندے اپنے خیموں میں لوٹ آئے۔ سلطان کے اسلحہ خانے میں دو منجنیقیں مزید تھیں، سلطان نے انہیں بھی راتوں رات میدان میں نصب کرنے کا حکم دے دیا۔

اگلے دن جمعہ 18 رجب (30 جولائی) کو علی الصبح مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے یافا پر حملہ کیا۔ سلطان نے آج پانچوں منجنیقیں فصیل کے شکستہ حصے کی سیدھ میں نصب کرا دی تھیں، سنگ باری متواتر جاری رکھنے کے لئے پتھروں کے انبار جمع کر لئے گئے تھے، ان پتھروں کے لئے سپاہیوں کو دور دور کی وادیوں اور پہاڑوں تک جانا پڑا تھا کیونکہ یافا کا ساحلی میدان بڑے پتھروں سے خالی تھا۔ آخر منجنیقوں نے دھا دھم سنگ باری شروع کر دی۔ ادھر الملک الظاہر نے میمنہ کے سپاہیوں کے ساتھ شمال سے اور سلطان نے اپنی خاص فوج کے ساتھ قلب سے فصیل پر دھاوا بول دیا۔ جنوب میں الملک العادل، بیماری کے باوجود میسرہ کے سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے حملہ آور ہو چکا تھا۔ ادھر نقب زنوں نے ان تھک کوشش کر کے مزید سرنگیں کھود ڈالیں اور سورج بلند ہونے تک ان میں ایندھن بھر کر آگ لگا دی۔ دو گھنٹے تک فصیل کے اس حصے سے دھوئیں کے مرغولے بلند ہوتے رہے، پھر اچانک ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کے ساتھ گرد اور مٹی کے ایک بادل نے فضا کو گھیر لیا۔ کچھ دیر بعد دھوئیں اور دھول کے مرغولے ہوا میں تحلیل ہوئے تو فصیل کا ایک حصہ زمین بوس نظر آیا۔ اب وہاں اینٹوں اور پتھروں کا ایک ڈھیر باقی رہ گیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ مسلمان اس شگاف کو عبور کرتے، سینکڑوں فرنگی وہاں پہنچ گئے اور نہایت خونریز دھکم پیل شروع ہو گئی۔

[1] النوادر السلطانیۃ:331_332، الکامل فی التاریخ:10/317

ادھر یافا والوں کے دو سفیر دوڑتے سلطان کے پاس آئے اور امان طلب کی۔ سلطان نے جواب میں کہا:

''گھڑسوار کو گھڑسوار کے بدلے اور پیادے کو پیادے کے بدلے آزاد کیا جائے گا، ہاں جو لڑنے بھڑنے سے عاجز لوگ ہیں انہیں القدس والے زرِ فدیہ کے مطابق رہائی دے دی جائے گی۔''

سفیروں نے یہ پیغام لے کر شہر کی طرف لوٹ جانا چاہا مگر پلٹ کر دیکھا تو مسلمان نصرانیوں کو بری طرح روندتے ہوئے شہر کے اندر گھس رہے تھے اور عیسائی سپاہی لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ سفیر گھبرا کر بولے:

''شہر میں ہمارے داخل ہونے تک کچھ دیر تک لڑائی رکوا دیں۔''

سلطان نے جواب دیا: ''اس وقت یہ میرے بس میں نہیں کہ فاتح مسلمانوں کو یکدم روک دوں، بہرحال آپ اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر انہیں قلعے میں چلے جانے کا مشورہ دیں اور ہمارے سپاہیوں کو شہر میں ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ شہر تو سمجھیں اب فتح ہو چکا۔''[1]

سلطان کی سپاہ کے نزدیک واقعی شہر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا۔ آخر وقت تک دشمن سے کوئی معاہدہ ان کے سامنے نہیں تھا اس لئے وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ شہریوں کو امان حاصل نہیں۔ اسی طرح اکثر نصرانی سپاہیوں بھی جب تک ہاتھ نہ روکتے، انہیں یہ خبر نہیں مل سکتی تھی کہ وہ مامون ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خاصی دیر تک فریقین لڑتے رہے۔ مسلمان نصرانیوں کو مارتے کاٹتے شہر میں پھیلتے چلے گئے، دکانوں اور گوداموں کو لوٹ کر خالی کرتے رہے۔ مال و اسباب کے ان انباروں میں بہت سا وہ سامان بھی تھا جو رچرڈ نے مصری قافلے سے لوٹا تھا۔

<u>نصرانی قلعے میں محصور</u>: اس ہنگامہ آرائی کے دوران عیسائی سفیر سلطان کا امان نامہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ جو فرنگی سمجھدار تھے وہ سلطان کی طرف سے اس قدر اجازت کو غنیمت سمجھ کر فوراً قلعے میں جانے لگے، تاہم بہت سے جوشیلے صلیبی لاعلمی کی وجہ سے دیر تک یافا کی سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں سلطان کے سپاہیوں سے تیغ آزمائی کرتے رہے، ان کی بڑی تعداد ہلاک یا زخمی ہو گئی۔ آخر میں تقریباً دو ہزار عیسائی پسپا ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس قلعے میں چلے گئے جو شہر کے ایک کونے میں ساحل کی ریت کے ساتھ ایک بلند چٹان پر تھا، اس کے عقب میں یافا کی بندرگاہ تھی۔ اس قلعے میں جانے والے فرنگیوں کو سلطان کی جانب سے دی جانے والی جان کی امان کا استحقاق حاصل ہو گیا۔

<u>بدنظمی اور ہنگامہ آرائی</u>: اِدھر شہر میں <u>لشکری غلام اور خدام</u> سب اندھا دھند مال و اسباب جمع کرنے

[1] النوادر السلطانیہ: 333، الکامل فی التاریخ: 10/217

میں مشغول تھے۔گلی کوچے اور بازار آبادی سے بالکل خالی تھے کیونکہ بچے کچے سب لوگ قلعے میں چلے گئے تھے لہٰذا سپاہی جی بھر کے سامان اکٹھا کر رہے تھے حالانکہ اس وقت سب سے اہم کام یہ تھا جن فرنگیوں کو جان کی امان دے کر قلعے میں رہنے کی اجازت دی گئی ہے، ان سے جلد از جلد قلعہ خالی کرایا جاتا اور انہیں بحفاظت قلعے سے نکال کر محفوظ مقامات کی طرف روانہ کیا جاتا۔اس کام میں تاخیر کی صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اگر فرنگیوں کی کمک آ گئی تو اسے دیکھ کر قلعے میں پناہ گزیں فرنگی قلعہ بند ہو کر شہر پر دوبارہ قبضے کی کوشش شروع کر دیں گے لہٰذا فوری طور پر قلعہ خالی کروا کر شہر پر قبضہ مستحکم کرنا لازمی تھا۔مگر سپاہیوں کو سالہا سال بعد مالِ غنیمت جمع کرنے کا ایسا کھلا موقع ملا تھا اس لئے وہ رکے بغیر اپنے تھیلے بھرتے رہے۔انہوں نے اپنے افسران کی ممانعت کو نظر انداز کر دیا۔دن بھر لڑتے رہنے والے سپاہی اس نئی مشقت کے بعد اتنے تھک گئے کہ ان میں مزید کچھ کرنے کی ہمت نہ رہی۔جب انہیں کہا گیا کہ وہ قلعے میں جانے والے نصرانیوں کے انخلاء کا کام کروائیں تو وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔وہ تھکے ماندے تھے اور صرف آرام کرنا چاہتے تھے۔

<u>ایک پریشان کن اطلاع</u>:ادھر عصر کے وقت سلطان کو ایک پریشان کن اطلاع ملی۔عکا کے قریب اسلامی سرحدوں کے نگران قائماز نجمی نے خبر دی تھی کہ رچرڈ نے یافا پر حملے سے آگاہ ہوتے ہی بیروت کی طرف پیش قدمی ترک کر دی ہے۔اب وہ بحری بیڑے پر یافا آ رہا ہے۔سلطان کے لئے یہ اطلاع بجلی گرنے سے کم نہیں تھی......مگر وہ اس بارے میں فوج کو آگاہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس طرح یہ بات دشمن تک پہنچ جاتی اور وہ رچرڈ کے آنے تک قلعے میں جمے رہتے۔سلطان نے حقیقت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے سپاہ پر زور دیا کہ وہ جلد از جلد قلعے کو نصرانیوں سے خالی کروا کر اس پر قبضہ کر لیں لیکن سپاہی اس کام کی اہمیت نہ سمجھ پائے اور سستی کرتے رہے کیونکہ دن بھر تلواروں کی گردش اور دھوئیں کی تپش سہنے کی وجہ سے وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔سلطان رات تک انہیں قلعہ خالی کروانے کا حوصلہ دیتے رہے......جب سپاہیوں کو کچھ کرنے دھرنے سے بالکل عاجز دیکھا تو تشویش کی حالت میں اپنے خیمے کی طرف چلے گئے۔[1]

واقعہ اس دن فتح کے بعد مسلمانوں سے نظم وضبط کا دامن چھوٹ گیا تھا، بعض افسوس ناک مناظر دیکھنے میں آئے۔علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

''سلطان کے مملوک افسران کا ایک گروہ شہر کے دروازوں پر کھڑا رہا، وہ شہر سے نکلنے والے ہر مسلمان کی تلاشی لیتے، اس کے پاس <u>مال غنیمت ہوتا تو لے لیتے اگر وہ دینے سے انکار کرتا تو مار</u>

[1] النوادر السلطانیۃ:333۔334

پیٹ کر زبردستی چھینتے۔''[1]

اس قسم کے واقعات سے بھی خود فوج میں بے زاری پھیل رہی تھی۔ شاید قلعے پر فوری حملہ نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ عام سپاہی اپنے مملوک افسران کی سختی سے بددل ہوں۔ بہرحال فوج کو حکم عدولی کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

<u>بحری بیڑے کا بگل</u>؛ سلطان کی طرح ان کے امراء اور محرم راز رفقاء نے بھی وہ رات اضطراب کے عالم میں گزاری۔ رچرڈ ایک دو دن پہلے بیروت کے راستے سے پلٹ کر ادھر روانہ ہوا تھا۔ اب اندازہ یہ تھا کہ وہ کل یافا کے ساحل پر ہوگا۔ اگر اس سے پہلے قلعہ فتح نہ ہوتا تو بازی الٹ سکتی تھی۔

تاروں بھری رات کا آنچل آہستہ آہستہ سرکتا رہا، ساحل سے آنے والی خوشگوار ہوا کے جھونکوں میں غازیانِ اسلام بے فکر سو رہے تھے۔ ہاں کچھ لوگ تھے جن کی چھٹی حس انہیں خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔ انہی لوگوں میں قاضی بہاؤالدین بھی شامل تھے۔ ''فرنگیوں کو کسی بھی لمحے کمک مل سکتی ہے۔'' اس دھڑکے سے وہ پوری رات نہ سو سکے۔

چند گھنٹوں بعد مشرق میں صبح صادق کا نور پھیلنے لگا...... اچانک شمال مغرب کی جانب سے اک مدھم سیٹی جیسی آواز سنائی دی۔ ساحل سے دھیرے دھیرے ٹکرانے والی موجوں کے زیر و بم کے ساتھ یہ عجیب سی آواز بہت دور سے آرہی تھی۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے ادھر کان لگا لیے۔ انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ فرنگیوں کے لئے کمک آرہی ہے اور یہ آواز ان کے بحری بیڑے کے بگل کی ہے۔ قاضی صاحب کا خدشہ صحیح نکلا تھا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ سلطان نے انہیں اپنے خیمے میں بلوا لیا اور کہا:

''کوئی شبہ نہیں رہا کہ فرنگیوں کے لئے سمندری کمک آگئی ہے، ساحل پر ہمارے سپاہی موجود ہیں جو انہیں آگے بڑھنے سے روکیں گے۔ اب آپ فوراً الملک الظاہر کے پاس جائیں اور اسے کہیں کہ وہ جنوبی دروازے کے پاس مورچہ سنبھال لے۔ آپ اپنے قابلِ اعتماد رفقاء کے ساتھ قلعے کے اندر جائیں اور وہاں سے فرنگیوں کو باہر نکلنے پر آمادہ کریں۔ ان کے ہتھیار، دولت اور سامان آپ اپنی تحویل میں لیتے جائیں۔''

قاضی ابن شداد، سلطان کے خزانچی شمس الدین کے ساتھ فوراً الملک الظاہر کے پاس پہنچے۔ سلطان کا یہ سعادت مند بیٹا ہراول دستوں کا نگران تھا اور سمندر کے کنارے ایک ریتلے ٹیلے پر سو رہا تھا۔ اس حالت میں بھی اس نے ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور زرہ پہنی ہوئی تھی تاکہ فوراً کسی خطرے کے مقابلے

[1] الکامل فی التاریخ: 217/10

کے لیے تیار ہو سکے۔ قاضی صاحب نے اسے جگایا تو وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیر تک جاگتا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار بدستور تھا۔ قاضی صاحب نے اسے تازہ صورت حال اور سلطان کی ہدایت سے آگاہ کیا۔ وہ فوراً قاضی صاحب کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ [1]

دونوں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے آناً فاناً یافا میں داخل ہوئے اور شہر کی سنسان گلیوں سے گزر کر قلعے تک پہنچ گئے۔ جلد ہی انہوں نے بات چیت کر کے وہاں ٹھہرے ہوئے فرنگیوں کو فوری انخلاء پر آمادہ کر لیا۔ مگر اس سے پہلے کہ فرنگی قلعے سے نکلنا شروع ہوتے، عزالدین جوردیک آگے آگیا اور بولا:

''پہلے ہمیں شہر کو اپنے لوگوں سے خالی کر دینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو وہ نکلنے والے فرنگیوں کو گزند پہنچائیں۔''

دراصل شہر میں سپاہیوں کے علاوہ غلام، مزدور، شتربان اور آوارہ لوگ بھی نصرانیوں کو لوٹنے کھسوٹنے کے خیال سے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان پر قابو پانا بہت مشکل تھا۔ بہرحال جوردیک نے ان لوگوں کو شہر سے نکالنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ قاضی صاحب نے جوردیک کو اس کارِ عبث سے روکنے کی بہت کوشش کی، خاصا برا بھلا بھی کہا مگر چونکہ وہ اصل خطرے سے لاعلم تھا اس لئے اپنی دھن میں لگا رہا۔ وہ چھڑی لے کر لوگوں کو ہنکانے اور باہر نکالنے کی کوشش کرتا رہا مگر بدنظم لوگوں کی بھیڑ بھلا کہاں قابو میں آتی۔ آخر دن کی روشنی پھیل گئی، اُدھر فرنگیوں کا بیڑا اُفق پر نظر آنے لگا تھا، اس کے بگل کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ تب قاضی صاحب نے جوردیک کو کہا:

''بات یہ ہے کہ دشمن کی کمک آگئی ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ فرنگیوں کو جلد باہر بھیج دیا جائے، یہ حکم خود سلطان معظم نے دیا ہے۔''

تب جوردیک کا ماتھا ٹھنکا اور وہ قاضی صاحب کے ساتھ قلعے کی طرف لپکا۔ اس دوران قلعے میں موجود فرنگیوں کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ کمک آگئی ہے، ان میں سے بہت سے قلعے کی فصیل سے سمندر کی لہروں پر آگے بڑھتے ہوئے بیڑے کو دیکھ رہے تھے مگر ابھی تک انہیں اس کمک سے کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے:

''اب مدد کا پہنچنا بے سود ہے، ساحل پر موجود مسلمان سپاہی ان فرنگیوں کو کنارے پر اترنے ہی نہیں دیں گے بلکہ یہ خطرہ ہے کہ مسلمان ان کی وجہ سے اشتعال میں آکر ہمیں قتل نہ کر دیں۔''

یہ سوچ کر فرنگی قاضی صاحب اور جوردیک کی ہدایت کے مطابق جلدی جلدی قلعے سے باہر نکلنے

[1] النوادر السلطانیہ: 334۔335

لگے۔ اس طرح 49 مرد اور عورتیں اپنے گھوڑوں اور سواریوں سمیت قلعے سے نکال کر شہر سے باہر پہنچا دیئے گئے۔

مگر اس کے فوراً بعد اچانک ایک عجیب ترین بات ہوئی۔ قلعے میں موجود فرنگیوں کے چہروں پر حیرت اور پھر مسرت رقصاں ہوگئی، انہوں نے زرہیں پہن لیں، ڈھالیں اٹھالیں اور جنگ پر کمربستہ ہوگئے۔ اصل میں بحری بیڑا اب اتنا قریب آچکا تھا کہ جہازوں کی تعداد شمار کی جاسکتی تھی اور سپاہیوں کی بھاری نفری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

یہ 15 جہازوں اور 30 بڑی کشتیوں پر مشتمل بیڑا تھا جس پر ہزاروں سپاہی سوار تھے۔ اتنی بڑی فوج کو مدد کے لئے پہنچتا دیکھ کر قلعے میں موجود فرنگیوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ انہوں نے قلعہ خالی کرنے کا خیال دل سے نکال دیا، انہیں امید ہو چلی تھی کہ وہ مدد کے لئے آنے والی فوج کے ساتھ مل کر شہر پر دوبارہ قبضہ کرسکتے ہیں۔ [1]

قاضی ابن شداد اس وقت قلعے کے دروازے سے متصل ٹیلے پر کھڑے تھے۔ فرنگیوں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھتے ہی وہ تیزی سے نیچے اتر کر عزالدین جوردیک کے پاس پہنچے۔ وہ نشیب میں کچھ سپاہیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

قاضی صاحب نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا:

''ہوشیار!! اپنے بچاؤ کا انتظام کرو، ان لوگوں کی نیت بدل گئی ہے۔''

جوردیک نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر قاضی صاحب کو لے کر بے تحاشا شہر سے باہر کی طرف دوڑ لگادی۔ ادھر یہ دونوں شہر کے پھاٹک سے نکل کر الملک الظاہر تک پہنچے، ادھر قلعے کی طرف سے شور وغوغا کی آواز سنائی دی جو تیزی سے پورے شہر میں پھیلتی چلی گئی۔ مسلح فرنگی گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں موجود مسلمانوں پر حملہ آور ہوگئے تھے اور وہاں تعینات سلطان کے سپاہی افراتفری کے عالم میں شہر خالی کررہے تھے۔ شہر کے دروازے پر اتنا رش ہوگیا کہ دھکم پیل میں کئی مسلمان کچلے گئے۔ آن کی آن میں فرنگیوں نے یافا پر قبضہ کرلیا۔ جو مسلمان اندر رہ گئے تھے اب وہ ان کی تیغ ستم کا نشانہ بن گئے۔

یہ صورتحال دیکھ کر الملک الظاہر نے قاضی صاحب کو سلطان کی طرف دوڑایا۔ تھوڑی ہی دیر میں معسکرِ سلطانی سے فوجیں پہنچنے لگیں۔ مسلمان یک بارگی دھاوا بول کر شہر میں داخل ہوگئے اور فرنگی ان کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹتے ہوئے قلعے میں پناہ لینے لگے۔ انہوں نے قلعے کے دروازے بند کر

[1] النوادر السلطانیہ: 335_336

لیے اور بے چین نگاہوں سے ساحل کی طرف دیکھنے لگے جہاں رچرڈ کی قیادت میں بحری بیڑا لنگر انداز تھا۔ مگر جب کچھ دیر تک یہ فوج ساحل پر نہ اتری تو قلعے میں محصور فرنگیوں کو یقین ہو گیا کہ ساحل پر تعینات اسلامی فوج کے خوف سے رچرڈ آگے بڑھنے سے کترا رہا ہے۔ حالانکہ رچرڈ کے تذبذب کی اصل وجہ یہ تھی کہ اسے شہر کے اندر کی اصل صورتحال کا علم نہ تھا۔ شہر کی فصیل پر اب بھی ہر طرف مسلمانوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ دور سے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ قلعے سمیت پورے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ ایسے میں شہر میں داخل ہونا اور مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کرنا ناممکن تھا۔ ساحل پر بھی مسلمان سپاہی تیار کھڑے تھے، ان سے نمٹنا بھی آسان کام نہ تھا۔

رچرڈ اپنے بیڑے کو گہرے پانی میں یافا کی بندرگاہ کے قریب لے آیا اور وہاں سے بغور شہر کی طرف دیکھتا رہا مگر اسے وہاں فرنگیوں کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ حالانکہ قلعے کے فرنگی اسے چیخ چیخ کر پکار رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح رچرڈ کو صورتحال سے آگاہ کریں مگر ایک تو سمندر کی لہروں کا شور تھا اور دوسرے مسلمان تکبیر و تہلیل کے نعرے اس شدت سے بلند کر رہے تھے کہ فرنگیوں کا شور شرابا رچرڈ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

آخر کار اہل قلعہ رچرڈ کی امداد سے بالکل مایوس ہو گئے، وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قلعے پر سلطان کے سپاہیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے اور وہ کچھ دیر میں اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بڑے پادری اور سالار نے دو قاصد سلطان کی خدمت میں بھیج دیے تاکہ اپنی بدعہدی کی معافی مانگتے ہوئے سابقہ شرائط کے مطابق ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی جائے اور سلطان سے امان کا پروانہ لکھوا لیا جائے۔

ابھی یہ قاصد سفید پرچم کے ساتھ قلعے سے نکلے ہی تھے کہ ایک اَن ہونی بات ہو گئی۔ ایک فرنگی کی زبردست ذہانت اور حیرت انگیز دلیری نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ یہ شخص قلعے کے عقبی برج سے رچرڈ کے بیڑے پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر رچرڈ کو اب بھی صحیح صورتحال سے آگاہ کر دیا جائے تو بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ ہمت کر کے قلعے کے برج سے ساحل کی طرف کود گیا۔ [1]

اتنی بلندی سے گرنا جان لیوا تھا مگر خوش قسمتی سے وہ نرم ریت پر گر کر صحیح و سالم رہا۔ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا بندرگاہ پر پہنچا اور چلا چلا کر برطانوی بیڑے کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ مسلمان اسے پکڑتے، ایک کشتی تیزی سے اس کی طرف آئی جس میں انگریز سپاہی سوار تھے، وہ اسے ساتھ بٹھا کر فوراً رچرڈ کے جہاز میں لے گئے جس پر رچرڈ کا پرچم لہرا رہا تھا۔ رچرڈ نے جلدی جلدی اس سے حالات پوچھے۔ جب اسے پتا چلا کہ ابھی تک مسلمان قلعے پر قبضہ نہیں کر پائے تو اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ اس نے سب سپاہیوں کو بندرگاہ پر اتر کر قلعے میں پہنچنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے خود رچرڈ کا

جہاز بندرگاہ سے لگا اور وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ وہاں اتر پڑا۔
ساحل پر موجود مسلمانوں سپاہیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ غیر معمولی بہادری کے ساتھ انہیں مارتا کاٹتا فصیل تک پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے سپاہی بھی ایک ترتیب سے ساحل پر اتر رہے تھے۔ انہوں نے آناً فاناً ساحل سے مسلمانوں کو پسپا کر دیا۔ پھر وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ بندرگاہ پر قابض ہو گیا اور دوسرا حصہ رچرڈ کی قیادت میں شہر میں گھس کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا۔ قلعے میں موجود محصور فرنگیوں نے بھی رچرڈ کی آمد سے حوصلہ پایا اور باہر نکل کر مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان افراتفری کے عالم میں شہر سے نکل کر اپنے معسکر کی طرف بھاگنے لگے۔ قاضی ابن شداد یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے سلطان کے پاس جا پہنچے۔ پادری کے بھیجے ہوئے سفیر اس وقت تازہ صورتحال سے بالکل بے خبر سلطان کے پاس کھڑے تھے اور سلطان ان کے لئے پروانہ امن پر دستخط کرنے کیلئے قلم ہاتھ میں لے چکے تھے کہ قاضی نے آگے بڑھ کر ان کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے انہیں نئی صورتحال سے آگاہ کیا۔
سلطان نے یہ عجیب اور اضطراب کن خبر بڑے صبر و تحمل سے سنی اور سفیروں کو انجان رکھنے کے لئے ان کو باتوں میں لگا لیا۔ تھوڑی دیر میں یافا سے فرار ہونے والے مسلمان بھی آن پہنچے۔ سلطان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فرنگی سفیروں کو حراست میں لے لیں اور فوری طور پر معسکر خالی کر دیں۔ اصل میں سلطان کے سپاہی جس بدنظمی اور حواس باختگی کے عالم میں یافا سے پسپا ہوئے تھے اسے دیکھتے ہوئے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس وقت دشمن کے معمولی سے حملے کی بھی تاب لاسکیں گے۔ سلطان نے دیکھ لیا تھا کہ یافا سے بے دخلی کی اصل وجہ اس وقت مسلمانوں کی کمزوری نہیں، پست ہمتی ہے۔ اس حالت میں اگر رچرڈ یہاں پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو بہت بری شکست ہوتی۔ سلطان نے انہیں منظم کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ عقب نشینی اختیار کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر معسکر کا ضروری ساز وسامان اونٹوں پر لدوا کر پوری فوج کو پیچھے ہٹتے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ مسلمان اس قدر تیزی سے روانہ ہوئے کہ انہیں جلدی میں ساز وسامان اور خوراک ورسد کے بے پناہ انبار وہیں چھوڑنے پڑے۔ زیادہ تر سامان وہی تھا جو انہوں نے یافا سے غنیمت کے طور پر حاصل کیا تھا۔ اس رات مسلمانوں کی خیمہ گاہ چار پانچ میل پرے 'بازور' منتقل کر دی گئی جبکہ سلطان نے ایک دستے کے ساتھ دشمن سے کچھ فاصلے پر رات گزاری۔ رچرڈ نے رات یافا میں گزارنے کی بجائے اپنا خیمہ باہر وادی میں اسی جگہ لگوایا جہاں دوپہر کو سلطان کا خیمہ نصب تھا۔ اس

طرح وہ اپنی مکمل فتح ثابت کرنا چاہتا تھا۔ [1]

رچرڈ کے کارنامے کی حقیقت: رچرڈ کے سوانح نگار اس فتح کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور ایسا تاثر دیتے ہیں کہ گویا اس نے صرف چند سو افراد کے ساتھ سلطان کی پوری فوج کو مار بھگایا تھا۔

حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ رچرڈ جب پہلی بار برطانیہ سے عکا کے ساحل پر اترا تھا تو اس کی ساری فوج 25 جنگی جہازوں میں سوار تھی جنہیں عربی میں شوانی کہا جاتا ہے۔ شوانی جسامت میں چھوٹے بحری جہاز جیسی ہوتی تھیں۔ ایک شانیہ میں ایک ہزار تک سپاہی سوار ہو سکتے تھے۔ یافا میں رچرڈ 15 شوانی لے کر آیا تھا، ساتھ 30 عام کشتیاں بھی تھیں۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ 15 ''شوانی'' میں چودہ پندرہ ہزار سپاہی ضرور تھے۔ بقیہ 30 کشتیوں میں اگر سو سو سپاہی بھی ہوں تو ان میں بھی سپاہیوں کی تعداد تین ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اس طرح رچرڈ کم از کم سترہ اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ ساحل پر اترا تھا۔ ادھر قلعے میں بھی دو تین ہزار فرنگی موجود تھے، ان مجموعی طور پر انیس بیس ہزار فرنگیوں کے مقابلے میں یافا شہر میں پانچ چھ ہزار سے زیادہ مسلمان نہیں تھے لہٰذا اگر رچرڈ کے حملے کے باعث انہیں پسپا ہونا پڑا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی، نہ ہی یہ اتنا بڑا کارنامہ تھا جس سے رچرڈ کی تمام ناکامیوں پر پردہ پڑ جاتا۔

رچرڈ کے ساتھ بکثرت فوج ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شہر فتح کرنے کے بعد وہاں اتنے سپاہیوں کو ٹھہرانے کے لئے جگہ دستیاب نہیں تھی اس لئے رچرڈ نے شہر سے باہر خیمے لگوا کر فوج کو اتارا تھا۔ قاضی ابن شداد اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

''انگریز بادشاہ اس مقام پر آ کر ٹھہرا جو پہلے سلطان کی خیمہ گاہ تھی کیونکہ شہر میں گنجائش نہیں تھی۔ اس نے قلعے کی فوج کو بھی حکم دیا کہ وہ اکثر سپاہیوں کو اس کے پاس بھیج دیں۔'' [2]

اسی طرح کاتب عماد اصفہانی کی عبارت جو انہوں نے یافا کے مذکورہ معرکے کے ایک ماہ بعد صلح رملہ کے موقعے پر تحریر کی تھی، اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔ کاتب عماد لکھتے ہیں:

وكان الفرنج قد ملؤوا يافا من الرجال والاسلحة والاقوات ليتقووا بها على فتح القدس

یعنی فرنگیوں نے یافا کو سپاہیوں، ہتھیاروں اور غذا کے ذخائر سے بھر رکھا تھا تاکہ اس کے ذریعے القدس کو فتح کرنے کی قدرت حاصل کر سکیں۔ [3]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 337، الکامل فی التاریخ: 217/10

[2] النوادر السلطانیہ: 337

[3] الروضتین: تحت 588 ہجری، ذکر ما تم بعد الصلح بین السلطان والانکتیر

بہر حال ہفتہ 19 رجب (31 جولائی) کا معرکہ اس لحاظ سے اہل یورپ کے لئے تیسری صلیبی جنگ کا یادگار باب بن گیا کہ اس میں رچرڈ ڈرامائی انداز میں یافا پر قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور سلطان کو اس مقام سے پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ تاہم اس معرکے کے اختتام پر بھی ہر غیر جانبدار مؤرخ سلطان صلاح الدین ایوبی ہی کو غالب تسلیم کرتا ہے کیوں کہ صلیبی جنگ یافا کے لئے نہیں، القدس کے لئے لڑی گئی تھی جو بدستور مسلمانوں کے پاس تھا۔ صلیبی اس سے ایک انچ زمین بھی حاصل نہیں کر سکے تھے۔

صلاح الدین عظیم ہے ☆ رچرڈ کے یافا پر قابض ہونے کے بعد سلطان کے چند مملوک امراء اس سے ملنے آئے۔ رچرڈ خوش گفتار اور رنگین مزاج انسان تھا۔ سلطان کے کئی مملوک سرداروں سے وہ قریبی دوستوں کی طرح گپیں لگاتا تھا جن میں بدرالدین ولدرم جیسے نامی گرامی امراء شامل تھے۔ اس دن ایک عزیزی، سنقر مشطوبی، اور ابوبکر عادلی رچرڈ کے خیمے میں پہنچے۔ رچرڈ اپنی فتح پر بڑا خوش نظر آ رہا تھا مگر اسے مسلمانوں کی پسپائی پر حیرت بھی تھی۔ اس نے شوخ لہجے میں کہا:

"بلاشبہ سلطان صلاح الدین عظیم ہے۔ دنیائے اسلام میں اس سے زیادہ باعظمت اور اس سے زیادہ طاقتور حکمران اور کوئی نہیں۔ پھر وہ میرے یہاں پہنچتے ہی کوچ کیوں کر گیا۔ حالانکہ میں جنگ کی کوئی خاص تیاری کر کے نہیں آیا، پھر وہ پیچھے کیوں ہٹ گیا؟"

رچرڈ کے ان جملوں میں سلطان کی عظمت کا اعتراف موجود ہے مگر ساتھ ہی اپنی دلیری کا غرور بھی جھلکتا ہے۔ رچرڈ کی یہ بات محض گپ تھی کہ وہ جنگ کی کوئی خاص تیاری کر کے نہیں آیا۔ حقیقت میں وہ پوری تیاری کے ساتھ بیروت فتح کرنے جا رہا تھا۔ یافا پر مسلمانوں کے حملے کی خبر سن کر وہ اسی تیار فوج کو یہاں لے آیا تھا۔ جہاں تک سلطان کے پیچھے ہٹنے کا تعلق ہے تو سلطان نے مصلحت دیکھ کر ایسا کیا تھا کیوں کہ اس وقت فوج کی بددلی کی وجہ سے رچرڈ سے مقابلہ مشکل تھا۔

بہرکیف ان اچٹتے جملوں کے بعد رچرڈ نے یکدم پینترا بدلا اور سلطان کی معرکہ دانی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"خدائے بزرگ و برتر کی قسم مجھے توقع نہیں تھی کہ سلطان یافا کو دو مہینے میں بھی فتح کر پائے گا۔ اس نے دو دن میں اس شہر پر کیسے قبضہ کر لیا۔"

پھر رچرڈ نے ابوبکر حاجب کے ہاتھ سلطان کے نام یہ پیغام بھجوایا:

"خدا کے لئے صلح کے بارے میں میری درخواست کا مثبت جواب دیں کیوں کہ ایک نہ ایک دن صلح ضروری ہے۔ سمندر پار میرے شہر تباہ ہو رہے ہیں، اس جنگ کے جاری رہنے میں نہ میرا

کوئی فائدہ ہے نہ آپ کا۔“

سلطان نے اس پیغام کے جواب میں بے لچک اور اصولی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا:

”اس سے قبل آپ کے ساتھ صلح کی گفتگو بعض شرائط کے تحت چل رہی تھی، یافا اور عسقلان کے معاملات زیر بحث تھے۔ اب آپ نے یافا کا مسئلہ بھی خراب کر دیا ہے لہٰذا آپ کو قیساریہ سے صور پر اکتفا کرنا ہوگا۔“

سلطان کو یقین تھا کہ اس دو ٹوک انداز کے ردِ عمل میں ملتون مزاج اور عیار رچرڈ فوراً اظہارِ عاجزی کرنے لگے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ رچرڈ کی مسکنت اور خوشامد سے لبریز درخواست سلطان کو پہنچی:

”یورپ میں دستور ہے کہ اگر کوئی کسی کو کوئی شہر یا علاقہ بخش دے تو لینے والا دینے والے کا عمر بھر غلام اور وفادار بن کر رہتا ہے۔ میں آپ سے بس ان دو شہروں یافا اور عسقلان کا سوال کرتا ہوں، ان شہروں کی فوج ہمیشہ آپ کی خادم رہے گی اور جب آپ طلب کریں گے آپ کی خدمت میں فوراً حاضر ہو جائے گی۔“ [1]

مگر سلطان کو اس قسم کی خوشامدانہ باتوں سے قائل کرنا ممکن نہیں تھا۔ عسقلان کے بارے میں انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ اسے کسی قیمت پر دشمن کے حوالے نہیں کریں گے جبکہ یافا کو رچرڈ کے پاس رہنے دینے کا فیصلہ بھی وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ انہوں نے یافا لینے کی بات اسی لئے کی تھی کہ رچرڈ دب کر عسقلان سے دست بردار ہونے پر تیار ہو جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ حریف کا عجز و نیاز ظاہر کر رہا تھا کہ اسے صرف یافا پر اکتفا کرنا قبول ہے۔

سلطان نے جواب ارسال کیا:

”جب آپ اس حد تک آ گئے ہیں تو میرا جواب یہ ہے کہ ہم یافا اور عسقلان کو دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ یافا اور اس سے شمال کا ساحلی حصہ آپ کا ہوگا اور عسقلان اور اس سے پرے کا علاقہ ہمارا۔“ [2]

میں جہاد ہمیشہ جاری رکھوں گا ﷺ ہفتہ 20 رجب 588ھ (یکم اگست 1192ء) کو رچرڈ کی طرف سے یافا بخشنے پر شکریے کا مراسلہ آیا مگر ساتھ ہی رچرڈ نے عسقلان کی درخواست بھی دہرائی اور کہا:

”بہتر ہوگا کہ صلح انہی دنوں طے پا جائے، اگر ایسا ہو جائے تو میں فوراً یورپ روانہ ہو جاؤں گا۔ ورنہ مجھے موسم سرما بھی یہیں گزارنا پڑے گا۔“

---

[1] النوادر السلطانیہ: 338

[2] النوادر السلطانیہ: 338

مگر عسقلان کے بارے میں سلطان کا موقف پہاڑ کی طرح اٹل تھا جسے جنبش دینا ممکن نہیں تھا۔ اگرچہ سلطان اپنے سپاہیوں کی جسمانی و ذہنی تکان اور شدید اقتصادی بحران کے باعث چاہتے تھے کہ جنگ ختم ہو جائے مگر جہاں تک عسقلان کا معاملہ تھا وہ اس کے لئے مزید کئی برس لڑنے کے لئے تیار تھے کیونکہ عسقلان پر فرنگیوں کا تسلط القدس کے محاصرے کے مترادف تھا۔ اس لیے سلطان نے رچرڈ کو ایک تاریخی مراسلہ روانہ کیا جس کی ہر ہر سطر سے مردِ مومن کا یقین اور ایثار پیشہ مجاہد کا جوش و ولولہ جھلکتا ہے۔ سلطان نے لکھا:

''عسقلان سے ہمارے دست بردار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں آپ کے لئے موسم سرما یہاں گزارنا ضروری ہے کیونکہ آپ نے ان ساحلی شہروں پر قبضہ تو کر لیا ہے مگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کے جاتے ہی ہم ان شہروں کو چھین لیں گے بلکہ آپ کی موجودگی میں بھی اللہ نے چاہا تو ہم یہ شہر دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جب آپ اپنے گھر سے دور اور اپنے وطن سے دو ماہ کی مسافت پر موسم سرما کی سختیاں برداشت کر سکتے ہیں حالانکہ یہ آپ کی بھرپور جوانی کا زمانہ اور عیش و عشرت کے ایام ہیں، تو بھلا مجھے محاذ پر سردی یا گرمی کا موسم گزارنے میں کیا دِقت ہو سکتی ہے جبکہ میں اپنے ملک میں ہوں، میرے بچے اور میرے گھر والے میرے ساتھ ہیں۔ ویسے بھی میں بوڑھا آدمی ہوں، لذات دنیا کو ترک کر چکا ہوں، میرا دل ان سے بھر گیا ہے، میرے پاس سردیوں کے لئے الگ اور گرمیوں کے لئے الگ فوج کا انتظام ہے۔ جہاد میں مقبولیت کے بارے میں میرا ایمان ہے کہ میں سب سے بڑی عبادت میں مصروف ہوں۔ میں جہاد ہمیشہ جاری رکھوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے فتح یاب کر دے۔''[1]

سلطان کا یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کے جانی و مالی بحران کو برداشت کرتے ہوئے آخر دم تک لڑنے کے لئے تیار تھے۔ ہاں اگر وہ صلح چاہتے تھے تو القدس کے تحفظ کی ضمانت پر۔ وہ ایسی صلح کا تصور نہیں کر سکتے تھے جس سے القدس کی سلامتی اور عالم اسلام کی بقا پر ذرا بھی آنچ آتی ہو اور مسلمانوں کے مفادات متاثر ہوتے ہوں۔ اس کی بجائے وہ میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانے کو ترجیح دیتے تھے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 338، 330

فصل:7

آخری جھڑپ اور صلح نامہ رملہ

عسقلان کے بارے میں سلطان کے سنجیدہ اور دوٹوک موقف نے رچرڈ کو گنگ کردیا تھا۔ کئی دنوں تک وہ مہر بلب رہا اور جنگ جاری رکھنے نہ رکھنے پر غور کرتا رہا۔ اسی دوران عکا سے ہنری اوف شمپین نے رچرڈ کی کمک کے لیے شامی نصرانیوں کو لے کر یافا کی طرف پیش قدمی شروع کردی تھی۔ اگر یہ لوگ یافا پہنچ جاتے تو رچرڈ کو ایک بار پھر ایک بڑی فوج کی قیادت کا موقع مل جاتا۔ مگر سلطان کو یہ خبر بروقت مل گئی۔ امرائے لشکر سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا:

"اگر ہنری کی فوج یافا پہنچ گئی تو ہمیں رچرڈ کے مقابلے میں بڑی مشکل پیش آئے گی بلکہ ممکن ہے کہ ہمیں ساحل کی وادی چھوڑ کر کوہستان تک عقب نشینی اختیار کرنا پڑے۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم برق رفتار دستوں کو آگے بڑھا کر ہنری کی فوج کا راستہ مسدود کرنے کی کوشش کریں۔"

اس مشورے کے مطابق سلطان ایوبی منگل 22 رجب 588ھ (3 اگست 1192ء) کی صبح اپنی قیادت میں تیز رفتار سواروں کی فوج لے کر عوجاء پہنچ گئے جہاں انہیں ہنری کی قیساریہ تک پیش قدمی کی خبر ملی۔ مگر اس فوج کا حال ابتر تھا اور حوصلے پست۔ [1] ...... یورپی مؤرخین کے بقول ہنری کی اس فوج کو سلطان کے سپاہیوں نے ساحل پر اترنے سے روک لیا تھا اور ہنری ایک کشتی میں صرف چند ناٹوں کے ساتھ یافا پہنچ سکا۔ [2]

آخری جھڑپ: اس دوران سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ رچرڈ ایک مختصر فوج کے ساتھ یافا کے باہر خیمے لگائے ہوئے ہے۔ سلطان کو خیال ہوا کہ اگر وہاں اچانک حملہ کردیا جائے تو رچرڈ کو گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خواص اور منتخب سپاہیوں کو ساتھ لے کر ایک غیر معروف مختصر راستہ اختیار کرتے ہوئے تیزی سے اس طرف روانہ ہوگئے۔ عرب بدو ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ بدھ 23 رجب

[1] النوادر السلطانیۃ: 339 [2] صلیبی جنگیں: 286

(4اگست) کو صبح کی ملگجی روشنی میں وہ یافا کے سامنے پہنچ گئے جہاں وادی میں رچرڈ کا پڑاؤ نظر آرہا تھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دس خیمے تھے۔ سلطان کی فوج قریب پہنچی تو عیسائی ہوشیار ہوگئے۔ رچرڈ نے فوری طور پر سپاہیوں کو مرتب کر کے ایک کمان کی شکل دے دی اور انہیں خیمہ گاہ سے ساحل تک پھیلا دیا۔ یہ صرف پانچ چھ سو سپاہی تھے۔ ان میں سے بھی دس پندرہ گھڑسوار اور باقی سب پیادے تھے۔ [1]

مسلمانوں نے حملہ کیا تو فرنگیوں نے حیران کن انداز میں مدافعت کی۔ وہ قلعہ نما صف بندی کے ماہر تھے۔ انہوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بھاری ڈھالوں کی آڑ لے لی۔ لمبے نیزوں کو زمین سے ٹیک کر ان کی انیاں سامنے اٹھادیں۔ رچرڈ نے ہر دو نیزہ بازوں کے درمیان ایک ایک تیر چرخ انداز بھی کھڑا کردیا جو دیوپیکر گز دار کمان نصب کیے ہوئے تھا۔ ایک دوسرا سپاہی اس کمان پر نیزہ نما تیر چڑھانے کیلئے مستعد تھا۔ جب مسلمان قریب آئے تو فرنگیوں کے گز دار تیر ان کے جسموں کے پار ہونے لگے۔ گھوڑے زخمی ہوکر گرنے لگے۔ خاصی دیر تک مسلمان ان کے قریب نہ آسکے۔ آخر گھڑسوار مجاہدین کی ایک ٹولی سرپٹ گھوڑے دوڑاتی فرنگیوں کے حلقے پر حملہ آور ہوگئی مگر قریب پہنچتے ہی گھوڑوں کے سینے صلیبیوں کی ڈھالوں سے کئی گز آگے نکلے ہوئے نیزوں سے چھد گئے۔ یہ ٹولی کئی سواروں سے محروم ہوکر واپس لوٹ گئی۔ دوسری ٹولی نے حملہ کیا مگر اس کا بھی یہی حال ہوا۔ [2]

ایسے چند ناکام حملوں کے بعد مسلمانوں کا جوش وخروش سرد پڑ گیا اور وہ کچھ فاصلے پر ٹھہر گئے۔ سلطان نے ان کی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا مگر کسی نے جنبش تک نہ کی۔ صرف شہزادہ الملک الظاہر گھوڑا دوڑا کر آگے نکلا مگر سپاہیوں نے اس کی تقلید نہ کی۔ سلطان نے شہزادے کو روک دیا۔ باقی سپاہی سنگی مجسموں کی طرح اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ باغی ہوگئے ہیں۔ سلطان صلاح الدین رنج اور حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ سیف الدین مشطوب کے بھائی 'جناح' نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ اس زبان دراز امیر نے سلطان کو طعنہ دیتے ہوئے کہا:

"اب لڑائی کے لئے بھی اپنے انہی مملوک امراء کو بلائیے جنہوں نے فتح یافا کے دن لوگوں کو مار پیٹ کر ان سے مال غنیمت چھین لیا تھا۔"

سلطان کا صدمے اور غصے سے براحال ہوگیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ ان کے سپاہی جنگ سے بے زار اور امراء بغاوت پر آمادہ ہیں ورنہ ایک امیر کو ایسے گستاخانہ الفاظ کہنے کی ہمت کیسے ہوسکتی تھی۔ سلطان کو سپاہیوں کی کم ہمتی اور گستاخی کے اس کھلے مظاہرے پر اتنا طیش آیا کہ ان کے وفادار امراء بھی ان کے

[1] النوادر السلطانیہ: 330_340

[2] صلیبی جنگیں: 289_290

چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ کر کانپ اٹھے۔ اِدھر مسلمانوں کا توقف دیکھ کر رچرڈ اپنے حلقے سے نکلا اور نیزہ لہراتے ہوئے مسلمانوں کی صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گزرتا چلا گیا جیسے انہیں دعوتِ مبارزت دے رہا ہو۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ رچرڈ بذاتِ خود سلطان کے سامنے تھا...... مگر اس دوران دونوں حکمرانوں کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اس کا کوئی موقع تھا ہی نہیں۔ دونوں میدانِ جنگ میں عین معرکے کی حالت میں تھے۔ ❶

سپاہی چپ چاپ رچرڈ کو دیکھتے رہے۔ وہ اس موقعے سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن شاید مسلم افسران نے ایک بادشاہ پر حملہ کرنا اخلاق کے خلاف سمجھا ہو۔ پھر ان میں سے کئی امراء کی سفارتی مواقع پر رچرڈ سے کھلی گپ شپ لگتی تھی، شاید انہیں اچھا نہ لگا ہو کہ ایسے خوش طبع حکمران کو گرفتار کریں۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ کسی نے رچرڈ پر حملہ نہ کیا۔

رچرڈ نے مزید لاابالی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کھانا طلب کیا، فرمائش پوری کی گئی۔ رچرڈ دونوں صفوں کے بیچ میں بیٹھ کر مزے سے کھانے لگا۔ ❷

صلیبی جنگوں کے اس سلسلے میں پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کہ مسلمانوں نے سلطان کی اطاعت میں کوتاہی کی اور بہت جلد اس کا نقصان بھگتا۔ یہ بھی ایک ایسا ہی موقع تھا۔ دشمنوں کا بادشاہ مسلمانوں کے سامنے تھا۔ سلطان ایوبی اسے گرفتار کرنا چاہتے تھے مگر افسران اور سپاہ کی پس و پیش کی وجہ سے نہ صرف یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا بلکہ اس آخری جھڑپ میں بظاہر میدان نصرانیوں کے ہاتھ رہا اور انہیں یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ہم نے آخری معرکے میں گنتی کے چند افراد کے ساتھ مسلمانوں کو مار بھگایا۔

سلطان ایوبی اپنے سپاہیوں کی کوتاہی اور جناح کی بدزبانی کی وجہ سے اتنے بددل ہو چکے تھے کہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اس وقت ان کی فوج کچھ کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ انہوں نے فوج کو اس کے حال پر چھوڑا، گھوڑے کی لگام پھیری اور میدان سے دور اپنی خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر فوراً خیمہ اکھڑوایا اور کوچ کر کے ''بازور'' چلے گئے۔

امراء اور سپاہی ڈرتے ڈرتے ان کے پیچھے آرہے تھے مگر سلطان کے تیور دیکھ کر کسی کو ان کے سامنے جانے کی جرأت نہیں تھی۔ اس مہربان بادشاہ کو عمر بھر کبھی اتنے طیش میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ آج سلطان کئی اشخاص کے قتل کا حکم جاری کریں گے۔ سلطان کا چہیتا بیٹا الملک الظاہر بھی اس دن باپ کے سامنے جانے سے ڈرتا رہا۔ حالانکہ وہ واحد شخص تھا جس نے اس دن غیر معمولی دلیری کا مظاہرہ

❶ النوادر السلطانیۃ: 340_64_65 ❷ الکامل فی التاریخ: 217/10

کیا تھا اور انگریزوں پر حملے کے لیے تنہا آگے بڑھا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جلد ہی اپنے غصے پر قابو پالیا۔ بازور میں خیمے لگ جانے کے بعد انہوں نے الملک الظاہر کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ وہ گھبرایا ہوا حاضرِ خدمت ہوا۔ دیکھا کہ سلطان کے پاس دمشق کے تازہ پھلوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ سلطان نے نرمی سے کہا:

"امراء کو بلاؤ کہ وہ کچھ کھا پی لیں۔"

الملک الظاہر کا خوف دور ہوگیا وہ خوشی خوشی امراء کو بلا لایا۔ وہ سب ڈرتے ڈرتے آئے مگر سلطان کو مسکراتا دیکھ کر مطمئن ہوگئے۔ یہ سلطان کے عفو درگزر کی ایک بہترین مثال تھی کہ سرکشی کرنے والوں کی بھی خاطر مدارات کر رہے تھے۔[1]

بہرحال سلطان کو اس دن کے حملے کی ناکامی کا افسوس تھا۔ اگر وہ اپنے سپاہیوں سے ناراض ہوئے تھے تو اس لیے کہ انہوں نے اس جوانمردی اور جانثاری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جو وہ پہلے کرتے آئے تھے۔ اگر وہ تھوڑی سی ہمت کر لیتے تو رچرڈ گرفتار ہوسکتا تھا۔ یقیناً سلطان اسے عزت واحترام کے ساتھ آزاد کردیتے مگر اس کے بدلے وہ پوری ساحلی پٹی یا کم از کم عکا یا صور جیسا کوئی شہر کسی جنگ کے بغیر حاصل کرسکتے تھے۔ افسوس کہ اطاعتِ امیر کے اصول کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے یہ موقع ضائع ہوگیا۔

تیسری صلیبی جنگ کی یہ آخری جھڑپ تھی۔ اس کے بعد فریقین میں سے کسی کو تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ رچرڈ سلطان کو دوبارہ یافا سے پسپا کرنے میں کامیاب رہا تھا تاہم اسے خود احساس تھا کہ یہ کامیابی بے وقعت ہے۔ سلطان کے الفاظ اس کے تصور میں گونجتے رہتے تھے کہ:

"آپ کے جاتے ہی ہم ان شہروں کو چھین لیں گے۔"

اس کے نزدیک واپسی کی قابلِ اطمینان صورت ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ سلطان سے صلح کا معاہدہ ہوجائے کیوں کہ اسے بہرحال سلطان کے وعدے پر پختہ اعتماد تھا۔ لیکن صلح کے امکان کے حوالے سے اب اس پر مایوسی چھاتی جارہی تھی۔ اس نے الملک العادل کے سفیر سے کہا:

"اب موسم سرما شروع ہونے والا ہے، لہٰذا میں یہیں رہوں گا، بس بات چیت کو ختم سمجھا جائے۔"[2]

رچرڈ کے ان الفاظ سے سراسر مایوسی جھلکتی ہے، دراصل رچرڈ کے پاس عاجزانہ صلح کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا کیونکہ حالات اس کے لئے مسلسل ناسازگار ہوتے جارہے تھے، اس کی ذاتی دلیری اور جنگی مہارت سلطان کی گہری منصوبہ بندی کے آگے مات کھا جاتی تھی۔ ایک دو شہروں کی فتح اور دو چار چھوٹے

---

[1] النوادر السلطانیہ: 340، 64، 65 [2] النوادر السلطانیہ: 341

چھوٹے معرکوں میں کامیابیاں اس طویل جنگی سلسلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ رچرڈ نے یافا میں جو فوج جمع کی تھی، اسے بیماری نے گھیر لیا تھا اور سپاہی بڑی تعداد میں ہلاک ہو رہے تھے۔ شہر کا یہ حال تھا کہ سب کچھ تباہ نظر آتا تھا۔ گندگی اور بدبو سے وہاں انسانوں کا ٹھہرنا مشکل تھا۔ انگریزوں کے اتحادی منتشر ہو چکے تھے۔ فرانسیسی جنوب میں قیساریہ کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور دوبارہ رچرڈ کے زیر قیادت لڑنے کے لئے تیار نہیں تھے جبکہ سلطان کے پاس موسم سرما کی تازہ دم فوج پہنچنے والی تھی۔ [1]

تازہ افواج اور المنصور کی آمد ❁ جمعرات 24 رجب (5 اگست) کو سلطان صلاح الدین ایوبی 'نطر ون' اور اگلے دن جمعے کو بیت المقدس پہنچے اور وہاں نماز جمعہ ادا کی۔ القدس کو محفوظ و مامون پا کر ان کی ساری تکان دور ہو گئی۔ اگلے دن وہ نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اپنے معسکر میں تھے کہ مشرق سے گرد و غبار کے بادل اُڑے اور موصل کا حاکم علاؤ الدین بنفس نفیس فوج کے ساتھ معسکر میں داخل ہوا۔

جمعرات 9 شعبان 588ھ (19 اگست 1192ء) کو جنوب مغرب کی طرف سے ایک فوج نمودار ہوئی۔ یہ مصر کا امدادی لشکر تھا۔ مصر کے ہزاروں سپاہی رنگ برنگے پرچموں تلے مخصوص وردیوں میں اپنی روایتی شان کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ سلطان کے نامور امراء سیف الدین یازکوج اور درجنوں اسدی افسران اس کی قیادت کر رہے تھے، سلطان نے خود معسکر سے نکل کر اس پرشکوہ لشکر کا استقبال کیا۔

اتوار 12 شعبان (22 اگست) کا دن بڑا خوش گوار تھا۔ شمال مشرق سے ایک بڑی فوج آتی دکھائی دی۔ تقی الدین عمر کا بیٹا محمد الملک المنصور اس کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ معسکر میں داخل ہوا اور الملک العادل اسے اپنے ساتھ لے کر سلطان کی مجلس میں پہنچا۔ [2]

الملک المنصور پر نظر پڑتے ہی سلطان کی نگاہوں میں اپنے محبوب سالار تقی الدین کی صورت ابھر آئی۔ انہیں یوں لگا جیسے بیس پچیس برس پہلے والا وہ نوجوان جو فصلِ صلیب کو کاٹنے کے لیے سر ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا ایک بار پھر ان کے سامنے ہو۔ ان کا پرجوش بھتیجا جس نے حماۃ سے عکا تک صلیبیوں کو چھٹی دودھ یاد دلایا تھا، زندہ ہو کر ان کے سامنے آ کھڑا ہو...... وہ جوان کے اشارے پر جان کی بازی لگا دیتا تھا...... جس کی شمشیرِ برق خیز کی ایک گردش فرنگیوں کی صفیں الٹ دیتی تھی...... جس نے رملہ میں سلطان کی جان بچانے کے لئے اپنے بیٹے احمد کی قربانی دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا تھا، آج اپنے دوسرے بیٹے منصور کی شکل میں ان کے سامنے ہو۔

سلطان نے بے اختیار منصور کو گلے سے لگا لیا...... وہ منصور کی لغزش کو ضابطے کی حد تک پہلے ہی

---

[1] سیلجی ہٹی: 294
[2] النوادر السلطانیہ: 341، 342

معاف کر چکے تھے......اب اس ملاپ نے طبیعت کا غبار بالکل دھوڈالا......ان کا دل بھر آیا......وہ بے تحاشا رونے لگے۔ پھر چند لمحوں کے لئے خود پر قابو پایا......مگر زیادہ دیر تک سنبھل نہ سکے......آنسو ایک بار پھر سیلاب کی طرح بہہ نکلے......ان کے نالہ وشیون اور سسکیوں سے حاضرینِ مجلس پر بھی رقت طاری ہوگئی......سب کے دامن بھیگنے لگے۔ کچھ دیر بعد اشکوں کی برسات تھمی تو سلطان نے الملک المنصور کو ساتھ بٹھا کر حال احوال دریافت کیا اور حوصلہ افزائی کی باتیں کیں۔

المنصور کی رکاب میں ایک بڑی فوج کی آمد نے سلطان کا دل خوش کر دیا تھا۔ سلطان نے اسے ہراول دستوں میں شامل کر دیا جو'رملہ' کے آس پاس تعینات تھے۔ [1]

رچرڈ کو برف اور پھلوں کے تحائف:۔ ایک طرف سلطان کی فوج میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا تو دوسری طرف رچرڈ کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے پاس جنگی اخراجات اٹھانے کے لئے پیسہ ختم ہوگیا تھا۔ یافا میں اس کی کمان میں اب صرف دو تین سو گھوڑے رہ گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خود رچرڈ کو ایک شدید مرض نے گھیر لیا اور وہ کسی مہم یا کسی سفر کے قابل نہ رہا۔ سلطان اور اس کے درمیان باضابطہ مصالحتی سفارت کا سلسلہ تو منقطع ہوگیا تھا مگر فریقین کے خواص اور سفیروں کے درمیان اتنے عرصے کی آمد ورفت سے ذاتی مراسم پیدا ہوگئے تھے۔ اس لئے امراء سلطان کی اجازت سے رچرڈ کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے۔

رچرڈ کو بیماری کے اس حملے کے دوران برف اور پھلوں کی ضرورت پیش آرہی تھی۔ سلطان کی جانب سے امراء کے ذریعے یہ چیزیں بار بار بھیجی جاتی رہیں۔ رچرڈ نے امرود اور ناشپاتیوں کی فرمائش کی تو سلطان نے فوراً ان کے ٹوکرے روانہ کر دیئے۔ سلطان کے اس حسن اخلاق اور شرافت پر یورپی مؤرخین نے انہیں بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امراء کی اس آمد ورفت سے سلطان کا ایک خاص مقصد بھی پورا ہوتا تھا یعنی وہ اس طرح دشمن کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کر لیتے تھے جو عام جاسوسوں کی نگاہوں میں نہیں آسکتیں۔ [2]

سلطان کا نیا منصوبہ:۔ سلطان نے تازہ دم فوج کو مرتب کرنے کے بعد ماہِ شعبان میں امراء کو جمع کر کے کہا:

"رچرڈ شدید بیمار ہے۔ صلیبیوں کے پاس جنگی مصارف پورے کرنے کے لئے روپیہ ختم ہوگیا ہے اور فرانسیسی حتمی طور پر یورپ واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں پر

[1] النوادر السلطانیہ:242

[2] النوادر السلطانیہ:242، 343

قابو پانے کا موقع دے دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یافا کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔ اگر وہاں کا دفاع کمزور ہوا تو اس پر قبضہ کر لیں گے، اور اگر صورت حال مختلف ہوئی تو راتوں رات عسقلان پہنچ جائیں گے اور وہاں موجود دشمن کو کمک پہنچنے سے پہلے پہلے اپنا ہدف پورا کر لیں گے۔"

اس منصوبے کے مطابق ایک شب سلطان نے عزالدین جوردیک، جمال الدین فرج اور دیگر معتمد امراء کو ہراول دستوں کی کمان سونپ کر یافا روانہ کر دیا تا کہ وہ شہر کے قریب رک کر جاسوسوں کے ذریعے دشمن کی فوج کی تعداد اور دفاعی انتظامات کی تفصیل معلوم کریں۔ اگلی صبح (جمعرات 16 شعبان، 27 اگست) کو ان افسران کی طرف سے رقعہ ملا جس میں بتایا گیا تھا:

"ہم نے یافا پر دھاوا بولا، وہاں سے صرف تین سو سوار ہمارے مقابلے پر نکلے، ان میں سے بھی اکثر خچروں پر سوار تھے۔"[1]

رچرڈ کا چونکا دینے والا پیغام: سلطان نے ان افسران کو توقف کر کے اگلے حکم کا انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ حاجب ابوبکر رچرڈ کے سفیر کے ہمراہ پہنچ گیا۔ رچرڈ کے سفیر نے برف اور پھلوں کے ہدیے پر اپنے آقا کی طرف سے سلطان کا شکریہ ادا کیا[2] ...... مگر حاجب ابوبکر، سلطان کے پاس جو اطلاع لایا تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اس نے کہا:

"رچرڈ نے مجھے تخلیے میں بلوا کر تاکید کی ہے کہ میں الملک العادل سے بات کر کے کسی طرح اسے عسقلان دلوا دوں اور اگر سلطان عسقلان دینے پر رضا مند نہ ہوں تو کم از کم عسقلان کی فصیل تعمیر کرنے پر اٹھنے والے اخراجات اسے دلوا دیئے جائیں۔ رچرڈ کا کہنا ہے کہ پھر وہ واپس چلا جائے گا بس وہ صرف فرنگیوں میں اپنی عزت کا بھرم رکھنا چاہتا ہے۔"

اس پیغام نے سلطان کو چونکا دیا، کیوں کہ رچرڈ نے اس غیر رسمی پیغام میں پہلی بار عسقلان کے مطالبے سے دست بردار ہونے پر کسی درجے میں آمادگی ظاہر کی تھی[2] ......سلطان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ رچرڈ کے موقف میں یہ لچک اس لئے آئی ہے کہ اب وہ یافا کے دفاع کے قابل ہے نہ عسقلان کے۔ اس لئے بظاہر رچرڈ کے کسی پیغام پر توجہ دینا بے معنی تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اب فرنگیوں کو بزور شمشیر ساحل کے تمام شہروں سے بے دخل کر دیا جاتا۔ خود سلطان ایوبی کا ذاتی ولولہ بھی یہی تھا۔ ان کا دل فرنگیوں سے صلح پر مطمئن نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے رازدار قاضی بہاؤ الدین سے کہا تھا:

"مجھے صلح کرنے میں اندیشہ ہے کہ لاعلمی میں مجھ سے کوئی ایسی بات نہ طے ہو جائے جس سے دشمن

[1] النوادر السلطانیۃ: 343
[2] النوادر السلطانیۃ: 343_344

قوت پکڑ لے۔ اگر یہ چند شہر ان کے قبضے میں رہ گئے تو یہ لوگ باقی شہروں پر تسلط کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس قوم کا ہر سرغنہ ایک ایک قلعے پر قابض ہے اور اسے چھوڑنے پر تیار نہیں۔ تو ایسا نہ ہو کہ ان سے مصالحت کے باعث مسلمان ہلاکت میں پڑ جائیں۔"[1]

سلطان صلح پر آمادہ کیوں ہوئے؟ مگر جہاد جاری رکھنے کے اس شدید جذبے کے باوجود سلطان کو اپنی فوج کے جذبات واحساسات اور طبیعت ومزاج کا پورا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس وقت اگرچہ دیگر صوبوں سے بھاری تعداد میں نئی افواج آگئی تھیں مگر حقیقت میں تمام امرائے لشکر ذہنی طور پر مزید لڑائی کے لئے آمادہ نہیں تھے اور تو اور الملک العادل بھی انہی میں شامل تھا۔ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ جب سلطان نے العادل سے صلح کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا تو اس نے صلح کر لینے کا مشورہ دیا۔ العادل کا کہنا تھا:

"انگریز بادشاہ واپسی کا سفر اختیار کر کے اپنے وطن لوٹنے کیلئے بے تاب ہے، اسی لئے صلح کیلئے ہاتھ بڑھا رہا ہے، اب اگر ہم نے یہ پیش کش قبول کرنے میں دیر کی تو موسم سرما شروع ہو جائے گا اور سمندر سفر کے قابل نہیں رہے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ انگریز بھی یہیں مورچہ زن رہیں گے اور ہمیں اگلے سال موسم سرما تک اپنی افواج کو محاذ پر ٹھہرانا پڑے گا جبکہ ہماری یہ حالت ہے کہ سپاہی لڑ لڑ کر بے حال ہو چکے ہیں، اسلحہ ختم ہونے کو ہے، سواریاں مفقود ہیں اور خزانہ خالی ہے۔"[2]

صرف امرائے فوج ہی نہیں بلکہ عوام وخواص سبھی پانچ سال سے جاری مسلسل جنگ کا خاتمہ چاہتے تھے کیونکہ اس جنگ نے سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے باغات اور کھیتوں کو اجاڑ دیا تھا، تجارتی شاہراہوں کی چہل پہل اور منڈیوں کی رونق ماند پڑ گئی تھی، بڑے بڑے مالدار لوگ قلاش ہو رہے تھے، عوام کے لئے زندگی مشکل تر ہو رہی تھی، جنگ کے جو اخراجات صلیبیوں کے کئی ممالک مل کر برداشت نہیں کر پائے تھے وہ مسلمانوں کی جانب سے ایوبی سلطنت تنہا برداشت کرتی آ رہی تھی...... مگر اب ملکی خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا، سارے انتظامات قرضوں پر چل رہے تھے، سلطان ایوبی جو کبھی امراء، سپاہیوں اور مجاہدوں پر انعام واکرام کی بارش کرتے رہتے تھے اب بمشکل انہیں تنخواہیں دے پا رہے تھے۔ ملک کی اقتصادی حالت اب مزید ایک دن کی جنگ کا خرچہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ صوبوں اور ضلعوں کی شیرازہ بندی برقرار رکھنے کے لئے لازم تھا کہ اب جنگ روک دی جاتی اور تجارتی و ملکی پیداواری سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کر کے اپنی معاشی حالت بہتر بنائی جاتی۔

[1] النوادر السلطانیہ: 348
[2] الکامل فی التاریخ: 218/10

یہ وہ حالات تھے جن کے پیش نظر سلطان جنگ بندی پر مجبور تھے۔بس انہیں ایک شے چاہیے تھی اور وہ تھی القدس کے تحفظ کی ضمانت جو رچرڈ کے عسقلان سے دست بردار ہونے کی صورت میں مل سکتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ یافا پر حملے کے لئے پا بہ رکاب سلطان کو جوں ہی یہ معلوم ہوا کہ رچرڈ کو عسقلان کی فصیل کا خرچہ دے کر عسقلان سے دست بردار کرتے ہوئے صلح نامہ طے کیا جا سکتا ہے وہ فوراً مذاکرات صلح کو ازسر نو جاری کرنے پر تیار ہو گئے۔

صلح نامہ طے ہو گیا: جمعہ 17 شعبان 588ھ (27 اگست 1192ء) کو انہوں نے الملک العادل کو اختیارات دیتے ہوئے یہ مراسلہ روانہ کیا:

''اگر رچرڈ عسقلان سے دست کش ہونے پر آمادہ ہے تو اس سے صلح نامہ طے کر لیا جائے۔''

اسی شب سلطان کے امیر بدرالدین ولدرم نے جو صلح کی نئی گفتگو میں شریک تھا آکر سلطان کو یہ خوشخبری دی کہ رچرڈ عسقلان کے مطالبے سے دست بردار ہو گیا ہے۔

ہفتے اور اتوار کے دن سلطان کے خیمے سے رچرڈ کی آرامگاہ تک سفیروں کی آمد و رفت جاری رہی۔ رچرڈ کا کہنا تھا کہ الملک العادل سے گذشتہ مذاکرات میں جو علاقے ہمیں دینے پر اتفاق ہو گیا تھا وہ ہمیں دے دیے جائیں۔

سلطان نے نقشوں کا مطالعہ کر کے تفصیلات لکھوا بھیجیں کہ مذکورہ گفتگو کے مطابق یافا، قیساریہ، ارسوف، حیفا اور عکا کے شہر اپنے مضافات سمیت نصرانیوں کے شمار ہوں گے جبکہ ان علاقوں سے متصل رملہ، یبنیٰ، مجدل یابا، ناصرہ اور صفوریہ کو مسلمانوں کی سرحدی پٹی قرار دیا جائے گا۔

اتوار 19 شعبان (29 اگست) کی شب رچرڈ کے سفیر ٹرنٹائی نے سلطان کی خدمت میں حاضری دی اور کہا:

''شاہِ انگلستان نے مذکورہ علاقوں پر صلح کی توثیق کر دی ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ اس سے زیادہ علاقہ عطا کر دیں تو آپ کا جود و کرم ہوگا۔''

رچرڈ کا سفیر اگلے دن تک سلطان کے پاس رہا اور شرائطِ صلح کی تفصیل پر اس سے دیر تک بحث ہوتی رہی۔ بعض امور پر سلطان نے امراء کو الگ بٹھا کر بھی مشورے کیے۔ آخر کار دن بھر کی گفت و شنید کے بعد درج ذیل شروطِ صلح طے ہو گئیں:

- یافا، قیساریہ، حیفا، عکا اپنے نواحی علاقوں سمیت فرنگیوں کے علاقے شمار ہوں گے۔ رملہ اور لد فریقین میں برابر تقسیم ہوں گے۔ پہاڑی علاقے مسلمانوں کی سرحد ہوں گے۔
- عسقلان کی فصیل کو مسلمان اور عیسائی نمائندے اپنی نگرانی میں تباہ کر دیں گے تاکہ وہ

فریقین میں سے کسی کا عسکری مورچہ نہ بن سکے۔اس کی تباہی مکمل ہونے تک عیسائی نمائندے وہاں رہیں گے کہ کہیں مسلمان اسے خود آباد نہ کر لیں۔

- نصرانیوں کو مسلمانوں کے شہروں مین آنے جانے کی اجازت ہوگی۔انہیں کوئی ٹیکس وصول کیے بغیر القدس کی زیارت کی سہولت دی جائے گی۔
- یہ صلح تین سال کے لئے ہوگی۔اس کا آغاز بدھ 22 شعبان 588ھ، یکم ستمبر 1192ء سے مانا جائے گا۔''

اپنے نمائندوں اور سفیروں کو روانہ کرتے ہوئے سلطان نے حتمی لہجے میں تاکید کی کہ اس بار بات طے ہوجانی چاہیے۔واضح ہوجانا چاہیے کہ وہ صلح چاہتے ہیں یا جنگ۔

آخر سلطان کے نمائندے یافا پہنچے، الملک العادل ان کی قیادت کر رہا تھا۔انہوں نے صلح کی شرائط پر مشتمل دستاویز پیش کی۔رچرڈ نے جو بسترِ علالت پر تھا دستاویز کو پڑھے بغیر کہا:

''مجھ میں اس کا مطالعہ کرنے کی طاقت نہیں۔بس میری طرف سے صلح کی بات طے ہے۔''

مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ صلح کی شرائط کی تفصیل سے لاعلم تھا۔اسے سب کچھ معلوم تھا بلکہ وہ تمام شقوں کے بارے میں اپنے سرداروں سے مشورہ کر چکا تھا۔اس نے صلیبی امراء کو مطمئن کرنے کے لئے قسم بھی کھائی تھی کہ وہ صلح کے تین سال پورے ہوتے ہی ایک لشکرِ جرار لے کر دوبارہ القدس آئے گا۔اب جب مسلمان سفیروں نے اسے صلح نامہ پیش کیا تو اس کی جانب سے ہنری اوف شیمپن اور دیگر نصرانی زعماء نے صلح نامے کی عبارت کو بغور دیکھ کر اطمینان کا اظہار کر دیا۔تاہم انہوں نے اس وقت حلف برداری سے معذرت کرتے ہوئے کہا:

''ہمارے دستور کے مطابق حلف برداری کے لئے آدمی کا خالی پیٹ ہونا ضروری ہے۔ہم کچھ نہ کچھ کھاپی چکے ہیں۔''

لہٰذا حلف اٹھانے کا معاملہ صبح پر ٹال دیا گیا۔

اگلے دن 24 شعبان 588ھ (3 ستمبر 1192ء) کو سلطان کے سفیروں اور رچرڈ کے نمائندوں کے درمیان صلح نامے پر حلف برداری کی مجلس منعقد ہوئی۔رچرڈ خود حلف برداری کی مجلس میں شریک نہیں ہوا۔اس کے نمائندوں نے بتایا کہ ان کے ہاں معاہدوں میں بادشاہوں کے حلف اٹھانے کا رواج نہیں ہے۔رچرڈ کی طرف سے ہنری اوف شیمپن، ہمفرے اوف ٹورون، بالیان اوف ابلین اور جنگجو تنظیموں ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے گرینڈ ماسٹروں نے صلح نامے کی شرائط کی پاسداری کا حلف اٹھایا۔

اسی رات فریقین کے یہ نمائندے سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچے اور اگلی صبح سلطان کی موجودگی میں صلح نامے پر مسلمانوں کی حلف برداری کی مجلس منعقد ہوئی، اس وقت فرنگیوں کی نمائندگی بالیان اور ہمفرے کررہے تھے۔ چوں کہ رچرڈ نے خود حلف نہیں اٹھایا تھا اس لئے سلطان نے بھی حلف برداری میں حصہ نہیں لیا۔ ان کی جانب سے الملک العادل، الملک الظاہر، سیف الدین مشطوب، بدرالدین دلدرم، الملک المنصور اور نئی مجوزہ سرحدوں کے قلعہ دار امراء نے حلف اٹھایا۔ انطاکیہ اور طرابلس کے حکام کو بھی اس شرط پر صلح میں شریک سمجھا گیا کہ وہ شرائطِ صلح پر رضا مند ہو کر حلف اٹھائیں گے۔ ❶

<u>صلیبیوں نے کیا کھویا کیا پایا</u>؟ مجلس حلف برداری برخاست ہونے سے قبل بالیان نے سلطان کی طرف رخ کر کے یاس انگیز لہجے میں کہا:

> ''حضور! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی تاریخ میں جو آپ نے کیا وہ آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اور اس جنگ کے زمانے میں جتنے سپاہی ہلاک ہوئے ہیں اس کی مثال سے ہماری تاریخ خالی ہے۔ ہم نے یورپ سے آنے والے جنگجوؤں کے جو اعداد و شمار جمع کئے ہیں ان کے مطابق ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے مگر آج ان میں سے صرف دسواں حصہ زندہ سلامت واپس جارہا ہے۔ مرنے والوں میں سے کچھ آپ نے قتل کئے، کچھ کو بیماریوں نے مار ڈالا اور کچھ سمندر میں غرق ہوگئے۔'' ❷

بالیان کے اس تاریخی جملے سے ایک طرف تو صلیبی جنگ میں شرکت کرنے والے یورپی سپاہیوں کی صحیح تعداد سامنے آجاتی ہے جسے یورپی مؤرخین اپنی خفت مٹانے کے لئے بہت کم ظاہر کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان الفاظ سے تیسری صلیبی جنگ میں فریقین کے سود و زیاں کا بھی خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔

583ھ (1187ء) سے 588ھ (1192ء) تک جاری رہنے والی اس پنج سالہ جنگ میں یورپ نے اپنی افرادی قوت، مالی وسائل، ذرائع نقل و حمل، معیشت و تجارت اور امن و سکون سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ یورپ کا شاید ہی کوئی شہزادہ، نواب یا جاگیردار ایسا ہوگا جس نے کسی نہ کسی انداز میں صلیبی جنگ میں حصہ نہ ڈالا ہو۔ ان کے کئی چوٹی کے بڑے بڑے بادشاہ اس جنگ کی قیادت کرنے آئے تھے جن میں جرمنی کے فریڈرک باربروسا، فرانس کے فلپ آگسٹس اور برطانیہ کے رچرڈ جیسے تاجدار شامل تھے جن کی مشترکہ طاقت پورے ایشیا کو زیر نگین کرنے کے لئے کافی تھی۔ چھوٹے موٹے درجنوں غیر معروف حکمرانوں کی افواج ان کے علاوہ تھیں جو اس پوری جنگ

---

❶ النوادر السلطانیۃ: 344، 335، 346، 347، 348 ❷ الکامل فی التاریخ: 10/218، النوادر السلطانیۃ: 50، 61

کے دوران ایک تسلسل سے ساحل پر اترتی رہیں۔ پھر جاگیرداروں، نوابوں اور نائٹوں کا کوئی شمار ہی نہ تھا جو ہر حکمران کے پیچھے صفیں باندھے چلے آتے تھے۔

تاریخ یورپ میں اس قدر متنوع نسلوں اور مختلف زبانوں پر مشتمل لشکر کشی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ صلیبیوں کی خیمہ گاہ میں فرانس، جرمنی، آسٹریا، اسکنڈے نیویا، جنیوا، پیزا، اٹلی، وینس، سسلی، ڈنمارک، فریز لینڈ اور ہالینڈ سمیت بیسیوں ملکوں اور قوموں کے افراد یکجا نظر آتے تھے جن سے بات چیت کرنے کے لئے مسلمانوں کو بیک وقت کئی کئی مترجموں کی ضرورت پڑتی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ صلیبیوں کی کسی قوم کے نمائندے کی بات سمجھنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے مترجم کے ساتھ فرنگیوں کے بھی دو تین مترجم تلاش کرنے پڑتے جو مطلوبہ الفاظ کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے۔ کئی زبانوں میں بات منتقل ہو کر آخر اس شکل میں آتی جسے مسلمان مترجم سمجھ سکتا تھا۔ صلیبیوں کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی اس لڑائی میں شریک تھیں۔ یورپ کی کئی شہزادیاں اور نواب زادیاں تھیں جو عیش و آرام تج کر اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانے اس لشکر کے ساتھ چلی آئی تھیں۔ ہزاروں عام عورتیں اور فاحشائیں ان کے سوا تھیں۔

صلیبیوں کا یہ طوفان ستم خیز جس مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ امنڈا تھا اس کا اندازہ سلطان کے منشی کاتب عماد کے ایک خط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے جنگ کے آغاز کے دنوں میں خلیفۂ بغداد کے نام روانہ کیا تھا۔ اس خط میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اسلام کو نصرانیوں کے ایک ایسے لشکر سے پالا پڑا ہے جس میں شامل لوگ موت کو پسند کرتے ہیں، اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں، انہوں نے وطن اور کاروبار جیسی محبوب چیزوں کو چھوڑ دیا، گھر بار اور دیس جیسی مانوس جگہوں کو ترک کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے پادری کا تابعدار ہے اور اپنے حاکم کے حکم کا فرماں بردار ہے۔ ہر صلیبی اپنی عبادت گاہ پر غیرت کھا رہا ہے، اپنے عقیدے پر سراپا جوش ہے، اپنے مزار مسیح کے لئے مرا جا رہا ہے اور اپنے گرجے قمامہ (سینٹ جان) کے غم میں جل رہا ہے۔ وہ مفلسی کے باوجود مال طلب نہیں کرتے اور مشقتوں کے باوجود اکتاتے نہیں، وہ صبر کی زرہ پہنے دل مضبوط کئے، ہلاکت خیزیوں میں گھس جاتے ہیں۔''[1]

صلیبیوں کا یہ بپھرا ہوا سیلاب شاید بیت المقدس ہی کو نہیں عالم اسلام کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا..... مگر سلطان صلاح الدین کے ایمان و ایقان، اخلاص و توکل، ایثار

[1] مختصر کتاب الروضتین: 310

وسر فروشی، جرأت و بسالت اور فہم و فراست نے اس طوفان کا رخ اس طرح پھیرا کہ دنیا کی تاریخ میں تیسری صلیبی جنگ کلیسا اور مسیحیت کے ماتھے کا داغ بن گئی۔ سراپا جوش فرنگی، حسرت و مایوسی کے پیکر بنے واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ جو سب کچھ لوٹنے آئے تھے، سب کچھ لٹا کر ساحلِ شام سے فرار ہوتے نظر آئے۔ یورپ کے چھ لاکھ سورماؤں میں سے پانچ لاکھ چالیس ہزار خاکِ فلسطین و شام، صحرائے ایشیائے کوچک اور آبِ بحیرۂ روم میں بے نام و نشان ہو گئے۔ مہم میں شریک ہونے والے بڑے بڑے نامور صلیبی حکمران قدرتِ خداوندی کے شدید ترین انتقام کی زد میں آ کر یکے بعد دیگرے ہلاک و برباد ہوتے چلے گئے۔ جرمنی کا ستم گر باربروسا فلسطین کے راستے میں ایک گز پانی میں ڈوب مرا۔ اس کا جانشین فریڈک ڈیوک آف سوابیا بحیرۂ روم کی موجوں کا لقمہ بن گیا۔ صلیبیوں کا روحانی پیشوا آرچ بشپ اوف کنٹربری عکا کی وادی میں پیوندِ خاک ہوا اور ڈنمارک کے جیمز ڈی ایونیز کو ارسوف میں موت کا جام پینا پڑا۔

صلیبی افواج کا مرکزی قائد شاہِ فرانس فلپ آگسٹس، مایوس ہو کر نہایت ذلت و خواری کی حالت میں اس طرح لوٹا کہ شکست کا اَن مٹ دھبا اس کے دامن پر تھا...... پھر اسے اپنے وطن پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا اور انطاکیہ کے ساحل پر ہی مر گیا۔ جنگ کا الاؤ بھڑکانے والا شیطان کونرڈ اپنے شہر صور میں باطنیوں کے تیز دھار خنجر کا نشانہ بن کر موت کے گھاٹ اترا۔ جنگ کا آخری کردار رچرڈ تھا جو اب اپنے بیمار و نحیف وجود کو سنبھالتا باقی ماندہ انگریزوں کے ساتھ واپسی اختیار کر رہا تھا اور آگے بے شمار مصائب اس کی گھات میں تھے۔

اس تمام تر تباہی کے بدلے اگر فرنگیوں کو کچھ ملا تھا تو وہ ساحل کا ایک چھوٹا سا علاقہ تھا جسے مسلمان صلح کی میعاد ختم ہوتے ہی فتح کر سکتے تھے۔ جنگِ حطین کے بعد فلسطین، اردن اور ساحلِ شام کے جو وسیع و عریض علاقے سلطان صلاح الدین نے آزاد کرائے تھے، ان میں زیادہ تر علاقہ اب بھی مسلمانوں ہی کے پاس تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بیت المقدس جس کے لئے پانچ سال تک یہ ہولناک جنگ برپا رہی، بدستور مسلمانوں کی حفاظت میں تھا۔

صلیبی بیت المقدس پر تو کیا قبضہ کرتے! وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر القدس کے قریبی مورچے عسقلان پر بھی اپنا حق تسلیم نہ کرا سکے۔ یافا بھی انہیں ایک جاگیر کے طور پر بخشش میں ملا جس کی فوج معاہدے کی رو سے سلطان ایوبی کے احکام کی پابند تھی۔ اس لحاظ سے صلیبی اَن گنت افراد، بے پناہ وسائل اور طویل زمانہ صرف کر کے بھی خالی ہاتھ لوٹ رہے تھے۔ تیسری صلیبی جنگ ہمیشہ کے لیے ان کے ماتھے کا کلنک بن گئی تھی۔

معاہدۂ رملہ کے بعد: معاہدے کی تکمیل ہوتے ہی سلطان ایوبی نے ہر طرف ہرکارے دوڑا دیے جو ہر طرف اعلان کر رہے تھے:

''مسلمانوں اور نصرانیوں میں مصالحت ہوگئی ہے، اب دونوں فریق ایک دوسرے کے علاقے میں بلا روک ٹوک آجاسکتے ہیں۔''

اس خبر سے لوگوں پر خوشی کی ایک نا قابل بیان کیفیت طاری ہوگئی۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

''یہ ایک یادگار دن تھا، فریقین پر فرحت و مسرت کا ایسا عالم طاری تھا جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔''[1]

سپاہی شاداں تھے کہ وہ اپنے گھروں کو واپس جاسکیں گے، تاجر اپنی تجارت چمکنے کے خیال سے مسرور تھے جبکہ عوام کے لئے زندگی کا دوبارہ معمول پر آنا نہایت اطمینان بخش تھا۔ اس دن سلطان صلاح الدین ایوبی کو محسوس ہو رہا تھا کہ قدرت خداوندی نے انہیں جس کام کے لئے پیدا کیا تھا وہ اسے پورا کر چکے ہیں۔ انہوں نے امت مسلمہ کی جانب سے خود پر عائد ہونے والی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ کامل ترین فتح کے متلاشی تھے اور عیسائیوں کو ساحل شام سے مکمل طور پر بے دخل کرنا چاہتے تھے۔ یہ معاہدہ انہوں نے بادل نخواستہ کیا تھا مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ اسی میں امت کی بھلائی تھی کیوں کہ سلطان کی دنیائے فانی سے رحلت کا وقت قریب آچکا تھا۔ معاہدۂ رملہ کے بعد وہ صرف چھ ماہ اس دنیا میں رہے۔ اگر یہ صلح نہ ہوتی تو جنگ کے دوران سلطان کا دنیا سے رخصت ہونا حالات کو یکسر بدل کر سکتا تھا۔ صلح نہ ہونے کی صورت میں رچرڈ موسم سرما شام ہی میں گزارتا۔ اس کی کمان میں یورپی افواج مزید کئی ماہ تک یہیں رہتیں، ایسے میں مسلمانوں کو اپنے بے مثال قائد سے محروم ہوتا دیکھ کر فرنگی ایک بار پھر القدس پر حملے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ مسلمان یہ جنگ سلطان کے عزم وہمت کے سائے میں لڑ رہے تھے۔ سلطان کے بعد شاید وہ اس پامردی سے جنگ جاری نہ رکھ پاتے۔ اس لحاظ سے یہ صلح ایک زبردست فتح کے مترادف تھی۔

شاید سلطان کو بھی اپنا وقت اجل قریب ہونے کا احساس تھا اس لئے انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسی صلح کرنے میں دیر نہ لگائی جس میں القدس کے تحفظ کی پوری ضمانت موجود تھی۔ جنگ کے بار گراں سے سبک دوشی کے فرحت بخش احساس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی کو حج بیت اللہ کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا خیال آیا جو کب سے فرائض کے پہاڑ تلے دبی تھی۔ چنانچہ صلح نامے کی تکمیل کے بعد اسی محفل میں بیٹھے بیٹھے انہوں نے حج کا ارادہ کر لیا۔[2]

عسقلان کی فصیل کا انہدام: اگلے دن ہفتہ 25 شعبان 588ھ (1192ء) کو سلطان نے امیر علم

[1] النوادر السلطانیۃ:348 [2] النوادر السلطانیۃ:348

الدین قیصر کو سو ماہر فن معماروں، نقب زنوں اور مزدوروں کے ساتھ عسقلان روانا کر دیا تا کہ وہ شہر سے نصرانیوں کا انخلاء کرا کے رچرڈ کے نمائندوں کی موجودگی میں شہر کی فصیل اور مورچے منہدم کرا دے۔ علم الدین قیصر کے وہاں پہنچنے کے بعد رچرڈ کا سفیر بھی آ گیا، اس نے وہاں مقیم نصرانی سپاہیوں کو شہر سے نکلنے کا حکم دیا۔ 27 شعبان کو شہر پناہ کے انہدام کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا۔ شہر میں رچرڈ کی تعمیر کردہ اس نئی فصیل کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نصرانیوں نے اپنے رہنے کے لئے نیم پختہ مکانات بنا لئے تھے۔ باقی شہر ویسا ہی کھنڈر تھا جیسا مسلمان اسے چھوڑ گئے تھے۔ دو چار دنوں میں سلطان کی تاکید پر اور کئی امراء بھی علم الدین قیصر کی امداد کے لئے عسقلان پہنچ گئے، انہوں نے فصیل کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اس کے انہدام کا کام چند دنوں میں مکمل کر لیا۔ ❶

صلیبیوں کو زیارت القدس کی سہولت: 9 شعبان (8 ستمبر) کو سلطان نے نطرون میں پڑاؤ ڈال دیا کیوں کہ صلیبی سپاہی واپس جانے سے پہلے صلح نامے میں دی گئی رعایت کے مطابق القدس کی زیارت کرنا چاہتے تھے سلطان نے ان کو زیارت کی سہولتیں اور مکمل تحفظ دینے میں بے حد فراخدلی اور غیر معمولی ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ وہ صلیبی جو کل تک مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، اب مجاہدین کی حفاظت میں قطار در قطار القدس کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ القدس کی شاہراہ پر بھیڑ ہی بھیڑ دکھائی دیتی تھی۔

یہ چند دن بڑی رونق کے تھے۔ مسلمان اور عیسائی، عوام و خواص سب ایک دوسرے سے گھل مل گئے تھے۔ یافا سے القدس تک ایک بازار کی سی چہل پہل معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف مسلمان تاجر اونٹوں کے کاروان لئے سامان فروخت کرنے یافا جا رہے تھے، دوسری طرف سے عیسائی زائرین کے قافلے چلے آ رہے تھے۔

قاضی ابن شداد کے بقول نصرانیوں کو زیارت کی اس قدر سہولتیں فراہم کرنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ سلطان چاہتے تھے صلیبی جلد از جلد اپنی زیارت کی حسرت پوری کر کے اپنے ملکوں کو لوٹ سکیں تا کہ مسلمان ان کے مزید قیام سے پیدا ہونے والے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہیں۔ سلطان کے اس حسنِ انتظام کا کرشمہ تھا کہ ایک ہی دن میں ہزاروں عیسائی زیارت سے فارغ ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ مقدس شہر میں داخل ہوتے تھے۔ چرچ سینٹ جان اور دیگر مذہبی مقامات کی زیارت کر کے اپنی مدتوں کی حسرت پوری کرتے تھے۔ جب وہ مفروضہ مزار مسیح کے پاس نذرانہ

❶ النوادر السلطانیہ: 349

عقیدت کے طور پر سکے پھینکتے تو ارد گرد منڈلاتے ہوئے بدو تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھا لیتے اور نو دو گیارہ ہو جاتے۔ آخر تنگ آ کر زائرین نے سکے پھینکنے کا سلسلہ ختم کر دیا۔

زیارت کے مراحل کے دوران سلطان کے سپاہی حتی الامکان زائرین کی نگرانی کرتے رہتے تھے تاکہ کوئی مقامی فرد انہیں گزند نہ پہنچائے کیوں کہ مسلمانوں کو اب تک عکا میں اپنے بھائیوں کا قتل عام بھولا نہیں تھا۔ بعض نے سلطان سے خونریزی کی اجازت بھی طلب کی اور کہا:

''ہم بدعہدی کے بدلے بدعہدی کر کے ان نہتے زائرین کے خون سے اپنا جوش انتقام سرد کرنا چاہتے ہیں۔''

مگر سلطان نے سختی سے انہیں منع کر دیا۔ [1]

سلطان نے عام زائرین کی حفاظت کا وعدہ پورا کرنے کے ساتھ ان کے خواص اور معزز لوگوں کی بھرپور خاطر مدارت اور عزت افزائی کی۔ شہزادوں، نوابوں، رئیسوں، پادریوں اور گرینڈ ماسٹروں کو اپنے دستر خوان پر بٹھانے اور ان سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا۔

عجیب بات ہے کہ عیسائی زائرین کو زیارت کی سہولیات مہیا کرنے میں سلطان ایوبی جتنی فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں وہاں رچرڈ اس موقع پر اتنا ہی تنگ نظر اور کم ظرف دکھائی دیتا ہے۔ اس نے اپنی ان دو دیرینہ خواہشات کا گلا گھونٹ دیا جن کی تکمیل کا اب بہترین موقع تھا۔ یعنی القدس کی زیارت اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملاقات۔ وہ نہ تو اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آیا نہ سلطان سے ملاقات کی کوشش کی۔ بلکہ اسے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اس کے ہم قوم سہولت اور آرام کے ساتھ جوق در جوق شہر مقدس کی زیارت کے لئے جائیں۔ اس نے سلطان کو خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ زائرین کے کھلے عام القدس میں داخلے پر پابندی لگا دی جائے۔ صرف اس شخص کو زیارت کی اجازت دی جائے جس کے پاس شاہی اجازت نامہ ہو۔ فرنگیوں کو رچرڈ کے اس مطالبے کی خبر ملی تو سٹپٹا گئے۔ انہیں اپنے قائد اور رہنما سے ایسے گھناؤنے مذاق کی توقع نہیں تھی۔ تاہم انہیں اس وقت اطمینان ہوا جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے رحم دل حکمران نے ان کے خبطی بادشاہ کا مطالبہ مسترد کرتے ہوئے جواب دیا ہے:

''آپ کی قوم دور دراز کا سفر کر کے مقدس مقام کی زیارت کے لئے آئی ہے، میں ان پر پابندی نہیں لگا سکتا۔'' [2]

رچرڈ نے اسی قسم کے ایک اور جلے بھنے مراسلے میں سلطان کو لکھا:

---

[1] سلیمی نگیں: 307
[2] النوادر السلطانیۃ: 350

''فرانسیسی ہمارے معاہدے میں شریک نہیں ہوئے تھے، اس لئے انہیں مقدس شہر کی زیارت کی اجازت نہ دی جائے۔''

سلطان نے جواب دیا:

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میں نے سب عیسائیوں کو القدس کی زیارت کی اجازت دی ہے تو فرانسیسیوں کو کیسے محروم کر سکتا ہوں۔''[1]

ان مثالوں سے سلطان کی بالغ نظری اور رچرڈ کی تنگ دلی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی یہاں اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پر نظر آتے ہیں کہ ان کا دامنِ کرم دشمنوں کے لئے بھی کشادہ ہے اور اُدھر رچرڈ کی ذہنی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ہم قوموں کو سلطان کے بحرِ فیض سے سیراب ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ یورپی مؤرخین رچرڈ کی ان حرکات کی کوئی مناسب توجیہ پیش نہیں کر سکے۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ شکست کے صدمے اور شدید بیماری نے انگریز بادشاہ کو مخبوط الحواس بنا دیا تھا۔

بدقسمت رچرڈ اسی حالت میں 29 شعبان 588ھ (8 ستمبر 1192ء) کو ہنری اوف شیمپین، دیگر سرداروں اور بقیہ سپاہیوں کے ساتھ یافا سے عکا روانہ ہو گیا تاکہ وہاں سے انگلستان جانے والے جہاز میں سوار ہو جائے۔ اس کے جانے کے بعد ساحل پر اسلامی لشکر کے جمع رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔ چھٹی صدی کا ہجری کا سب سے عظیم جہادی سلسلہ انتہا کو پہنچ چکا تھا۔[2]

سلطان کا شوقِ حج سلطان ایوبی نے یکم رمضان (10 ستمبر) کو لشکر میں عام تعطیل کا اعلان کرا دیا۔ اربل، موصل، سنجار اور دیگر علاقوں کے کماندار اپنے اپنے قائدین کی سرکردگی میں پرچمِ فتح لہراتے ہوئے اپنے صوبوں کو واپس جانے لگے۔ وہ سب بے حد خوش تھے کہ کفر و اسلام کا طویل ترین معرکہ جیت کر سرخروئی کی حالت میں اپنے یارانِ وطن سے ملیں گے اور مدتوں بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ عید الفطر منائیں گے۔

ادھر سلطان کا شوقِ حج بڑھتا چلا جا رہا تھا، انہوں نے قاضی بہاؤ الدین ابن شداد سے اس تڑپ کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ قاضی صاحب نے موقعے سے فائدہ اٹھانے کی صلاح دی تو سلطان نے حج کا حتمی فیصلہ کر کے اس سلسلے میں تیاریاں شروع کرا دیں کیوں کہ تین ہفتوں بعد شوال میں موسمِ حج شروع ہو رہا تھا۔

سلطان نے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ جو سپاہی بھی حج کا ارادہ رکھتے ہوں وہ اپنے نام لکھوا دیں تاکہ ان کی تعداد کا تخمینہ لگا کر اس کے مطابق انتظامات کر لئے جائیں اور انہیں سرکاری خرچ پر حج کے لئے روانہ کیا جا سکے۔ قافلہ ترتیب دینے کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ سلطان کے ساتھ حج کا ارادہ

[1] النوادر السلطانیۃ: 350 [2] النوادر السلطانیۃ: 350

کرنے والوں کے نام لکھے جانے لگے۔ جن لوگوں نے راستوں کے شہروں سے سلطان کے قافلے میں شمولیت کا ارادہ ظاہر کیا ان کے نام الگ لکھ لئے گئے۔

سلطان نے مصر اور یمن کے حکام کے نام مراسلے روانہ کردیے کہ وہ حج کے انتظامات اور حجاج کی خدمت کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ سلطان نے ان کے قافلوں کے لئے بحری راستے سے خوراک، نقد رقم، لباس اور دیگر ضروری اجناس روانہ کردیں۔ راستے کے شہروں میں قافلے کی ضروریات کا پیشگی انتظام کرنے کی ہدایات روانہ کردی گئیں۔ [1]

[1] الاعلاق الخطیرۃ: 351

اَسباقِ تاریخ

- مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست۔ مگر انجام کار کامیاب وہ رہتا ہے جو وقتی شکست سے مایوس نہ ہو۔ اپنی غلطیوں کو درست کر کے نئی ہمت و حوصلے سے چیلنج کا سامنا کرتا رہے۔ سلطان کو عکا میں بھی شکست ہوئی اور ارسوف میں بھی مگر انہوں نے ہر ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنا کر دکھایا۔
- اسلامی سیاست میں قیدیوں پر رحم کھا کر آزاد کرنا بھی جائز ہے اور قتل کرنا یا غلام بنانا بھی۔ جب مظلوم مسلمانوں کے زخمی دلوں کو تسکین دینے اور دشمن کو مرعوب کرنے کی مصلحت سامنے ہو تو حکمران قیدیوں کو قتل کرنے کا اختیار استعمال کر کے یہ مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ سلطان نے ساحلی تعاقب میں زیادہ تر ایسا ہی کیا۔
- حکمران کو بعض اوقات ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں جو جان کنی کی مانند بھاری ہوتے ہیں۔ قوم کو کسی بڑی مصیبت سے بچانے کے لیے چھوٹی مصیبت میں جھونک دینا ایسا ہی جاں گداز اقدام ہوتا ہے۔ شہروں کو بسانا اور شہریوں کو ہر طرح کی تکلیف سے بچانا حکمران کی ذمہ داری ہے۔ لیکن کبھی اس کے برعکس کرنا پڑ جاتا ہے۔ کسی بہت بڑے ہدف کو دشمن کی زد سے بچانے کے لیے ایک نسبتاً کم ہدف کی قربانی دینا ناگزیر اقدام بن جاتا ہے۔
- میدان کی جنگ کی طرح مذاکرات بھی ایک جنگ سے کم نہیں۔ یہاں غیر معمولی دور اندیشی، موقع شناسی اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی جیتی ہوئی بازی مذاکرات کی میز پر شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے اور کبھی شکست خوردہ فریق مذاکرات کے ذریعے بیش بہا منافع حاصل کر لیتا ہے۔
  فرنگیوں کے مختلف گروہوں سے سلطان کے مذاکرات میں ہمیں باوقار، محتاط، سنجیدہ اور کامیاب مذاکرات کا عمدہ نمونہ دکھائی دیتا ہے۔
- ظاہری اسباب و وسائل استعمال کر ڈالنے کے بعد اللہ پر توکل کرنا اور اس سے مدد چاہنا مسلمان کا آخری اور سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ سلطان نے القدس کے معرکے میں اسی آخری ہتھیار سے کام لیا تھا۔
- اگر ماتحت کسی مصلحت کی وجہ سے قائد کی حکمت عملی سے متفق نہ ہوں تو اسے غداری کے مترادف نہ

سمجھ لیا جائے۔ان کے خلوص پر شک کرنے کی بجائے ان کی بات کھلے ذہن سے سنی جائے۔ورنہ پھوٹ پڑ سکتی ہے جو کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔

- بہترین سیاست دان بھی کبھی سیاسی فیصلوں میں خلاف مصلحت راستے پر گامزن ہو سکتا ہے۔ایسے میں اسے صحیح مشورے کی ضرورت ہوتی ہے۔
- بڑائی کی بات یہ ہے کہ اپنی غلطی سمجھ آجائے تو اسے ماننے اور اس کے تدارک میں دیر نہ کی جائے۔سلطان کا الملک المنصور کے بارے میں سخت کارروائی کا فیصلہ درست نہ تھا۔ابوالہیجاء نے جب صاف گوئی سے اس پر اعتراض کیا تو سلطان نے فیصلہ بدل دیا۔
- جب خطرے کا احساس ہو چلے تو احتیاط کے ہر پہلو کو اختیار کیا جائے۔مصر کے قافلے نے تنبیہ پر توجہ نہ دی۔آخر نا قابل تلافی نقصان ہو کر رہا۔
- مقابلے کے وقت چند گھڑی کی سستی کئی سال بھگتنا پڑتی ہے۔یافا کا قلعہ خالی کرانے میں آٹھ دس گھنٹے کی سستی نے،جیتی بازی ہاتھ سے نکلوا دی۔پھر یہ شہر پچیس سال بعد فتح ہوا۔
- ماتحتوں کے اعصابی تناؤ ذہنی وجسمانی تھکان اور سابقہ خدمات کو ملحوظ رکھ کر ان کی گستاخی اور حکم عدولی کو برداشت کر جانا بڑے دل گردے کی بات ہے۔یہ وصف کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔
- اگر استی فی صد نتائج مل رہے ہوں تو سو فی صد نتائج کی خاطر انہیں داؤ پر لگا دینا کاردانش مندی نہیں۔سو فی صد نتائج قسمت سے نصیب ہوتے ہیں کوشش سے نہیں۔
- جنگ کرنا مردانگی ہے اور کامیاب مصالحت عقل وتدبیر۔ہر شے کا ایک وقت ہوتا ہے۔کامیاب رہنما صحیح طور پر فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ جنگ کا وقت ہے یا مصالحت کا۔اس چناؤ میں غلطی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

باب:4

تیسری صلیبی جنگ کے بعد

شخصیات

الملک العادل	سلطان کا بھائی اور دست راست۔ سلطان کے بعد شام و مصر کا حکمران
الملک الظاہر	سلطان کا بیٹا۔ حاکم حلب
الملک الافضل	سلطان کا بیٹا۔ سلطان کا جانشین
قاضی فاضل	سلطان کے وزیر
قاضی بہاؤالدین ابن شداد	سلطان کے مشیر، سوانح نگار
کاتب عماد اصفہانی	سلطان کے سیکرٹری، مشیر
سیف الدین مشطوب	سلطان کا امیر
بہاؤالدین قراقوش	عکا کا حاکم
صارم الدین قائماز نجمی	سلطان کا کمانڈر
سلیمان بن جندر	سلطان کا درباری۔ امیر
عزالدین جاولی الاسدی	سلطان کا کمانڈر
عزالدین جردیک	سلطان کا کمانڈر
عزالدین اسامہ	حاکم بیروت
شیخ ابوبکر جعفر	سلطان [illegible] کے امام مسجد
الملک المعظم توران شاہ	سلطان ای[illegible] کا بیٹا
الملک المعظم عیسیٰ	الملک العاد[illegible]۔ حاکم [illegible]
الملک الکامل محمد	الملک العادل کا بیٹا۔ حاکم مصر
الملک الاشرف موسیٰ	الملک العادل کا بیٹا۔ حاکم الجزیرہ

فصل:1

بیت المقدس اور دمشق میں سلطان کے آخری ایام

نطرون کا فوجی کیمپ اب خالی ہوتا جا رہا تھا۔ روزانہ ہزاروں سپاہی قافلوں کی شکل میں اپنے ملکوں کا رخ کر رہے تھے۔ ایسے میں 4 رمضان (13 ستمبر) کو سلطان ایک بار پھر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ [1]

وہ کعبۃ اللہ کے سامنے حاضری سے پہلے قبلۂ اوّل میں جی بھر کے عبادت کرنا چاہتے تھے۔ ماہِ مقدس اور سجدہ گاہِ انبیاء کی برکتوں کو پوری طرح وصول کرنا چاہتے تھے۔

سلطان نے ماہِ مبارک بیت المقدس میں کس طرح گزارا اور کس کس طرح اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عجز و نیاز کیا، یہ سلطان کے درباریوں اور روزنامچہ نگاروں سے بھی مخفی رہا، ان معمولات کی ہمیں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ اخلاص سے بھرپور عبادات اور سراپا راز و نیاز مناجاتیں کسی گوشۂ تنہائی میں ہی ہوسکتی ہیں، جہاں رب کے سوا کوئی دیکھنے والا ہو نہ سننے والا۔

بیٹے کو گراں مایہ نصائح: سلطان ایوبی کی بعض باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے فرشتۂ اجل کی قدموں کی خاموش چاپ سن لی تھی۔ رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو انہوں نے اپنے محبوب بیٹے الملک الظاہر کو کوچ کے لئے الوداع کہا اور خود اپنی محبوب ترین جگہ صخرۂ مقدسہ کے پاس نوافل میں مشغول ہوگئے۔ شہزادہ روانہ ہونے لگا تو سلطان نے اسے دوبارہ پاس بلوالیا۔ باپ بیٹے نے ساتھ افطار کیا۔ نمازِ عشاء اور تراویح کے بعد سلطان وصیت کے انداز میں گویا ہوئے:

''بیٹے! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں؟ یہ ہر بھلائی کی جڑ ہے۔ تمہیں اللہ کے احکام پر عمل کرتے رہنے کا حکم دیتا ہوں۔ یہی تمہاری نجات کا سبب ہوگا۔

میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ قتلِ ناحق اور خون ریزی سے بچتے رہنا، کیوں کہ ناحق بہنے والا خون رنگ لا کر رہتا ہے۔ میری وصیت ہے کہ رعایا کی دل گیری کا خیال رکھنا۔ ان کے حالات پر نظر رکھنا کیوں کہ تم میری طرف سے بھی اور اللہ کی جانب سے بھی ان لوگوں کے امین ہو۔

میں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ امرائے سلطنت، ارباب حکومت اور بڑوں کی دلجوئی اور ان کا احترام کرتے رہنا۔ دیکھو میں نے بھی جو مرتبہ پایا ہے وہ لوگوں کی دلجوئی کی وجہ ہی سے پایا ہے۔ دیکھو! کسی سے حسد مت کرنا کیوں کہ آخر کار سب نے ہی مرنا ہے۔ اگر تم پر اللہ کا کوئی حق باقی رہ گیا ہو تو وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرنے سے معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بہت کرم نواز ہے۔ اپنے اور لوگوں کے حقوق و معاملات میں بہت احتیاط سے کام لینا کیونکہ اگر ان کا کوئی حق باقی رہ گیا تو بروز حشر ان کو راضی کئے بغیر مغفرت نہیں ہوگی۔"

الملک الظاہر سحری کے وقت تک باپ کی خدمت میں رہ کر ایسی گراں مایہ نصیحتیں سنتا رہا۔ صبح صادق کے قریب اس نے جانے کی اجازت مانگی۔ سلطان ایوبی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیٹے کو رخصت کرنے دروازے تک آئے۔ خلاف معمول اس کے رخسار پر بوسہ دیا، سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

قاضی ابن شداد جو اس مجلس میں حاضر تھے، بغور دیکھ رہے تھے کہ سلطان کا یہ اظہار محبت عام دنوں سے بالکل الگ ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عظیم باپ عن قریب اپنے بہادر بیٹوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا ہے۔[1]

القدس میں ترقیاتی کام: بیت المقدس میں اپنے آخری قیام کے ان دنوں میں سلطان نے شہر کے انتظامات کو بہتر بنانے پر بھرپور توجہ دی۔ شہر کے راستوں کو صاف اور پختہ کرانے کا منصوبہ شروع کیا۔ القدس میں ایک تعلیم گاہ کی شدید ضرورت تھی۔ سلطان نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد رکھ دی اور اس کے ذرائع آمدن کا مستقل انتظام کرنے کے لئے ایک بازار کی دکانیں اور شہر کے نواح میں کئی باغ وقف کر دیے۔ شہر مقدس میں قیام پذیر صوفیاء اور درویشوں کے لئے جملہ سہولتوں کا انتظام کیا اور ان کے اخراجات کے لئے بھی جاگیریں وقف کیں۔ اس کے علاوہ چرچ سینٹ جان (کنیسہ قمامہ) کو جانے والی شاہراہوں پر واقع ایک غیر آباد گرجے کی جگہ ہسپتال کی بنیاد رکھی کیوں کہ یہ اہل شہر کی ایک اہم ضرورت تھی۔ سلطان نے اس ہسپتال میں ماہر طبیب اور سرجن مقرر کرنے اور انہیں ہر قسم کی ادویہ اور طبی آلات فراہم کرنے کا حکم دیا۔ جنگ کا خطرہ دور ہو جانے کے باوجود سلطان نے شہر کے دفاعی انتظامات کے استحکام کا کام بھی جاری رکھا۔ شہر کی فصیل کا دائرہ وسیع کر کے اسے گنبد صہیون کے پار تک لے جایا گیا۔ اس طرح یہ مزید علاقہ فصیل بند شہر کا حصہ بن گیا۔ شہر پناہ کی خندق مزید گہری کروائی اور امراء کو تاکید کی کہ فصیل کے اس پورے حلقے کے گرد خندقوں کا دائرہ کھینچ دیا جائے۔[2]

[1] النوادر السلطانیہ: 353
[2] الروضتین: 4/332، تاریخ ابن اثیر: 10/216

پورے ماہ رمضان میں سلطان کا آستانۂ عدل واحسان کھلا رہا۔ لوگ دربار سلطانی سے اپنی حاجات پوری کراتے اور دعائیں دیتے جاتے۔ سلطان نے اپنے معتمد امیر عزالدین جوردیک کو القدس کا نیا والی مقرر کر دیا تھا کیونکہ اس کی امانت داری اور عوامی خدمت کے کاموں میں مستعدی شک وشبہے سے بالاتر تھی۔ القدس کے نواحی شہروں الخلیل، غزہ، داروم اور ویران وبرباد عسقلان کو علم الدین قیصر کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ [1]

<u>صلیبی جنگ کے اختتام پر سلطان کا مقام</u>٭ جنگ کے اختتام پر ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو فتح یابی، اقبال مندی، جہانگیری اور سروری کے اس مقام پر دیکھتے ہیں کہ اس سے بلند مقام کا تصور مشکل ہے۔ سلاطینِ اسلام میں ایسی سعادت، عظمت، اور مقبولیت شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ جنگ کے آخری ایام میں سلطان کا پرچم اقبال لیبیا کے ریگزاروں سے دجلہ وفرات کی وادی تک اور دیار بکر کے پہاڑوں سے یمن کے ساحل تک لہرا رہا تھا۔ دنیا بھر کے مسلم وغیر مسلم صلیبی جنگ کے اس فاتح کے دربار میں جبیں سائی کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتے تھے اور اپنے تنازعات دور کرنے کے لئے اس مقتدر قوت کے ایماء کو قولِ فیصل تسلیم کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نقل کرتے ہیں کہ رمضان 587ھ (اکتوبر 1191ء) میں ایشیائے کوچک کا سلجوقی حکمران معزالدین اپنے بھائیوں سے تقسیم سلطنت کے تنازعے کے سلسلے میں سلطان کے پاس آیا۔ جب وہ ملاقات کر کے رخصت ہونے لگا تو سلطان معسکر کے باہر اسے الوداع کہہ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگے تب معزالدین نے لپک کر انہیں سوار کرایا۔ اتنے میں موصل کا حکمران علاؤالدین آگے بڑھا اور سلطان کی پوشاک درست کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص کے منہ سے نکلا:

"ایوب کے لختِ جگر! تجھے اب مرنے کا کیا غم کہ سلجوقی اور اتابک خانوادے کے شہزادے تجھے پابہ رکاب کرتے ہیں۔" [2]

یہ ایک مثال ہے ورنہ اس دور کے کتنے ہی تاجداروں کے لئے سلطان کی کفش برداری باعث فخر تھی۔ قسطنطنیہ کا قیصر اسحٰق فرشتہ خصال (آئیزک دی اینجل) سلطان کا سایۂ عاطفت طلب کرتا تھا اور سلطان کی حمایت میں صلیبیوں سے بغض وعناد کا کھلم کھلا اظہار کرتا تھا۔ گرجستان کا نصرانی بادشاہ سلطان سے تعلقات بہتر بنائے رکھنے میں اپنی عافیت سمجھتا تھا۔ صلح رملہ سے دو دن پہلے (منگل 20 شعبان 588ھ کو) یہ عجیب منظر دکھائی دیتا ہے کہ شاہِ گرجستان کا <u>سفیر سلطان ایوبی کے سامنے دست بستہ</u> ہے اور مراسم

[1] النوادر السلطانیہ: 354، بارہ معین 588 ہجری ولایۃ عزالدین جوردیک
[2] الکامل فی التاریخ: 10/212 تحت 587 ہجری

گردانہ بخشنے کی درخواست لئے کھڑا ہے۔ اسی دن دربار میں حاکم ارزن الروم کا سفیر بھی نظر آتا ہے جو مکمل اطاعت اور حلقہ بگوشی کا پیغام لایا ہے۔ یہی نہیں ایک طرف حاکم خلاط سیف الدین بکتمر کا نمائندہ بھی موجود ہے جو سلطان کی تابعداری، وفاداری اور سلطان کے اشارے پر اپنی افواج کی محاذ پر حاضری کا عہد لے کر آیا ہے۔ ❶

پھر صلح کے فوراً بعد جمعہ 23 رمضان 588ھ (2 اکتوبر 1192ء کو) ہم عباسی خلیفہ کے ایلچی کو القدس میں سلطان سے ملاقات کرتا دیکھتے ہیں جو دوطرفہ تعلقات کی پختگی کے لئے سفارتی رابطے تیز کرنے کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ❷

<u>سلطان کی فتح کی اہم وجوہ</u>: صلیبی جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی جہاں سلطان کی مومنانہ شجاعت، دینی حمیت، سیاسی تدبر اور عسکری و سیاسی تجربہ کاری کے مرہون منت ہے، وہاں ہم سلطان کے حکام، امراء، افسران لشکر، عام سپاہیوں اور مجاہدوں کی وفاداری اور جانثاری کو بھی فراموش نہیں کر سکتے جنہوں نے یہ طویل ترین جنگ نہایت عزم و ہمت اور پامردی کے ساتھ لڑی اور ایثار و قربانی، جانثاری و وفاداری، اطاعت گزاری و سرفروشی، اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی ایک شاندار تاریخ مرتب کی۔ بلاشبہ اگر یہ ہزاروں غیرت مند مسلمان جو اپنے مراتب کے لحاظ سے مختلف درجات کے تھے، اگر دینی حمیت اور اسلامی جذبہ جہاد کا یکساں بھرپور مظاہرہ نہ کرتے اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر انجام نہ دیتے تو قبلۂ اوّل کے تحفظ کے اس جہادِ عظیم میں کامیابی ہرگز ممکن نہ تھی۔

اس جہاد میں سلطان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ اس پورے دور میں کم از کم سلطان کی سلطنت کی حدود تک مسلمان یک جان اور متحد تھے۔ اگرچہ دیگر اسلامی سلطنتوں سے سلطان کو کوئی امداد نہیں ملی تھی مگر کردستان سے لے کر شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی ان کی اپنی سلطنت بجائے خود کئی ملکوں کا مجموعہ تھی جس میں ترک، کرد، عراقی، شامی، عربی اور افریقی مسلمانوں کی درجنوں نسلیں اور قومیں آباد تھیں۔ ان تمام علاقوں کے مسلمانوں نے سلطان کی صدائے جہاد پر لبیک کہا اور جوق در جوق محاذ پر پہنچتے رہے۔ موصل سے لے کر قاہرہ تک تمام صوبوں کے حکام تازہ بتازہ افواج، جنگی ساز و سامان، ہدیہ اسلحہ اور عسکری اخراجات کے لئے رقمیں بھیجتے رہے۔ اس جنگ کے دوران ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی سلطان کے خلاف بغاوت کی کوشش نہیں کی حالانکہ کئی مواقع ایسے تھے جن سے کوئی شرپسند چاہتا تو فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر <u>سلطان کے حکام اور رعایا نے ہر موقع پر اس حقیقت کو ملحوظ رکھا کہ ملکی سلامتی</u>

---

❶ الروضتین، احداث 587 ہجری، مقدمہ بعنوان السلطان والزاہد ❷ النوادر السلطانیۃ: 351-352

رقوں یک جہتی جہاد میں کامیابی کی ضمانت ہے، انہوں نے ایسے حالات میں مسلمانوں میں اختلاف پھیلا کر ان کی افواج کو منتشر کرنا اسلام سے غداری کے مترادف سمجھا۔ اس پورے عرصے میں ہمیں ایک بار سنجر شاہ اور ایک بار الملک المنصور میں بغاوت کے آثار نظر آتے ہیں مگر اس قضیوں کو فوری طور پر حل کرا گیا اور ان دونوں حاکموں کی وفاداریاں بدستور سلطان کے لئے وقف رہیں۔

ہمیں سلطان کے امراء کی خدمات کا برملا اعتراف کرنا چاہیے جن کی تابعداری اور وفاشعاری شک و شبے سے بالاتر تھی۔ سلطان نے انہیں جس بھی معرکے میں جھونکا وہ بے دریغ اس میں کود گئے۔ جو مہم ان کے سپرد کی وہ دل وجان سے اس کی تکمیل کے لئے جٹ گئے۔ ان امراء میں سب سے بڑھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل کا نام ہے جس نے برادرانہ رقابت کے جذبات سے حیرت انگیز طور پر کنارہ کش رہ کر خود کو سلطان کی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کی معاملہ فہمی، تجربے اور سوجھ بوجھ سے سلطان کو ہر موقعے پر غیر معمولی مدد ملتی رہی۔ پھر تقی الدین عمر، سیف الدین مشطوب، بہاؤالدین قراقوش، عزالدین جوردیک، سلیمان بن جندر، اور ابوالہیجاء السمین سمیت کتنے ہی عالی جاہ امراء تھے جن کی جنگی مہارت اور شجاعت وبسالت نے فرنگی سورماؤں کو ہر میدان میں ناکوں چنے چبوائے۔

سلطان کی کامیابی کا ایک بڑا سبب ان کے ہاں شورائیت کا وہ کھلا ماحول تھا جس میں ہر کوئی اپنی رائے بلاتکلف دے دیا کرتا تھا اور معاملات کے تمام پہلو سامنے آجایا کرتے تھے۔ امراء ومصاحبین کے مشورے عموماً سلطان کے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوتے تھے۔ اگرچہ ان امراء کو ہم کئی مواقع پر سلطان کی رائے سے اختلاف بھی کرتا دیکھتے ہیں مگر یہ اختلاف رائے خیر خواہی اور خلوص پر مبنی ہوتا تھا۔ اگر بعض اوقات ارکان حکومت اصرار کے ساتھ سلطان کی کسی تجویز کو رد کر دیتے تھے تو صرف اس لئے کہ ان کے تجربے اور علم کے مطابق اس تجویز پر عمل ملک وقوم اور امت کے لئے نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی خود بھی امراء پر ذاتی رائے مسلط کرنے سے گریز کرتے تھے اور اکثر فیصلے اتفاق رائے سے کرنا بہتر سمجھتے تھے لیکن اگر کبھی سلطان نے امراء کی رائے کو یکسر نظر انداز کر کے کوئی حکم دے ڈالا تو ہم امراء کو اسے انجام دینے سے گریزاں نہیں پاتے۔ ہاں صرف آخری دنوں میں ہمیں ایک ایسی مثال ملتی ہے جب سلطان کے افسران نے [illegible] پر براہ راست حملے کی بابت سلطان کے حکم کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور اس موقع پر ایک افسر نے سلطان پر طنز بھی کیا تھا۔ مگر یقیناً یہ ایک معمول سے ہٹ کر صورتحال تھی جس کا خود سلطان کو بھی احساس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سپاہ کو حکم کی تعمیل پر مجبور کیا نہ اس گستاخی کے مرتکب افسر کو سزا دی بلکہ اسے ایک نفسیاتی کیفیت پر محمول کیا اور سپاہیوں کی ذہنی تکان کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں میدان سے ہٹا لیا۔

اسی طرح یافا کی فتح کے موقع پر قلعے سے نصرانیوں کے انخلاء میں سپاہیوں کی سستی بھی غالباً ایک غیر معمولی حالت اور نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کا ردعمل تھی۔ان دو چار مثالوں کے سوا ہمیں شروع سے آخر تک یہ سپاہی، مجاہدین اور رضا کار اپنے افسران کی قیادت میں سلطان کے پرچم تلے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے نظر آتے ہیں۔امت ان کے احسانات سے تا قیامت گراں بار رہے گی۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس مقدس جہاد میں سلطان کے تین ہم دم وہم ساز محرم راز بزرگوں کا خاص حصہ تسلیم نہ کیا جائے۔یہ تھے سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل عسقلانی، سلطان کے مشیر وسفیر قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اور سلطان کے کاتب ومنشی شیخ عماد اصفہانی رحمہم اللہ

قاضی فاضل عسقلانی اپنی نصیحتوں سے جو کبھی زبانی ہوتیں اور کبھی مراسلوں کی شکل میں، سلطان کی ہمت بندھاتے، ان کا ایمان تازہ کرتے اور انہیں مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔سلطان کی رہنمائی میں اس ہستی کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔قاضی ابن شداد اس پنج سالہ جہاد میں مسلسل سلطان کے ہم رکاب رہے۔ان کی دلآویز باتیں سلطان کی تسکینِ روح کا سامان بنتی تھیں۔عماد اصفہانی بھی ہر موقعے پر سلطان کی تقویت خاطر اور دلجمعی کا سامان کرتے رہتے تھے، جو اکثر اشعار کی صورت میں ہوتا اور کبھی کبھار نثر میں۔

آخری دونوں حضرات کا ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے سلطان کی سرگزشتِ حیات اور روداد جہاد کو تفصیل کے ساتھ قلمبند کر کے امت کے لئے اس طرح محفوظ کر دیا کہ ان کا لفظ لفظ درسِ جہاد اور سامانِ عزیمت بن گیا ہے۔کاتب عماد اصفہانی کی ''البرق الشامی'' اور ''الفتح القدسی'' اپنی مثال آپ ہیں۔قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کی ''النوادر السلطانیہ: والمحاسن الیوسفیہ'' حیات صلاح الدین ایوبی کے جواہر سموئے ہوئے ہے۔سلطان کے حالات پر قلم اٹھانے والے ہر مؤرخ نے بنیادی طور پر ان تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔

یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ سلطان کی کامیابی ان کی ہم عصر حکومتوں اور حکمرانوں کے تعاون پر منحصر تھی۔ ہرگز نہیں بلکہ سلطان نے القدس کی بازیابی سے لے کر تیسری صلیبی جنگ کا خونیں معرکہ جیتنے تک ہر فتح زمینی اسباب کے لحاظ سے اپنے بل بوتے پر ہی حاصل کی تھی۔اس پورے سلسلۂ جنگ میں ایشیائے کوچک کے حکام نے کوئی امدادی فوج بھیجی نہ خلیفہ بغداد نے جنگ کے خطیر اخراجات برداشت کرنے کے لئے کوئی معقول مالی امداد فراہم کی۔شمالی افریقہ کی دولت موحدین نے تو سلطان کی پرزور درخواست کے باوجود عکا کے محاذ پر اپنا بحری بیڑا بھیجنا تک گوارا نہیں کیا۔سلطان کو جتنی بھی کمک ملتی تھی وہ ان کی

اپنی سلطنت کے دور دراز کے صوبوں سے آتی تھی۔ اس طرح مجاہدین اور رضا کاروں کی ٹولیاں زیادہ تر حجاز اور کردستان سے آتی تھیں جو سلطان کے نائبین کے زیر انتظام علاقے تھے۔ اگرچہ شمع اسلام کے کچھ پروانے ایسے بھی تھے جو دوسرے ملکوں کی سرحدیں پھلانگتے ہوئے محاذ پر پہنچ جاتے تھے، ان میں ترک بھی تھے، وسط ایشیا کے خوارزمی بھی اور دجلہ پار کے عراقی بھی۔ مگر ان کی تعداد محدود ہوتی تھی اور ان کی آمد میں ان کی حکومتوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ غرض سلطان کا تن تنہا اتنی بڑی جنگ لڑ کر صلیبی طوفان کا رخ پھیر دینا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر قرونِ اولیٰ کے سوا کہیں نہیں ملتی۔ بلاشبہ سلطان کے ساتھ اللہ کی خاص مدد و نصرت تھی۔ اسی تائیدِ غیبی نے سلطان کے لئے ناممکنات کو بھی ممکن کر دکھایا۔ سلطان کی خدا خوفی، فکرِ آخرت، محاسبۂ نفس، اخلاصِ نیت اور جذبۂ سرفروشی یقیناً ایسی صفات تھیں جن کے ہوتے ہوئے وہ اللہ کی حمایت سے محروم نہیں رہ سکتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ سلطان کی ایمانی بصیرت، عسکری تجربہ کاری، سیاسی مہارت، درست حکمت عملی اور مربوط منصوبہ بندی کا ان کامیابیوں میں پورا پورا دخل تھا۔ غرض اس اللہ کے بندے نے خالق سے لو لگانے میں بھی کمی نہیں کی اور ظاہری تدبیر و سعی کے میدان میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پھر کیوں نہ فتح و نصرت ان کے قدم چومتی۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ☆ بیت المقدس کے قیام کے ان روح پرور دنوں میں سلطان کے زرخیز ذہن میں کچھ اور منصوبے بھی پرورش پا رہے تھے۔ انہوں نے سالہا سال کی محنت شاقہ سے ایک بڑی جنگ جیتی تھی۔ انہیں شاید یہ احساس بھی تھا کہ وہ اب دنیا میں زیادہ دن نہیں رہیں گے...... مگر اس کے باوجود ان کی بلند ہمتی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی سلطنت کو ایک بے مثل طاقت بنانے کے لئے طویل المیعاد اور دور رس امکانات پر غور کر رہے تھے۔ برسوں پہلے انہوں نے ایک بار کہا تھا:

''جب اللہ تعالیٰ مجھے تمام ساحل شام فتح کرنے کی توفیق دے دیں گے تو میں مفتوحہ شہروں کو نائبین میں تقسیم کر دوں گا، اپنی وصیت لکھوا کر سب کو الوداع کہہ دوں گا اور بحری بیڑہ لے کر بحیرۂ روم کے جزائر فتح کرنے نکل جاؤں گا۔ یہاں تک کہ یا تو روئے زمین پر کوئی کافر باقی نہیں رہے گا، یا میں اسی راہ میں مر جاؤں گا۔''[1]

اب ایک بار پھر اسی قسم کے عزائم سلطان کے دل پر دستک دے رہے تھے۔

رمضان کے آخری عشرے میں انہوں نے اپنے بھائی الملک العادل اور بیٹے الافضل کو بلوا کر ان سے

[1] النوادر السلطانیۃ: 55

مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں مشورہ لیتے ہوئے سوال کیا:

"ہم صلیبیوں سے فارغ ہو چکے ہیں، یہاں ہمارے لئے کوئی مہم باقی نہیں رہی۔ آئندہ کیا کرنا چاہئے؟"

الملک العادل نے سلطان کو خلاط پر قبضہ کرنے کی تجویز دی کیونکہ یہ مضبوط عسکری مرکز ایشیائے کوچک کا دروازہ تھا۔ العادل کو سلطان کا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ کبھی خلاط فتح ہوا تو وہ اسے ملے گا۔

سلطان نے الملک الافضل سے رائے مانگی تو اس نے سلاجقۂ روم کی سلطنت پر یلغار کرنے کا مشورہ دیا جو قلیج ارسلان کی موت کے بعد اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو کر کمزور ہو گئی تھی۔ اس سلطنت نے صلیبی جنگ میں سلطان کا ساتھ دینے کی بجائے جرمنی افواج کو راہ داری اور خوراک کی سہولتیں فراہم کی تھیں۔

الافضل نے اپنی رائے کی تائید میں دلائل دیتے ہوئے کہا:

"یہ ملک شہروں، فوجوں اور مال و دولت کی کثرت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور اس پر آسانی سے قبضہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خشکی سے یورپی افواج اور قافلوں کی آمد و رفت کا راستہ بھی یہی ہے۔ اس پر قابض ہو کر ہم اہل یورپ کا راستہ مسدود کر سکتے ہیں۔"

اب سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا:

"میرے خیال میں تم دونوں نے کم ہمتی کی بات کی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ میں سلاجقۂ روم کے ملک پر لشکر کشی کروں اور الملک العادل! تم میرے کسی لڑکے کے ساتھ لشکر کا ایک حصہ لے کر خلاط پر حملہ کرو۔ تمہارے خلاط پر قبضہ کرنے کے دوران میں سلاجقۂ روم کا ملک فتح کر لوں گا۔ اس کے بعد میں افواج لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور ہماری مشترکہ افواج آگے بڑھ کر آذربائیجان میں داخل ہو جائیں گی۔ اس طرح ہماری سرحدیں ایران سے مل جائیں گی، اور مشرق میں ہمیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

اس موقع پر الملک العادل نے سلطان سے کرک اور پھر الجزیرہ جانے کی اجازت طلب کی، جو اس کی جاگیر میں شامل علاقے تھے۔ سلطان نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے تم کرک جا کر تیاری کر لو پھر میرے پاس آ کر اس منصوبے کے مطابق لشکر کشی شروع کرنا۔"

الملک العادل پیر 25 رمضان 588ھ (4 اکتوبر 1192ء) کو کرک روانہ ہو گیا۔ [۵]

اگرچہ سلطان کو مذکورہ منصوبے پر عمل کا وقت نہیں مل سکا مگر اس گفتگو سے ہمیں سلطان کے بلند عزائم، قوت ارادی اور منصوبہ ساز صلاحیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۵ الکامل فی التاریخ: 10/224، الروضتین: 352

ارادۂ حج پر عمل کیوں نہ ہو سکا؟ سلطان صلاح الدین ارضِ مقدس کی جتنی خدمت ممکن تھی انجام دے چکے تھے۔ اب ماہِ رمضان کے بعد وہ سفرِ حج کا عزم کیے ہوئے تھے مگر وہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ ماہِ شوال میں ہم سلطان کو قافلۂ حج میں شامل ہونے کی بجائے دیگر امور کی طرف متوجہ ہوتا دیکھتے ہیں۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد جو سلطان کو حج کا مشورہ دینے اور اس بارے میں ان کی ہمت پختہ کرنے میں پیش پیش تھے، سلطان کے عزم کی تبدیلی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اتنا کہتے ہیں:

''ان کا شوقِ حج ماند پڑ گیا، یہ عظیم ترین سعادت تھی جس سے وہ محروم رہ گئے۔''[1]

کاتب عماد اسے تقدیر کا نوشتہ مانتے ہوئے کہتے ہیں:

''سلطان نے حج کا پختہ ارادہ کیا تھا مگر تقدیر نے ساتھ نہ دیا، سلطان حج کی تیاری کر لینے کے بعد اس سے محرومی پر افسوس کرتے رہ گئے۔''[2]

یہ دونوں بزرگ سلطان کے ارادے کی تبدیلی کی وجہ بیان نہیں کرتے حالانکہ اس کے پیچھے ایک قوی عنصر کار فرما تھا۔ یہ سلطان کے وزیرِ اعظم قاضی فاضل رحمہ اللہ کا مراسلہ تھا، جسے ابوشامہ دمشقی نے کتاب الروضتین میں نقل کیا ہے۔ ہوا یہ کہ جب قاضی فاضل کو سلطان کے عزمِ حج کی اطلاع ملی تو انہوں نے دیگر مصاحبین اور مشیروں کے برعکس سلطان کے اس ارادے کو قطعاً نامناسب قرار دیا۔ انہوں نے سلطان کو ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں ان پر واضح کیا گیا تھا کہ ان کا سفرِ حج اب تک جہاد میں دی جانے والی بے پناہ قربانیوں کے رائیگاں جانے اور مسلمانوں پر سخت مصائب ٹوٹنے کا سبب بن سکتا ہے اور اس سے سلطان کو ثواب کے بجائے عتاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ انہوں نے لکھا:

''شام کے فرنگی اب تک ساحل پر موجود ہیں، انہوں نے القدس کو فراموش نہیں کر دیا۔ ان کے معاہدۂ صلح کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ادھر ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری افواج واپس جا چکی ہیں۔ لہٰذا ہمیں فرنگیوں کی موجودہ حالت سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے آقا کا سفرِ حج ایک طے شدہ وقت اور مسافت کا ہے۔ سب کو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے عرصے سلطنت سے غیر حاضر رہیں گے۔ ایسے میں فرنگی راتوں رات کوچ کر کے ہماری بے خبری میں صبح دم القدس پر حملہ آور ہو جائیں تو کیا ہوگا؟ اللہ نہ کرے وہ شہر میں بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ایسے میں یہ سفرِ حج ایسا کبیرہ گناہ شمار ہوگا جس کی بخشش نہ ہوگی اور یہ ایسی لغزش ہوگی جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔''

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 354
[2] الروضتین: 588ھ کی رواداد بحوالہ ابن حمدیک

اس کے علاوہ قاضی فاضل رحمہ اللہ نے سلطنت کے بعض علاقوں میں عمال حکومت کی طرف سے عوام پر زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"ہمارے آقا! خلق کو مظالم سے بچانا اللہ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ظالم کوئی ایک تو نہیں۔ دمشق کے نواح میں کسانوں پر وہ زیادتیاں ہو رہی ہیں کہ جن کے جاری رہتے ہوئے آسمان سے بارش کا ایک قطرہ برسنا بھی بعید ہے۔"

پھر انہوں نے ملک کے معاشی بحران کا احساس دلاتے ہوئے تحریر کیا:

"مسلمانوں کے سرحدی قلعوں کو استحکام اور غذائی ذخائر کی ضرورت ہے، اور اس وقت سرکاری خزانے کے ذرائعِ آمدن بحال کرنا ازحد ضروری ہے، کیونکہ خرچ آمدن کے حساب ہی سے ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم کچھ حاصل کیے بغیر خرچ کر سکیں، تنے کے بغیر شاخ کیسے پھوٹ سکتی ہے۔" [1]

قاضی فاضل رحمہ اللہ کے علاوہ سلطان کے کچھ امراء نے بھی اس سلسلے میں گفت وشنید کی اور کہا:

"بہتر ہوتا کہ آپ حج پر روانگی سے پہلے خلیفہ کو اطلاع کر دیتے تا کہ وہ آپ کے مقصدِ سفر سے آگاہ اور مطمئن رہتے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے اس سفر کو بدخواہ لوگ عراق پر فوج کشی کا نام دے کر مشہور کر دیں اور آپ پر ایسا الزام لگا دیا جائے جس سے آپ بری الذمہ ہیں۔ اب آپ کے سفر کی خبر تو مشہور ہوگئی ہے مگر خلیفہ کو مطمئن کرنے کے لیے قاصد بھیجنے کا وقت بہت تنگ رہ گیا ہے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا:

"آپ کے پیچھے شہروں کی موجودہ بدانتظامی اور بدحالی سخت نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ ابھی سرحدی قلعوں کی حفاظت اہم ترین مسئلہ ہے۔ ہمیں صلح کے معاہدے سے دھوکے کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ فرنگی موقع کی تلاش میں ہیں اور بدعہدی تو ان کا شیوہ ہے۔"

قاضی فاضل اور ان امراء کی خیر خواہانہ باتوں پر غور کرنے کے بعد سلطان نے دل پر پتھر رکھ کر حج کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ان کے مشورے کے مطابق پوری سلطنت کا گھوم پھر کر جائزہ لینے، سرحدی انتظامات کو مضبوط بنانے، عوامی شکایات سننے اور مظالم کا ازالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے طے کیا کہ وہ اپنے خاص دستے کے ساتھ ساحل کے ساتھ ساتھ شام کا سفر کرتے ہوئے بانیاس تک تمام ساحلی اسلامی شہروں اور قلعوں کا دورہ کریں گے۔ پھر دمشق میں کچھ دن ٹھہر کر مرکز کے انتظامات کو بہتر بنائیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ القدس آ کر یہاں سے مصر جائیں گے اور وہاں کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لیں گے۔ [2]

[1] کتاب الروضتین: 334،233/4
[2] کتاب الروضتین: 588 مجری فصل فی سیر السلطان من القدس الی دمشق

تاہم سلطان اس دورے سے قبل رچرڈ کی یورپ روانگی کا انتظار کرنا ضروری سمجھتے تھے تاکہ فرنگیوں کی بدعہدی سے قدرے اطمینان ہو جائے۔ آخر یکم شوال 588ھ (10 اکتوبر 1192ء) کو اطلاع ملی کہ رچرڈ عکا سے انگلستان روانہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ سلطان نے بھی سفر کی تیاری کر لی۔ انہوں نے جانے سے قبل قاضی بہاؤالدین ابن شداد کو القدس کا قاضی اور نگرانِ اوقاف مقرر کر دیا اور انہیں تاکید کی کہ وہ القدس کی زیرِ تعمیر تعلیم گاہ اور ہسپتال کا کام مکمل کروائیں۔ [1]

سیف الدین ابن مشطوب کو القدس کی سپاہ کے نگران کے طور پر تعینات کر دیا گیا تاہم وہ مشایعت کے طور پر اپنی نئی جاگیر "نابلس" تک سلطان کے ہم رکاب رہا۔ [2]

باغبان کی گل گشت ❊ سلطان صلاح الدین نے جمعرات 6 شوال (15 اکتوبر) کی دوپہر القدس کوچ کر کے ساحلی علاقوں کا دورہ شروع کیا۔ سلطان کا یہ سفر اس باغبان کی گل گشت کی مانند تھا جو چمن کو خزاں کی آندھیوں سے بچا لینے کے بعد اب ایک ایک پھول اور ایک ایک ڈالی کو دیکھنے بھالنے نکلا ہو۔ اکثر پودوں اور پھولوں کو صحیح سلامت دیکھ کر وہ مسکرا دیتا ہو اور کچھ شاخوں کو مرجھاتا دیکھ کر انہیں کھاد اور پانی مہیا کرنے لگتا ہو۔

سلطان کو اس سفر میں بعض مقامات پر بدامنی اور مظالم کی شکایات ملیں۔ ان کے علاوہ ہر جگہ امن وامان کا دور دورہ دکھائی دیا۔ ہر علاقے کے عوام نے اپنے محبوب فاتح بادشاہ کا شاندار استقبال کیا۔ وہ اسلام کی فتح پر مسرور تھے۔ ایک طویل جنگ کے بعد حالات کا معمول پر آنا ان کے لئے باعثِ مسرت تھا، خصوصاً اس پس منظر میں کہ مسلمانوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں اور ان کا دلیر حکمران قبلۂ اوّل کو بچانے میں کامیاب رہا تھا۔

سفر کی پہلی شب "البیرۃ" سے آگے "برکۃ الداویہ" میں گزار کر جمعہ 7 شوال (16 اکتوبر) کو انہوں نے نابلس کے باہر دم لیا۔ شہر کے باشندے ان کے گرد جمع ہو گئے جو سیف الدین مشطوب کی تند مزاجی اور سخت گیری کی شکایتیں کر رہے تھے۔ مشطوب سلطان کے ساتھ آیا ہوا تھا اس لئے لوگوں نے اسے آڑے ہاتھوں لینے میں دیر نہ لگائی۔ سلطان عصر تک ان کی شکایات کی تحقیق اور ضروری احکام کے اجراء میں مصروف رہے۔

8 شوال (17 اکتوبر) بروز ہفتہ ظہر کے بعد سلطان نے نابلس سے کوچ کیا اور "ظہر حمار" کی گھاٹی کے پاس ایک دیہات "فریدیسۃ" میں شب گزاری۔ (قاضی بہاؤالدین نے اس دیہات کا نام "سمسطیہ" بتایا ہے) اگلے دن اتوار 9 شوال (18 اکتوبر) کو دوپہر کے وقت قافلۂ سلطانی جنین پہنچا۔ [3]

---

1. النوادر السلطانیۃ: 354
2. النوادر السلطانیۃ: 355
3. کتاب الروضتین: 588 ہجری فصل فی مسیر السلطان من القدس الی دمشق، النوادر السلطانیۃ: 354

سیف الدین مشطوب کی وفات ﷺ سیف الدین مشطوب یہاں سلطان کو الوداع کہہ کر بیت المقدس لوٹ گیا۔ صلیبی جنگ کے اس نامور کردار کا وقتِ آخر قریب تھا۔ دو ہفتے بعد 23 شوال 588ھ (یکم نومبر 1192ء) کو اس کی وفات ہوگئی۔ مسجد اقصیٰ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور القدس کا یہ محافظ، خاکِ ارضِ مقدس میں ہی مدفون ہوا۔ اس مرد جری کو 'مشطوب' اس لئے کہا جاتا تھا کہ ایک بار جہاد میں اس کے چہرے پر نیزہ لگا تھا جس کا نشان باقی رہ گیا تھا۔ ①

دمشق تک منزل بہ منزل ﷺ سلطان نے پیر 10 شوال (19 اکتوبر) کو چاشت کے وقت لبیان پہنچ کر قلعے کا دورہ کیا اور مشورہ دیتے ہوئے کہا:

"بہتر ہوگا کہ اس قلعے کو مستحکم اور قلعۂ کوکب کو منہدم کر دیا جائے۔"

غالباً سلطان نے سوچا تھا کہ ان دونوں قلعوں کے غیر معمولی قرب کے باعث ایک کی موجودگی میں دوسرے کی ضرورت نہیں، دونوں کی حفاظت کا بوجھ اٹھانا بے فائدہ ہے۔ اسی دن ظہر کے وقت سلطان قلعۂ کوکب پہنچے اور رات وہاں گزاری۔ یہ سنگین قلعہ سلطان نے سال بھر کی جدوجہد کے بعد فتح کیا تھا۔ یہاں آکر سلطان نے اس قلعے کو منہدم کرنے کا خیال ترک کر دیا اور اس کے کمزور حصوں کی مرمت کی ہدایات جاری کیں۔

منگل 11 شوال (20 اکتوبر) کو وہ چاشت کے وقت آگے روانہ ہوئے۔ عشاء کے وقت وہ طبریہ پہنچ گئے۔ اس رات آسمان کے دھانے کھل گئے اور صبح تک زوروں کی بارش ہوتی رہی۔ ②

اسی شب سلطان کو ایک غیر معمولی خوشی نصیب ہوئی۔ عکا کا سابق والی بہاؤالدین قراقوش جو سقوطِ عکا کے بعد 15 ماہ سے فرنگیوں کی قید میں تھا، 80 ہزار دینار کے عوض فرنگیوں سے رہائی پا کر خدمتِ سلطانی میں پہنچ گیا۔ سلطان ایوبی اسلام کے اس بطلِ جلیل کی رہائی پر بے حد خوش ہوئے۔ مصر سے لے کر عکا تک ہر مہم میں قراقوش نے وفاداری کی انمٹ داستانیں رقم کی تھیں، یہ واحد افسر تھا جس نے محاصرۂ عکا کے پورے تین سال قلعہ بند جنگ میں گزارے تھے اور فرنگیوں کو دن میں تارے دکھائے تھے۔ قاہرہ اور عکا کی تعمیر نو بھی اسی کے کارنامے تھے۔ ③

بارش سے راستے خراب ہونے کے باعث بدھ 12 شوال (21 اکتوبر) کا دن سلطان نے طبریہ میں گزارا۔ جمعرات 13 شوال (22 اکتوبر) کی صبح انہوں نے کوچ کیا اور اس سطح مرتفع پر پہنچ گئے جہاں

① النوادر السلطانیہ: 355
② کتاب الروضتین: 588 ہجری فصل فی مسیر السلطان من القدس الی دمشق
③ النوادر السلطانیہ: 354-355 — قراقوش دمشق تک سلطان کے ساتھ رہا اور اپنے قیدی ساتھیوں کی رہائی کے معاملات مکمل کرنے تک پہنچنے کے بعد واپس مصر چلا گیا۔

قلعۂ صفد سر اٹھائے کھڑا تھا۔ سلطان نے قلعے میں سپاہیوں کی مطلوبہ تعداد پوری کروائی اور ضروری سامانِ حرب کا انتظام کیا۔

جمعہ 14 شوال (23 اکتوبر) کو سلطان نے قلعہ تبنین کو جانے والے کوہستانی راستے پر سفر شروع کر دیا۔ تبنین سے ہوتے ہوئے وہ اتوار 16 شوال (25 اکتوبر) کو ہونین سے گزرے۔ یہ پہاڑی سلسلہ ختم ہوتے ہی انہوں نے عین الذہب کے نشیبی علاقے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس رات لشکر سلطانی کا بھاری ساز و سامان دمشق لے جانے والا کارواں بھی یہاں پہنچ گیا۔ قافلۂ سلطانی اگلے دن پیر 17 شوال کو مرج عیون پہنچا، جسے "مرج تلغیاثا" بھی کہا جاتا ہے، یہ جگہ مرج قعبتہ کے بالمقابل ہے۔ قافلے کی اس سے اگلی منزل (منگل 18 شوال) کو 'بقاع' میں جسر کامد کے قریب ہوئی۔ اس کے بعد قافلہ صیدا اور وادی تیم کی درمیانی سرسبز و شاداب وادیوں سے اس طرح گزرا کہ صیدا دائیں طرف اور وادیٔ تیم بائیں طرف تھی۔ یہ بدھ (19 شوال) کا دن تھا اور قافلے کا پڑاؤ اس دن "قب الیاس" کے ایک گوشے میں ہوا۔

اگلے دن جمعرات 20 شوال (28 اکتوبر) کو قافلہ ساحل پر آباد خوبصورت ترین شہر بیروت پہنچا۔ یہاں کے والی عز الدین اسامہ نے سلطان کا زبردست استقبال کیا اور شایانِ شان خاطر مدارت کی۔ [1]

اس مردِ مجاہد نے عکا کے محاذ پر دشمنوں کی بحریہ کے خلاف بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔

حاکم انطاکیہ کی اچانک آمد: یہاں ایک دن استراحت کے بعد ہفتہ 22 شوال (31 اکتوبر) کو سلطان بیروت سے روانہ ہونے کو تھے کہ اچانک انطاکیہ کا نصرانی حاکم بوہیمنڈ اپنے چودہ امراء کے ساتھ بذاتِ خود سلطان سے ملنے آ گیا۔ سلطان کو ایک عیسائی حکمران کے اس طرح اچانک چلے آنے پر حیرت ہوئی مگر بوہیمنڈ کا پیشگی منظوری اور حصولِ امان کے بغیر ملاقات کے لئے آنا اس کی طرف سے سلطان پر مکمل اعتماد کے اظہار کے مترادف بھی تھا۔ اس لئے سلطان کو اس کی آمد سے خوشی بھی ہوئی۔ سلطان نے اسے ملاقات کا موقع دینے کے لئے سفر ملتوی کر دیا۔ بوہیمنڈ اپنے امراء کے ساتھ خیمۂ سلطانی میں ضیافت پر مدعو ہوا۔ اس نے سلطان سے دوستانہ تعلقات کی درخواست کی اور سلطان کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے خلعت طلب کی۔ سلطان نے اسے خلعت کے علاوہ 20 ہزار دینار، سالانہ پیداوار کی حامل عمق کی جاگیر اور گراں قدر تحائف سے نوازا اور پر تکلف میزبانی کے بعد اتوار 23 شوال (یکم نومبر) کو اسے رخصت کیا۔ [2]

اس دوران سلطان کا کاروانِ مال و متاع "قب الیاس" سے "مرج فلمیطیہ" کے میدانی علاقے

[1] کتاب الروضتین: 588، مجری النسل فی سیرۃ السلطان من القدس الی دمشق [2] کتاب الروضتین: 4/342، النوادر السلطانیہ: 68

میں پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ سلطان نے رات وہیں جا کر قیام کیا اور پیر 24 شوال (20 نومبر) کو عین الجرّ سے ہوتے ہوئے دمشق کے نواح میں ''مرج یبوس'' تک پہنچ گئے۔ دمشق کے اعیانِ سلطنت، علماء و فقہاء اور دوسرے نامور لوگ سلطان کی آمد کا سن کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے سلطان کی خدمت میں حاضری دی۔ قافلہ سلطانی جو اہل دمشق کی آمد سے خاصا بڑا ہو گیا تھا منگل 25 شوال (3 نومبر) کو ''العرادۃ'' پہنچا۔ یہاں بھی سلطان کے پرانے رفقاء اور عمائدِ حکومت حاضر ہوتے رہے، جانبین سے تحائف کا تبادلہ ہوتا رہا۔ (1)

سلطان اپنے وطن میں: غرض سلطان ساحلی قلعوں کو سپاہ سے آباد کرنے، ان کے دفاع کو مضبوط بنانے اور سلطنت کا عمومی جائزہ لینے کے بعد بدھ 26 شوال 588ھ (4 نومبر 1192ء) کی صبح تین سال سات ماہ بعد اپنے پایۂ تخت دمشق پہنچے۔ (2) یہ سلطان کا گھر اور وطن تھا جہاں ان کا لڑکپن اور جوانی گزری تھی۔ سلطان کو اس سے بے حد محبت تھی۔ انہیں اپنی رہائش کے لیے اس تاریخی اور بابرکت شہر کے سوا کوئی اور مقام پسند نہیں تھا۔ سلطان کی آمد پر عوام نے ان کا تاریخی استقبال کیا۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب مدتِ دراز بعد اپنے فاتح حکمران کو سامنے پا کر مسرور تھے۔

اگلے دن سلطان نے عام مجلس منعقد کی۔ عوام و خواص سمیت سب جوق در جوق اس میں شریک ہوئے۔ حاضرین کی پرتکلف ضیافت ہوئی۔ شعراء نے سلطان کی مدح سرائی کر کے محفل لوٹ لی۔ (3)

دمشق کے پرلطف ایام: دمشق میں قیام کے یہ چند دن بڑے پرلطف تھے۔ سردی کا آغاز تھا۔ سلطان دربارِ عام منعقد کرتے جس میں لوگ حاضر ہو کر اپنے مسائل اور شکایات بیان کرتے۔ سلطان فوری طور پر ان کی دادرسی کی کوشش کرتے۔ مشرق و مغرب کے ملکوں سے روزانہ کئی کئی سفیر حاضرِ خدمت ہوتے اور سلطان کو ان فتوحات پر تہنیت پیش کر کے بہتر تعلقات کے خواست گار ہوتے۔ مختلف علاقوں سے معزز مہمان باریاب ہوتے اور سلطان کی خاطر مدارات سے لطف اندوز ہو کر لوٹتے۔ مفلس، ضرورت مند اور غریب الدیار لوگ آ کر دامنِ مراد پھیلاتے اور سلطان کے عطایا کو توقع سے بڑھ کر پاتے۔ یکم ذیقعدہ (8 نومبر) کو شہزادہ الافضل نے اپنے چھوٹے بھائی شہزادہ الملک الظاہر کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام بھی کیا، جس میں سلطان نے بھی شرکت کی۔ (4)

---

(1) النوادر السلطانیہ: 350، کتاب الروضتین: 342/4
(2) یاد رہے کہ صلیبی جنگ کے لیے سلطان کی دمشق سے روانگی 3 ربیع الاول 585ھ (21 اپریل 1189ء) کو ہوئی تھی۔
(3) النوادر السلطانیہ: 350، کتاب الروضتین: 342/4
(4) النوادر السلطانیہ: 350

سیر وشکار اور العادل کی آمد ❁ سلطان کو ایک طویل اعصاب شکن زندگی گزارنے کے بعد دمشق میں یہ کچھ دن ایسے میسر آئے تھے جنہیں صحیح معنوں میں سکون اور آرام کے ایام کہا جاسکتا ہے۔ ان کے بیٹے الملک الافضل، الملک الظاہر، الملک الظافر اور چھوٹے بچے سب ان دنوں یہیں تھے۔ سلطان کو اب بس الملک العادل کا انتظار تھا جو ماہ رمضان کے اواخر میں کرک اور الجزیرہ کے دورے پر نکل گیا تھا اور اب واپس آنے والا تھا۔ سلطان اس کے استقبال کے لیے پہلے ہی دمشق کے باہر چلے آئے اور اس کے پہنچنے سے قبل فرصت کو غنیمت جان کر چند دنوں تک دمشق کے نواحی جنگلوں عباب اور کسوة میں شکار کھیلتے رہے۔

انہیں اس وقت اپنے وہ نوجوان ساتھی یاد آرہے تھے جو برسوں پہلے ان وادیوں میں ان کے ہم رکاب رہتے تھے...... مگر زمانہ بدل چکا تھا...... اکثر لوگ گزر گئے تھے...... ہاں وادیاں اُسی طرح شکار سے بھرپور تھیں۔ 17 ذیقعدہ (24 نومبر) کو الملک العادل آن پہنچا اور چار دن بعد دونوں بھائی شاداں وفرحاں دمشق میں داخل ہوئے۔ [1]

دمشق میں سلطان کی مصروفیات ❁ سردی بڑھ گئی تھی۔ سلطان کے دربار کی مصروفیات برقرار تھیں۔ امراء اور مہمانوں کے علاوہ پرانے دوستوں اور خواص علماء وفضلاء کی آمدورفت جاری تھی۔ [2]

سلطان ان کی علمی وادبی گفتگو میں بہت دلچسپی لیتے۔ دربار کے بعد وہ زیادہ وقت گھر میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارتے۔ یہ گھر اور گھر والے کب سے سلطان کی موجودگی کے لیے ترستے آئے تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ یونہی کٹ گیا تھا۔ اب آخر میں سلطان ان کا واجبی حق ادا کر کے جانا چاہتے تھے۔

دو براعظموں کی تاریخ کا فیصلہ کرنے والا یہ عظیم حکمران ہمیں گھر میں ایک بچے کی طرح معصوم نظر آتا ہے۔ ان کے چھوٹے بیٹے بار باران کی گود میں آبیٹھتے۔ اس آغوشِ محبت میں آکر وہ پھولے نہ سماتے۔ وہ نہیں جانتے تھے ان کا باپ کتنا بڑا آدمی ہے۔ بڑے بیٹے بھی خدمت میں حاضر رہتے۔ مختلف ملکوں کے سفیروں کی آمدورفت بھی جاری تھی۔ کبھی کبھار سلطان ایوبی سفیروں سے دربار کی بجائے گھر ہی میں مختصری ملاقات کر لیتے تھے۔

ان کی طبیعت بوجھل سی رہنے لگی تھی۔ وہ دوبارہ القدس جا کر وہاں سے مصر کا دورہ کرنا چاہتے تھے کیوں کہ مصر چھوڑے ہوئے انہیں دس سال ہو گئے تھے مگر طبعی اضمحلال کی وجہ سے انہوں نے سفر کا خیال ترک کر دیا تھا اور قاضی ابن شداد کو جو القدس میں سلطان کی واپسی کے منتظر تھے، پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ جلد از جلد دمشق آجائیں۔ [3]

[1] النوادر السلطانیۃ: 356، 357 [2] کتاب الروضتین: 4/357 [3] النوادر السلطانیۃ: 357

پیام الوداع ﷺ نیا ہجری سال 589ھ اور شمسی سال 1193ء تقریباً ساتھ ساتھ شروع ہوئے۔ جنوری کا مہینہ تھا لہٰذا سردی عروج پر تھی، ادھر حجاز مقدس سے حجاج کرام کی واپسی شروع ہو چکی تھی...... اور سلطان کو رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ حج کی سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہ گئے...... تاہم انہوں نے آئندہ سال حج کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔

اس دوران سلطان نے ایک بار پھر دل بہلانے کے لیے شکار کا منصوبہ ترتیب دیا حالانکہ یہ دن باہر گھومنے پھرنے کے نہیں تھے۔ موسم طوفانی تھا اور موسلادھار بارشیں ہو رہی تھیں مگر سلطان موسم کی پروا کیے بغیر خلاف معمول محرم کے اواخر میں دمشق کے جنگلات میں شکار کھیلنے نکل گئے۔ اس بار الملک العادل کے علاوہ ان کے بیٹے بھی اس دلچسپ تفریح میں شریک تھے۔ سلطان کی ان مصروفیات کے بارے میں قاضی بہاؤ الدین ابن شداد لکھتے ہیں:

"دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطان اس طرح سالہا سال کی محنت، متواتر تکان، راتوں کی بیداری اور دن کی مشقت سے نجات حاصل کر رہے ہیں، مگر حقیقت میں یہ سلطان کی جانب سے اپنی اولاد اور اپنے دل پسند تفریحی مقامات کے لیے پیام الوداع تھا۔"[1]

سلطان نے ان جنگلوں میں پندرہ سے زائد ایام گزارے اور اس دوران دور دراز کی وادیوں میں جا کر ہرنوں کا شکار کھیلا۔[2]

11 صفر 589ھ (15 فروری 1193ء) کو وہ دمشق واپس پہنچے...... شکار کی بھاگ دوڑ کے ساتھ غضب کی سردی اور برسات نے انہیں خاصا تھکا دیا تھا۔ لیکن اس تھکن کی ایک وجہ اور بھی تھی۔

سلطان نے سخت ترین جہادی مشغولیت اور اپنی بیماری کے باعث 586ھ اور 587ھ میں جب وہ عکا کے محاذ پر تھے، رمضان کے روزے نہیں رکھے تھے مگر جنگ کے تیسرے سال 588ھ میں جب وہ بیت المقدس میں قیام پذیر تھے، انہوں نے مئی جون کی شدید گرمی اور حالات کی سنگینی کے باوجود یہ دو سالہ روزے قضا کیے تھے۔ طبیب انہیں منع کرتا رہا مگر سلطان نے پروا نہ کی۔ ہر بار ان کا جواب یہی ہوتا تھا:

"معلوم نہیں آئندہ کیا ہوگا، پھر موقع ملے گا یا نہیں۔"

اس کے بعد ماہِ رمضان آیا تو سلطان نے اس کے روزے بھی رکھے۔ اپنی صحت کی پروا کیے بغیر حالتِ جنگ میں تین ماہ تک روزوں کے تسلسل کے باعث سلطان کے جسم میں نقاہت اور طبیعت میں کمزوری پیدا ہو گئی جس کا اثر آخر تک رہا۔[3]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 357　[2] کتاب الروضتین: 4/357　[3] النوادر السلطانیۃ: 35

قاضی ابن شداد سلطان کی خدمت میں ❁ سلطان کی شکار سے واپسی کے اگلے دن قاضی بہاؤ الدین ابن شداد دمشق پہنچ گئے۔ وہ سلطان کے حکم پر سرد موسم اور مسلسل بارش کے دوران پانی اور کیچڑ بھرے راستوں کا دشوار ترین سفر کر کے بیس دنوں میں القدس سے یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

ایوانِ شاہی میں پہنچتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ سلطان کی طبیعت بہتر نہیں ہے۔ تختِ شاہی خالی تھا۔

اربابِ دولت اپنی نشستوں پر بیٹھے سلطان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان کو قاضی صاحب کی آمد کا علم ہوا تو انہیں اپنے خاص کمرے میں بلوالیا جہاں اور کوئی نہیں تھا۔ قاضی صاحب کو دیکھ سلطان احتراماً کھڑے ہو گئے اور انہیں سینے سے لگا لیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان کے آنسو بہہ پڑے۔ ان کے چہرے پر اس وقت عجیب تاثرات تھے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں:

''میں نے اس سے پہلے کبھی انہیں اس قدر گرم جوشی سے ملتے نہیں دیکھا۔''

اگلے دن سلطان نے انہیں اپنے گھر بلوالیا...... سلطان کا بدن سوجا ہوا نظر آتا تھا۔ طبیعت بوجھل تھی۔ انہیں چلنے پھرنے اور لوگوں سے ملنے ملانے سے کوفت ہو رہی تھی۔ شاید وہ تقدیر میں لکھے کاموں سے فارغ ہو کر اب گوشہ تنہائی میں وقت گزارنا چاہتے تھے۔ اس دن بھی امراء دربار میں سلطان کے منتظر رہے مگر سلطان خلیے میں رہے۔ البتہ انہوں نے قاضی صاحب سے پوچھا:

''آج دربار میں کون کون حاضر ہیں۔''

قاضی صاحب نے بتایا: ''شہزادہ افضل، چند امراء اور دوسرے لوگ آپ کے منتظر ہیں۔''

سلطان نے امیر جمال الدولہ اقبال کی زبانی انہیں کہلوادیا:

''میں آج دربار میں آنے سے معذور ہوں۔''[1]

جب ننھا ابوبکر رو پڑا ❁ اگلے دن جمعرات 14 صفر (18 فروری) کو سلطان اپنے گھر سے متصل باغ میں بیٹھے تھے۔ ان کے چھوٹے بچے ان کے گرد جمع تھے۔ سلطان نے دریافت کیا:

''آج دربار میں کون کون ہے؟''

عرض کیا گیا:

''کچھ فرنگی سفیر اور امرائے دولت شرفِ ملاقات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

سلطان نے فرنگی سفیروں کو وہیں بلوالیا۔ اس وقت سلطان کا سب سے کم سن بچہ امیر ابوبکر ان کے

[1] النوادر السلطانیہ: 357، 358

پاس تھا۔ سلطان کو اس سے بے حد محبت تھی۔ اس وقت بھی سلطان اس سے کھیل رہے تھے۔

اتنے میں فرنگی سفیر باغ میں داخل ہوئے۔ ننھے ابوبکر کی نظر ان پر پڑی۔ اس نے ہمیشہ باریش نورانی چہرے دیکھے تھے۔ ان ڈاڑھی منڈوں کی مکروہ شکلیں اور غیر مانوس لباس دیکھ کر وہ ڈر گیا اور رونے لگا۔

سفیروں سے ملاقات کے لیے ضروری تھا کہ روتے ہوئے بچے کو وہاں سے ہٹا دیا جائے مگر سلطان کی طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اس کی بجائے انہوں سفیروں سے معذرت کر لی اور بولے:

"آج میں مصروف ہوں۔"

یہ کہہ کر خلاف عادت بات چیت کیے بغیر سفیروں کو واپس بھیج دیا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے خدام سے کہا:

"کھانے پینے کا جو سامان میسر ہو پیش کرو۔"

خدام کھیر اور کچھ ہلکی پھلکی چیزیں لے آئے۔ سلطان کو تو ذرا بھی بھوک نہیں تھی۔ حاضرین نے کچھ نہ کچھ نوش کر لیا۔ اب سلطان نے قاضی صاحب سے پوچھا:

"آپ کے پاس حجاج کرام کی آمد کے بارے میں کیا خبر ہے؟"

قاضی صاحب القدس سے دمشق آتے ہوئے راستے میں حجاج کے کارواں دیکھ چکے تھے، اس لیے سلطان نے یہ سوال انہی سے کیا تھا۔ قاضی صاحب بولے:

"میں راستے میں ایک قافلے والوں سے ملا تھا..... اگر کیچڑ کی کثرت نہ ہوتی تو وہ لوگ آج شہر پہنچ جاتے۔ اب میرا خیال ہے وہ کل تک آجائیں گے۔"

یہ سن کر سلطان نے ان سڑکوں سے پانی اور کیچڑ صاف کرنے کا حکم دیا جن سے گزر کر حجاج کو شہر میں آنا تھا۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"اس دن سلطان سے رخصت ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کی طبیعت میں وہ پہلے جیسی چستی اور مستعدی نہیں رہی تھی۔"[1]

<u>حاجیوں کا استقبال</u>: اگلے دن جمعہ تھا۔ صفر کی 15 اور فروری کی 19 تاریخ تھی۔ سلطان حجاج کرام کا استقبال کرنے دمشق سے باہر چل دیے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ نامعلوم کیوں وہ خلاف عادت اپنا <u>حفاظتی جبہ "قزاگند" پہننا بھول گئے تھے حالاں کہ وہ اسے پہنے بغیر کبھی سواری نہیں کرتے تھے۔</u> یہ

[1] النوادر السلطانیہ: 58

لباس خنجر اور تلوار کے وار سے بچاتا تھا۔ ادھر بارش کی وجہ سے راستے میں جگہ جگہ پانی کھڑا تھا اور ندی نالے جولانی پر تھے۔

آخر حجاج کا کارواں آ گیا۔ ان کا پرتپاک استقبال کرتے ہوئے سلطان کے آنسو بہہ نکلے۔ یقیناً انہیں حج سے محروم رہ جانے کا دلی صدمہ تھا۔ اس قافلے میں شیخ سابق الدین الیاروقی اور دوسری صالح ہستیاں بھی تھیں۔ سلطان ایوبی مشائخ کا بے حد احترام کرتے تھے، اس لیے نہایت عقیدت سے ان سے ملے، حاجیوں کے صحیح سلامت پہنچ جانے اور ان کے راستے محفوظ ہونے پر مسرت کا اظہار کیا۔ پھر وہ حجاج کرام سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی باتیں سن کر اپنے دل کو تسکین دینے لگے۔ ان سے مقاماتِ مقدسہ کے حکام، باشندوں، جغرافیائی حالات، پیداوار اور صنعت و تجارت کے بارے میں ایک ایک بات پوچھتے رہے۔ یہ بھی پوچھا کہ مصر سے بھیجا جانے والا اناج اور صدقہ وخیرات کا پیسہ وہاں کے فقیروں، درویشوں مسافر خانوں اور خیراتی اداروں پر کس انداز میں خرچ ہو رہا ہے۔ [1]

ادھر قاضی ابن شداد کو حاجیوں کے استقبال کے لیے نکلنے میں ذرا تاخیر ہو گئی تھی۔ جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں قافلہ رکا تھا تو دیکھا مخلوقِ خدا کا ایک اژدہام ہے۔ دراصل سلطان کی زیارت کے شوق میں دمشق کے اکثر لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ یہ ان کے لیے ایک یادگار موقع تھا کہ ان کا محبوب حکمران عام آدمیوں کی طرح ان میں گھل مل گیا تھا۔ قاضی صاحب ابھی یہ تشویش اور تذبذب کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ شہزادہ الافضل بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے قاضی صاحب سے بات چیت شروع کر دی۔ اس دوران قاضی صاحب کی نظر سلطان پر پڑی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سلطان نے ''قزاگند'' نہیں پہنی تھی۔ ان سے رہا نہ گیا۔ وہ مجمعے کو چیرتے ہوئے سلطان تک پہنچے اور انہیں یاد دلایا کہ آپ حفاظتی لباس کے بغیر نکل آئے ہیں۔

سلطان یہ سن کر اس طرح چونکے جیسے انہیں گہری نیند سے بیدار کر دیا گیا ہو۔ انہوں نے فوراً ''قزاگند'' طلب کی مگر سلطان کا سلاحدار کہیں نظر نہ آیا جو لباس اور حفاظتی سامان پیش کرنے پر مامور تھا۔ قاضی ابن شداد کی تشویش بڑھنے لگی۔ انہیں سلطان کی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ مشرق و مغرب کا بادشاہ اپنا حفاظتی لباس مانگ رہا ہو مگر وہ ڈھونڈے نہ مل رہا ہو۔

قاضی صاحب کو بدشگونی کے خیالات آنے لگے۔ انہوں نے سلطان کو مجمعے سے نکال کر واپس لے جانے کی کوشش کی مگر چونکہ وہ دمشق کے راستوں سے واقف نہیں تھے اس لیے سلطان ہی سے پوچھا:

[1] النوادر السلطانیۃ: 357_358، کتاب الروضتین: 4/357

''حضور! کیا کوئی ایسا راستہ نہیں، جس میں بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ ہم اس سے واپس چلے چلتے ہیں۔''

سلطان نے کہا: ''بالکل ہے۔''

یہ کہہ کر سلطان ایوبی قاضی بہاؤالدین کو لے کر واپس چل دیے۔ انہوں نے باغوں کے درمیان سے گزرنے والا ایک غیر معروف راستہ اختیار کرلیا۔ سارے راستے قاضی صاحب کا دل لرزتا رہا کہ سلطان پر کوئی حملہ نہ ہو جائے مگر ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہ خیریت سے دمشق کے قلعے میں پہنچ گئے جہاں سلطان کا قیام ہوا کرتا تھا۔ ①

سلطان گھوڑے سے اتر کر اپنی آرام گاہ میں چلے گئے۔ یہ اس مجاہد اعظم کی اپنی سواری کا آخری منظر تھا۔ اس کے بعد زندگی کا ایک طویل حصہ گھوڑے کی پشت پر گزارنے والے اس عظیم شہ سوار کو دوبارہ پابہ رکاب نہیں دیکھا گیا۔

---

① النوادر السلطانیۃ:350

فصل:2

شمشیرِ اسلام زیر خاک

اِس شب سلطان شروع میں ٹھیک ٹھاک تھے...... وہ کاتب عماد اور دیگر حاضرین سے رات کا ایک پہر گزرنے تک بات چیت کرتے رہے۔ پھر سب کے ساتھ امام کے پیچھے باجماعت نماز ادا کی...... اور لوگ رخصت ہو گئے۔

سلطان نے آرام کرنا چاہا مگر نصف شب کے قریب انہوں نے اپنا جسم ٹوٹتا اور جوڑ جوڑ دکھتا محسوس کیا ...... جلد ہی انہیں صفراوی بخار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا...... بخار کی تپش جسم کے باہر کم اور اندر بہت زیادہ تھی۔

ہفتہ 16 صفر (20 فروری) کی صبح جب قاضی بہاؤالدین بن شداد، قاضی فاضل اور شہزدہ الافضل سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سلطان پر شدید نقاہت طاری تھی اور بخار کے اثرات چہرے سے عیاں تھے۔ سلطان نے بتایا کہ انہیں رات بھر نیند نہیں آسکی۔ دوپہر تک یہ حضرات سلطان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے تاکہ سلطان کی طبیعت میں نشاط آجائے۔ ادھر شیخ عماد اصفہانی اور دیگر درباری ایوانِ شاہی میں سلطان کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ سلطان کے پاس موجود خواص جب جانے لگے تو سلطان نے کہلوایا:

''ملک الافضل کے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔''

قاضی فاضل کو کسی کے ہاں کھانا کھانے کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ تو نہ رکے، البتہ قاضی بہاؤالدین شاہی ایوان میں چلے گئے جہاں دسترخوان لگا ہوا تھا اور لوگ کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔ نئی بات یہ تھی کہ شہزادہ الافضل، سلطان ایوبی کی مخصوص جگہ پر پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ خلاف ادب تھا۔ قاضی صاحب کے دل پر چوٹ سی لگی۔ ان کے لیے دسترخوان پر بیٹھنا ناممکن ہو گیا۔ وہ چپ چاپ چلے آئے۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہ منظر دیکھ کر بدشگونی محسوس کی۔ کئی افراد اسے برداشت نہ کرسکے اور رو پڑے۔

سلطان کا مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ امراء، شہزادے، خاص درباری اور علماء وفقہاء تیمارداری کے لیے صبح وشام حاضر ہوتے رہے۔ قاضی فاضل اور قاضی بہاؤالدین روزانہ کئی کئی بار عیادت کے لیے جاتے، کبھی کبھی مرض میں کمی بھی محسوس ہوتی تھی۔ بیماری کا اصل حملہ دماغ پر تھا۔ کئی طبیب سلطان کا علاج کررہے تھے مگر حالت قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان کا خاص طبیب جو سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہتا تھا اوران کا مزاج شناس تھا، دمشق سے باہر تھا۔ سلطان کے قریبی ساتھی اس صورت حال کو مرض الموت کا پیش خیمہ قرار دے رہے تھے۔ آخر طبیبوں نے باہمی مشورہ کرکے سلطان کو فصد لگانے کا فیصلہ کیا۔ [4]

بیماری کے چوتھے دن فصد لگایا گیا مگر اس سے سلطان کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔ جسم کی رطوبات تیزی سے ضائع ہونے لگیں اور طبیعت پر خشکی کا مکمل غلبہ ہوگیا۔ بیماری بڑھتی چلی گئی اور سلطان پر حد درجے کمزوری چھا گئی۔ [5]

سلطان کی قوت برداشت ﷺ مرض کے چھٹے دن قاضی ابن شداد، قاضی فاضل اور دوسرے خواص حاضر خدمت تھے۔ سلطان کو سہارا دے کر تکیے کے ساتھ بٹھادیا گیا تھا۔ انہوں نے ابھی ابھی دوا پی تھی۔ اب وہ ہلکا گرم پانی پینا چاہتے تھے تاکہ طبیعت کو سکون محسوس ہو۔ ایک خادم پانی لے کر آیا۔ سلطان نے پیالہ منہ سے لگایا اور یکدم ہٹا کر کہا:

"پانی کی حرارت نا قابل برداشت ہے۔"

انہوں نے قدرے ٹھنڈا پانی منگوایا۔ دوبارہ پانی لایا گیا۔ سلطان نے اسے پینا چاہا مگر یہ بہت ٹھنڈا محسوس ہوا۔ سلطان نے ڈانٹنے کی بجائے نرمی سے صرف اتنا کہا:

"سبحان اللہ! کیا کسی کو یہ توفیق نہیں ہوسکتی کہ پانی معتدل کرکے لے آئے۔"

قاضی فاضل اور بہاؤالدین بن شداد یہ منظر دیکھ کر باہر نکلے تو روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ قاضی فاضل کہہ رہے تھے:

"کہیں ایسا نہ ہو مسلمان ان کریمانہ اخلاق والی ہستی سے محروم ہوجائیں۔ اللہ کی قسم اگر ایسا معاملہ کسی عام آدمی کے ساتھ بھی ہوتا تو وہ پیالہ پانی لانے والے کے سر پر دے مارتا۔" [6]

لوگوں کا قلق اور اضطراب ﷺ ادھر سلطان کی بیماری کی خبر شہر میں مشہور ہوچکی تھی اور لوگوں پر ایک

---

[4] النوادر السلطانیہ: 350، کتاب الروضتین: 4/366
[5] النوادر السلطانیہ: 300، کتاب الروضتین: 4/366
[6] النوادر السلطانیہ: 360

سناٹے کی کیفیت طاری تھی۔لوگ اپنے دلوں کے بادشاہ کی صحت یابی کے لیے دن رات دعائیں کررہے تھے۔اس کے باوجود سلطان کی حالت بگڑتی جارہی تھی۔دماغ پر بخار کے اثرات اتنے واضح تھے کہ سلطان کا ذہن ماؤف ہوچلا تھا۔نویں دن ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔تھوڑا بہت کھانا پینا بھی موقوف ہوگیا۔

سلطان کی حالت کا سن کر عوام وخواص کا اضطراب ناقابل بیان تھا۔بازاروں میں ہو کا عالم تھا۔خرید وفروخت بند ہوگئی تھی۔تاجر منڈی سے سامان اٹھانے پر مجبور ہوگئے تھے۔سلطان کے پاس خواص کی آمدورفت کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔صرف اہل خانہ اور طبیب انہیں سنبھال رہے تھے۔علماء وخواص رات کو دیر تک ایوان شاہی میں سلطان کی خیر وخبر کے منتظر رہتے۔اپنے گھروں کو لوٹنے سے پہلے وہ سلطان کی رہائش گاہ کے دروازے پر آجاتے۔اگر اس وقت کسی کو تھوڑی دیر کے لیے زنان خانے میں جانے کی اجازت مل جاتی تو وہ سلطان کو ایک نظر دیکھ کر واپس آجاتا۔کبھی لوگ باہر ہی بیٹھے رہ جاتے اور گھر والے انہیں سلطان کی حالت کی اطلاع دے دیتے جو ان کی بے چینی میں مزید اضافہ کردیتی۔قلعے کے باہر ان لوگوں کا رش لگا رہتا تھا جو آنے جانے والوں سے سلطان کی خیر خبر لینے کے لیے مضطرب نظر آتے۔جب خواص اندر سے نکلتے تو ان کی اداس نگاہیں اور مرجھائے ہوئے چہرے دیکھ کر اکثر لوگ خود بخود سمجھ جاتے کہ سلطان کو اب تک افاقہ نہیں ہوا ہے۔[1]

<u>آخری سنبھالا</u>❊ بیماری کے دسویں دن سلطان کو انتڑیوں کے راستے دوا دی گئی۔اس سے سلطان کی حالت قدرے سنبھل گئی۔اس دن انہوں نے مناسب مقدار میں جو کا شربت بھی نوش کیا۔اس سے لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔درباری اس دن بھی حسب معمول رات کو دیر تک ایوان شاہی میں بیٹھے رہے۔رخصت ہونے سے پہلے وہ سلطان کی رہائش گاہ کے دروزے پر آئے اور جمال الدولہ اقبال سے سلطان کی تازہ ترین حالت پوچھی۔وہ اندر گیا اور سلطان کے کم عمر بیٹے معظم توران شاہ سے حال پوچھا۔اس نے بتایا:

"سلطان کو پسینہ آرہا ہے جو پنڈلیوں پر ظاہر ہورہا ہے۔"

امراء نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جمال کو تاکید کی کہ وہ جا کر جائزہ لے کہ سلطان کے باقی بدن پر پسینے کے آثار ہیں یا نہیں۔وہ دیکھ کر آیا اور بتایا:

"اب سلطان کے پورے جسم پر پسینہ آرہا ہے۔"

یہ بہت اچھی خبر تھی،لگتا تھا سلطان کو افاقہ ہورہا ہے۔چنانچہ امراء وخواص مطمئن ہوکر لوٹ گئے۔[2]

---

[1] النوادر السلطانیۃ:360

[2] النوادر السلطانیۃ:360۔361

الملک الافضل نے حلف لیا۔ لیکن صبح کو امراء دوبارہ سلطان کی رہائش گاہ کے دروزے پر آئے تو انہیں بتایا گیا کہ سلطان کی حالت بے حد نازک ہے۔ پسینہ حد سے زیادہ خارج ہو رہا ہے۔ نہ صرف پورا بستر بھیگ گیا ہے بلکہ چٹائی اور زمین تک گیلی ہو چکی ہے، طبیعت پر خشکی انتہائی غالب آ چکی ہے۔ اب طبیب حیران ہیں کہ سلطان کو قوت فراہم کرنے کے لیے کونسی دوا یا غذا دی جائے۔

اس دن لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب سلطان کا بچنا مشکل ہے۔ شہزادہ الافضل نے یہ سوچ کر کہ اگر سلطان اپنے جانشین کا فیصلہ کیے بغیر رخصت ہو گئے تو ملک میں انتشار پھیل جائے گا، خود حکومت سنبھالنے کی تیاری کر لی۔ اس نے اپنی رہائش گاہ ''دار رضوان'' میں قاضیوں کو بلا کر ایک مختصر حلف نامہ تیار کرایا جس میں سلطان کی زندگی میں ان کی تابعداری کا اور ان کی وفات کے بعد الملک الافضل کی پیروی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ شہزادے نے سب کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''سلطان کا مرض انتہائی شدید ہے، معلوم نہیں آئندہ کیا ہوگا۔ میں یہ حلف صرف احتیاطاً اٹھوا رہا ہوں جیسا کہ بادشاہوں کے ہاں ایسے موقع پر دستور بھی ہے۔''

اس کے بعد مختلف امراء، حکام اور وزراء کو بلا کر ان سے حلف لیا گیا، حلف نامے کے الفاظ یہ تھے:

''میں اس وقت الملک الناصر سلطان صلاح الدین کی وفاداری کے لیے اپنی نیت کو پاک اور باطن کو خالص کرتا ہوں، میں ہمیشہ اپنی جان، مال، تلوار اور اپنے سپاہیوں کے ساتھ اپنی تمام تر صلاحیتیں سلطنت کی حفاظت میں استعمال کرتا رہوں گا۔ سلطان کے حکم کا پابند اور ان کی منشاء کا پیروکار رہوں گا۔ سلطان کے بعد میں ان کے بیٹے الملک الافضل علی کے لیے انہی باتوں کا حلف اٹھاتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں اس کا تابعدار رہوں گا اور اپنی جان، مال، تلوار اور سپاہ کے ساتھ ان کی حکومت اور شہروں کی حفاظت کروں گا۔ ان کے حکم اور ممانعت کی پابندی کروں گا، اس بارے میں میرا ظاہر و باطن یکساں ہے......ہم نے جو کچھ کیا اس پر اللہ گواہ ہے۔''

دمشق کے ناظم سعد الدین نے سب سے پہلے حلف اٹھایا۔ پھر حاکم شیزر سابق الدین، خشتر بن حسین ہکاری، انوشروان زرزاری، سنقر مشطوب، ایبک الافطس، حسام الدین بشارہ اور دوسرے امراء نے حلف اٹھایا......ان میں سے بعض کا حلف مشروط تھا اور بعض کا غیر مشروط۔ صہیون کے قلعہ دار ناصر الدین نے اس شرط پر حلف اٹھایا کہ اس کی قلعہ داری برقرار رہے گی۔ میمون القصری اور شمس الدین کبیر نے حلف اس شرط پر اٹھایا کہ وہ سلطان کے دوسرے بیٹوں کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ حلف اٹھانے والے یہ تمام امراء شامی تھے۔ مصری امراء نے حلف برداری میں حصہ

نہیں لیا، نہ ہی کسی نے انہیں مجبور کیا۔

اُمیدیں دم توڑ گئیں ❁ بیماری کے بارہویں روز بدھ 27 صفر 589 (3 مارچ 1193ء) کی شب سلطان صلاح الدین کی حالت نہایت نازک ہوگئی۔ کئی روز سے ان پر غشی طاری تھی اور قوتِ حیات جو اب دیتی جارہی تھی۔ کبھی کبھار چند لمحوں کے لیے ہوش آجاتا تھا مگر پھر جلد ہی بے ہوش ہوجاتے۔ گھر کی خواتین ان کے گرد جمع تھیں۔ سلطان کی حالت دیکھ کر ان کے دل غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جارہے تھے۔ خواص امراء اس شب بھی ایوان شاہی میں سلطان کی خیریت جاننے کے لیے بے چین تھے مگر خواتین کی موجودگی میں ان کا اندر جانا ممکن نہیں تھا۔ ان حضرات میں قاضی ابن ذکی بھی تھے جو خلاف معمول اس وقت یہاں نظر آرہے تھے۔

چونکہ سلطان کے بچنے کی امید ختم ہوچکی تھی اس لیے شہزادہ الافضل نے قاضی فاضل اور قاضی بہاؤالدین ابن شداد سے کہا:

"آپ حضرات رات قلعے میں گزاریں تاکہ خدانخواستہ سلطان کا آخری وقت شروع ہوجائے تو وہ کلمہ طیبہ کی تلقین اور تلاوت کے لیے سرہانے موجود رہیں۔"

مگر قاضی فاضل نے اسے نامناسب تصور کیا اور کہا:

"لوگ قلعے کے باہر ہمارے منتظر ہیں کہ ہم نکلیں تو وہ ہم سے سلطان کا حال احوال معلوم کریں۔ اگر ہم رات بھر یہیں رہے تو شہر میں سلطان کی وفات کی افواہ پھیل جائے گی۔"

آخر طے یہ ہوا کہ یہ حضرات تو حسب معمول رخصت ہوجائیں اور "کلاسہ" محلے کے نیک سیرت امام شیخ ابوبکر جعفر کو یہاں بلوالیا جائے۔ وہ سلطان کے سرہانے ذکر و تلاوت میں معروف رہیں گے۔

آخری لمحات ❁ تمام درباری رخصت ہوگئے اور شیخ ابوجعفر کو سلطان کی رہائش گاہ پر بلوالیا گیا۔ خواتین سلطان کے پاس سے ہٹ گئیں اور شیخ نے سلطان کے پاس بیٹھ کر تلاوت شروع کردی۔ صبح صادق کے قریب وہ سورۃ الحشر کی آیات پڑھ رہے تھے:

﴿لَا يَسْتَوِيٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾﴾

"برابر نہیں ہیں جنت والے اور جہنم والے...... یہ جنت والے ہی اپنی منزل مراد کو پہنچنے والے

ہیں۔اگر ہم اس قرآن کو نازل کر دیتے کسی پہاڑ پر......تو یقیناً تم دیکھتے اس پہاڑ کو......کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔وہ اللہ ایسی ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ ہر چھپی بات اور ظاہر بات کو جاننے والا ہے۔نہایت مہربان، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔"

جب شیخ تلاوت کرتے ہوئے ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَةِ﴾ پر پہنچے تو سلطان کو ایک لمحے کے لیے ہوش آ گیا۔ان کے منہ سے نکلا: "سچ ہے۔"[1]

ادھر صبح کا اجالا پھیلا......اُدھر سلطان کی حیاتِ فانی کا دورانیہ پورا ہو گیا۔لوگ سلطان کی صحت وسلامتی کی دعائیں کر کے مساجد سے نکل رہے تھے اور سلطان سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہے تھے۔ان کے سرہانے تلاوتِ قرآن جاری تھی......شیخ ابو جعفر کے لبوں پر سورۃ التوبۃ کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا تھا:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾

کلامِ الٰہی کے یہ الفاظ سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک ملکوتی مسکراہٹ نمودار ہوئی، چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔[2]

......انا للہ وانا الیہ راجعون......

آج یوسف نے رہائی پالی ٭ قاضی فاضل سلطان کی وفات کے وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔بہاؤ الدین ابن شداد اور دوسرے مصاحبین ذرا دیر سے پہنچے۔تب تک سلطان کی روح پرواز کر چکی تھی۔اسلام کی تاریخ کا یہ سانحۂ فاجعہ 27 صفر 589ھ (3 مارچ 1193ء) کو پیش آیا۔اسی رات ایک اللہ والے نے خواب میں ہاتف غیبی کی آواز سنی تھی:

"آج یوسف نے قید سے رہائی پالی۔"

یہ اس حدیث کی طرف اشارہ تھا:

الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

شیخ عماد اصفہانی کو یہ خواب بتایا گیا تو انہوں نے کہا:

"بلاشبہ ہمارا یوسف آخرت کی نعمتوں کے لحاظ سے اس دنیا میں رہ کر ایک قیدی ہی میں تو تھا۔"[3]

[1] الموادر السلطانیۃ: 363_364

[2] الموادر السلطانیۃ: 363_364

[3] کتاب الروضتین: 589 ہجری فصل فی مرض السلطان ووفاتہ

پورا شہر سوگوار ❁ سلطان کا جانشین شہزادہ الافضل تعزیت کنندگان سے ملنے قلعے کے شمالی ایوان میں بیٹھ گیا۔ جوں جوں سلطان کی وفات کی خبر شہر میں پھیلی، ہر طرف آہ وفغاں کا عالم طاری ہوگیا۔ لوگ آہیں بھرتے ہوئے قلعے کی طرف دوڑ پڑے اور قلعے کے باہر بے پناہ رش ہوگیا۔ بدنظمی سے بچاؤ کے لیے قلعے کے دروازے صرف خاص متعلقین کے لیے کھولے جارہے تھے۔

لوگ تعزیت کے الفاظ کہہ کر چپ چاپ ایک طرف بیٹھتے جارہے تھے۔ قلعے میں کسی کو نوحہ وزاری یا مرثیہ گوئی کی اجازت نہیں دی گئی...... نہ کسی تعزیتی وعظ وتقریر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مگر قلعے کے باہر ایک شورِ قیامت برپا تھا...... لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

سلطان کے چھوٹے بچے بھی روتے چلاتے ہوئے باہر نکل آئے تھے۔ یہ حزن انگیز منظر دیکھ کر لوگوں کے دل پارہ پارہ ہوئے جارہے تھے...... ظہر کی نماز کے بعد تک آہ وبکا کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"اس دن ایسی کیفیت تھی کہ کتنے ہی لوگوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ کاش سلطان کی جگہ وہ مرجاتے۔ اس دن سے پہلے میں کسی کے بدلے اپنی جان دینے کو ایک محاورہ ہی تصور کرتا تھا مگر اس روز خود میری یہ کیفیت تھی کہ اگر میرے بدلے سلطان کی جان بچ سکتی تو میں بخوشی جان دے دیتا۔" [1]

ادھر خواص سلطان کے غسل وتکفین کی تیاری کررہے تھے مگر حالت یہ تھی کی لاکھوں مربع میل کے مالک اس عظیم حکمران نے ترکے میں اتنی رقم بھی نہیں چھوڑی تھی کہ کفن ودفن کا مناسب انتظام ہوسکتا۔ آخر قاضی فاضل نے قرض لے کر تجہیز وتکفین کا سامان منگوایا۔

غسل کا مرحلہ درپیش ہوا تو سلطان کے قریبی مصاحبین کے ہاتھ پاؤں جواب دے گئے۔ فقیہہ الدولعی نے یہ خدمت انجام دی۔ ظہر کی نماز کے بعد سلطان کا جسد ایک تابوت میں رکھ کر باہر لایا گیا، تابوت کو کپڑے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ سلطان کے جنازے پر نگاہ پڑتے ہی قلعے کے باہر جمع ہونے والے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ لوگ رو رو کر بے ہوش ہورہے تھے۔ ابن شداد کے الفاظ ہیں:

"گریہ وزاری کا یہ عالم تھا کہ لگتا تھا ساری دنیا ایک ہی آواز میں مل کر رو رہی ہے۔"

اس کیفیت کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر ہوگئی۔ آخرِ کار نماز جنازہ کے لیے صفیں باندھی گئیں۔ امامت قاضی محی الدین ابن ذکی نے کرائی...... مگر مجمع حد سے زیادہ تھا...... سب لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکے۔ چنانچہ باری باری کئی جماعتیں کرائی گئیں۔ اس طرح سب نے نماز جنازہ میں شرکت کرلی۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 364_365

[2] النوادر السلطانیۃ: 364_365

نماز ختم ہوتے ہی بڑے بڑے معمر مشائخ اور علماء آگے بڑھے تا کہ سلطان کے جنازے کو کاندھا دیں، شہزادہ الافضل نے کہا: "سلطان کو آپ حضرات کی دعائیں کافی ہیں۔"

شہزادوں، سالاروں اور مجاہدوں نے جنازے کو کاندھوں پر اٹھا کر قبر تک پہنچایا۔

اسی تلوار پر سہارا لے کر اٹھیں گے ⁂ سلطان کی تدفین دمشق کے قلعے میں ہوئی، شہزادہ الافضل لحد میں اترا اور مسنون طریقے سے لٹا کر باہر نکلا۔ سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل عسقلانی نے سلطان ایوبی کی وہ مشہور زمانہ شمشیر منگوائی جو جہاد فی سبیل اللہ میں وہ استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ تلوار جس کی دھار نے صلیبیوں افواج کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے تھے۔

قاضی فاضل کی ہدایت پر سلطان کے ساتھ ہی قبر میں رکھ دی گئی۔ قاضی فاضل نے اس موقع پر کہا:

"سلطان قیامت کے دن اسی تلوار پر سہارا لے کر اٹھیں گے۔"

خوابوں میں بشارت ⁂ سلطان کی وفات پر اہل اللہ نے بڑے عجیب عجیب خواب دیکھے۔ ایک بزرگ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ سلطان ایوبی کی قبر پر دعا کے لیے آئے ہیں۔

سلطان کی وصیت اور تدفین ⁂ سلطان ایوبی برسوں پہلے (581ھ میں) جب اتنے بیمار ہوئے تھے کہ آخری وقت معلوم ہوتا تھا، تب خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں دمشق کے میدان حصی میں دفن کیا جائے۔ جہاں سے مسافروں کے قافلے اور غازیوں کے لشکر گزرتے ہیں، تا کہ ہر آتا جاتا ان کے لیے دعائے خیر کرتا رہے اور مجاہدین کے گھوڑوں کا گرد و غبار ان کی قبر پر پڑتا رہے۔

الملک الافضل نے اس وصیت کے مطابق شاہراہ پر ایک مقبرہ تعمیر کیا، سلطان کی وفات کے تین سال بعد دس محرم 592ھ کو لاش وہاں منتقل کر دی گئی۔ سلطان کی یاد میں وہیں شوافع کا ایک مدرسہ "مدرسہ شافعیہ" بھی بنا دیا گیا۔

کتاب الروضتین: 589 ہجری فصل فی مرض السلطان ووفاتہ

کتاب الروضتین: 589 ہجری فصل فی مرض السلطان ووفاتہ: 4/368

کتاب الروضتین: 589 ہجری فصل فی مرض السلطان ووفاتہ: 4/369

کتاب الروضتین: 589 ہجری فصل فی مرض السلطان ووفاتہ: 4/369

فصل:3

سلطان صلاح الدین ایوبی کی سیرت پر ایک نظر

یوسف بن ایوب سلطان صلاح الدین ایوبی کی ذات علیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ان کے کردار میں ہر طرح کے محاسن اور خوبیاں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ ان کا دل ایمان و اخلاص، یقین و معرفت، توکل و انابت اور صبر و رضا سے لبریز رہتا تھا۔ ان کا ذہن ہر وقت اسلام کی سربلندی اور امت کی فلاح و بہبود کی فکر میں مشغول ہوتا تھا۔ وہ علم کے جویاں بھی تھے اور عمل کے خوگر بھی۔ جہاں گیر بھی تھے اور جہاں دار بھی۔ جرأت و شجاعت میں لاثانی تھے اور رحم دلی و رعایا پروری بھی یگانۂ روزگار۔ ان کا حوصلہ پہاڑوں کی طرح اٹل اور طبیعت پھول کی طرح نرم تھی۔ وہ ایک سچے مسلمان تھے۔ مثالی قائد کی تمام خوبیاں ان میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

ذیل میں ہم ان کے اخلاق و کردار اور حسن سیرت کی کچھ جھلکیاں پیش کر رہے ہیں جن سے ان کی شخصیت کی بلندی اور کردار کی گہرائی کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عدل و انصاف: ایک حکمران کے لیے سب زیادہ ضروری صفت عادل اور منصف ہونا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایک نہایت عادل اور انصاف پرور حکمران تھے۔ وہ ہر پیر اور جمعرات کو کھلا دربار لگاتے جسے دارالعدل کہا جاتا تھا۔ اس میں ہر خاص و عام کو اپنی شکایات بیان کرنے کی اجازت ہوتی۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا...... اس دربار میں حاضر ہو کر فریاد کر سکتا تھا۔ دربار میں قاضیوں کے علاوہ فقہاء اور علماء بھی موجود ہوتے جن کی مدد سے فوری طور پر فیصلے کیے جاتے اور لوگوں کو آسانی سے انصاف مہیا ہو جاتا۔ سلطان کا یہ دربار ہر جگہ لگا کرتا تھا۔ چاہے وہ سفر میں ہوتے یا حضر میں، امن کے دن ہوتے یا جنگ کے، ان کی طرف سے عدالت کا ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

اس عام دربار کے علاوہ بھی فریادی حاضر ہوتے رہتے تھے۔ سلطان اس وقت جس حالت میں بھی ہوتے، سب کام موقوف کر کے، اطمینان سے ان کی بات سنتے اور مناسب فیصلے صادر کرتے۔ کسی فریادی

کو مایوس نہ کرتے، روزانہ درجنوں درخواستیں پیش ہوتیں، سلطان روزانہ وقت نکال کر اپنے کاتب کے ساتھ عرضیوں کا مطالعہ کرتے۔ سب کی شکایات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے، کسی درخواست کو نظر انداز نہ ہونے دیتے۔ راستے میں بھی کوئی شخص فریاد کرتا تو اس کی بات سنے بغیر آگے نہ بڑھتے۔ [1]

عدل وانصاف کی خاطر اپنے امراء کا بھی کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ تقی الدین عمران کا سب سے بڑا جرنیل تھا مگر ایک بار دمشق کے ایک شخص ابن زہیر نے اس کے خلاف دعویٰ کیا تو سلطان نے اسی وقت تقی الدین کو مجلس قضا میں طلب کرلیا۔

تقی الدین اس وقت دمشق سے بہت دور حماۃ میں تھا اور نہایت اہم سرگرمیوں میں معروف تھا اس لیے اس کا آنا مشکل تھا مگر سلطان نے اس وقت تک اس کے حاضر ہونے پر اصرار جاری رکھا جب تک اس نے حماۃ کے قاضی امین الدین کو اپنا وکیل بنا کر نہ بھیج دیا۔ جب قاضی امین الدین مجلس قضا میں آئے تو سلطان نے ایک عام ملزم کی طرح انہیں مدعی کے برابر کھڑا کر دیا حالانکہ وہ سلطان کے مقرب علماء میں سے تھے اور سلطان ان کا بڑا احترام کرتے تھے مگر انصاف کا پلہ برابر رکھنے کے لیے سلطان نے انہیں مدعی پر فوقیت نہ دی۔ [2]

بیت المقدس کی فتح کے کچھ عرصے بعد عمر خلاطی نامی ایک بوڑھا شخص قاضی بہاؤالدین ابن شداد کی عدالت میں آیا اور دعویٰ کیا کہ اس کے ایک غلام سنقر خلاطی کو سلطان ایوبی نے غیر قانونی طور پر اپنی ملکیت میں لے لیا تھا۔ وہ غلام اب مر گیا ہے لہٰذا اس کی دولت کا وارث میں ہوں۔ بوڑھے نے اس دعوے کے ثبوت میں ایک رسید دکھائی جس میں لکھا تھا:

"اس شکل وصورت کا غلام فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر عمر خلاطی کو فروخت کیا گیا۔ وہ اسی کی ملکیت میں رہا، حتیٰ کہ وہ ایک دن فرار ہو گیا۔"

ابن شداد نے تاجر کی فریاد سن کر اسے یقین دلایا کہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا۔ پھر سلطان کو سارا قصہ سنایا، سلطان نے پوچھا: "آپ نے اچھی طرح رسید کو دیکھا بھالا تھا؟"

ابن شداد نے کہا: "وہ رسید جعلی معلوم نہیں ہوتی۔ اس پر جانے پہچانے افراد نے بطور گواہوں کے دستخط کیے ہیں۔"

آخر سلطان قاضی ابن شداد کی عدالت میں ملزم بن کر حاضر ہوئے۔ عمر خلاطی نے اپنا دعویٰ دہرایا۔ سلطان نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے کہا:

---

[1] النوادر السلطانیہ: 11
[2] النوادر السلطانیہ: 42

''مستقر خلاطی میرا غلام تھا، میں نے اسے آزاد کر دیا تھا، وہ جو مال و دولت چھوڑ کر مرا ہے وہ اس کے ورثاء کا حق ہے۔''

مدعی نے کہا: ''میرے پاس اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے گواہ موجود ہیں۔''

اس کے ساتھ اس نے اس کی خریداری کی رسید بھی دکھائی۔ رسید دیکھ کر سلطان نے کہا:

''میرے پاس بھی اس بات کے گواہ موجود ہیں کہ میں نے اس رسید پر درج تاریخ سے ایک سال قبل سنقر کو مصر میں خریدا تھا۔''

یہ کہہ کر سلطان نے ان امراء کو پیش کیا جو اس واقعے کے گواہ تھے۔ اس طرح مدعی کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ملزم پر دھوکہ دہی کی کوشش اور ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا جاتا مگر سلطان کے اخلاق الگ ہی تھے۔ اسی لیے قاضی بہاؤالدین نے مجلسِ قضا برخاست کر کے سلطان سے عرض کیا:

''اس شخص نے آپ پر یہ دعویٰ صرف اس لیے کیا ہے کہ اسے آپ کے درِ دولت سے کچھ چاہیے۔ اس لیے اسے محروم کرنا مناسب نہ ہوگا۔''

سلطان نے کہا: ''ہاں یہ معاملہ الگ ہے۔'' چنانچہ مدعی کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ [1]

زہد و قناعت: سلطان نے بلاشبہ اپنی زندگی میں لاکھوں کروڑوں درہم و دینار خرچ کیے مگر کبھی کچھ جمع کر کے نہ رکھا۔ آمدن کم نہیں تھی مگر آمدن سے زیادہ دوسروں پر خرچ کرنے کے عادی تھے۔ لوگوں کو انعام و اکرام سے نواز کر اور اس کے لیے قرضے لے لے کر مقروض ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب وفات ہوئی تو ان کے اپنے خزانے میں 47 ناصری درہموں اور ایک طلائی صوری اشرفی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوئی محل تھا نہ گھر۔ باغ تھا نہ کھیت۔ عمارتیں تھیں نہ جاگیریں اور جائدادیں جن سے پیداوار حاصل کی جاتی۔ جو بھی سرمایہ تھا وہ سب قرضے میں دب چکا تھا۔ [2]

سلطان کے ورثاء میں ان کے سترہ بیٹے اور ایک کم عمر بیٹی تھی، جن کے لیے سلطان نے سیرت و کردار کا ایک عمدہ نمونہ اور بکثرت اخلاقی خوبیوں کی میراث چھوڑی تھی۔ [3]

شجاعت: سلطان صلاح الدین ایوبی کی شجاعت و بسالت پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ ان کی بہادری ضرب المثل ہے۔ سلطان کی زندگی کا ہر لمحہ جرأت اور دلیری کا ایک نیا سبق دیتا ہے۔ ابن شداد کہتے ہیں:

''سلطان رحمہ اللہ بہت بہادر تھے، مضبوط دل گردے کے مالک تھے۔ جنگ آزما اور انتہائی ثابت

[1] النوادر السلطانیۃ: 43، 44، 45
[2] النوادر السلطانیۃ: 34، 47۔
[3] کتاب الروضتین: 4/220
یاد رہے کہ سلطان کے بیس یا اکیس بچے تھے۔ ان میں سے تین یا چار سلطان کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ پس ان کی وفات کے وقت ان میں سے سترہ ہی زندہ تھے۔

قدم تھے۔کوئی خطرہ انہیں حواس باختہ نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ فرنگیوں کے لشکرِ عظیم کے مقابلے میں ڈٹے رہے، دشمن کو متواتر کمک مل رہی تھی اور ان کی امدادی افواج پے در پے آرہی تھیں مگر سلطان کی ہمت اور قوت ارادی میں کوئی کمی نظر نہیں آئی۔ایک دن عصر سے مغرب تک فرنگیوں کی کمک کے اسی (80) جہاز عکا پہنچے۔میں انہیں گنتا رہا مگر سلطان کو دیکھا تو وہ اسی طرح جواں عزم اور باحوصلہ تھے۔“

عام طور پر بادشاہ جنگوں میں خود شرکت نہیں کرتے مگر سلطان ایوبی کی عادت تھی کہ وہ نہ صرف معرکے میں بذات خود قیادت کرتے تھے بلکہ جنگ سے قبل دشمن کے احوال کا مشاہدہ کرنے کے لیے روزانہ ایک دو مرتبہ اپنے پڑاؤ سے دشمن کے پڑاؤ کی طرف جایا کرتے تھے اور اردگرد کا خود جائزہ لے کر آتے تھے تاکہ جنگ کا نقشہ پوری بصیرت کے ساتھ مرتب کیا جاسکے۔جنگوں میں بادشاہوں کو تو چھوڑیے سپہ سالاروں کے لیے بھی محافظ دستے مقرر ہوتے ہیں مگر سلطان ایوبی معرکے کی شدت کے دوران زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دیتے تھے اور اپنی حفاظت کے لیے بالکل معمولی سا انتظام رکھتے تھے۔

ابن شداد کا کہنا ہے کہ وہ لڑائی کی شدت کے دوران اپنی اور دشمن کی صفوں کے درمیان سے اس طرح گزرتے تھے کہ ان کے ساتھ صرف ایک خادم لڑکا ہوتا تھا۔اس دوران کبھی وہ سپاہیوں کو دائیں پہلو سے بائیں بازو کی طرف بھیجتے، کبھی دستوں کو مرتب کرتے اور انہیں آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا حکم دیتے۔بسااوقات وہ دشمن کی نقل وحرکت دیکھنے کے لیے اس کے بالکل قریب چلے جاتے۔[1]

ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو کبھی دشمن کی کثرت کی پروا کرتے نہیں دیکھا، وہ کبھی حملہ آوروں سے مرعوب نہیں ہوئے۔ہاں غور وفکر اور تدبیر جاری رکھتے تھے۔ان کے سامنے معاملے کے تمام پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا اور وہ غصے یا گھبراہٹ کا شکار ہوئے بغیر تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر وقت کے تقاضے کے مطابق مناسب فیصلہ کردیتے تھے۔[2]

جہاد کا ولولہ: جہاد فی سبیل اللہ سلطان کی زندگی کا مقصد اور ان کی روح کی غذا تھا۔ان کی حیات کا ہر لمحہ اس عظیم مقصد کے لیے وقف تھا۔جہاد سے ان کے شغف کا تذکرہ کرتے ہوئے قاضی بہاؤالدین ابن شداد لکھتے ہیں:

”وہ جہاد کے انتہائی پابند تھے۔اس کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔اگر کوئی شخص قسم کھا کر

[1] النوادر السلطانیہ:60، 61 [2] النوادر السلطانیہ:61

کہے کہ سلطان نے جہاد شروع کرنے کے بعد ایک درہم یا دینار بھی جہاد یا اس کی تیاری سے ہٹ کر کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا تو وہ سچا ہوگا۔ جہاد، اس کی محبت اور اس کا شغف ان کے سارے قلب و بدن پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ ان کے ہاں جہاد ہی کے بارے میں باتیں ہوتیں، اسی پر غور و فکر ہوتا، اس کے لیے افراد کی تربیت کی دھن لگی رہتی، ان کی توجہ کے مستحق وہی لوگ بنتے جو انہیں جہاد کی اہمیت یاد دلاتے رہیں اور اس پر برانگیختہ کرتے رہیں۔ جہاد کی محبت میں سلطان نے اپنے اہل و عیال، وطن، گھر اور تمام لذات دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بدلے انہوں نے ایک ایسے خیمے کے سائے میں زندگی بسر کرنے پر قناعت کی تھی جسے آندھیاں دائیں بائیں حرکت دیتی رہتی تھیں۔ مرج عکا کے محاذ پر ان کا خیمہ ان پر گر پڑا تھا۔ اگر وہ اپنے حفاظتی کیبن میں نہ ہوتے تو زندہ نہ بچتے مگر ایسے خطرات سے جہاد میں ان کی رغبت، ثابت قدمی اور توجہ میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

جب کوئی شخص ان کا مقرب بننا چاہتا تو وہ انہیں جہاد پر ابھارتا یا ان کے سامنے جہاد کی باتیں کرتا۔ (اسی رغبت کے پیش نظر) ان کے لیے جہاد کے فضائل پر کئی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ جہاد کے آداب پر ایک کتاب میں نے بھی تصنیف کی جس میں جہاد سے متعلق تمام روایات کو جمع کر دیا گیا اور مشکل الفاظ کی تشریح کر دی گئی سلطان اکثر اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ انہوں نے خود یہ کتاب شہزادہ افضل کو پڑھائی۔"[1]

شام کے ساحل کے ایک سفر میں قاضی ابن شداد سلطان کے ساتھ تھے۔ وہ سلطان کی شجاعت، عزیمت اور بلند نگاہی کے ضمن میں اس سفر کے دوران سلطان سے اپنی گفتگو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سردی کے دن تھے، سمندر میں زبردست طغیانی تھی۔ میں نے پہلے سمندری طوفان نہیں دیکھا تھا اس لیے مجھ پر یہ مناظر دیکھ کر سمندر کی غیر معمولی ہیبت طاری ہوگئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر کوئی مجھے کہے کہ تم سمندر میں ایک میل سفر کر کے دکھا دو تو تمہیں ساری دنیا کی حکومت دے دی جائے گی تب بھی میں ایسا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں نے سوچا وہ لوگ کتنے کم عقل ہیں جو چند دیناروں اور درہموں کے لیے سمندر میں سفر کرتے ہیں۔ مجھے اس وقت ان علماء کا قول بہت وزنی لگا جو سمندری سفر کرنے والوں کی شہادت کو معتبر قرار نہیں دیتے۔ یہ تمام خیالات سمندر کی امنڈتی ہوئی موجوں اور ان سے خوف کی پیداوار تھے۔"

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سلطان نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا: "آپ سے ایک بات کہوں؟"

[1] النوادر السلطانیۃ: 53_54

میں نے عرض کیا: ''ضرور فرمائیے۔''

سلطان نے کہا: ''میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ جب میں ساحل کے باقی شہر بھی فرنگیوں سے واپس لے لوں تو پھر تمام مفتوحہ علاقے اپنے نائبین میں تقسیم کردوں، وصیت لکھوا کر انہیں الوداع کہہ دوں۔ پھر خود سمندر میں نکل جاؤں اور اس کے جزیروں کو فتح کرتا چلا جاؤں یہاں تک کہ اسی مہم میں مجھے موت آجائے یا دنیا میں کہیں بھی کفر باقی نہ رہے۔''

سلطان کے ان جملوں نے میرے دل میں آنے والے خیالات کو دھو ڈالا اور میں نے بے ساختہ کہہ دیا:

''آج دنیا میں سلطان سے زیادہ بہادر اور ان سے زیادہ اللہ کے دین کی نصرت کے لیے بے تاب فرد کوئی اور نہیں ہے۔''

سلطان نے پوچھا: ''بھلا وہ کیسے؟''

میں نے عرض کیا: ''بہادری تو اس سے ظاہر ہے کہ میں اس سمندر کو دیکھ دیکھ کر ہول کھا رہا ہوں اور آپ اسی میں سفر کی بات کر رہے ہیں اور اللہ کے دین کی نصرت کا ولولہ اس سے ثابت ہے کہ آپ کسی ایک خاص علاقے سے اللہ کے دشمنوں کے خاتمے پر مطمئن نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا کو ان سے پاک کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔''

پھر میں نے کہا: ''میرے جی میں جو آرہا ہے عرض کروں؟''

سلطان نے کہا: ''ضرور۔''

عرض کیا: ''آپ کی نیت بے شک بہت اچھی ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ سمندری سفر میں اپنے لشکروں کو بھیجیں۔ کیونکہ آپ اسلام کا حصار اور مورچہ ہیں۔ اس لیے آپ کا خود کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہ ہوگا۔''

سلطان نے میری بات سن کر پوچھا: ''مجھے یہ بتایئے کہ سب سے بہتر موت کون سی ہوتی ہے؟''

میں نے کہا: ''اللہ کے راستے میں شہادت کی۔''

سلطان نے کہا:

''تو پھر زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مجھے اعلیٰ ترین موت نصیب ہو جائے گی۔''[1]

صبر و تحمل: سلطان کے صبر اور ضبطِ نفس کی درجنوں مثالیں گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ اپنے بھائی تاج الملوک بوری کی وفات کی اطلاع انہیں عین اس وقت ملی تھی جب وہ حلب کی فتح کی پرمسرت

[1] النوادر السلطانیہ: 64_65

تقریب میں شریک تھے۔ انہوں نے خبر کو ضبط کیے رکھا تاکہ حاضرینِ محفل کی خوشی ماند نہ ہو۔ جب مہمان رخصت ہو گئے تب بھائی کی نمازِ جنازہ کی تیاری شروع کی۔ [1]

حران میں بیماری کی حالت میں ان کے بچنے کی امید نہ تھی۔ پھر بھی مزاج میں چڑچڑا پن تھا نہ مایوسی۔ خندہ پیشانی سے اس تکلیف کو جھیلتے رہے۔ اس دوران نیک سیرت ملکہ عصمۃ الدین کی وفات ہو گئی۔ سلطان نے اس صدمے کو بھی اسی طرح برداشت کیا۔ [2]

قاضی ابن شداد اس بارے میں ایک اور واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

''ایک بار ان کے بیٹے اسماعیل کی موت کی خبر آگئی جو نوعمر تھا۔ سلطان نے اطلاعی رقعہ پڑھا تو آنسو بہہ نکلے مگر غم کا اظہار نہیں کیا بلکہ کسی اور کو بتایا تک نہیں۔ قریب ترین امراء کو بھی بعد میں اڑتے اڑتے یہ اطلاع ملی سلطان کو اپنے چھوٹے بچوں سے بے حد محبت تھی مگر جہاد کی خاطر ان سے جدائی پر صبر کرتے رہے اور ان سے دوری پر راضی رہے۔ جفاکشی اور سختی کی زندگی اختیار کیے رہے حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں پوری قدرت تھی کہ عیش و تنعم کی زندگی گزارتے۔ یہ صرف اللہ کی رضا اور اخروی اجر کی نیت سے تھا۔'' [3]

عفو و درگزر: سلطان میں قوتِ برداشت کے ساتھ درگزر کی صفت بہت پختہ تھی۔ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا اور غضب ناک ہونا ان کا شیوہ نہیں تھا۔ اپنے امراء اور افسران بلکہ خدام کی بھی ایسی خلافِ ادب حرکات سے چشم پوشی کر جاتے تھے جن پر سخت سرزنش کی جاتی تو بجا ہوتا۔

ایک دن دوپہر کا وقت تھا، سلطان کے خیمے کے سامنے دسترخوان لگا ہوا تھا، سلطان خیمے کے دروازے پر اس طرح بیٹھے تھے کہ کوئی شخص انہیں ہٹائے بغیر اندر نہیں جا سکتا تھا۔ سلطان بہت تھکے ہوئے تھے اور آرام کے لیے تخلیے میں جانا چاہتے تھے۔ اتنے میں ایک امیر نے آکر کسی مجاہد کی تحریری درخواست پیش کی۔ سلطان نے کہا:

''میں تھکا ہوا ہوں، بعد میں دے دینا۔''

مگر امیر نہ مانا اور درخواست تھما دی۔

سلطان نے لفافہ کھول کر تحریر پڑھی اور بولے:

''ہاں یہ ضرورت مند آدمی ہے۔''

---

[1] سنا الیرق الشامی: 10/122 حوادث 579ھ
[2] الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/243، 244
[3] النوادر السلطانیہ: 60، 61

امیر نے کہا: ''تو حضور اس پر منظوری کی مہر لگا دیں۔''

سلطان نے کہا: ''اس وقت تو قلم دان یہاں نہیں ہے۔''

امیر نے کہا: ''قلم دان وہ رہا اندر خیمے میں۔''

اس کا مطلب یہی تھا کہ سلطان خود بڑھ کر قلم دان اٹھا لیں کیونکہ اس وقت سلطان کو پھلانگ کر کوئی خیمے میں نہیں جاسکتا تھا۔ سلطان نے پلٹ کر قلم دان کو دیکھا اور کہا:

''بخدا تم ٹھیک کہتے ہو۔''

یہ کہہ کر لیٹے لیٹے پہلے دایاں ہاتھ بڑھایا مگر وہ قلم دان تک نہ پہنچ سکا۔ تب بایاں ہاتھ بڑھا کر قلم دان کو گھسیٹ لیا اور درخواست پر مہر لگا دی۔

ابن شداد نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

''اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

''بے شک آپ اخلاق کے عظیم ترین مرتبہ پر ہیں۔''

اللہ نے آپ کو بھی ان اخلاق میں سے حصہ مرحمت کیا ہے۔''

سلطان نے بے تکلفانہ انداز میں کہا:

''ہمارا کیا بگڑا، اس کا کام ہو گیا اور ہمیں ثواب مل گیا۔''[1]

سوچنے کی بات ہے کہ کوئی معمولی افسر بھی اپنے ملازم سے یہ بات برداشت نہیں کرتا کہ وہ اسے کچھ کرنے کا حکم دے۔ یہ سلطان ایوبی جیسے اسلاف کے اخلاق تھے جو بلاشبہ اخلاقِ نبوی کا پرتو تھے۔

ایک بار قاضی ابن شداد کا خچر بدک کر بھاگا اور سلطان کی سواری سے ٹکرا گیا، سلطان کی ران پر چوٹ آئی مگر ان کے چہرے پر تبسم تھا۔ اسی طرح ایک مرتبہ بارش کے موسم میں قاضی صاحب سلطان کے ساتھ بیت المقدس کی گلیوں سے گزر رہے تھے، اس وقت وہاں کیچڑ ہی کیچڑ پھیلا ہوا تھا۔ قاضی صاحب کا خچر تیز چلا تو کیچڑ اڑ کر سلطان پر گرا۔ سارے کپڑے خراب ہو گئے مگر وہ مسکراتے رہے۔ قاضی صاحب نے احتیاطاً اپنی سواری کو سلطان کی سواری سے پیچھے کرنا چاہا تا کہ دوبارہ یہ صورتحال پیش نہ آئے، مگر سلطان نے اجازت نہ دی اور ساتھ ہی رکھا۔[2]

ایک موقع پر سلطان کے افسران نے عیسائی بادشاہ رچرڈ کے مقابلے میں افسوس ناک بزدلی کا

[1] النوادر السلطانیہ:61

[2] النوادر السلطانیہ:63

مظاہرہ کیا اور حملہ کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ ایک افسر نے سلطان کو جلی کٹی سنا ڈالیں۔ سلطان کا غصے سے برا حال ہو گیا، تب لوگ ڈرے کہ اب ان افسران کو بغاوت کے جرم میں سزائے موت دے دی جائے گی مگر سلطان نے خود پر قابو پا لیا۔ کچھ دیر بعد دمشق سے تازہ میوے آئے تو ان افسران کو ساتھ بٹھا کر کھلایا پلایا۔ [1]

ایک بار ایک فرنگی قیدی پیش کیا گیا جو خوف سے کانپ رہا تھا۔ سلطان نے مترجم سے کہا:

"پوچھو کہ کیوں ڈر رہا ہے۔"

قیدی نے کہا:

"پہلے تو ڈر رہا تھا مگر اب آپ کا مہربان چہرہ دیکھ لیا ہے تو اچھے سلوک کی امید بندھ گئی ہے۔"

سلطان کو رحم آ گیا اور اسے آزاد کر دیا۔ [2]

ایک مرتبہ سلطان کے خزانچی نے خزانے سے مصری اشرفیوں کا تھیلا نکال لیا اور اس کی جگہ دھاتی سکے رکھ دیے مگر خیانت پکڑی گئی۔ سلطان نے خزانچی کو صرف عہدے سے معطل کر دیا، کوئی اور سزا نہیں دی۔

ایک بار ایک غلام نے دوسرے غلام کی طرف موزہ اچھالا، وہ غلطی سے سلطان صلاح الدین کے پاس جا گرا، سلطان نے دوسری طرف رخ پھیر کر اپنے ہم نشین سے بات چیت جاری رکھی جیسے انہیں کچھ پتا ہی نہ چلا ہو۔ [3]

ایک دن سلطان کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ آواز دی کہ پانی لاؤ۔ کسی نے نہ سنا۔ دوبارہ، سہ بارہ کہا۔ یہاں تک کہ پانچ بار آواز لگائی مگر کسی نے توجہ نہ دی۔ تب صرف اتنا کہا:

"ساتھیو! اللہ کی قسم ہمیں پیاس مارے دیتی ہے۔" [4]

چشم پوشی کی انتہا یہ تھی کہ زندگی کے آخری چند مہینوں میں جب سلطان بیت المقدس میں تھے اور صلیبی جنگ ختم ہونے کو تھی، مصر سے سیف الدولۃ ابن منقذ نے اطلاع بھیجی کہ ایک عہدے دار نے آمدن کے حساب کتاب میں دو ہزار اشرفیوں کا غبن کیا ہے اور وہ عن قریب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا جرم چھپانے کے لیے غلط بیانی سے کام لے گا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ خادم نے سلطان کو اس عہدے دار کی آمد کی اطلاع دی۔ سلطان نے کہا:

"اسے بتا دو کہ ابن منقذ اس کی تلاش میں ہے، روپوش ہو جائے تا کہ پکڑا نہ جائے۔" [5]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 64
[2] النوادر السلطانیہ: 68
[3] الکامل فی التاریخ: 10/224 تحت 589 ہجری
[4] الکامل فی التاریخ: 10/225 تحت 589 ہجری، تاریخ مختصر الدول ص 388، 389
[5] الروضتین: 4/222

ایک بار مالیاتی امور کے ایک اعلیٰ افسر کو ملازمت سے معطل کرتے ہوئے اس کا حساب لیا گیا تو ستر ہزار دینار اس کے ذمے نکلے۔ وہ خود بھی مانتا تھا کہ میرے ذمے یہ رقم ہے مگر سلطان نے اس افسر سے کوئی باز پرس نہ کی بلکہ یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ انہیں حقیقت معلوم ہے۔ وہ افسر تو اسی کو بڑی نوازش سمجھ رہا تھا کہ اسے عہدے سے ہٹاتے ہوئے مالی جرمانہ معاف کر دیا جائے مگر سلطان نے اسے زیادہ دن معطل بھی نہ رہنے دیا اور اسے اپنی فوج میں حساب کتاب کی خدمت سپرد کر دی۔ [1]

سخاوت: سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کسی حالت میں بھی کسی مانگنے والے کو مایوس نہ کرتے۔ کچھ نہ ہوتا تو بھی سائل کی دل شکنی نہ کرتے بلکہ اس سے مہلت طلب کرنے کے انداز میں نرم گفتگو کرتے اور کہتے فی الحال ہماری پاس کوئی شے نہیں۔ مطلب یہ ہوتا کہ عطا کیا جائے گا اگرچہ کچھ دیر سے سہی۔

سلطان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا بے حد شوق تھا۔ انہوں نے ٹھان رکھی تھی کہ وہ کرۂ ارض کو اللہ کے دشمنوں سے پاک کرتے رہیں گے اور اللہ کے نیک بندوں کی مالی کفالت کرتے رہیں گے۔ جب بھی جہاد میں کسی مجاہد کا گھوڑا کام آجاتا یا زخمی ہو جاتا تو سلطان بلا تاخیر اس کے مالک کو متبادل سواری کے ساتھ ساتھ اضافی عطیہ بھی دے دیتے۔ سلطان نے تیسری صلیبی جنگ میں رجب 585ھ سے شعبان 588ھ تک تین سالوں کے دوران جو گھوڑے اور ٹٹو (چھوٹے قد کے گھوڑے) مجاہدین کو عطا کیے تھے، ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ تعداد اس رقم کے علاوہ ہے جو دوران جنگ کام آنے والے گھوڑوں کے بدلے ان کے مالکان کو ادا کی جاتی رہی تھی۔

سلطان کے پاس جو نئی سواریاں آتیں وہ فوراً کسی نہ کسی امیر یا افسر کو پسند آجاتیں اور سلطان انہیں بانٹ دیتے یا جلد دینے کا وعدہ کر لیتے۔ سلطان کے افسران اور مجاہدین سلطان کے زیر استعمال گھوڑوں پر سواری کرنے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ وہ جب بھی سلطان سے ان کی سواری کا سوال کرتے سلطان انہیں مایوس نہ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان کے زیر استعمال ہر گھوڑا فوراً کسی کو عطیہ ہو جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ سلطان کی ملکیت میں کوئی ذاتی سواری نہ رہتی اور دوسروں کو ہدیہ کی ہوئی سواری ان کی اجازت سے واپس لے کر اپنی ضرورت پوری کرتے۔ ہر معرکے میں سلطان کے ساتھ یہی ہوتا تھا کہ ان کی ملکیت والے گھوڑے دوسروں کو بخشے جا چکے ہوتے تھے اور سلطان کو کسی اور سے گھوڑا عاریتاً لے کر جہاد پر نکلنا پڑتا، بعد میں مالک اسے سلطان سے واپس لے لیتا۔ اس طرح کتنے ہی لوگ سلطان کے گھوڑوں پر سواری کا شوق پورا کرتے رہتے تھے اور سلطان نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ اس دریا دلی سے

[1] الروضتین: 222/4

خود ان کو کتنی کوفت اٹھانا پڑتی ہے۔کاتب عماد کہتے ہیں:

''اس کرم نوازی اور بلندی اخلاق نے سلطان کے لیے فتوحات کے دروازے کھول رکھے تھے اور اس وجہ سے افواج ان کی دل و جان سے وفادار تھیں۔''[1]

افسران اور ساتھیوں پر کرم نوازی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کی ہر پریشانی دور کرنے کی پوری کوشش کرتے تا کہ وہ امورِ حکومت اور جہاد کے لیے یکسو رہیں۔

سلطنت کے ایک امیر ایوب بن کنان ایک بار کسی سفر میں ان کے ساتھ روانہ نہیں ہو سکے، بعد میں پہنچے۔سلطان نے پیچھے رہ جانے کی وجہ پوچھی۔انہوں نے بتایا کہ بھاری قرض سر پر ہے جسے ادا کرنے کی تگ و دو میں مشغولیت ہو گئی۔سلطان نے فوراً وہ قرض اپنے ذمے لے لیا اور قرض خواہوں کو بلا کر تمام قرضہ ادا کر دیا جو کہ بارہ ہزار سے زائد مصری دینار تھا۔[2]

حران میں مرض سے شفایاب ہو کر کوچ کا ارادہ کیا تو کاتب عماد سے کہا:

''دیکھو دروازے پر ہم سے ملنے کے لیے آنے والے لوگ کتنے ہیں۔یہ ہمارے پاس تین سو دینار ہیں، یہ ان مسافر مہمانوں پر ان کے مراتب کے مطابق صدقہ کر دو۔''

یہ دس کے لگ بھگ مسافر تھے۔کاتب عماد نے ایک فہرست بنا کر ان میں سے ہر شخص کے لیے اس کا حصہ لکھ دیا۔جب سب کے لیے طے شدہ رقم کو جمع کیا تو یہ چار سو دینار بن گئے۔انہوں نے سلطان سے عرض کیا:

''ہر ایک کے حصے میں چوتھائی کم کرنا پڑے گا۔سلطان نے کہا: نہیں، قلم سے جو لکھا گیا ان کو اتنا ہی دے دو۔''[3]

سلطان نے جب ''آمد'' فتح کیا تو وہاں کے مالی ذخائر کا کوئی حد و حساب نہ تھا مگر ایک صوبے دار ابن قرا ارسلان کی درخواست پر سلطان نے شہر کو مال و اسباب سمیت اس کے حوالے کر دیا۔[4]

ابن شداد کا کہنا ہے کہ سلطان کی عادت تھی کہ مالی تنگی کے دوران بھی اسی طرح خرچ کرتے تھے جیسے کشادگی اور فراخی کے دور میں۔ایک بار سلطان بیت المقدس سے دمشق کے لیے روانہ ہونے لگے تو مہمانوں کو ہدایا اور زادِ راہ دینے کے لیے خزانے میں کچھ نہ تھا۔آخر سلطان نے بیت المال کی جاگیر سے ایک دیہات فروخت کرایا اور وہ ساری رقم خرچ کر کے وفود کی توقعات کو پورا کیا۔ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

---

[1] الروضتین: 221/4
[2] الروضتین: 222/4
[3] الروضتین: 222/4
[4] النوادر السلطانیۃ: 47

سلطان کے امراء اور خزانچی کچھ نہ کچھ مال ان سے چھپا کر رکھتے تھے کہ سلطان کو پتا چل گیا تو وہ اسے بھی کسی کارِ خیر میں فوراً خرچ کر ڈالیں گے اور ہنگامی ضروریات کے وقت پریشانی ہوگی۔ایک بار سلطان نے دورانِ گفتگو کہا:

''کچھ لوگ ایسے بھی ہوا کرتے ہیں جن کے نزدیک مال و دولت کی حیثیت مٹی سے زیادہ نہیں ہوتی۔''

ابن شداد کا کہنا ہے کہ اس سے سلطان کا اشارہ اپنی طرف تھا، وہ اسی مزاج کے تھے۔(مگر تواضع کی وجہ سے کھل کر نہیں کہا کہ میں اتنا سخی ہوں)[1]

لوگ بھی سلطان کی اس عادتِ کریمہ سے واقف تھے اس لیے بار بار پہلے سے بڑھ چڑھ کر طلب کرتے تھے مگر سلطان نے کبھی نہیں کہا کہ میں اس قدر تو دے چکا ہوں اور کتنا دوں؟

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ توقع سے بڑھ کر عطا کرتے تھے مگر احسان جتلانے سے سختی سے گریز کرتے تھے۔کبھی ان کی زبان پر یہ نہیں آیا کہ ہم نے فلاں کو اتنا کچھ دیا۔جس کسی نے بھی سلطان کی خدمت و ملازمت کی سلطان نے اسے اتنا کچھ دیا کہ اسے پھر کسی سے مانگنے کی ضرورت نہ رہی۔[2]

ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان کے پاس مالی ضروریات کے لیے لوگوں کی ایسی ایسی درخواستیں آتی تھیں کہ میں ان کو پڑھ کر شرما جاتا تھا۔یہ درخواستیں میں ہی پڑھ کر سناتا اور ان کے جوابات لکھتا تھا مگر سلطان سے ان درخواستوں کے مطابق مال طلب کرنے میں پھر بھی مجھے کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی کیونکہ میں جانتا تھا جتنا بھی دیا جائے سلطان کی طرف سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔[3]

مہمان نوازی: سلطان صلاح الدین ایوبی انتہائی مہمان نواز تھے۔ملاقاتیوں کی جس قدر ممکن ہوتا خاطر تواضع کرتے، خندہ پیشانی سے ملتے، ان کے مسائل کو حل کرنے اور درخواستوں پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے۔ان کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔کسی مہمان کو وہ کھلائے پلائے بغیر رخصت نہ کرتے تھے۔مہمان چاہے غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو سلطان کے الطاف و اکرام سے محروم نہ رہتا تھا۔بعض اوقات مناسب موقع دیکھ کر وہ غیر مسلم مہمانوں کو اسلام کی خوبیاں بتا کر دینِ حق کی دعوت بھی دیتے۔صیدا کا نصرانی شہزادہ آیا تو سلطان نے بڑا اعزاز و اکرام کیا۔گفتگو کے دوران اسلام کی حقیقت سمجھائی اور اسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔

علماء و مشائخ کا غیر معمولی ادب و احترام کرتے اور خدمات بجالاتے۔خدام کو تاکید کی گئی تھی کہ

---

[1] النوادر السلطانیۃ:47، 48
[2] النوادر السلطانیۃ:48
[3] النوادر السلطانیۃ:48

جب بھی کوئی عالم یا بزرگ آئیں تو انہیں سلطان سے ضرور ملوایا جائے تا کہ سلطان ان کی مناسب خدمت کر سکیں۔[1]

ایک بار قاضی ابن شداد کے ایک عالم فاضل دوست دور دراز کے علاقے سے آئے، وہ حج کے لیے نکلے تھے، حج کے بعد بیت المقدس کی زیارت کے لیے فلسطین آئے۔ ساتھ ہی ان کی تمنا تھی کہ اس رجل رشید کو ایک نگاہ دیکھ لیں جس نے بیت المقدس کو آزاد کرا کے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ وہ سلطان کے معسکر میں پہنچے اور پہلے اپنے پرانے دوست قاضی ابن شداد سے ملے۔ قاضی صاحب نے سلطان کو ان کی آمد کی اطلاع دی تو سلطان نے انہیں اسی رات اپنے پاس بلوالیا اور بڑی عزت و تکریم کی۔ رات کو وہ بزرگ قاضی ابن شداد کے خیمے میں ٹھہرے اور صبح ہوتے ہی رختِ سفر باندھ لیا۔ قاضی صاحب جانتے تھے کہ سلطان اپنے مہمانوں خصوصاً علماء و مشائخ کو رخصت کرتے ہوئے تحفے تحائف دیا کرتے ہیں اور اس کے بغیر مہمانوں کا جانا پسند نہیں کرتے اس لیے قاضی صاحب نے اپنے دوست کو منع کیا اور کہا:

''سلطان سے الوداعی ملاقات کر کے جایئے گا۔''

انہوں نے کہا:

''میرا مقصد پورا ہو گیا، میں ان کو ایک نگاہ دیکھنا چاہتا تھا، میری آرزو پوری ہو گئی۔''

یہ کہہ کر وہ چل دیے۔

سلطان کو بعد میں پتا چلا کہ وہ جا چکے ہیں تو بے چین ہو گئے اور قاضی صاحب کو سرزنش کرتے ہوئے کہا:

''ایسا آدمی ہماری نوازش سے حصہ پائے بغیر چلا گیا، یہ کیسے ہو گیا، ہمیں یہ برداشت نہیں۔''

سلطان نے اتنی سخت ناگواری ظاہر کی کہ قاضی صاحب بھی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے دمشق کے منتظمین کو خط لکھ کر اپنے دوست سے رابطے کی صورت نکالی اور انہیں پیغام دیا کہ سلطان معظم آپ کے اس طرح چلے جانے سے ہم پر بہت ناراض ہوئے ہیں۔ آپ دوبارہ آجائیں تا کہ سلطان کا غصہ دور ہو۔ یہ پیغام پڑھ کر وہ عالم کچھ عرصے بعد دوبارہ سلطان کے ہاں آئے۔ سلطان نے حسبِ عادت ان کا اعزاز و اکرام کیا۔ کئی دن خیمہ گاہ میں ٹھہرا کر مہمانی کی اور پھر خلعت فاخرہ، بہترین سواری، سفر کے خرچے اور اہل و عیال، دوست احباب اور پڑوسیوں تک کے لیے ملبوسات اور ہدیے دے کر رخصت کیا۔[2]

---

[1] النوادر السلطانیہ ص:68
[2] النوادر السلطانیہ ص:68

اخلاق، رہن سہن، علم کا ذوق اور مجلسی زندگی: سلطان کے علم واخلاق کے بارے میں ابن شداد لکھتے ہیں:

وہ خوش مزاج، خوش اخلاق اور نیک خو تھے۔ عربوں کے انساب، تاریخی واقعات، جنگوں کے قصے اور ماضی کے حالات کے حافظ تھے۔ عربوں کے گھوڑوں کے نسب بھی انہیں یاد تھے۔ دنیا کے عجیب حالات، حوادث اور انقلابات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا ان سے ایسی معلومات پاتا تھا جو کسی اور سے میسر نہیں آسکتی تھیں۔

حسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک سے اس کی صحت، بیماری اور علاج معالجے، کھانے پینے اور مصروفیات کا پوچھا کرتے تھے۔ ان کی محفل بڑی پاکیزہ ہوتی تھی۔ ان کے سامنے کسی کا ذکر خیر کے سوا نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ کانوں کو برائی سننے سے پاک رکھتے تھے۔ انہیں پسند نہیں تھا کہ کسی کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ سنیں۔ ان کی زبان بھی پاک صاف تھی۔ کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کسی کو گالی دی ہو۔ قلم کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھتے تھے۔ کبھی اپنے قلم سے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچے۔

وہ وعدے کے پابند اور وفادار انسان تھے۔ جب بھی کسی یتیم کو ان کے پاس لایا جاتا تو رحم کا معاملہ فرماتے۔ اس کی دلداری کرتے۔ اسے خرچہ دیتے۔ اگر اس کے خاندان میں کوئی بڑا ہوتا تو اسے اس کی پرورش کا ذمہ دار بنا دیتے، بصورت دیگر خود اس کی ضروریات کا خرچہ طے کردیتے اور اسے کسی ایسے شخص کے سپرد کردیتے جو اس کی پرورش اور تربیت کرسکے۔ بوڑھوں اور بزرگوں سے ملتے تو نرم دلی کا مظاہرہ کرتے، انہیں عطیات دیتے اور عمدہ سلوک کرتے۔ سلطان کے یہ اخلاق مرتے دم تک ان کے ساتھ رہے۔ [۵]

کاتب عماد اصفہانی سلطان کے رہن سہن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سلطان وہی لباس پہنتے تھے جس کا پہننا از روئے شرع جائز ہوتا، اس میں سلطان کی طبیعت کو آرام ملتا تھا۔ وہ کتان کے علاوہ سوتی اور اونی کپڑے پہنتے تھے جنہیں عام کھڈیوں پر تیار کیا جاتا تھے۔ سلطان کی تنہائیاں پاکیزگی کا مقدس منظر پیش کرتی تھیں اور ان کی مجالس فضول گوئی اور مذاق سے بالکل پاک ہوتی تھیں۔ ان کی محفلوں میں اہل علم وفضل کا مجمع ہوتا تھا۔ میں نے ان کو کبھی کوئی گرا ہوا لفظ کہتے نہیں سنا۔ ان کے منہ سے کبھی بے ہودہ جملہ نہیں نکلا۔ وہ کفار اور بے دین لوگوں کے لیے نہایت سخت تھے، اہل ایمان اور پرہیزگاروں کے لیے بڑے نرم۔" [۵]

۵ النوادر السلطانیہ، ص:70 ۵ الروضتین: 221/4

سلطان کے علمی ذوق اور اخلاق کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں:

''وہ احادیث کو اسانید کے ساتھ سننے کا اہتمام کرتے تھے اور علماء کرام سے دینی وشرعی مسائل پر مفید گفتگو کرتے تھے۔ چونکہ وہ ایک طویل عرصے تک فقہاء سے مباحثوں اور مقدمات میں قاضیوں سے گفت وشنید کے عادی چلے آرہے تھے اس لیے وہ احکام شرعیہ کا (عام) علماء سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ سلطان کے ساتھ مجالس میں شریک ہونے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بادشاہ کی محفل میں ہے بلکہ اسے لگتا کہ وہ اپنے کسی بھائی کے پاس بیٹھا ہے۔ سلطان بڑے بردبار تھے، غلطیوں کو معاف کرنے کے عادی تھے، لوگوں کی بے ہودہ گوئی سے درگزر کر جاتے تھے۔ متقی، پرہیزگار اور خدا کے منتخب بندے تھے۔ ان کی عادت چشم پوشی کرنا تھی نہ کہ طیش میں آنا۔ وہ خوش مزاج تھے نہ کہ تندخو۔ کسی سوالی کو نہ دھتکارتے، نہ روکتے۔ کسی کی بات سن کر اسے شرمندہ نہ کرتے، کسی امیدوار کو نامراد نہ کرتے۔''[1]

عقیدہ ونظریہ: سلطان صحیح العقیدہ پختہ فکر مسلمان تھے۔ ان کا عقیدہ ونظریہ اہل سنت والجماعت کے عین مطابق تھا۔ اصول وفروع میں فقہ شافعی کے پابند تھے۔ علماء وفقہاء سے ہم نشینی کی وجہ سے وہ دین کے مزاج اور اسلاف کے مسلک ومشرب سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔[2]

اس زمانے میں حکمرانوں اور بادشاہوں کے ہاں درباری نجومیوں کا بڑا اعزاز ہوتا تھا، کوئی دربار نجومیوں سے خالی نہیں ہوتا تھا، مگر سلطان کے ہاں اس گروہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اسلامی عقیدے کے مطابق وہ نجومیوں کی باتوں کو لغو تصور کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ان کی رائے کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ اس طرح وہ بدشگونی، بدفالی اور ہر قسم کے توہمات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ کبھی تذبذب کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ جب کبھی انہیں کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو شریعت کو پیش نظر رکھتے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے فیصلہ کر دیتے...... اس قوت فیصلہ اور شرع پر پابندی کی برکت تھی کہ ان کا اقبال دن بدن بلند ہوتا چلا گیا۔[3]

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ قرآن وسنت کے عین مطابق خالص اسلامی عقائد پر یقین رکھتے تھے۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرتے تھے۔ عقائد اور دین کے اصولوں کے بارے میں انہوں نے بڑے بڑے علماء، فقہاء اور مشائخ سے استفادہ کیا تھا۔ وہ نہ صرف جمہور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے حامل تھے بلکہ صحیح عقائد کے دلائل بھی بڑی حد تک جانتے تھے۔ اگرچہ انہیں علماء کی طرح کتابوں کی عبارتیں تو ازبر نہ تھیں مگر جب کبھی عقیدے سے متعلق بات چل پڑتی تو سلطان اچھی خاصی مدلل گفتگو کیا

---

[1] الروضتین: 221/4 [2] النوادر السلطانیۃ: 28، الروضتین: 223/4 [3] الروضتین: 223/4

کرتے تھے۔اس مضبوط علم ومعرفت کے باعث سلطان کبھی کسی بداعتقادی کا شکار نہیں ہوئے ورنہ اس دور کے شاہی خانوادوں میں گمراہ فرقوں کے بدعتی، ملحد، اور زندیق قسم کے دانشور اتنا اثر ورسوخ پیدا کرچکے تھے کہ کئی شہزادے اور حکمران اہل وسنت والجماعت کے عقائد سے منحرف ہو چکے تھے۔اس دور کے نامور عالم دین شیخ قطب الدین نیشاپوری رحمہ اللہ نے سلطان کو اسلامی عقائد سے متعلق ایک جامع کتاب لکھ کردی تھی۔سلطان نے اس کتاب کو حرز جان بنالیا تھا اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی بڑے اہتمام سے یہ کتاب پڑھاتے اور زبانی یاد کراتے تھے تاکہ بچپن ہی سے صحیح عقیدہ ان کے دلوں میں نقش ہوجائے۔قاضی بہاؤالدین شداد فرماتے ہیں:

"میں نے خود دیکھا کہ سلطان کے بچے یہ کتاب زبانی پڑھ رہے تھے اور سلطان سن رہے تھے۔"[1]

اس دور میں بہت سے مسلم حکام کے ہاں فلاسفہ کے علوم کو اہمیت دی جاتی تھی مگر سلطان ایوبی فلاسفہ سمیت تمام گمراہ فرقوں مثلاً معطلہ، دہریہ وغیرہ کے نظریات سے سخت نفرت کرتے تھے۔ان کے ہاں صرف قرآن وحدیث اور فقہ ہی حرف آخر تھے۔

حلب میں سہروردی نامی ایک فلسفی نے شریعت سے آزاد خیالات کا پرچار شروع کیا۔سلطان کو پتا لگا تو اپنے بیٹے الملک الظاہر کو جو حلب کا حاکم تھا،حکم بھیجا کہ اس بے دین کو قتل کردیا جائے اور اس کی لاش کئی دنوں تک سولی پر لٹکی رہنے دی جائے تاکہ دنیا کو عبرت حاصل ہو۔چنانچہ سلطان کے حکم کے مطابق اس زندیق کو قتل کردیا گیا۔[2]

<u>شریعت کی پابندی</u>❋ سلطان ایوبی کبیرہ اور صغیرہ ہر قسم کے گناہوں سے مکمل اجتناب کرتے تھے تاہم دوسروں کے لیے سلطان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ کبیرہ گناہوں پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے جبکہ صغیرہ گناہوں سے چشم پوشی کرتے تھے اور توقع کرتے تھے کہ لوگ اس بارے میں خود احتیاط سے کام لینے لگیں گے۔وہ اپنے رفقاء کو راہ راست کی تلقین کرتے رہتے تھے اور صراط مستقیم پر کاربند رہنے کا حکم دیتے تھے۔سلطان کی اس تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے امراء،خواص اور افسران سب شریعت کی پابندی اور تعلق مع اللہ کا خوب اہتمام کرتے تھے۔کاتب عماد کہتے ہیں:

"سلطان کے تمام غلام،خواص بلکہ افسران اور سپاہی بھی عابدوں اور زاہدوں سے زیادہ پرہیز گار تھے۔"[3]

حران میں مرض کے دوران ایک بار انہوں نے دمشق میں اپنے خزانچی ابن صفی کو پانچ ہزار صوری

---

[1] النوادر السلطانیہ:28 [2] النوادر السلطانیہ:38 [3] الروضتین:4/222

دینار صدقہ نکالنے کا حکم لکھوایا۔ کاتب عماد نے عرض کیا:

''اس کے پاس جو دینار ہیں وہ مصری ہیں۔ (جن کا وزن زیادہ ہوتا تھا)''

سلطان نے کہا: ''تو وہ پانچ ہزار مصری دینار ہی صدقہ کر دے۔''

سلطان نے یہ اس احتیاط کی بنا پر کہا تھا کہ تا کہ مصری دیناروں کو صوری (شامی) دیناروں سے بدلنے کی نوبت نہ آئے اور سود کا شائبہ پیدا نہ ہو۔ [1]

سلطان کو شریعت کی پابندی کا اتنا خیال تھا کہ ایک بار کاتب عماد کو چاندی سے ملمع دوات استعمال کرتے دیکھا تو منع کیا (کیوں کہ حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے منع کیا گیا ہے) کاتب عماد نے سلطان کو بتایا کہ امام الحرمین الجوینی رحمہ اللہ کے والد گرامی نے (جو خود نامور فقیہ تھے) اس کے جواز کا قول ذکر کیا ہے۔

تاہم اس کے بعد سلطان کے مزاج کا خیال رکھتے ہوئے شیخ عماد اصفہانی نے سلطان کی موجودگی میں وہ دوات کبھی دوبارہ استعمال نہ کی۔ [2]

نماز کی پابندی: سلطان صلاح الدین امور شرعیہ میں سب سے اہم چیز نماز کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ پے در پے اہم ترین مصروفیات، سخت سے سخت مہمات اور نازک ترین حالات کے باوجود پانچوں نمازیں اپنے مستحب اوقات میں بلا تاخیر ادا کرتے تھے۔ سنن و نوافل کا بھی اہتمام رہتا۔ فرض نمازیں ہمیشہ جماعت سے ادا کرتے۔ عماد کاتب برسوں سفر و حضر اور جنگ مہمات میں ان کے ساتھ رہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے کبھی سلطان کو جماعت کے بغیر نماز ادا کرتے نہیں دیکھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ سلطان کے انتظار میں نماز باجماعت کے وقت میں ذرا بھی دیر نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ سلطان خود وقت پر جماعت میں شریک ہونے کا اہتمام کرتے۔ چوں کہ سلطان اکثر و بیشتر سفر میں رہتے تھے، اس لیے نماز پڑھانے کے لیے کسی عالم دین کو امام مقرر کر لیتے تھے جو ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اگر کبھی کسی وجہ سے امام صاحب بروقت تشریف نہ لاتے تو اس وقت وہاں موجود اہل علم میں سے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوتے، سلطان ان سے نماز پڑھانے کی درخواست کرتے۔ [3]

قاضی ابن شداد ان کی ذوقِ نماز کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے۔ کہا جاتا ہے سالہا سال سے سلطان نے کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی۔ بیمار ہوتے تب بھی اپنے لیے امام کو بلواتے اور اس کے ساتھ بمشکل

---

[1] الروضتین: 222/4 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 223/4 [3] مختصر کتاب الروضتین، ص 374

کھڑے ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے۔ سنن ونوافل کی پابندی کرتے تھے۔ انہوں نے کچھ رکعات (تہجد کے لیے) طے کی ہوئی تھیں کہ رات کو اگر درمیان میں آنکھ کھل جاتی تو ادا کر لیتے۔ اگر آنکھ نہ کھلتی تو (صبح صادق سے قبل) نماز فجر سے پہلے پڑھ لیتے۔ جب تک سلطان ہوش وحواس میں رہے، کبھی نماز ترک نہ کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ مرض موت میں بھی نماز کھڑے ہو کر ہی ادا کر رہے تھے۔ صرف زندگی کے آخری تین دنوں میں جب کہ ان پر بے ہوشی طاری تھی ان کی نمازیں چھوٹی تھیں۔ دوران سفر بھی نماز کا وقت آتا تو سواری سے اتر کر نماز ادا کرتے۔ [1]

ایک دن جہادی سفر کے دوران سخت تھکے ہوئے تھے، آرام کے لیے جانا چاہا تو خدام نے یاد دلایا ظہر کا وقت قریب ہے۔ سلطان نے کہا: "بالکل! پہلے نماز پڑھیں گے، پھر آرام کریں گے۔" [2]

روزے: سلطان صلاح الدین ایوبی نے عمر بھر روزوں کی پابندی کی۔ عام معمول یہ تھا کہ ماہِ رمضان میں تمام مہمات روک دیتے اور اپنے گھر لوٹ کر ماہ مقدس پوری دلجمعی سے عبادت میں گزارتے مگر آخری چند سالوں میں رمضان کے مہینے بھی مسلسل جنگوں میں گزرے، سلطان اس دوران بیمار بھی رہے۔ ان کی صحت روزے رکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی اسی وجہ سے زندگی کے آخری تین سالوں میں سے دو کے روزے قضا ہو گئے مگر زندگی کے آخری سال سلطان نے طے کر لیا کہ بیماری کے باوجود قضا روزے رکھنے ہیں۔ طبیب نے منع بھی کیا مگر سلطان نے گرمی کے مہینوں ہی میں روزے قضا کرنا شروع کر دیے اور آخرکار دو ماہ کے پورے روزے قضا کر لیے۔ اس کے بعد ماہ رمضان شروع ہوا تو سلطان نے اس کے روزے بھی پورے اہتمام سے رکھے۔ معالج کہتا رہا کہ بعد میں رکھ لیجیے گا مگر سلطان کا جواب تھا:

"معلوم نہیں کل کیا رکاوٹ پیش آجائے۔"

ابن شداد کہتے ہیں ایسا لگتا تھا سلطان کو اپنی موت کے قریب آنے کا اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ اسی کمزوری اور نقاہت نے پھر بخار کی شکل اختیار کی جس کی وجہ سے سلطان چند ماہ بعد انتقال کر گئے۔ [3]

قرآن مجید کا شوق: سلطان ایوبی کو قرآن مجید کی تلاوت سے بہت شغف تھا۔ حافظ قرآن نہیں تھے مگر سماعت کا والہانہ شوق رکھتے تھے۔ قرآن مجید سننے کے لیے عمدہ سے عمدہ قاری تلاش کیا کرتے تھے۔ اپنی امامت کے لیے بھی ایسا شخص تلاش کرتے جو علوم قرآن اور قرآت کا خوب ماہر ہو۔

اپنی عام مجلس میں بھی تلاوت کرواتے اور عموماً ایک سے بیس تک آیات سنتے۔ رات کو دو تین یا چار پارے سنا کرتے تھے۔ تلاوت سنتے وقت ان پر اکثر رقت طاری ہو جاتی تھی اور آنسو نکل پڑتے تھے۔

[1] النوادر السلطانیہ:20 [2] النوادر السلطانیہ:62 [3] النوادر السلطانیہ:35

ایک بار کہیں سے گزر رہے تھے کہ ایک بچے کو دیکھا جو اپنے باپ کے سامنے بیٹھا بہت خوبصورت انداز میں تلاوت کر رہا تھا۔ سلطان بہت خوش ہوئے، اسے اپنے دسترخوان کا کھانا پیش کیا، انعام واکرام سے نوازا اور ایک زرعی رقبہ اس کے والد کے نام کر دیا۔ [1]

شوقِ حدیث: احادیث سننے کے عاشق تھے۔ جب کسی عالم کے بارے میں سنتے کہ انہیں روایتِ حدیث میں ملکہ حاصل ہے تو استفادے کی کوشش کرتے۔ اگر وہ عالم دربار میں آنا قبول کرتے تو انہیں اعزاز واکرام سے مدعو کرتے اور تمام درباریوں، امیروں اور شہزادوں کو باادب بٹھا کر حدیث کی سماعت کرتے۔

اگر کسی محدث کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ سلاطین کے درباروں میں آنا پسند نہیں کرتے تو سلطان خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سنتے۔ بسااوقات شہزادوں کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ وہ بھی محدثین سے استفادہ کریں۔ اسکندریہ کے نامور محدث حافظ ابوطاہر اصفہانی کی مجلس حدیث میں بار بار حاضر ہوا کرتے تھے۔

اپنے دربار کے علماء سے بھی حدیث کی کتب منگواتے اور ان کی موجودگی میں خود عبارت پڑھتے، جب کوئی عبرت کی بات آتی تو اکثر اشک بار ہو جاتے۔ [2]

ذہنی یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ جنگ کے دوران بھی قرآن مجید کی تلاوت اور سماعِ حدیث کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک جنگ کے دوران جبکہ صفیں بندھ چکی تھیں، دشمن سامنے صف بنائے ہوئے تھا اور سلطان اپنے سپاہیوں کے ساتھ کبھی آگے بڑھ رہے تھے، کبھی پیچھے ہٹ رہے تھے، قاضی ابن شداد نے عرض کیا:

> ''ہر محترم اور مبارک مقام پر حدیث کی سماعت ہوئی ہے مگر دورانِ جہاد حدیث کی مجلس آراستہ نہیں ہوئی، اگر آپ پسند کریں تو اس وقت 'حدیث' سنی جائے۔ سلطان نے دلچسپی ظاہر کی اور حدیث کا مجموعہ منگوایا۔ ابن شداد نے انہیں اور دوسرے امراء کو جو موقعے پر موجود تھے، کئی احادیث کی قرأت کر کے سنائی۔ اس طرح گھوڑوں کی پشت پر بیٹھے بیٹھے دورانِ جنگ حدیث کی سماعت کا اعزاز حاصل کیا گیا۔'' [3]

صدقہ وخیرات: حدیث میں آتا ''صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے۔'' سلطان اس حدیث کے مطابق

---

[1] النوادر السلطانیہ: 31
[2] النوادر السلطانیہ: 36_37
[3] النوادر السلطانیہ: 51

مشکلات سے نجات کے لیے صدقہ وخیرات کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ابتلاء، مصائب اور تکالیف کے ایام میں خیرات کا ولولہ تیز تر ہو جاتا۔عماد کاتب بتاتے ہیں کہ جب سلطان (اپنے شدید مرض کے دوران) حران کے مضافات میں مقیم تھے تو انہوں نے فقراء ومساکین کے لیے عمال کو صدقہ وخیرات نکالنے کا حکم دیا تھا اور صوبوں کے حکام کو بھی لکھ بھیجا تھا کہ وہ سب صدقہ وخیرات کا اہتمام کریں۔[1]

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس قدر صدقہ وخیرات کرنے والے سلطان پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ وجہ کیا تھی؟ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے وہ سلطان پر مرتے دم تک واجب نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے کبھی (سال بھر) اتنا جمع کر کے رکھا ہی نہیں کہ زکوٰۃ واجب ہوتی۔نفلی صدقات وخیرات اس قدر کرتے رہے کہ ان کا تمام مال ودولت اس میں ختم ہو گیا تھا۔"[2]

بعض عادات: سفر کے دوران سلطان کی عادت تھی کہ صبح سے ظہر تک سفر کرتے۔اگر محاذ پر ہوتے تو اس وقت دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے نکلتے۔ظہر کے قریب پڑاؤ میں پہنچتے اور دسترخوان لگوا کر اپنے امراء اور افسران کے ساتھ کھانا تناول کرتے۔اس وقت وہ بہت تھکے ہوئے ہوتے تھے اس لیے کچھ دیر قیلولہ کرتے، بیدار ہوتے ہی نماز ظہر جماعت سے ادا کرتے۔پھر کچھ دیر تخلیے میں ملاقاتیں کرتے۔اس دوران قاضی ابن شداد یا کسی عالم سے حدیث وفقہ کی کتب کا کوئی نہ کوئی حصہ بھی سنا کرتے تھے۔سلیم الرازی نامی ایک فقیہ نے ائمہ اربعہ کی فقہ پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، اسے بھی سنا کرتے تھے۔[3]

سلطان کا خاندان: سلطان کی ولادت 532ھ میں عراق کے شہر تکریت کے قلعے میں ہوئی تھی جس کے والی ان کے والد نجم الدین ایوب بن شاذی تھے۔سلطان کے دادا کا نام شاذی بن مروان تھا جو کردستان کے قصبے دوین کے ایک کاشتکار تھے۔وہاں سے نقل مکانی کر کے پہلے بغداد اور پھر تکریت آئے تھے۔

سلطان کے پانچ بھائی تھے۔شمس الدولہ الملک المعظم توران شاہ، شاہنشاہ، الملک العادل ابوبکر، سیف الدین طغتگین، تاج الملوک بوری۔[4]

سلطان کی وفات کے وقت صرف الملک العادل اور سیف الدین زندہ تھے۔

دو بہنیں تھیں ست الشام اور ربیعہ خاتون۔ست الشام بنت ایوب صدقہ وخیرات، دینی مدارس کے

---

[1] کتاب الروضتین: 222/4
[2] النوادر السلطانیہ: 62
[3] النوادر السلطانیہ: 29
[4] العبر فی خبر من غبر للذہبی: 77/3

قیام اور رفاہی کاموں کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہوئی۔ دمشق میں شوافع کے دو عظیم الشان مدارس قائم کرنا اس کا بہت بڑا کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ سلطان کا بھانجا اور سالار حسام الدین محمد بن لاجین اسی کا بیٹا تھا۔ ست الشام کی وفات 616ھ میں ہوئی۔ ربیعہ خاتون بھی علم دین کی اشاعت اور مدارس کے قیام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ اس کی وفات 643ھ میں ہوئی۔ ①

بھائیوں میں سے بڑا بھائی توران شاہ سلطان کے نائب کے طور پر یمن گیا تھا اور اسے ایوبی سلطنت کا حصہ بنا کر لوٹا۔ کچھ مدت شام کا گورنر رہا اور پھر وفات پائی۔ چھوٹے بھائیوں میں سے ابوبکر الملک العادل سلطان کا دست راست بن کر ہمیشہ ساتھ ساتھ رہا۔ توران شاہ اور شہنشاہ سلطان سے بڑے تھے، دونوں سلطان کی زندگی ہی میں وفات پاگئے۔ ان کے علاوہ باقی سب بہن بھائی سلطان سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے تاج الملوک بوری ادیب اور شاعر تھا جس نے 579ھ میں حلب کی فتح کے موقع پر زخمی ہو کر وفات پائی۔ ②

<u>اولاد:</u> سلطان کے بیس بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ جن کے نام یہ ہیں:

1- الملک الافضل نور الدین۔ ولادت یکم شوال سن 565ھ، مصر
2- الملک العزیز عثمان۔ ولادت 8 جمادی الاولیٰ 567ھ، مصر
3- الملک الظافر مظفر الدین۔ ولادت 5 شعبان 568ھ، مصر
4- الملک الظاہر غازی۔ ولادت 15 رمضان 568ھ، مصر
5- اسحاق فتح الدین۔ ولادت ربیع الاول 570ھ، مصر
6- الملک المؤید مسعود۔ ولادت ربیع الاول 571ھ، دمشق
7- عز الدین یعقوب۔ ولادت ربیع الثانی 572ھ، مصر
8- الملک الزاہر داؤد۔ ولادت ذوالقعدہ 573ھ، مصر
9- الملک المفضل قطب الدین۔ ولادت 575ھ
10- الملک الاشرف محمد۔ ولادت سن ربیع الاول 577ھ شام
11- الملک المحسن احمد۔ ولادت سن 577ھ مصر
12- الملک المعظم منصور۔ ولادت ربیع الاوّل، مصر
13- الملک الجواد رکن الدین۔ ولادت ربیع الاول 578ھ۔ مصر

① تاریخ اسلام ذہبی: 9/163، 10/481، 321ش
② العبر: 3/77

14- الملک الغالب ملک شاہ۔ ولادت رجب 578ھ شام
15- الملک المنصور ابو بکر۔ ولادت حران میں
16- عماد الدین شاذی، ام ولد کا بیٹا۔ ولادت مصر میں
17- نصیر الدین مروان، ام ولد کا بیٹا۔ ولادت مصر میں
18- الملک المنصور حسن (سلطان کی حیات میں فوت ہو گیا)
19- امیر احمد (سلطان کی حیات میں فوت ہو گیا)
20- ان کے علاوہ ایک بیٹے اسماعیل کا ذکر بھی ملتا ہے (سلطان کی زندگی میں فوت ہوا تھا)
21- مونسہ خاتون۔ ولادت مصر میں [1]

ازواج: سلطان نے کئی نکاح کیے۔ ان کی اکثر ازواج کو کنیت سے یاد کیا جاتا ہے، تاریخ میں درج ذیل ازواج کا ذکر ہے:

1- ام الملک الافضل: یہ الافضل، الظافر، المظفر، المفضل کی والدہ تھیں
2- ام الملک العزیز: یہ العزیز، المؤید، عز الدین کی والدہ تھیں
3- ام الملک الظاہر: یہ الظاہر اور الزاہر کی والدہ تھیں
4- ام الملک الاشرف: یہ الاشرف اور محسن کی والدہ تھیں
5- ام الملک المعظم: یہ المعظم اور المنصور کی والدہ تھیں
6- عصمۃ الدین بنت امیر معین الدین انر۔ وفات سلطان کی زندگی ہی میں 581ھ میں ہو گئی تھی۔ [2]

نوٹ: سلطان کے خاندان میں الملک المعظم کے لقب سے چار افراد گزرے ہیں:

1- سلطان کا بڑا بھائی الملک المعظم توران شاہ جو دمشق اور یمن میں سلطان ایوبی کا نائب رہا۔
2- سلطان کا سب سے چھوٹا بیٹا الملک المعظم توران شاہ جو سلطان کی وفات کے بعد ایک اچھا عالم اور حلب کا سپہ سالار رہا۔
3- سلطان کا بھتیجا الملک المعظم عیسیٰ (الملک العادل کا بیٹا) جو سلطان کی وفات کے پچیس برس بعد دمشق کا خود مختار حکمران بنا۔
4- الملک العادل کا پڑپوتا الملک المعظم توران شاہ جو سلطان کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال بعد ساتویں صلیبی جنگ کے دوران مصر کا حکمران بنا۔

[1] المقریزی، مرجع سابق: 3/83 [2] ایضاً: 3/83

فصل:4

سلطان ایوبی کے جانشین اور صلیبی جنگیں

سلطان ایوبی کی وفات کے بعد شہزادہ الملک الافضل نے حکومت سنبھال لی اور دستور کے مطابق عدل وانصاف سے حکومت کرنے لگا مگر جلد ہی اس کے اپنے چچا الملک العادل اور اپنے بھائیوں الملک الظاہر اور الملک العزیز سے اختلافات پیدا ہو گئے اور یوں سلطان ایوبی کی تشکیل کردہ عظیم ریاست تین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ الملک الافضل دمشق کا حکمران رہا۔ الملک الظاہر نے حلب میں اور الملک العزیز عثمان نے قاہرہ میں خودمختار حکومتیں قائم کر لیں۔ بیت المقدس الملک العزیز کی تحویل میں تھا جس نے اس کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

سلطان ایوبی کے بیٹے خوش قسمت تھے کہ انہیں امن کے دن میسر آئے۔ انہوں نے اپنی توجہ تعمیری کاموں پر مرکوز رکھی۔ شاید وہ مسلسل جنگوں سے اکتا بھی گئے تھے اس لیے ان میں سے کسی نے اپنے باپ کی طرح بیرونی مہم جوئیوں میں دلچسپی نہ لی۔ اس پرامن دور میں شام کے ساحلوں پر یورپی تاجروں اور القدس کے زائرین کو بہترین مراعات حاصل تھیں۔ اسلامی دنیا کی معیشت وتجارت ترقی کی طرف گامزن تھی۔ بڑے بڑے تعمیراتی منصوبوں پر عمل ہو رہا تھا۔ لوگ خوشحال اور آسودہ تھے مگر امن کے انہی دنوں میں سلطان کے بیٹوں میں اقتدار کی کشاکشی شروع ہو گئی۔

الملک العزیز اور اس کے چچا الملک العادل نے اتحاد کر کے الملک الافضل کے خلاف محاذ کھول لیا اور دمشق کو اس سے چھین لیا۔ الملک العزیز کو زیادہ مہلت نہ ملی اور وہ اپنے نامور باپ کی وفات کے صرف چھ سال بعد عین جوانی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کشمکش کا اختتام الملک العادل کی بادشاہت پر ہوا اور مسلمانوں نے سکون کا سانس لیا۔ العادل نے پایہ تخت دمشق سے قاہرہ منتقل کر دیا اور سلطان ایوبی کی اولاد ہمیشہ کے لیے اقتدار سے باہر ہو گئی۔ چند سالوں میں سلطان صلاح الدین کے وفادار امراء اور علماء وفقہاء یکے بعد دیگرے تیزی سے گزرتے گئے۔

سلطان کا باج گزار حاکم موصل عزالدین مسعود سلطان کے چند ماہ بعد ہی چل بسا۔ چھوٹا بھائی سیف الاسلام طغت گین جو یمن کا حاکم رہا تھا 593ھ میں اور باصلاحیت بیٹا الملک العزیز 595ھ میں فوت ہو گئے۔ پھر ایک تابندہ گیا، 596ھ میں سلطان کے وزیر قاضی فاضل، 597ھ میں سلطان ایوبی کے کاتب علامہ عماد اصفہانی اور نامور امیر بہاؤالدین قراقوش، 598ھ میں سلطان کی بحریہ کے مایہ ناز امیر حسام الدین حاجب لولو اور سلطان کے قاضی القضاۃ محی الدین ابن ذکی کی وفات ہوئی۔ اگلے سال دربار ایوبی کے مشہور عالم ابن نجیہ الواعظ اور قاضی القضاۃ کمال الدین شہرزوری بھی رخصت ہو گئے۔ سلطان ایوبی کے بیٹوں میں سے صرف الملک الظاہر تھا جس نے طویل عرصے تک حکومت کی اور 613ھ میں اپنی وفات تک حلب اور مضافات کا حکمران رہا۔ ٥

بہرکیف چھٹی صدی ہجری اور بارہویں عیسوی کا چند سال کے فرق سے اختتام ہوا تو گزشتہ صدی کے رجال کار، قائدین اور مشاہیر منظر عام سے یوں غائب ہو چکے تھے جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ سلطان ایوبی کے سوانح نگار قاضی بہاؤالدین ابن شداد اپنی تصنیف کی آخری سطور میں اس کایا پلٹ کو ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

ثُمَّ انْقَضَتْ تِلْكَ السُّنُوْنَ وَاَهْلُهَا فَكَاَنَّهَا وَكَاَنَّهُمْ اَحْلَامُ

"پھر وہ سال اور ان کے لوگ گزر گئے، تو اب یوں لگتا ہے کہ وہ زمانے اور وہ لوگ خواب و خیال تھے۔" ٥

<u>چوتھی صلیبی جنگ</u>: صلیبی دنیا سلطان صلاح الدین ایوبی کی شمشیر خاراشگاف سے مرعوب ہو کر "صلح رملہ" پر مجبور ہوئی تھی، مگر پہلے کی طرح اب بھی صلیب کے فرزند قبلۂ اول کو مسلمانوں سے چھیننے کے لیے بے تاب تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں دم سادھے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی k کی وفات کے بعد ان کی ہوسِ ملک گیری نے پھر انگڑائی لی اور وہ جنگ کے لیے اپنا ساز و سامان درست کرنے لگے۔ روم کے پاپائے اعظم نے ایک بار پھر صلیبی حکمرانوں کو ارض مقدس پر حملے کی دعوت دے دی۔ سلطان کی وفات سے کے صرف دو سال بعد 591ھ (1195ء) میں جرمنی کے بادشاہ ہنری ششم کی قیادت میں صلیبی لشکروں نے بحیرۂ روم عبور کر کے اسلامی دنیا پر حملہ کر دیا۔

صلح رملہ کے تحت عکا پہلے ہی صلیبیوں کے قبضے میں تھا، اسے مستقر بنا کر انہوں نے بیروت کا رخ کیا۔ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے دلیر بھائی الملک العادل نے بڑی مستعدی سے حملہ

---

٥ [illegible] 150

٥ [illegible] 265

آوروں کا مقابلہ کیا۔ قیساریہ سمیت شام کے ساحلی محاذوں پر صلیبی سورماؤں کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی، البتہ انہوں نے بیروت پر قبضہ کر لیا مگر جواب میں العادل نے ان کے شہر یافا کو فتح کر لیا۔

اسی دوران عکا میں شاہ جرمنی ہنری ششم جو صلیبی افواج کی قیادت کر رہا تھا، بلندی سے گر کر مر گیا۔ اس کی ناگہانی موت سے عیسائی افواج کا جوش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور کچھ مدت تک بے مقصد تاخت وتاراج کے بعد یورپی جرنیلوں نے واپسی اختیار کی۔ اس چوتھی صلیبی جنگ میں عیسائی حملہ آور مکمل طور پر ناکام رہے اور مختصر سی مدت کے لیے بھی مسلمانوں کا کوئی شہر ان کے قبضے میں نہ آیا بلکہ ساحل شام پر ان کی مقبوضہ حدود مزید سمٹ گئیں۔ الملک العادل نے خود کو سلطان صلاح الدین کا سچا جانشین ثابت کر دکھایا۔ اس حملے کے بعد ان کی جرأت واستقامت کے سامنے بیس سال تک اقوام یورپ کو مشرق وسطیٰ کی طرح کسی قابل ذکر پیش قدمی کی ہمت نہ ہو سکی۔ ❶

<u>پانچویں صلیبی جنگ</u> 614ھ (1217ء) عالم اسلام کے لیے دوطرفہ خطرات کے پیغام لایا۔ مشرق میں چنگیز خان کی لاتعداد افواج کی موجودگی اور مغرب میں صلیبی جنگجوؤں کی از سر نو صف بندی سے دنیائے اسلام اضطراب کی حالت میں تھی۔ کفریہ طاقتیں مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر کر ختم کرنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ الملک العادل کی شکل میں مغربی سرحدوں کا محافظ سرحدوں کی نگران خوارزم اور بغداد کی حکومتیں باہمی مناقشوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ ... چھپی نہ تھا۔ خوارزم شاہ سے تجارتی معاملات پر اس کا معاہدہ ہو چکا تھا لیکن ادھر مغربی صلیب کے پجاری یکایک عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے۔

یہ پانچویں صلیبی جنگ کا آغاز تھا جس کی دعوت پوپ اور شاہ قسطنطنیہ نے مشترکہ طور پر دی تھی۔ ہنگری، آسٹریا، آرمینیا اور قبرص کے نامی گرامی بادشاہ، نواب، نائٹ اور مذہبی رہنما اس حملے میں شریک تھے۔ اس بار مصر کے شمالی ساحلی شہر دمیاط پر قبضہ کر کے آگے بڑھنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ دمیاط عالم اسلام کے لیے شمال مغربی دروازے کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ شہر بحیرۂ روم کے ایسے مقام پر واقع ہے کہ یہاں پر قابض فوج بآسانی بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کے راستوں کی نگرانی کر سکتی ہے۔ دمیاط کے قریب ہی دریائے نیل بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ یہاں قبضہ کر کے دریائے نیل کے راستے سے نہ صرف پورے ملک مصر بلکہ مشرقی افریقہ کے دیگر ممالک تک بھی آسانی سے رسائی ہو سکتی تھی۔ ❷

---

❶ الکامل لابن اثیر: 10/245، 246، 247 تحت 593ھ؛ تاریخ صلیبی جنگیں: 327، 328
❷ الکامل لابن اثیر: 10/373، 374 تحت 614ھ؛ تاریخ صلیبی جنگیں: 427، 428

دمیاط کا معرکہ: صلیبی فوجیں عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوئیں اور بیسان، بانیاس اور صور میں قتل وغارت کا بازار گرم کرتی ہوئی صفر 614ھ (مئی 1271ء) میں دمیاط تک پہنچ گئیں۔ الملک العادل نے اپنے بیٹے الملک الکامل محمد کو دمیاط کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ ادھر عیسائی اس مقام سے جہاں دریائے نیل سمندر میں گرتا ہے، اپنی کشتیاں دریائے نیل میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ مصر میں گھس جائیں۔ مسلمانوں نے دریا کے دہانے پر پانی کی سطح کے ساتھ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زنجیروں کا حصار قائم کر کے اسے بند کر دیا تھا۔ اس زنجیری پھاٹک کے اوپر ایک بلند وبالا عظیم الشان پل تھا جو دریا کے ایک کنارے سے دمیاط کی فصیل تک چلا گیا تھا۔ سمندر سے دریائے نیل میں آنے کے لیے ہر کشتی کو اس پل کے نیچے سے گزرنا پڑتا تھا۔ پل پر مسلمان سپاہیوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ نصرانیوں کے بحری بیڑے نے زبردست حملہ کیا۔ پل سے ان پر تیر اندازی، آتش زنی اور سنگ باری ہوتی رہی۔ چار ماہ تک ہولناک مقابلے کے بعد صلیبی اس پل پر قابض ہو گئے۔

مزید آگے بڑھنے کے لیے انہوں نے زنجیروں کا حصار توڑ دیا مگر اتنے دنوں میں الملک الکامل محمد نے کچھ فاصلے پر ایک اور پل بنا کر اس پر فوج بٹھا دی تھی۔ بحری بیڑے کے وہاں پہنچتے ہی پھر زبردست لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک طویل لڑائی کے بعد یورپی جہاز رانوں نے اس پل پر بھی قبضہ کر لیا۔ الملک الکامل نے ہر تدبیر ناکام دیکھ کر ایک عجیب ترکیب آزمائی۔ اس نے بہت بڑی تعداد میں مال بردار قسم کی دیو ہیکل کشتیاں بنوائیں اور ان میں ہزاروں من پتھر لدوا کر ان کو صف در صف نیل کے دونوں کناروں کے درمیان کھڑا کر دیا۔ جب دشمن کا بحری بیڑا اس طرف آیا تو الملک الکامل نے حکم دیا کہ کشتیوں کے پیندوں میں سوراخ کر دیے جائیں، حکم کی تعمیل ہوئی۔ دیو ہیکل کشتیاں اس طرح دریا کی تہہ سے جا لگیں کہ ان کا بالائی حصہ سطح آب کو چھو رہا تھا۔ ہزاروں من پتھروں کے وزن کی وجہ سے ان کو اپنی جگہ سے ہلانا ممکن نہ تھا۔ عیسائی سپاہی ان کو ہٹانے کی کوئی ترکیب کارگر نہ دیکھ کر رک گئے۔

ممکن تھا کہ ان کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ دمیاط پر قبضے کا خیال دل سے نکال کر واپس چلے جاتے مگر انہی دنوں (جمادی الثانیہ 615ھ، اگست 1218ء میں) محافظ اسلام الملک العادل نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی وفات کے بعد مصر کے ایک مقامی امیر نے جس کا مصر میں بہت زیادہ اثر ورسوخ تھا الملک الکامل کے خلاف بغاوت کر دی، چنانچہ الملک الکامل کو دمیاط سے اس حالت میں نکلنا پڑا کہ صلیبی افواج دریائے نیل میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ان حالات میں مصر کی محافظ فوج کا نظام ابتر ہو گیا۔ آخر کار بائیس ماہ کی لگاتار کوشش کے بعد ذی قعدہ

615ھ (فروری 1219ء) میں فرنگی دمیاط کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شہر والے سپاہ کی کمی کے باوجود نو مہینے تک مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر کار شعبان 616ھ (نومبر 1219ء) میں انھیں ہتھیار ڈال کر شہر دشمن کے حوالے کرنا پڑا۔

دمیاط پر صلیبیوں کے قبضے کے ساتھ عالم اسلام کی مغربی سرحدیں بالکل غیر محفوظ ہو گئی تھیں۔ یورپی جہاز راں بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر کے راستے دور دور تک اپنی افوج پہنچا سکتے تھے۔ ابھی مسلمان اس صدمے سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ذی الحجہ 616ھ (فروری 1220ء) میں چنگیز خان کی شکل میں مشرقی افق پر کوندنے والی بجلیاں عالم اسلام کو جلا کر بھسم کرنے لگیں۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے نازک ایام شاید پہلے کبھی نہ گزرے ہوں۔ اسی لیے علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ 116ھ کے حالات میں تحریر کرتے ہیں:

''ایک طرف تاتاری کافر دشمنوں نے ماوراء النہر کے شہروں کو روند دیا، ان پر قبضہ کر کے ان کو برباد کر دیا اور خراسان، رے، آذربائیجان اور کرغستان تک پر غالب آگئے ...... اور دوسری طرف فرنگی یورپ کے بعید ترین ملکوں سے آئے، مغرب اور شمال کے بیچ سے ظاہر ہوئے اور مصر تک پہنچ گئے، دمیاط جیسے مستحکم مقام پر قابض ہو گئے اور وہاں سکونت پذیر ہیں اور مسلمان ان کو ہلانے کی سکت رکھتے ہیں نہ نکالنے کی۔ مصر کے باقی شہر بھی خطرے کی حالت میں ہیں:

انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم [1]

مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' مصر و شام کی شہری اور دیہی آبادیاں خوف و ہراس کا شکار ہو کر ہجرت کو نجات کا آخری ذریعہ سمجھتی تھیں مگر مغربی حملہ آوروں سے بچ کر وہ مشرق کا رخ کرتیں تو تاتاریوں کے چنگل میں پھنس جاتیں۔ بالکل یہی کیفیت مشرق میں خراسان اور خوارزم کے شہروں کی تھی کہ وہ ہجرت کر کے مغرب کا رخ کر رہے تھے مگر یہاں فرنگی حملہ آوروں کا خوف انھیں واپس دھکیل رہا تھا۔

ایک سال سخت نفسانفسی کے عالم میں گزرا۔ لگتا تھا مسلمانوں کو دنیا میں کہیں پناہ نصیب نہ ہوگی مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو حیرت انگیز قوت مدافعت عطا کی ہے کہ یہ مٹتے مٹتے اچانک ابھرنے لگتا ہے اور کفار کی غالب ترین قوتوں کو اپنی شکستگی اور کمزوری کے ایام میں بھی زیر و زبر کر ڈالتا ہے۔

تاتاری اور صلیبی حملہ آوروں سے ہزیمت اٹھانے کے بعد 618ھ میں رب العزت کی طرف سے نصرت غیبی کے دروازے کھل گئے۔ مشرق میں افغانستان اور خوارزم کے بچے کھچے مسلمان سلطان

[1] الکامل فی التاریخ:10/400_401 تحت 617 ہجری

جلال الدین کی قیادت میں جمع ہو کر تاتاریوں سے بھرپور مزاحمت کرنے لگے۔ ادھر مغرب میں الملک العادل کے بیٹے الملک الکامل محمد، الملک الاشرف موسیٰ اور الملک المعظم عیسیٰ (جو باپ کے انتقال کے بعد مصر و شام کے مختلف حصوں کے خود مختار بادشاہ بن گئے تھے) متحد ہو گئے اور دمیاط کو کفار کے ہاتھ سے چھڑانے کیلئے یک جان ہو کر اپنے اپنے لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

دمیاط ان دنوں یورپی اقوام کا مضبوط ترین مرکز بن چکا تھا جس سے وہ اردگرد کے وسیع عریض علاقے پر تسلط حاصل کیے ہوئے تھے۔ یورپی ممالک نے اپنے اپنے شہزادوں اور سپہ سالاروں کی قیادت میں اَن گنت سپاہی وہاں متعین کر دیے تھے۔ قلعہ اور فصیل مسلمانوں کے دور میں بھی اپنی پختگی اور استحکام میں بے مثال تھے مگر فرنگیوں نے بے تحاشا سرمایہ خرچ کر کے تین سال کے اندر اسے اتنا بلند اور مضبوط کر دیا تھا کہ اسے فتح کرنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔[1]

وادیٔ نیل کا تاریخ ساز معرکہ ❁ الملک الکامل محمد اور الملک الاشرف موسیٰ کی آمد کی خبر سن کر دو لاکھ دس ہزار سورماؤں پر مشتمل صلیب کا ٹڈی دل لشکر دمیاط کی فصیلوں سے نکلا اور دریائے نیل کی وادیوں میں آن پہنچا۔ مسلمانوں کی عددی نفری زیادہ نہ تھی مگر اب وہ فنا و بقا کی جنگ لڑنے پر مجبور تھے۔ ادھر صلیبی جنگجو اپنی افرادی برتری کے باعث فصیلوں میں محصور رہنے کی بجائے کھلے میدان میں شام و مصر کے اس مشترکہ لشکر کو روند کر مسلمانوں کے مغربی محاذوں کی طاقت کو مکمل طور پر ختم کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس فتح کے بعد بیت المقدس تک پہنچنے میں انہیں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

صلیبی جنگجوؤں کے یہ ارادے اور کھلے میدان کی صف بستہ لڑائی میں نقصانات کے امکانات مسلمانوں سے مخفی نہ تھے، اس لیے انہوں نے دریائے نیل کا رخ کیا۔ دونوں لشکر اس حال میں آمنے سامنے ہوئے کہ ان کے درمیان دریا کی ایک خلیج حائل تھی۔ یہاں دونوں لشکر مورچے سنبھال کر ایک مدت تک سنگ باری، آتش زنی اور تیر اندازی سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے رہے۔ دریائے نیل کی وجہ سے دشمن مسلمانوں پر عمومی دھاوا بول کر اپنی عددی کثرت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مسلمان غوطہ خور چھاپہ مار حملوں کے ذریعے انہیں خاصا جانی و مالی نقصان پہنچا رہے تھے۔ اس دوران فریقین میں صلح کے لئے مذاکرات بھی ہوئے جو ناکام رہے اور دونوں لشکروں نے "مارو یا مر جاؤ" کی ٹھان کر آخری حملے کی تیاری شروع کر دی۔

اسلامی لشکر نے دربار خلافت میں خلیفہ ناصر سے فوجی امداد کی استدعا کی مگر کوئی پذیرائی نہ ہوئی۔ جب

---

[1] الکامل لابن اثیر: 10/375، 376

مجاہدین بندوں کی امداد سے مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کا ظہور ہوا۔ مخبروں نے الملک الکامل اور الملک الاشرف کو اطلاع دی کہ صلیبی لشکر کی خوراک کے تمام بڑے ذخائر دمیاط شہر کے گوداموں میں محفوظ ہیں۔ نصرانیوں نے مختصر مدت کے لیے اناج کے محدود ذخائر ہی ساتھ لیے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی لشکر گاہ کے اردگرد نیل کی وادی میں پھیلے ہوئے کھیتوں اور باغات کی پیداوار انہیں تازہ بتازہ مل رہی ہے۔ ان کا سارا انحصار فی الحال انہی کھیتوں اور باغات پر ہے۔ اس اطلاع سے مسلم قائدین نے زبردست فائدہ اٹھایا اور "الحرب خدعة" (جنگ چال بازی کا نام ہے: الحدیث) کے بمصداق ایک فوجی دستے کو خفیہ طور پر دریا کے پار بھیج کر صلیبی افواج کے کیمپ سے کچھ فاصلے پر دریا کا بند تڑوا دیا۔ دریا کا پانی سیلاب کی شکل میں ان تمام میدانوں، کھیتوں اور باغات میں پھیل گیا جو فرنگی لشکر کے اطراف میں تھے۔ اس اچانک افتاد سے صلیبی بدحواس ہو گئے۔ ان کی افراتفری سے موقع پا کر الملک الکامل نے اپنے لشکر کے ساتھ سیلاب زدہ علاقے سے پرے ہو کر دریا عبور کر لیا اور دمیاط کے قریب پہنچ کر اس شاہراہ پر قبضہ کر لیا جو صلیبی لشکروں کی واپسی کا واحد راستہ تھا۔ اس دوران دمشق سے الملک المعظم عیسیٰ کا لشکر بھی ایک دوسرے راستے سے دمیاط پہنچ گیا۔

اب صلیبی حملہ آور چاروں طرف سے گھر گئے۔ منجنیقوں سے ان پر سنگ باری مسلسل ہو رہی تھی۔ مجاہدین ہر طرف سے پے بہ پے حملے کر کے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ غذائی اجناس کی کمی موت بن کر صلیبیوں کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر آخر کار دو لاکھ نصرانیوں نے انتہائی ذلت کی حالت میں ہتھیار ڈال دیے۔ [1]

9 رجب 618ھ (28 اگست 1221ء) کو فتح مند اسلامی لشکر دمیاط میں داخل ہوا۔ مسلمانوں نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ الملک الکامل نے ایک عظیم الشان محفل منعقد کی، عوام و خواص سب کو جمع کیا، بیس فرنگی شہزادے، بیسیوں صلیبی راہب اور لاتعداد شکست خوردہ عیسائی سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر راجح الحلی نامی ایک شاعر کھڑا ہوا اور فی البدیہہ گویا ہوا:

حَبَانَا اِلٰهُ الْخَلْقِ فَتْحًا بَدَا لَنَا ٭ مُبِيْنًا وَّاِنْعَامًا وَّعِزًّا مُّؤَبَّدًا

رب کائنات نے ہمیں واضح طور پر فتح مبین عطا فرمائی اور اپنی نعمتوں اور دائمی عزت سے مالا مال فرما دیا۔

تَهَلَّلَ وَجْهُ الدَّهْرِ بَعْدَ قُطُوْبِهٖ ٭ وَاَصْبَحَ وَجْهُ الشِّرْكِ بِالظُّلْمِ اَسْوَدَا

[1] الکامل فی التاریخ: 10/377 تا 380

زمانے کا شکن آلود چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا اور شرک کا منہ تاریکیوں میں چھپ کر سیاہ ہو گیا۔

وَنَادٰی لِسَانُ الْکَوْنِ فِی الْاَرْضِ رَافِعًا عَقِیْرَتَهٗ فِی الْخَافِقِیْنَ وَ مُنْشِدًا

کائنات بزبانِ حال ان لرزہ براندام نصرانیوں کو پکار کر با آواز بلند کہنے لگی......

اَعُبَّادَ عِیْسٰی اِنَّ عِیْسٰی وَحِزْبَهٗ وَمُوْسٰی جَمِیْعًا یَخْدِمُوْنَ مُحَمَّدًا

اے عیسیٰ کو پوجنے والو! دیکھو تو سہی عیسیٰ (الملک المعظم) اس کا لشکر اور موسیٰ (الملک الاشرف) متحد ہو کر محمد ﷺ (کے دین) کی خدمت کر رہے ہیں۔ [1]

چھٹی صلیبی جنگ۔ القدس جرمنوں کے حوالے: چھٹی صلیبی جنگ 624ھ (1228ء) میں شاہِ جرمنی فریڈرک دوئم کی قیادت میں مسلمانوں پر مسلط کی گئی۔ اس وقت مصر اور فلسطین کے حاکم الملک الکامل کا اپنے بھائی الملک المعظم سے جو دمشق کا حاکم تھا، جھگڑا چل رہا تھا اس لیے مسلمان مرعوب ہو گئے اور الملک الکامل نے جنگ سے بچنے کے لیے القدس کو ایک معاہدے کے تحت خاص مدت تک کے لیے جرمنوں کے حوالے کر دیا گیا جس سے عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

18 سال تک بیت المقدس سیاسی شطرنج کا ایک مہرہ بنا رہا۔ 631ھ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عیسائی معاہدے میں طے شدہ ادب و آداب کو بھی بھول گئے اور مقامی مسلمانوں کے سامنے مسجدِ اقصیٰ میں گھنٹیاں بجانے اور گنبدِ صخریٰ پر چڑھ کر شراب پینے لگے مگر انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ [2]

یہ دیکھ کر مصر کے دلیر حکمران الملک الصالح نجم الدین کی غیرت نے انگڑائی لی۔ اس نے خود بھی ایک لشکر تیار کیا اور سلطان جلال الدین خوارزم شاہ شہید کے باقی ماندہ خوارزمی سپاہیوں کو بھی مدد کے لیے پکارا۔ وہ 642ھ (1244ء) میں اپنے آزاد منش افسران کی قیادت میں دریائے فرات عبور کر کے فلسطین میں داخل ہوئے اور یکدم بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ چوں کہ نصرانیوں سے معاہدے شام کے حکمرانوں نے کیے تھے، خوارزمیوں نے نہیں، اس لیے انہیں شہر پر قابض ہونے، نصرانیوں کا خون بہانے اور ان کی املاک کو نذرِ آتش کرنے سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ اس طرح سلطان ایوبی کی امانت مسلمانوں کو واپس مل گئی۔

شام کی عیسائی ریاستوں نے یہ دیکھا تو اسے مذہبی کے بجائے وطنی مسئلہ قرار دیتے ہوئے دمشق اور دوسرے شہروں کے مسلمان حاکموں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی جنگ کی تیاری کی۔ اس دوران الملک الصالح نجم الدین نے اپنے سالار رکن الدین بیبرس کو فوج دے کر خوارزمیوں کا ساتھ دینے کے لیے بھیج دیا تھا۔

[1] البدایہ والنہایہ: سن 616 ہجری تا 618 ہجری

[2] السلوک لمعرفۃ دول الملوک: 1/102 ش

جمادی الاولیٰ 642ھ (اکتوبر 1244ء) میں غزہ کے مقام پر زوردار معرکہ ہوا جس میں خوارزمیوں اور مصریوں نے مل کر نصرانیوں اور ان کے اتحادی مسلمانوں کو عبرتناک شکست دی۔ اتحادی غزہ کے میدان میں 30 ہزار لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے اور القدس کے بارے میں کفار کے ارادے خاک میں مل گئے۔ [1]

ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:

''غزہ کی جنگ کے بعد فلسطین اور یروشلم ہمیشہ کے لیے نصرانیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔'' [2]

سلطان بیبرس اور ساتویں صلیبی جنگ ⁂ عیسائی دنیا ہمت ہار چکی تھی کہ ایک مدت بعد ایک جنونی حکمران نے اسے پھر سے صلیب کی خاطر لڑنے کا حوصلہ دیا۔ یہ فرانس کا حکمران لوئیس نہم تھا جسے دنیائے نصرانیت ''سینٹ لوئی'' کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ اس نے پاپائے روم کی ترغیب پر 646ھ (1248ء) میں ساتویں صلیبی جنگ کا علم بلند کر کے مصر کے ساحل کا رخ کیا۔ 647ھ (1249ء) میں وہ مصر کی بندرگاہ دمیاط پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

اس وقت مصر کے حالات بہت نازک تھے۔ شاہ مصر الملک الصالح شدید بیمار تھا۔ جنگ کے دوران 15 شعبان 647ھ (22 نومبر 1249ء) کو اس کا انتقال ہو گیا۔ تاہم اس کی ملکہ شجرۃ الدرّ نے پوری شجاعت سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا۔ خوش قسمتی سے اسے بیبرس جیسے سالار میسر تھے اس لیے مسلمانوں نے فرنگیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ آخر کار 2 محرم 648ھ (6 اپریل 1250ء) کو خود سینٹ لوئیس منصورہ کے مقام پر شکست کھا کر قیدی بن گیا۔

اس دوران الملک الصالح کا بیٹا الملک المعظم توران شاہ اس کا جانشین بن گیا تھا مگر جلد ہی وہ ایک محلاتی سازش کا شکار ہو کر مارا گیا اور ملکہ شجرۃ الدرّ نے مصر کا تخت و تاج سنبھال لیا۔ اس نے صفر 648ھ میں بھاری فدیہ لے کر شاہِ فرانس کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ دس سال تک فرانس کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوگا۔

نصرانیوں کو اس شکست کا اتنا غم ہوا کہ بعض شہروں میں لوگوں نے اپنے گرجوں میں آویزاں مریم و مسیح کی تصاویر کو سیاہی سے لیپ دیا۔ [3]

گیارہ ماہ کی ناکام مہم جوئی، قید و بند، مسلسل علالت اور سب سے بڑھ کر شکست کے اذیت ناک احساس نے شاہِ فرانس کے دل و دماغ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ رہائی پانے کے بعد فرانس واپس جانے کی بجائے چار سال تک ایک درویش کی شکل میں فلسطین میں رکا رہا اور اپنا غم غلط کرنے کے

1. السلوک لمعرفۃ دول الملوک: 1/103، 104 ملخص
2. صلیبی جنگیں: 497
3. الحروب الصلیبیۃ للسرجی المطوی: 122 تا 124

ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب اور ان کے کمزور پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ ساتھ ہی وہ شام میں نصرانیوں کے باقی ماندہ قلعوں کو مضبوط کراتا رہا۔ چار سال بعد اس نے دوبارہ یورپ جا کر تخت وتاج سنبھال لیا۔[1]

سلاطینِ اسلام نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ جب تک عالم اسلام کے ساحلوں کی چپہ بھر زمین بھی نصاریٰ کے پاس رہے گی وہ اسلامی ممالک میں دخل اندازی سے باز نہیں آئیں گے، اس لیے ایک عرصے تک انہوں نے بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے کنارے اسلامی دنیا سے متصل عیسائی ریاستوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اس دوران مصر کے نئے حکمران سلطان رکن الدین بیبرس نے ساحل شام سے نصرانیوں کا صفایا کرنے کی مہم شروع کی اور 666ھ (1268ء) میں انطاکیہ کی صلیبی ریاست کا بھی خاتمہ کردیا جس سے یورپ میں پھر کھلبلی مچ گئی۔[2]

آٹھویں صلیبی جنگ: کچھ مدت بعد پوپ کی درخواست پر فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے یورپی ممالک کو متحد کر کے ایک بار پھر صلیبی جنگ لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ 668ھ (جولائی 1270ء) میں اس نے حملہ کیا مگر اس بار بھی حالات موافق نہ ہوئے۔ تیونس کا ناکام محاصرہ کرنے کے سوا وہ کچھ نہ کرسکا اور محاصرے کے دوران ہی بیمار پڑ کر مر گیا۔ اس کی مدد کے لیے آنے والے برطانوی شہزادے ایڈورڈ نے 670ھ (1272ء) میں قیساریہ کے مقام پر مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کرلیا اور صلیبی جنگجو واپس ہوگئے۔[3]

یہ صلیبی جنگوں کا آخری حملہ تھا جو تیونس کے ناکام محاصرے پر ختم ہوگیا۔ سینٹ لوئیس کے بعد کسی یورپی بادشاہ کو صلیب کے نام پر ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہ ہوسکی۔ اس طرح آٹھویں صلیبی جنگ پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہوگیا۔ اس کے بعد صلیبی حکومتوں کو متحدہ طور پر عالم اسلام کے خلاف یلغار کا موقع نہ ملا بلکہ وہ باہمی خانہ جنگی میں مشغول ہوگئے۔ یہ صورتحال سراسر مسلمانوں کے حق میں تھی۔ سلطان بیبرس کے بعد الملک المنصور سیف الدین قلاوون نے صلیبیوں کی مزید تین ریاستوں حصن المرقب، طرابلس اور طرطوس پر قبضہ کرلیا۔ ان کے جانشین الملک الاشرف خلیل نے ربیع الثانی 689ھ (اپریل 1290ء) میں عالم اسلام سے ملحق آخری عیسائی ریاست عکا کو بھی فتح کرلیا۔ اس طرح پانچویں صدی ہجری کے کروسیڈ کی باقیات کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی 489ھ

---

[1] نہایۃ الارب: 8/130 تا 140 ملخص
[2] البدایہ والنہایہ تحت 666 ہجری
[3] البدایہ والنہایہ تحت 670 ہجری

(1096ء) میں شروع ہونے والی دو سو سالہ صلیبی جنگیں اپنے انجام کو پہنچیں۔[1]

بلاشبہ ان جنگوں کے نتائج مسلمانوں کے حق میں رہے اور اقوام یورپ کو سوائے ذلت، رسوائی، ناکامی، جانی و مالی نقصان اور مکمل شکست کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ جنگوں کے اس طویل سلسلے میں مسلمانوں کی کئی نسلوں نے جہاد کیا۔

اس دوران ان پر بڑے بڑے صبر آزما مراحل آئے، ہمت شکن مصائب سے سابقہ پڑا۔ شہادتیں، گرفتاریاں، پسپائیاں اور شکستیں بھی ان کے حصے میں آئیں مگر انہوں نے کمال ہمت و پامردی سے نسل در نسل جہاد جاری رکھا اور بالآخر ارضِ اسلام کو غاصب یورپیوں سے پاک کر کے دم لیا۔ اس کے بعد صدیوں تک یورپ کو سرزمین اسلام کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ ان کی ہمت اور حوصلے کی آخری حد یورپ کی مدافعت تک محدود رہ گئی۔

انہی سطور پر راقم اپنے قلم کو روک کر اس تاریخی سلسلے کا اختتام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی تاریخ سے سبق حاصل کرنے اور دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں یکجا اور سربکف ہونے کی ہمت عطا فرمائے۔ صلاح الدین ایوبی کی تاریخ کا سب سے بڑا پیغام یہی ہے۔[2]

---

[1] الحروب الصلیبیۃ للصلابی: 136 تا 140

[2] شعبان 1427ھ مطابق اگست 2006ء میں شروع ہونے والا یہ کام آج جمعرات 6 ربیع الاول 1432ھ مطابق 10 فروری 2011ء رات 9 بجے ساڑھے چار سال کی مدت میں مکمل ہوا۔۔۔ الحمدللہ۔۔۔

◆ نظرثانی کے کام سے 16 رمضان المبارک 1433ھ مطابق 6 اگست 2012ء کو شب ڈھائی بجے فارغ ہوا۔

◆ حوالہ جات کی تخریج کا کام 25 ربیع الاول 1435ھ مطابق 27 جنوری 2014ء کو پورا ہوا۔

اَسباقِ تاریخ

- وقتِ آخر قریب محسوس ہو تو ماتحتوں اور نائبین کو اہتمام سے آئندہ کے لیے نصیحتیں کر دینا ضروری ہے۔
- کسی بڑی مہم کے اختتام یا کسی اہم ہدف کے حصول کے بعد کچھ دنوں تک معمولات کو تبدیل کر لینا چاہیے۔
- کچھ تفریح، سیر و شکار اور آرام اپنی جان کے حقوق ہیں جو ادا کرنے چاہییں۔ اہلِ خانہ کے ساتھ کچھ وقت گزارکر انہیں بھی ان کا حق دینا چاہیے۔
- بڑے لوگ فارغ اوقات میں بھی اگلے کام کا ذہنی خاکہ ضرور بنا کر رکھتے ہیں۔ ان کی فراغت گھوڑے بیچ کر سونے والوں جیسی نہیں ہوتی۔ صلیبی جنگ کے بعد سلطان کے اور بھی عزائم تھے جن کی تکمیل کا وقت نہ ملا۔
- جنگ خود کوئی مقصد نہیں۔ حالات اسے ناگزیر بنا دیتے ہیں۔ اس سے فارغ ہوتے ہی حکمران کو دین کی خدمت، اسلام کی اشاعت، عوام کی فلاح و بہبود، عدل و انصاف اور ملکی ترقی و خوشحالی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔
- موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ زندگی بہت بے اعتبار شے ہے۔ بڑے سے بڑی شخصیت بھی ایک دن اس جہانِ فانی کو چھوڑ جاتی ہے۔ بس باقی رہ جاتا ہے اس کا کردار...... اس کا طرزِ عمل...... خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو جانے والوں سے سبق حاصل کریں۔
- بسا اوقات عظیم دینی و ملی شخصیات کا اٹھ جانا بڑے حوادث کے ٹوٹ پڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔ سلطان ایوبی کے بعد صلیبی ان کے جانشینوں سے نبرد آزما ہو گئے۔
- اچھے جانشین میسر آنا اللہ کی بڑی نعمت اور کام کی قبولیت کی علامت ہے۔ سلطان کے بعد الملک العادل نے اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی ذمہ داری پوری مستعدی سے انجام دی۔
- جانشینوں کی بنیادی تربیت اچھی کر دی جائے تو بعد میں وہ خود زمانے سے بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں اور اپنی کوتاہی کا ازالہ کر لیتے ہیں۔ الملک العادل کے جانشین کچھ مدت تک منتشر رہ کر صلیبیوں کے سامنے کھڑے نہ ہو سکے مگر پھر متحد ہو کر انہوں نے صلیبی افواج کو نہ بھولنے والا سبق دیا۔
- طاغوتی طاقتیں بار بار ناکام حملے کر کے بھی مایوس نہیں ہوتیں۔ ملتِ نصاریٰ نے دو سو سال تک

القدس کے لیے صلیبی جنگیں لڑیں۔ پھر مسلمان بھلا وقتی ناکامیوں سے کیوں مایوس ہوں؟ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں:

﴿وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ [1]﴾

"اور کمزوری نہ دکھاؤ (حریف) قوم کا پیچھا کرنے میں۔ اگر تمہیں کوئی دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچا ہے جیسا کہ تمہیں دکھ پہنچا ہے۔ اور تم تو اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی غور سے پڑھنا چاہیے:

﴿إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ [2]﴾

"اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے تو مخالف قوم کو بھی اسی قسم کا زخم لگ چکا ہے...... اور یہ وہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے...... اور (اللہ) تم میں سے کچھ کو شہادت کے منصب پر فائز کرے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

---

[1] سورۃ النساء
[2] سورۃ آل عمران

اختتامیہ

بیت المقدس اور یہود

یہود کا دیرینہ خواب

دو صدیوں کی سرتوڑ کوشش کے بعد نصرانی القدس پر قبضے سے مایوس ہو گئے مگر ایک جماعت ایسی تھی جو مقدس سرزمین پر راج کرنے کا خواب نہ جانے کب سے دیکھ رہی تھی اور اپنے عزائم کو سات پردوں میں چھپائے ہوئے تھی۔ یہ وہ یہودی تھے جو نسل در نسل ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا جذبہ لیے، مناسب موقعے کی تلاش میں تھے اور اس کے لیے خفیہ سازشوں میں مصروف تھے۔ دو ہزار سالوں میں وہ پانچ بار القدس پر قبضے کی تحریکیں چلا چکے تھے اور ہر بار ناکامی سے دوچار ہوئے تھے۔ البتہ ان تحریکوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ اُن میں مذہبی اور قومی جذبات بیدار رہے اور وہ سوتے جاگتے عالمگیر غلبے کے خواب دیکھتے رہے۔

صدیوں سے یہود کا عقیدہ چلا آرہا ہے کہ قیامت سے قبل ان کا ایک نجات دہندہ ظاہر ہوگا جو مافوق الفطرت قوتوں کا حامل ہوگا، وہ عالمگیر بادشاہ بنے گا، اس کی آمد سے قبل القدس پر یہود کا قبضہ ہوگا، مسجد اقصیٰ کسی قدرتی آفت سے منہدم ہو چکی ہوگی، اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر ہو چکا ہوگا، تب عالمگیر یہودی بادشاہ آکر اس میں تخت نشین ہوگا اور یہود کی عالمی حکومت کا دور شروع ہوگا۔ علامتِ قیامت سے متعلق اسلامی عقائد اور یہود کے اس عقیدے کا موازنہ کریں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہودی صدیوں سے جس رہنما کا انتظار کر رہے ہیں وہ ''کانا دجال'' ہے۔

ٹیمپلرز اور فری میسنری ؛ اس تصنیف کی جلد اوّل میں ہم نے ٹیمپلرز کا تعارف کرایا تھا۔ یہ بظاہر رضا کار نصرانیوں کی ایک تنظیم تھی جو القدس کی محافظ تھی۔ یورپ کی حکومتیں ان سے تعاون کرتی تھیں۔ ٹیمپلرز نے بیت المقدس میں مسجدِ اقصیٰ کے پاس (جہاں یہود ہیکلِ سلیمانی بنانا چاہتے ہیں) اپنے ہیڈ کوارٹر کے طور پر زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا تھا۔ یہاں انہوں نے اپنی ایک الگ عبادت گاہ بنائی، جو بظاہر گرجا (Church) تھی، لیکن اندر کیا ہو رہا تھا، یہ سینکڑوں سال بعد کھلا۔

ٹیمپلرز سود خوری اور سرمایہ داری میں طاق تھے، جیسا کہ یہودی۔ بڑے بڑے عیسائی بادشاہ ان سے قرضے لیتے اور ان کی تنظیم کی اعزازی رُکنیت اختیار کرتے تھے۔ شاہِ برطانیہ رچرڈ شیر دل بھی جو تیسری

صلیبی جنگ کا یورپی ہیرو تھا، ٹیمپلرز میں اعزازی رکنیت حاصل ہونے پر فخر کرتا تھا۔

جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے نصرانیوں سے جہاد شروع کیا تو ٹیمپلرز اُن کے سب سے سخت حریف ثابت ہوئے۔ سلطان ایوبی نے عام عیسائیوں کے ساتھ تو اچھا سلوک کیا، لیکن ٹیمپلرز کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانشینوں کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں آخر کار شام ٹیمپلرز کے وجود سے پاک ہو گیا۔ تب ان کے باقی ماندہ لوگ فرار ہو کر بحیرۂ روم کے جزیروں میں چلے گئے۔ ان کی مال داری کا یہ عالم تھا کہ پہلے انہوں نے جزیرۂ قبرص خرید کر اُسے اپنا مرکز بنایا۔ پھر یورپ میں قدم جمائے اور وہاں باقاعدہ بینکنگ کا نظام قائم کرلیا۔ سوئزرلینڈ ان کا مرکز تھا جہاں دنیا جہان کی دولت ٹیمپلرز کے بینکوں میں جمع ہوتی تھی۔ ایک صدی کے اندر انہوں نے یورپ میں اتنا اثر ورسوخ حاصل کرلیا کہ حکومتوں کے متوازی حکومت بن گئے۔ ان کی سرکشی سے تنگ آکر فرانس اور انگلینڈ وغیرہ میں ان کے خلاف ایک مُہم شروع کی گئی۔

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ عیسائی نہیں شیطان کی پوجا کرنے والے یہودی ہیں۔ مذہبی اور ملکی قوانین کی خلاف ورزی پر انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ تنظیم کو کالعدم قرار دے دیا گیا اور املاک ضبط کرلی گئیں۔ لیکن ٹیمپلرز ختم نہیں ہوئے۔ زیرِ زمین چلے گئے۔ موقع ملتے ہی انہوں نے اسکاٹ لینڈ میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کیا اور ساتھ ہی انہوں نے سوئزرلینڈ میں بھی اپنے قدم جمالیے۔ تین صدیوں تک ٹیمپلرز نے خود کو ظاہر نہ کیا اور بڑی خاموشی سے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لیے سرگرم رہے۔ ایک صدی بعد انہوں نے فری میسنری کی شکل میں نیا جنم لیا جس کی ساخت، اہداف اور طریقۂ کار سے متعلق ہر بات اتنی خفیہ ہے کہ تمام حقائق اب تک منظر عام پر نہیں آسکے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں فری میسنری اور یہودی دانشوروں کی سرگرمیوں کی وجہ سے یورپ کی کئی حکومتیں ایک الگ آزاد وطن کے لے جاری یہودی تحریک کی حامی بن چکی تھیں۔ تب یہودی دانشوروں نے اپنے ہمنوا یورپی حکمرانوں کو اس بات کا قائل بھی کرلیا کہ وہ خود یہود کے لیے ایک آزاد وطن کی تحریک کی آواز بلند کریں۔

یورپی حکمران یہودیوں کی خباثت سے بخوبی واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ قوم ہر ملک کے لیے تباہی کا باعث بنتی رہی ہے لیکن ایک تو وہ یہودیوں کی دولت اور علمیت سے مرعوب تھے۔ دوسرے انہیں یہود کے ایک الگ مملکت میں منتقل ہوجانے کے بعد یہ امید تھی کہ یورپ ان کی شیطنت سے محفوظ ہوجائے گا۔ انہیں یہ بھی توقع تھی کہ اس طرح مسلم دنیا یہود کا اصل ہدف بن جائے گی اور یوں ان کے

ذریعے مسلمانوں کی قوت وشوکت کو پاش پاش کیا جاسکے گا۔ چنانچہ یہود کی حمایت اور انہیں فلسطین میں آباد کرنے کے لئے یورپی سیاستدانوں ہی کی سرپرستی میں کوششیں شروع ہوئیں اور یوں یہودی ایک مضبوط تحریک چلانے کے قابل ہو گئے۔ ان لوگوں نے مل کر صہیونیت کی تجدید کی جو دراصل مسجد اقصیٰ پر قبضے کی انتہائی قدیم یہودی تحریک تھی۔ یوں 1879ء میں ''عالمگیر صہیونی تحریک'' کا آغاز ہوا جس کا بانی آسٹریا (یورپ) کا ایک صحافی ''تھیوڈور ہرٹزل'' تھا۔ اس نے سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں منعقدہ اس تحریک کی پہلی کانفرنس میں اعلان کیا کہ ہم فلسطین میں آزاد یہود مملکت قائم کریں گے۔

فلسطین میں یہود کی آبادکاری: کانفرنس کے تین سال بعد 1901ء میں ہرٹزل خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی سے ملا اور بھاری رقم کے بدلے فلسطین کی زمین طلب کی لیکن سلطان نے صاف انکار کر دیا۔ تب یہودیوں نے براہِ راست عثمانی خلافت کو سبوتاژ کر کے فلسطین پر قبضے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے برطانیہ سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ ساتھ ہی خلافتِ عثمانیہ کی جڑیں کاٹنے کی سازشیں بھی جاری رہیں اور آخر کار 1908ء میں مصطفیٰ کمال پاشا جیسے ترک فوج کے اہم عہدے داروں کے ذریعے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی گئی۔ اس طرح ترکی میں جمہوریت قائم کر کے خلافت کو برائے نام حیثیت دے دی گئی۔ اس دوران فلسطین میں یہود کی محدود آبادکاری شروع ہو گئی تھی جس میں برطانیہ کے یہودی وزیراعظم ڈزرائیلی نے بہت سرگرم کردار ادا کیا تھا۔ یہودیوں نے جافا (یافا) کے مضافات میں تل ابیب نامی نئی بستی بھی آباد کی جو آج کل اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر فلسطین کو اردن اور فلسطین میں تقسیم کر کے کمزور کر دیا گیا تو لیگ آف نیشنز نے جو اس دوران یہودیوں ہی کی کوشش سے وجود میں آئی تھی اعلان بالفور میں یہود کی فلسطین میں آبادکاری کو ایک باقاعدہ شق کی حیثیت دے دی چنانچہ یہودیوں نے بڑے پیمانے پر فلسطینیوں سے زمینیں خریدنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ برطانیہ کی سرپرستی میں یہودیوں کی ایک پولیس بھی تشکیل دے دی گئی۔ اکثر فلسطینی مسلمان یہودیوں کو زمینیں فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ علمائے امت کی طرف سے اس کی حرمت کا فتویٰ آچکا تھا۔ برصغیر کے مایہ ناز محقق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہ فتویٰ دیا تھا کہ فلسطین میں کسی بھی مسلمان کے لیے یہودیوں کو اپنی زمین بیچنا حرام ہے۔ [1]

یہ دیکھ کر برطانیہ نے فلسطین کی بڑی بڑی سرکاری جاگیریں یہودیوں کو دے کر انہیں نئی بستیاں آباد کرنے کا موقع دیا۔ اکثر بستیاں ساحل یا شہروں کے قریب تھیں۔ اس طرح یہودی فلسطین کی

[1] امداد الفتاویٰ: جلد سوم صفحہ 59

زراعت، سمندری تجارت اور بیرونی نقل وحمل کے راستوں پر قابض ہو گئے۔

تحریک جہاد اور وائٹ پیپر: 1936ء میں فلسطینی مسلمانوں نے یہود کی ناجائز آبادکاری سے تنگ آکر مسلح جہاد شروع کر دیا اور خاصے علاقے پر قابض ہو گئے۔ انگریز ان پر قابو نہ پا سکے۔ ادھر دوسری جنگ عظیم کے خطرات سر پر آ گئے۔ تحریکِ جہاد کو جلد از جلد ختم کرنے کے لیے 1939ء میں برطانیہ نے فلسطینی شیوخ کو پیشکش کی کہ اگر وہ ہتھیار رکھ دیں تو ان کے تمام قرضے معاف کر دیے جائیں گے۔ انہیں دس سال کے اندر ایک آزاد وطن دیا جائے گا۔ ان دس سالوں میں 75 ہزار سے زیادہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر یہودی ریاست نہیں بنائی جائے گی۔ اس پیش کش کو ''وائٹ پیپر'' کہا جاتا ہے۔ اردن کے بعض سرکردہ شیوخ اس پر آمادہ ہو گئے۔ اس طرح تحریک جہاد ختم ہو گئی۔ بعد میں وائٹ پیپر ایک دھوکا ثابت ہوا۔ عالمی طاقتوں نے وائٹ پیپر کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈیڑھ لاکھ کے قریب یہودیوں کو غیر قانونی طور پر فلسطین میں آباد کیا۔

اسرائیل کا قیام: کچھ مدت بعد دوسری عالمی جنگ چھیڑی گئی اور اس بار صہیونیوں کے ہاتھوں اقوام متحدہ وجود میں آئی۔ جس کے بعد نومبر 1947 میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ یہود کو اُن کا وطن ملے گا۔ اقوام متحدہ کے تشکیل پانے کے کچھ ہی عرصے بعد 1947ء میں فلسطین کو یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کی قرارداد پیش کی گئی۔ اس رائے شماری میں تمام رکن ملکوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ چند مخصوص ممالک کو ووٹ دینے کا حق دیا گیا تھا۔ اس کی مخالفت میں پانچ اور حق میں صرف تین ووٹ آئے۔ قرارداد کو منظور کروانے کے لئے تین ووٹ اور چاہیے تھے۔ چنانچہ بدترین دھاندلی کرتے ہوئے رائے شماری میں فلپائن، ہنگری اور لائبیریا جیسے چند غریب ترین ممالک کو بھی شامل کر لیا گیا اور ان پر یہودیوں کے حق میں ووٹ دینے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ ان قحط زدہ ملکوں کی حکومتوں کو مالی رشوتیں بھی دی گئیں۔ اس طرح صہیونی لابی نے اسرائیل کے قیام کی قرارداد منظور کرائی۔

قراداد کی منظوری کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ فلسطین میں آباد 33 فیصد یہودیوں کو اس ملک کا 55 فیصد حصہ ملے گا۔ جبکہ 67 فیصد فلسطینی مسلمانوں کو 45 فیصد رقبہ دیا جائے گا۔ 33 فیصد یہود اور 67 فیصد فلسطینیوں کا پرچار اقوامِ متحدہ کی اپنی مردم شماری کی بنیاد پر کیا جا رہا تھا جو دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف تھا۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق فلسطین کی کل آبادی 18 لاکھ 45 ہزار تھی جس میں چھ لاکھ یہودی اور گیارہ لاکھ سے زائد مسلمان تھے۔ نصرانی صرف 35 ہزار تھے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اُس وقت فلسطین میں مقامی مسلمان 94 فیصد اور یہودی صرف 6 فیصد تھے۔

آخر کار 14 مئی 1948 کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہوگیا، اس کے قیام کے دس منٹ بعد امریکہ نے اسے قبول کرلیا۔ پورے عالمِ اسلام میں اس کے خلاف شور ہوا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے علاوہ دیگر غیر مسلم ممالک بھی اس بے انصافی پر احتجاج کر رہے تھے، سب کو خطرہ تھا کہ اسرائیل کے قیام سے ان مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ لیکن کسی کی ایک نہ سُنی گئی۔ امریکہ کے ساتھ ایک اور بڑی طاقت روس بھی نے اسرائیل کی حمایت کا اعلان کیا۔

اسرائیل کے قیام کے بعد مصر، یمن اور دوسرے عرب ممالک میں آباد مزید آٹھ لاکھ سے زائد یہودی اپنے خوابوں کی اس سرزمین میں منتقل ہو گئے۔

سقوطِ بیت المقدس: نومبر 1948 میں جب فلسطین کی جگہ اسرائیل قائم ہوا تو اس کا رقبہ 7993 مربع میل تھا مگر صہیونیوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا، اسرائیل کی صہیونی حکومت مسلسل گرد و نواح کی اسلامی مملکتوں پر تاخت و تاراج کرتی رہی اور شام کے بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ 5 جون 1968ء (8 ربیع الاول 1388ھ) کو اسرائیلی افواج نے اُردن پر حملہ کردیا۔ اس فوج کی کمان سابق برطانوی وزیرِ اعظم چرچل کا بیٹا کر رہا تھا۔ اُردن کے مجاہدین نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن اُردن کے بادشاہ شاہ حُسین کا خاندان خود یہودیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ اس لیے صہیونی القدس پر قابض ہو گئے۔ یہ عالمِ اسلام کی تاریخ کا انتہائی دردناک دن تھا۔ بیت المقدس جو 12 اکتوبر 1187ء (27 رجب 583ھ) کو سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے رفقاء کی ناقابلِ فراموش قربانیوں کے نتیجے میں آزاد ہوا تھا، 781 برس بعد اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی غداریوں کے باعث یہود کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک صہیونی مسجدِ اقصیٰ کو برباد کرنے کی کوششیں کرتے آ رہے ہیں۔ اُسے نذرِ آتش کرنے کے علاوہ اُس کے نیچے سرنگیں کھود دی گئی ہیں تاکہ کسی معمولی سے زلزلے سے مسجد گر جائے اور انہیں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا بہانہ مل سکے۔

یہود اور امریکا: اسرائیل صرف بیت المقدس پر اکتفا نہیں کر رہا بلکہ پوری دنیا پر یہودی تسلط کا خواہاں ہے۔ اس گھناؤنے خواب کی تعبیر کے لیے یہودیوں کو امریکا کی سرزمین سب سے زیادہ راس آئی ہے کیونکہ یہودی دنیا پر جس قسم کی چودھراہٹ قائم کرنا چاہتے ہیں امریکا شروع سے وہی ذہنیت رکھتا ہے۔ یہودی امریکا کی شریانوں پر قابض اور اس کی سیاست و معیشت میں سب سے زیادہ دخیل ہیں۔ انہوں نے اپنے عزائم اور منصوبوں کو امریکی عزائم اور منصوبوں کی شکل دے دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا کی باندی اقوام متحدہ نے اسرائیل کی زیادتیوں کو ہمیشہ نظرانداز کیا ہے۔ شام، اُردن، مصر

اور لبنان پر اس کے متعدد جارحانہ حملوں کے خلاف کبھی کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی گئی۔ 1966ء، 1968ء، 1973ء، اور 1982ء، کی جنگوں میں عربوں کے قتلِ عام اور ہر قسم کے ممنوع اسلحے کے استعمال کو کبھی دہشت گردی شمار نہیں کیا گیا۔ 2000ء سے تا حال غزہ اور حماس کے زیر انتظام فلسطین میں بدترین خون ریزیوں کو کبھی قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ اقوام متحدہ کے ذریعے تادیبی کارروائی ہوتی ہے تو عراق اور افغانستان کے خلاف۔ یہ حقائق اس سچائی کا ثبوت ہیں کہ اقوام متحدہ یہودیوں کے عالمی تسلط کا جال ہے نہ کہ قیام امن اور عدل و انصاف کا کوئی ادارہ۔ امریکا کی یہود نوازی کا سب سے بڑا ثبوت خود سابق امریکی صدر بش جونیئر کا وہ بیان ہے جو اس نے افغانستان پر حملے کے بعد ایک تقریب میں دیا۔ اس میں بش نے واضح طور پر کہا:

"ہمارے دشمن مشرق وسطیٰ سے اسرائیل کو مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ میری لاش پر سے گزر کر ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ غیر یہودی اور مسیحی بینکوں اور خیراتی اداروں کو بند کر کے ہم نے ان دہشت گردوں کو مال سے بھی محروم کردیا ہے۔ اب بھوکے بچوں کو کھانا دینے کے بہانے ان کو قبول نہیں کیا جائے گا۔
میرے والد (جارج بش سینئر) کی قیادت میں اگرچہ امریکا نے سرد جنگ لڑی ہے لیکن آج ہمارے پاس موقع ہے کہ ہم اپنے پرانے دشمنوں روس، چین اور ہندوستان کے ساتھ مل کر مضبوط اور طاقتور اتحاد قائم کریں۔ لیکن میں سب سے پہلے دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کے ساتھ ہمارا اتحاد لوہے کی طرح مضبوط ہے۔ میں پر زور انداز میں کلی طور پر دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کی حمایت کرتا ہوں جس کی قیادت اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کررہے ہیں۔"

یہ وہ کافرانہ غرور اور جوش و جذبہ ہے جس کے تحت یہود کی خواہش پر امریکا کی قیادت میں یورپی اقوام تاریخ کے اسباق کو نظر انداز کر کے عالم اسلام کے طول عرض میں قدم جمانے کی تگ و دو کررہی ہیں ...... جب کہ بیت المقدس اور اس میں مسجد اقصیٰ و گنبدِ صخرہ آج بھی سلطان ایوبی کی راہ تک رہے ہیں ...... ان کا انتظار رائیگاں نہیں جائے گا......

آج بھی شام کے میدانوں اور کہساروں میں......
ایک دردمند مسلمان کو......
اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ......
صلاح الدین ایوبی کی آواز کا ارتعاش سنائی دیتا ہے......

یَا لَلْاِسْلَام یَا لَلْاِسْلَام

فلسطین کے ساحل سے......

جب پرشور موجیں ٹکراتی ہیں......

اور......

عکا کی وادی میں......

جب تیز ہوا سنسناتی ہے تو اس کے دوش پر......

دور......

کہیں بہت دور......

سلطان کی نفیر جہاد......

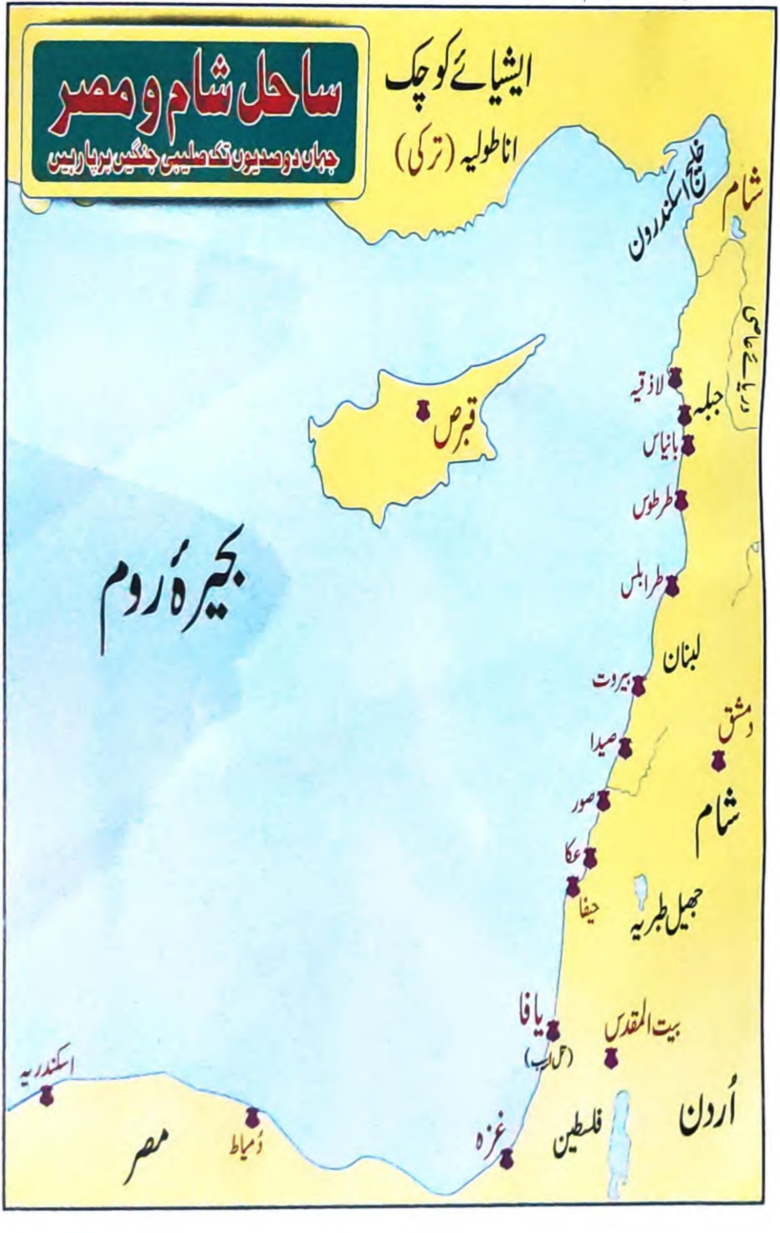
دم بدم گونجتی محسوس ہوتی ہے۔

یَا عَسَاکِرَ مُوَحِّدِین   یَا خَیْلَ اللہِ اِرْکَبِی

صلاح الدین ایوبی، الملک العادل اور سلطان بیبرس گزر گئے مگر ان کے فرزند ابھی زندہ ہیں۔ وہ ان ظالموں اور غاصبوں کے خلاف جہاد جاری رکھیں گے۔ چاہے اس مہم میں سالہا سال بیت جائیں، کئی نسلیں گزر جائیں مگر پرچم جہاد سرنگوں نہ ہوگا اور آخری فتح ان شاء اللہ حق کی ہوگی۔


قسطنطنیہ
بلغاریہ
رومی بازنطینی حکومت
انقرہ
سلطنت سلاجقہ روم
آرمینیا
کردستان
یونان
قونیہ
ارمنی ریاست
الجزیرہ
موصل
حلب
انطاکیہ
روڈس
کریٹ
قبرص
حماہ
طرابلس
حمص
فرنگیوں کے علاقے
بحیرۂ روم
بیروت
صور
شام
عکا
حیفا
دمشق
قیساریہ
یافا
عسقلان
دمیاط
اسکندریہ
غزہ
القدس
صحرائے عرب
قاہرہ
ایلہ
مصر
صحرائے اعظم
صلح رملہ ۵۸۸ھ (1192ء)
کے بعد
سلطنتِ ایوبی
کا حدودِ اربعہ
مدینہ منورہ
اسوان
بحیرۂ احمر
ینبوع
عیذاب
جدہ
مکہ معظمہ


بحیرۂ اسود
آبنائے باسفورس
قسطنطنیہ
بحر مرمرہ
طوبزون
سیواس
ارزنجان
انقرہ
ایشیائے کوچک
(موجودہ ترکی)
عموریہ
قیصریہ
منیسہ
ملطیہ
دیار بکر
بھنسا
قونیہ
مرعش
ماردین
نصیبین
تل باشر
رقہ
دریائے فرات
انطاکیہ
حلب
روڈس
قنسرین
حماہ
بحیرۂ روم
قبرص
حمص
طرابلس
بعلبک
بیروت
اسلامی افواج
صیدا
دمشق
صور
بانیاس
عکا
طبریہ
حیفا
قیساریہ
بصری
جزیرۂ عرب
سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی
ارسوف
یافا
القدس
رملہ
عسقلان
غزہ
دمیاط
اسکندریہ
منصورہ
عریش
کرک
میدانِ جنگ
جرمن افواج باربروسا اور فریڈرک کی قیادت میں
برطانوی افواج رچرڈ کی کمان میں
فرانسیسی افواج فلپ آگسٹس کے ماتحت
تیسری صلیبی جنگ
(۵۸۵/1189ء تا ۵۸۸/1192ء)
سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی

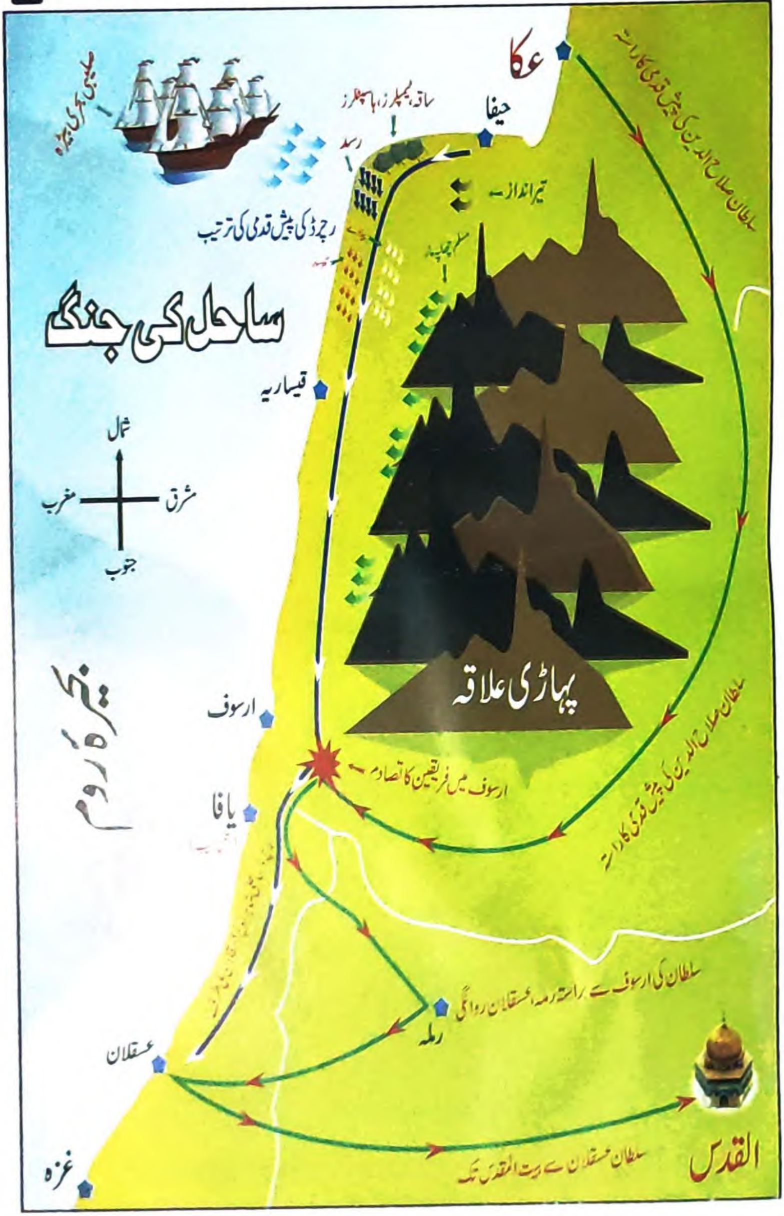

ساحل شام و مصر
جہاں دو صدیوں تک صلیبی جنگیں برپا رہیں
ایشیائے کوچک
اناطولیہ (ترکی)
خلیج اسکندرون
شام
دریائے عاصی
لاذقیہ
جبلہ
قبرص
بانیاس
طرطوس
طرابلس
بحیرۂ روم
لبنان
بیروت
دمشق
صیدا
صور
شام
عکا
حیفا
جھیل طبریہ
یافا
(تل ابیب)
بیت المقدس
اسکندریہ
اردن
دمیاط
غزہ
فلسطین
مصر

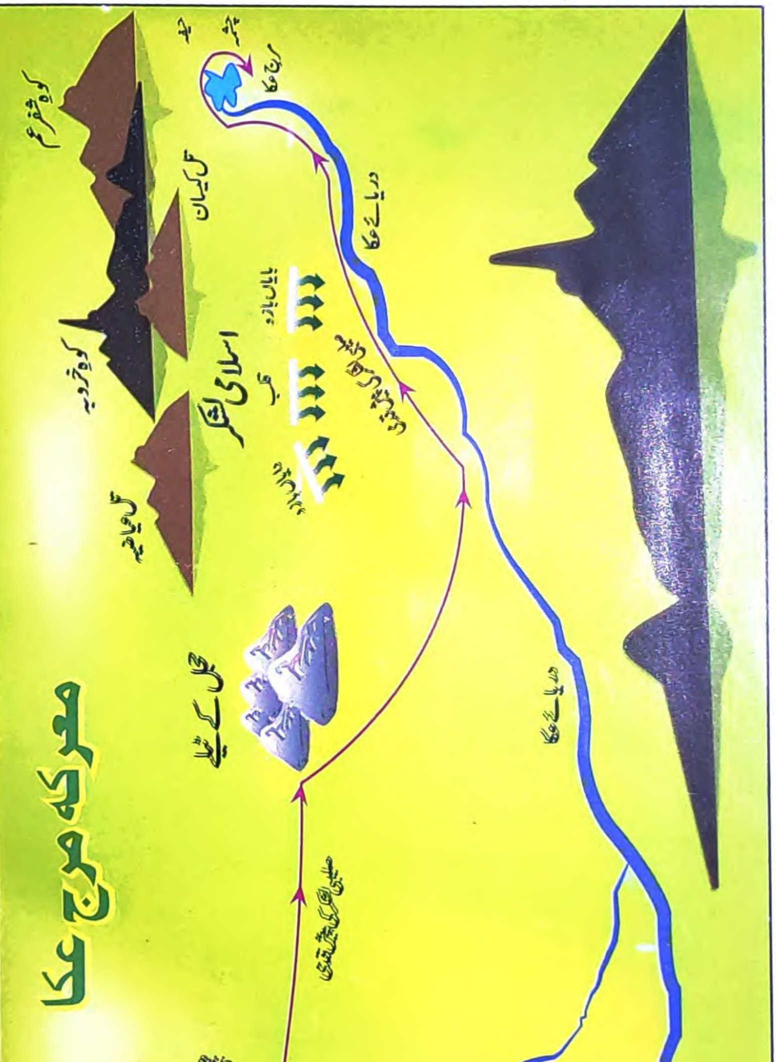


براعظم یورپ
ناروے
سویڈن
بحیرۂ ابیض
لیتھینا
ڈنمارک
بحیرۂ اوقیانوس
انگلینڈ
ہالینڈ
پولینڈ
جرمنی
فرانس
آسٹریا
ہنگری
سوئٹزرلینڈ
رومانیہ
بحیرۂ اسود
سربیا
نصرانی اندلس
بازنطینی سلطنت
بلغاریہ
اٹلی
سسلی
اسلامی اندلس
سلطنت سلاجقہ روم
یونان
تیونس
بحیرۂ روم
کریٹ
قبرص
دولت اتابکیہ
موصل
مراکش
شام کی نصرانی ریاستیں
قاہرہ
دولت عبیدیہ مصر
سلطنت مرابطین / موحدین
براعظم افریقہ


صور
کوہِ ہرمون
صور کی پہاڑیاں
عکا کا میدانِ جنگ
سلطان کی فوج صلیبیوں کے گرد
کوہِ خروبہ
صلیبی بحری فوج
عکا کی فصیل
ریتیلا ساحل
صلیبی افواج عکا کے گرد
عکا
تل المصلبین
صلیبیوں کا کیمپ تورون
ریتیلا ساحل
تل کیسان
کوہِ شفرعم
تل عیاضیہ
دریائے عکا
بحیرۂ روم
ریتیلا ساحل
کوہِ کارمل

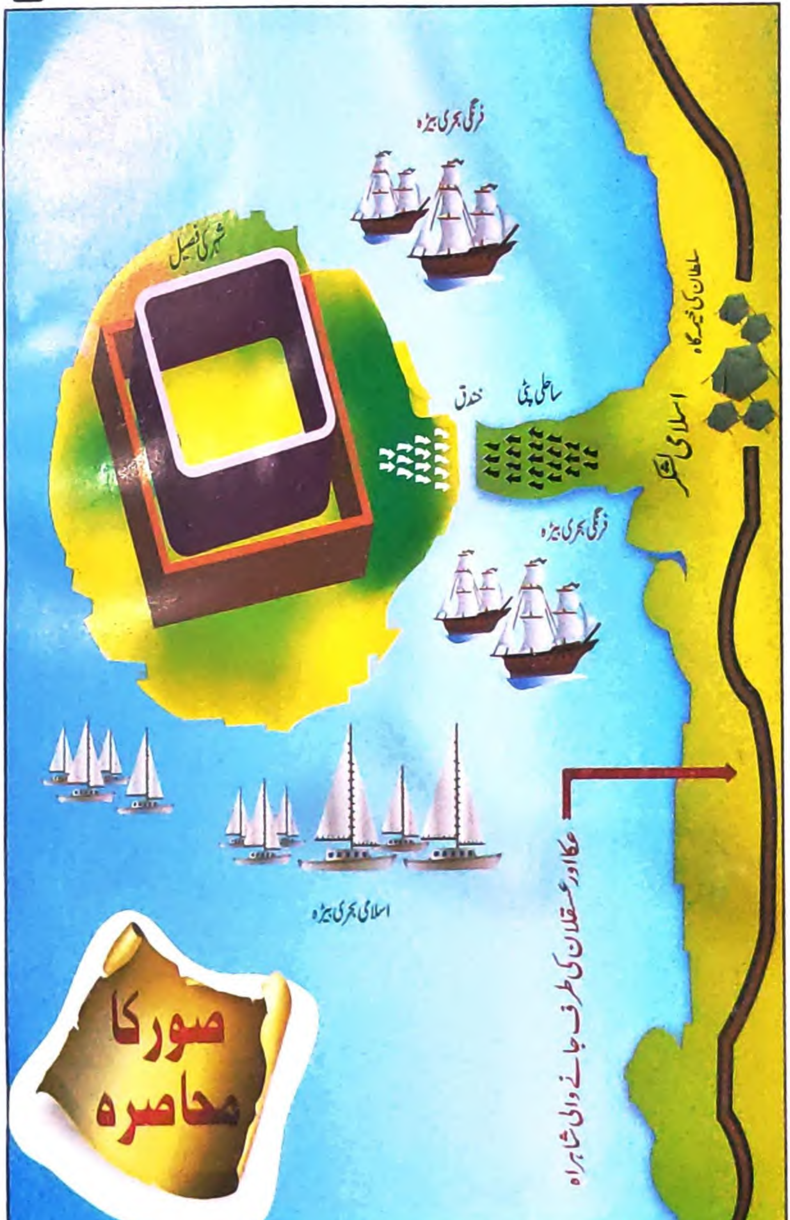

عکا سے القدس تک
پیش قدمی کے راستے
صیدا
(صیدون)
دمشق
لبنان
صُور
دمشق کی شاہراہ
نہاریہ
عکا
جھیل طبریہ
حیفا
بحیرۂ روم
قیساریہ
ساحلی سڑک
عکا سے القدس کی شاہراہ
پہاڑی علاقہ
ارسوف
یافا
رملہ
رام اللہ
القدس
عسقلان
غزہ
بحیرۂ مردار
اردن
فلسطین


عکا
حیفا
ساقہ، ٹیمپلرز، ہاسپٹلرز
صلیبی بحری بیڑہ
رسد
تیر انداز
رچرڈ کی پیش قدمی کی ترتیب
مسلم چھاپہ مار
ساحل کی جنگ
سلطان صلاح الدین کی پیش قدمی کا راستہ
قیساریہ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
پہاڑی علاقہ
بحیرہ روم
ارسوف
ارسوف میں فریقین کا تصادم
یافا
سلطان صلاح الدین کی پیش قدمی کا راستہ
سلطان کی ارسوف سے براستہ رملہ، عسقلان روانگی
رملہ
عسقلان
القدس
سلطان عسقلان سے بیت المقدس تک
غزہ


معرکہ مرج عکا
عکا
دریائے عکا
اسلامی لشکر
کوہ خروبہ
تل کیسان



معرکہ دریائے عکا
(نوبۃ النہر)
عکا
کوہِ شفرعم
کوہِ خروبہ
تل عیاضیہ
تل کیسان
قلب
چشمہ
اسلامی لشکر
دایاں بازو
دریائے عکا
صلیبی فوج کی واپسی کا راستہ
صلیبی لشکر کی واپسی
بایاں بازو
بایاں بازو
حیفا
9


صور کا محاصرہ
فرنگی بحری بیڑہ
شہری فصیل
خندق
ساحلی پٹی
سلطان کی خیمہ گاہ
اسلامی لشکر
فرنگی بحری بیڑہ
اسلامی بحری بیڑہ
عکا اور عسقلان کی طرف جانے والی شاہراہ


عکا کا اندرونی نقشہ
بیرونی فصیل
اندرونی فصیل
بیرونی خندق
اصطبل
عکا
اندرونی خندق
بازار
بلند ٹیلا جس پر منجنیقیں نصب تھیں
فصیل کا برج
بندرگاہ
برج قتال
بیرونی فصیل
بحری جہازوں کا راستہ
بحیرۂ روم


عکا اور اس کے گرد صلیبی کیمپ کا نقشہ
بحیرۂ روم
عکا
اندرونی فصیل
بیرونی فصیل
صلیبی چھاؤنی ٹورون
چھاؤنی کی فصیل
چھاؤنی کی خندق
بیرونی خندق
اندرونی خندق
بازار

تاریخ افغانستان

محمد اسماعیل ریحان

افغانستان کی مکمل تاریخ ۔ زمانہ ماقبل از اسلام سے حالیہ دور تک ۔ افغان کون ہیں؟ صحابہ کرام نے افغانستان میں کس طرح جہاد کیا؟ انہوں نے اسلام کب قبول کیا؟ افغانستان میں کون کون سے حکمران خاندان اقتدار میں رہے؟ ان تمام سوالات کے جواب دیتا ایک تحقیقی شاہکار۔

سوویت روس کے خلاف جہاد، طالبان دورِ حکومت اور امریکا کے خلاف مزاحمتی تحریک کی پوری تفصیلات ۔ ایک ساتھ۔

دو جلدیں ۔ جلد اوّل صفحات:433 جلد دوم: صفحات 498



شیرِ خوارزم سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار

محمد اسماعیل ریحان

آٹھ صدیوں میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے جہادی کارناموں پر والہانہ اسلوب میں لکھی گئی پہلی مفصل کتاب ۔ وہ مردِ مجاہد جس کی شمشیرِ آب دار نے فاتحِ جہاں سوز چنگیز خان کا غرور خاک میں ملا دیا ۔ وہ شہ سوار جس کے گھوڑے کی جولان گاہ سمرقند و بخارا سے کابل اور غزنی تک وسیع تھی ۔ جس نے دریائے سندھ کے دھارے میں بے خوف و خطر جست لگا دی ۔ خوارزم کے گلستانوں سے قفقاز کے پہاڑوں تک بکھری ہوئی دلوں کو گرما دینے والا ایک ایمان افروز تاریخی و ادبی شاہکار۔

صفحات:554



نظریاتی جنگ کے محاذ

محمد اسماعیل ریحان

نظریاتی جنگ کے مختلف محاذوں کو طشت از بام کرنے والی مفصل کتاب ۔ استشراق، استعمار، تبشیر، عالمگیریت اور سیکولرازم سمیت مختلف طاغوتی ازموں کا بے لاگ تجزیہ ۔ مسلمان دنیا میں اس طرح زبوں حال کیوں ہیں؟ مسلم حکمران متحد کیوں نہیں ہوتے؟ جگہ جگہ علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ ان تمام سوالات کے تفصیلی جوابات ایک ہی کتاب میں۔ اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں اس طرح بے نقاب کہ آپ قدم قدم پر چونک اٹھیں گے۔

صفحات:400



نظریاتی جنگ کے اُصول

محمد اسماعیل ریحان

عسکری اور نظریاتی جنگ میں کیا فرق ہے؟ استعمار اور استشراق کی تحریکیں کس طرح پروان چڑھیں؟ مشنری ادارے کس طرح مسلمانوں کا ایمان چھین رہے ہیں؟ مسلمانوں کو کس کس طرح سے نظریاتی طور پر گمراہ کیا جا رہا ہے؟ صیہونی ادارے کس طرح کام کر رہے ہیں؟ ایک ایسی کتاب جو آپ کی آنکھوں سے اندھیرے دور کر کے آپ کو روشن حقائق کی دنیا میں لا کھڑا کرے گی۔

ہمہ گیر موضوعات کو مختصر اوراق میں سمیٹ لینے والی ایک کتاب جسے ہر اسکول، کالج اور مدرسے میں داخلِ نصاب ہونا چاہیے۔

صفحات:126



بلاک A-1، گلستانِ جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی
0321-3135009 | 0321-2000870
almanhalpublisher@gmail.com
almanhalpublisher@hotmail.com
www.almanhalpublisher.com